اُسوۃ الرسول ﷺ

تالیف

مورخِ اسلام مولانا

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

اُسوۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

تالیف

مؤرخِ اسلام علامہ

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی ؒ

تلخیص و تصحیح

مولانا الیاس رضا یزدانی

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ---------------- اُسوۃ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد ---------------------- دوم

مصنف -------------------- مؤرخِ اسلام علامہ سید اولاد حیدر بلگرامیؒ

تلخیص و تصحیح ---------------- مولانا الیاس رضا یزدانی

ترتیب و تنظیم نو ---------------- قلب علی سیال

کمپوزنگ ------------------ فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

سال اشاعت ---------------- 2011

ناشر -------------------- مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ تین جلد مکمل سیٹ ------------ 1500 روپے

ہدیہ تین جلد گفٹ پیک بکس -------- 1800 روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے سید سہیل حیدر رضوی صاحب نے تعاون فرمایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے قرآن کریم اور دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

زیرنظر کتاب اُسوۃ الرسولؐ سلطان الانبیاء خاتم النبیین ،سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پرتقریباً ایک صدی قبل مؤرخِ اسلام علامہ سیداولاد حیدرفوق بلگرامی کی تصنیف وتالیف ہے۔تنقیدی وتحقیقی اعتبار سے ایسی لاجواب کتاب ہے۔جس میں تاریخ عرب،خاتم النبیین کے عظیم آباؤاجداد کے حالاتِ زندگی اور آخر میں سیرتِ سیدالمرسلینؐ پرسیر حاصل بحث کی گئی ہے۔کتاب کے مصنف کا اپنا ایک خاص اسلوب بیان،طرزِ قلم ووجدان ہے۔جِسے خاطرخواہ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔چونکہ کتاب کے پرانے پرنٹ شدہ نسخہ میں کتابت کی متعدد اغلاط موجود تھیں۔

لہٰذا کتابت کی اغلاط کی درستگی اورمحاورات وفقرہ بندی کی تصحیح کے لئے ٹرسٹ نے مولانا عابدعسکری کا انتخاب کیا اورانہیں کثیر رقم بطورحق زحمت ادا کردی۔مگرمولانا موصوف کتاب میں موجوداغلاط کی خاطرخواہ درستگی کرنے میں ناکام رہے۔کتاب کی کمپوزنگ مکمل ہونے کے بعد بمطابق وعدہ مولانا موصوف نے پروف ریڈنگ مکمل کرنی تھی۔لیکن حالات واضح طور پرپروف ریڈنگ میں مزید تاخیر کا اشارہ دے رہے تھے۔چونکہ ٹرسٹ نے ماہ رمضان المبارک میں کتاب کی اشاعت کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا۔لیکن کتاب کی اشاعت کی تکمیل کا مرحلہ بوجہ مولانا موصوف مکمل ہوتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ درج بالا تاخیری وجوہات کومدنظر رکھتے ہوئے ٹرسٹ نے کتاب کی تلخیص وپروف ریڈنگ کا کام قلب علی سیال کی مشاورت سے مولانا الیاس رضا یزدانی کے حوالے کردیا۔لیکن ماہِ رمضان المبارک میں مولانا موصوف بھی اپنی ناگہانی مصروفیات کی وجہ سے بروقت کتاب نہ دے سکے۔

یوں کتاب ہذا کی اشاعت میں تاخیر درتاخیر کا سلسلہ طول پکڑتا گیا۔بلاشبہ کتاب کی تاخیر میں قلب علی سیال کی غفلت کوبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح کتاب کی تصحیح وپروف ریڈنگ میں کئی ماہ لگ گئے۔بالآخر ماہ ذیقعد میں کتاب کی دوسری جلد کی تصحیح و پروف ریڈنگ مکمل ہوئی۔جس کی اشاعت مکمل ہونے کے بعد کتاب ''اُسوۃ الرّسولؐ جلد دوم'' آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔امید ہے آپ ہمیں اپنی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔۔۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

حرفِ مصنف بقلمِ مصنف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیۡنَ وَاٰلِہٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

میرے سلسلہ سوانحات حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی یہ آخری کتاب ہے اور ایسی آخری ہے جو ظاہر میں آخر اور حقیقت میں اول ہے اس لئے کہ یہ سیرۃ الرسول ﷺ ہے جو سابق اجزائے سیزدہ گانہ کی اصل الاصول۔ آخر اس لئے کہ سب سے آخر میں لکھی گئی ہے۔ اور نیز اس رعایت خاص سے کہ ختم الرسل اور نبی آخرالزمان کے حالات میں صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ جن کی ذات قدسی صفات منازل رسالت کی مکمل اور مناصب نبوت کی متمم ثابت ہوچکی ہے۔

وجہ تاخیر

ایسے متمم رسالتؐ کے حالات وواقعات کی تحقیق تفصیل اور تشریح کیلئے مؤلف کو کلی جمعیت اور انتہائی ہمت سے کام لینا ہے میری سابقہ تالیفات اسی کل کی جزئیات تھیں اور اسی اصل کی فروعات جن میں سوائے اندرونی پیچیدگیوں کے بیرونی مشکلات کی تنقید وتفصیل اور جرح وتعدیل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان کی تدوین وترتیب کے منازل ومراحل بالتدریج وترتیب پہلے طے کر لئے گئے اور اُن سے کلی فراغت اور خاطرخواہ جمعیت حاصل کر کے اُسوۃ الرسول ﷺ کی مبارک تدوین سے سعادت اندوز ہونے کی کوشش کی گئی۔

ترتیب تالیف میں تقدیم وتاخیر کا الزام تنہا مجھ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مجھ سے اکثر اصحاب سیر وتاریخ اور ارباب تحقیق نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے، میری اس کتاب میں میرے مخاطب اصلی شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

> ’’میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ میرا فرض اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے سیرۃ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا۔ مگر یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔‘‘

یہ عبارت لکھ کر گویا شبلی صاحب نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ بلفظہ اور بجنسہ میری تاخیر اور عدم تحریر سیرۃ نبویؐ کیلئے بھی یہی مجبوریاں سمجھی جائیں۔ ممکن تھا کہ ابھی اور تاخیر ہوتی۔ مگر ایک تو اس وجہ سے کہ تمام سر تین علی الترتیب تمام ہوچکی تھیں اور ایک یہی باقی تھی۔ دوسری یہ کہ شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ کی اشاعت، اسکی مبہم، مجمل، غیر مفصل اور نہ مکمل صورت نے میری کتاب کی تالیف میں ایسی عجلت

پیدا کردی کہ پھر میں اپنے اس قصد و ارادے کو ذرا بھی نہ روک سکا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں ان دنوں اپنی کتاب الزہرا سلام اللہ علیہا تمام کر کے اس کا دیباچہ لکھ رہا تھا۔ جس کو میں نے فوراً متروک وموقوف کر دیا۔ اور بالآخر میری وہ کتاب بغیر کسی دیباچہ اور مقدمہ ہی کے چھپ گئی ۔ یہ میں نے گوارا کر لیا مگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرۃ کی تالیف وترتیب سے پھر ایک دم کیلئے بھی غافل نہ ہوا۔

عجلت کی ضرورت

اس عجلت کی کیا ضرورت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بالکل اچھوتی طرز کی سیرت نے شائع ہو کر عموماً قوم وملت میں اور خصوصاً قومِ شیعہ کی جمعیت میں وہی کیفیت پیدا کر دی جو سر ولیم میور صاحب کی لائف آف محمدؐ کی اشاعت نے آج سے پچاس برس پہلے پیدا کر دی تھی، جس کو سرسید احمد خان نے مفصل ذیل عبارت میں قلمبند فرمایا ہے۔

> ''جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے نہایت ذوق وشوق سے پڑھا۔ مگر جب ان کو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرتؐ کے حالات کی نہایت سدھی، سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی سے اسی سطح پر اس کتاب کا لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو ان کا وہ شوق وذوق بالکل ٹھنڈا پڑ گیا مگر جو نوجوان طالب علم ،انگریزی کی تحصیل کرتے تھے اور اپنی دینیات سے محض ناواقف تھے ان میں اس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگرچہ سر ولیم میور صاحب نے سیدھی، سادی اور صاف باتوں کو بھی بڑے پہلو پر لے جا کر لکھا ہے تو فی الواقع ان کی اصلیت کیا ہے خطبات احمدیہ، دیباچہ، ص18، مطوعہ لاہور۔''

شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ کی بھی بجنسہ یہی کیفیت ہوئی، یہ کتاب والیان ملک کی فیاضانہ امداد سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی۔ لوگوں نے بڑے اشتیاق سے خریدا۔ مگر جب کتاب پڑھی تو معلوم ہوا ۔

خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

پھر تو قوم وملت کے ہر ہر فرقے اور ملک ووطن کے ہر ہر گوشے سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ: شبلی صاحب نے ۔۔۔۔۔۔

(۱)۔ اگر راہب بحیرہ کی بشارت آنحضرتؐ کو جھٹلایا۔

(۲)۔ آنحضرتؐ کا اہل مکہ کی بکریاں اُجرت ومزدوری پر چرانا قبول کر لیا۔

(۳)۔ آنحضرت صلعم کی قبل بعثت ہی سہی، عرب کی قدیم داستان گویوں کی فضول صحبت میں رات بھر بیٹھنا۔

(۴)۔ ایک بار انہیں صحبتوں میں جاتے ہوئے راہ میں ایک شادی کے جلسہ کا تماشا دیکھنے کھڑے ہوجانا اور پھر وہیں سو کر شام سے صبح کر دینا۔

(۵)۔حضرت علی مرتضیٰؑ کا شراب پینا تسلیم کرلیا ہے۔اوراُن کی ایسی کثیر التعداد مثالیں جن سے سیرۃ النبیؐ کی متعدد جلدیں سیاہ کی گئی ہیں ایسی ہی ہیں تو فی الواقع ان کی اصلیت کیا ہے۔

میری موجودہ کتاب اسوۃ الرسولؐ اُنہیں مستفسرات کا جواب ہے اورشبلی صاحب کی غلط بیانیوں کی حقیقت کا دفتر انکشاف۔مگر میں اپنی موجودہ تالیف کی اس وقت تک کوئی تفصیل کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ شبلی صاحب کے دیباچہ پر کامل تبصرہ نہ کرلوں اوراس کی حقیقت اوراصلیت کا بھی اسی طرح صاف صاف اظہار وانکشاف نہ کروں جس طرح آپ کی اصل کتاب کے تمام غلط مشکوک اورمبہم واقعات وحالات کے متعلق تحقیق وتنقید سے کام لیا گیا ہے۔

دیباچہ سیرۃ النبیؐ پر تبصرہ

سیرۃ النبیؐ کے مجلدات دیکھ کر مفصلہ ذیل رائے قائم کی گئی ہے۔

استخفاف واستیصال حقوق بنی ہاشم

حقوق بنی ہاشم کے استخفاف واستیصال کے علاوہ جودت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے۔جس کے لئے اخلاقاً آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ بنی امیہ کی جانبداری کیلئے آپ فطرتاً مجبور ہیں۔بہت سے واقعات قدیمہ اورمشاہدات عظیمہ۔جو تاریخ عرب،آثار اسلام اوراخبار جناب سیدالانام علیہ وآلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے۔قطعاً مرفوع القلم اورکالعدم فرما دیئے گئے

بے ضرورت کوتاہ قلمی

ان میں سے بعض لکھے بھی گئے تو ان کی تفصیل وبیان میں بے ضرورت اوربے موقع اس قدر کوتاہ قلمی اختیار کی گئی کہ ان مختصرات کو اشارات واستعارات شاعرانہ کہیں تو بے جا۔اورعموماً پہیلی اورچیستان سمجھیں تو ناز یبا نہ ہوگا۔

بے ضرورت تنقید

بہت سے واقعات کی تحقیق میں اپنی ناقدانہ مخترعات ومصنوعات کا بے ضرورت اضافہ کیا گیا ہے جو حقیقت اورواقعیت سے بمراحل دور ہے۔

تاریخ قدیمہ عرب کے متواترات سے انکار

اکثر ایسے واقعات سے جو تاریخ ومرویات عرب میں متواترات کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔اور مشاہدات کئے جاسکتے تھے ،صرف اس ہمہ قیاس کی بنا پر کہ آپ کے نو ایجاد فلسفہ تاریخی کے حدود میں ظاہری طور پر نہیں آسکتے تھے۔انکار کر دیا گیا۔اور قدمائے عرب کے ان اخبار واقوال متفقہ اور اثار مسلمہ پر تکذیب وتغلیط کا حاشیہ چڑھادیا گیا۔

مقررہ معیار سے انکار

جس طمطراق اور تکلفات مالا یطاق سے تنقید وتحقیق واقعات کے کثیر التعداد معیار ایجاد کئے گئے ان میں سے کسی کی بھی پابندی نہیں فرمائی گئی۔

ترجیح حدیث علی التاریخ

اسناد کی تفصیل اور تعین میں سیرت پر تاریخ اور تاریخ پر حدیث کو ترجیح دی گئی ہے اور پھر حدیثوں میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو اور صحاح ستہ کی حدیثوں میں صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں کو ترجیح بالمرجح عنایت کی گئی ہے مگر افسوس کہ آغاز کتاب ہی میں امام بخاری پر حدیث کے غلط معنی لگانے کا الزام ثابت کر دیا گیا ہے (دیکھو لفظ قراریط ،سیرۃ النبی ج 1 ص 129) اور ان کے شارخ حافظ ابن حجر پر رواۃ پرستی کا جرم لگایا گیا(راہب بحیرہ کے حالات ص 1 3 1) ان بنا پر ان محدیثین اور ان کی حدیثوں کی کیا وقعت باقی رہتی ہے اور کیا اعتبار۔اس لئے آپ کا قائم کردہ معیار بالکل طومارِ بیکار ثابت ہوا اور کچھ بھی نہیں۔اس مسئلہ پر مفصل بحث اپنے مقام پر آے گی۔

حدیث صحیحہ کی شرط مقرر کردہ سے انحراف

اسناد حدیث کی تصدیق وتوثیق کے علاوہ معمولی واقعات تاریخی کی تحقیق واثبات کی نسبت بھی۔اگر چہ وہ متواترات ہی کیوں نہ ہوں۔اس قدر شدت احتیاط کی تاکید فرمائی گی ہے کہ غیر مقید اور غیر مستند کوئی واقعہ نہ قلمبند کیا جائے مگر اپنی ہی کتاب میں اپنے ہی دست وقلم سے اپنے دلائل کے اسناد واثبات میں صرف اس لکھ دینے پر اکتفا فرمادی گئی کہ اکابر صوفیہ نے لکھا ہے۔(ذکر ذبح اسماعیل ص 106)۔

استباط کتب معتبرہ کی شرط تقر دکردہ سے انحراف

اسلاف کی غیر محققانہ اور محض کورآنہ تقلید کے غلط اصول سے بظاہر توقطعی انکار کیا گیا ہے مگر اپنے مفید مطلب مضامین کی تصدیق وتحقیق میں آنکھیں بند کر کے قول سلف کی تقلید کی قدیم لکیر پٹی گئی ہے اور پھر اس سختی اور مضبوطی سے کہ اگر چہ اس کے خلاف میں کیسی ہی معتبر اور مستند اقوال واسناد آپ کے پیش نظر ہوں مگر آپ ایک کو بھی نہیں مانتے۔منافرۂ بنی امیہ با بنی عبدالمطلب اور منافرہ بنی ثقیف یا بنی عبدالمطلب کے متواتر اسقاط واقعات۔باب الاجارہ بخاری کے خلاف طبقات ابن سعد کے قوی الاسناد مرویات سے قطعی انکار وغیرہ

کثیرالتعداد واقعات جو اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر پوری تحقیق سے لکھے گئے ہیں موجود ہیں۔

کتاب مستردہ اور نا اعتبار کردہ سے استنباط

جن کتب حدیث ،تاریخ وسیر کو دیباچۂ کتب میں ساقط الاعتبار ٹھہرایا گیا ہے۔ اصل کتاب میں انہیں کے اسناد و حوالوں سے کثیرالتعداد مقامات پر کام لیا گیا ہے۔ مواہب الدینہ قسطلانی کے متعلق تحریر ہے۔

''مشہور کتاب ہے اس کے مصنف قسطلانی ہیں، جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے اور متاخرین کا بھی ماخذ ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔ سیرۃ النبی، دیباچہ۔ص27''

لیکن تمام کتاب آپ کی مواہب لدینہ کے حوالوں سے بھری پڑی ہے۔ مثال کیلئے ملاحظہ ہوں صفحات 178،182،184وغیرہ وغیرہ۔ طُرفہ تو یہ ہے کہ غرانیق العلیٰ والی موضوع روایت کی تنقید میں ابن حجر شارح بخاری کی تردید تکذیب میں مواہب لدینہ ہی کی عبارت پیش کی گئی ہے ملاحظہ ہو ص179

(الف) اس طرح کتب احادیث کے متعلق ہر واقعہ کی صداقت کم سے کم صحاح ستہ تک کے اندراج تک مشروط کر دی گئی مگر اپنی کتاب میں اپنے حصول مطلب کیلئے یہ تمام قیود و حدود توڑ کر تمام چھوٹی بڑی ۔عام وخاص اور معتبر و غیر معتبر کتب احادیث سے استخاذ واستخراج فرمایا گیا۔ کما لا یخفی علی ناظر کتاب

(ب) یہی کتب تاریخ کی بھی کیفیت ہے لکھنے کو تو تاریخ قدیمہ عرب کے جدول مفصل اور فہرست مکمل دیباچہ کتاب میں لکھی گئی ہے اور ان میں سے ،ابن ہشام، ابن اسحاق، طبری، اور ابن سعد کے منقولات ومرویات پر اعتبار کیا گیا ہے مگر اپنی کتاب میں مفید مطلب واقعات تاریخی کے نقل کے وقت ابوالفدا، ابن اثیر، ابن شحنہ، مسعودی، ابن لوردی، غرض کوئی متاخرین نہیں چھوڑا گیا۔ اور سب کے اقوال وارشاد، بلاتحقیق وتنقید داخل اسناد کر لئے گئے پھر سابق معیار کے تعین بالکل بیکار ہوئے۔

(ت) سیرت کی بھی یہی صورت ہے دیباچہ میں عرب کے تمام قدیم سیرت نگاروں کی بڑی لمبی چوڑی فہرست داخل ہے (ملاحظہ ہو از صفحہ 20۔تا26) ان میں سے سیرت ابن اسحٰق ،روض الالف ،سیرت ابن سید الناس ،سیر ابن عبدالبر وغیرہم کی ایسی معدودے چند سیرتوں کو قابل الاسناد بتلایا گیا ہے مگر اصلی کتاب میں حصول مطلب کیلئے وہی معمولی بھرتی ہے اور جلد دوم تک تو پہنچتے پہنچتے ۔ملفوظات حضرت اشرف جہانگیر تک کے حوالوں کی نوبت پہنچائی گئی ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ؀۲ جب ان معیار پر کام کرنا ہی نہیں تھا تو پھر ان کا یہ طومار اور انبار کیوں تیار کیا گیا۔

مؤلفِ کتاب اُسوۃ الرسول کا دیباچہ کتاب تقریباً 225صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ اس دیباچہ کا مکمل جواب کتاب ھذا میں اپنے اپنے مقام پر پوری وضاحت سے دیا گیا ہے۔ اس لئے قاری حضرات کی سہولت کے پیشِ نظر اسے کتاب سے خارج کیا جا رہا ہے

جو کی تلخیصِ کتاب کے حوالہ سے ایک اہم قدم ہے۔

ہماری کتاب اسوۃ الرسول

دیباچہ میں مختصراً شبلی صاحب کے اصول تعمیم کا طریقہ ظاہر کر دینا ضروری تھا۔ جو حقیقتاً ان کے اصول عقائد کا ایک خاص ضمیمہ ثابت ہوتا ہے اس اصول کو شبلی صاحب نے جس حفظ ماتقدم اور عزم و احتیاط سے اپنی تالیف میں از اول تا آخر مدنظر رکھ کر تمام واقعات کو اسی کے مطابق قلم بند فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت اور ماہیت ہر موقع اور ہر مقام پر کھول دی گئی ہے۔ اور اصلیت دکھلا دی گئی ہے اسی کے ساتھ آپ کی عالم فریب انشاپردازی کی اصلی اور بے وجودی بھی ثابت کر دی گئی ہے۔ جو اپنے اپنے خاص موقع پر مذکور ہیں۔

تبصرہ میں ہر مبہم واقعہ کی صحیح تنقیح۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید و تحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی تصحیح و ترمیم بطور تمثیل مختصراً قلمبند کر دی گئی ہے اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے تبصرہ میں زیادہ تر ان واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے جن کو شبلی صاحب نے کسی مصاحت سے مرفوع القلم فرمادیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا یا تاریخ وسیرت کی ہیت وصورت سے نکال کر عقائد کے قالب میں اتار دیا تھا اور اس حیلۂ قلمی سے اپنے مسلمات عقائد کو تاریخ وسیر کے واقعات ومشاہدات بتلا کر عوام سے تسلیم کرانا چاہا تھا۔

اس میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ہمیں ان کے عقائد کی تنقید کی نہ کوئی ضرورت لاحق تھی اور نہ ان کی تردید کا کوئی حق حاصل تھا۔ اس لئے میری تنقید بیکار سمجھی جائے گی لیکن اتنی عرض کر دینا ضروری ہے کہ عقائد اسلام کے متعلق۔ وہ واقعات مندرجہ سیرۃ النبی صلعم جو منافی شان رسالت ظاہر ہوتے ہیں یا وہ مرویات جو مخالف قرآن اور معارض احادیث متفق علیہ ثابت ہوتے ہیں ان کو بغیر تنقید کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

جس طرح ہر ایسے واقعہ کے متعلق تنقید وتحقیق سے کام لیا گیا ہے اسی طرح شبلی صاحب کی عبارت ومضمون میں جن جن مقامات پر ضرورت خاص سے تلمیحات اور استعارات، صرف استخفاف واقعات کیلئے کام میں لائے گئے ہیں یا انشاپردازی اور عبارت آرائی کی قلمکاریوں سے سطحی الذہن اور محدود الاطلاع افراد قوم وملت کو صرت مرغوب کر دینے کیلئے کہیں منطق کے اسباب وعلل، معانی ومطول، کہیں فلسفہ اور کلام کے رواز وغوامض، دلائل ومباحث پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان کی اصلی تصریح وتشریح بھی کر دی گئی ہے۔

عبارت کتاب کے اکثر مقامات میں اغراق، انفکاک اور خلاف سیاق اور دیگر اقسام کے اغلاط واسقام کے عام حرف گیریوں سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے اور ان کی حقیقت شناسی اور اصل فہمی کو ناظرین کے مطالعہ ومشاہدہ کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی ناگزیر ضرورتیں تھیں جنہوں نے سیرۃ النبی صلعم کے بعد اسوۃ الرسولؐ کی تالیف واشاعت کو خاص اہمیت دے رکھی مؤلف نے ابتدا سے لے کر انتہائے تالیف تک انہیں امور ضروری کو کامل شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ مذہبی اور دینی واقعات کے حالات کو پہلے قرآن کے ارشادات سے۔ پھر احادیث صحیحہ کی مرویات سے مقابلہ کر کے قلمبند کیا ہے۔

ملکی اور قومی وقائع اور سوانح کو تاریخ وسیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے مستنبط کیا ہے استناد واستخراج کے طریقوں میں ہر واقعہ کی

صحت اسناد میں وہ تمام اصول تحقیق قائم رکھے گئے ہیں جو ایک روایت کی تصدیق و توثیق کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

تمدنی اور اخلاقی حالات و مرویات میں انہیں واقعات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے جو اخلاق الٰہیہ، آداب نبویہ اور نیز ملک و قوم کی مروجہ تہذیب و شائستگی کے مطابق ثابت ہوتے ہیں۔

تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلمات کی تفصیل و تعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خود غرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ہے اور بلا وجہ و ضرورت صرف حصول مدعا کی ضرورت سے ایک فن کو دوسرے فن سے فروتر اور کم پایہ نہیں قرار دیا گیا۔ یا ایک فن خاص کو مرویات و مندرجات میں دوسرے فن کے مرقومات و مذکورات ملا کر غلط مبحث کا معجون مرکب تیار نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت نگاری کے موجودہ سباق تحریر میں حدود تنقید و تحقیق ضرور قائم رکھے گئے ہیں اور ضرورت میں استدلال کلامیہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔لیکن واقعات کی تنقید و تحقیق میں نہ اتنی جدت دکھلائی گئی ہے اور نہ اپنی اصابت رائے قائم رکھنے کی بنا پر اتنی شدت اختیار کی گئی ہے کہ تاریخ و سیرت کے مضامین کلام و مناظ کے میگزین بن جائیں۔ یا اپنی جدید تحقیق اور مجدد بننے کے شوق و تمنا میں سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے عام فہم اور سلیس طریقہ تحریر کو۔ جو آغاز فن سے لے کر اس وقت تک تمام علمائے متقدین و متاخرین کا نظریہ قرار پا چکا ہے۔فلسفہ تاریخ کی جدید اور یوروپین طریقہ تالیف کی تقلید کی موجودہ صورت ہیئت میں بدل دیا گیا ہے اور نہ علم قدامت کے انکشافات جدیدہ کے ہر ممکن و ناممکن قیاسات کی بنا پر واقعات تاریخی کی اتنی چھان بین اور ان کی اتنی ہندی کی چندی کی گئی ہے کہ ثبوت استدلال کے طومار و انبار میں اصل مطلب مفقود اور لا وجود ہو جائے اور جس سے حقیقت واقعہ اور اصلی صورت حال تو غائب ہو جائے اور مصنف کا صرف خارجی اور سطحی استدلال رہ جائے۔

اس مسلک اور طریقہ تالیف کے خلاف اسوۃ الرسول میں ہر مسئلہ ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دیئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے اور ان کی تفصیل و بیان میں اسی قدر وسعت دی گئی ہے جس قدر سہولت اور عالم قبولیت کے لحاظ و اعتبار سے ضروری تھے مختلف فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو مقبولیت اور معقولیت دونوں حیثیت رکھتے ہیں۔نقل روایات میں صغاف و اعاد سے کہیں بھی کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ شبلی صاحب نے ان کی قابل الاستناد ہونے کا بھی عام فتویٰ دے دیا ہے۔(دیباچہ سیرۃ النبی ص 61، 71)

واقعات کی ترتیب باعتبار سنین کی گئی ہے اور ہر سال کے سلسلہ واقعات میں تقدیم و تاخیر وقوع کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے ایسے واقعات جن کے ایام وقوع کی تعین میں اختلاف ہے کثرت اقوال پر اعتبار کیا گیا ہے ایسے واقعات جن کی تفصیل ضروری نہیں سال وقوع کے آخر میں تذکرہ لکھ دیئے گئے ہیں۔

مرقومہ بالا ترتیب و تدوین کے مطابق اسوۃ الرسول تین جداگانہ حصوں (جلدوں) میں مرتب اور مدون کی جا رہی ہے۔

صنف تالیف اور شغف تصنیف میں تحقیق و ترتیب کے بعد بہت بڑا اہم اور ضروری امر نقل اسناد ہے ہر واقعہ کے شہود و ثبوت

میں اسناد کی اصلی عبارت کو بلفظ لکھ دیا گیا ہے۔متقدمین صرف مصنف اور تصنیف کے نام کے حوالہ کو کافی سمجھتے تھے لیکن زمانہ حال کے محققین نے اس طریقہ اختصار کو اطمینان واعتبار کیلئے کافی نہ سمجھا۔مزید اطمینان اور خاطر خواہ تشفی کیلئے اسناد کی پوری عبارت، تصنیف ،صاحب تصنیف کا نام شمار جلد نشان صفحہ وسطر تک کے اندراج کو ضروری سمجھا ہے۔یہ طریقہ چونکہ نہایت مستحسن اور مستحکم تھا اس بنا پر فی زماننا علم تصنیفات وتالیفات میں یہی دستور قائم رکھا گیا ہے۔نہایت احتیاط سے اسناد کی اصلی عبارتیں کتابوں اوران کے صفحات سطوروں اور مجلدات وغیرہ کے صحیح حوالے قلمبند کئے گئے ہیں عربی اور فارسی ماخذوں کی اصلی عبارت اور ان کا ترجمہ درج کر دیا گیا ہے۔ انگریزی حوالہ جات میں چونکہ بغیر ٹائپ کے اصلی عبارت کی نقل دشوار تھی۔اس لئے ان کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی لیکن اصلی کتاب کے تمام حوالے درج کر دیئے گئے ہیں۔حوالہ جات بعد ختم واقعات فوراً لکھ دیئے گئے ہیں اور عبارت زیرین حاشیہ وغیرہ کو ملاحظہ کی دوبارہ زحمت نہیں دی گئی ہے۔

المولف الاحقر

خان بہادر

سید اولاد حیدر بلگرامی

کواتھ ضلع آرہ شریف العمارت عید الفطر 1342ھ

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا وَاهْدِنِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۔ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰلِهِ الْكَرِيمِ

تمت بالخیر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
23	تربیت حضرت علی مرتضیٰؓ
25	قبل نبوت تجارت کی غرض سے بیرونی سفر
28	مراسم شرک سے اجتناب
38	موحدین سے ملاقات
40	احباب خاص
49	اسباب رسالت
51	مذہب یہود کی زوال پذیر حالت
53	عیسائیت کی خرابی
53	فرقۂ زردشتی
53	پولوس نے خالص عیسائیت کو خارجی عقائد سے آلودہ کردیا
54	وجودعیسیٰؑ کے متعلق عیسائیوں کے مختلف عقائد اور مختلف فرقے
55	پہلی صدی میں عیسائیت کا حال
56	دوسری صدی میں عیسائیت کا حال
56	فرقہ مارکونائٹ
57	فرقہ والیٹین
57	فرقہ افائیٹس
57	فرقہ پیراکوس
57	فرقہ مانیٹوس
58	فرقہ مانویہ
60	چوتھی صدی میں عیسائیت کا حال فرقہ ایرین کا ظہور
61	مختلف مذہبی کونسلیں
61	چھٹی صدی کے حالات اور فرقہ مینوفیسائیٹ
62	ساتویں صدی کے حالات اور فرقہ مانوتھیالیٹس کی ابتدا
62	عیسائیت کے حیوانی مظالم
63	قتل ہسپتیا
63	عیسائیت کے مظالم اور عالمگیر بدکاریاں
64	شاہ مارقیوس کا خونِ ناحق
67	ممالک یورپ میں عیسائیوں کی دینی اور دنیاوی بدنظمی
67	قبل بعثت عرب کے خاص حالات
68	عرب میں بت پرستی کیسے آئی
69	عرب کے بتوں کے نام
69	ا۔ہبل
69	۲۔وُدّ
69	۳۔سوآع
69	۴۔یغوث
69	۵۔یعقوق
69	۶۔نسر
70	۷۔عُزیٰ
70	۸۔لات
70	۹۔منات
70	۱۰۔دوآر

عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۔اوصاف	70
۱۲۔نائلہ	70
۱۳۔نھیک	70
۱۴۔مطعم	71
۱۵۔ذات الانواط	71
۱۶۔ذوالکفین	71
۱۷۔عبعب	71
عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں	72
عرب کے الہامی مذہب، مذہب صابی	74
مذہب ابراہیمی	74
مذہب یہود	76
مذہب عیسوی	76
خاص عرب میں مبعوث برسالت ہونے کی مخصوص ضرورت	79
شبلی صاحب کا خاندان	81
رسولؐ پر غلط الزام	81
واقعات مناقض شان رسالت	84
نزول وحی اور حصول رسالت	87
نزول قراء	92
شبلی صاحب کا غلط فہمی کی اصلاح	95
تبلیغ رسالت	100
نبوت کا پہلا سال	100
حضرت علی مرتضیٰؓ کی سبقت فی الاسلام	103
حضرت عمار ابن یاسرؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام لانا	111
طفیل ابن عمر دوسی کا اسلام لانا	112

عنوان	صفحہ نمبر
ضماد بن ثعلبہ ازدی کا اسلام لانا	113
خالد بن سعید بن العاص کا اسلام لانا	113
تین برس تک تبلیغ کا مخفی انتظام	114
وجوب نماز	115
پہلے غربائے امن نے دعوت اسلام قبول کی	116
ابتدا میں اظہار اسلام کی مضرت	118
نبوت کا چوتھا سال دعوت قریش	123
دعوت قریش اور عیسائی مولفین کی تحقیق	134
مسٹر گبن ایم، بی	135
نبوت کا پانچواں سال	136
کفار قریش کے اسباب مخالفت	136
پہلا سبب	137
دوسر سبب	137
تیسرا سبب	138
چوتھا سبب	138
پانچواں سبب	139
مدت تک قریش کے تحمل کے اسباب	140
ظالمین قریش اور مظلومین اسلام	141
خباب بن الارث	141
حضرت بلال	141
صہیب رومی	142
ابوفکیہ	142
حضرت عثمان بن عفان	142
مصعب بن عمیر	143
سعیدؓ بن زید	143

عنوان	صفحہ نمبر
سعد بن وقاص	143
حضرت سمیہ	143
لبنیہ کی کنیز	143
زنیرہ	144
نہدیہ اور اُم عبیس	144
قریش اور آنحضرت صلعم کی مخالفت میں مشاورت	144
قریش کا پہلا وفد اور ابی طالبؑ کی خدمت میں آنحضرتؐ کی شکایت	145
نبوت کا چھٹا سال حضرت حمزہ کا اسلام لانا	146
کفار قریش اور رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانیاں	148
کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ترغیب وتحریض	149
ہجرت حبشہ، نبوت کا ساتواں سال	153
ملک حبش میں مہاجرین کا داخلہ	155
نجاشی کے دربار میں قریش کی اپیل اُس کی تردید میں حضرت جعفرؓ کی تقریر	156
حضرت عمر کا اسلام لانا نبوت کا ساتواں سال	158
حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق دوسری روایت	162
حضرت ابی طالبؑ اور قریش کا آخری وفد	166
قریش اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہ گفتگو	169
قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات کا تحریری معاہدہ	172
شعب ابی طالبؑ کی تین سالہ قید	175
سہ سالہ قید سخت سے رہائی	177
معراج	179
وجوب نماز پنج گانہ	185
حضرت ابی طالبؑ اور جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات	186
بعد ابی طالبؑ رسول اللہؐ کے مصائب	193
سفر طائف اور رسول اللہؐ کی مصیبتیں	194
ایک عیسائی کا اقرار رسالت	196
سفر طائف اور زید بن حارثہ کی رفاقت	199
طائف سے مکہ میں واپس ہونے کے وقت دشواریاں	200
مختلف مواقع پر قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ	201
قبیلہ نبوحنیفہ	202
قبیلہ نبوذہل بن شیبان	202
طائف سے واپسی پر رسول اللہؐ کی مصیبتیں	203
مصائب پر رسول اللہؐ کا صبر	205
مدینہ منورہ اور قبائل انصار	207
عقبہ اولیٰ میں انصار مدینہ کی بیعت	209
عقبہ ثانی کی بیعت	213
مصعب ابن عمیر کی تبلیغی خدمات	214
انصار اور رسول اللہؐ کو ہجر مدینہ کی دعوت	217
سعد بن عبادہ پر قریش کے مظالم	220
صحابہ کو ہجرت مدینہ کی اجازت	223
صہیب رومی پر ظالم	223
حضرت اُم سلمہ پر مظالم	224

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
ہشام بن عاص اور عیاش پر مظالم	224	ایجاد اذان	265
ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات	225	مہاجرین وانصار کے درمیان صیغہ اُخوت	271
سراقہ کا قصہ	227	مہاجرین وانصار کا باہمی سلوک	275
بخاری کی مرویات ہجرت کی حقیقت کا انکشاف	228	اصحاب صفہ	277
		یہودان مدینہ	278
حضرت ابوبکر کے گھر آکر ہجرت کے متعلق		اسلام سے یہود کا تنفر	279
مشاورت اور انتظام	230	مسلمانوں سے عیسائیوں کی نفرت	279
اسی روایت کا دوسرا طریقہ اسناد	236	راس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول	281
خلاف واقع ہے	237	1 ہجری کے متفرق واقعات	282
اونٹوں کا ہدیہ پیش کرنا	237	دو رئیسان انصار کلثو بن ہدم اور اسعد بن زراہ	
فرش رسولؐ پر علیؑ کا استقلال	243	کی وفات	282
غار میں حضرت ابوبکر کی گریہ وزاری	244	2 ہجری	283
حضرت ابوبکر اور رسول اللہؐ کی خدمت	245	تحویل قبلہ شعبان 2ھ	283
واقعہ خیمہ ام معبد	246	سلسلہ غزوات	287
سراقہ بن خشعم کا قصہ	249	یہود ونصاریٰ کے حکم وعمل فی الجہاد کی مثالیں	291
عامر بن فہیرہ کی حقیقت حال	250	غزوۂ ودان یا غزوہ ابوا	293
سفر مدینہ کی منزلیں	251	غزوہ ابوط	294
مدینہ میں نزول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	251	اسی مقام میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو شہادت کی خبر دی	294
قبا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	251		
قبا میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا ورود	253	قریش کی مکارانہ سازشیں	295
مدینہ میں داخلہ	256	عبداللہ بن ابی سلول	296
حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں قیام	258	یہودیوں سے قریش کی خفیہ سازش	298
مسجد نبوی کی تعمیر	259	مسلمانوں کو دھمکی	298
حضرت عمار بن یاسرؓ کی اعلیٰ خدمات	259	حملات قریش خطر اور معاہد قوموں کی مخالفت	298
ازواج مطہرات کیلئے مکانات کی تعمیر	264	کرز بن جابر الفہری کا مدینہ پر حملہ	299

عنوان	صفحہ نمبر
مدینہ مخالفت قریش کے خوف اور اندیشے	300
ابوجہل کی قیامت کی چال عبداللہ بن جحش	
کا بیجا استعمال عمر بن عبداللہ خضرمی کا قتل	301
جنگ بدر کا مدعا حملہ قریش کی مدافعت تھی نہ	
کاروان تجارت کی غارت	303
جنگ بدر کے اصلی اسباب	308
غزوہ بدر	312
17۔رمضان المبارک جمعہ 2 ہجری	312
غزوہ بدر	312
کفار قریش اور بدر کا سامان جنگ	313
سعد بن عبادہ رئیس خزرج کی تقریر	315
میدان بدر کی طرف روانگی	318
موقع بدر	318
لشکر اسلام میں سامان جنگ	319
خباب بن منذر کی مفید مشاورت	320
سقایان قریش کی گرفتاری	321
کفار قریش کی بدنیتی کا نتیجہ	323
میدان میں لشکر اسلام کی صف بندی	323
میدان جنگ میں عریشہ رسولؐ کی تیاری	326
مجروح عبیدہ اور شوق شہادت	329
دو اسلامی تیراندازوں کا قتل	331
ابوحذیفہ کی عقید تمندانہ غلط فہمی اور اس	
پر خجالت وشرمندگی	333
امیہ بن حلف کا قتل	337
ابوجہل کا قتل	337

عنوان	صفحہ نمبر
شہیدان بدرؓ کی دلیرانہ جان نثاریاں	343
مجع شہید اول	344
حارثہ بن سراقہ کی شہادت	344
عمر بن الحمام کی شہادت	345
عوف بن حارث انصاری کی دلیرانہ شہادت	346
عمیر ابن ابی وقاص کمسن مجاہد کی دلیرانہ	346
شہادت	
سعد بن خثیمہ مبشر بن منذر کی شہادت	346
جنگ بدر کے اصلی ہیرو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں	347
مقتولین بدر کا دفن	347
اسیران بدر کے ساتھ رحمانہ سلوک	349
رزمگاہ بدر سے مراجعت اور مدینہ منورہ میں	351
داخلہ	
تائید غیبی کے چشم دید واقعات	352
حضرت عباس کا قبول اسلام	354
ادائے فدیہ کا ایک دردانگیز واقعہ۔ابوالعاص	
کا اسلام	355
جواز فدیہ کی معرکۃ الآرا بحث	355
والجواب	361
جواب یہ ہے	361
الجواب	362
جواب یہ ہے	363
بدر میں کفار کی شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح	
کے وجود واسباب	369
فتح بدر کے خوشگوار نتائج	372

عنوان	صفحہ نمبر
فتح بدر کے ناگوار نتائج	373
مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم	373
بدر کے خاتمہ کے ساتھ ابولہب کا خاتمہ	374
عمیر بن وہب اور قتل رسولؐ کا اقرار	375
غزوۃ ال کدر یا غزوہ ال سویق (ذی قعدہ 2 ہجری)	377
تزویج جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا	378
شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ترتیبی	382
غزوہ بنی قینقاع (شوال 2 ہجری)	384
یہودیوں کے مخرب اخلاق اور ظالمانہ عادات واطوار	384
یہودیوں کی مخالفت اسلام	388
بنی قینقاع کی خصوصیتیں	389
بنی قینقاع کے خاص حالات	390
کعب کی مخالف اسلام	392
شبلی صاحب کا اختصار	398
غزوہ احد (7 شوال بروز جمعرات، 3 ہجری)	402
ابوسفیان کا سرمایہ جنگ	404
کافرہ عورتوں کا بینڈ	404
مدینہ میں قریش کی جنگ تیاریوں کی خبر	405
مقابلہ کی تجویز اور صحابہ سے مشاورت	405
لشکر اسلام اور اس کا جائزہ	407
ترتیب فوج اور حفاظت لشکر	407
عبداللہ بن ابی سلول کی لشکر اسلام سے علیحدگی	408
ترتیب لشکر اسلامی	409
مبارزان اسلام کی شجاعت اور علمدار ان قریش کا خاتمہ	410
تیراندازان اسلام کی لاعلان غلطی	413
حضرت حمزہؓ کی شہادت	414
ہندجگرخوارہ کے مظالم	414
فوج اسلام کی گریز پائی اور رسول اللہؐ کا مجروح ہونا	415
مفرورین کی واپسی	421
مبارزین اسلام اور قائمین فی الجہاد کی حسن خدمات	424
مصعب ابن عمیر کی محاسن حسنات	426
حنظلہ بن ابوعامرؓ کی محاسن خدمات	426
سعد بن الربیع انصاریؓ کی محاسن خدمات	426
عمارہ ابن زیادؓ کی جان نثاری	428
سہل ابن حنیف انصاریؓ کی محاسن وفات	428
جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی محاسن خدمات	429
زکوان کی استمداد واعانت	433
نضر ابن انس انصاری کی جان نثاری	434
پانچ انصار کی بیکبار جان نثاری	343
خواتین اسلام کی مردانہ ہمت ورفاقت	435
ام عمارہ صحابیہ کے محاسن خدمات	435
دوسری خاتون انصاریہ کی جگرداری	435
سعد بن معاذ کی ماں اور عقیدت	436
جراحت رسولؐ سے لے کر خاتمہ جنگ کے حالات	436

عنوان	صفحہ نمبر
مسلمانوں میں قیامت کی ہلچل	437
میدان جنگ سے قریش کی واپسی	439
شہدائے احد کی تدفین حضرت حمزہؓ کی لاش	439
مدینہ میں داخلہ شہدا کا تم	441
جنگ احد پر رائے	442
غزوہ حمراء الاسد	444
ابوغرہ شاعر کا قتل	445
معاویہ ابن مغیرہ کا قتل	445
واقعات متفرقہ 3 ہجری	446
آغاز 4 ہجری (سریہ ابوسلمہ محرم 4 ہجری)	446
سریہ ابن انیس	447
واقعہ ذات الرجیع 23 محرم 4ھ	447
زید ابن الدشنہ کا عبرت ناک قتل	453
واقعہ بیر معونہ۔ صفر 4 ہجری	453
غزوہ بنی نضیر (ربیع الاولیٰ 4 ہجری)	455
بنی نضیر کا محاصرہ	456
بنو نضیر اور شبخون کا ارادہ	459
یہود کی مدینہ سے شاندار جلاوطنی	460
انصار کا مہاجرین کے ساتھ بے مثال ایثار	461
تفصیل تقسیم	464
حضرت فاطمہ بنت اسد کی رحلت	465
5 سنہ ہجری (ذات الرقاع)	466
غزوہ دومتہ الجندل ربیع الاول 5 ہجری	467
غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ بنی مریسیع 2 شعبان 5 ہجری	467
شبلی صاحب سے خاص غرض	468
عبداللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی	469
حضرت عمر کی اس مورت پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی ناراضی	469
حضرت جویریہ کا قصہ	470
حضرت عائشہ پر غلط اتہام یا قصہ افک	471
غزوہ خندق یا جنگ احزاب (23 ذی قعدہ سن 5 ہجری)	472
بنو قریظہ سے شکایت	473
خندق کھودنے کی تجویز اور حضرت سلمان کے محاسن خدمات	474
منافقین کی علیحدگی	476
جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور رسول اللہؐ کی خدمت	477
مقابلہ قریش کا انتظام	477
ایام محاصرہ میں رسول اللہؐ کی ذات تکلیفیں	478
عباد بن بشر کی خدمات	478
انصار کا کمال استقلال	479
حضرت صفیہ کی مردانہ وار جرأت و دلیری	479
محاصرہ میں یہود کی شرار	480
باہمی مقابلہ اور عمر بن عبدود کی آمد فوج اسلام پر اس کا رغب وسطوت	480
حضرت علیؑ کی بینظیر مبادرت اور عمر بن عبدود سے مبازرت	482
خدمت رسولؐ سے حضرت علیؑ کی رخصت	483

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
حضرت علیؑ سے عمر بن عبدود سے مقابلہ کے		واقعات متفرقہ	509
وقت مکالمہ	484	صلح حدیبیہ (ذیقعدہ 6 ہجری)	511
عمر بن عبدود کا قتل	485	سفر حدیبیہ بالکل دوستانہ تھا	513
ذوالقرنین حضرت علیؑ کا لقب ہوا	485	شبلی صاحب اس میں اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں	514
حضرت عمر اور بھائی سے مقابلہ	486	مقام حدیبیہ میں نزول رسالت اور صحابہ سے	
نوفل کا قتل	486	مشاورت	514
نوفل کی قیمت لاش لینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم		بدیل بن ورقا۔ رئیس خزاعہ کی معرفت قریش	
کا انکار	487	کے پاس پیغام صلح	515
زبان رسول اللہؐ سے مبازرت علیؑ کی اہمیت	487	بارگاہِ رسالتؐ میں عروہ۔ سفیر قریش کی گفتگو	516
زبان خدا سے مبازرت علیؑ کی مدح	488	عروہ۔ سفیر قریش کی واپسی اور قریش سے گفتگو	517
میدان جنگ سے دشمن کا فرار	489	عروہ کی تقریر کا جلیس رئیس قبیلہ حبشہ	
قریش کے جلد فرار کے اسباب	490	پر اثر اور اس کی دربار رسالت میں سفارت	518
بنی قریظہ نے قریش کا ساتھ چھوڑ دیا	491	جلیس کی واپسی اور قریش پر اس کی تقریر کا اثر	518
فرار کفار کی دوسری وجہ	491	قریش کے پاس اسلام کا بار دیگر پیام صلح	519
حذیفہ بن یمان کی محاسن خدمات	492	کفر و اسلام کے اخلاق کی بے نظیر مثال	520
غزوہ بنی قریظہ (24 ذی الحج سن 5 ہجری)	493	قریش کے پاس تیسری بار پیام صلح حضرت	
جناب علیؑ اور یہود کی سخت کلامی	494	عمر کے اغماض پر حضرت عثمان کا ارسال	520
سعد بن معاذ کی تحکیم	496	حضرت عثمان اور قریش سے گفتگو	521
یہود کی ایک دلیر عورت	497	بیعت رضوان	522
اس فیصلہ کے عادلانہ ہونے کی نسبت یہودیوں		بارگاہِ رسالت میں سہیل بن عمر سفیر قریش کی	
کی تصدیق	498	آمد اور گفتگوئے صلح	523
سزائے قریظہ اصول قصاص کے مطابق تھی	499	قریش کے پیش کردہ شرائط صلح اور آنحضرت	
ریحانہ کا غلط واقعہ	500	صلعم کی منظوری	524
حضرت زینب سے نکاح	504	حضرت عمر اور صلح حدیبیہ سے مخالفت	524
حضرت زید ابن حارثہ	505	جناب رسولخداؐ اور ابو جندل کو صبر و تحمل کی ہدایت	528

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت عمر کی مخالفت رائے کا اثر حکم رسولؐ سے صحابہ کی سرتابی	528
حضرت عمر سے عتاب آمیز خطاب	529
نزول آیہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا شبلی صاحب رقمطراز ہیں	530
عورتیں شرائط معاہدہ سے مستثنیٰ فرمائی گئیں	532
صلح حدیبیہ کے مفیدانہ اور فاتحانہ نتائج	533
ابو جندل کی تبلیغ دین اور مخلصی	533
عتبہ ابن اسید کا واقعہ	534
مسلم مقیدین قریش اور محصورین مکہ کی رہائی	
ابو بصیر کی آخری سرگزشت	534
سلاطین ملک اور رئیسان کے نام تبلیغ اسلام کے خطوط	537
دعوت اسلام کا خط قیصر روم کے نام	538
قیصر کے دربار میں نامہ مقدس	539
آنحضرتؐ کی گرفتاری کا حکم اور اس کا نتیجہ	541
عمر ابن امیۃ الضمیری اور نجاشی شاہ حبشہ کے نام نامہ مقدس	544
نجاشی کا اسلام اور بارگاہِ رسالت میں اس کا عقیدت نامہ	545
ام المومنین حضرت ام حبیبہ سے عقد	546
سردار قبائل کے نام خطوط حکم بحرین کے نام نامہ مبارک	546
منذر کی عرضی کا جواب	546
رئیس یمانہ کے نام خط	547
سردار قبیلہ غسان کے نام خط	550
آغاز سال سنہ ہجری (غزوہ خیبر 7 ہجری)	551
یہود کی غداری	552
قبائل گردو پیش کے ساتھ یہود کی سازش	552
منافقین کی فتنہ انگیز تحریر	553
بنی غطفان سے سازش	553
بنوفرازہ کے پاس آنحضرتؐ کا پیام صلح	553
ذی قروہ۔ محرم 7 ہجری	554
غزوہ خیبر جنگ دفاعی تھی	555
خیبر کی طرف روانگی	558
منزل صہبا سے کوچ	559
بارگاہ رسالت میں غنیم کا جاسوس	560
میدان جنگ کی تبدیلی حباب ابن منذر کا سفید مشورہ	560
رایت خیبر میں حضرت عائشہ کی چادر کا پھریرا	562
خیبر میں داخلہ	568
خیبر کے قلعوں کی تفصیل	568
مقابلہ ومقاتلہ پر یہودی کی تیاری اور اسلام کی احتیاط	569
چند عورتیں بھی اس غزوہ میں خدمت مجاہدین کرتی تھیں	569
احکام وآداب لشکر	569
قلعہ ناعم (سالم) کا محاصرہ محمود بن مسلمہ کی شہادت	570
قلعہ نطاۃ کی فتح	570

عنوان	صفحہ نمبر
یہودی گلہ بان کا قبول ایمان	571
قلعہ شق کی فتح	572
قلع صب کی فتح	572
ایک صحابی کی شرابخواری	571
شبلی صاحب کی خدمت میں گذارش	573
علمبرداران خیبر کی گریز کا انکشاف	574
محبت علی کی حقیقت اس کی تاکید شدید	581
حضرت علیؑ اور خیبر کی عطا	582
علیؑ کی آنکھوں کا علاج اور اس کی معجزانہ تاثیر	584
مرحب سے مقابلہ	587
عنتر کا قتل	589
مرحب کا قتل	589
قوت روحانی اور بطاقت انسانی کی آزمائش	591
درخیبر کا اکھاڑنا غلط ہے	592
غلط بتانا ہی غلط ہے	592
مرحب کے بعد رئیساں یہود سے مقابلہ ومقالمہ	598
درگاہ رسالت سے فتح خیبر کے صامین میں حضرت علیؑ کو بشارت	598
شہدائے خیبر اور اُن کی جنگ خدمتیں	599
محمود بن مسلمہ کی شہادت	600
عامر بن الاکوع کی شہادت	600
تمام مقتولین درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوں گے	601
اراضیات مفتوحہ خیبر کا بندوبست	602
حضرت صفیہ کا قصہ	602
زینب یہودیہ کا آنحضرت صلعم کو زہر دینا آپ کا عوف جرم فرمانا	605
زینب کا قتل	605
عبداللہ بن سہیل کا بے رحمانہ قتل اور رسولؐ کا عفو	606
خزانہ بتلانے کے جرم کو کنانہ کے قتل کا باعث ٹھہرانا بالکل غلط ہے	606
حضرت جعفر کا مہاجرین حبشہ کے ساتھ خیبر میں حاضر ہونا	608
وفد اشعرین خیبر میں	610
تقسیم خمس خیبر میں بنی ہاشم کی ترجیح وواقعہ سنہ ہجری	610
تقسیم غنیمت خیبر	611
خیبر میں بعض احکام فقیہ کا نزول	614
جنگ خیبر بالکل دفائی تھی	615

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اُسوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد دوم

تربیت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

تا

جنگ خیبر

تربیت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

جیسا کہ پہلی جلد میں بیان ہو چکا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر سے پہلے جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر بس چکا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پینتیس برس کے ہو چکے تھے۔ مولانا شبلی صاحب نے اس زمانہ میں آپ کے صرف مشاغل تجارت کا ذکر کیا ہے اور آپ کے کسی اور خاندانی تعلقات اور ذاتی واقعات پر جن سے آپ کے محاسن اخلاق اور صلہ رحم کی رعایت ثابت ہوتی ہے کوئی توجہ نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ذرا سی زحمت گوارا فرمانے کے بعد یہ واقعات سیرت و تاریخ کی چھوٹی بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے مدعائے تالیفی سے زائد سمجھ کر قلم زد فرما دیا ہو۔ یا اس کے مخفی رکھے جانے میں آپ کی کوئی غرض خاص حائل ہو گئی ہو۔

بہر حال اسی زمانہ میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تربیت و پرورش، تعلیم و پرداخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ لی اور اُسی وقت سے شہرِ علوم ظاہری و باطنی کے دروازے اس کمسن صاحبزادے پر کھلنے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام کا سن مبارک اس وقت دس برس کا محقق ہوتا ہے۔ ہشام، طبری اور ابن سعد نے صورت واقعہ یوں لکھی ہے:

و کان ابو طالب ذاعیال کثیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للعباس عمہ کان من الیسر بنی ھاشم یاعباس ان اخاك اباطالب کثیر العیال و قد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا فلخفف عنہ من عیالہ اخذ من بنیہ و جلاد تا خذ من بنیہ رجلا فنکفھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتے ایتا ابا طالب فقال انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتے ینکشف عن الناس ماھم فیہ فقال لھما ابا طالب اذا ترکت مالی عقیلا فاصنعا ماشئتما فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیاً فضمہ الیہ واخذ العباس جعفر افضمہ الیہ فلم یزل علی ابن ابی طالب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ و سلم حتیٰ یفشہ اللہ بنیا فاتبعہ علیٰ فائن بہ وصدقہ و لم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ طبری ص ۱641

حضرت ابیطالب علیہ السلام کثیر العیال تھے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے جو اُس وقت تمام قبیلہ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ فارغ البال اور خوش حال تھے ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپ کے بھائی کثیر العیال ہیں ابو طالبؑ) اور اس وجہ سے تنگ حال۔ ہم لوگوں کے لیے

مناسب ہے کہ اُن کی عیالداری کے بار کو ہلکا کردیں۔ اس طرح سے کہ اُن کے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو ہم آپ اپنے اپنے ذمہ لے لیں۔ حضرت عباس نے اس مشاورت کو قبول فرمایا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ابیطالبؑ کے پاس تشریف لائے اور اپنی مشاورت سے اُن کو مطلع فرمایا۔ یہ سن کر ابوطالب علیہ السلام نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو باقی دو بچوں کے لیے جو آپ دونوں صاحب چاہیں انتظام کرلیں۔ یہ سن کر جناب رسول خدا صلعم نے علیٰ مرتضیٰؑ کو لے کر اپنے عیال میں ملا لیا اور پھر اُس وقت تک کہ جناب رسول خدا صلعم درجہ نبوت پر فائز نہ ہوئے اور علیؑ نے آپ کی تصدیق نہ فرمالی اور آپ پر ایمان نہ لائے آپ سے علیحدہ نہ ہوئے۔ اسی طرح عباس نے جعفر کو لے کر اپنے عیال میں شامل کرلیا۔ اور جعفر بھی اُس وقت تک کہ آنحضرت پر ایمان نہ لائے اور اپنی معیشت کے کارخود نہ کرسکے حضرت ان سے جدا نہ ہوئے۔

اس واقعہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن قلبی تعلقات اور دلی جذبات کو پورے طور سے ثابت کردیا جو آپ کو اپنے خاندان کے ساتھ عموماً اور حضرت ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ خصوصاً ہمیشہ دل سے لگے رہتے تھے۔ یہ رعایت صلۂ رحم کے تعلیمی مقدمات تھے۔ ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت تو صرف اسی سے ظاہر ہے کہ بجائے اس کے کہ پہلے عباس کو اپنے بھائی کی غربت اور عسرت اور خرچ عیالداری کی کثرت کا فطرتاً خیال ہونا چاہیے تھا۔ مگر اس کے خلاف جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور اپنے عم محترم کیلئے رفع تکلیف کا انتظام فرمایا۔

اس کا سبب بالکل صاف ہے اور باعث بالکل ظاہر۔ اور وہ یہ ہے کہ اخلاق الٰہی کا وہ پیکر مجسم اور حقیقی رحمت عالم۔ پانچ برس کے سن سے لے کر پچیس برس کے سن تک حضرت ابی طالب علیہ السلام کے اشفاق و احسان کے مختلف طریقوں اور ذریعوں کو مشاہدہ فرما چکا تھا اور والو الدین احسانا کے بتلائے ہوئے اصول اخلاق کے بموجب ان محاسن سلوک سے سبکدوش وسبکبار ہونے کے مناسب اور مستحسن طریقے پر اور مواقع ہمیشہ زیر نظر رکھا کرتا تھا۔ صرف مناسبت وقت اور مصلحت کا انتظار تھا۔ چونکہ موجودہ زمانہ مناسبت اور مصلحت دونوں اعتبار موزوں تھا اس لیے اُن رعایات کی ادا کاری کا یہ مستحسن طریقہ اختیار فرمایا گیا اور غالباً اس صلہ رحم نبویہ کی ادا کا یہ پہلا موقع ہے۔ انتخاب والحاق جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تو یہ ظاہری صورت قائم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت پر کامل نظر رکھنے والے تو صاف صاف بتلا دیں گے کہ خدا نے جس طرح تمام قریش اور تمام بنی ہاشم میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمالیا تھا اُسی طرح اُس کے رسولؐ نے حکم خدا سے تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو چن لیا۔ اور وہ اپنے اس دعوے کو کہ انفسنا کی نص صریح اور انا و علی من نور واحد (جمع الفوائد، مناقب المعازلی۔ فردوس الاخبار ویلمی بنابیع المودۃ قندوریس 9 مطبوعہ بمبئی) سے مستنبط اور مستخرج بتلائیں گے۔

افسوس ہے کہ مولانا شبلی صاحب نے اس واقعہ کو جو ابن ہشام، طبری اور زرقانی وغیرہ تمام کتابوں میں درج ہے۔ بالکل قلمزد نہیں فرمایا ہے۔ آپ کے اس تجاہل عارفانہ کی وجہ مجبوری کو ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولوی صاحب کو اس کی اصلیت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی سے ایک حقیقت شناس پر اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت ظاہر ہوگئی۔ چنانچہ سیرۃ النبی جلد ص 150 میں سابق الاسلام حضرات کے تذکرہ میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ تھے۔ جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اگرچہ استخفاف ہی کے کہ انداز میں یہ مبہم الفاظ لکھے گئے ہیں۔ مگر ہم آپ کے اس اختصار کے بھی منت گزار ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ مولوی شبلی صاحب کی تحریر کا یہ خاص انداز ہے کہ ایک مقام پر جس شے سے انکار ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اُس کا اظہار و اقرار بھی کر دیا جاتا ہے۔ آپ کا یہ تلون بھی ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

قبل نبوت تجارت کی غرض سے بیرونی سفر

سیرۃ النبی ص 138 جلد اول میں مرقوم ہے۔

مؤرخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں۔ قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرے کو اور وسعت دی ہے۔ ایک مؤرخ (مارگیولس) اپنی تاریخ کے صفحہ 70 میں لکھتا ہے کہ آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے۔ مؤرخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے۔ اور ڈیڈسی (بحرمیت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان سے خالی ہیں۔

سیرۃ النبی کے جامع مولانا سید سلیمان ندوی اپنے استاد کی مرقومہ بالا عبارت پر حاشیہ زیر صفحہ میں یہ نوٹ دیتے ہیں۔

یورپین مؤرخین جن کی بنیاد صرف قیاس ورائے پر ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں۔ لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحرمیت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب اور شام کے درمیان میں ہے جہاں سے کئی بار مال تجارت کے ساتھ گزرے ہوں گے۔ زیر حاشیہ ص 138۔ سیرۃ النبی

استاد و شاگرد کے اس اختلاف رائے کو دیکھ کر ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے۔ مولانا شبلی صاحب مخالفین اسلام کے خوف اعتراض کی وجہ سے جو اُن کی خاص عادت ہے۔ قیاس ورائے کی نا اعتباری اور کتب تاریخ میں اُن واقعات کی عدم موجودگی کی بنا پر ان کی اصلیت سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن مولانا سلیمان ندوی واقعہ بحرین سے جس کو شبلی صاحب خود اوپر لکھ چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سفر بحری کے اُس خیال و قیاس کی تائید کرتے ہیں۔ جن کی بنا پر مخالفین اسلام کو اپنے قیاسی مفتریات اور فسادات کے طوفان اُٹھانے کا پورا موقع مل جاتا ہے۔ افسوس ہے مولانا سلیمان نے پہلے تو یورپین مصنفین کے قیاس پر عیب لگایا ہے۔ پھر واقعہ بحرین سے آنحضرت صلعم کے خلیج فارس کا معائنہ اور بحرمیت کے مشاہدات کا پتا بتایا ہے۔ یہ بھی تو سلیمان کا صرف قیاس ہی قیاس ہے کسی کتاب سے مستنبط تو

نہیں۔تو پھرعرض خدمت یہ ہے کہ اگر آپ کے استاد نے۔ان واقعات سے تاریخی دفتر خالی پا کر۔اس زائد از ضرورت بحث کو تمام کر دیا تھا تو کیا بُرا کیا تھا۔آپ اپنے خاص نظریہ پر نظر ڈالیے۔آپ اور آپ کے استاد دونوں قیاس کو معیوب ٹھہراتے ہیں۔لیکن صرف مخالفین اسلام ہی کا قیاس بُرا اور قابل الزام ہے یا اہل اسلام کا بھی۔انصاف کا مقتضا تو یہ ہے اور اصول اخلاق کی تعلیم تو یہ ہے کہ عیب یا نقص کسی قسم کا ہو۔وہ تمام اقوام و مذاہب میں یکساں اور مساوی بُرا اور قابل اعتراض سمجھا جائے۔اس لیے یہ کبھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ اسلامی مؤلفین کے قیاس و آرا صحیح ہوں اور مخالفین اسلام کے قیاس غلط۔قیاس و رائے کسی کی بھی ہو۔اگر صحیح ہے تو ضرور ماننے کے قابل ہوگی۔اور اگر غلط ہے تو چاہے کتنے ہی بڑے اسلامی یا غیر اسلامی عالم کی ہو۔کوئی بھی نہ مانے گا۔

اس اصول کے مطابق تحقیق کا متلاشی جب تلاش کرنے لگتا ہے تو قیاس و رائے کی اہمیت اور اتباع کو مخالفین اسلام سے زیادہ متبعین اسلام کے دائرے میں اور خصوصاً اُس کثیر التعداد طبقہ میں کثرت سے پاتا ہے جو امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی کی تقلید و اقتدا کا شرف حاصل کیے ہوئے ہیں۔افسوس ہے کہ حیائے ایمانی اور غیرت اسلامی مجھ کو اس سے زیادہ انکشاف حقیقت کی اجازت نہیں دیتی۔ اور میں اتنی ہی اشارت کو صاحبان بصیرت کے سمجھ لینے کے لیے کافی سمجھتا ہوں۔

مولانا شبلی صاحب نے مارگیولوس کی غلط فہمی کی تردید تو کردی۔مگر صرف قیاس کی کمزور دلیل سے۔اس کمزوری کی وجہ وہی مخالفین کے اعتراض کا خوف ہے یہ بھی آپ کا کمزور قیاس ہے۔جو وہم کے یقینی درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔ہم بار بار مخالفین اسلام کے ان مغویانہ تعریضات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ جس سختی سے وہ مفسدانہ اعتراض کرتے ہیں اُسی شدت کے ساتھ معقولانہ جواب بھی اُن کو دینا چاہیے۔

اچھا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے سفر بحری کیا۔اور اپنے اس نظریہ کو آپ کے اقرار کردہ سفر بحرین سے مستنبط بتلاتے ہیں اور مولانا سلیمان بھی اس بنا پر اُن کے اس قیاس کی تردید قطعی کو جو آپ نے قلمبند فرمائی ہے پسند نہیں کرتے بلکہ اُن کے اس قیاس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔تو اُن کے (یورپین مؤرخین) اس قول کی تردید میں ہم صاف صاف اور کھلے الفاظ کے ساتھ لکھ دیں گے کہ بحرین تک آپ کا سفر کرنا اور راستہ میں خلیج فارس کے مناظر کا معائنہ فرمانا اور پھر اسی طرح بقول سلیمان بحرمیت کا جو عرب و شام کے درمیان میں واقع ہے۔ملاحظہ فرمانا بھی صحیح ہے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی مان لیا جائے کہ مارگیولوس کا وہ غلط قیاس جو اُس نے محض عالم فریبی کی غرض سے قائم کیا ہے اور آپ کا بحری سفر کرنا لکھا ہے وہ بھی درست ہے اور پھر اس سفر سے اُس کا یہ مراد لینا بھی کہ انہیں مشاہدات بحری کے خیالات و جذبات مختلف طریقوں سے قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں۔صحیح ہیں۔ان تمام فرض اعتراضات کے بعد بھی تو ان مغویانہ ترکیب و ترغیب سے مخالفین کا نہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ مدعا حاصل نہ خدا کے سچے رسولؐ (صلعم) کی تکذیب ہوتی ہے نہ اُس کی سچی کتاب کی تردید مخالفین کا یہ قیاس در قیاس اور یہ وہم بالائے وہم البتہ اُس وقت اعتبار کے قابل سمجھا جاتا۔جب (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو بھی انجیل مقدس کی طرح پولوس، متی، شمعون اور یوحنا کی تالیفات بتلایا جاتا۔اُس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ عبارت و الفاظ قرآنیہ ہیں۔اس کے مولف (نعوذ باللہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تجارب تاجرانہ اور مشاہدات سفر وغیرہ کے اقتباسات داخل ہیں۔قرآن مجید کو ہم بخلاف انجیل کے۔انسانی تالیف و تصنیف نہیں سمجھتے۔بلکہ اُس کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً کلام الٰہی سمجھتے ہیں۔اور

اُس کی تمام وکمال عبارت میں بقدر ایک شوشہ کے بھی کلام انسانی کی مداخلت کو صحیح نہیں جانتے۔ ایسی حالت میں پھر ہم ان مفسدانہ قیاسات کو عام اس سے کہ وہ ہمارے کیسے ہیں صحیح ماخذ سے نہ مستنبط بتلائے جائیں۔ جب معارض شان قرآن ہوتے ہیں۔ تو کیسے صحیح مان سکتے ہیں۔

طرفہ تر تو یہ ہے کہ ہمارے ماخذوں پر بھی یہ جھوٹا الزام ہے اور ناحق ابہام۔ وہ صرف بحرین اور شام کے علاقوں میں بغرض تجارت آپ کا تشریف لے جانا بیان کرتے ہیں اور ان علاقوں سے آپ کی پوری واقفیت ثابت کرتے ہیں۔ نہ اُن میں آپ کے کسی سفر بحری کا نہ آپ کے کسی مشاہدہ کا کہیں کوئی ذکر ہے نہ مذکور۔ پھر ان ماخذوں سے ایسے مغویانہ اور مفسدانہ نتیجے نکالنا۔ یورپین مؤرخین کی صاف اور بالکل کھلی ہوئی عالم فریبی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنے معترض کی حیثیت اور شخصیت پر بھی تو نظر رکھنا چاہیے۔ پہلے سمجھ لینا چاہیے کہ معترض کون ہے۔ ایک عیسائی ہے جس کی آسمانی کتاب نہ خدا کی بھیجی ہوئی اور نہ رسول کی پہنچائی ہوئی ثابت ہوتی ہے بلکہ اُس کے پیغمبرؑ کے وہ اقوال ہیں جو اُس کے چار مختلف صحابیوں کے لکھائے ہوئے ہیں۔ اور پھر وہ بھی آپس میں مختلف۔ اس لیے نہ وہ خدا کی کتاب کہلاتی ہے اور نہ اُس کے رسول خاص کے نام سے موسوم کی جاتی ہے بلکہ کہی جاتی ہے یہ متی کی کتاب، لوقا کی کتاب، پولوس کی کتاب وغیرہ وغیرہ اس بنا پر یہ بالکل یقینی ہے کہ ان کتب اربعہ میں جنہیں برائے نام انجیل مقدس کہا جاتا ہے انسانی خیالات وجذبات کا مجموعہ ہے۔ مارگیولوس کے نزدیک چونکہ اُس کی کتب مقدسہ کی عظمت واہمیت اتنی ہی ثابت ہوتی ہے اس لیے وہ قرآن مجید کو بھی اسی پیمانہ پر خیال کرتا ہے۔

مارگیولوس کے ان لغویات کی تردید نہایت آسانی سے اس طرح کرنی تھی کہ پہلے اُس کو عہد عتیق وجدید کی وہ عبارتیں دکھلائی جاتیں۔ جن سے انسانی خیالات واقتباسات کا پورا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل آسان تھا۔ عہد جدید سے زیادہ تو عہد عتیق میں اس کی کثیر التعداد مثالیں موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ بحث ہماری موجودہ تالیف کا اصلی موضوع نہیں ہے۔ اس لیے ہم اُس کی مفصل انکشاف حقیقت سے مجبور ہیں۔ ورنہ ہم کتب قدیمہ توریت وانجیل سے نکال کر۔ ایک مارگیولوس کیا تمام عیسائی مصنفین اور یورپین مؤرخین کے آگے پیش کر دیتے اور دکھلا دیتے۔ اور پھر اُن سے پوچھتے کہ بتلاؤ یہ خدا کے الہامی مضامین ہیں یا تمہارے انبیا ومرسلین کے سفر ناموں اور روزناچوں کے مضامین اس سوال کا وہ جواب جو دیتے وہی ہمارا اور تمام اہل اسلام کا جواب اُن کے قائل رسالت کرنے کے لیے کافی تھا۔

ایک اور طریقہ اُن کے ساکت کرنے کا نہایت قوی اور مستحکم یہ بھی تھا کہ مناظر بحرین کی تفصیل کے لیے تو عبارت قرآنی پر خیالات انسانی کے اظہار کا قیاس کیا جاتا ہے اور یہ مفتریانہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حامل قرآن روحی فداہ نے ان عبارات میں اپنے ذاتی اقتباسات ظاہر فرمائے ہیں۔ اس لیے کہ یہ مناظر آپ کے مشاہدے میں پہلے آچکے تھے لیکن حقائق اشیاء عالم کی نسبت جو قرآن مجید میں متعدد اور متفرق مقامات میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور اُن کے لیے کیا توجیہ پیش کی جائے گی مثلاً ابر وباد کی خلقت، نباتات کی پیدائش، انسان کی ترکیب خلقت اور اُس کے مراتب۔ دریا، پہاڑ، نباتات، جمادات یہاں تک کہ شہد کی مکھی تک کی ضرورت خلقت

بالکل اس طرح بتلائی گئی ہے۔ جس طرح آج کل بڑے بڑے کالجوں میں مشہور و معروف علم کائنات کے عالم اور پروفیسر بتلاتے ہیں۔ تو کیا مارگیولوس اور اُس کے ہم طریق اور ہم خیال عیسائی مؤرخین ہمیں کسی ایسے معلم یا کسی ایسی تعلیم گاہ کا پتا بتلا سکتے ہیں۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علم و اطلاعات حاصل کی ہوں۔ یا کسی میوزیم یا لائبریری میں کم سے کم آپ کا تشریف لے جانا اور وہاں خلقت اشیاء کی ان ترکیبوں کا مشاہدہ فرمانا ثابت کر سکتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں کر سکتے۔ تو ان مفتریانہ عالم فریبیوں سے نہ قرآن کی حقانیت میں کوئی کمی آ سکتی ہے اور نہ اُس حامل وحی اور عالم علم لدینہ کی صداقت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے۔

اب حقیقت حال کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے بحرین اور علاقہ شام تک سفر کیے اور ضرور کیے۔ وہ محض تجارت کی ضرورت سے۔ اب اس سفر میں آپ نے نظام قدرت کے عجائب و غرائب جس حد تک مشاہدہ فرمائے۔ اُس سے از دیار معارف الٰہی اور حصول حقائق مخلوقات مقصود تھے اور کچھ نہیں۔ باقی رہا جملہ اشیاء عالم کی ترکیب اُن کے طبائع خواص اور عمل کے انکشافات کا علم تو وہ علم لدینہ اور کمال نبویہ کے متعلق تھا جو آپ کو نبوت کے ساتھ ودیعت کیا گیا تھا۔

تعجب ہے کہ مولانا شبلی صاحب نے عام طور سے یہ کیونکر لکھ دیا کہ یورپین مصنفین غیب کے قائل نہیں۔ دہریوں سے بحث نہیں۔ ان کے علاوہ اور جتنے یورپین مصنفین اور مؤلفین ہیں وہ ضرور غیب کے قائل ہیں۔ اگر قائل نہ ہوں تو وہ عیسائی نہیں رہ سکتے۔ غیب کا انکار کیا تو حضرت عیسیٰؑ کی رسالت ہی غائب ہوگئی۔ اس بنا پر یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ کٹے عیسائی بن کر اپنے صرف حسد و نفسانیت کی غرض سے صرف اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و معرفت میں عالم فریبی کی خاص غرض و نیت کے ساتھ قدم قدم پر ایسی ایسی مسلسل دشواریاں پیدا کرتے ہیں۔ جو کسی طرح قابل توجہ نہیں ہو سکتیں۔

مراسم شرک سے اجتناب:

حکما و حلما کا خاص مسلمہ ہے اور عقل و حکمت کا عام کلیہ کہ طبیعت انسانی فطرت خالصہ پر مخلوق ہوئی ہے۔ ایسی طبیعت والوں سے اچھے بُرے دونوں اقسام کے اعمال صادر ہو سکتے ہیں لیکن طبیعت انسانی میں مخصوص وہ طبائع ہوتے ہیں جو انوار ہدایت سے معمور اور آثار نبوت کے جوہر سے مالا مال پائے جاتے ہیں۔ اُن کی خلقت ابتدا ہی سے فطرت صالحہ پر قائم ہوتی ہے اور ایسی پاک طبیعت کے بزرگوں سے اچھے کاموں کے سوا بُرے کاموں کا صدور و ارتکاب ناممکن ہوتا ہے۔ فطرت صالحہ کے اصول پر خلق کیے جانے والے بزرگوار اس سے قبل کہ وہ مدارج نبوت اور مناصب ارشاد و ہدایت پر فائز فرمائے جائیں۔ اپنی فطرت صالحہ کے اس فیضان سے اچھے کاموں کی طرف ہمیشہ رغبت رکھتے ہیں اور بُرے کاموں سے نفرت۔ ابتدا ہی سے اچھے کاموں کا اختیار کرنا اور بُرے کاموں سے اجتناب کرنا گویا اُن کی تعلیم و ارشاد تمثیلی کا پہلا زینہ ہے۔ وہ اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں کو اپنے طریقہ اور اطوار دکھلا کر اچھے بُرے کاموں میں تمیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

اسی اصول پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل از نبوت تمام حالات و معاملات پر غور کرنے سے صاف صاف

معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کبھی اُن امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جو خدا کی طرف سے بُرے بتلائے گئے تھے۔ اور اُن امور کو اختیار فرماتے تھے۔ جو قدرت کی جانب سے جائز اور مستحسن ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ مسلم ہے کہ کل محاسن اور ذمائم کی حقیقت آپ پر قبل نبوت بھی اُسی طرح ظاہر تھی جس طرح بعد نبوت۔ لیکن اُس وقت اختیار و اجتناب اپنی ذات تک محدود تھا۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اعلان فریضۂ نبوت تھا جو اُس وقت تک تفویض نہیں ہوا تھا۔ اور یہ اُسی کا فیض اور اُسی کا تقاضا تھا کہ بچپن سے شباب اور شیب کے زمانوں تک (حالانکہ چالیس برس کے ہو چکے تھے اور نبوت نہیں پائی تھی) آپ نے کبھی معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی غیر معبود کا اعتراف نہیں کیا۔ جس کعبہ کی تعمیر میں اس محنت اور جانفشانی سے اینٹ پتھر ڈھائے تھے۔ اُس میں ایک معبود کی جگہ تین سو ساٹھ بت شب و روز پوجے جاتے تھے۔ اُسی مقام اور مکان میں آپ کی رگوزانہ آمد و رفت تھی۔ بیشمار اور ہزاروں ہزار آدمی مکہ اور بیرون مکہ سے آ کر اُن غیر حقیقی اور مصنوعی معبودوں کے آگے سر جھکاتے تھے۔ ٹکر لگاتے تھے۔ یہ کافرانہ اور مشرکانہ مشاہدات روزانہ نظر اقدس سے ملاحظہ فرمائے جاتے تھے۔ مگر چاہے اس سے کسی اثر یا دلچسپی کی کوئی کیفیت آپ کے قلب نورانی پر مستولی ہوتی ہو۔ قطعی نہیں اور بالکل نہیں۔ ان کیفیتوں کے خلاف جو ان مشاہدات سے قلب مبارک پر جواثر ہوتا تھا وہ اُن کی کافرانہ غفلت کا اور مشرکانہ جہالت کا۔ انوار نبوت سے پُر اور مملو دل ابتدا ہی سے دردمند ہوتے ہیں اور یہ عالم و کیفیت اُسی فطرتی دردمندی کے خواص تھے۔

ان امور کفر و شرک میں نعوذ باللہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا از مھد الی اللحد۔ کسی زمانہ یا کسی وقت میں انہماک و اشتعال منافی اخلاق۔ معارض فطرت صالحہ کیا؟ مناقض شان رسالت ثابت ہوتا ہے۔ اُن امور سے بھی جو صرف نا مشروع منسوب الی الکفر یا مشتبہ بالشرک ہوتے تھے۔ بالکل ویسا ہی احتراز و اجتناب اختیار کیا جاتا تھا جیسے خاص اُن افعال ذمیمہ کے ارتکاب و انہماک سے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نبوت کے اوصاف مخصوصہ کے اظہار و اقرار ان الفاظ میں فرما کر کہ "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصب پیغمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب بچے رہے" (سیرۃ النبی جلد اول، ص 139) پھر اپنے اس اعتراف سے اختلاف کرتے ہیں اور گویا جمہور کے اس کلیہ مسلمہ اور مسئلہ سقفہ کو مشتبہ قرار دیتے ہیں اور اپنی دانست میں عیسائیوں کے اس استدلال کی تنقید و تردید فرماتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی عصمت کو عہد نبوت اور تفویض منصب رسالت کے وقت سے قرار دیتے ہیں۔

حقیقت ہے کہ شبلی صاحب نبوت و رسالت کی اصلی شان و حقیقت ہی کو نہیں سمجھے ہیں۔ اس لیے اُن کا خاص لکھا ہوا مصرع اُن کے حسب حال ہے۔ ع ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجاست۔ اوّل تو سیرت و تاریخ کو موضوع تالیف میں عقائد کی بحث پیش کرنا خلاف سیاق ہے۔ خصوصاً اپنے اعتقادات کے متعلق غیروں کے اعتراضاف کو بیان کرنا مخالف اور معارض استدلال ہے۔ اگر مناسب مقام کی رعایت سے یہ خیال کر کے کہ مخالفین کے بے بنیاد اور بے سر و پا اعتراضات انہیں مقامات سے شروع ہوتے ہیں۔ اس خارج از بحث بیان کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ تاہم سمجھ لینا چاہیے کہ آپ کی تنقید و تردید سے عیسائی مخالفین کی تعریضیں بے اصل

ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ بخلاف اس کے صحیح بخاری کی متعدد روایات مسند امام حنبل وغیرہم کے موضوعات ومہملات کے کافی ثبوت مل جاتے ہیں۔اس مضمون کے متعلق شبلی صاحب کی اصل وحاشیہ کی مفصلہ ذیل عبارت استدلال ملاحظہ ہو۔

(الف) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔آپ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔اس روایت پر زیر صفحہ یہ حاشیہ چڑھایا گیا ہے۔

صحیح بخاری باب للمناقب۔ذکر زید بن عمر بن نفیل یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے اُن کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے۔جو اُس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔مسند امام حنبل (جلد اوّل ص189) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا'' لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا حقیقت ہے۔سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 139۔

آپ کی اس تنقید سے معلوم ہو گیا کہ عیسائیوں کے مندرجہ بیانات اُن کی خاص مخترعات ومصنوعات نہیں ہیں بلکہ آپ کی مشہور اور معتبر کتابوں سے ماخوذ مستنبط ہیں۔پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ جن الفاظ ومعانی میں معترضین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔وہ متواتر ابواب میں امام بخاری صاحب نقل فرما چکے ہیں اور تنہا بخاری صاحب نے نہیں بلکہ اُن کے استاد اور شیخ الشیوخ امام احمد ابن حنبل صاحب نے بھی اپنی مسند کی جلد اوّل صفحہ 189 میں تحریر فرمایا ہے۔آپ معترفانہ طور پر خود بھی اس کا اعتراف فرماتے ہیں تو اتنے اور ایسے اعتراضات کے بعد آپ ہی بتلائیں کہ آپ کی تنقید وتردید کا کیا وزن رہ جائے گا۔اب اپنی موجودہ تنقید کی تفصیلی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

آپ کے پاس صحیح بخاری کی کل ایک روایت اُن متعدد روایات کی نقیض موجود ہے۔جس کو آپ نے اُس کی اصل عبارت کے ساتھ لکھا ہے اور اُس کو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں واقعہ یہ ہے کہ قریش نے ایک دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بتوں پر چڑھائے ہوئے جانور کا گوشت رکھ کر کھلانا چاہا تھا آپ نے انکار کر دیا اور نہ کھایا۔شبلی صاحب غالباً معترضین کے اعتراضات سے بچنے کے لیے اس روایت پر اعتبار فرماتے ہیں۔اور لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ حدیث اور ابواب میں بھی لکھی ہے۔اُس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے''۔اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ حدیثیں جو بخاری کے اور ابواب میں مذکور ہیں۔وہ معترضین کی علی الاکثر موافق اور مویدنہیں جن کے اتفاق وتائید کو آپ صرف اجمال رہ جانے کے معنوں میں لیتے ہیں۔مگر یہی ایک روایت ہے جس سے معترضین کی تائید نہیں ہوتی''۔

اب آپ مندرجہ بالا تفصیل سے اپنی تنقید وتردید کی شان وانداز کو دیکھ لیں۔کہ آپ کا یہ عذر کیسا ضعیف ہے کہ میرے چار دعووں یا باتوں میں تین جھوٹی ہیں اور ایک سچی۔اب شبلی صاحب اپنے امام بخاری صاحب سے پوچھنے کا پورا موقع اور اطمینان رکھتے ہیں اور دریافت کر سکتے ہیں کہ ایک امر کو متعدد اور متواتر مقامات پر بطور اجمال لکھنا اور آخر میں مفصل طور پر لکھ دیتے ہیں۔آپ نے کیا خوبی رکھی ہے اور اس سے کیا فائدہ سمجھا ہے''۔دو باتیں تھیں۔اوّل یہ کہ اگر امام بخاری کو یہ امور مناقص شان نبوت حقیقتاً معلوم ہو چکے تھے تو

ان مرویات کو کتاب میں درج ہی نہ ہوتا۔ اور اسی آخر والی روایت کے نقل پر اکتفا فرمائی ہوتی۔ اور اگر منافی نبوت نہیں معلوم ہوئے تھے تو پھر آخر روایت کو لکھنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ اجتماع ضدین کی موجودہ ترکیب و ترتیب تو ضرور فساد کا باعث ہوگی۔ معتقدین بخاری سمجھیں یا نہ سمجھیں خواہ سمجھیں بھی تو سمجھ کر رہ جائیں لیکن مخالفین تو چپ رہنے کے نہیں۔ وہ تو آپ کی اس غلط ترکیب سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے اور رائی کو پربت کر دکھلائیں گے۔

اب صورت حال کا دوسرا رخ مشاہدہ فرمایا جائے اب آپ مسند امام حنبل سے اس واقعہ کی وہی بدنما صورت دکھلاتے ہیں۔ جو معترضین بیان کرتے ہیں۔ تو گویا بخاری سے پہلے بھی واقعہ کی یہی بدنما صورت آپ کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے جس کا آپ خود لکھ کر اقرار کر چکے ہیں۔ تو اس بنا پر یہ واقعہ متواتر بھی ہوگیا اور قدیم بھی۔ اس تواتر اور قدامت کے جواب میں آپ صرف یہ تحکمانہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ''اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے''۔

آپ کے تنقیدی جواب کا پہلا حصہ کہ اس روایت کے روایوں کا حال نہیں ملتا۔ صریح دفع الوقتی ہے کیونکہ مسند احمد بن حنبل میں سلسلہ روایت موجود ہے۔ رجال کی ایک نہیں متعدد کتابیں خدا کے فضل سے آپ کے پیش نظر ہیں ایک ایک راوی کی تصدیق و تکذیب اور جرح و تعدیل کیوں نہ فرمائی گئی۔ مگر آپ کو تو ایک گونہ خود اس کا یقین ہے کہ اس کے راوی صحیح ہیں تب تو لکھا جاتا ہے کہ یوں بھی بخاری کے سامنے اس کی کیا وقعت ہے۔ شبلی صاحب یہ یوں بھی کیا؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر روایت امام حنبل کے رواۃ تمام تر صحیح بھی ہو تو بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے اب راویوں کی صحت کا معاملہ نہیں رہا۔ امام بخاری اور حنبل کی ترجیح و فضیلت کا مسئلہ پیش ہوگیا۔ ہم تو کہہ دیں گے کہ یہ آپ کی خود غرضی ہے اور محض بخاری پرستی''۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کے اس غلط اصول کو مانیں گے بھی تو وہی جنہوں نے تمام حدیث کی کتابوں میں سے صحاح کو منتخب کیا اور پھر صحاح میں صحیح بخاری کو سب پر ترجیح دی۔ مخالف کو آپ کی اس ترکیب کی پابندی کیوں ہونے لگی۔ اور مسند امام حنبل کے مقابلہ میں صحیح بخاری کی اس تصدیق و توثیق کی نسبت آپ کے اس چیلنج کو وہ کیوں ماننے لگے اور آپ خود بھی غور کر لیں اور سمجھ لیں کہ اگر سواد اعظم میں کوئی شخص ایسے اعتراض پیش کرتا تو اُس کے مقابلہ میں آپ کو اس چیلنج دینے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ صحیح بخاری اور مسند حنبل کی اہمیت کو جانتا تھا۔ لیکن ایسی قوم و گروہ کے مقابلہ میں جو بخاری اور امام حنبل کی مرویات سے اپنے مدعا کو دکھلاتا ہے اور اُن کے فرق مابہ الامتیاز کو اور اُن کی جرح و تعدیل کو نہیں جانتا۔ آپ کو اس چیلنج کے پیش کرنے کا کیا حق حاصل ہے اور دنیا کی انصاف پسند طبیعتیں آپ کے اس طریقہ استدلال کو کب مان سکتی ہیں۔

صاف تو یہ ہے کہ آپ اس چیلنج کی نمائشی لفاظیوں سے عیسائیوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ نہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل شان پہچانی اور نہ ہمارے امام بخاری صاحب نے نہ امام حنبل صاحب نے علماء متقدمین نے عقائد کی درستی اور معرفت خدا و رسولؐ کے صفات و مدارج کی ترتیب و ترمیم کی تو اُس وقت ضرورت محسوس فرمائی ہے جب اُن کو حکمائے معتزلہ سے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ ورنہ اس سے ڈیڑھ سو برس پہلے بے دیکھے سنے، بے سمجھے بولے ہر طرح کی حدیثیں ہر قسم کی روایتیں اس کثرت سے بن چکی تھیں کہ بقول آپ کے ایک امام زہری کی تصنیفات اُونٹوں پر لاد کر لائی گئیں تھیں۔ تو پھر اب بتلایئے ان جامعین حدیث کا اس

وقت مدعا کیا تھا۔ جمع حدیث یا ترتیب عقائد۔ کتابیں دیکھئے، حالات دیکھئے واقعات پڑھئے معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت ان جامعین حدیث کی نظر صرف تجمیع حدیث پر تھی اور وہ ترتیب عقائد کو نہ دیکھتے تھے اور نہ اُن کا یہ کام تھا۔ انہیں امام احمد حنبل صاحب کی مرویات فی العقائد کو موجودہ اصول عقائد سے مقابلہ فرمایئے جو اصول عقائد نے قائم کیے ہیں تو آپ آسمان زمین کا فرق پائیں گے۔

اس بنا پر عیسائیوں کے جواب میں آپ کو بخاری صاحب یا ابن حنبل صاحب کی اہمیت سے ذرا بھی بحث کرنی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان تمام مرویات خلاف عقائد کی نسبت۔ عام اس سے کہ وہ بخاری میں ہوں یا مسند امام حنبل میں۔ یا کسی اور کتاب میں۔ آپ کو یہ کہہ دینا پڑے گا کہ اسلامی اصول عقائد کے مخالف جو بالکل قرآن مجید اور قول صحیح رسولؐ سے منضبط ہیں کوئی روایت عام اس سے کہ اسلام کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں کسی ہی معتبر اور مستند ذریعہ واسناد سے نہ درج ہو نہ قابل قبول ہے نہ قابل عمل۔ ایک یہی طریقہ استدلال معترضین کے مقابلہ میں چل سکتا ہے۔ دوسرا نہیں کیونکہ ہمارے معرضین اُس عقیدے کے لوگ ہیں جن کا خدا نہ نزہ بالذات ہے اور نہ رسولؐ مبراعن الخطیات۔ اس لیے وہ تو ضرور آپ کے ماخذوں سے اُن غیر مقید اور غیر مستند مرویات کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ جن سے اُن کے عقائد فاسد کی تائید و تطبیق ہوتی ہو ایسی حالت میں ابتدا ہی سے تفریق عقائد کے معقول اصول پر استدلال قائم کرنا چاہیے۔ نہ بخاری صاحب کی علوشان پر اور نہ ابن حنبل صاحب کے غلط بیان پر شبلی صاحب یا تو اصول عقائد کے استحفاظ فرمالیں۔ یا تقلید اسلاف کا لحاظ کر لیں اور اگر وہ یہ چاہیں کہ استحفاظ عقائد بھی ہو اور اسلاف کی تقلید کی صحت بھی تو یہ غیر ممکن ہے۔ ذوجہتی کا یہ طریقہ استدلال تو اسلام کی خانہ جنگیوں کے عنوان اور شبلی صاحب کی خاص جنبہ داری کی داستان شروع کر دے گا جو اور بھی اسلام کی تضحیک وتضعیف کا باعث ہوگا۔

(ب) شبلی صاحب کی دوسری روایت یہ ہے کہ نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ (آنحضرتؐ) کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے۔ لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اُنہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ ثابت بھی نہیں۔ اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس کا اوّل راوی اسمٰعیل بن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے۔

۱۔ معٰویہ ابن صالح اسمٰعیل اور اُس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔

۲۔ یحییٰ بن مخلط وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے۔

۳۔ امام نسائی ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔

۴۔ نصر بن مسلمہ مزوری　　وہ کذاب ہے۔

۵۔ دارقطنی　　میں اس کو صحیح حدیث کے لیے پسند نہیں کرتا۔

۶۔ سیف بن محمد　　وہ جھوٹی حدیثیں بناتا ہے۔

۷۔ سلمہ بن شبیب　　اس نے مجھ سے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنالیتا تھا۔

سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 140

شبلی صاحب کے اس استدلال کا انداز تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ پہلے طریقہ استدلال میں اگر زیادہ نقیض روایتیں تھیں۔ اور گو ایک ہی سہی مگر موافق اور موئید حدیث بھی موجود تھی۔ جس کو آپ نے بڑی شان سے چیلنج دے کر دکھلایا۔ لیکن یہاں تو بخاری صاحب کا اقرار ہے اور وہ خود لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا تھا (نعوذ باللہ) اس سے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ آپ کو اُس زمانہ یا اُس وقت تک عزیٰ کی معبودیت کا اُسی طرح اعتراف واقرار تھا جس طرح اور قریش کو تب تو اپنے لڑکے کا نام عبدالعزیٰ رکھ کر اُس کو احتراماً عزیٰ کی عبدیت کی طرف منسوب کیا (العیاذ باللہ)

شبلی صاحب اب یہیں سے سمجھ لیں کہ آپ بخاری کی ایسی نامقید اور مجہول السند کتاب سے اپنے مخالفین خصوصاً یورپین محققین کو کیا چیلنج دیتے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ پہلے واقعہ میں تو اس کتاب کی تصدیق وتوثیق کا چیلنج دیا جاتا ہے اور پھر دوسرے واقعہ میں جب کسی تاویل سے کوئی کام نہیں نکلتا تو بمصداق عذر گناہ بدتر از گناہ اُسی چیلنج دادہ اصح الکتاب کی خود تنقید وتردید فرمائی جاتی ہے۔ اور اُس کے راویوں کو دروغگو، فریبی، چور سب کچھ لکھ کر ثابت کیا جاتا ہے۔

اب یہ تو فرمائیں کہ سلسلہ رواۃ میں ایک راوی اسمٰعیل بن ابی اویس کو جسے آپ جھوٹا بتلاتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے وہ ویسا ہی مان بھی لیا جائے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخاری صاحب کیسے بزرگ تھے جنہوں نے جھوٹے سچے، ایماندار، مکار کی کوئی تمیز نہیں کی۔ اور آنکھ بند کر کے ایسے جھوٹے راویوں کو غلط مفتریات کو اپنی کتاب میں بھر دیا۔

یہ تو بخاری صاحب کی محدثانہ شان تھی۔ اب اپنی شان محققانہ ملاحظہ فرمائی جائے۔ وہی سلف کی قدیم اُصول تقلید کے مطابق آپ نے پہلے تو حمایت بخاری کی غرض سے تاویل کرنی چاہیے اور چونکہ موضوع بحث رسول اللہ صلعم کی برات ہے۔ اس لیے شبلی صاحب کو بڑی مشکل پیش آئی۔ رسول اللہ صلعم کی عصمت بھی قائم رکھنی اور امام بخاری کی عزت بھی۔ اس مشکل سے نکلنے کا آپ نے ایسا شرمناک طریقہ اختیار کیا۔ جس سے بخاری صاحب کی تو خیر عزت سنبھل گئی لیکن رسول اللہؐ کی حرمت پر دھبہ آ گیا۔ یہ سب آپ کی ناحق پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ بخاری صاحب کی حمایت میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کی تاویل یوں کی جاتی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ آپ ہی کہیے یہ کیسا ضعیف جواب اور کیسی شرمناک تاویل ہے۔

افسوس ہے کہ آپ نے پہلے یہ نہ لکھا۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد آخر آپ کو لکھنا پڑا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہٖ بھی ثابت نہیں۔ مگر آپ اسے کیسے پہلے لکھ دیتے کیونکہ آپ کو تو بخاری صاحب کی بھی عزت سنبھالنی تھی۔ اس ضرورت سے اپنے اس کفر شعاری کو صدیقہ کبریٰ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے سر لگا یا۔ آپ نے ناموس رسولؐ کی کفر شعاری کا اقرار تو کر لیا مگر بخاری صاحب کی بدنامی اور بے احتیاطی کو نہ گوارا فرما سکے۔ واقعی آپ کی یہ دلیری تمام اہل اسلام کی حیرت اور عبرت کا باعث ہے۔ شبلی صاحب ہم آپ کو باور کراتے ہیں کہ آپ کی اس افسوس ناک اور دلیرانہ تاویل نے تمام مخالفین کو خوب ہنسوایا۔ مگر بلا امتیاز تمام اہل اسلام کو آٹھ آٹھ آنسو رلوایا۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلعم کی شان کو سمجھے ہی نہیں۔ یہ مان لیا کہ رسول اللہؐ اُس وقت تک منصب ارشاد پر فائز نہیں ہوئے تھے، لیکن عزیٰ کی حقیقت کو تو جانتے تھے۔ اور اگر آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اس وقت تک عزی کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔ تو پھر (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم بھی اور قریش کی طرح عزی کا احترام اور اُس کی پرستش کیونکر نہ کرتے تھے۔ اس دلیل سے ماننا پڑے گا کہ عزیٰ کی حقیقت واصلیت آپ پر کماحقہ ثابت تھی۔ جب ثابت تھی۔ تو شبلی صاحب کا یہ احتمال جیسا کہ وہ اپنی تاویل میں لکھتے ہیں کہ اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا۔ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار حقیقت کو چھپایا اور یہ امر تو اخلاق نبوت اور شان رسالت کو اور پست کر دیتا ہے۔ اس لیے آپ کی یہ تاویل منافی شان رسالت ہونے کے باعث قطعی غلط ہے۔ اور محض حمایت بخاری میں وضع کی گئی ہے۔ یہ تاویل خلاف واقع ہونے کے علاوہ خلاف نقل وعقل بھی ہے۔ خلاف نقل تو اس طرح کہ سوائے آپ کے (کئے آمدی کئے و پیری شدی) زرقانی، عقلانی، قسطلانی، عینی اور کرمانی کسی شارح بخاری نے اس واقعہ کے متعلق رسول اور ناموس رسول صلعم کے خلافِ شان ایسی دلیرانہ اور بے ادبانہ تاویل کرنے پر جرأت نہیں کی لطف تو یہ ہے کہ یہ تاویل بھی کی جاتی ہے اور پھر اپنی اس تاویل کی فوراً تکذیب بھی فرما دی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد لکھ دیا گیا ہے اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہٖ بھی ثابت نہیں۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ جب یہ واقعہ ثابت ہی نہیں تو تاویل کیسی؟ شبلی صاحب کی عجیب منطق ہے۔ مقصد مفقود تاویل موجود۔ یہ تو مخالف نقل ہونے کی حالت تھی اب خلاف عقل ہونے کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

بخاری صاحب کے راوی کی کامل تنقید وتکذیب فرما کر شبلی صاحب آخر میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں۔ یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی کی تبلیغ شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ سیرۃ النبی ص 140۔

شبلی صاحب اپنی اس رائے پر غور فرمائیں اور بتلائیں کہ جب فائز رسالت ہونے سے پہلے آنحضرت صلعم بت پرستی کی ممانعت فرماتے تھے۔ تو جناب خدیجہؑ کو نعوذ باللہ اس صریح بت پرستی اور کفر شعاری سے کہ اپنے بیٹے کو عزیٰ بت کا غلام بنائیں اور بندہ قرار دیں کیوں نہ منع فرمایا؟ اس کا کوئی جواب شبلی صاحب سے نہیں ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ فرمائیں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نعوذ باللہ آپ کے اُن معتمدین میں نہیں تھیں۔ جن کو اس امر سے منع فرماتے تھے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ اب آنحضرت صلعم کے نزدیک جناب خدیجہ صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی نااعتباری یا عموماً میاں بی بی

کی باہمی بے اعتمادی کی شرمناک اور نفرت انگیز تفصیل شبلی صاحب کی حیاداری ثابت کر سکے گی۔ کسی مسلمان کی دینداری تو سوائے حسرت وعبرت کے ایک حرف بھی منہ سے نہیں نکالے گی۔

مسٹر مارگیولوس نے اس کے برخلاف (ممانعت بت پرستی) ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت میں دعویٰ سے زیادہ ترحیرت انگیز فریب کاری کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرلیا کرتے تھے۔ جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف نے اس کی سند میں امام احمد بن حنبل کی روایت (جلد 4 صفحہ 2222) پیش کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنی جار الخدیجه بنت خویلد انه سمع النبی صلعم و هو یقول لخدیجه والله لا اعبد اللات و العزیٰ والله لا اعبد ابدًا قال فنقول خدیجه خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یصطجعون

مجھ سے خدیجہ بنت خویلد کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صلعم کو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ خدیجہؑ کہتی تھیں کہ لات کو جانے دیجیے عزیٰ کو جانے دیجیے (یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجیے) اس راوی نے کہا کہ لات وعزیٰ وہ بت تھے۔ جن کی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے۔

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور میں ''کانوا'' کا لفظ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب لات وعزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا۔ نہ کہ جمع کا اس کے علاوہ خود اس روایت میں لات وعزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار مذکور ہے۔ ص 140۔

شبلی صاحب کا لکھنا بالکل صحیح ہے اور مارگیولوس کا سمجھنا اور سمجھانا دونوں غلط۔ اس کو حقیقت سمجھ کر اگر مارگیولوس نے لکھنا ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس یورپین محقق نے پوری فریب کاری سے کام لیا ہے۔

اتنا اور عرض کر دینا ہے کہ آپ کی تنقید میں بھی تھوڑا سا اجمال رہ گیا ہے۔ وہ یوں صاف کر دینا چاہیے تھا عربی لفظ ''کانوا'' کا ترجمہ وہ لوگ ہونا چاہیے تھا۔ آپ کا ترجمہ اہل عرب لفظی ترجمہ نہیں بلکہ مرادی ترجمہ ہوا۔ اس لیے عبارت ترجمہ میں وہ لوگ اصلی الفاظ عبارت میں اور اہل عرب خطوط معکوسی کے اندر ہونا چاہیے۔

پھر تنقید کی عبارت میں بھی ''کانوا'' کا ترجمہ اہل عرب ہی لکھ دیا گیا ہے۔ اس کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیے پھر تشریح تنقید میں بتلایا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔ فی الحال اہل اسلام میں بھی زبان عربی کی جتنی کمی ہوتی جاتی ہے وہ ظاہر ہے اس لیے تثنیہ اور جمع کا باہمی فرق اور اُن کے جداگانہ صیغوں کی تمیز۔

عام اُردو دانوں کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ اس ضرورت سے اُن کو ان الفاظ میں سمجھا دینا ضروری ہے کہ اگر آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا انہیں حضرات خاص سے راوی کی مراد ہوتی تو زبان عربی کے قاعدے کے مطابق راوی تثنیہ صیغہ لاتا۔ اور ''کانوا'' کی جگہ ''کانا'' کہتا۔ مگر جب اُس نے ایسا نہیں کیا اور عام جمع کا صیغہ ''کانوا'' لایا تو اُس سے تمام لوگ یعنی کل اہل عرب مراد ہوئے۔

اس کے علاوہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی نسبت اجتناب کفر کی تفصیل شبلی صاحب نے خدا جانے کس مصلحت سے چھوڑ دی وہ یہ ہے کہ۔ عربی کی عبارت سے صاف طور پر ثابت ہے۔ اصلی روایت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے اس جواب پر تمام ہوگئی۔ (فتقول خدیجہؓ خل اللات خل العزی) خدیجہؓ نے کہا لات کو جانے دیجیے۔ عزیٰ کو جانے دیجیے) یہ تو اب روایت کا راوی اپنے سامعین کو لات وعزی کی اصلیت و ماہیت بتلاتا ہے کہ لات وعزی اصل میں کیا شئے تھے لات وعزی دو بت تھے۔ جن کی پرستش وہ لوگ (اہل عرب) سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے۔ یعنی عرب میں یہ دستور تھا کہ سونے سے پہلے اُن دونوں بتوں کی پوجا کرلیا کرتے تھے۔ اب اس تفصیل کی تشریح ملاحظہ ہو۔

راوی کو اس روایت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ راوی (خدیجہؓ کا ہمسایہ) خود اہل عرب تھا۔ اور اس قدیم دستور کا جاننے والا۔ اُس کو ان دونوں حضرات (آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے) مکالمات سن کر جو ملک وقوم کے دستور قدیم کے صریح مخالف تھے۔ بالکل نیا اور اُن لوگوں کا تنہا طریقہ معلوم ہوا۔ اس لیے اس واقعہ کی ندرت اور ان دونوں حضرات کی کفر پرستی سے نفرت اور تمام قوم کے اس دستور قدیم سے مخالفت کی بنا پر راوی نے اس واقعہ کو اس مسئلہ خاص کے ثبوت میں کہ یہ دونوں بزرگوار بت پرستی کے قدیم دستور اور رسم ورواج سے بالکل علیحدہ تھے اور تمام اہل عرب میں اس ناہنجار اور کیفر کردار عادات سے بالکل مستثنٰی تھے۔ اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ جس طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لات وعزی کی پرستش سے متنفر تھے اُسی طرح حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی اس سے محترز تھیں۔

مارگیولوس صاحب کی سمجھ کا کیا کہنا۔ خوب سیدھے کا اُلٹا سمجھے۔ افسوس ہے کہ اُن کے اس مؤرخانہ بیان پر۔ اور حسرت ہے اُن کی محققانہ شان پر بقول شبلی صاحب اس روایت کے غلط معنی لگا کر تمام دنیا سے اپنی عربی دانی کی داد لیتے ہیں۔ اور ساری دنیا کو اپنی غلط فہمی سے فریب دیتے ہیں۔ لیکن اپنی توریت مقدس میں حضرت یعقوبؑ کی بی بی کا جن کا نام راحل (راحیل) تھا۔ جو بذات خاص ایک جلیل القدر پیغمبرؑ کی بیوی اور تمام انبیائے بنی اسرائیل کی ماں تھیں۔ اپنے باپ کے بتوں کو چرانا، اور اونٹوں کے کجاوے میں اُن کو چھپا کر اُن کے اُوپر آپ بیٹھ جانا اور اس شکل وصورت سے پکڑا جانا اور حیض کا بہانہ کر کے اُس مقام سے نہ اُٹھنا اور اس حیلہ وترکیب سے اُن بتوں کو اپنے پاس رکھ لینا اور باپ کو واپس نہ دینا پوری تفصیل سے درج ہے۔ (سفر تکوین باب 31۔ آیت 5۔25) دیکھ کر ذرا بھی نہیں شرماتے۔ مارگیولوس کے ہاں نبوت یا ناموس نبوت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وہ اس تخصیص کو بھی تعمیم میں لیتے ہیں اور جب حضرت یعقوبؑ کے خاندان نبوت اور اُن کی خاص ناموس کے ان اتہامات صریح کو واقعات صحیح سمجھتے ہیں تو پیغمبر عرب اور اُس کے پاک ومقدس ناموس کی نسبت مارگیولوس کو اس مغویانہ اوگمراہانہ فریب کاری کرتے ہوئے کب شرم وحجاب آ سکتا ہے''۔

مارگیولوس کی غلط فہمی اور عالم فریبی کی کامل تردید کر کے ہم شبلی صاحب نعمانی کی خدمت میں پھر یاددہانی کراتے ہیں کہ آپ نے عبدالعزیٰ کے تسمیہ کی تاویل میں نہایت بے باکی سے لکھ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اسلام سے پہلے بت پرست تھیں آپ کا یہ لکھ دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ واقعہ کی اصل عبارت تو یہ بتلا رہی ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے کارہ اور متنفر تھیں۔ تب تو فرماتی ہیں خل اللات خل العزی جس کا ترجمہ آپ خود ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ لات کو جانے دیجیے عزیٰ کو جانے دیجیے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے)۔ شبلی صاحب خود اپنے ان مختلف نظریہ وآرا پر غور فرمالیں۔ جب آپ خود اعترافاً لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود بقول آپ کے ان بتوں کے ذکر سے بھی منع فرماتی تھیں تو وہ پھر خود کیسے بت پرستی کرسکتی تھیں اور اُن کو کون بت پرست کہہ سکتا ہے۔

(ث) پھر زیر حاشیہ یہ روایت مرقوم ہے۔

مارگیولوس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی۔ صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ نہیں پیش کیا۔ بلکہ ولہوسن کا حوالہ دے دیا ہے (دیکھو مارگیولوس کی کتاب ص68۔70) معجم البلدان (جغرافیہ کی ایک کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے اول تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے۔ ثانیاً یہ روایت کلبی سے ہے۔ جو مشہور دروغ گو ہے۔ شبلی صاحب کا پہلا اعتراض کہ مارگیولوس نے عربی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا بالکل صحیح اور مارگیولوس کا ثبوت میں اپنا ماخذ پیش کرنا بالکل خلاف استدلال ہے۔ جب معجم البلدان میں یہ روایت دیکھ لی گئی تو مارگیولوس کے سر سے وضع حدیث کا الزام جاتا رہا۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ فرمانا کہ معجم البلدان جغرافیہ کی کتاب ہے اور صنفِ حدیث میں موضوع نہیں ہوئی ہے مخالفین کے لیے تشفی بخش نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہاں تو دیوانہ را ہوے بس است کا عالم ہے اُنہیں حدیث وجغرافیہ کی تفریق وتمیز سے کام نہیں۔ اُن کا تعصب اُن کی خودغرضی انہیں تمیز کب کرنے دے گی۔ اب اُنہوں نے ایک مسلمان مصنف کو دیکھ پایا۔ اور اُسی کے قول سے لگے استدلال کرنے۔

ان کی تنقید وتردید کے لیے ہم پھر شبلی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ ان سے استدلال میں وہی اصول قائم رکھے جائیں۔ جو ہم لکھ کر بتلا آئے ہیں۔ یاقوت حموینی کی جغرافیہ دانی یا حدیث سے ناواقف کاری یا کلبی کی موضوعیت اور غلط کاری دکھلانے سے کام نہیں نکلے گا۔ صاف صاف لکھنا اور اقرار کرنا ہوگا کہ خلاف اصل عقائد، کوئی صاحب ہوں، محدث، مؤرخ یا کوئی اور ہوں جب کوئی روایت کوئی واقعہ مخالف عقائد بیان فرمائیں گے۔ وہ مسلمانوں کے لیے نہ قابل قبول ہوگا نہ لائق تسلیم۔ اس لیے یہ تمام واقعات و روایات جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور تاریخ بخاری اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں ان کا ماخذ بتلایا گیا ہے۔ سب کے سب محض لغویات ہیں اور صریح مفتریات، مخالف اسلام کسی وقت اور کسی زمانہ میں نہ ہمارے رسول صلعم کے طریقے اور عمل ثابت ہوئے ہیں نہ اُس کے اہل بیت کرام علیہم السلام کے۔ رسولؐ نے نہ اُس کی بی بی نے کبھی بت پرستی کی اور نہ کبھی اپنی کسی اولاد کا نام بتوں کے نام پر رکھا۔ حقیقتاً عبدالعزیٰ نام آپ کا کوئی بڑا بیٹا ہی نہیں تھا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ جن کی خصوصیت کی وجہ سے عرب کے قدیم

قومی دستور کے مطابق آپ کی کنیت ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشہور ہوئی لیکن قضائے الٰہی سے وہ بھی قبل بعثت انتقال فرما گئے۔ یہ تمام مرویات اُس زمانہ اور اُس زمانہ کے لوگوں کی موضوعات ہیں جن لوگوں نے اوروں کے عیب چھپانے کے لیے شان رسالت کی تخصیص میں خواہ مخواہ تعمیم کو داخل کر دیا۔ ان لغویات کے لیے نہ اسلام جوابدہ ہوسکتا ہے اور نہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

موحدین سے ملاقات

محض بے ضرورت سرخی ہے۔ شبلی صاحب اور تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ رسالت کے تمام طریقے وہبی ہوتے ہیں۔ تعلیم زبانی اور توفیق یزدانی ابتدا سے لے کر انتہا تک رسولؐ کے شامل حال ہوتی ہے تو پھر اس کی کوئی ضرورت و احتیاج نہیں کہ موحدین سے ملاقات ہو یا نہ ہو موحدین سے ملاقات اور مجالسات منصب رسالت میں تعلیم و اکتساب کے شبہے پیدا کر دیں گی جو قطعاً مناقض رسالت ہے۔ جن موحدین کا ذکر کیا گیا ہے یا جن کے نام لیے گئے ہیں اُن کے اعتقادات فی الوحدۃ کی تفصیل وصورت بھی نہیں بتلائی گئی ہے کہ وہ کس قسم کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ان میں سے شبلی صاحب نے ایک ورقہ بن نوفل کا حال خود لکھا ہے کہ وہ آخر میں عیسائی ہو گئے تھے۔ تو آپ ہی فرمایئے کہ اُن کی عقیدت فی الوحدت کس کام کی رہی جب اُنہوں نے ذات الٰہی کو قابل تناسل و توالد یقین کر لیا۔ پھر توحید کا ایسا غلط اور سراسر منافی اعتقاد رکھنے والے شخص کی ملاقات سے اُس بزرگ کو کیا لطف اور کیا فائدہ حاصل ہونے والا تھا۔ جو خالص اور کامل توحید کی تبلیغ و تعلیم کے لیے بھیجا گیا ہو اور جو خاص طور پر توحید کے راستوں سے اُن خاروخاشاک کو پاک وصاف فرما دینے کے لیے اُتارا گیا ہو جو سالکان وحدت کے دامنوں میں اُلجھ اُلجھ کر اُن کو قربت الٰہی کے حصول سے روک رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ خود اُس وقت کے موحدین میں قیس ابن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبداللہ ابن جحش، عثمان بن الحوارث اور زید بن عمر بن نفیل (غرض خاص تو ان کے نام کے شمول سے تھی) کے نام گنا کر خود لکھتے ہیں کہ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ص 141۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تو پھر آپ ہی کی اس خاص تحریر سے یہ سرخی ''موحدین سے ملاقات'' غلط اور محض بے ضرورت ثابت ہوگئی۔ مگر آپ نے آگے چل کر اپنے اس اعتراف و اقرار پر بھی اعتبار نہیں کیا اور زید سے بھی ملاقات ہونے کی یہ صورت نکالی تھی کہ ورقہ عیسائی ہو گئے تھے۔ اور چونکہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے ملے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے آپ کی دوستی تھی۔ ص 141

میں کہتا ہوں کہ آپ کا یہ قیاس صحیح ہے اور بالکل فی الواقع۔ آپ کو خود اس کی واقعیت یاد نہیں رہی۔ اس لیے قیاس کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل سے ضرور ملاقات ہوئی۔ آپ خود لکھ چکے ہیں۔ اپنی سیرۃ النبیؐ جلد اول کے صفحہ 178 میں اپنی یہ عبارت ملاحظہ فرمالی جائے۔

آپ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ جو عبری زبان جانتے تھے اور

توریت وانجیل کے ماہر تھے۔انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا۔ لیجیے ملاقات ہوگئی لیکن اس ملاقات سے وہ ملاقات جو آپ کی اصلی مراد ہے۔ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ بالکل غلط ٹھہری۔موحدین سے ملاقات کی خاص سرخی قائم کرنے سے جو آپ کا مدعا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن لوگوں میں مراسم تھے۔آپ ان کے پاس آتے جاتے تھے ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی آپ کے پاس آتے جاتے ہوں۔مگر ورقہ والے مندرجہ بالا واقعہ نے صاف صاف بتلا دیا کہ آنحضرت صلعم اور ورقہ میں اس واقعہ سے پہلے شناسائی اور مراسم نہیں تھے۔کیونکہ اگر ان کے درمیان آمدورفت ہوتی تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو لے جانے اور معرفت کرانے کی ضرورت نہ پڑتی۔اگر قبل سے آپس میں روابط ہوتے تو آپ بالنفس النفیس جا کر براہ راست اُن سے اپنی تسکین وتشفی فرما لیتے۔ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کی معرفی کی ضرورت نہیں تھی۔اس سے ثابت ہوا کہ فی مابین صرف شناسائی تھی۔مجالست یا مکالمت اور صلاح ومشاورت ثابت نہیں۔

ورقہ بن نوفل کا ذکر ہو چکا۔قیس بن ساعدہ کی نسبت لکھا جاتا ہے۔ادب ومحاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے کہ قیس ابن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطبہ میں شریک تھے۔

شبلی صاحب نہ اپنے کسی اقرار پر قائم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی نظریہ پر۔ذرا اپنے دیباچہ میں نقل روایات کے متعلق اپنے مقرر کردہ حدود ونصاب یاد فرمائے جائیں۔پھر اپنے ادب ومحاضرات کے حوالہ جات پر غور کیا جائے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ واقعہ آپ کے نصاب مقررہ کے مطابق ہرگز قابل اندراج نہیں تھا۔پھر آپ نے محض بے ضرورت اس کو کیوں لکھا اور پھر لکھ کر آیندہ عبارت میں قوی دلائل سے اس کی تردید بھی فرمادی تو گویا تمام تر یہ آپ کی سعی حاصل تھی اور کچھ بھی نہیں لیکن آپ نے ان واقعات کو خاص کر اس وجہ سے لکھا اور حتیٰ الامکان اس کی تردید بھی کردی۔اس باعث سے کہ عیسائی منضین انہیں غیر مفید اور نامستند مرویات کو اپنی عالم فریبی کا ماخذ بنا لیتے ہیں۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ان لوگوں کی تعلیم ہدایت،مشاورت اور صحبت کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔

ہمیں بھی اقرار ہے کہ یہ غرض آپ کی صحیح ہے اور یہ سعی آپ کی حفظ ماتقدم کے اعتبار سے ایک حد تک مفید ہے لیکن اپنے قیس ابن ساعدہ کی روایت کے متعلق اپنی تنقید وتردید کو تمام کردیا ہے ورقہ بن نوفل اور خصوصاً زید بن عمر بن نفیل کی نسبت مجالست۔مکالمت اور برابر صحبت کو صحیح یقین کرلیا ہے۔کیونکہ زید کی نسبت تو صحیح بخاری کی اسناد موجود ہیں۔اس لیے ان مرویات کی تردید پر آپ کا قلم نہ اُٹھ سکا۔جب قلم نہ اُٹھ سکا اور تردید نہ ہوسکی تو آپ کے مخالف کو ان ماخذوں سے اپنی عالم فریبی کے نتیجے نکالنے کا تو ویسا ہی موقع حاصل رہ گیا۔اگر قیس بن ساعدہ سے نہیں تو ورقہ اور زید بن عمر سے استفادہ اور مشاورت فی علم الرسالت کا قیاس تو اپنی حالت پر قائم رہے گا۔ حالانکہ یقیناً رسالت کو ان ظنیات اور قیاسات سے کیا واسطہ اور کیا سروکار۔اور ان مشتبہین فی المعرفت اور مشکوکین فی الوحدت کو سکینۂ رسالت کے آگے کیا مقدار اور کیا اعتبار۔یہ گم کردگانِ حقیقت اپنے خیالات وجذبات میں بغیر کسی راہبر کے شاہد حقیقی کی تلاش میں اگر تھوڑا بہت سمجھ سمجھ کر بگڑ رہے تھے۔یا بگڑ بگڑ کر سمجھ رہے تھے۔وہ حقیقتاً اصل خدا شناسی اور معرفت سے کوسوں دور تھے۔پھر مبلغ رسالت اور متمم نبوت کو ان سے صحبت رکھنے کی نہ کوئی ضرورت تھی اور نہ مشاورت کرنے کی حاجت۔اس بنا پر ان لوگوں کی ملاقات یا مجالسات کا

ذکر کرنا اور پھر اس اہتمام سے کہ اس کے لیے ایک جداگانہ عنوان قائم کرنا، معترضین کو اعتراض کا اور موقع دلانا ہے اور متوہمین کے توہمات کو اور قوی بنانا ہے۔ دیکھئے آپ خود اپنی کتاب میں چار صفحوں کے بعد ان لوگوں کے نتیجہ کو جن کو آپ موحدین بتلاتے ہیں اور اُن سے رسول صلعم کی ملاقات کو ایک خاص باب میں بیان فرماتے ہیں۔ ان الفاظ مفصلہ ذیل میں لکھ کر دکھلاتے ہیں۔

یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا۔ لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس ایک مذہب کامل کی تشیید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لیے کچھ اور درکار تھا اس زمانہ کے قرب میں تین اور حق پرستوں (ورقہ، زید، عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ **جماد الایعقل** کے آگے سر جھکانا حماقت ہے۔ چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش میں نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے۔ ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے۔ اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے کہ اے خدا اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ تجھے کس طریقہ سے پوجنا چاہیے تو میں اُس طریقہ سے تجھے پوجتا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص146)

جب آپ خود ان لوگوں کی ایسی حالت لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ سب کے سب دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے یعنی کوئی بھی راہ معرفت یا منزل وحدت تک نہیں پہنچا۔ تو پھر آپ نے اُن کو موحدین کیسے تسلیم کر لیا۔ اگر بتوں کی پرستش نہ کرنے سے آپ کو اُن پر قائل توحید ہونے کا گمان ہوا ہے تو پھر جین، بدھ اور نانک شاہی تمام فرقوں کو موحد مان لیجیے۔ اور ان کے عالموں اور موجدوں سے ملاقات کرنے کو (اگر واقعات مل جائیں) ایک رسولؐ کے لیے ضروری اور قابل الذکر یقین کیجیے۔ اور اگر ورقہ وغیرہ کے عیسائی ہو جانے سے آپ نے موحد سمجھ لیا تو جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں آپ کو بھی مسئلہ تثلیث کو عین توحید تعین کر لینا ہوگا افسوس تو یہ ہے کہ آپ خود غرضانہ تقلید اسلاف کے ساتھ داد تحقیق و انصاف لینا چاہتے ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔

ایک زید بن عمر بن نوفل کی شخصیت اور معرفت قائم کرانے کے لیے جن کے سلسلہ میں تین پشت بعد حضرت عمر بن الخطاب پیدا ہوئے۔ یہ تمام کوشش کی گئی ہے اس میں شک نہیں کہ شبلی صاحب کی یہ ایجاد اور طبع زاد خاص نہیں۔ بلکہ ایک زمانہ سے علماو محدثین نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اور حضرت عمر کے خاندانی اور قدیم فضل و کمال ثابت کرنے سے ان مرویات کو جو صریح موضوعات میں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں داخل کر دیا ہے۔ جو مناقص شان رسالت ثابت ہونے کے علاوہ طرح طرح کے فساد پیدا کرتی ہیں۔ جن میں سے ایک تو عیسائی معترضین کو غلط تعریضات کی موقع دہی ہے۔ جس کی آپ خود تنقید و تردید فرما چکے ہیں اس کے علاوہ اور مفسدات ہیں جو نفس اسلام میں سخت خرابی پیدا کرتے ہیں۔

احباب خاص

یہ سرخی بھی بے کار ہے اور محض بے ضرورت۔ لیکن جس ضرورت خاص سے آپ نے اس کو لکھا ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے۔ نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند مرتبہ اور علٰی مرتبت تھے ان میں سب سے مقدم

حضرت ابوبکر تھے۔ جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے چچیرے بھائی حکیم بن خرام جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ حرم کا منصب رفادہ انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہاتھ میں ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ لیکن یہ کل رقم خیرات کر ڈالی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے۔ لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کعبہ میں ذویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا۔ اُس میں ایک حلہ تھا۔ انہوں نے اُس کو پچاس اشرفیوں پر خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذر کریں آپ نے فرمایا کہ مشرکین کا ہدیہ قبول نہیں کرتا البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لینی گوارا کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو لے لیا ضماد ابن ثعلبہ جواز د کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ میں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جارہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہتے تھے۔ لڑکوں کا غول دیکھ کر ضماد نے بھی یہی قیاس کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ محمدؐ (صلعم) میں جنون کا علاج کرتا ہوں۔ آپ نے حمد وثنا کے چند موثر جملے ادا کیے ضماد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کو مسلم اور نسائی نے مختصراً لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل جلد اول 302 میں ہے۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے۔ اُن میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد ین اخیر جو مشہور مفسر گزرے ہیں وہ انہیں کے غلام تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔ سیرۃ النبیؐ ج ص 144۔

احباب خاص میں اگر حضرت ابوبکر کو آپ بعد نبوت احباب خاص میں شمار فرماتے تو مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے قبل نبوت ان کے احباب خاص ہونے میں ضرور تامل ہے۔ اس لیے کہ شبلی صاحب خود راہب بحیرا کا قصہ لکھ کر اقرار کر چکے ہیں کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ اُس وقت بلال کا وجود بھی نہیں تھا اور حضرت ابوبکر بچے تھے۔ سیرۃ النبی ص 131۔ ممکن ہے کہ اُن کے درمیان شناسائی ہو۔ لیکن محض شناسائی احباب خاص کی خصوصیت تک نہیں پہنچتی۔ خصوصاً جب دس سال میں فیمابین اتنی تفاوت واقع ہو کہ ایک تیرہ سالہ ہو قریب بلوغ اور دوسرا بچہ ہو سہ سالہ یا چار سالہ۔ شبلی صاحب احباب خاص کی ضرورت اور مقاصد و مطالب کو خوب جانتے ہیں۔ علی العموم احباب خاص وہی اشخاص بنائے جاتے ہیں جو سن وسال اور علم وکمال اور فکر وخیال میں مساوی ہوتے ہیں۔ ان خصائص میں سے کوئی خصوصیت اُس وقت تک حضرت ابوبکر کے لیے ایسی ثابت نہیں کی جاتی۔ جس میں وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ مساوی ٹھہرائے جائیں۔ جب کوئی ایسا قرینہ اور ذریعہ یا ضرورت ایسی معلوم نہیں ہوتی تو حضرت ابوبکر کو قبل از وقت نبوت کے خاص احباب میں شامل کرنے سے آپ کی وہی غرض وغایت۔ حفظ ماتقدم اور پیش بندی سمجھی جائے گی جو ارباب موحدین کی فہرست قائم کرنے میں آپ زید بن عمر بن نفیل کے شمول کی نسبت مدنظر رکھ چکے ہیں۔ عرب کی قدیم تاریخوں

میں تو نہ ارباب موحدین سے ملاقات رکھنے کا ذکر ہے اور نہ احباب خاص کا مذکور۔ ہاں حدیثوں سے ماخوذ کی ہوئی سیرت و تاریخ کی کتابوں میں عالم صحابیت کی بنیاد رکھنے کے لیے ان واقعات کو قلم بند کرنا از حد ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ یہی حضرات قبل نبوت تک تو احباب خاص رہتے ہیں اور بعد نبوت اصحاب خاص ہو جاتے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ تنہا حضرت ابوبکر کا شمول کافی نہ تھا۔ بہتر ہوتا کہ عشرہ مبشرہ کے تمام حضرات احباب خاص کے اس قدیم دائرے میں لے لیے جاتے۔ تو صحبت بھی معقول ہو جاتی۔ اور ان بزرگواروں کے آیندہ حسن خدمات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے اپنی صلاحیت و موزونیت کو کو آپ ثابت کر دیتے۔ لیکن شبلی صاحب کا نہ اتنی جرأت اور نہ اتنی جدت کہ وہ تقلید اسلاف کا قدیم طریقہ چھوڑ کر اپنی مضمون آرائی میں کوئی تازگی پیدا کریں۔ اس لیے آپ نے وہی پرانی اور پائمال لکیر پیٹی۔

حکیم ابن خرام جو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے چچا زاد بھائی ہوتے تھے دوسرے نمبر میں احباب خاص بتلائے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے احباب خاص ہونے کی تو کوئی خصوصیت نہیں بتلائی گئی۔ لیکن ان کے اوصاف و خصائص کی قدرے معرفت کرائی گئی ہے۔

اوّل یہ ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے برادر عم زاد تھے۔ اصولاً یہ قرابت بھی مفید مطلب نہیں ہوتی کیونکہ واقعات تو یہ بتلاتے ہیں کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا اپنا بھائی نوفل بن خویلد وہ بدبخت ازلی تھا۔ جو شقی ترین مشرکین کے ساتھ رسالت کا مرتے دم تک دشمن بنا رہا اور آخر کار معرکہ بدر میں جناب علی مرتضیٰؑ کی تیغ آبدار سے واصل جہنم ہوا۔ یہ تو حقیقی بھائی کا مال کار ہے۔ اس کے مقابلہ میں برادر عم زاد کا کیا شمار۔ اور اس میں ترقی کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بدبخت ابولہب جو اصلی قرابت میں اپنا چچا ہوتا تھا۔ ہمیشہ بالائے جان بنا رہا تو پھر ان سببی علاقہ بندوں کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

دوم یہ کہ قریش کے نامور رئیس تھے۔ دار الندوہ اور رفادہ کے مالک یہ سب صحیح اور فی الواقع۔ مگر یہی وجوہات نبوت کے احباب خاص ہونے کے اگر اسباب خاص قرار دیے جائیں تو نبیؐ زمانہ کی حیثیت روساء اور اہل تمول سے یا اُمرا کے درباری مصاحبین سے زیادہ ثابت نہیں ہوگی۔ اور پھر نبوت و رسالت کے ابتدائی جذبات و خیالات امارت و ریاست کے موثرانہ اقتباسات بتلائے جائیں گے۔ وہم پرست مخالفین تو آپ کے اس قیاس بے مقدار کا طومار بنا دیں گے۔

سوم یہ کہ آخر میں ان احباب خاص کا مال کار جو نبوت و رسالت کا مدعا ہے خاص ہونا چاہیے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بزرگ آٹھویں سال ہجری تک نہ اپنے محب خاص کو رسول برحق سمجھ سکے اور نہ اُس کی رسالت کو سچی رسالت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اتنے مراسم داری کے نبوت ان پر اپنے فیضان کا کوئی اثر نہ پہنچا سکی۔ پھر پیغمبر کو ان اشخاص کو احباب خاص بنانے سے کیا فائدہ ہوا۔ اس کے بعد شبلی صاحب علہ والا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے تو حکیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت و الفت کیا ایک قسم کی نفرت ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی مقام سے اصل مدعائے نبوت معلوم ہو جاتا ہے جو ہر نبی اللہ کو ابتدا ہی سے مدنظر رہتا ہے۔ آپ اپنے قدیم دوست کے ہدیہ کو صرف اس بنا پر واپس دیتے ہیں کہ وہ اب تک ایمان نہیں لایا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے جس شخص سے ایسا گہرا اور قدیم اتحاد قائم ہے۔ وہ اب تک دل میں تو جھوٹا سمجھتا ہے لیکن محض ظاہر داری کے طریقہ پر اُس کے ساتھ نمائشی خلوص و محبت کا

اظہار کرتا ہے۔ یہ معاملات تو احباب خاص کی خصوصیت کو اور بدنما بنا دیتے ہیں۔ اور احباب خاص ہونے کا جیسا شبلی صاحب کا قیاس ہے کوئی کافی ثبوت نہیں پہنچاتی یہ تو خیر حکیم بن خرام کا ہدیہ تھا جو بلا قیمت نہیں لیا گیا اور اس وجہ خاص سے کہ حکیم اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہم تو شبلی صاحب کو حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت کے موقع پر اونٹ کا ہدیہ پیش کرنا یاد دلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ تو خیریت سے مسلمان بھی ہو چکے تھے اور اس وقت رفیق تنہا بنائے جا چکے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے نکاح بھی ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے قرابت سببی پر بھی فائز ہو چکے تھے لیکن ان تمام خصوصیات پر بھی مضاعف قیمت دے کر اُن کا اونٹ لیا گیا۔ ایسا عالی ہمت سیر چشم اور مستغنی المزاج بزرگ کیا اُمرا کا احباب بنتا یا اُن کو اپنا احباب بنانا کب گوارا فرماتا۔

ضماد ابن ثعلبہ ارذی غریب کا۔ جو احباب خاص کے تیسرے نمبر میں رکھے گئے ہیں۔ حکیم ابن خرام کے ایسے دولت مند شخص سے اچھا مال کار رہوا اور اُن پر فیضان نبوت کے اچھے اور پورے اثرات ہوئے۔ ان کے مخلصانہ سوال کے جواب میں لبہائے مبارک سے چند موثر جملوں کا ارشاد ہونا تھا۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ ضماد مسلمان ہو گئے۔ شبلی صاحب اسی واقعہ سے شان رسالت اور فیضان نبوت کی حقیقت کو سمجھ لیں۔ ابھی تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز برسالت بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر بکمال تسخیر اور قوت تاثیر جو سوائے قدرت روحانیت کے آئے۔ آ نہیں سکتی۔ اُس وقت آپ کے ارشاد میں کیسے اور کہاں سے آئیں۔ اُس وقت تک نزول قرآن بھی نہیں ہوا تھا۔ جو یہ کہا جائے کہ آپ نے وہ قرآن کے جملے پڑھے تھے۔ اور یہ کلمات الٰہی کی جبروتی تاثیر تھی جس نے ضماد کو قبول ایمان کی طرف کھینچ لیا۔ یہی وہ مشاہدات ہیں جو ہر زمانہ میں نبی زمانہ کو عام اس سے کہ وہ فائز برسالت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہدایت وارشاد کے مخصوص موقعوں اور ضرورتوں کے وقت ان کمالات روحانیہ سے ہمیشہ کامل ثابت کرتے ہیں۔ یہ کمالات اُس کی فطرت صالحہ کے ساتھ ساتھ پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ بالمدارج نشوونما اور ترقی پاتے رہتے ہیں۔ اسی بنا پر انبیاء ومرسلین کا از مھد الی اللحد ان تمام کمالات پر فائز ہونا اسلام کے اصول عقائد میں داخل ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی۔

قیس ابن سائب مخزومی کا احباب خاص کی فہرست میں چوتھا نمبر رکھا گیا ہے۔ میرے خیال میں ان کا اندراج تو بالکل بے ضرورت ہے۔ ان کے خیالات سے سوائے اس کے کچھ اور نہیں معلوم ہوتا کہ جن لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلعم مکہ میں کاروبار یا تجارت رکھتے تھے۔ اُن کے ساتھ آپ کے معاملات کو یہ بہت صاف رکھا جانا ثابت کرتے ہیں۔ اس بزرگ کے اس بیان سے نبوت کی حقیقت کیا معلوم ہوئی۔ ہاں اُس زمانہ میں مشغلہ تجارت کے متعلق آپ کا کمال تمدن ثابت ہوتا ہے۔ جو شبلی صاحب کے موضوع تالیف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ تجارت میں کمال تمدن کوئی ایسی نادر چیز نہیں جو آپ کی ذات میں من حیث التجارت کوئی خصوصیت ثابت کرتا ہو۔ یہ تو تجارت اور اہل تجارت کے لیے عموماً اتنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایک دن بھی اُن کا کاروبار نہیں چل سکتا۔ فی زمانہ بڑی بڑی تاجر کمپنیاں کھلی ہیں اور قریب قریب تمام تر غیر اسلامی ہیں۔ اور اُن میں کمال تمدن ثابت ہوتا ہے تو کیا اُن کے اس کمال تمدن سے ہم اُن میں شائبہ نبوت بھی تسلیم کر لیں اگر ایسا ہی ہو تو ہر سچا آدمی نبی ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے شبلی صاحب کی اس خودغرضانہ غفلت اور ہوشیارانہ خفاد چشم پوشی پر آپ نے احباب موحدین اور مخصوصین کی فہرستیں

کمال تفحص و تلاش سے مرتب کرلیں اور بڑے حزم و احتیاط سے سرے سے بیرونی اور غیر سرکاری لوگوں کو آنحضرت صلعم کے ارباب ملاقات اور احباب روابط و اتحاد میں شامل کرلیا۔لیکن آپ کی یاد اور آپ کی نظر توجہ کبھی اس طرف نہ گئی کہ محمد صلعم کے گھر میں کوئی تھا۔ جس سے آپ مجالست، مکالمت یا صحبت کا لطف اُٹھاتے اور اُس کو محب خاص بناتے۔قرائن بتلا رہیں کہ آپ کی تحقیق میں یا تو محمد (صلعم) کا گھر آدمیوں سے بالکل خالی تھا یا اُن کے گھر والے ایسے ہی نکارا تھے کہ آنحضرت صلعم سرے سے اُن کو منہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔اور اُن سے مجالست مکالمت یا صحبت رکھے جانے کی ذلت کو گوارا نہ فرماتے تھے۔

بنی ہاشم پر جیسا کہ آپ کی ابتدائے تالیف سے نظر شفقت ہے وہ اس کتاب میں ہم ہر ہر مقام پر دکھلاتے آئے ہیں اور انشاء اللہ دکھلاتے آئیں گے۔شبلی صاحب ذرا لگتی ہوئی باتوں کو کتاب میں لکھا کیجیے۔جس بزرگوار کے گھر میں ایک کبیر السن جد امجد خدا کے فضل و کرم سے اُس کے گیارہ ہوشیار اور اہل کاروبار بیٹے اور پھر ان بیٹوں کے متعدد بیٹے موجود ہوں۔کنبہ کا کنبہ اور قبیلہ کا قبیلہ ایسا بھرا پڑا ہو۔وہ اپنے تمام عزیز و اقارب میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مراسم و روابط نہ پیدا کرے۔نہ کسی سے ملاقات رکھتا ہو اور اُن میں سے کسی کو اپنا دوست اور احباب خاص بناتا ہو۔آپ ہی کہیے کس قدر خلاف فطرت ہے اور مناقص عادت۔کیا (نعوذ باللہ) عبدالمطلب کے گھر میں سب کے سب ابولہب ہی تھے۔

سب کو جانے دیجیے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے چھوٹے چچا حضرت حمزہ جو سن میں تقریباً برابر اور رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے جن کے متعلق آپ خود لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے اعمام میں حضرت حمزہؑ کو آپ سے خاص محبت تھی۔(تاہم احباب خاص میں نہ لیے گئے) وہ آپ سے سن میں دو تین برس صرف بڑے تھے۔اور ساتھ کھیلے تھے۔دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔(تاہم احباب خاص کہے جانے کے قابل نہیں تھے) اُن کا مذاق طبیعت سپہ گری اور شکار افگنی تھا۔دن بھر تمام دن شکار میں مصروف رہتے تھے۔شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے۔طواف کرتے۔قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔حضرت حمزہ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے۔کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا۔اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔(مگر شبلی صاحب کو ان کی اتنی قدر بھی گوارا نہ ہوسکی کہ رسولؐ کے احباب خاص میں ان کا نام بھی لکھ دیں)۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے یگانوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ایک دن ابوجہل نے رَو در رَو آپ کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔آئے تو اُس نے تمام ماجرا کہا۔حضرت حمزہؑ غصہ سے بے تاب ہوگئے۔تیر و کمان ہاتھ میں لیے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ۔

دیکھئے شبلی صاحب لکھنے کو تو سب لکھ گئے۔لیکن حضرت حمزہؑ کو جوش محبت اور جذبات قرابت کے اصلی اور عملی خدمات کی تفصیل کو بالکل مرفع القلم فرما گئے۔گویا اس واقعہ میں حضرت حمزہ کی رفاقت و حمایت نبویؐ کے یہ مشاہدات آپ کے نزدیک ذکر کے قابل ہی نہیں تھے۔حقیقتاً ہم آپ کی اس فرو گذاشت کی ضرورت خاص کو جو آپ کا اصل مدعا ہے خوب سمجھتے ہیں اور واقعی اگر آپ اس کی تفصیل کردیں

تو موحدین سے ملاقات اور احباب خاص کی طلسمی فہرست جو آیندہ ایک بڑے عالم خاص کی بنیاد قائم کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے بالکل غارت اور برباد ہو جائے۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ حقیقت حال کا انکشاف کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ یہ پورا قصہ تو ہم حضرت حمزہ کے اسلام لانے کے متعلق لکھیں گے۔ یہاں ہم صرف اس کے متعلق اتنی ہی عبارت اور اُس کی تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو آپ نے اصل واقعہ سے نکال دیا ہے۔ اور عربی ماخذوں کی اصلی عبارتوں کے ترجموں میں خواہ مخواہ قطع و برید کر دیا ہے۔ دیکھئے آپ لکھتے ہیں۔ ایک دن ابوجہل نے رو در رو گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ شکار سے لوٹے تو اُس نے یہ ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لیے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا۔

شبلی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو دیکھ کر جو حقیقتاً ایک مضمون ہے جس کی صرف ابتدا ہے خبر ندارد۔ ہر شخص سمجھ لے گا کہ حضرت حمزہؓ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ تیر و کمان لیے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ مگر تاہم اُس کو آپ سے یہ پوچھنے کا حق باقی رہ جائے گا کہ حضرت حمزہؓ غصہ سے اتنی بے تابی کی کیا وجہ تھی۔ اگر ابوجہل کی گستاخیاں اس کی باعث تھیں تو پھر ان بے تابیوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ کچھ بھی نہیں۔ جب آپ کے لکھنے کے مطابق اس کے نتیجہ پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ با آں شورا شوری و بایں بے نمکی۔ یہ خالی وہم کی تھی اور زبانی پر جوشی تھی۔ تیر و کمان کے لیے یہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور کچھ بھی نہ کر سکے نہ معلوم وہ غصہ کیسا تھا اور کیا ہوا۔ اُس کی بے تابی کیسی تھی اور کیا ہوئی۔ ان امور پر غور کرنے کے بعد ہر شخص آپ کے منہ پر کہہ دے گا کہ آپ نے اپنی اس عبارت میں ایک واقعہ کی مبتدا کو تو لکھا لیکن اُس کی خبر کی کوئی خبر نہ لی۔

اب میں اُس ابتدا کی خبر لکھ کر بتلائے دیتا ہوں۔ کہ اس واقعہ کے نتیجہ سے حضرت حمزہؓ کی حمایت و رفاقت نبویؐ جو حقیقتاً قرابت و یکجہتی کے اصلی مقصود میں پورے طور سے ثابت ہوتی ہیں۔ ابن ہشام، طبری، قسطلانی اور زرقانی بیک لفظ لکھتے ہیں:

فاحتمل حمزۃ الغضب لما اراد اللہ بہ من کرامتہ فخرج سریعا لا تقف علی احد کما کان یصنع یرید الطواف بالکعبۃ معد الابی جھل اذا لقیہ ان یقع بہ فلما دخل المسجد نظر الیہ جالسا فی القوم فا قبل نحوہ حتی نحوہ قام علی راسہ رفع القوس فضرب بھا ضربہ فشحہ بھا شجۃ منکرۃ (طبری 1178۔ ابن ھشام 99 زرقانی 99

حضرت حمزہ غصہ سے بے تاب ہو گئے کیونکہ قدرت خدا نے ان کے اس غیظ کی حالت خاص سے اظہار کرامت کا ارادہ فرمایا تھا۔ اس لیے صورت حال سن کر آپ نہایت تیزی سے گھر سے چلے۔ اور جیسا کہ طواف کعبہ کرتے وقت آپ کا دستور تھا اُس دن اُس کے خلاف آپ حاضرین کعبہ میں کسی ایک کے پاس بھی نہ ٹھہرے کیونکہ آپ کا مدعا ابوجہل سے صرف ملنے کا تھا۔ مسجد حرام میں پہنچے ابوجہل اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا آپ سیدھے اُسی کی طرف بڑھتے ہوئے چلے آئے۔ یہاں تک کہ آپ

اُس کے سر کے بالکل قریب آ گئے۔ اپنی کمان (غالباً لوہے کی ہوگی) اٹھائی اور اُس سے اُس کو ایک ضرب شدید لگائی۔

غصہ کی شدت اور انتقام کی پر جوشی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ منتقم مقابل مخالف کو اُس وقت تک وجہ انتقام نہیں بتلاتا۔ جب تک کہ فعل انتقام کو عملی صورت میں انجام تک نہیں پہنچا لیتا۔ یہی کیفیت غصہ کی بے تابی سے حضرت حمزہؓ کی ہوئی۔ جب ابوجہل کو مار چکے یا یوں کہو کہ اُس سے انتقام لے چکے یا اُس کو اُس کی گستاخی کی سزا تک پہنچا چکے تو اُس سے بالفاظ طبری یوں ارشاد فرمایا۔ اتشتمہ و انا علی دینہ (ارے دیکھ تو نے جسے گالیاں دیں میں اُسی وقت سے اُس کے دین میں آ گیا) دنیا کے انصاف پسند اور حیا بین حضرات دیکھ لیں۔ شبلی صاحب نے پیغمبرؐ کے ایسے دل سوز اور جان نثار احباب خاص کی سرفروشی اور جان نثاری کی خدمات کو کیسا چھپایا ہے اور قطع و برید فرما کر کیسا غارت کیا ہے۔ کیا شبلی صاحب پیغمبر صلعم کے ایسے جانثار اور معین و مددگار کو احباب خاص اور ملاقات رکھنے والے حضرات کی فہرست میں نہیں لے سکتے تھے؟ کیا قبل اسلام اُن کی یہ جان نثاری اور حمایت رسولؐ اُن کی محبت خاص اور اختصاص کو ثابت نہیں کرتی۔ کیا یہ واقعات ثابت نہیں کرتے کہ خود اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اُن کے سینہ پر اپنا خون گرانے والے موجود تھے۔

اسی طرح اعمام میں حضرت عباس کا نام بھی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن کے تعلقات اور جذبات بھی اُسی مقدار و اعتبار پر یقین کیے جائیں گے۔ جتنے اور جیسے حضرت حمزہؓ کے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن سے قبل رسالت آنحضرت صلعم نے حضرت ابیطالب کی عیالداری اور ناداری کی حالتوں میں اعانت وکفالت کی درخواست کی تھی اور خاص مجلس مشاورت قائم کر کے عقیل کو ابیطالب کے پاس رہنے دیا۔ علیؑ کو اپنے پاس رکھ لیا اور جعفر کو اُن کے (عباس) حوالہ کر دیا تھا۔ شبلی صاحب کے پاس اتنا دل دردمند کہاں جو بنی ہاشم کے ان باہمانہ اور دل سوزانہ جذبات یکجہتی اور تعلقات قلبی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور قابل الذکر سمجھتے۔ آپ کو تو ہمیشہ ذکر اغیار سے لطف آتا ہے۔ اور اسی بنا پر آپ نے اس واقعہ کا ذکر بھی سیرۃ النبی میں نہیں کیا ہے اور کیوں کرنے لگے؟ لیکن حقیقت نے اپنا انکشاف کرا ہی لیا۔ اور حضرت عباس کی نسبت غزوۂ بدر کے آخر میں آپ کے قلم سے اتنا نکل گیا ہے کہ

دوسری طرف محبت کا یہ اقتضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپ آرام نہ کر سکے۔ لوگوں نے گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص 243

اب آپ ہی تصفیہ فرمائیں کہ جس کی محبت کے تقاضے اس حد تک پہنچے ہوئے ہوں کہ اُس کی تکلیف کی وجہ سے رات بھر رسول اللہ صلعم کو نیند نہ آئی۔ جب اُس کی تکلیف رفع کر دی گئی تب رسول صلعم نے آرام فرمایا۔ تو کیا ایسا شخص احباب خاص کی تعریف میں نہیں آ سکتا؟ لیکن شبلی صاحب مجبور تھے۔ ان واقعات کو کیسے لکھتے۔ حضرات حمزہ اور عباس دونوں صاحب بنی ہاشم تھے۔ اہلبیت کے دائرہ میں شمار ہوتے تھے جن کے ذکر و نام سے شبلی صاحب کو چھینک آتی ہے۔

حمزہؓ اور عباس۔ اعمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات تمام کر کے آپ کے بھائیوں کے حسن خدمات ملاحظہ ہوں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائیوں میں عبید اللہ بن حارث بن عبد المطلب بھی اُس گھر میں تھے۔ اس

بزرگ کے حالات اور انہیں تو معرکہ بدر میں پڑھ لیے جائیں۔ آپ خود لکھتے ہیں۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؑ سے مقابل ہوا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندھے پر اُٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ عبیدہ نے کہا آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اُن کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

و نسلمہ حتے تصرع حولہ۔ و نذھل عن ابنائنا و الحلائل۔

ہم محمدؐ کو اُس وقت دشمنوں کے حوالے کر دیں گے جب ہم اُن کے آگے لڑ کر مر جائیں گے۔ اور ہم محمدؐ کے مقابلہ میں اپنے بیٹیوں اور بیبیوں کو بھول جائیں گے۔ سیرۃ النبی معرکہ بدر۔

اس جان نثار اور فدائی بھائی کے یہ قلبی جذبات ہیں اور عملی خدمات۔ جن کو لکھ کر آپ خود اقرار کر چکے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بَاسناد زرقانی اور ابن ہشام اس وقت اُن تمام ہاشمیوں میں جو رسول اللہ صلعم کی رفاقت میں جان نثاری کو حاضر تھے۔ یہ سب سے کبیر السن تھے۔ ان کا سن اس وقت تریسٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ حضرت حمزہؓ ان کے چچا ہوتے تھے۔ لیکن ان سے آٹھ برس سن میں چھوٹے تھے غزوہ بدر میں حضرت حمزہ کا سن 58 برس کا بالاتفاق ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اگر قبل و بعد اسلام کی بھی بحث پیش کی جائے تو ان کا اشعار ابیطالب کو پڑھنا اور اپنے جذبات و خدمات کو اُن کے مطابق بتلانا ثابت کر رہا ہے کہ اُن کی یہ سرفروشانہ خدمات موجودہ حالات کے اثر سے نہیں پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ تعلقات و جذبات اُس وقت سے اپنی قدامت و اہمیت کا حقیقی ثبوت دیتے ہیں جس وقت سے ان اشعار کے اصلی مصنف نے ان کو نظم فرمایا ہے۔ اور انہیں احساس و اختصاص سے ان خدمات کے روحانی تعلقات وابستہ تھے۔ جن کے زیر اثر ہو کر شاعر نے یہ اشعار نکالے تھے۔ اور اپنے دل کی ترجمانی کا کام اپنی زبان و بیان سے لیا تھا لیکن افسوس ہے۔ شبلی صاحب کے دل میں ان غریبوں کی طرف سے اتنا درد اور اتنا احساس کہاں کہ ان جذبات پر ان خدمات پر غور کی نظر ڈالیں اور ان کی قدر کریں اور احباب خاص میں ان کو بھی شمار فرمائیں۔

اس فدائی بھائی کی طرح ایک فدائی بھائی گھر میں ابھی اور بھی تھا۔ وہ حضرت جعفر بن ابیطالبؑ تھے یہ غریب تو عبیدہ مرحوم سے خلاف قبل اعلان نبوت سے لے کر ہجرت کے آٹھویں سال تک برابر بھائی کی خدمت میں سر بکف جان نثاری کے لیے حاضر رہے یہاں تک کہ آپ ہی کی تحریر اقراری کے مطابق ''غزوہ موتہ میں (جعفرؑ) اس بے جگری سے لڑے کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے''۔ اس قدیم رفیق رسالت کو اور اُس کے حسن خدمت کو آپ بھی جانتے ہیں اور دنیا بھی جانتی ہے۔ یہ وہی قدیم رفیق ہے جو اعلان نبوت اور اظہار اسلام سے برسوں پہلے پیغمبر صلعم کی خلوت اور جلوت میں برابر حاضر رہا۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عبادات الٰہی میں بھی اُس وقت سے شریک تھا۔ جب مشرکین قریش کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ہجرت اور ترک وطن و مفارقت احباب کے مصائب اُٹھا کر مکہ معظّمہ سے مصر گیا۔ نجاشی کے دربار میں مہاجرین کی طرف سے ترجمان بنا۔ ابو سفیان اور عمرو عاص

وغیرہ آئے مشرکان قریش کی تعریضات کا کلہ بلکہ اسی نے جواب دیا۔ کامل چھ برس تک غیر ملک اور غیر قوم میں بال بچے لیے پڑا رہا۔ عین فتح خیبر کے موقع پر حاضر ہو کر قدم بوس رسالت ہوا۔ جناب رسالت ماب صلعم نے بچھڑے ہوئے بھائی کو گلے سے لگا کر فرط مسرت سے ارشاد فرمایا کہ خدایا میں تیری کس کس نعمت پر شکر و مسرت کا اظہار کروں۔ قلعات خیبر کی فتوحات پر یا جعفر سے ملاقات پر۔ دیکھئے خاتمہ حضرت جعفر کے احوال میں شبلی صاحب خود رقم طراز ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ (شہادت جعفرؓ) کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی۔ سیرۃ النبی جلد اوّل ص 372۔ افسوس ہے کہ ایسا رفیق اور جان نثار بھائی جس سے محبت خاص رکھی جانے کا شبلی صاحب خود اقرار فرماتے ہیں احباب خاص کی فہرست خاص سے کیوں قلم زد کر دیا گیا؟ العلم عند اللہ

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بحث منقدانہ کو تمام کرتے ہیں اور شبلی صاحب کو بتلا دیتے ہیں کہ آپ کی دونوں سرخیاں اور آپ کے دونوں عنوان موحدین سے ملاقات کی تفصیل اور احباب خاص کی فہرست دونوں زائد از بیان ہیں۔ جن کو آپ نے اپنی ضرورت خاص سے ایجاد کیا ہے۔ ورنہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی سیر و تاریخ نے اپنی تصنیفات اور تالیفات میں نہ یہ ابواب قائم کیے ہیں اور نہ یہ عنوان۔ اس میں کلام نہیں کہ بسبیل ذکر رسول اللہ صلعم سے ان لوگوں کے ملنے کا ذکر آیا ہے۔ لیکن اُنہیں کچھ ایسی خاص اہمیت نہیں ہے جو ذکر کے قابل سمجھی جائے۔ مگر علمائے محدثین نے جو کلام و مناظرہ کی رنگ آمیزیوں پر زیادہ متوجہ تھے۔ اُن حضرات نے حضرت ابوبکر اور زید بن عمر بن نفیل کے شمول نام سے بے حد نفع اُٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ حالانکہ میری تنقیدی عبارت اور آپ کے خاص اقرار و اعتراف سے نہ اس کی کوئی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ اصلیت۔ پھر یہ کیوں لکھے گئے؟ باعث وہی ہے۔ خود غرضی اور تقلید اسلاف۔ کہ حضرت ابوبکر کی قدامت رفاقت ثابت ہو اور زید بن عمر بن نفیل سے قدیم صحبت حالانکہ یہ کوشش بھی محض بے کار ہے۔ رفاقت اور صحبت سے اکیلے کام نہیں نکلتا۔ ان کے ساتھ اور چیزیں بھی ضروری اور لازمی ہیں جن کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے اور نہ یہ مقام۔

تاریخ و سیر میں جس غرض سے ان کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اُس زمانہ میں جو لوگ بت پرستی سے نفرت رکھتے تھے اُن میں فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر تو کہاں۔ ہاں ان میں عقل سلیم کا کسی قدر مادہ آ چلا تھا اور یہی اُن کی کراہت اور انکار بالطبع کا باعث ہوا تھا۔ صرف اتنی نوعیت خیال کی وجہ سے جاہل لوگوں کو ان پر محققین وحدت ہونے کا عام گمان ہو گیا تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ اُن جاہلوں میں اس وقت وحدانیت کے علم جاننے والا کون تھا۔ جو ان لوگوں کے علم توحید کی پوری حقیقت کو جانچتا اور اصل توحید کے اصول سے اُن کی معلومات کو مقابل کرتا۔ اصل توحید کے مبلغ اور اُس کی خالص تعلیم کے متمم کا اُس زمانہ میں ظہور ہو چکا تھا اور توحید کامل کی تلقین اُس کے مقدس وجود کا اصل مقصود تھا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلعم قبل رسالت ان لوگوں سے بعض اوقات ملتے تھے۔ یا وہ آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسا کہ سیر و تاریخ میں لکھا ہے۔ ان مجالسات و مکالمات میں حضرت رسالت مآب صلعم کو صرف اُن کی حقیقت توحید کا تفحص مقصود تھا۔ نہ اُن کے خیالات و جذبات سے کوئی اثر پذیری منظور تھی اور نہ اُن کی غلط توحید دانی پر حرف گیری۔ اسی آمد و رفت سے آپ نے اُس زمانہ کے مشہور موحدین کے کمال معرفت اور علم توحید کے مبلغ و مایہ کو پورے طور سے اندازہ کر لیا اور خوب سمجھ لیا کہ این راہ

کہ میروی بترک آنست۔ لیکن چونکہ اعلان نبوت اور اجرائے احکام رسالت کے لیے اُس وقت تک ماذون نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے ان لوگوں سے کوئی تعریض نہیں فرمائی گئی اور اُن کو اُن کے خیالوں میں چھوڑ دیا گیا۔

موحدین سے ملاقات اور احباب خاص کے پیدا کرنے کی حقیقت تو اتنی تھی۔ اب شبلی صاحب اس کو جتنا بنالیں لیکن بناتے وقت اتنا ضرور خیال رکھیں جیسا کہ ہم اوپر بتلا آئے ہیں کہ اگر اس میں ذرا بھی اہمیت دی گئی تو رسالت کی کامل اور خالص توحیدانی میں بیرونی اور خارجی اقتباسات واکتسابات کے نقص پیدا ہو جائیں گے۔ جو سراسر منافی شان رسالت ہیں۔

یہ تو صرف موحدین سے ملاقات رکھنے کی حقیقت دکھلا کر مجھے بحث کرنی تھی۔ اب ہم احباب خاص کی نسبت بھی بالا ختصار نظریہ لکھ کر اس بحث کو بھی تمام کیے دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے تنقیدی بیان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یگانوں میں اکثر بزرگواروں کے حالات اور اُن کے محاسن خدمات آپ ہی کے اظہار و اقرار سے لکھ کر بتلا دیا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے شبلی صاحب کو احباب خاص کی فہرست تیار کرنے کے وقت بہت سے حضرات مل سکتے تھے جو آپ کے تجویز کردہ لوگوں سے اوصاف آداب اور خدمات کے اعلیٰ اعتبار و امثال سے احباب خاص ہونے کے قابل تھے۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسے ہی۔ آپ کا یا کسی کا استثنا انکار۔ گوشت سے خون کو علیحدہ نہیں کرسکتا۔ آپ یا کوئی اور عام اسے لکھے یا نہ لکھے، کہے یا نہ کہے یہ روحانی تعلقات اور فطرتی مسلمات۔ نہ اظہار کے طلب ہیں نہ اقرار کے طالب گار شبلی صاحب نے بڑی فروگذاشت کی جوان بزرگوں کو احباب خاص کی فہرست سے قلم زد کر دیا۔ حالانکہ ان حضرات سے بڑھ کر کسی کو آپ کے احباب خاص ہونے کا اُس وقت نہ حق حاصل تھا اور نہ دعویٰ۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے اُن کے قبل اسلام حالات و واقعات پر غائر نظر نہیں ڈالی یا اُن کو اپنی ضرورت خاص سے زائد سمجھ کر مطلقاً دیکھا بھی نہیں ورنہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و تائید کرنے والے ہر بات پر جان دینے والے اُن کے گھر ہی میں خدا کے فضل و کرم سے اتنے تھے کہ آپ کو کسی بیرونی اور خارجی معاون، مددگار اور طرفدار کی ضرورت نہیں تھی۔ احباب خاص سے خصوصیت پیدا کرنے کی محتاجی تھی۔ نہ مصاحب عام سے مصاحبت کی مجبوری۔ آخر میں آپ کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ عقائد اسلام کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء کرام اور بنی ہاشم بخلاف دیگر اقوام وقبائل قریش۔ طریقہ توحید پر عمل پیرا تھے۔ گو وہ توحید توحید اسلام کے مقابلہ میں کتنی ہی قلیل اور بے مقدار نہ ہو جیسا کہ اکثر بزرگان بنی ہاشم کے متعلق آپ سیرۃ النبیؐ میں خود اعتراف فرما چکے ہیں۔ ہم اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ عنقریب بیان کریں گے۔

اسباب رسالت

آغاز نبوت کی تفصیل حالات سے پہلے ہمیں جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اسباب اور وجوہات پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ لکھ دینے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے کہ عالم اسباب میں ہر شے کے نظم کے لیے ایک سبب کا ہونا ضروری ہے۔ نظم دنیاوی کس شمار میں ہیں جب نظام آسمانی کے لیے ایک سبب خاص کا ہونا ضروری تسلیم کرلیا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ ہے

کہ تفویض رسالت کی نسبت وہ اسباب وضروریات اُن کے اصلی واقعات اور حقیقی مشاہدات کے ساتھ دکھلا دینا اور بتلا دینا نہایت ضروری ہیں۔ جن کی ناگزیر اور غیر متحمل موقعوں پر قدرت کو ایک جدید اور ایک تازہ پیغمبرؐ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخبار واسفار قدیمہ (توریت وانجیل) سے قدرت کے ان انتظامات کا سلسلہ وار اور نہایت استوار ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ضرورتیں بھی نہایت وضاحت سے معلوم ہوجاتی ہیں جو قدرت کے لیے تفویض رسالت کے باعث اور اسباب قرار پاتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے کتب قدیمہ میں ان واقعات کو دیکھنے کی زحمت گوارا کر لی جائے تو نہایت آسانی سے حقیقت کا انکشاف ہوجائے گا۔ ان دووجہوں کے علاوہ آغاز رسالت سے پہلے اسباب رسالت بیان کرنے کے لیے ہمیں ایک وجہ اور ایک ضرورت خاص۔ جو ہماری دونوں مندرجہ بالا ضرورتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمیں اُس رسولؐ کے حالات اور اُس کی رسالت کے اسباب خاص بیان کرنے ہیں جو بقول شبلی صاحب مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر کفایت کرنے نہیں آیا تھا۔ یا حضرت کلیم کی طرح صرف اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جانے کی غرض سے نہیں تعین فرمایا گیا تھا۔ وہ خاتم الانبیا تھا (صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ) اور بے شک خاتم الانبیا بنا کر اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ دنیا کے تمام خطرات ومفسدات سے خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام معمورۂ عالم کو اپنے انوار رسالت اور آثار ہدایت سے پرنور فرما دے۔ شریعت بھی اُسی سے وابستہ تھی اور انتظام سیاست بھی۔ اس بنا پر اس ذات مقدس کی ذمہ داریاں اُن تمام بزرگواروں سے بدر جہا بڑھی ہوئی تھیں۔ یہ لازمی ہے کہ اُن کے اسباب بھی اپنی مقدار میں بڑھے ہوں۔

شبلی صاحب تو ہمیشہ اشاروں سے کام لیتے ہیں اور تفصیل دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل عبارت میں ضرورت اور اسباب رسالت آنحضرت صلعم کو مبہم طریقہ سے بتلا تو گئے اور کتب۔ عہد عتیق وجدید کی گذشتہ شریعتوں پر شریعت قرآنی کی ترجیح بھی دکھلا دی گئی ہے لیکن اشارات وکنایات تک اصل مدعا کو اس حد تک محدود ومخفی رکھا گیا کہ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ حالانکہ یہ موقع ان اُمور کی خاص تفصیل اور کامل تشریح کا ہے ورنہ بیان میں دعویٰ بے دلیل ہونے کا نقص لازم آئے گا۔

خیر آپ نے ضروریات تفصیل پر توجہ نہ فرمائی۔ اور واقعات رسالت ہی کی تفصیل سے ابتدا کر دی۔ یہ آپ کا خاص نظریہ تالیف ہے لیکن ہم نے واقعات رسالت کے آغاز سے پہلے اسباب وضروریات رسالت کے بیان کو ضروری یقین کر لیا ہے اور اُن اسباب میں اس آخر سبب وضرورت کو مفصل طور پر لکھ دینا سب سے زیادہ اپنے لیے ضروری سمجھ لیا ہے جس سے خاص طور پر مسیحی دنیا کو معلوم ہوجائے کہ جس شریعت کو وہ بالکل ناقابل اصلاح غیر مبدل ابدی اور سراپا آسمانی حکومت یقین کیے ہوئے تھے۔ وہ اصولاً اپنے مبلغ اور معلم کی اصلی تبلیغ اور حقیقی تعلیم سے چھ (6) سو برس کی مدت مدید میں۔ تعصب، حسد، نفسانیت اور خودغرضی کی غلط کاریوں سے تباہی وبربادی کے آخر کناروں تک پہنچ گئی تھی اور ایسے خراب ہوگئی تھی کہ اُس کی موجودہ خداپرستی اور بت پرستی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔

ہمیں یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے کے عیسائیت ہی پر منحصر نہیں۔ اُس زمانہ کی عام تاریکی میں تمام مذاہب قدیمہ کی ایسی ہی خراب حالت تھی لیکن چونکہ اُس زمانہ میں تمام مذاہب پر عیسائیت غالب تھی اس لیے سب سے زیادہ اس کی تفصیلی کیفیت کا بیان ہمارے لیے ضروری ہے کیونکہ ہمارے موجودہ موضوع تالیف میں ہمیں عیسائی معترضین کے تمام مغویانہ اور متعصّبانہ حملوں کی تنقید وتردید ایک ایک

قدم پر پیش آئے گی ۔ جیسا کہ ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہو چکا اور آیندہ ظاہر ہوتا جائے گا شریعت کی تباہ کاریوں کے ساتھ ان کی سیاست کی سیاہ کاریوں کی تفصیل بھی نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ مصلح کائنات صلوعلیہ وآلہ التحیات۔ کلیات عالم کے دونوں مجموعوں کو بیک جا اور بیک وقت درست و مرتب فرمانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

شبلی صاحب کی طرح اکثر اسلامی مورخین نے ان مضامین کی تفصیل کو اس وجہ سے ضروری نہیں سمجھا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ممالک غیر کے اقوام و مذہب کے حالات و واقعات کو جو بجائے خود مشاہدات کے معیار تک ثابت ہیں بیان کرنا بے ضرورت ہوگا۔ لیکن علی الاکثر مصنفین و مؤلفین نے ان امور کی تفصیل کو بھی اپنی تصنیفات و تالیفات کا جزو ضروری سمجھا ہے۔ اپنی موجودہ تالیف میں مَیں نے اپنی بھی یہی نظریہ قائم کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا تفاصیل کو نہایت ضروری سمجھا ہے۔ اس موضوع خاص میں مَیں نے عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کے اکثر ماخذوں کو بالاستعیاب دیکھا ہے کسی اسلامی مؤلف نے اس مضمون کو ایسی وضاحت اور تفصیل سے نہیں لکھا ہے جیسی تصریح و تشریح فخر قوم و وطن رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی۔ سی۔ آئی۔ ای بالقابہ نے اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں۔

اکثر حضرات کو یہ شبہ ہوگا کہ اسلامی واقعات و کارنامجات کی تائید میں اسلامی مؤلفین کے نظریہ و آرا کو پیش کرنا۔ استدلال کلامیہ کا ضعیف اور نا مقبول طریقہ ہے لیکن ہم اُن کو باور کراتے ہیں کہ مؤلف ممدوح کے تمام بیانات نہ اُن کے خاص نظریہ ہیں اور نہ اُن کے خاص آرا و اقوال۔ بلکہ بالکل یورپین مؤلفین و مصنفین قدیم و جدید کے خاص اقتباسات ہیں اور اعترافات اس لیے حقیقتاً نہ وہ اسلامی مؤلفین کی تحریر ہیں اور نہ اُن کی تائید۔ جیسا کہ عنقریب اصل عبارت سے بہ تفصیل ظاہر ہوگا۔ اس تفصیل میں مولف ممدوح نے جو ترتیب بیان قائم کی ہے۔ ہم اُس میں کسی قسم کی مداخلت کو مناسب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُسی ترتیب و ترکیب کے ساتھ پہلے دین مسیحی کی تمام خرابیوں کو بالترتیب سنائیں اور دکھلائیں گے اور تمام اقطاع عالم میں اس کی بدنظمی اور بدعملی کو بتلا کر آخر میں جزیرہ نمائے عرب میں اس کی (عیسائیت) خراب حالت اور وہاں کی ملکی اور قومی خرابیوں کو بالتفصیل بیان کریں گے۔

مذہب یہود کی زوال پذیر حالت

یہود کو شاہان بابل کی قید سے خلاصی پائے ہوئے گیارہ صدیاں گزر چکی تھیں اور اس مدت مدید میں اُن کے حالات میں بے شمار اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ مصائب و شدائد کے وہ سلسلے جو حضرت موسیٰؑ کی تباہ شدہ قوم کو پیش آتے گئے۔ وہ ٹیٹوس اور ہارڈین کی لڑائیوں کے موقع پر اپنی انتہائی درجوں تک پہنچ گئے تھے۔ لامذہب حکومت روم نے اُن کے تمام معابدوں کو مسمار کر دیا اور اُن کی قومیت کو۔ آگ اور خون ریزی کے ذریعوں سے بالکل نیست و نابود کر دیا۔ عیسائی حکومت قسطنطنیہ نے بھی بے رحمانہ غیظ و غضب کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ لیکن بااین ہمہ اُن کے گذشتہ مصائب آیندہ کے لیے اُن کو کوئی اچھا سبق نہ دے سکے۔ ان کے یہ تمام ذاتی مصائب بھی جو انہوں نے اپنے بے رحم تعاقب کرنے والوں کے ہاتھوں اٹھائے تھے۔ انہیں انسانیت اور اطمینان سے رہنے کی قدر و منزلت نہ سکھلا

سکے۔ اُن کی خونخوارانہ بے رحمیانہ جوانہوں نے مصر، سائپرس اور سارین کے شہروں میں۔ وہاں کے بے قصور باشندوں کے ساتھ محض مکارانہ اور مفسدانہ طریقوں سے کی تھیں۔ وہ اُن کے خوفناک طریقہ بغاوت کا ثبوت دیتی ہیں۔ سلسلہ اسرائیلی تقریباً بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اس کی قوم کے لوگ تمام روئے زمین پر پریشان و بے سامان مارے پھرتے تھے۔ دور دراز قطعات عالم میں اپنی پناہ و محافظت کے مقامات ڈھونڈتے پھرتے تھے نیز ہر گوشہ اور ہر مقام پر اپنا وحشیانہ غصہ، غیر مغلوبانہ نخوت، بغاوت خیز قلب کی شدت اور فسادت لیے جاتے تھے۔ جن کا عیب والزام اُن کو ایک بے شمار سلسلہ انبیاء کے ذریعہ سے برابر لگایا گیا اور بتایا گیا تھا۔ غیر ممالک میں بھی یہودیوں نے اپنے مامن کے مقامات میں اپنی گذشتہ حرکات کے مناظر پیش کر رکھے تھے۔ اگرچہ تمام قوم یہود کو پھر اپنے دن پھرنے کی اُمید ضرور تھی۔ مگر وہ اُمید بھی ایک طرف غیر مغلوبانہ تعصب اور ایک طرف فقیر و سانہ تعیّشات و اسرافات کی خواہشوں سے مخلوط تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے بھی اور چلے بھی گئے۔ لیکن اس قوم کے لوگوں پر اپنا کوئی نمایاں اثر نہ پہنچا سکے۔ وہ طفل نبوت (حضرت عیسیٰؑ صرف نزول مسیحؑ کے اُن خیالوں میں (اور ردو قبول کی حالتوں میں) پیچیدہ رکھا گیا۔ جو ان دنوں تمام اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور جن ایام میں اُس طفل نبوت کی مقدس ولادت اور معاودت واقع ہوئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ صحیفہ دانیال کی عمارت نے جو قوم کی عین سخت مصیبتوں کے وقت مرتب ہوا تھا۔ اس معلم اور مبلغ نبوت کے دل پر نہایت گہرے اثر پہنچا رہے تھے۔ اور وہ قوم کی مصبت ناک حالتوں پر افسوس کر رہا تھا۔ یہودیوں کے فرقہ زیلات کی ظالمانہ بدعات اپنے کوہستانی مساکن میں فرقہ فریسیوں کی آزادی کے نیم دل خیالات فرقہ ایسیون کی خیال امید نجات پھیل کر ایک طرف تو حکومت اسکندریہ تک پہنچ گئے اور دوسری طرف بدھ مت کے زیر اثر آئے ہوئے ممالک ہندوستان تک۔ صحرانشین درویشوں کی ہدایات اور تہدید و تنبیہ ارشادات جن کی ہستیاں دربار ہردوس سے علیحدگی اختیار کرنے کے جرم میں قربان ہوگئیں۔ سب اپنے دلی استغاثے حضرت عیسیٰؑ سے پیش کرتے تھے۔ لیکن پر چم ہمائی کی چونچیں سلطنت یہودیہ کے دل کے اندر پیوست ہوگئیں۔ اور اُس کے تمام محافظ دستہائے فوج کے نظام ملکی کے متعلق امید انقلاب پائمال ہو گئیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تبلیغ رسالت میں خاموشی اور صرف خدا کے ذریعہ سے سلطنت آسمانی کی اُمید حصول اُس زمانہ کے معیار خیالات و جذبات پر صرف مبنی تھی۔ ایسے زور غضب اور غیر مغلوب متعصب لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ عام اخوت اور محبت کی تعلیم دینے آئے تھے۔ ایسے مغرور اور تشخص پسند قوم (یہود) کے درمیان آپ نے تواضع اور انکساری کی راہ بتلائی۔ اپنے خاص حواریوں پر ہمیشہ مہربان اور شفیق رہ کر اور تمام طبقات انسانی کے ساتھ طریقہ مساوات قائم رکھ کر اُس نے زہد و اتقا کی اعلیٰ یادگار چھوڑی۔ زبردست دولت منداور حکمران طبقوں میں تو آپ کی تبلیغ نے نفرت، وحشت، تعریض اور تردید کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔ لیکن نادار مفلوک الحال اور ان پڑھ لوگوں میں اس معلم ربانی کی گہری محبت نے خلوص و احسان مندی کے خیالات کو اُبھار دیا۔ ایک دفعہ روز روشن میں وہ اپنی رسالت کی پوری کامل یقین و امید اور مسیحائی موعود کی پوری عظمت و شان کے ساتھ مجانین یہود کے دارالسلطنت (بیت المقدس) میں آیا۔ شاید دو ہفتے آئے ہوئے نہیں گزرے ہوں گے کہ وہ عیسیٰؑ اپنے مدعا کی اصلی کامیابی کے ساتھ مصلوب کر دیا گیا اُن تمام مرویات میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات سیرت کے متعلق مشہور ہیں۔ اتنی بات تو ضرور نمایاں ہے کہ آپ ناوار دن میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ

کے مواعظ وارشاد بھی غربا کی جانب تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ربانیوں کے علوم میں پورا کمال رکھتے تھے۔ آپ کی قلیل المدت رسالت قصبات کے عام طبقات کے ساتھ محدود تھی۔ جن میں بالکل نادار کاشتکار اور قصبہ گلیلی (کلیل) کے ماہی گیر شامل تھے۔ اس بنا پر آپ کے حواری محض غربا اور بے لکھے پڑھے اشخاص ہیں۔

عیسائیت کی خرابی:

باوجود اپنی زود قبول اصول طبیعت اور ان معجز نما جذبات ومشاہدات کے جو اُن کے قلوب پر اُس معلم ربانی کے یکا یک چلے جانے سے پرتوفگن ہوا تھا۔ تاہم ان لوگوں (حواریوں نے) اُس معلم کو ایک انسان سے زیادہ نہیں سمجھا۔ ان کے یہ عقائد اور اُس کی تعلیم اُس وقت تک ایسے ہی قائم رہے جب تک کہ پال نے اُس شخص (حضرت عیسیٰؑ) کا ایک خاص طریقہ مذہب نہ ایجاد کرلیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب کیے جانے کے مجلس مشاورت میں صدر نشینی اختیار کی۔ اسی کے اختراع وایجاد سے مذہب عیسائیت میں ذات الٰہی کے ساتھ فرشتوں کی مماثلت کا رواج ہوا۔ دینیات عیسائی کے مؤرخین کا جیسا بیان ہے کہ فیضان روح القدس پہنچائے جانے کے وعدے کے برخلاف یہ قرار پایا کہ کتب الہامی کی تائید ومحافظت کے لیے ایک ایسا مؤید ومحافظ فراہم کرنا ضروری ہے۔ جو تمام علوم وفنون میں کامل ہو۔ جو اپنے علمی حربوں سے علمائے یہود اور لامذہب حکماءِ یونان سے مقابلہ ومجادلہ کر سکے۔ اس ضرورت خاص سے خود مسیح علیہ السلام نے ایک عجیب وغریب آواز کے ساتھ آسمان سے اپنے ایک تیرہویں حواری کو پکارا جس کا نام پہلے سال (ساول تھا) پھر بعد میں پال (اپولوس) قرار پا گیا۔ جس کو علوم یہود یونان میں وسیع استعداد حاصل تھی۔ اسپرٹ آف اسلام، دیباچہ، ص 21 بحوالہ

Ecdesiastical History Vol II P 162

فرقۂ زردشتی

مینگوزورسیٹرین (Manigozoaristarian) ایک نجات دہندہ فرشتہ کی آمد کا عقیدہ رکھتے تھے جس کو وہ سروش کے لقب سے مشہور کرتے تھے اور مشرق سے اُس کے ظہور کی اُمید کرتے تھے بدھ مذہب کے لوگ خدا کے ایک مماثل کا جواب اگ زن دوشیزہ سے پیدا ہوگا۔ عقیدہ رکھتے تھے اہل اسکندریہ کے صوفی مشرب فقراء مقالات، لاغوس Logos اور دمیاغورث Dimeoge کے قائل تھے۔ وہ مخفی عقائد جو حیات وممات اور نجات اورسس (Orisis) کے متعلق اور اسس کریس (Isisores) کی نسبت اس صورت میں کہ مادر دوشیزہ اپنے نومولود خدائے شمس ہورس (Horus) کو اپنی گود میں لیے ہوئے پائے جاتے تھے اور یہ عقائد ممالک مصر وشام میں علی العموم رائج تھے۔

پولوس نے خالص عیسائیت کو خارجی عقائد سے آلودہ کردیا

پال (پولوس) فطرتاً فریسی Pharisse عقائد کا عالم تھا کامل طور پر ان نیم صوفیانہ، نیم فلسفانہ، وقتی خیالات اور مقامی جذبات میں مبتلا ہوگیا۔ خواب وخیال کا ہمیشہ سے عادی تھا۔ لیکن خلقتاً بہت پرجوش تھا۔ عوارض جسمانی سے بھی وہ خالی نہیں بتلایا جاتا تھا۔ جیسا کہ

اسٹراوس ا(Strous) بیان کرتا ہے کہ وہ کبھی اُس معلم اعظم (مسیح علیہ السلام) سے بذات خاص نہیں ملا تھا (وہ پال) فوراً اُس کی ذات میں (مسیح ؑ) وجود الوہیت یا ظہور فرشتہ کے تسلیم کرنے کی طرف مائل ہو گیا۔ پولوس نے اس کی بنا پر اُس معلم جلیل کی ساری تعلیم میں مذہب نیوفیثا غورث Neo Phychagoris کے مخفی اصول، اور اپنی ذہانت وطباعی کے دلائل اور توحید فی التثلیث کے ظنیات جن کو اُس نے ممالک مشرقیہ سے اخذ کیا تھا۔ داخل کر دیئے۔

بیرونی اور مقامی عقائد عیسائیت کے باہمانہ رشک وعداوت، یہودیوں کے مخالف وموافق طریقہ کے عقائد کی عجیب وغریب شہرت، دوحواریوں مسیحی پٹر (فطرس) اور پال (پولوس) کی باہمانہ مخالفت وعداوت نے بالکل طشت از بام کر دی۔ اسپرٹ آف اسلام دیباچہ ص 22۔ Milner's Hist of the church of Christ Vol I pp. 26-28

وجود عیسیٰؑ کے متعلق عیسائیوں کے مختلف عقائد اور مختلف فرقے

ابونائٹ (ابیون) (Ebionites) فرقہ کے لوگوں کے عقائد بنی ناصریؑ کے اصلی حواریوں کے عقائد کے بالکل نمونے تھے۔ اُن کے عقائد میں نبیؑ ناصری اُن لوگوں سے اپنی رسالت کے زمانے میں حسب المعمول ہم کلام ہوتا تھا۔ ساتھ بیٹھتا اُٹھتا تھا۔ اور وہ اپنے تمام افعال عقلی اور بشری کے اعتبار سے ہمیشہ اُن کے سامنے اُسی فطرت وخلقت کا آدمی ظاہر ہوا تھا۔ جس فطرت وخلقت کے وہ لوگ خود تھے۔ اُنہوں نے اُس کو بچپن سے بالتدریج جوان ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور آغاز جوانی سے کامل انسان ہونے تک بچشم خود ملاحظہ کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے بالتدریج اُس کے تمام قوائے جسمانی اور عقلی کو ترقی کرتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے ان لوگوں کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان محض ہونے کی نسبت ان لوگوں کے ذاتی علم ومشاہدہ پر مبنی تھا۔

ان اصلی عقائد سے تفریق وعلیحدگی جو بہت سے درمیانی طریقوں کی صورت میں اور انواع واقسام کے فرقوں میں ہو کر۔ اس وقت سے لے کر کونسل نائس واقعہ 328 تک مثل طریقہ ڈوس ٹیوس (Doeetes) دقیتون مارکا وَتائٹس Macionitss (مارقیطون) پٹری پاشینس (Patreparssians) (فطریوں) میں ظاہر ہوئی۔ وہ خاص حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت میں عیسائیوں کے اختلاف وآرا کا ایک غیر محدود سلسلہ ثابت ہوتی ہے۔ (مسیح ؑ) کی الوہیت اور مخلوقیت کے مرویہ جذبات عقائد سے ہر طبقہ کے لوگ اور خاص طور پر وہ لوگ جنہوں نے اپنے نبیؑ کو نہیں دیکھا تھا اور اُس کی ذات میں خواص مخلوقیت کا مشاہدہ اور اُس کی روزانہ معاشرت اور سیرت میں اُس کے افعال واعمال بشری کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ علاوہ عذر وتامل اُس کی الوہیت تسلیم کرنے کے لیے پہلے سے آمادہ تھے۔ قسطنطین (Constantine) کی تخت نشینی کے قبل سے بہت سے ذرائع ووسائل نے مذہب عیسائیت کی ترقی اور مقبولیت میں تائید پہنچا رکھی تھی۔ لا مذہبی اور کفر شعاری کے قطعی بدنظمی اور کبھی حاکم شریعت کی عدم موجودگی نے جو کوئی نظم قائم رہ سکتا۔ اور مزید براں علوم فلسفہ کی کثیر التعداد مدارس کے افتتاح نے۔ عیسائیت کی ترقی ووسعت کی راہوں کو سہل بھی بنا دیا اور ہموار بھی۔ عیسائیت کی ترقی نے اپنے جذبات عقائد کے ذریعوں سے۔ طبقہ اعلا کے صاحبان عقول کو متوجہ کر لیا۔ مفلوک الحال طبقات میں اُس نے سکون وآرام پیدا کر دیا۔ اور عین اُس وقت

میں جب اس کے متبعین نے اپنی رائے کی ذی اعتباری سے طالبانِ تحقیق کے دل و زبان کو خاموش کر دیا تھا ان کی تبلیغ نے اُن لوگوں کی تمناؤں کو پورا کر دیا تھا جو مدت سے قدیم معاشرت سے گریزاں ہو کر ایک پاکیزہ تر معاشرت کے خواہاں تھے۔ اور علاوہ بریں ان لوگوں کے ظالمانہ تعاقب کی مصیبتوں نے بھی۔ جو اکثر اوقات (ظالم یہودیوں کے ہاتھ) ان کو اٹھائی ہوئیں۔ ان کی عظمت و اقتدار کو طبقہ عوام کے دلوں میں جاگزیں کر دیا۔ اور ان رہبران قوم کے متعلق حصول شہادت کی اضافی نسبت نے اُن کے مدعا کو قوی کر دیا۔ ابتدا میں رسالت مسیح کی تبلیغ کے بند ہو جانے اور اصل تعلیم کے خالی از اصول ہو جانے نے (گو اُس میں توسیع غور و تلاش کے لیے زیادہ آزادی تھی اور غالباً اُس سے علم و عمل دونوں کے لیے کافی وسعت دی گئی تھی جیسا کہ قدیم رہبران عیسائیت کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ مخالفین کو نہ تنہا شریعت مسیحی کے اصول و قواعد میں اعتراض کی گنجائش دے دی بلکہ خاص ذات مسیح کے متعلق بھی انکار و اعتراض کے لیے وسیع میدان چھوڑ دیا۔ بیت المقدس سے یہودیوں اور عیسائیوں کے اخراج نے جن کے پاس مسیحؑ کے انسان ہونے کے اخبار و آثار کثرت سے تھے۔ بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ غیر یہود قوموں کے شامل ہو جانے نے۔ جو قرب و جوار میں آباد تھیں۔ اور جن میں نیوفیثاغورثانہ یا بوپوس کے خیالات متعلق نظام عالم موجود تھے۔ اُس خیال غیر مستقل اور موہوم کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اُن کے عقائد میں داخل تھا تا محدود اقسام کے ظنیات اور فرقوں میں متفرق کر دیا اس طریق و تفصیل سے تمام مخلوقیت کے آثار و علامات اور اُن کے متعلق وہ تمام اشیاء جو خارج از تصورات تھے وہ ان کے مماثل خدا ہونے کے قابل التعظیم مرقع سے ہٹا دیے گئے۔ اور وہ قابل احترام واخلاص واقعات حیات جناب عیسیٰ علیہ السلام عجائبات قصص و افسانہ بنا دیے گئے اور اُن کے واقعات حیات کی مخترعات و مصنوعات کے ذریعوں سے اس درجہ نقاب افگنی کی گئی کہ فی الحال ہم لوگوں کے لیے یہ معلوم ہونا بالکل دشوار ہو گیا ہے کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰؑ کیا تھے اور کیا کر گئے۔

الغرض عیسائیت کی وہ مجنونانہ صورتیں جو نزول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صدیوں پیشتر قائم رہ چکی ہیں۔ دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ ماذنیین کے دلائل تعلیمی جو اواخر صدی اول مسیحی اور ہارڈین کی فتح بیت المقدس کے ساتھ ہی ساتھ وجود پذیر ہوئیں اسی زمانہ خاص کی ایجاد و اختراع ثابت ہوتی ہیں۔ اور یہی اختلاف کی صورت میں ہو کر عیسائیوں اور یہودیوں کی بحث و کلام کا ہمیشہ باعث بنی رہیں۔

پہلی صدی میں عیسائیت کا حال

کرنیاتوس (قارنیطوس) نے (Cerinithus) جو اس صدی کا بہت بڑا مشہور فرقہ ماذنین کا عالم تھا۔ اپنے شاگردوں کو باپ، بیٹے دونوں کی پرستش کی تعلیم دی اور ان دونوں باپ بیٹے کے متعلق اُس کا عقیدہ تھا کہ یہ عیسیٰ جو پیدا کنندہ عالم کہا جاتا ہے۔ عیسیٰ مخلوق سے بالکل جداگانہ جنس ہے۔

پولوس کی مخترعہ عیسائیت تھی مغزی اور اُن کی لا حاصل کوشش نے اپنی مخترعہ شریعت کو مدارس فلسفی اسکندریہ کی تعلیم و نصاب کے

مطابق بنانا چاہا تھا۔عین اُسی زمانہ میں امینوس سکاس Ammonius Saccass نے دینِ مسیحی کی ایک نئی شریعت کو حکمت افلاطونی کے اصول پر مرتب کیا۔جس کو ارگین Argan اور دیگر رہبرانِ شریعت نے مل کر مرتب کیا تھا۔اس تلون پسند مصنف نے جس کی تحریر کے آثار قدیم عیسائیت کے تمام مشہور مؤلفین کی تالیفات میں موجود ہیں۔عیسائیت کے تمام طریقوں اور فرقوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ان کوششوں کے بعوض طریقوں میں تو وہ بالکل بانی کا نمونہ بن گیا ہے۔اور اپنے معاصرین میں بے شک زیادہ بلند نظر ثابت ہوا ہے۔وہ اپنی ایک خاص درس گاہ قائم کرنے میں ضرور کامیاب ہوا۔لیکن اُس کی تعلیم وتبلیغ قومی عقائد واخلاق کی درستی کا کوئی انتظام نہ کر سکی۔

دوسری صدی میں عیسائیت کا حال

دوسری صدی میں عیسائیت بدنظمی اور جنگ وجدال باہمانہ سے پُر اور مملو ہوگئی۔عیسائیوں کے تمام مدارس دینی میں تفریق اور موضوعات بالعموم مروج تھے۔مادیین (دہریت) کا بہت بڑا زور تھا اور عیسائیت پر ہر طرف سے اُس کا بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا۔وہ چند فرقے جو اس صدی میں پیدا ہوئے۔وہ خاص طور پر اس سبب سے قابل لحاظ ہیں کہ نہ صرف اُن میں وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اُس کی خام تعلیم سے پیدا ہوئی ہیں۔بلکہ اُن میں مذہب زردشتی،اصول فیثاغورث اور شریعت صابئیہ کالدیہ کے بھی تمام اخبار وآثار نمایاں ہیں

فرقہ مارکونائٹ

جو مادین کا مشہور ومعروف فرقہ تھا۔وہ اصولاً دو وجود کا قائل تھا۔ایک کامل الخیر،دوسرا کامل الشر لیکن ان دونوں وجود الوہیت کے مابین ایک وجود اوسط بھی تھا۔جو ذیمرج کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔وہ بالذات نہ کامل الخیر تھا نہ کامل الشر۔بلکہ اُس کا وجود ان دونوں اوصاف سے مرکب تھا۔اور جزاوسزائے اہل عالم اسی سے متعلق بتلائی جاتی تھیں۔مارکونائٹ کے عقائد کے مطابق یہ ذیمرج عالم سفلی کا پیدا کنندہ تھا اور اس بنا پر وجود کامل الشر سے ہمیشہ معرکہ آرا رہا کرتا تھا۔(یہیں سے عیسائیت میں مذہب زردشتی کے اثر اور مداخلت کو سمجھ لینا چاہیے) اُس وجود اعلیٰ نے جو سراپا ازیست اور الوہیت ہے۔ان دونوں مخالفت منتظمین عالم کی باہمانہ جنگ وجدال کو خاتمہ تک پہنچانے اور نفوس انسانی کو ان مصائب کے قیود سے نجات دلوانے کی غرض خاص سے قوم یہود کی ہدایت کے لیے ایک وجود کو جو قریب قریب اُس کا مماثل تھا۔نازل فرمایا۔اور وہی عیسیٰ ابن اللہ تھا جو مجسمہ انسان کی شکل وصورت میں صرف اس غرض سے پیدا کیے گئے تھے کہ وہ انسان کی فانی آنکھوں کے مشاہدے اور معائنے میں آ سکیں۔اس مبلغ رسالت کے فرائض منصبی یہی تھے کہ وہ دونوں منتظمین عالم کی سلطنتوں کو تباہ کر کے انسان کی پریشانی وسرگشتہ ارواح ونفوس کو خدائے حقیقی تک پہنچا دے۔عیسیٰ کی اس تعمیل فرائض پر ذیمرج نے نہایت سختی سے حملہ کیا۔لیکن اُس کا کوئی حملہ اس وجہ سے کارگر نہیں ہوا کہ عیسیٰ کا مجسمہ تو صرف ظاہر نما تھا۔اس سبب سے وہ کوئی تکلیف پہنچائی جانے کے فطرتاً قابل ہی نہیں تھا۔

فرقہ والینٹین

والینٹین (والطینوس یا باطنون) Valentians فرقہ کے عیسائی جن کے اثر زیادہ زمانہ تک دیر پا رہے۔ اپنے عقائد میں یہ سمجھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان سے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ انسانوں کو اُن تمام الائشوں سے پاک وصاف کر دینے کے لیے جن میں وہ آلودہ ہو گئے تھے۔ اُن کا نزول اصلی صفات الوہیت کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آسمانی اور روحانی کیفیات کے ساتھ وہ دنیا میں نازل فرمائے گئے تھے۔ ان کے عقائد میں حضرت عیسیٰ جوہر الوہیت کا ایک انسانی پیکر تھے۔ جو زمین پر حاکم تاریکی کے سلطنت کو غارت کرنے کے لیے نازل فرمائے گئے تھے۔

فرقہ افائیٹس

افعیون Aphytes کا فرقہ ممالک مصر میں ترقی کر رہا تھا۔ اُس کا عقیدہ بھی دیگر مادیین مصر کے عقیدے کی طرح وجود دہرین ازلیت کا قائل تھا۔ اور وہ ایجاد عالم کو ذیمرج کی محض جفا پرستی کی ایک صورت خلاف مشیت الٰہی تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے وہ اس کا بھی قائل تھا کہ روحانی کرائسٹ عیسیٰ کے پیکر انسانی میں متحد ہو کر اس واسطے نازل کیا گیا تھا کہ غاصب ذیمرج کی حکومت کو برباد کر دے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ افع جس نے آدم وحوا کو بہشت میں فریب دیا تھا تو بذاتہ خود کرائسٹ تھا یا صوفیا جو ضرورتاً سانپ کی صورت میں شکل اختیار کرتی تھی ہو گیا تھا۔ جس زمانہ میں مادیین کے یہ مختلف فرقے یکے بعد دیگرے کالدی فلسفی کے اثر سے وجود میں آتے چلے جاتے تھے۔ عین اُسی زمانے میں یونانیوں نے پال کی باپ بیٹے اور روح القدس والی تعلیم تثلیث میں اور نیز وجود عیسیٰ میں دو جداگانہ جنسوں کے باہمی اتحاد کے دلائل اور نظام عالم کے متعلق اپنے فلسفیانہ عقائد کے مابین اتفاق ومطابقت کی کوشش شروع کی۔

فرقہ پیراکوس

اس فرقہ کا بانی پیراکوس فراقوس Paraxeus تھا۔ عیسائیت میں وہم پرستی کی تعلیم پھیلانے والا پہلا یہی شخص تھا۔ اور وہ صرف اس حیلہ وتدبیر سے اپنے رواج تعلیم میں سب سے آگے بازی لے گیا۔ اُس نے عیسائیوں کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا کہ باپ بیٹے اور 5روح القدس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے یہاں تک تسلیم کر لیا کہ باپ اپنے مخلوق بیٹے عیسیٰ کے ساتھ اس طرح متحد فی الوجود تھا کہ باپ نے بھی بیٹے کے سب مصائب بمقدار مساوی برداشت کیے۔ اور اُس کی طرح آپ بھی شرمناک موت برداشت کر گیا۔

فرقہ مانیٹوس

موشیم (Moshcim) کا بیان ہے کہ یہ تمام فرقے علوم فلسفی کی ذریات تھے۔ ان سے زیادہ خرابی اور بربادی کی بلا دین مسیحی پر ایک شخص مانیٹوس (مانطوس) (Montanus) نامی باشندۂ فرغنہ کے ہاتھوں آئی۔ اس شخص نے تمام علوم اور ان کی جامعیت کو بالکل بے

ضرورت بتلادیا اوراپنے آپ کوعیسیٰ کا فرقلیط موعون Paraeelefe ٹھہرایا مانیطوس نے بہت جلد کثیر التعداد مقلد پیدا کر دیئے جن میں سے دوعورتیں پریسکلا Priscalla اور میکسملا (Maxmilla) مدعیان نبوت تھیں۔اورنہایت مشہورمعروف تھیں۔ یہ دونوں عورتیں جس قدر اپنے حسن و جمال کے لیے مشہور تھیں اُسی قدر نیک طریق اور نیک اعمال نہیں تھیں۔ان دونوں نے مل کر ایشیائے شمالی کو بذبح عام بتادیا۔ اوراپنے مجنونانہ مظالم سے تمام قوم انسانی پرخوف ناک مصائب وارد کیے۔

فرقہ مانویہ

عین اُسی زمانہ میں جب مارکونائیٹس، والنٹین اور ماٹیسنٹ اور دیگر فرقہ ہائے ماذبین ممالک روم میں اپنی تعلیمات دینی پھیلانے کی کوشش کررہے تھے۔فارس میں ایک شخص پیدا ہوا۔جس کی شخصیت اورحیثیت نے دونوں براعظم (ایشیا و یورپ) کی حکومت وفلسفہ پرنہایت گہرااثر ڈالا۔ مانی طریقہ اورقرینہ سے تعلیمی کمال و جامعیت کا تیاراورکامل پیکر خاص تھا۔اعلیٰ درجہ کا نجومی، اعلیٰ درجہ کا علم کیمیا وطبعیات کا ماہراعلیٰ درجہ کا مغنی اوراعلیٰ درجہ کا مصورتھا۔فن نقاشی میں اُس کے کمال ضرب المثل ہیں۔اور ہر شخص آج تک ازرنگ مانی سے پورے طور پر واقف ہے۔ وہ یہودیوں کے علوم رموزاسفار سے بھی کامل طور پر واقف تھا۔عالمان مادیین کی تعلیمات سے بھی کماحقہ ماہرتھااورمشرقی فلسفہ اورتصوف کی حکمت پربھی عبورکامل تھا۔بذات خاص بزرگان مغ کے خاندان سے تھا۔اورشریعت عیسوی کی بھی کامل تعلیم پاچکا تھا۔ان تمام کمالات واوصاف میں کامل ہوکراُس نے موجودہ مذہبی اختلافات سے جواُس کے گردوپیش ہرطرف پھیلے ہوئے تھے۔سخت نفرت ظاہر کی اوراُس نے ان مختلف مذاہب وطرائق کے مجموعہ سے ایک شریعت خاص کی بناڈالی۔ جوتمام اغراض انسانی ونفسانی کوبھی پورکرسکتی تھی۔اورمقاصد قلبی وروحانی کوبھی مانی نے اپنی اُس جرات بےجاسے جواُس نے تمام مروجہ مذہب کی موجود سیل روان کوایک بالکل نئے اورخارجی طریقہ عقیدہ سے روک دیا۔اوراپنے اس طریقہ میں وہ اُس عام تنقید وتردید کے الزام میں خواہ مخواہ داخل ہوگیا جس نے تمام مذہب کی تعلیم وتلقین اور ہدایت وارشاد کے کام بندکردیئے۔مانی نے اپنے طریقہ خاص کی تعلیم وہدایت کو بڑی رازداری سے مخفی رکھا۔فرقہ اسماعیلیہ نے ایک زمانہ بعید کے بعد مانی کا یہ طریقہ اختیارکیا۔اورپھرفرقہ بالنیہ نے بھی اپنے زمانہ میں دیگر رموز مذاہب کی تنقید وتردید سے بچنے کے لیے یہ مخفی انداز پیدا کیا۔اسی باعث سے ہرفرقہ اورطریقہ مانی کا مخالف ہوگیا۔پھرتوحقیقت میں یہ نوبت پہنچی کہ جہاں کہیں مانی یا اُس کے شاگرداورمبلغین طریقہ ملتے وہاں اُن کا نہایت بےباکانہ مظالم کے ساتھ تعاقب کیا جاتا۔ حقیقتاً مانی کی شریعت، ملت عیسائی کے متعلق، قدیم ایرانی اورکلدی فلسفہ کا مجنونانہ مجموعہ تھا۔اُس کے عقیدے کے مطابق مادہ اورروح ہمیشہ معرکہ آرائے مخالفت تھے۔ان دونوں ضدین کی مخالفت سے ترکیب انسانی کی ایجادوخلقت ہوئی۔انسان کا اصل جوہر دوقسموں پر تقسیم ہوا۔ایک مادی ایک روحانی۔روحانی جوہر وہ تھا جو براہِ راست آسمان سے انسان میں ودیعت کیا گیا تھا۔اورمادی وہ جوخلقت کے امتزاج عناصر سے وجود میں خودبخود آیا۔ان دونوں متضد جوہروں کے اختلاف وضرردورکرنے کے لیے اورجوہرروح کوقفس جسمانی (مادی) سے نجات ومخلصی دلوانے کے لیے جس میں وہ (جوہرروحانی) مقید تھا۔خدائے تعالیٰ نے فضائے آسمانی سے ایک ازلیت کے

مجسمہ کو اپنے خاص جوہروں کے ساتھ نازل فرمایا۔ جو دنیا میں کرائسٹ کہلایا۔ کرائسٹ اُمت یہود کے درمیان ایک ظاہری پیکر انسان کے ساتھ نمایاں ہوا اور اُس نے اپنے دوران رسالت میں فانی ہستیوں کو صورت جسمانی کی ظاہری بدکاریوں سے ارواح نورانی مخلصی حاصل کرنے کی تعلیم دی اور اس طریق سے اپنے خراب اور ضرر رساں جوہر پر کامل فتح یابی حاصل کی۔ عالم ظلمت کے بادشاہ نے یہودیوں کو اس کے مارڈالنے کی اشتعال دی۔ چنانچہ وہ صرف ظاہر طور پر نہ حقیقت میں مصلوب کر دیئے گئے۔ حالانکہ بخلاف اس کے وہ تبلیغ رسالت کے مناصب تمام فرما کر اپنے مسکن اعلیٰ کی طرف جو فضائے شمسی میں واقع ہے۔ واپس گئے۔

ان دلائل کے مطابق مانی کا قرارداد وہ کرائسٹ نہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ مصائب وتکالیف برداشت کر سکتا ہے اور نہ کبھی مر سکتا ہے۔ وہ اس طریق سے خدا کا آخر مماثل بنا کر بھی نازل نہیں کیا جا سکتا۔ غرض کہ وہ آخر میں ایک ہوائی ہیولا قائم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ پیکر نورانی جو تمام اشیاء میں نورانیت دے سکتا ہے۔ مگر خود مادہ میں مقید بتلایا جاتا ہے۔ لیکن بغیر صورت مخلوق اختیار کرنے کے وہ صورت مادی سے علیحدہ ہو جانے کے لیے کوشاں کہا جاتا ہے۔ یہ کیسے؟

بہر حال مانی کے یہ عقائد اور اس کے دلائل۔ عام اس سے کہ کیسے ہی صریح کفر آمیز اور خلاف عقل نہ ہوں لیکن ظاہری طور پر یہ اس قدر عقل سے بعید نہیں معلوم ہوتے جس قدر عیسائیوں کا موجودہ مسئلہ تحیلہ Trans. Subtantmflon کی عقیدت جس کو آج تک اتنی کثیر التعداد قوم عیسائی تسلیم کر رہی ہے۔ یعنی طعام نذر مسیح کا خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون ولحم میں پہنچ کر متحیل ہو جانا۔

مانی نے اپنے مقلدین کے دو گروہ قرار دیئے۔ اور اُن میں سے پہلے منتخب شدہ لوگ نہایت سختی سے زاہدانہ اور مجردانہ معاشرت اختیار کرنے کے لیے مجبور رکھے گئے تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کے گوشت وغیرہ کی خوراک کھانے اور شراب وغیرہ اشیاء منشی کے پینے سے سخت منع کیے گئے تھے۔ ازدواج اور دیگر لذات نفسانی کے اختیار کرنے سے بھی محروم رکھے گئے تھے۔ دوسرے قسم کے لوگ مقلدین سماعی کہلاتے تھے۔ اُن کی تکلیف نرم وآسان رکھی گئی تھی وہ گھر بنانے، زمین رکھنے اور مال ومتاع حاصل کرنے کے لیے ماذون تھے۔ وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے، شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے لیکن ان کی یہ آزادی بھی ان کو بہت سے حدود وقیود کے اندر اور ان میں سخت درجہ اعتدال قائم رکھنے کے شرائط کے ساتھ دی جاتی تھی۔ مانی کو بہرام گور نے قتل کر ڈالا۔ لیکن اُس کی تعلیم شریعت عیسوی میں اثر کر گئی اور اُن تمام اختلافات ومناقشات میں جو آیندہ مختلف عیسائی طریقوں میں واقع ہوئی وہ پورے طور سے نمایاں تھی۔

تیسری صدی میں عیسائیت کا حال سبیلین فرقہ کا آغاز

تیسری صدی کے اوسط میں سبیلین فرقہ نمودار ہوا۔ اُس نے ایک نئے قسم کا اختلاف مذہب مسیحی میں پیدا کیا۔ سبیلین Sabalian نے بتلایا کہ حضرت عیسیٰ انسان محض تھے۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ ایک قوت خاص پدر اعلیٰ کی طرف سے نازل ہو کر عیسیٰ کے پیکر انسانی میں ملحق ومتحد ہو گئی تھی۔ اور اس بنا پر وہ ابن اللہ قرار پائے۔ یہ خاص طور کی تعلیم جو بقول گبن (Gibban) کے موحدین کی اصلی راہ قربت تھی۔ عیسائیت کے مختلف فرقوں میں سخت بدنظمی کا باعث ہوئی۔ چنانچہ چوتھی صدی کی ابتدا میں اس بنا پر ادرلیجن (Oregen) نے اس عقیدے کی تعلیم پھیلائی کہ الوہیت تین جداگانہ جنسوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ مذہب تثلیث قدیم لامذہبی کی تلخیص جوامت مسیحی کے

لوگوں نے ایجاد کر لی۔ کثیر اللہ کے ظنیات سے اُن کی فطرت اصولاً سراپا رنگی ہوئی تھی۔ عقیدہ تثلیث حقیقتاً عیسائیوں کی ایک قسم کی مدبرانہ مصلحت (پالیسی) تھی جو انہوں نے شریعت عیسوی اور مذہب کثیر اللہ کے درمیان اختیار کر لی۔ بعد ازاں قضائے ایام تعلیم تثلیث کامل طور سے شریعت تثلیث بن کر ضروریات دینی میں داخل ہوگئی۔ مگر قبل اس کے باعث سے بہت سے فلسفانہ طریق و دلائل عیسائیت میں داخل ہو چکے تھے۔ اسپرٹ آف اسلام بحوالہ (Moshein P.911)

چوتھی صدی میں عیسائیت کا حال فرقہ ایرین کا ظہور

فرقہ ایرین کا ظہور عیسائیت کی خلاف عقل تعلیم سے عام انسانوں کے قوائے ذہنی کی معرکہ آرائی کا نتیجہ ہے۔ شہر اسکندریہ میں جو مجنونانہ طریقہ کے عیسائیوں کا بڑا مرکزی مقام تھا۔ اریوس (۱) Arius نامی ایک شخص نے اپنے عالم مجتہد کے ارشاد کے بالکل خلاف نہایت دلیرانہ اور بے باکانہ طور پر عموماً تمام ملک وقوم میں یہ صدائے احتجاج بلند کی کہ کرائسٹ ہرگز ذات الٰہی کے جوہر کے ساتھ مشترک نہیں ہیں۔ اریوس کی تعلیم بہت جلد ممالک مصر اور شمالی افریقہ میں پھیل گئی۔ اور برخلاف اُن تمام حملات وتعاقبات کے جو اُس کی امتناع اور سدباب کے لیے انواع واقسام کی صورتوں میں پیدا کیے گئے۔ اس طریقہ کی تعلیم ان ممالک میں نہایت استحکام سے پھیل کر قائم ہو گئی۔ بلکہ ممالک اسپین (Spain) تک پہنچ گئی اور اس کے قیام واستحکام کی یہ حالت اُس وقت تک ایسی ہی رہی جب تک کہ اس عقیدے والوں نے مذہب اسلام نہ قبول کر لیا۔ اریوس کے اس طریقہ تعلیم نے جو عیسائیت میں تفریق کثیر پیدا کر دی۔ اور اس تفریق نے شاہ قسطنطین کو 325ء میں بمقام پیتھینیا کونسل نائس منعقد کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔ اس مجلس مشاورت میں طرفین سے سخت رد وکد کے بعد اریوس کی تعلیم قطعاً ممنوع کر دی گئی اور گویا جرم قانونی قرار دے دی گئی اور کرائسٹ پدر اعلیٰ کے جوہر متحد تسلیم کر لیے گئے۔ اسپرٹ آف اسلام بحوالہ Gibbon Vol Iv R.305

اس انتظام سے مذہب عیسوی کی جو حالت ہوئی ہو اُس سے قطع نظر کر کے آپ اس وقت سے اس مذہب کی تاریخ ستم و جور، اندرونی جنگ وجدال خوفناک اور ظالمانہ حملات باہمانہ نفرت اور قتل وغارت سے آپس کی روز افزوں مشاجرت عام قلوب انسانی سے عقل وانصاف زائل کر دینے کے تفصیلی دفتر پیش کرتی ہے۔ ان تمام واقعات وحالات میں عالماں شریعت کی بدکاریاں جزو غالب بن کر داخل ہیں۔ ان عالمان شریعت کی مسرفانہ تعیش بے جا دعوے اور بدکاریاں چاروں طرف سے عام شکایتوں کا باعث ہوئیں۔ زمانہ قدیم کے طریقہ تجرد نے فرقہ مانک (Mank) کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اوران صاحبان تجرد کی بدکاریاں ضرب المثل بن گئیں۔ مانک فرقہ ہائے عیسائیت کے مرتب اور تیار فوجی رسالے تھے۔ جو ہمیشہ انواع واقسام کے فساد، تکرار اور مخالف سلطنت پر جوشیاں رومتہ الکبریٰ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے ایسے مسیحیٔ حکومت کے مرکزی شہروں کی عام شاہراہوں اور سڑکوں پر واقع کیا کرتے تھے ان کے ان مفسدہ انگیزی اور شرارت طبعی کے نتیجے ہمیشہ سخت خون ریزیوں میں نمایاں ہوا کرتے تھے۔

نسطوریوس اور سینٹ سائرل (Nestorius & Sigyrell) قاتلان ہیپتیا (Hyptia) دو مسیحی علما کی باہمانہ جنگ وجدال نے

عیسائیت کی تاریخ میں ایک قابل الذکر باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

مختلف مذہبی کونسلیں

دوسری مذہبی مجلس مشاورت جو کونسل لوسیفس کے نام سے مشہور ہے۔انہیں اختلاف مذہب دور کرنے کے لیے جو شریعت میں واقع ہو گئے تھے منعقد ہوئی تھی۔مگر جیسا کہ مؤرخ گبن کا بیان ہے۔اس مجلس مشاورت میں عالم اسکندریہ کی خودرائی نے بحث وکلام کی آزادی کو بالکل روک دیا۔

دو جنس غیر کی تعلیم وعقیدت یہ حکم عام دے کر بالکل حرام کر دی گئی کہ جو لوگ ذات عیسیٰ کو دو جدا حصوں میں تقسیم کرتے ہیں وہ تلواروں سے خود حصوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔وہ خود پارہ پارہ بنا دیئے جائیں اور جلتی آگ میں جلا دیئے جائیں۔یہ ایک عیسائی مجلس مشاورت کے مخیرانہ مقاصد ثابت ہوتے ہیں۔

پانچویں صدی کے حالات

اس کے بعد شہر چالکیڈون Chaleadon میں ایک تیسری مجلس مشاورت قائم ہوئی۔یہ مجلس روم کے بشپ کے استصواب رائے سے قائم ہوئی تھی۔اس مجلس میں ذات واحد میں عیسیٰ کا عین ظہور خدا لیکن دو جداگانہ عناصر کی ترکیب کے ساتھ بانٹا جانے کا عقیدہ بالوضاحت عام طور سے تسلیم کر لیا گیا۔فرقہ مینو فیسائیٹ (Monophysites) اور نسطورین (Nestorian) نے فیصلہ چالکیدون کے سدراہ ہونے کی کوشش کی لیکن اس عقیدت کے متعصبین کے ہاتھوں سے جو اپنے زعم خاص میں کرائسٹ کے وجود اور ذات خاص کے راز کی تحقیق کامل کر چکے تھے۔ان لوگوں کا قتل عام کر کے استحصال کامل کر دیا گیا۔شہر بیت المقدس عیسائی راہبوں کے قبضہ خاص میں آ گیا اور ان لوگوں نے عقیدہ ظہور ذات واحد کی صدائے احتجاج بلند کر کے تمام شہر کو غارت کر دیا۔جلا دیا اور قتل کر ڈالا۔یہاں تک کہ مزار عیسیٰ بھی خون انسانی سے ناپاک وآلودہ کر دیا گیا۔اسکندریہ کے عیسائی جو ایک عورت کو قتل کر چکے تھے۔اپنے عظیم ترین پیشوائے مذہبی کو بیت المقدس میں عین اصطباغ دیتے وقت اُسی مقام مقدس میں قتل کر دینے سے باز نہ آئے۔یہاں تک کہ اُس کی صاف ستھری لاش کو آگ میں جلا دیا اور اُس کی خاک کو دریا میں بہا دیا۔

چھٹی صدی کے حالات اور فرقہ مینو فیسائیٹ

چھٹی صدی کے اوسط میں مینو فیسائیٹ فرقہ کا طالع واژدن پھر ایک بار یعقوب (Jaceob) نامی شہر اڈیسہ کے بشپ کے زیر ہدایت ہو کر راستی پر آ یا تھا۔یعقوب اور اُس کے جانشین اور قائم مقاموں کے زمانے میں پھر اس فرقہ نے مشرقی حکومتوں میں بہت بڑی شہرت اور عزت پیدا کی فرقہ ہائے نسطوریہ و متعصبین عیسائیت اور اہالیان چالکیڈون پر اپنے متواتر حملات کر کے ان لوگوں (فرقہ یعقوبی) نے تمام دنیائے عیسائیت میں تباہ و برباد کر دینے والی لڑائیاں اور خون ریزیاں چاروں طرف واقع کر رکھی تھیں۔غیر عیسائی

طریق کے لوگوں کے نزدیک مانیوفیسائیت کی یہ تعلیم کہ عیسیٰؑ کی صفات روحانی وانسانی باہم متحد ہوکر ایک جنس خاص تیار ہوگئی ہے اوراس اتحادضدین سے کوئی تغیر بالفریق دو اشیاء مختلفہ میں نہ کسی صورت سے نمایاں ہوتی ہے اور نہ پیدا ہوتی ہے۔ اصول مقرر کردہ کونسل چالکیڈون سے کسی طرح علیحدہ اور مختلف نہیں ہوتے۔ لیکن تاہم یہ اختلافی خصوصیت بھی کثیر التعداد قوم انسانی کی مصیبتوں کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ آخر 630ء میں شاہ ہرقلوس (ہرقل) (Harculus) نے ان مذہبی بے قاعدیوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت سے ایک خاص عقیدہ کو جاری کیا اوراس کا نام مانوتھیالیٹس (Menothylites) رکھا۔

ساتویں صدی کے حالات فرقہ مانوتھیالیٹس کی ابتدا

اس فرقہ کی تعلیم نہ اتنی جابرانہ تھی اور نہ مجنونانہ۔ مانوتھیالیٹس کے عقیدے میں نہ عیسیٰ خدائے کامل تھے اور نہ انسان کامل لیکن ان کی ترکیب خلقت الوہیت اورانسانیت کے دونوں جوہروں سے بقدر مشترک مرکب تھی۔ اورایسی کہ اُس کی ذات نہ مرکب معلوم ہوتی تھی نہ اس ترکیب میں کوئی تغیر یا بدترتیبی تمیز کی جاتی تھی۔ بلکہ اس باہمی توحد وتوصل سے صرف ایک ہی ذات یقین کی جاتی ہے۔

بخلاف اس کے یہ صلح کن طریقہ تعلیم قلوب مختلفہ عیسائیت میں سکون و آرام اتفاق و اتحاد پیدا کرے اس کے شیوع نے تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے درمیان خرابیوں کواور گہرا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے مغربی افریقہ شمالی اورممالک یورپ کے اکثر حصوں میں۔ حضرت عیسیٰؑ کی منسوب الیہ قربان گاہوں میں قتل عام وغیرہ کے وہی منظر اور وہی عالم ہمیشہ پیش آتے رہے۔

آمد اسلام سے ماقبل کی صدیوں میں ممالک مسیحی کے مذہب وملت کی یہ کیفیت تھی جو اوپر بیان کی گئی خلاصہ یہ ہے کہ قسطنطنین کے مذہب عیسائی اختیار کرنے سے مذہب عیسوی نے سلطنت رومۃ الکبریٰ میں نمایاں قوت پکڑی۔ لامذہبی کی راہ تو بند ہوگئی۔ لیکن اس کے (لامذہبی کے) زوال کے وقت بڑے بڑے عظیم الشان اورخالص رومی سلاطین نے اس کو قائم رکھنا چاہا۔ لیکن اس کا زوال وانہدام لاعلاج ہو چکا تھا۔ مؤرخ گبن کا بیان ہے کہ لامذہبی اور کفرپرستی کے قطعی موقوف ہوجانے کے بعد یہ امید تھی کہ قوم عیسائی امن وامان اور سلامت روی کی حالتوں میں تنہا ہوکر اپنی کامیابی سے آرام وسکون پائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصول مذہب کا باہمانہ نفاق اُن کے سینوں میں ابھی تک زندہ تھا۔ اور بجائے اس کے وہ پیغمبرؑ کے اصول وقواعد کی عملی طور پر مشق و پابندی کریں اُن لوگوں نے ذات عیسیٰؑ کی تحقیقات وتفہیمات کا محققانہ انداز اختیار کیا۔ تمام مسیحی یورپ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اورشریعت عیسوی انواع اقسام کے اختلافات و موضوعات سے بھری پڑی تھی۔ مردوں کی روحیں اُسی طرح کثرت سے پوجی جاتی تھیں اورمعزز ین قوم وملک کے مجسمے اُسی طرح قابل تعظیم و پرستش تسلیم کے جاتے تھے۔ قبور پرستی اورشیوخ پرستی دونوں عالم گیر ہورہی تھیں۔ اوراس طرح عیسائیت کفرپرستی بنادی گئی تھی۔ عیسائیت کی ماتحتی کی وجہ سے قوم کی ملکی اورمعاشرتی حالتیں بھی بالکل افسوس ناک ہورہی تھیں۔

عیسائیت کے حیوانی مظالم

انسان سے خیالات وفیصلہ جات کی آزادی صلب کر لی گئی تھی۔ اورعیسیٰ کی حکومت لامذہبوں اور کافروں کی بے رحمانہ قربانیوں

اور جان ستانیوں تک محدود کردی گئی تھی۔ جو عقائد مروجہ ملک سے بال بھر بھی اختلاف کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ شہر اسکندریہ کی کھلی سڑک پر اور مہذب دنیا کی کھلی آنکھوں کے سامنے زمانہ قدامت کی شریف ترین عورت نا قابل الذکر مظالم کے ساتھ ایک عالم عیسائی کے ہاتھ سے جس کا نام دفتر عیسائیت میں شہید کے لقب مقدس سے برابر تحریر کیا جاتا ہے۔ اور جس کے لیے موجودہ روشنی کے زمانہ میں ایک عذر خواہ (ڈریپر) Draper بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ذبح کر ڈالی گئی۔ ڈریپر کے خوش بیان صفحات میں اُن خون خوارانہ جرائم کے پورے واقعات موجود ہیں۔ جو ابد لآباد تک عیسائیت کے دامن پر بہت بڑا داغ لگائے رہیں گے۔

قتل ہپتیا

ایک خوش جمال عقلیہ اور نہایت پارسا خاتون پر جس کی درس گاہ شہر اسکندریہ میں صاحبان ذوق و اہل معاشرت مروجہ کی کثرت سے ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ مبلغین اور معلمین عیسائیت کے ایک گروہ نے عین اُس وقت حملہ کر دیا جب وہ اپنی تعلیم گاہ سے باہر آ رہی تھی۔ ان مویدین مذہب کے شور وغل میں وہ اپنی گاڑی پر سے کھینچ لی گئی۔ اور کھلی سڑک پر بالکل ننگی کر دی گئی۔ وہ تو خوف کی شدت سے بے حواس ہو رہی تھی اُسے اسی شکل میں کھینچ کر ایک قریب کے گرجے میں لے گئے اور وہاں امام مذہب کے چھرے سے قتل کر ڈالی گئی۔ اُس کی غریب لاش کے ساتھ بدکاری کی گئی۔ اس کے بعد اُس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ اس پر بھی یہ خون خوارانہ مظالم اس وقت تک تمام نہیں کیے گئے جب تک کہ سیپیوں سے اُس کا گوشت ہڈیوں سے بالکل کھرچ نہ لیا گیا۔ پھر بقیہ اجزائے لاش کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مظالم کے دنیائے عیسائیت نے اس ظالم (قاتل ہپتیا سیٹ ساریل) کو مذہبی امام و پیشوا کا خطاب دیا۔ جس نے ایسی خوفناک اور انقلاب انگیز خون خواری دکھلائی۔ غریب ہپتیا کا خون بہا سوائے عمرو ابن العاص کی تلوار کے اور کوئی دوسرا نہ لے سکا۔

عیسائیت کے مظالم اور عالمگیر بدکاریاں

حکومت قسطنطنیہ کی حالت خصوصاً شاہ جسٹینین کے ایسے نامور اور موید عیسائیت کے ایام حکومت میں۔ تمام عیسائی حکومتوں کی ملی اور قومی بدکاریوں اور بداخلاقیوں کی مرتب فہرست ہے۔ اقاصرہ روم کے تخت شاہی پر ملکہ تھیوڈرا (Theodra) کے قدم آئے اور وہ سلطنت کے تمام نظام میں بادشاہ کی شریک بلکہ شریک غالب بن گئیں۔ تھوڈرا نے شہر قسطنطنیہ میں اپنی (بدکاری کی) علانیہ تجارت شروع کر دی۔ اور وہاں کے آوارہ مزاج باشندوں میں ان کا نام ضرب المثل ہو گیا۔ لیکن با ایں ہمہ اُس شہر میں کامل تعظیم و تکریم کے ساتھ یہ سلطانہ تسلیم کر لی گئیں۔ اور بڑے بڑے حاکمان قتل و قصاص مجتہدان عصر فتح منداور قلعہ کشا سپہ سالاران افواج ان کی تعظیم و احترام کرنے لگے۔ تھیوڈرا کے جور و مظالم سے سلطنت روم تمام دنیا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو گئی۔ جن مظالم کو نہ کوئی نصاب مذہبی روک سکتا تھا اور نہ حدود قومی یہ شورش انگیز مفسدے۔ خون ریز ہنگامے جن میں علمائے مذہب کی ہمیشہ نمایاں شرکت رہتی تھی۔ اُس زمانہ خاص کے آئین تھے۔ ان موقعوں پر تمام احکام نظام، عام اس سے کہ نظام انسانی ہوں یا احکام روحانی سب پامال کر دیئے جاتے تھے۔ معابد اور مذابح (قربان گاہیں) خون خواریوں سے ناپاک بنے ہوئے تھے۔ کوئی مقام نہ امن و آرام کے قابل تھا اور نہ طہارت و احترام کے

لائق۔قومی قوانین بالکل متروک کر دیئے گئے تھے۔اور باغیانہ بدکاریاں دن دہاڑے ہمیشہ جاری رکھی جاتی تھیں۔کوئی واقعہ ایسا خوف ناک اس ناپاک شہر میں اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوا تھا جیسا کہ نیکا کے عام بلوے کی صورت وطریقہ میں شاہ جسٹینین کے پانچویں سال جلوس میں واقع ہوا۔طبقہ رعایا کی عام طوائف الملوکی اپنی تمام خون ریزیوں اور بدکاریوں کے ساتھ شاہی افواج متعصبین کی حمایت کی وجہ خاص سے ترقی ووسعت پا کر بالکل وحشیانہ انداز وصورت میں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ سلطنت کفار میں بھی اُن کی نظیر نہیں ملتی۔

شاہ مارقیوس کا خونِ ناحق

جب ہم قسطنطنیہ کی ان حالتوں کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں تو حکومت فارس کی حالت کو اُس زمانہ میں اس سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ عام جذبات انسانیت، ان مظالم وجرائم کو دیکھ کر جنہوں نے مسیحی قسطنطنیہ کے کارناموں کو سراپا داغدار بنا دیا ہے۔بالکل علیحدہ ہو جاتے ہیں۔جس زمانہ میں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل کمسن تھے۔عین اُس وقت ایک نہایت نیک اور پرہیزگار عیسائی حکمران قسطنطنیہ جس کا مثل آج تک تخت بازیطوم (سابق قسطنطنیہ) پر نہیں بیٹھا تھا ایک عیسائی بادشاہ کے اشارے سے قتل کر دیا گیا وہ مظلوم بادشاہ اپنے قصر شاہی کے عبادت خانہ سے باہر کھینچ کر لا یا گیا اور اُس کے پانچوں بیٹے ایک ایک کر کے اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے گئے اور حسرت ناک منظر بادشاہ کو خاص طور پر تمام کر دیئے جانے پر ختم کر دیا گیا۔اس کے بعد اُس کی بیوہ سلطانہ پر اور اُس کی لڑکیوں پر خوف ناک مظالم ڈھائے گئے اُن کو بھی اُسی مقام پر قتل کر دیا گیا۔جو مقام اُن سے پہلے شاہ مراقس کے خون سے رنگین ہو چکا تھا۔

اس کے بعد کے واقعات مظالم جو مقتول بادشاہ کے احباب ورفقا کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔وہ عیسائیوں قسطنطنیہ کے اخلاق کی کامل فہرست ہیں اُن کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔تالو سے زبانیں کھینچ لی گئیں۔مثل حیوانات کے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔اُن میں سے اکثر تازیانوں کے نیچے مر گئے۔اکثر آگ کے شعلوں میں جل کر خاک ہو گئے اکثر کے کام تیر مار مار کر تمام کر دیئے گئے۔اور جلدی سے مار ڈالنا تو بقول گبن ایک قسم کا بہت بڑا رحم تھا۔جوان بدنصیبوں کو مشکل سے نصیب ہوا۔

سلطنت قسطنطنیہ خون تھوک تھوک کر قریب الموت ہو رہی تھی اور ملکی اور مذہبی تفریق ومناقشات سے صد پارہ ہو کر اور عقلی مجالوں سے بے دل ہو کر مذہبی عقائد میں اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوششوں سے بالکل کمزور ہو چکی تھی۔اور ہمیشہ کشت وخون، بدکاریوں اور خون خواریوں کے مناظر پیش کرتی رہی۔

عیسائیوں کا بہت بڑا مشہور ومعروف مؤرخ ملمین (Milmen) قسطنطنیہ میں اُس زمانہ کی مجنونانہ عیسائیت کی یہ حالت بیان کرتا ہے۔قسطنطنیہ کا بشپ (مجتہد اعظم) سلاطین قسطنطنیہ کا ذہن بستہ شکار، ادنیٰ غلام اور پُر جوش مذاق والا مصاحب تھا۔اور کبھی اپنا کامل اخلاقی اثر حاکم سلطنت کے مزاج پر نہ پہنچا سکا۔اس سے طبقہ زیریں کے ماتحت علما وپیشوایان مذہب عیسوی قطع نظر آسکے کہ انہوں نے اپنے دوسرے احسان واشفاق قوم پر مبذول کر کے قوت دولت اور مراتب حاصل کر لیے ہوں۔جن سے وہ قوم کی حریص اور دیگر خواہشات نفسانی کو روک سکیں۔مگر باوجود اس کے اُن کی یہ تمام قوتیں اتنی کافی نہیں تھیں کہ وہ تمام قوم کے قلوب پر کبھی نظام امن قائم رکھنے کے لیے

تحکم کر سکیں۔ یا قدیم زمانہ کی بداخلاقیوں کو موقوف کر سکیں۔ باہمانہ مناقشات واختلافات میں سکون پیدا کر سکیں اور دوگرتی ہوئی قوموں کو یکجا کر دیں بظاہر تو وہ قلوب پر حکمرانی کرتے تھے اور اس سے قبل زبانوں میں بھی وہ حکمرانی کر چکے ہیں لیکن قلوب عامہ پر یہ حکمرانی کسی اقتدار وعظمت یا احسان وخلوص کے ذریعہ سے نہیں کی جاتی تھیں۔ بلکہ جاہل متبعین کو وہم پرستی کے خوف دلانے، ڈرانے اور دھمکانے سے حقیقتاً اس طبقہ کے لوگ (علمائے عیسائیت) بذات خود جہالت کی غار میں گر پڑے تھے۔اور جہالت وحیوانیت کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے اور یہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی تہذیب تھی۔رہبانیت نے قوم کے کثیر التعداد افراد کو جو محض زاہدانہ اور دینی مشاغل میں نہایت مستعد درکار آمد لوگ ثابت ہوتے ہیں۔اپنی طرف کھینچ لیا۔لیکن ان رہبانوں نے جب سے ملک کے خونخوارانہ اور مخافانہ معاملات ملکی میں اپنے جتھے اور فرقے بنا بنا کر شرکت کی۔اُس وقت سے اُن کی نگاہوں میں اُن کی وقعت اور اُن کے اثر بالکل کم ہو گئے۔ وہ کہنے کے لیے تو دنیا سے بالکل علیحدہ تھے۔تارک الدنیا والعلائق تھے۔حیرت وتنہائی کی وادی میں ساکن تھے اور انہیں لوگوں میں وہ راہبین جو مانک (Monk) کے نام سے مشہور معروف تھے۔اپنے اپنے صومعات میں تو بجائے خود نہایت مستحکم اور پُرامن تھے۔اور ایسے ہی وہ اپنی نجات کی نسبت بھی یقین کامل رکھتے تھے۔لیکن اپنے فرقہ کے سوائے تمام نوع انسانی کو ایک لا علاج فنا ونیستی کے لیے چھوڑے بیٹھے تھے۔سپرٹ آف اسلام،ص 36 بحوالہ 84. Millmans Latin Chastiamty Vst Introduckon P

جو قطعات ملکی ایشیائی ترکستان میں دریائے فرات سے مغرب کی طرف واقع تھے۔وہ پارتھین (Parthan) اور رومن قوموں کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے برباد ہو چکے تھے۔پھر ان دونوں تباہ کن قوموں کے بعد ان ممالک کو نیو ایران اور رومیوں نے پامال کر کے تباہی وبربادی کے آخر درجوں تک پہنچا دیا تھا۔وہاں کی رعایا کی بدکاریاں اُن کی قومی تباہی سے بڑھی ہوئی تھیں متعصبین عیسائیت نے اُن کی قومی حالتوں میں ترقی پیدا کرنے کی جگہ اُن کی خرابیوں کو اور وزنی کر دیا تھا۔ان ممالک میں مذہب زردشتی ذلیل ترین عیسائیت سے ایک طرف اُلجھا ہوا تھا۔اور فرقہ نسطوریہ (Nestorian) اپنے متعصبین مذہب کے گروہ سے دوسری طرف دست وگریبان تھا۔اور یہ وہی قدیم جنگ تھی جو فیما بین، مانیٹیوس اور دو پیغمبر ہائے آنسواں کے درمیان ایک زمانہ دراز سے جاری تھی۔الغرض ان مفسدات نے مغربی ایشیا کو بربادی اور نا اُمید کا ناپیدا کنار ویرانہ بنا رکھا تھا۔

وہ گرد باد فتوحات جو افریقہ ہو کر گزر گیا۔وہ قتل عام کشت وخون معلمین ومبلعین مذہب عیسائیت کی زیادتی اور بدعنوانی سے بالکل پُر اور مملو تھا۔اُس نے نوراخلاق کے ایک ایک ذرے کو چن چن کر ملک مصر اور دیگر ممالک افریقہ کے حصوں سے جو قریب قریب زوال دینتی کے پہنچے ہوئے تھے نکال پھینکا۔قوم کی حالت اس سے بھی زیادہ مصیبت ناک ہو رہی تھی روز روشن میں حاکمانِ شریعت اور قوم کے لوگوں کی دونوں آنکھوں کے سامنے نارسیز Narses کے ایسا ایک محسن قوم وملک شہر قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا دیا گیا۔ایسے ہی تخت گاہ روم میں اکزآرج (Exarch) (نائب السلطنت) کے آنکھوں کے سامنے فریق مخالف بشپ کے طرف داروں نے اعلان جنگ دے دیا اور تمام گرجاؤں کو عیسائیوں کے خون سے بھر دیا۔

ملک اسپین (اندلس) نے ان سے بھی زیادہ خوف ناک بربادی اور طوائف الملوکی کے واقعات پیش کیے۔دولت مند طبقہ قوم

اور وہ چند صاحبان اقتدار حقوق ۔ جو حکومت کی طرف سے عمالان ملکی کے عہدوں پر ممتاز تھے یا حاکمان وقت ہونے کے خطبات و القابات رکھتے تھے۔ وہ لوگ تمام دینی اور دنیاوی تکالیف سے البتہ سبکدوش تھے۔ وہ انتہا درجہ کی عیش وعشرت کے ساتھ اپنے اپنے خوش نما محلات میں رہتے تھے۔ غلام وکنیز خدمت کے لیے ہمیشہ انہیں گھیرے رہتی تھیں۔ وہ لوگ اپنے اوقات زیادہ تر حمام کی صحبتوں میں صرف کرتے تھے۔ جو اُن کی بدکاریوں کے اظہار کی اصلی شکارگاہ تھی۔ یا قمار بازی کی میز پر اپنا وقت گزارتے تھے۔ اس سے جو وقت بچتا تھا وہ کھانے اور پینے میں صرف ہوتا تھا۔ ان کی یہ کثیر عیش وعشرت اور اُن میں ان لوگوں کی بے حد زیادتیاں عام طبقہ رعایا کی لا انتہا ناداری اور تکلیف کے ساتھ ایک خوف ناک مقابلہ کا موقع دیتی تھیں۔ اب رہی متوسطین طبقات قوم۔ جن کو شہروں اور قصبوں کی آزاد رعایا کہا جاتا تھا۔ وہ روم بادشاہوں کے مظالم سے روزانہ پیسے جارہے تھے۔ زمیندارانہ غلامی موقوف ہوگئی تھی۔ اُس کے قائم مقام آبادانہ غلامی قائم ہوگئی تھی اور اُس نے آزادی اور غلامی کے درمیان کی صورت اختیار کی تھی۔ بعض حالتوں میں وہ غلاموں سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھے وہ جائز طریقہ میں شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے۔ اور اپنی کاشت کے محاصل میں قدرے حصہ پانے کے بھی مستحق ہو جاتے تھے اور اُن کے مالک اُن سے مال و مویشی نہیں لے سکتے تھے۔ باستثناء ان کے وہ اور حالتوں میں ملک کے غلام تھے۔ اور اُن کی ذاتی خدمات بالکلیہ حکومت سے وابستہ نہیں۔ اُن کو سزائے جسمانی اُسی طرح دی جاتی تھی جس طرح گھر کے لونڈی غلاموں کو دی جاتی تھی۔ رعایا کسی ایک ہی شخص کی غلام نہیں تھی بلکہ ملک بھر کی۔ اُن کی خدمات کے تعلقات موروثی اور نا قابل الفکاک طریقہ سے اُن کی زمین کاشت سے متعلق تھے۔ جسے وہ جوتتے بوتے تھے۔ ان غلامان حکومت کے حالات جو خاص کر تمام حکومت کی رعایا پر مشتمل تھے۔ نا قابل بیان تھے۔ اُن پر حیوانوں سے بھی زیادہ ظلم و بے رحمیاں کی جاتی تھیں۔ جہالت ملکی کے بار ثانی حملات ان بدقسمت قطعات زمین پر سے بھی زائد خوفناک بلا و مصیبت لائے۔ لیکن جب ان میں بیداری آئی تو وہ از خود رفتہ خوفناک اور کامل الارادہ ہوگئی۔ اور انہوں نے ان طبقات آراضی کو لوٹا۔ قتل کیا اور باقی ماندہ لڑکوں، عورتوں اور پادری لوگوں کو اپنا غلام بنایا۔ کثیر التعداد قومیں اس جزیرہ نما یورپ میں آباد تھیں۔ مقلدین حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں جیسے جیسے خوفناک مظالم اُن کے ساتھ ہوئے اور جس بے رحمی سے اُن کا تعاقب کیا گیا وہ دل شکن ہیں ان لوگوں کا تعاقب عالمانِ شریعت عیسوی کے ہاتھوں اور اُن کے حکم خاص سے نیز بر حکم شاہ ویسگوتھ سلبست (Visegothsisbet) 616ء سے شروع ہو کر اُس وقت تک نہیں تمام کیا گیا۔ جب تک کہ اسلام ان مظلومیں جہالت وخون کے لیے پروانہ نجات نہ دلایا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے یورپ کے یہودیوں کو اس قابل بنا دیا کہ میمونائدس (Moses Memonaidus) یا ابن جبریل کے ایسے قابل افراد پیدا کر سکے۔ اسپرٹ آف اسلام، از ص38 دیباچہ۔

رائٹ آنریبل سید امیر علی سی آئی اے بالقابہ نے مندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں صفحات عالم پر الکفر ملۃ واحدۃ کی ایسی اچھی تصویر کھینچی ہے کہ پھر اُس کی دوسری مثال یا عکس ثانی پیدا کرنا دشوار ہے اس تفصیل سے ہر شخص باس آنی سمجھ لے گا کہ ظہور اسلام اور بعثت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ الکرام کے وقت کفر و شرک اور ضلالت و جہالت کی عام تاریکی دنیا کے اس سرے سے لے کر اُس سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عادت الٰہی کے مطابق یہی وقت اور یہی موقع انوار رسالت کی ضیا افشانی کا خاص تھا۔ اس تفصیلی عبارت

کے متعلق مجھ کو کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ موجودہ زمانہ میں تمام یورپ کا زمانہ ہے اور اس کتاب میں تمام تر یورپین مصنفین کی تعریضات سے مقابلہ ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ممالک یورپ کی جہالت وضلالت جیسی تاریخوں سے ثابت ہوتی ہو وہ بھی تفصیل کے ساتھ پیش کردی جائے کیونکہ مندرجہ بالاعبارت تفصیلی میں اس تشریح کی کمی رہ گئی ہے اس غرض سے ہم مفصلہ ذیل عبارت میں آنخضرت صلعم کے مبعوث برسالت ہونے کی وقت یورپین ممالک کے علیحدہ علیحدہ حالات قلم بند کرتے ہیں۔

ممالک یورپ میں عیسائیوں کی دینی اور دنیاوی بدنظمی

رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔انگلستان میں برٹن (Birton) اور سیکسن (Sexon) قومیں آباد تھیں۔نارتھمبرلینڈ، مڈلینڈ، کونیسز، نارفاک، سفاک اور سیکس (قریب قریب تمام اضلاع انگلستان میں) ہیں ووڈن (Wodden) کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس اور اُس کے اضلاع برن بلڈ سگ برٹ، فری دی گوئن دی، بلہمارک پُر افسانہ وقصص کی حالت میں گرفتار تھا اور ان علاقوں میں پادریوں کے ایماء سے بہت سی بدکاریاں روا رکھی جاتی تھیں۔فرانس ہمیشہ سیکسن قوموں سے دریائے البا (R. Elbe) پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ لڑائی 782 عیسوی کے بعد تک جاری رہی جس میں ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہر وارڈن (Warden) میں ہلاک کیے گئے۔

ہنگری۔ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی و ناشائستہ اور آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا۔جن کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔(سول اور ملٹری گزٹ مؤرخہ 12 کتوبر 1907ء اڈیٹوریل نوٹ)

ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ شروع ہوگیا تھا۔اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا۔وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگان خدا کی راہبری کرتا تھا۔مندروں میں زن ومرد کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں اور اُنہیں کی پرستش کی جاتی تھی عبادت خانوں کے درو دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں جن کے تصور سے ایک مذہب شخص کو نفرت آنی چاہیے۔

چین اور مشرق بعید کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ موڑ لیا۔ ہر کام کے لیے جدا جدا بت مقرر کر لیے تھے۔کوئی بارشا کا، کوئی اولاد کا، کوئی جنگ کا، کوئی امن کا۔

قبل بعثت عرب کے خاص حالات

یہاں تک ہم معمورہ عالم کے گوشہ گوشہ کی بت پرستی اور کفر مستی کے مفصل اور مسلسل حالات قلم بند کر چکے اور دکھلا چکے کہ ایک کفر شعاری کی بدولت اُن کے اخلاق، آداب معاشرت اور ملکی وقومی نظام کیسے تباہ وبرباد ہو رہے تھے۔اب ہم ان اقطاع عالم کے مندرجہ بالا حالات کو بالتفصیل بیان کر کے حسب الوعدہ اخیر میں جزیرۂ نمائے عرب کی موجودہ تباہی وبربادی کا نقشہ ذیل کے مضامین میں کھینچ

ہیں۔جس سے معلوم ہوجائے گا کہ اس عام تاریکی کے زمانے اور اس دائمی ظلمت کے عین عالم میں اس قطعہ عالم کی جس کی نسبت وہاں کے باشندے قلب عالم ہونے کا دعویٰ اور اپنی سرزمین وطن کو ایک نامحدود وغیر معدود زمانے سے تقدیس کا مرکز رسالت کی تبلیغ کا مخزن، ابراہیمؑ کا معبد اور اسمٰعیلؑ کا مسکن قرار دیتے آئے ہیں۔ان خصوصیات واوصاف سے تو یہ چاہتا تھا کہ وہ اور اُس کے باشندے بمقابلہ اور مقامات کے اپنے اطوار وکردار میں خدا پرستی اور صلاحیت کے مسلک قدیم پر قائم ہوں لیکن واقعات اس کے برعکس یہ بتلاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قدیم عظمت کے تمام خصوصیات کو بالائے طاق رکھ کر ایک مدت سے کعبہ میں بت پرستی اختیار کر لی تھی۔تفصیل یہ ہے۔

کئی صدیاں گزر گئیں تھیں،سینکڑوں نسلیں ختم ہوگئیں تھیں کہ جزیرہ نمائے عرب میں اُس وقت سے لے کر اس وقت تک کسی فرمانروا کا پورے ملک پر نہ تسلط ہوا تھا اور نہ کسی بادشاہ کی حکومت۔ایک زمانہ دراز سے ملک کا ملک شتر بے مہار تھا۔نہ کسی حاکم سے واسطہ نہ کسی حکومت سے سروکار حضرت شعیبؑ کے بعد سے جسے تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے۔آج تک اس قطعہ زمین پر نہ کوئی ہادی اُمت نازل ہوا تھا۔نہ کوئی راہبر اور نہ پیغمبرؐ اترا تھا۔اس وجہ سے یہ ملک کا ملک قوم کی قوم نہ خدا کے اصول ہدایت سے واقف تھی اور نہ قانون سیاست سے آشنا۔ایک خالص آزاد قوم تھی اور کامل جاہل ملک جن کی آزادی محض حیوانی تھی نہ انسانی لیکن وہ آزادی بھی انواع اقسام کی کیفر کرداریوں میں گرفتار تھی۔اور ملکی نام ونمود بھی ہزار طرحوں کی جاہلیت میں نیست ونابود تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب حقیقتاً کسی الہامی مذہب کو نہیں مانتے تھے۔اُن کو خدا کے وجود ہی سے انکار تھا۔اور حشر کے منکر تھے۔اور چونکہ وہ گناہ کے قائل نہ تھے اس لیے عقبیٰ میں روح کی جزاوسزا کے بھی قائل نہ تھے۔وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ حدود رسمی سے بالکل مبرا اور منزہ تصور کرتے تھے۔اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ انسان کا وجود دنیا میں ایک درخت یا جانور کے مانند ہے وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچ کر منزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے اور جانوروں ہی کے مانند بالکل نیست نابود ہوجاتا ہے اکثر ان میں معتدل خیال والے بھی تھے۔اور وہ روح کو غیر فانی سمجھتے تھے۔اور اُس کی جزاوسزا کو آدمیوں کے نیک وبد اعمال پر منحصر کرتے تھے۔اس لیے ضروری تھا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو اور ان کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے۔لیکن خود ان کے پاس کوئی ایسا اصول جس کے وہ کاربند ہوں موجود نہ تھا۔اس لیے انہوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو ان کی ہمسایہ قومیں مانتی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے ان لوگوں نے کچھ کچھ باتیں اخذ کر لیں۔

عرب میں بت پرستی کیسے آئی

یہی اسباب تھے جن اسباب سے عرب نے شام کے بت پرستوں سے بت پرستی سیکھی اور عمرا بن لحیہ،ہبل نامی بت کو شام سے لاکر اور خانہ کعبہ میں نصب کر کے عرب کی بت پرستی کا بانی اور داعی مشہور ہوا۔ان لوگوں نے بہت سے معتقدات اپنے ہی اصلی وطن کے الہامی مذہبوں سے اور بہت سے غیر ملکوں کے خیالات سے اخذ کر لیے تھے۔اور پھر ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کر کے اپنے معبودوں کو دین ودنیا کے اختیارات دے رکھے تھے۔لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اُن معبودوں

کے ہاتھ میں ہیں اور عقبیٰ کے اختیارات کی نسبت اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ اُن کے بت یعنی وہ جن کی پرستش کے لیے وہ بت بنائے گئے تھے اُن کے گناہوں کی معافی کے لیے خدائے تعالیٰ سے شفاعت کریں گے۔ غرض کہ ظہور اسلام سے پہلے ملک عرب میں بت پرستی کی یہی کیفیت تھی۔ تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ اور جن بتوں کی وہ پرستش کرتے تھے، اُن کی تفصیل یہ ہے:

عرب کے بتوں کے نام اور مقام ہبل

۱۔ ہبل

ایک بہت بڑا بت تھا۔ جو خانہ کعبہ کے اندر داہنے طرف جو خزانہ کا کنواں تین گز گہرا حضرت ابراہیمؑ نے کھودا تھا۔ اُس پر کھڑا کیا گیا تھا۔ عمرابن لحیہ زمین کوارض جزیرہ سے لایا تھا۔ اُحد کی لڑائی میں ابوسفیان نے اسی سے مدد چاہی تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے فتح مکہ کے روز حضرت علی مرتضیٰؑ نے اس کو توڑ ڈالا۔ توریت کے قدیم بت بعل کی یہ غالباً تصحیف ہے۔

۲۔ وُدّ

قبیلہ بنی کعب کا یہ بت اور وہ لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔ عرب کا رستم وستان مشہور پہلوان عمر بن عبدود کا نام اسی بات کے نام سے خاص نسبت رکھتا ہے۔

۳۔ سوآع

یہ بت قبیلہ مذحج کا تھا اور وہ اس کی پرستش کرتا تھا۔

۴۔ یغوث

قبیلہ بنی مراد کا بت تھا اور وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔

۵۔ یعقوق

بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا اور وہ اس کو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔

۶۔ نسر

یہ بھی بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا اور یمن کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔

۷۔عُزیٰ

قبیلہ بنی غطفان کا بت تھا اور وہ قبیلہ اس کی پرستش کرتا تھا۔اصل میں عزیٰ تین درختوں کا مجموعہ تھا۔جس میں ذات باری عز واسمع کا حلول سمجھ کر پوجتے تھے۔عزیٰ لفظ عزیز کا مونث ہے۔

۸۔لات

یہ ایک بن گڑھا پتھر تھا۔جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری تعالیٰ کے کرشمے نے حلول کیا ہے۔لات کو عورت یعنی دیوی سمجھتے تھے۔اس رعایت سے لفظ الہ کا مونث اللات ہوا۔

۹۔منات

یہ ایک عظیم الشان بت تھا اور سمندر کے کنارے پر قدید کے پاس عمر بن لحیہ نے نصب کیا تھا۔لات ومنات کے بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکھتے تھے۔بلکہ عرب کی تمام قومیں ان کی پرستش کیا کرتی تھیں۔

۱۰۔دوآر

یہ بت نوجوان عورتوں کی دیوی تھی وہ چند دفعہ اس کا طواف کرتی تھیں پھر اس کو پوجتی تھیں۔

۱۱۔اوصاف

یہ بت صفا پر نصب تھا۔

۱۲۔نائلہ

یہ بت مروہ پر نصب تھا۔ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی۔اور سفر میں جانے اور سفر سے آنے کے وقت ان کو بوسہ دیتے تھے۔حقیقت ان کی یہ ہے کہ بنی جرہم کے زمانے میں صفا ومروہ پر یہ دونوں بت نصب کیے گئے تھے۔صفا پر جو بت تھا وہ مرد کی شکل تھا اُس کو اصاف کہتے تھے۔دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل تھا۔اس کو نائلہ کہتے تھے۔ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں انسان تھے۔اور بنی جرہم ان کو اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ان کے مرنے کے بعد ان کے دو بت بنا دیئے گئے اور پرستش ہونے لگی۔

۱۳۔نھیک

یہ بھی عرب کا قدیم بت تھا۔نھیک کو وہ صفا پر نصب کیا گیا تھا۔

۱۴ مطعم

یہ بھی عرب کا قدیم بت تھا۔ مطعم مروہ پر نصب کیا گیا تھا۔

۱۵۔ذات الانواط

یہ ایک بہت بڑا سبز وشاداب درخت مقام حنین میں تھا۔ جس کو لوگ پوجتے تھے۔

۱۶۔ذوالکفین

یہ بھی ایک بت تھا۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلوادیا۔

۱۷۔عبعب

ایک بڑا پتھر تھا۔ جس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ اور عرب ذبیحہ کے خون کا بہنا اُس پر نہایت ناموری کی بات سمجھتے تھے۔

ان کے علاوہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی مورت بنی ہوئی تھی۔ اور اُن کے ہاتھ میں قرعہ اندازی کے تیر تھے جواز لام کہلاتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں دیواروں پر بھی کھینچی ہوئی تھیں۔ حضرت مریمؑ کی بھی ایک مورت تھی۔ اس طرح کہ حضرت عیسٰیؑ اُن کی گود میں ہیں۔

عرب کی ملکی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وُدّ آر۔ یغوث، یعوق اور نسر مشہور لوگوں کے نام ہیں۔ جو ایام جاہلیت میں گزرے ہیں۔ ان کی تصویریں پتھروں پر منقش کر کے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دیں تھیں۔ ایک مدت مدید کے بعد ان کو رتبہ معبودیت دے کر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے ان مورتوں پر خدا ہونے کا پورا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ان لوگوں کو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ ان کو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

عرب جاہلیت ان مورتوں کو ان شخصوں کی روحوں کی یادگار سمجھتے تھے۔ اور ان کی تعظیم وتکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ ان مورتوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے۔ بلکہ محض اس وجہ سے ان کی عزت وتعظیم کرتے تھے کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہیں۔ جن میں ان کے اعتقاد کے موافق جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود تھی۔ ان کے نزدیک ان مورتوں کی پرستش سے ان لوگوں کی روحیں خوش ہوتی ہیں جن کی وہ یادگاریں تھیں۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ خدائے تعالیٰ کی جملہ قدرتیں، بیماریوں کو شفا بخشنا، بیٹا، بیٹی عطا کرنا قحط وبا اور دیگر آفات ارضی وسماوی کا دور کرنا۔ ان کے مشہور ومعروف لوگوں کے اختیار میں بھی تھا کہ جن کی طرف انہوں نے صفات الوہیت کو منسوب کر رکھا تھا اور وہ خیال کرتے تھے کہ ان مورتوں کی تعظیم وپرستش کی جائے گی تو ان کی دعائیں اور منتیں قبول کی جائیں گی۔ ان کا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدا کے محبوب خاص تھے۔ اور اپنی مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش

کرنے والوں کو خدائے تعالٰی کے قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہوں گے۔ اور اُن کو تمام روحانی خوشی عطا کریں گے اور ان کی مغفرت کی شفاعت کریں گے۔

بتوں کی پرستش کے لیے اُن کا یہ قاعدہ تھا کہ بتوں کو سجدے کرتے تھے۔ ان کے گرد طواف کرتے تھے اور اُن کو نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اُن پر انٹوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ مویشیوں کا پہلا بچہ بطور نذر کے چڑھاتے تھے۔ اپنے کھیتوں کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع میں سے ایک حصہ معین خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتوں کے واسطے اُٹھا رکھتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح کم ہو جاتا تھا تو خدا کے حصہ میں سے اس کو پورا کر دیتے تھے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہو جاتا تھا تو بتوں کے حصہ میں سے اُس کو پورا نہیں کرتے تھے۔

عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں

یہ تو ملک عرب کے قوموں کی دینیات کی خرابی تھی۔ اب اُن کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں مفصلہ ذیل مضامین میں ملاحظہ ہوں۔

عورتیں حقیقت میں ہر قوم و ملک کی معاشرت کی زیور ہیں۔ عرب جاہلیت ان کو سب سے زیادہ خراب حالت میں رکھتے تھے۔ مردوں کو اختیار تھا جتنی چاہیں عورتیں کر لیں۔ لیکن عورت شوہر کے بعد بھی اس سے مجبور تھی۔ اگر چہ اس باب کے تعین کرنے کے لیے کوئی قانون منضبط نہیں تھا کہ مرد کو کون سی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کون سی ناجائز۔ مگر با ایں ہمہ یہ رسم شائع تھی کہ اُس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو۔ ازدواج نہیں کرتے تھے اور یہ اعتقاد خاص رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔ عرب کی جاہلانہ رسموں میں سے زیادہ خراب رسم اور اُن سب سے زیادہ بے رحم رسم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا ان کو زندہ دفن کر دینا تھا۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن باپ اپنے بیٹے کی یا متبنٰی کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا۔ اور اس کے خلاف عمل کرنا نہایت معصیت اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شوہر کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا۔ اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیتا تھا۔ اور جو شخص اس طرح چادر ڈال دیتا تھا اس سے شادی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ عورتیں اپنے متوفی شوہر کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا خود اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پر پھینک دیتی تھی۔ جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا۔ عورتوں میں اپنے گھر سے بے حجاب نکلنے اور عام مجمع میں بغیر پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا۔ اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات نہیں تھی۔ زنا کاری بھی عام تھی اور ایسی کہ زنان فاحشہ پہچان کے لیے اپنے اپنے گھروں اور خیموں کے آگے ایک نشان کھڑا کر دیتی تھیں۔ اور اس رعایت سے وہ صاحب رایات کہی جاتی تھیں۔ اصطلاح عام میں ان صاحب رایات زنان فاحشہ کو کانۃ کہتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے میلوں اور دنگلوں میں یہ عمائد اور اکابر قوم رؤسا اور امرا کی خاص دلچسپی کا باعث ہوا کرتی تھیں۔

ان کے خیمے ڈیرے اور رہنے کے مکانات ومقامات اُمرا اور روشائے تعیش پسند کے عشرت کدے اور تفریح گاہیں بنے رہتے تھے۔اور ہر شخص نہایت آزادی سے بلا تامل اُن بازاری عورتوں کے ساتھ ارتباط اور روزانہ آمدورفت رکھتا تھا۔ میخانوں اور شراب کی عام دوکانوں پر ان کی بڑی ضرورت تھی۔ گویا ان کی موجودگی ترکیب مے کی جزو اعظم تھی۔اس رعایت سے مفیر دشان عرب بڑی بڑی رقمیں اُجرت میں دے کر ان میں سے متعدد افراد کو اپنی اپنی دوکانوں پر مقرر کر لیا کرتے تھے۔اور اپنے محاورے میں ان کو شواہد کہتے تھے۔عمر عاص اور زیاد ابن سمعیہ کی ماں انہیں عورتوں میں تھیں۔

سفاکی،خونریزی،رہزنی گویا ان کی فطرت تھی اور قتل وقصاص ان کی عادت تھی۔خون کا عوض خون ہی ہوتا تھا۔جو لوگ خون کی دیت لیتے تھے ان کو ان کے ہم جنس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ان کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جائے تو ایک چھوٹا سا پروار کیڑا مقتول کے سر سے نکل کر آسمان پر اسقوانی اسقوانی کہتا ہوا چلاتا پھرتا ہے۔اور بعض کا خیال تھا کہ مقتول کی روح ایک چھوٹی چڑیا کی صورت میں متشکل ہو کر اس کی قبر کے گرد گھوما کرتی ہے اور اسقوني اسقوني (مجھے پانی پلاؤ۔مجھے پانی پلاؤ) چلاتی رہتی ہے۔اس کیڑے کو ھامہ اور چڑیا کو صدی کہتے تھے۔لبید شاعر ایک نوحہ میں کہتا ہے۔

فليس الناس بعدک فی نفسير
و ما هم غير اصدآء وهام

ترجمہ: تو ایسا بیکس ہے کہ تیرے بعد سوائے صدی اور ہامہ کے کوئی بھی تجھ پر نوحہ درازی کرنے والا نہیں ہے

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان کی روح اس کی سانس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔روح محض ایک ہوا ہے۔جو انسان کے جسم کے اندر ہے۔لیکن جو ان میں زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اُس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑھاتا ہے۔اس کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد پھرتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ ایک اُلّو کے برابر ہو جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے۔تمام خیالی،وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی عمارتوں اور مسمار اور منہدم کھنڈروں میں ان کو نظر آتی تھیں اور جن کی تنہا آدمی کے خیال میں اکثر ایک خاص صورت بن جاتی ہے۔ان سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروج کی تاثیرات کی طرف سے منسوب کرتے تھے۔اور ان کی رائے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں ان کا مضبوط اعتقاد تھا۔جب کوئی مصیبت یا تباہی ان پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں لے کر کچھ ان پر پڑھ کر پھونکتے تھے۔اور ایسا کرنے سے اُس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے بھی نیک وبد شگون کیا کرتے تھے۔مثلاً اگر کوئی شخص بیٹھا ہے اور کوئی جانور اُس کے داہنے طرف سے بائیں طرف راستہ کاٹ

گیا تو اسے شگون نیک سمجھتے تھے۔ یہ لوگ علاوہ جنات کے اور روحوں میں اور دیگر اقسام کی روحوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ جو انسان کی نظر سے غائب رہتی تھیں۔ لیکن آئندہ کی تبرون کو با آواز بلند ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو اور ارواحوں کو بھی جو دکھائی نہیں دیتی تھیں مانتے تھے۔ اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ (ملخص از خطبات احمدیہ لاہور، ص158۔190)

عرب کے الہامی مذہب مذہب صابئی

عرب کے ظہور اسلام کے وقت چار الہامی مذہب بھی ایک حد و مقدار تک رائج تھے ان میں قدیم ترین مذہب صابئی تھا۔

مذہب صابئی کو عرب میں قوم سامیہ نے رواج دیا تھا۔ چونکہ ہمیشہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو قدیم مذہب کا پیرو سمجھتے تھے۔ وہ حضرت شیث یا اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام کو اپنا نبیؑ کہتے تھے۔ اور اپنے مذہب کو انہیں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک کتاب بھی تھی۔ جس کو وہ صحیفۂ شیث کہتے تھے۔ صابیوں کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ ان کو اس طرح ادا کرتے تھے جس طرح مسلمان اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مردے کی بھی نماز پڑھاتے تھے۔ اور وہ مسلمانوں کی طرح کامل ایک مہینہ قمری کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ جو برائیاں اور خرابیاں آہستہ آہستہ ان کے مذہب میں پھیلتی گئیں۔ وہ یہ تھیں کہ وہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے۔ حران کے معبد میں یہ لوگ بہ نیت حج جمع ہوتے تھے۔ انہوں نے سات ہیکلیں یعنی معبلہ سبع سیاروں کے نام پر بنائی تھیں اور جس ستارے کا جو معبد تھا اُس میں اس ستارے کی پرستش کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا تہوار اُس روز ہوا کرتا تھا جبکہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اول برج ہے۔ داخل ہوتا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے تہوار اس وقت ہوتے تھے جب پانچ ستارے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد بعض برجوں میں یکے بادیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ ان ستاروں کے سعد ونحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے تمام امور پر پڑتے ہیں وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کشش انہیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ یہ خیال اور اس قسم کے اور خیالات وعقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہو گئے تھے۔ ان لوگوں میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا۔ غاروں اور پہاڑوں میں چند روز تک مراقبہ اور سکوت میں بسر کرتے تھے۔

مذہب ابراہیمیؑ

اسلام سے پہلے پانچ انبیا عرب میں مبعوث ہو چکے تھے۔ (۱) حضرت ہودؑ (۲) حضرت صالحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت اسمٰعیلؑ اور (۵) حضرت شعیب علی نبینا و آلہ وعلیہم السلام یہ سب انبیا علیہم السلام حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل پر احکام عشرہ نازل ہونے سے پیشتر گزرے ہیں۔ اصل اصول ان جمیع انبیاؑ کی شریعت کا خدائے واحد کی عبادت تھی۔ اور دیگر احکام ومسائل جن کو انبیائے مذکور نے بتلایا تھا باستثناء احکام ومسائل حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ اہل عرب کو سب فراموش ہو گئے تھے۔ اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو ہمیں اس وقت اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کیسے تھے۔ ان قوموں کی نسبت فاضل معاصر

مولانا محمد سلیمان صاحب نے رحمۃ اللعالمین میں نہایت مختصر لیکن خوب جامع طور پر یہ عبارت لکھ دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰ عیسیٰ شعیب اور صالح علیہم السلام پیغمبروں کو اُن کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ ہمارے ہی اصول پر چلنے والے لوگ ہیں۔ رحمۃ العلمین دیباچہ ص8

حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کے مذہب کے احکام ومسائل کی نسبت بھی اسی طرح کوئی ایسی سند کافی نہیں ہے جس سے ہم ان کو تفصیل وار بیان کر سکیں۔ اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنہوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اُس کے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔ حضرت ابراہیم کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا، اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خدائے برحق پر یقین کر کے صدق دل سے اس کی پرستش کرنا تھا۔ ختنہ کرنا اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں۔ جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیمؑ نے مروج اور معین کی تھیں۔ خدائے تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیمؑ نے مقرر کیا تھا اور رسم آج تک ان کی اولاد میں اور ان کی اولاد کے پیروں میں ویسے ہی رائج ہے۔

خدا تعالیٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مؤرخ اس امر پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے مل کر بنایا تھا۔ سینٹ پال (St Paul) حواری نے جوگلیشیا والوں کے نام خط لکھا ہے۔ ہماری رائے میں اُس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو جو بیت المقدس کا ہم پایہ ہے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے بنایا تھا۔ خانہ کعبہ میں اوّل خدا کی عبادت اس کے اندر باہر کیا کرتے تھے اور اس کے طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور بوسہ دیتی جاتی تھی۔ تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ حضرت ابراہیمؑ کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوبؑ کا سنگ عبادت یعنی قربان گاہ اور نہ حضرت اسمٰعیلؑ کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے۔ ان لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لے کر پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے۔ جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ اسی طرح پر عبادت خدا کے بانی ہوئے تھے پس کون شبہ کر سکتا ہے کہ حج اس واجب الوجود لاشریک لہ کی خاص الخاص عبادت نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا اور باایں ہمہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے اشخاص تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے کسی نہ کسی مذہب الہامی کے متبع تھے۔ اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں لوگوں میں سے متعدد لوگوں نے مجدد مذہب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے کا مجمع میں عام وعظ کہا ہے۔ اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑ دینے پر ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہادت دے رکھی تھی اُن کے نام یہ ہیں۔ حنظلہ ابن صفوان، خالد ابن سنان، اسد ابو کرب، قیس ابن صیداہ وغیرہ ہم اور بعضوں نے حضرت عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا تھا۔

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور اُن کی پرستش سے منہ

موڑااورخدائے واحدکی پرستش کی طرف متوجہ ہوااورکہاکہ:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝

رفتہ رفتہ بت پرستی کی حالت میں ڈوب جائے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز تو یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ اسی کی اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔جس نے پھر اپنے بتوں کو بلکہ تمام عرب کی بتوں کوغارت کردیا۔اورجس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزوں کا مبداورمرجع ہے۔رواج دیااوراعلیٰ ترین درجے پر پہنچادیااورجس نے جہالت اورکفرکی اُس گہری تاریکی کوجس میں اس کے تمام ہم وطن مبتلا تھے دین حق کے پاک وشفاف نور سے منورکردیا۔

مذہب یہود

یہودی مذہب کوشام کے یہودیوں نے عرب میں پھیلایا تھا۔جوعرب میں آکرآباد ہو گئے تھے۔اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب میں ان یہودیوں کے ساتھ آیا تھا۔جو پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر کے ظلم وجور سے جواُن کے ملک وقوم کی تخریب کا باعث ہوا تھا۔بھاگ گئے تھے۔اورشمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔تھوڑے زمانہ کے بعد جب ان کے ضعف کی حالت نے کسی قدرسکون وقرار پکڑا توانہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیااورقبیلہ کنانہ حارث ابن کعب اورکندہ کے بعض لوگوں کواپنے مذہب میں ملالیا۔354ق م میں یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہوداختیارکیا۔تب اُس نے اورلوگوں کوبھی بالجبر اسی مذہب میں داخل کر کے اس کو بڑی ترقی دی۔اس زمانہ میں یہودیوں کوعرب میں بڑااقتدارحاصل تھااوراکثر شہراور قلعے ان کے قبضے میں تھے۔لیکن بااین ہمہ وہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔جہاں وہ جاتے تھے ان کی جنگ جواورمفسدہ انگیز طبیعت اوراطوار ساتھ ساتھ جاتے تھے۔اوران کے زیراثر ہوکرقوموں میں اختلاف فرقوں میں تکراراور ہمسایہ قبائل وعشائر میں فساد پیدا کرتے تھے۔خونخواری کے ساتھ عرب میں سود خواری کے بہت بڑے حامی اور معاون یہی لوگ ثابت ہوتے ہیں۔اگرشاہراہوں اورعام گذرگاہوں پر دلیرانہ حملہ کر کے ملک وقوم کو یہ لوٹ نہ سکتے تھے۔توگھر بیٹھ کرسودخواری کے ذریعہ سے انہوں نے خاندان کے خاندان اورقبائل کے قبائل کولوٹ کرخاک سیاہ کرڈالا۔ عیسائیوں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی حضرت عزیرکوابن اللہ تسلیم کرلیا۔صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے تین سو برسوں کے بعدتوریت کوازبرلکھوادیا تھا۔دولت مندی کی کثرت سے سودخواری کی ایسی قماربازی کی تعلیم ومشغلہ بھی انہی لوگوں نے پھیلایا۔فاقہ مست عرب کے قبائل کوروپیہ قرض دے کراُن سے مفت خدمت لینااورادائے رقم قرض تک ان کوایک طرح کی غلامی کی حیثیت سے بسر کرنے کی قدیم جاہلیت کارواج بھی انہوں نے جاری کیا۔بالآخران کاوجودملک وقوم کے لیے فائدہ اوررفاہ کی جگہ ہرقرینہ سے نقصان دہ اورتباہ کن ثابت ہوا۔

مذہب عیسوی

تحقیق سے یہ امرمسلم ہو چکا ہے کہ عرب میں عیسائیت 3 صدی عیسوی میں داخل ہوئی تھا۔وجہ یہ ہوئی کہ کلیسائے مشرق کی

خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے مغربی فرمانروایاں مسیحی نے ان کلیسا کے متبعین عیسائیوں کو گمراہ سمجھ کر ان ممالک سے نکال دیا تھا۔ اور وہ ترک وطن پر مجبور ہو کر عرب میں آ کر بس گئے تھے۔ اس سے یہ صحیح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جو مصیبت اور مجبوری یہودیوں کو شام سے عرب میں لائی۔ قریب قریب وہی بلاو آفت عیسائیوں کو بھی عرب کی سرزمین پر کھینچ لائی۔ اور عرب کی سرزمین نے جہاں خدا کا گھر تمام مخلوقات کا امن قائم تھا۔ ان مصیبت زدوں کو پناہ دی۔ عیسائی مصنفین نے بیان کیا ہے کہ مذہب عیسوی نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی۔ مگر ہم اس امر میں ان سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ قبائل حمیر، غسان، ربیعہ، تغلب، طے اور حیرہ میں سے معدودے چند اشخاص نے ان کی تقلید کی تھی۔ اور کوئی جماعت کثیر۔ یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی۔ اغلب ہے کہ ان متفرق اعراب منتصرہ کی وساطت سے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسیٰؑ کو گود میں لیے ہوئے خانہ کعبہ کے اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو یا اس کے اندر رکھی گئی ہو۔ سر ولیم میور خود لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ نہایت قلیل تعداد میں مذہب عیسوی سرزمین عرب میں یہاں وہاں پایا جاتا ہے۔ علاقہ نجران میں بنو حارث، علاقہ یمامہ میں بنو حنیف چند افراد قبائل طے پر عیسائیت محدود تھی۔

عرب کے اکثر حصوں پر شاہان روم و اصفہان کی صف آرائیوں سے خاص طور پر منتفع ہو کر عرب کے دو ملکی خاندان ملوک غسان اور حیرہ نے خسرو اور قیصر کی متابعت کو درمیان اس طرح تقسیم کر لیا تھا کہ سلاطین حیرہ ملوک فارس کے مطیع تھے۔ اور فرمانروایاں غسان اور اقاصرہ روم کی باہمی جنگ وجدال نے حقیقتاً تمام ملک وقوم کے مجسمہ سے خون چوس لیا تھا۔ حالانکہ اسباب جنگ میں بمقابلہ عیسائیوں کے ایرانیوں کے مطالبات حق بجانت ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں کے زیر اثر ہو کر عرب میں حیرہ اور غسان کی ماتحت حکومتیں بھی باہمی کشت وخون اور دائمی جنگ وجدال میں مصروف رہتی تھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عیسائیت کس اصول کے ساتھ عرب میں مروج تھی۔ اس کی تحقیق جہاں تک کی جاتی ہے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین عرب پر عیسائیت کے مختلف طریقے اپنی مختلف فیہ اقسام کی تعلیم وتبلیغ پھیلا رہے تھے۔ طرفہ تر تو یہ ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو دوسروں کو اپنی دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔ اور دوسری طرف خود آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ فرقہ نسطوریہ اور فرقہ یعقوبی باہم دیگر معرکہ آرا تھے۔ بخلاف یہود کے یہ عیسائی فرقے اپنے غلط عقائد کی تائید میں انتہا درجہ کے ضدی اور ہٹ دھرم بنے ہوئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے وجود ذات کی نسبت ذات الٰہی کا خاص مماثل یا کم سے کم اُس کا فرزند حقیقی یا اس کا کلام خاص یقین کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش کو وہ کنار ازلیت سے مختص سمجھتے تھے۔ اور آپ کے ظہور ذات کو الوہیت کا مماثل یا پیکر انسانی میں الوہیت کا مبدّل۔ جس کی ترکیب خلقت خاص طور پر نور سے ہوئی ہے۔ قرار دیتے تھے۔ اس عقائد کی بنا پر عیسیٰؑ کی ایسی منزہ اور مقدس ذات نہ فنا کی جا سکتی تھی اور نہ خود فنا ہوئی۔ وہ کلمات استغاثہ جن کو متعصبین عیسائیوں نے خاص حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ادا کیے جانے کی شہرت دے رکھی ہے۔ حقیقت میں وہ نہ ان کی زبان سے نکلے تھے اور نہ کبھی نکل سکتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو مصلوب ہوا وہ غیر عیسیٰ شخص تھا۔ وہ اصل عیسیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے سراپا محفوظ رہ کر انہیں عالم نورانیت کی طرف واپس تشریف لے گئے جہاں سے وہ نازل ہوئے تھے۔

یہ دلیل اگر چہ کیسی ہی متوہمانہ نہ سمجھی جائے۔لیکن ابنیت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بمقابلہ اور دلیلوں سے زیادہ چسپاں معلوم ہوتی ہے اور بظاہر قریب الامکان خیال کی جاتی ہے۔ پالیٹ پاؤنٹیوس (Pilate Pontius) کی حضرت عیسیٰؑ کی جان بچانے کے لیے ازحد خواہش۔جس کو طرطولین ظاہراً تو یہودی لیکن باطناً عیسائی قرار دیتا ہے۔ ہردوس (Herodius) کا بھی قتل عیسیٰ کے الزام کو گوارا کرنے سے انکار۔ان چند ساعات تک جن میں وہ قوم بنی انسان کا محسن اور مصلح۔ان خوف ناک مناظر کے انجام دہی کے لیے کھینچ لایا گیا۔عام تاریکی کا پھیل پھیل کر تمام رات تک اسی طرح قائم رہنا اور صلیب دیئے جانے کے وقت خاص کر ایک قدرتی ظلمت کا تمام روئے زمین پر محیط ہو جانا۔یہ سب قرائن متحد و متفق ہو کر اس امر کے قریب الامکان ہونے کا یقین دلاتے ہیں کہ بے خطا و قصور بالکل محفوظ رہ گیا۔اور ملزم و مجرم مصلوب کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا عبارت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ عرب میں عیسائیوں کے مختلف فرقے جو آ کر آباد ہو گئے تھے۔وہ مذہب میں اختلاف آرا کی بنا پر آپس میں لڑا کرتے تھے۔اس کی تفصیل کے لیے مختصراً اتنا لکھ کر بتلا دینا کافی ہوگا کہ عموماً تمام عیسائی تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرتے ہی تھے۔لیکن عرب میں یعقوبی فرقہ کے عیسائی حضرت مریمؑ کو (نعوذ باللہ) خدا کی بی بی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔اس بنا پر فرقہ نسطوریہ سے جو زیادہ تر عراق عرب میں آباد تھے۔اور یعقوبی فرقہ سے جو شام سے آ کر حجاز و یمن میں آباد ہوا تھا بڑے بڑے مقابلے اور مقاتلے پیش آ رہے تھے۔

ظہور اسلام کے وقت خاص عرب کے دینی، اخلاقی ملکی اور قومی خرابیوں اور بربادیوں کا یہ مرقع تھا جو ہم نے نہایت وضاحت سے کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔سرزمین عرب پر موقوف و محدود نہیں ہے۔اس سے پہلے ہم تمام اقطاع عالم کے دینی اور دینوی حالات جو آنحضرت صلعم کے بعثت کے وقت ثابت ہوتے ہیں۔پوری تفصیل سے دکھلا چکے ہیں۔ہمارے مرقومہ بالا تفصیل حالات کو پڑھ کر ہر شخص با آسانی سمجھ لے گا اور یقین کر لے گا کہ عام گمراہی و ضلالت اور سراپا تاریکی و ظلمت کے ایسے شدید و سخت زمانہ و وقت میں پیدا کنندۂ زمین و آسمان اور خدائے رحیم و رحمان کی رحمت کو اپنے بندوں کی نجات و مخلصی اور صلح و آشتی کی تعلیم و ہدایت اور کفر و الحاد سے ترک تعلق کرنے اور اس ذات واحد کی پرستش و عبادت بجالانے کی خاص غرض و غایت سے ایک ایسے رہبر کامل کو نازل فرمانے کی ضرورت ہوئی جو اپنے انوار تعلیم و ارشاد سے کفر پرستی کی تاریکیوں کو دور کر کے معمورہ عالم کو پُرنور کر دیتا۔جن لوگوں نے امم سابقہ کے ازمنہ خاصہ میں با ستعیاب کو کامل طور سے سمجھ لیا ہے۔وہ موجودہ عالم گیر جہالت و ضلالت میں جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت رسالت کو پورے طور سے سمجھتے تھے۔ان کو یقینی طور پر علم ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو دنیا سے اٹھے ہوئے دو ہزار سال اور حضرت سلیمانؑ کو ڈیڑھ ہزار سال اور جناب عیسیٰ بن مریمؑ کو آسمان پر صعود فرمائے ہوئے چھ سو برس ہو چکے تھے۔اس زمانے میں ان حضرات کی تعلیم و تبلیغ نے جس قدر دنیا کو اور اہل دنیا کو برائی سے بچایا اور ان کی بگڑی ہوئی حالتوں کو بنایا تھا اتنی مدت میں انہوں نے اپنی غفلت اور جہالت سے اسی قدر اپنی دینی اور دنیاوی حالتوں کو بگاڑا تھا۔ان مقدس رہبران روحانی اور پیغمبران ربانی نے سب سے پہلے جس چیز کی تعلیم انہیں پہنچائی تھی۔وہ معرفت اور وحدت الٰہی تھی اور اس وقت سب سے پہلے جس چیز کو ان لوگوں نے بگاڑا تھا وہ یہی تعلیم تھی۔اور اسی وحدت الٰہی کی خراب و برباد حالت

تھی جو ہر فرقے، ہر قوم، ہر ملک کے مندرجہ بالا حالات وواقعات سے پورے طور پر معلوم ہو چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے عقائد میں وجود الٰہی ہی قائم نہیں تھا۔ توحید کا کیا ذکر، نام کو تو یہ سب لوگ اپنے آپ کو مذہب الہام کا متبع بتلاتے تھے۔ مگر حقیقتاً ان میں نہ مذہب الہامی کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ اور نہ اخبار دینیات کی خرابی کی وجہ سے اُن کے اخلاق، تمدن، معاشرت اور آداب ایسے خراب وخستہ ہو رہے تھے کہ حیوانیت اور انسانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جن اصول عقائد کو وہ اپنے خیال میں حق پرستی سمجھتے تھے وہ حقیقت میں بت پرستی سے بھی بدتر تھی۔ جن تہذیب، اخلاق اور آداب کو وہ اپنے زعم میں معیار انسانیت خیال کرتے تھے وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے شعار حیوانیت تھے اور اظہار نفسیانیت۔

دنیا کے محققین جانتے ہیں کہ شیرازہ عالم کی ایسی ہی شکستگی اور ابتری کے خاص عالم میں اور زمانہ کی ایسی ہی عالم گیر تاریکی اور سیاہی کے خاص وقتوں میں اور بندگان الٰہی کی ایسی ہی سیاہ کاریوں اور کافر کرداریوں کے موقع پر اُس راحم برحق اور ناظم مطلق کو اپنی رحمت کی فیض سانیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مدبر قدرت نے اصلاح عالم کے لیے اس وقت بھی وہی انتظام جاری فرمائے جو ہمیشہ سے عادت الٰہی قرار پا چکے تھے لیکن اپنے اس نظم میں اب کی بار یہ خصوصیت البتہ قائم کر دی کہ اس دفعہ رہنمائی عالم کے اس انتظام کو ایسا مفصل اور مکمل بنایا اور اس نظم کے ناظم اور مجدد کو سلسلہ ہدایت ورہبری کا ایسا خاتم اور متمم قرار دیا کہ

پھر زمانے کو پیغمبری کی ضرورت نہ رہی۔

وہ خاتم سلسلہ رہبری متمم جریدہ پیغمبریؐ، خاتم النبیینؐ، سید المرسلین حضرت محمدؐ ابن عبداللہ ارواحنا لہ الفداء تھے جو چالیس برس کے سن میں خاص معبد ابراہیمی اور مؤطن اسمٰعیلی کے شہر مکہ معظّمہ میں بقول عموم اٹھارویں رمضان یوم دوشنبہ 41ء عام الفیل مطابق 21 فروری 610ء اور بقول مشہور وجمہور ستائیسویں رجب کو مبعوث برسالت ہوئے۔

خاص عرب میں مبعوث برسالت ہونے کی مخصوص ضرورت

خاص کر جزیرۂ نمائے عرب میں خاتم النبین، حبیب خدا محمد مصطفیٰ علیہ آلہ والتحـیۃ والثناء کے مبعوث برسالت فرمائے جانے کی وجہ خاص نہایت کھلی اور صاف ہے۔ ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

اگر ہم ملک عرب کو کرہ ارض پر دیکھیں تو اس کے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جزیرہ عرب کو ایشیا، یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی وتری (دونوں راستوں سے) دنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے لیے ایک مرکز واحد قائم کرنے کے لیے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں۔ تو عرب ہی اس کے لیے موزوں ہے خصوصاً اُس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ، یورپ اور ایشیا کی تین بڑی قطعات ارض (سلطنتوں) کا عرب سے تعلق تھا تو عرب کے اوازان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔

رب العلمین نے اسی لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا اور ان کو بتدریج پہلے اپنی قوم، اپنے ملک پھر تمام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔ رحمۃ للعلمین ص 9

کرۂ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ 40 درجہ عرض البلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ 80 درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ 120 اور نصف 60 ہوا۔ جب 60 کو 80 درجہ شمال سے تفریق کریں۔ تب 20 درجہ رہ جاتے ہیں اور جب 60 سے 48 درجہ جنوبی کو تفریق کریں تب بھی 20 (درجہ شمالی) رہ جاتے ہیں اور مکہ 21 درجہ پر آباد ہے۔ اس لیے کلی کرہ ارض میں بھی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مکہ کا نام لغات عرب کی کتابوں میں ناف زمین ہے۔ انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ بھی وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔ اور ان ہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں قوم آریا (ایرین) اور منگول (مغل) مغرب میں حبشی وہامائٹ (حام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے باشندے) پھر جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہنچانا مدنظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وجعلنا کم اُمۃ وسطاً لتکونوا شھدآ۔ ہم نے تم کو درمیانی اُمت (درمیان عالم کی رہنے والی) بنایا اس لیے کہ تم تمام قوموں کے سامنے خدا کی شہادت ادا کرو۔ حاشیہ رحمۃ العلمین ص 9

تبلیغ دینیات کے علاوہ اگر سیاسی ضروریات کی نظر سے بھی دیکھا جائے تو ایسے رہبر آخرالزمان اور پیغمبر کامل کی تبلیغ دینی اور تعلیم واجرائے احکام سیاسی کی ضرورت ہے۔ جو جریدہ عالم میں بندگان الٰہی کی دینی و دنیاوی امور کی شیرازہ بندی کے لیے خاص کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔ معمورہ عالم کے وسط مقام کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنانا کس قدر ضروری اور لازمی تھا۔ اور اسی سے جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الرسلین والنبین ہونے کے خاص ثبوت ملتے ہیں۔ کیونکہ ان سے پہلے جتنی رسالتیں گزر چکی ہیں۔ وہ سب ایک ہی کام اور ایک ہی مقام کے لیے معین ہوئی تھیں۔ حضرت موسیٰ ؑ قوم بنی اسرائیل کو مصر سے مخلصی دلوا کر اپنے وطن اصلی کی طرف واپس لانے کے لیے مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کی قوم و ملک میں احیائے شریعت و دینیات اور اجرائے نظام حکومت و سیاسات کی غرض سے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جناب عیسیٰؑ باقی ماندہ احکام عشرہ تورات کی تعمیل و تکمیل کے لیے نازل فرمائے گئے تھے۔ ان تمام رہبران مقدسین کے ذمہ ایک ایک خاص مقام اور ایک ایک خاص کام کی درستی اصلاح اور ترمیم متعلق کی گئی تھی۔ لیکن بخلاف آنحضرات ے ہمارے سرور کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمام معمورہ عالم کی ہدایت تھی اور رہنمائی۔ وہ تبلیغ دینیات کے بھی ذمہ دار تھے اور تعلیم سیاسات کے بھی جس میں درستی اخلاق، تمدن اور معاشرت غرض تمام انسانی ضرورتیں جو ہر قوم و ملک کو ابتدائے عمر سے لے کر انتہا تک لاحق ہوتی ہیں، شامل ہیں۔

تاریخیں شاہد ہیں اور دنیا کے کارنامے ایک سے لے کر ہزار تک گواہ ہیں کہ اس نبی اُمی خطاب نے علوم دینیات وسیاسات کی اس بخوبی اور خوش سلیقگی سے ایسی کامل تعلیم دی کہ پھر اُس وقت سے لے کر ابدالاباد تک کسی رہنمائے عالم کو ہدایت و رہنمائی کے لیے تشریف لانے اور تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

ان ضروریات اوران کی تعمیل کے ذرائع ووسائل پر خیال کر کے ہر سطحی الذہن اور عامی العقل شخص بھی فوراً سمجھ جائے گا کہ ایسی کامل رسالت کی انجام دہی اور نیز دین ودنیا دونوں طریقوں میں بندگان الٰہی کی رہبری کے لیے مقام وسطیٰ تبلیغ وتعلیم کا مرکز اگر کسی زاویہ یا گوشہ ملک میں قرار دیا جاتا تو ممکن نہیں تھا کہ دین الٰہی کی تعلیم اور دستور وآئین ملکی وقومی کی ترمیم اس وسعت اور راست قرار داستقامت کے ساتھ کامل ہو جاتی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شبلی صاحب واقعات تاریخ وسیر کو پہیلیوں کی طرح انگلیوں پر سمجھانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ خاتم رسالت اور متمم نبوتؐ کی سیرت نگر کے لیے خاص کر ان امور کو لکھ کر ثابت کر دینا اور بتلا دینا۔ جن سے آپ کے خاتم النبیین اور سید المرسلین ہونے کے شہود وثبوت قائم ہوتے ہیں۔ کس قدر ضروری تھا لیکن شبلی صاحب نے اپنے انداز تالیف میں عجلت رقمی کے ساتھ کوتاہ قلمی میں اختیار فرمایا ہے۔ جس سے مقصود تالیف مفقود ہو جاتا ہے اور اصل مدعا معمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ بالآخر ہمیں مجبور ہو کر اتنے اوراق میں آپ کی کمی کو پورا کرنا ہوگا جو ناظرین کتاب کے پیش نظر ہے۔

شبلی صاحب کا خاندان

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک چالیس برس کا ہو چکا تھا۔

رسولؐ پر غلط الزام

فطرت صالحہ کے اثر سے قلب مبارک اک رجحان اور طبع مقدس کا میلان جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آغاز عمر سے اس وقت تک ہمیشہ امور خیر کی طرف متوجہ اور منعطف تھا۔ اگرچہ تمام ملک وقوم میں گمراہی کا شعار جہالت وضلالت کے اطوار جاری تھے۔ چاروں طرف انواع اقسام کی بدکاریاں اور کیفر کرداریاں قائم تھیں۔ لیکن آپ ایک ذرہ بھر بھی کبھی ان سے اثر پذیر ہونا تو درکنار کبھی ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے اور جب کبھی ایسا موقع آ پڑا تو آپ نے ان تمام افعال ذمیمہ سے قوم وملک کے لوگوں کو متنبہ فرمایا شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا تمغائے شرافت اس قدر تھا کہ اس صنم کدے کے متولی تھے اور کلید بردار بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ قریش نے اس بنا پر کہ ہر بات ممتاز رہنی چاہیے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لیے عرفات میں جانا ضروری نہیں۔ اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں۔ ورنہ ان کو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر طواف عریان کا رواج عام ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان باتوں میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ سیرۃ النبی جلد 11

بالکل صحیح ہے جناب رسول خدا صلعم نے کبھی جہالت وضلالت کے افعال ذمیمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اپنے اہل وطن کا ساتھ نہ دیا۔ اور نہ اُن میں شرکت کی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسولؐ پر مبذول رہتی ہے اور شروع سے

لے کر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے افعال ذمیمہ کی تصدیق وشہادت میں خاندان رسولؐ ہی کے رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔شبلی صاحب اپنے اس انداز بیاں میں سخت عالم فریبی سے کام لے رہے ہیں اور سخت نفرت انگیز اور مغویانہ طریقہ سے قوم اور خاندان کو ایک ہی معنی میں بتلا رہے ہیں حالانکہ معمولی علم واطلاع والا شخص بھی دونوں لفظوں کے فرق بالمعنی کو پورے طور سے جانتا ہے۔ قومیت ایک علیحدہ شے اور خاندان ایک جداگانہ شے ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ قوم کے تمام لوگ اس کے خاندان میں داخل شمار کیے جائیں۔لیکن شبلی صاحب کو تو اس عام فریبانہ اور مغویانہ ترکیب سے تعمیم اور مساوت فی المدارج کے غلط اصول قائم کرنے کی ضرورت خاص لاحق ہے۔جس پر ان کے عقائد کے اعتبار سے ان کے تمام موضوع تالیف کی ترکیب وترتیب کا انحصار ہے۔اس لیے اگر وہ ابتدا ہی سے قوم کو خاندان اور خاندان کو قوم نہ بتلائیں تو تعمیم ومساوات کی ترکیب قدیم کیسے ثابت ہو۔ یہ ضرورت تھی جس نے شبلی صاحب کے قلم سے خاندان رسولؐ کے اکابر افراد کو صنم کدہ کا متولی لکھ کر بتلائے جانے پر جرأت دلائی۔اور پھر کفار مکہ اور مشرکین کے ان جاہلانہ مراسم حج بجالاتے وقت ننگے ہو کر طواف کرنے میں بھی ان کا شامل ہونا شہادت کے طور پر پیش کیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ کفار قریش میں یہ جاہلانہ رسم ضروری جاری تھی۔ جہال عرب برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔آپ کے حوالے کے مطابق ابن ہشام نے ان کے اس وحشیانہ کردار کو پوری تفصیل سے جلد اول صفحہ 67 مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔اور ہم نے ان کی تمام عبارت کو غور سے پڑھا ہے لیکن ان کی عبارت میں آپ کی طرح خاص خاندان رسولؐ کی تو کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ بلکہ عام لفظ قریش سے واقعہ کی تفصیل کا آغاز کیا ہے۔ان کی ابتدا میں عبارت یہ ہے۔ قال ابن اسحق و قد کانت قریش لا ادری قبل الفیل او بعدہ ابتدعت وای الخمس الخ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ قریش نے قبل واقعہ فیل یا بعد اس کے قاعدہ خمس کی بدعت کو آغاز کیا۔قریش میں خاندان رسول بھی اُسی طرح شامل ہے۔جس طرح خاندان ابوجہل اور خاندان ابوسفیان پھر اس میں خاندان رسولؐ کو اس خصوصیت سے لکھنے کا آپ کو کون سا حق حاصل تھا۔اور ابن ہشام کی مرقومۂ بالا عبارت میں آپ نے کس لفظ سے اس تخصیص وخصوصیت کے معنی پیدا کیے اور یہ مطلب نکال لیے۔ہاں اگر اس عبارت میں بنو ہاشم یا بنو عبدالمطلب من قریش کے الفاظ تصریح وتخصیص ابن ہشام نے لکھے ہوتے تو آپ خاندان رسول کی تصریح وتخصیص فرمانے کے ضرور مستحق تھے۔ جب صورت حال ایسی نہیں ہے تو آپ نے صریح فریب دہی کی نیت خاص سے خاندان رسول کی تخصیص فرمائی ہے۔

شبلی صاحب ہر واقعہ کو دیکھ کر لکھے۔ دیکھئے قوم قریش میں سے بھی جس قبیلہ اور عشیرہ نے اس رسم جاہلیت پر اصرار وافتخار کیا ہے۔اور دوسرے قبیلوں والوں سے امتناع وانکار کے موقع پر تکرار کیا ہے۔ان کی تفصیل اشعار عرب کی شہادتوں سے ابن ہشام نے پوری تصریح کے ساتھ جلد اول ص 68 میں قلم بند کر دی ہے۔لیکن آپ نے نہ اُس کو پڑھا اور نہ اُن پر غور کیا۔اسی لیے اپنی کتاب میں صفحہ 68 کا حوالہ نہیں دیا۔یہ آپ کا خاص مولفانہ طریقہ استخفاف واسقاط حالات ہے۔ہم اُس کی تفصیل اُسی صفحہ 68 سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ا۔ کفار قریش کے اس معاہدے میں سب سے پہلے بنی عامر جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا داخل ہوا اور انہوں نے عمر بن معدی کرب کو اس کے متعلق فخریہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

۲۔ بنی عامر کے ایک قائم مقام عباس بن مرواس السلمی نے جنگ حبلہ کے موقع پر اس رسم جاہلانہ کو اپنی مفاخرت کے اشعار میں منظوم کیا۔اس لڑائی میں بنی عامر اپنے مخالف قبیلہ بنی حنظلہ پر غالب آئے۔اسی معرکہ میں لقیط بن زرارہ بن عدس قتل ہوا۔اور عمر بن عمر بن عدس بن زید بن عبداللہ بن دارم بن مالک بن حنظلہ بھاگ گیا۔پھر اسی جنگ قبائل کے اخیر سلسلہ میں بنی حنظلہ نے اپنے حریف کو شکست دی۔یہ جنگ نجب کے نام سے مشہور ہوئی۔اس میں حبان بن معاویۃ الکندی جس کی کنیت ابوکبشہ تھی۔بنی عامر کی طرف سے قتل ہوا۔یزید ابن الیق الکلابی اسیر ہوا اور طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب ابوعامر بن الطفیل بھاگ گیا۔

اب شبلی صاحب فرمائیں کہ ان دعویداران اور مددگاران رسم خمس میں رسول صلعم کے خاندان کے کسی ایک فرد واحد کا بھی نام پایا جاتا ہے۔یا کسی نوع وطریقہ سے ان معرکوں اور ان کے اسباب میں ان حضرات کی سازش وشرکت کا کہیں برائے نام بھی ذکر پایا جاتا ہے۔پھر شبلی صاحب نے کس رعایت نسبت اور خصوصیت کے اعتبار پر خاندان رسولؐ کو اس جاہلانہ اور وحشیانہ مراسم کے ساتھ خاص طور پر منسوب کیا اور یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مراسم جاہلانہ میں اپنے خاندان کے شریک نہ ہوئے۔کیا ابن ہشام کی کسی عبارت سے شبلی صاحب نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے خاندان والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بھی کفار قریش کی طرح ننگے ہو کر طواف کرتے تھے؟ یا ابن ہشام،ابن اثیر،طبری وغیرہم کسی عربی مؤرخ کی سند سے یہ واقعہ تحریر فرمایا ہوتا کہ عبدالمطلب یا ان کے کسی صاحبزادے کو کسی شخص نے ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر کوئی ایسا واقعہ ابن ہشام وغیرہ سے نقل کیا جاتا تو ہم آپ کے اس دعوے کی صحت اور اس بیان کی اصلیت پر اعتبار کرتے۔افسوس ہے آپ کی اس خودغرضی پر اور ایسی مغویانہ دلیری پر آپ اپنے قلم سے بلا تامل اور بے پس وپیش وہ باتیں لکھ دیتے ہیں جن کا نشان آپ کے اصلی ماخذوں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔اور اس پر یہ سخت دلیری کا ماخذ کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔صرف یہ سمجھ کر کہ مصر کی چھپی ہوئی ابن ہشام ہندوستان میں کہاں ملتی ہے اور کون دیکھتا ہے۔ استغفر اللہ ربی۔

اب دیکھئے اسی ابن ہشام سے خاندان رسولؐ کے اس شمول کی حقیقت کہاں تک صحیح معلوم ہوتی ہے۔

قال ابن اسحق حدثنی عبد الله بن ابو بکر رضی اللہ عنہ بن محمد بن عمر بن خرم عن عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم عن عمه نافع بن جبیر عن ابیه جبیربن مطعم قال رائت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قبل ان ینزل علیه الوحی وائه لواقف علی بعیر له بعر فات مع الناس من بین قومه حتی یدفع معهم منها توفیقا من الله ورسوله صلعم ص 79۔

ابن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر سے وہ ابن محمدؐ بن عمر بن خرم سے وہ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم سے وہ اپنے چچا نافع ابن جبیر سے وہ اپنے باپ جبیرؓ بن مطعم سے ناقل ہیں۔جبیر کا بیان ہے کہ ہم نے قبل

نزول وحی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام عرفات میں قوم کے لوگوں میں سے اپنے خاص اونٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ میرے سامنے انہیں لوگوں کے ساتھ توفیق الٰہی جو اس وقت ان کے شامل حال تھی تشریف لے گئے۔ ص 79

اس روایت سے ثابت ہوگیا کہ مقام عرفات میں جانا اس رسم خمس کی رُو سے بالکل ترک کر دیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے ساتھ قبل بعثت عرفات میں موجود تھے۔ اور راوی کے مطابق وہاں توقف فرما کر اس کے سامنے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اب فرمایئے قوم کی قوم، خاندان کا خاندان تو آپ کے بیان کے مطابق تو اس رسم قبیحہ میں شریک و شامل تھا۔ تو پھر آپ کے ساتھ یہ کون حضرات تھے جن کو جبیر ابن مطعم نے دیکھا۔ شبلی صاحب کی دیانت وذہانت جو کہے۔ لیکن دنیا کی عدالت اور امانت تو یہی شہادت دے گی کہ وہ حضرات ممتازین بنی ہاشم تھے اور معززین بنو عبدالمطلب توفیقات الٰہی اُسی وقت سے جن کے شامل حال تھی اور اسی وقت سے وہ رسول اللہ صلعم کے اسوہ حسنہ کی اقتداء کو اپنا تمغائے شرافت اور مدعائے قرابت سمجھتے تھے۔

واقعات مناقص شان رسالت

شبلی صاحب مرقومۂ بالا عبارت میں جس رسولؐ کے ایسی خصوصیات اُس کے فائز برسالت ہونے سے پہلے اس اہتمام وشان سے دکھلا چکے ہیں اور آئندہ عبارت میں اُس کے اطوار ورفتار کو محض عامیانہ طور پر معمولات کے مقدار تک خود لکھ کر بتلاتے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

۱۔ عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام کاموں سے فارغ ہوکر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا۔ داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا۔ لیکن راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لیے کھڑے ہوگئے وہیں نیند آ گئی۔ اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔

۲۔ ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا۔ لیکن ان دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچالیا کہ تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جلسوں میں جن پر لہوولعب اور افعال و اشغال عبث کی تعریف پوری مطابق ہوتی ہے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان میں شرکت فرمانے کی اکثر کوشش کرتے تھے۔ لیکن توفیق الٰہی ہر بار آپ کو اس کی شرکت سے بچالیتی تھی۔ اس بنا پر ثابت ہوگیا کہ وہ عمل جس میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ حقیقتاً مذموم ومعیوب اور شان رسالت کے خلاف تھا۔ اور جو امتناع شرکت کی قدرت عملی ترکیب نکال لیتی تھی وہ مستحسن اور جائز تھی۔ مگر شبلی صاحب کے تحریر کردہ واقعات اس کے خلاف بتلاتے ہیں۔ جس مجمع میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ وہ عربوں کی داستان گوئی کی صحبت تھی۔ جس میں وہ غالباً اپنے اسلاف قدیم کے معرکہ آرائیاں، نمودار یاں، شجاعت، دلیری، دادودہش اور دیگر صفات وخصوصیات کے ذکر بیان کرتے ہوں گے

اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان میں مبالغہ آمیزیوں سے کام لیتے ہوں گے۔لیکن بایں ہمہ ان میں بظاہر حرام غیر مشروع اور باعث معصیت ہونے کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی ۔تاوقتیکہ اُن صحبتوں کے بجنسہ و بلفظ تقریر لکھ کر ان کے حرام اور غیر مشروع ہونے کے ثبوت کامل نہ پہنچائے جائیں۔اس بنا پر اگر یہ مجمع ایسی ہی داستانیں اور واقعات سننے کے خاص موقعے اور مقامات تھے۔تو پھر یہ مذموم کیونکر کیے جائیں گے اور ان میں کسی کی شرکت معیوب کیسے کہی جائے گی۔اس سے زائد تو شبلی صاحب کی استخفاظ شرکت کی جو تدبیر لکھتے ہیں وہ مذموم اور مقبوح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آپ خود لکھتے ہیں۔

لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا۔دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔نیند آ گئی۔اُٹھے تو صبح تھی۔

بقول آپ کے توفیق الٰہی نے ایک مشغلہ سے بچانے کے لیے جس دوسرے مشغلہ کی طرف متوجہ کر دیا۔وہ شادی کا جلسہ تھا۔ اگر چہ اس جلسہ شادی کے بھی کوئی تفصیلی حالات نہیں لکھے گئے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جلسہ داستان گوئی کے مجمع سے زیادہ پر لطف اور دلچسپ ہو گا۔تب تو شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔اور نیند آ گئی،اٹھے تو صبح تھی گویا رات بھر اُسی جلسہ میں کٹ گئی۔مگر جب اس جلسہ شادی کی کوئی تفصیلی حالت نہیں لکھی گئی تو شبلی صاحب اپنے شادی کے جلسوں کی مثالوں پر اندازہ کر کے خود تصفیہ فرمالیں کہ آیا آپ کی عقیدت رسولؐ کی معرفت۔ایسے جلسوں مجمعوں اور صحبتوں میں رسولؐ تو درکنار غلامان رسولؐ تک کی شرکت کو ایسی محویت و مصروفیت کے ساتھ کہ شام سے صبح کر دی۔ایک منٹ کے لیے بھی گوارا کرے گی۔

شبلی صاحب اپنی جاو بیجا پر جوشیوں میں جاو بیجا اور مناسب و غیر مناسب طریق و انداز بیان کا اپنی تحریر و بیان میں مطلقاً خیال نہیں کرتے۔آپ نے عیسائیوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ آنحضرت صلعم کے خیالات و جذبات میں جو کچھ تغیر آیا ہے وہ ادعائے رسالت کے بعد۔ورنہ آپ کے طرز و اطوار سب آپ کی قوم کے لوگوں کی طرح تھے۔آپ کس قدر چراغ پا ہوئے اور اپنی گذشتہ بحث بیان میں کتنی کادوکاوش اور سعی و کوشش سے ان کی تعریض کی تنقید فرمائی یہاں تک کہ صحیح بخاری کی بھی تغلیط کی نوبت پہنچائی۔ اب اگر وہی عیسائی آپ ہی کی اس تحریر کردہ اطوار رسولؐ کو اپنے دعویٰ اعتراض کا شاہد بنائیں۔تو آپ کے پاس ان کا کیا جواب ہو گا۔ مشکل تو یہ ہے جیسا کہ ہم اکثر مقامات پر دکھلاتے آئے ہیں۔کہ آپ ایک مقام پر ایک واقعہ کا اقرار کرتے ہیں اور دوسرے مقام پر اسی سے انکار فرماتے ہیں۔اس تلون طبعی کا کیا علاج ہو سکتا ہے یہ دونوں واقعات جو لکھے گئے ہیں ان کے ماخذوں کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے کہ حقیقت حال کی کچھ اور تحقیق کی جاتی لیکن ہمیں اس بات کا خود یقین ہے کہ آپ نے ان کو بے ماخذ کے نہیں لکھا ہو گا۔جو غالباً اصحاب حدیث ہی ہوں گے نہ ارباب تاریخ۔سب سے زیادہ مضحکہ خیز طریقہ تو آپ نے یہ اختیار فرمایا ہے کہ حاشیہ زیر صفحہ میں ان کے اسناد و حوالہ کی جگہ سر ولیم میور صاحب کی یہ عبارت ترجمہ نقل فرما دی ہے۔

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کے چال وچلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کامیاب تھی متفق ہیں۔

بچے تک جانتے ہیں کہ یہ شہادت کیسی ہے۔اس شہادت کے اندراج سے تو خود شبلی صاحب پر یہ اعتراض قائم ہو جاتا ہے کہ سر

ولیم میور اور تمام عیسائی مصنفین تک آپ کے اطوار کی پاکیزگی کو اتنے اعلیٰ درجہ تک بتلاتے ہیں۔ بخلاف ان کے آپ مسلمان ہو کر ان کے ایسے عامیانہ معمولانہ اور بازارانہ گپ اور لہو ولعب کے جلسوں میں اور صحبتوں میں شام سے صبح تک محو والودہ دکھلاتے ہیں سمجھ اور عفور کرو۔

ہم ایسے غلط فہم نہیں کہ آپ کے اس مضمون کو بلا سند سمجھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے اس کو اپنے اسلاف کے کسی ماخذ اصلی سے نقل کیا ہوگا۔ لیکن نقل کرنے کے وقت آپ نے اس کے نتیجہ پر غور نہیں کیا کہ ایں راہ کہ میری بترکان است۔ آپ جن حالات وواقعات سے ذات رسول کی عصمت اور پاکیزگی قبل از نبوت ثابت کرنا چاہتے ہیں وہی واقعات معمولی اور عامیانہ جلسوں اور مجمعوں میں آپ کے رسولؐ کی شرکت اور مجالست ثابت کرتے ہیں اور پھراتنی محویت کے ساتھ کہ شام سے صبح ہوگئی۔ رہبر توفیق بھی استخفاط رسولؐ کی نسبت ایک سوتی ہوئی تدبیر عمل میں لاتا ہے۔ اور ان مکروہ ونامشروع جلسوں کے مشاہدے سے باز رکھنے کے لیے صرف رسولؐ کو وہیں سلا دیتا ہے۔ اس سے اتنا نہیں بن پڑتا کہ رسولؐ کو گھر پہنچا دیتا کہ مشاہدۂ معصیت کے ساتھ شرکت لہو ولعب کے الزام سے بھی پورا استخفاظ ہو جاتا۔ نہ ایسے ایسے سراپا غلط واقعات اسلامی کتابوں میں مندرج کیے جاتے نہ ان کی بنا پر آج ان گمراہانہ اعتراضات کا مخالفین کو موقع ہاتھ آتا۔ یہ دلائل صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ واقعات وحالات ہی بالکل غلط ہیں۔ نہ ان کی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ طبقہ اسلام میں مساوات اور سلسلۂ امت حضرت سیدالا نام مین تعمیم وطریقہ عام پیدا کرنے کی غرض سے پہلے خاندان رسولؐ اس کے بعد شان رسول صلعم کی یہ نوبت پہنچائی گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تو یہ قبل بعثت کے حالات تھے۔ عین زمانہ رسالت میں اور خاص صحن مسجد میں۔ جب رسول اللہ کی طرف (معاذ اللہ) حبشیوں کے ناچ دیکھنا اور دکھلانا منسوب ومشہور کیا جاتا ہے تو قبل بعثت ان لہو ولعب کے مشاغل کی کیا شکایت ہے۔ وائے گر از پس امروز بود فروائے۔ افسوس تو یہ ہے کہ دوسروں کی پردہ پوشی کے لیے رسولؐ کی اتنی اور ایسی پردہ داری کی جاتی ہے۔ ہم بار بار لکھتے چلے آتے ہیں کہ شبلی صاحب اور ان کے اسلاف متقدمین نے حقیقتاً شان رسولؐ ہی کو نہ سمجھا ہے اور نہ آج تک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے یہ حضرات شان رسول کی حقیقی معرفت کا سلیقہ پیدا کر لیں۔ ہم پھر سمجھائے دیتے ہیں کہ قبل وبعد رسالت کی شرط بیکار ہے۔ جب ہم نے ذات رسول صلعم کو از اولہ تا آخرہ فطرۃ صالحہ للبینہ پر قائم ومترتب تسلیم کر لیا تو پھر عام اس سے کہ صحاح والے ایسے مناقص شان رسالت واقعات لکھنے والے ثابت ہوتے ہوں یا مسانید وسنن والے ہم ان کے پابند نہیں۔

نزول وحی اور حصول رسالت

شبلی صاحب نزول وحی اور حصول رسالت کی تفصیل کی ابتدا اس عبارت سے فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے دنیاوی تعلقات تھے۔ تجارت کا کاروبار تھا۔ متعدد اولادیں تھیں۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے۔ تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا۔

بالکل صحیح ہے تفویض رسالت اور تعین نبوت کے وقت یہ تمام تعلقات معاشرت آپ کے گرد و پیش تھے جو خدا کی طرف سے اسوہ حسنہ بنا کر دنیا اور اہل دنیا کی تربیت و ہدایت کی غرض سے دکھلائے جانے والے تھے۔ اور احصار تجرد اور رہبانیت کے ہزار سالہ طلسم ہمیشہ کے لیے توڑے جانے والے تھے۔ اور ان کے خلاف اہل عالم کو یہ تعلیم دینی منظور الٰہی تھی کہ دنیا کے تمام جائز اور مستحسن تعلقات کے ساتھ رہ کر بھی۔ الٰہیات و دینیات کا مبلغ اخلاقیات و سیاسات کا معلم معرفت الٰہی کی کافی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور رہنمائی کونین کی تمام خدمات ادا کر سکتا ہے اس کی تعلیم کامل نے تمام بنی انسان کے قلوب پر یہ زرین اصول کالحجر کر دیئے کہ دنیا اگر اصول دین اور حدود شریعت کے اندر ہے تو عین دین ہے۔

یہاں تک تو شبلی صاحب کی عبارت شان رسالت اور اوصاف نبوت کے مطابق ہے لیکن آپ کا آخری فقرہ کہ تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا۔ قابل گفتگو نہیں اس لیے کہ آپ کی اُسی قدیم اصول تعمیم کی طرف راجع ہے۔ اور پھر اس فقرہ پر بھی وہی عیسائیوں کا گمراہانہ قیاس کہ جو کچھ آپ کی ذات میں تغیر آیا وہ وقت رسالت سے صادق آجاتا ہی لا حول ولا قوۃ۔ حالانکہ یہ گمان فاسد ہے۔ رسول کی جیسی عصمت ذاتی قدیم سے ہے ویسی اس کی معرفت الٰہی بھی قدیم ہے۔ اس کی فطرت نبویہ ابتدا ہی سے علم لدنیہ کے فیوض و مآثر پر فائز ہے۔ وہ ہدایت وارشاد کے لیے صرف ایک مدت خاص تک جس کی مناسبت اور مصلحت کا علم خاص ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہے وہ ماذون و مامور نہیں کیا جاتا ورنہ اس میں تمام اوصاف و علامات نبوت تفویض رسالت کے قبل سے پائے جاتے ہیں۔ ہمارے رسول برحق کے متعلق کتابوں میں کثیر التعداد واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اکابر و عمائد عرب نے قبل از نبوت آپ کو دیکھ کر انہیں محاسن اوصاف و مکارم اطوار کے اعتبار پر آپ کو نبی اللہ ہونے کی صحیح بشارت پہنچائی تھی۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ایسی خبر و واقعات کو ایک علیحدہ باب میں جمع کر دیا ہے۔

اس بنا پر یہ لکھ دینا کہ ہمارے رسول کو چالیس برس تک خدا کا پتہ نہ لگا۔ اور چالیس برسوں کے بعد بعثت کے وقت سے وہ خدا کا شناسا ہوا۔ عقائد مسلمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ نعوذ باللہ اگر بفرض محال ایسا ہی ہے تو پھر چالیس برس تک وہ کس وجود کا قائل اور کس ملک کا سالک تھا؟ اور پھر اس میں اور ورقہ بن نوفل اور عثمان بن حویرث وغیرہ کی ذات و صفات میں کیا فرق مابہ الامتیاز باقی رہا۔

پھر ہم وہی کہیں گے کہ شبلی صاحب شان رسول کو سمجھے ہی نہیں۔ پہلے آپ سمجھ لیں کہ قبل از بعثت انبیاء و مرسلین کے قلوب نورانی

پرکون سے احوال مخصوصہ مستولی ہوتے ہیں۔ وہ ابتدا ہی سے خدا کے وجود کو یکتا اور اس کے ازلی اور ابدی ہونے کا یقین کامل رکھتے ہیں اور اسی طرح ان کو خدا کی تمام ذات وصفات کا علم راسخ اور یقین واثق ہوتا ہے۔ وہ رسالت ونبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے۔ عالم کائنات کے تمام اشیاء اور ان کے تمام افراد واجزا سے اُس صانع برحق اور قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ اور ثبوت قائم کیا کرتے ہیں۔ اور حقیقتاً اس عالم اور اس زمانہ میں وہ اپنی واقفیت علم کو یقین اور پھر یقین کو سکینہ الٰہی کے انتہائی حدود تک پہنچاتے ہیں اور یہیں سے حدود انسانی کی انتہا اور فضائی ملکوتی کی ابتدا ہوتی ہے۔ جس کا پہلا زینہ رسالت ہے۔ ان کے اس غور وخوض اور فکر و تجسس فی ذاتہ کو خاص کر تلاش وجود معبود سے تعبیر کرنا محض غلط فہمی ہے۔ اور یہی غلط فہمی شبلی صاحب کو بھی یہاں لاحق ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہ مطلوب حقیقی کی تلاش نہیں تھی بلکہ اُس غیر مرئی وجود کا ثبوت اس کی ظاہری مخلوقات ومصنوعات کے مشاہدات سے حاصل کرنے کا ریاض تھا۔ اور اس تلاش وجستجو سے معاذ اللہ تشکیہ قلب کا وہم وگمان نہیں کیا جا سکتا بلکہ تسلیہ قلب کا یقین ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم کے اس سوال (اَوَلَمۡ تُؤمن کیا تم مجھ پر ایمان نہیں رکھتے) کے جواب میں فوراً ارشاد فرمایا کہ بَلٰی ولکن لیطئن قلبی۔ ہاں میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں۔ لیکن یہ استفسار صرف اطمینان قلب کی غرض خاص سے ہے۔

اس واقعہ اور اسی کے ایسے خاص حضرت ابراہیمؑ اور مشاہدہ اجرام فلکی حضرت خضر وموسیٰ اور حضرت داوٗد وسلیمان علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے حالات ومستفسراۃ مندرجہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ان حضرات مقدسین کو قبل وبعد رسالت ان مستفسرات سے وجود الٰہی کی خاص تلاش منظور نہیں تھی بلکہ اُس کے ثبوت قدرت کی۔ جو عین ثبوت وجود تھے کیونکہ ذات الٰہی عین صفات ہے اور صفات عین ذات۔ اس غور وخوض اور تلاش وتجسس میں وجود قدرت کی جلوہ آرائی مطلوب تھی اور اس کے مشاہدے اور معائنے درکار تھے۔ جن کے ذریعہ سے ان کی معرفت اور تبلیغ رسالت کی ضروریات میں اور استحکام وتقویت سے دلائل وبراہین بیان کرنے اور دنیا کے آگے بدیہات کی صورت میں مثال پیش کرنے میں آسانی اور سہولت حاصل ہو۔

اب شبلی صاحب سمجھ لیں۔ شان رسولؐ یہ ہے اور اس کی تلاش اور جستجو نہیں مشاہدات قدرت کی طرف تھی نہ اصلی وجود قادر مطلق کی جانب اس بنا پر آپ کا آخر فقرہ آپ کی صریح غلط فہمی پر مبنی تھا۔ جس کی الحمدللہ کامل اور کافی اصلاح کردی گئی۔

شبلی صاحب کسی مضمون کو سلسلہ سے کبھی نہیں لکھتے۔ نزول وحی کی ابتدا آخر مراتب وحی سے کی گئی ہے اور اس کا آغاز واقعہ حرا اور نزول اقرا سے کیا گیا ہے۔ اس سے دینیات کا مبتدی، اس بیان کو پڑھ کر حقیقت وحی کو یہیں تک محدود کردے گا۔ اور سمجھ لے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یکبارگی یوں ہی وحی آسمان سے اتر پڑی۔ شبلی صاحب آپ نے کتاب خاص وعام سب کی واقفیت و اطلاع کے لیے لکھی ہے۔ ہر مضمون کی تفصیل کو خاص طبقات کے علم واطلاع پر منحصر کرکے قلم انداز کردینا عوام کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اس بنا پر آپ کو نزول وحی کے مدارج ومراتب سلسلہ وار (بالاختصار ہی سہی) لکھ کر بتلا دینا نہایت ضروری تھا۔ کہ اُن کی سمجھ میں آجاتا کہ مدبرین قدرت نے اپنے رسول کے پیکر انسانی پر مدارج روحانی کے بار بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل فرمائے ہیں کہ وہ پیکر مطہر اس کے جلال قدرت کو اپنی امکانی قوت کے مطابق سنبھال سکے۔ طرفہ تو یہ ہے کہ حواشی زیریں میں کہیں کہیں حسب العادت ان کا اشارہ

بھی کر دیا گیا ہے پھر نہیں معلوم کس مصلحت سے وہ مضامین وعبارت داخل کتاب نہیں کی گئی۔

شبلی صاحب سے بات بات پر کون الجھا کرے۔ ہم شبلی صاحب کی ان تمام فروگذاشتوں سے قطع نظر کر کے جن کو ہم ان کے مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغراق فی اللہ اور تجسس فی اثبات الوجود المعبود کے عوالم وکوائف کو جن میں مدارج وحی کی حقیقت بھی ضمناً داخل ہے۔ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اور باتفاق جمہور یہ ثابت ہے کہ معارف ربانی اور مکاشف روحانی کے یہ عوالم و مآثر قبل از بعثت آپ کے قلب نورانی پر مستولی رہا کرتے تھے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسول خداصلعم کے حسن معاشرت اور اس کے جائز اور ضروری مشاغل میں آپ کا انہاک دنیا کے لیے اسوہ حسنہ تھے۔ لیکن جیسا کہ شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ بااین ہمہ دست قدرت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا''۔ اس لیے اُس کام کے مقابلہ میں جو منجانب اللہ آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا تھا۔ آپ دوسرے کاموں کو بے مقدار اور بے وجود سمجھتے تھے۔ اور زیادہ تر اسی فرض مخصوص کی طرف متوجہ رہا کرتے تھے۔ وہ فرض مخصوص کیا تھا۔ پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ وہ ذات واجب الوجود کا ادراک اور عالم کائنات کے ہر ہر جزو سے اس کے ظہور قدرت کا ثبوت اور اشیائے مخلوق میں انوار خالق کے مشاہدہ قدرت کا اشتیاق تھا۔ اگر چہ یہ عالم آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخلوق ہوا تھا۔ لیکن خلقت انسانی کے اصول نمو وارتقا کے مطابق جیون جیون سن مبارک میں ترقی ہوتی گئی۔ ان جذبات روحانیت میں بھی افزائش ہوتی گئی۔ تا اینکہ وقت بعثت سن مبارک چالیس برس کا ہو گیا تھا۔ اسی مقدار سے آپ کے ان قلبی اور روحانی انوار معارف میں بھی کامل اضافہ پیدا ہو کر یہ کہاں بھی تکمیل کے درجہ منتہا تک پہنچ گئے۔

انہیں جذبات روحانی کے اثر سے جیسا کہ تمام تاریخ وسیر کے اتفاق اور کتب تفسیر وحدیث کی تفصیل بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ بسا اوقات گھر سے باہر میدانوں، بیابانوں اور کوہستانوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ ہفتوں اور مہینوں کی خوراک اور اتنے دنوں کا پانی اپنے ہمراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور مہینوں بیابانوں اور کوہستانوں میں قدرت الٰہی کے عجائب وغرائب اور اس کی صنعت لامتناہی کے مدارج ومناصب کا براۃ العین مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ اور ان مشاہدات سے اس قادر مطلق اور صانع برحق کے وجود کا ثبوت حاصل فرمایا کرتے تھے تا وقتیکہ ایک شے کی حقیقت کامل طور سے نہ معلوم کر لیتے تھے۔ دوسری شے کی ماہیت کی تلاش کا سلسلہ نہ اُٹھایا جاتا تھا۔ اگر اس درمیان میں کھانے پینے کی چیزیں تمام ہو جاتی تھیں تو گھر واپس تشریف لا کر بقدر ضرورت پھر وہ چیزیں ہمراہ لے لی جاتی تھیں اور پھر انہیں مقامات میں واپس آ جاتے تھے۔

بسا اوقات ان تحقیقات کا مشاہدہ انوار الٰہیات کے ذریعہ سے عالم رویا میں ہو جایا کرتا تھا۔ بعض اوقات الہام، القا اور ندا کے طریقہ سے مسئلہ تحقیق طلب کا فیصلہ آخری آپ کو بتلا دیا جاتا تھا۔ ندا وغیرہ کی حالتوں میں آپ صرف کلمات ندا کو سن لیا کرتے تھے۔ اور ندا کنندہ کو باوجود تفحص وتلاش کے اپنے گرد وپیش کہیں بھی نہیں پاتے تھے۔ دربائے جبل کے خلوتکدوں میں کبھی اپنے وجود فانی سے اس کے وجود باقی اور ازلی کے ثبوت فراہم کیے جاتے تھے۔ یہی آپ کی ابتدائی عبادت تھی۔ جس کو علمائے تاریخ وحدیث نے تحنث کی

خاص اصطلاح سے تمام کتابوں میں لکھا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اس وقت بھی تفکر اور تجسس فی اثبات الوجود۔ آپ کی عین عبادت تھی۔ جن لوگوں نے انبیائے سابقین کے حالات اور خصوصاً حضرت ابراہیمؑ کی تحصیل معرفت کے واقعات یہی پہلی جلد ہے اس جلد کے شروع میں پڑھے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مجاہدانہ تجسس ذات کو حضرت ابراہیمؑ کی تلاش وجود سے بالکل مطابق پائیں گے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کی اس عبادت کے حالات لکھتے ہیں۔ مکہ کے کوہستانی مقامات میں آپ نے جس مقام کو اپنی عبادت کے لیے تجویز فرمایا تھا وہ غار حرا تھا۔ یہ غار مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس کوہستانی سلسلہ میں واقع تھا۔ جس کو جبل فاران کہتے تھے۔ یہ غار طول میں چار گز اور عرض میں پونے دو گز ہے۔ بعثت سے سات برس پہلے انوار الٰہی کی تجلیات اسی غار میں آپ پر ظاہر ہونے لگی تھیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انوار الٰہی کی ضوفشانیوں کو دیکھ کر بے حد مسرور ہوتے تھے۔ مگر ان تجلیات میں کوئی صورت یا اس سے کوئی آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ رحمۃ العالمین ص 29

بعثت کا زمانہ جتنا قریب ہوتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی طبع مبارک میں خلوت گرینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ ان ایام میں آپ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی کوس دور غار حرا میں جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اور شبانہ روز عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کے علاوہ قدرت الہیہ پر تدبر و تفکر بھی داخل تھا۔ اور یہی آپ کی قدیم عبادت تھی۔ جس کو تحنث سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔

قبل ما کان صفة تعبده اجبت بان ذلك بالتفكر و الا عتبار

سوال کیا گیا ہے کہ اُس وقت آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت ہے جو آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلی کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا۔ تو چونکہ تجّلی کی جھلک تھی۔ دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔ انی لا احب الا فلین۔ میں فانی چیزوں کو نہیں پسند کرتا۔ انی و جهت و جهی للذی فطرا لسموت والارض میں اپنا منہ اُسی کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

ایک مغربی مورخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے۔

سفر و حضر میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ہزار سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتبار کروں؟ میں کیا کام کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانوں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے بھی ان سوالوں کا جواب دیا۔ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ گنبد گردان، گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل، ان سوالوں کے جواب نہ دے سکے۔ سیرۃ النبی ص 147، بحوالہ کارلائیل ہیروز

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم خاص کو دیباچہ نبوت سمجھنا چاہیے۔اس عالم کی تکمیل کے بعد آپ پر رویائے صادقہ ہونے لگے۔اوران کے ذریعہ سے انکشاف حقائق ہونے لگے۔اس عالم سے نبوت ورسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔صحیح بخاری کے شروع میں ہے۔

اول ما بدأبہ رسول اللہ صلعم من الوحی الرویاء الصالحۃ فی النوم۔

جس چیز سے پہلے پہل آنحضرت صلعم پر وحی الٰہی نازل ہوئی وہ سچے خواب ہوتے تھے۔

اورخواب ہی کے ذریعہ سے آپ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔جوکچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا۔سیرۃ النبی (حاشیہ زیریں)

اس سے ثابت ہوگیا کہ رویائے صادقہ بھی وحی الٰہی کا ایک شعبہ خاص ہے۔شاہد ہے اس کے ثبوت میں یابنی انی اریٰ فی المنام جس میں ذبح اسمٰعیلؑ کی پوری خبر حضرت ابراہیمؑ کو عالم خواب میں دکھلا دی گئی تھی۔لیکن یہ بھی یقین کر لینا چاہیے کہ یہ خواب انبیاء ومرسلین کے مقدس دائرے تک محدود تھے۔ہمارے آپ کے خواب کو ان سے مناسبت نہیں۔

ابن سعد اس کے متعلق خود آنحضرت صلعم کے یہ اقوال نقل کرتے ہیں انا معشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا ہم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) کی آنکھیں سوجاتی ہیں۔قلوب نہیں سوتے۔پھر ارشاد فرماتے ہیں۔تنام عینائی ولا ینام قلبی میری دونوں آنکھیں سوجاتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔یہ حقیقت ہے انبیا علیہم السلام کے خواب کی ،خواب کی حالت خاص میں انبیا کے قلوب نورانی انکشاف حقیقت کے لیے بیدار اورکشادہ رہتے ہیں۔اس بنا پر اکثر حکمائے اسلام نے انبیاء کے خواب کو بھی یقظان یعنی بیداری میں شامل کیا ہے۔قبل بعثت ایک معتدبہ زمانہ تک اسرار الٰہیات کے انکشافات رویائے صادقہ کے ذریعہ سے ہوتے رہے اس کے بعد نداوالہام کے مدارج وحی آغاز ہوئے۔طبری نے نہایت تفصیل سے اس کی کیفیت لکھی ہے۔ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابی ابن کثیر قال سئلت ابا سلمہ ای القرآن انزل اول فقال یا ایھا المدثر فقلت یقولون اقرا باسم ربك فقال ابا سلمہ سئالت جابر بن عبد اللہ ای القرآن انزل اول فقال یا ایھا المدثر فقلت اقرا باسم ربك الذی خلق فقال لا وتالا ماحدثنا النبی صلعم قال جاورت فی حراء فلما قضیت جواری ھبطت فاستبطنت الوادی فنودیت فنظرت عن عینی و عن شمالی و حلفی و قدامی فلم ارا شیئاً فنظرت فوق راسی فاذا ھو جالس علی عرش بین السماء والارض فخشیت منہ فاتیت خدیجۃ فقلت و ثرونی و صبوا علی ماء قال فدمسودنی و صبو علی ماء بارداً فنزلت یا ایھا المدثر

ابن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ قرآن مجید میں کون سی آیت پہلے نازل ہوئی ہے۔ابوسلمہ نے کہا یا ایھا المدثر۔ میں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں اقرا باسم ربك۔سب سے پہلے نازل ہوا۔ابوسلمہ نے جواب دیا کہ میں نے یہی سوال جابر ابن عبداللہ انصاری سے کیا تھا اورانہوں نے مجھے بتلایا تھا کہ قرآن میں سب سے پہلے یاایھا المدثر نازل ہوا ہے۔میں نے بھی یہی اُن سے کہا تھا۔ جابر بولے میں تمہیں وہی بتلاتا ہوں جو میں نے خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں حسب معمول غارحرا میں غرلت گزیں تھا کہ خدا کا فرشتہ مجھ پر نازل ہوا اور مجھے ندا کی۔میں نے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے ہر چند اُس ندا کرنے والے کی تلاش کی لیکن کسی کو بھی نہ دیکھا۔پھر میں نے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا تو اُس ناکنندہ کو آسمان وزمین کے درمیان معائنہ کیا۔یہ دیکھ کر مجھ پر جلال الٰہی کا رعب طاری ہوگیا۔میں فوراً گھر لوٹ آیا اور خدیجہؑ سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو میرے منہ پر پانی چھڑک دو یہ سن کر انہوں نے مجھ پر کپڑا ڈال دیا اور ٹھنڈا پانی میرے منہ پر ڈالا۔تو وہ کیفیت زائل ہوگئی اس کے بعد ایہ یا ایھا المدثر نازل ہوا۔طبری ص1154 مطبوعہ جرمن

صاحب رحمۃ العالمین نے مشکوۃ باسناد صحیحین اور تاریخی طبری کے متفقہ مرویات سے ماخوذ فرماکر اس واقعہ کو یوں لکھا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو نویں ربیع الاول 41 میلادے (مطابق 2 فروری 610ء کو بروز دوپیر روح الامین خدا کا حکم نبوت لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔اُس وقت آنحضرتؐ غارحرا میں تھے۔روح الامین نے کہا اے محمدؐ بشارت قبول فرمایئے۔آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں جبریل ہوں۔سفرالسعادت مجدالدین فیروز آبادی۔اس کے بعد نبی صلعم فوراً گھر آئے اور لیٹ گئے۔بی بی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو (دثرونی) جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہوگیا ہے۔مشکوٰۃ ص514

نزول اقراء

حسب المعمول ایک دن (باسناد طبری 18 رمضان 41ء) عام الفیل مطابق ٦١٠ء جناب رسالت مآب غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ فرشتہ غیب (روح الامین) نے آکر آپ کو ان الفاظ ربانیہ میں بشارت دی۔

اقرا باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان من علقٍ اقرا و ربك الا کرم الذی علم بأتعلم علم الانسان مالم یعلم

پڑھ (دعوت دی) اُس خدا کے نام سے۔جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت کے

لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اُس خدا کے بزرگ نام سے یعنی اُس خدائے بزرگ کے نام پر تمام لوگوں کو دعوت دے۔ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھلائیں کہ جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آپ اس واقعہ کے بعد اسی وقت گھر واپس تشریف لائے۔ تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ آپ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور جو عبری زبان جانتے تھے۔ اور توریت و انجیل کے ماہر تھے انہوں نے آنحضرت صلعم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے کہا کہ آپ متردد نہ ہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ تو انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بلا شبہ یہ الفاظ نکلے ''مجھ کو ڈر ہے''۔ لیکن یہ تردد یہ ہیبت۔ یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگران کی عظمت کا تخیل تھا) آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔

صحیح بخاری باب التعبیر ین ہے کہ چند روز تک وحی رک گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعتاً حضرت جبریل نظر آجاتے تھے اور کہتے تھے۔ اے محمدؐ تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اُس سے آپ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں تک رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ اور پھر حضرت جبریلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اوّل کی شرح میں معترضین کا اعتراض نقل کیا ہے کہ ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اور ہو تو کسی عیسائی (ورقہ) کے کہہ دینے سے کیا تسکین ہو سکتی تھی۔ پھر ایک مشہور محدث کا جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے۔ اس کا تحمل دفعتاً نہیں ہو سکتا۔ پہلے آنحضرت صلعم کو خواب کے ذریعہ سے اس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتاً فرشتہ نظر آیا تو آپ بمقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔ محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما سمع کلامہ ایقن بالحق و اعترف بہ

جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آ گیا اور اپنے آپ اس کا اعتراف کر لیا۔

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ وحی بار بار اس لیے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اس کی برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد 2 ص 317، مطبوعہ مصر

لیکن جبکہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے۔ اس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں۔ جس سے راہب بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کر لیا۔ جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا۔ اور جسمانی آلائش نکال کر پھینک دی تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا کہ جس سے آپ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہو رہا تھا۔ اور اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور بار بار حضرت جبریل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا کسی اور پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی کہ میں خدا ہوں تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا تھا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک تمام ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہیں۔ سیرۃ النبی جلد اوّل ص 14-15

الحمد للہ شبلی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ بہت جلد اپنے اسلاف کی غلط فہمیوں کو سمجھ گئے اور اس بنا پر کہ تقلید اسلاف کی کچھ حد بھی ہے۔ آخر کہاں تک؟ آپ کو بزرگان سلف پر طیش آ ہی گیا۔ اور پھر فور طیش میں آپ نے بلا تامل اور بلا خیال پس و پیش کتب صحاح سے لے کر ابن حجر اور امام زہری تک۔ ایک ایک کی پوری خبر لے لی۔ نہ بخاری صاحب کا ادب کیا اور نہ مسلم صاحب کا لحاظ، اور نہ خود اس وقت کی پر جوشی میں اپنے اعترافات و مسلمات کا کوئی خیال رہا۔ جس کو آپ اپنے دست و قلم سے بایں الفاظ دیباچہ سیرۃ النبی میں لکھ چکے تھے کہ صحیح بخاری اور مسلم نے ایک غلط کیسی ضعیف تک روایت اپنی کتابوں میں نہیں لکھی۔ اب انہیں شبلی صاحب نے ان حضرات کی اتنی مرویات پر سرے سے قلم پھیر دیا۔ اب شبلی صاحب خود فرمائیں کہ آپ کا دیباچہ والا یہ اصول کہ حدیثوں کی کتابوں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں پر ضرور ترجیح ہے اس لیے کہ ان میں ایک حدیث بھی غلط اور ضعیف نہیں۔ آپ ہی کی اس تنقید و تردید سے صحیح ثابت ہوا یا غلط۔ لا حول ولا قوۃ۔ اس عبارت تنقیدی کو تمام کر کے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ چونکہ مرقومہ بالا روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے اس لیے نہ قابل اعتبار ہے نہ لائق استناد۔

اس وقت اپنی ضرورت سے آپ جو چاہیں کہہ لیں۔ لیکن سب سے پہلے تو سوال بخاری و مسلم صاحبان سے ہے کہ یہ حضرات نقادانِ فن اور استادانِ احادیث کیسے تھے۔ جو روایات میں بلاغات اور متصلات کی بھی تمیز نہیں رکھتے تھے شبلی صاحب امام زہری کو ضرورت وقتی سے مجبور ہو کر جیسا کچھ نہ کہہ دیں۔ مگر خدا کے لیے آگے پیچھے کا بھی خیال رکھیں۔ انہیں امام زہری کی مدح و ثنا میں (دیباچہ ص 15) کتنی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ذرا اس کا بھی خیال رہے۔ اور اگر اوپر نہیں خیال کیا جاتا تو اصول عقائد کے مطابق تو ادب اسلاف تو ضرور واجب ہے۔ دیکھئے امام زہری کون ہیں؟ تابعین ہیں اور خیر التابعین کے القاب اضافی سے ہمیشہ کتابوں میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ پھر تابعین کی مرویات کو آپ کے علمانے اتنا مرتبہ دے رکھا ہے کہ مرویات صحابہ اُن سے فروتر ہیں۔ اور تابعین کے مرویات میں یہ ایسی خصوصیت ہے جس کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں بلاغات و مرسلات تابعین کی نسبت آپ نہ زبان ہلا سکتے ہیں اور نہ ایک حرف منہ سے نکال سکتے ہیں۔ تاوقتیکہ تقلید اسلاف کا قلاوہ گردن سے اُتار نہ لیجیے۔ اور ان تمام غلط اصول عقائد صحابہ و تابعین کو

اپنے ہاتھوں سے نہ ہٹا لیجیے۔ فافہم فتدبر۔

شبلی صاحب کی غلط فہمی کی اصلاح:

شبلی صاحب کی اتنی صفائی اور خامہ فرسائی کی کوششوں کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ معترضین کے اعتراض اپنی جگہ پر ویسے کے ویسے ہی قائم ہیں۔ اور آپ ہوں یا آپ کے اسلاف کسی صاحب سے حقیقتاً اصل مدعائے اعتراض کا جواب نہ ہو سکا۔ آپ نے اپنے قدیم طریقہ تکذیب وتضعیف رواۃ ومرویات کا خانگی جھگڑا پیش کر کے جواب تو خاک دیا۔ صریح دفع الوقتی کر دی۔ آپ کو بار بار لکھ کر بتلا دیا گیا کہ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے مقابلہ میں اپنے رواۃ مرویات کی تکذیب وتضعیف کی ترکیب مفید کار نہ ہوں گے۔ وہ اس کے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کہ آپ کا فلاں راوی قابل وثوق ہے یا نہیں۔ یا اس کی فلاں روایت قابل اعتماد واستنباد ہے یا نہیں اگر وہ راوی اور ان کی روایتیں جھوٹی ہیں یا سچی تو وہ آپ ہی کی ہیں اور آپ ہی تنہا اس کے جوابدہ ہیں۔ اس بنا پر یہ آپ کی مرقومہ بالا عبارت تنقیدی معترضین کے لیے قابل تشفی واطمینان نہیں۔ باوجود آپ کی اتنی طولانہ صفائی کے بھی معترضین کا یہ اعتراض کہ پیغمبر عرب کو (نعوذ باللہ) نزول وحی ہونے پر بھی اپنی نبوت کا یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ جبرئیل کے بار بار یقین دلانے پر بھی پورا تیقن نہ ہوا۔ لیکن ایک مرد عیسائی مذہب ورقہ بن نوفل کے کہہ دینے سے آپ کو اپنی نبوت پر اعتماد واعتبار کلی حاصل ہو گیا۔ ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے۔

قیامت کی کہ آپ نے سند میں ایک لامعلوم الاسم محدث کا یہ قول لکھ دیا۔

فلما سمع کلامہ ایقن النبی و اعترف۔

جب آپ نے اُس کا (ورقہ بن نوفل کا) کلام سنا تو آپ کو حق کی پہچان ہوئی۔

اس نے معترضین کی تعریض کو پوری قوت پہنچا دی۔ خوف الٰہی طاری ہونے تک کا جواب۔ آپ کے گمنام محدث نے جس کا نام اور جس کی کتاب کا نام خدا جانے کس مصلحت سے آپ بتلانا نہیں چاہتے تو مناسب اور فی الواقع ہے لیکن ورقہ سے دریافت کر کے اعتراف نبوت حاصل کرنے کو لکھ کر اس نے تو ایسی فاش غلطی کی ہے کہ حقیقتاً شان مخصوصۂ نبوت اور صفات منصوصۂ رسالت ہی پر قلم پھیر دیا۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ شبلی صاحب نے بھی بایں دعوے دقیق النظری اس پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ لیکن دنیا حقیقت شناسوں سے خالی نہیں۔ اگر ایک آپ کی نظر اصلیت اور حقیقت تک نہ پہنچ سکی تو کیا مولانا محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری صاحب رحمۃ العالمین کسی قدر اس کی حقیقت تک پہنچ گئے اور انہوں نے مفصلہ ذیل عبارت میں معترضین کا ایک حد تک اطمینان دہ جواب دیا ہے۔

اس واقعہ (نزول وحی) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ اس فقرے سے حضور کا مطلب مشکلات نبوت کا بیان تھا۔ خدیجۃ الکبریٰؑ نے کہا۔ نہیں آپ کا ڈر کا ہے کا ہے میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، رانڈوں یتیموں اور بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں اور مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ اصل مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے

ہیں۔ خدا آپ کو کبھی اندوہ گین نہ فرمائے گا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ باسناد صحیحین)

اب خدیجہ الکبریٰ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اس لیے وہ نبی صلعم کو ساتھ لے کر اپنے رشتہ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبریل کے آنے، بات کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ فوراً بول اُٹھا یہی وہ ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ ہوتا۔ جب آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا قوم مجھے نکال دے گی۔ ورقہ بولا ہاں۔ اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی اُس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہی ہے۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت کروں۔ مشکوٰۃ باسناد صحیحین، ص514

عبارت مرقومہ بالا سے کس قدر حقیقت کا انکشاف ہوگیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بعثت اور حصول منصب رسالت کے متعلق نزول ملک اور حصول وحی کے وقت ہی سے ایسا یقین واثق ہوگیا تھا کہ کسی سے استفسار و افادہ کی مطلق ضرورت نہیں تھی جو شان رسالت و منصب نبوت سے عقلاً اور نقلاً مستبعد ہے۔ اور درحقیقت یہ تیقن یہ استغنا رسالت کا عین مدعا اور نبوت کا خاص مقتضا تھا۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے (اگر مرویات صحیحین صحیح ہیں) غالباً اپنے اطمینان قلب اور مزید تشفی کے لیے ورقہ بن نوفل کے پاس آپ کو لے جا کر اس وجہ سے آپ کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنی ہوگی کہ وہ علی الاکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک رسول ظاہر ہونے والا ہے۔ جو ابلیس اور اس کے لشکر پر غالب آئے گا۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا تصدیق رسالت کی غرض سے اپنے برادر عم زاد ورقہ کے پاس خود آپ کو لے کر تشریف لے گئی تھیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نہ خود ورقہ کے پاس تصدیق رسالت کی غرض سے گئے تھے اور نہ آپ نے خود خدیجہ کو بھیجا تھا۔

شبلی صاحب تقلید اسلاف کے ایسے والہ و شیدا ہیں کہ واقعہ کی حقیقت و اصلیت بھی اصل ماخذوں میں تلاش کر لینا پسند نہیں فرماتے۔ اس واقعہ کی نسبت چونکہ غلط طور پر عموماً مشکوٰۃ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم خود یا حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا آنحضرت کو لے کر ورقہ کے پاس آئیں۔ اور جب ورقہ نے آپ کا بیان لے کر آپ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کر لی۔ تب آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا یقین ہوا جیسا کہ ابھی ابھی صحیحین کے حوالہ اور مشکوٰۃ کی عبارت سے تحریر ہو چکا۔ شبلی صاحب نے بھی بے دیکھے بھالے اسی کو حرف بہ حرف نقل فرما دیا۔ کم سے کم آپ نے تاریخ طبری اٹھا کر اس وقعہ کو اُس میں دیکھ لیا ہوتا تو آپ کو فوراً حقیقت کا پتہ لگ جاتا۔ اور کتب تاریخ پر کتب حدیث کو ہر مقام و موقع پر ترجیح دیئے جانے کا غلط معیار جو آپ نے دیباچہ کتاب میں قائم کیا ہے ثابت ہوجاتا۔ امام المؤرخین ابن جریر طبری مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت یوں لکھتے ہیں:

فقالت خدیجۃ البشر یا بن عم واثبت فوالذی نفس خدیجۃ بیدہ انی الا رجوان تکون نبی ھذہ الامۃ ثم قامت فجمعت علیھا ثیابھا ثم الظلقت الی ورقۃ

بن نوفل بن اسد هو ابن عمها و كان ورقة قد تنصراً و قراء الكتب و اسمع من اهل التوراة والانجيل فاخبرته مما اخبرها به رسول الله صلعم انه راى و سمع فقال ورقه قدوس قدوس والذى نفس ورقه بيد كنت صدقتى يا خديجة لقد جاء ه الناموس الاكبر يعنى بالناس جبريل عليه السلام الذى كان يأتى موسىٰ وانه لنبى هذه الامة فقولى له فلثيث فرجعت خديجة الى رسول الله صلعم فاخبرته بقول ورقه (طبری ص 1151، مطبوعہ جرمن)

بیان نزول وحی کو آنحضرت صلعم سے سن کر حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے کہا۔ یا بن عم آپ کو بشارت ہو۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ سب صحیح و ثابت ہے۔ اور اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبیؐ ہیں یہ کہہ کر حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنے کپڑے پہنے اور اپنی برادر عم زاد ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس آئیں۔ ورقہ عیسائی طریق کے آدمی تھے۔ عیسائی علما سے علم توریت و انجیل حاصل کر چکے تھے جب خدیجہؑ نے ورقہ سے وہ خبریں بیان کیں جو رسول اللہ صلعم سے سن کر آئی تھیں۔ اور ورقہ نے اُن کو سن لیا اور ان پر غور کیا تو پکار اُٹھا قدوس، قدوسٌ۔ اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ورقہ کی جان ہے اگر یہ سچ ہے جو کچھ تم نے بیان کیا ہے تو اے خدیجہؑ وہ ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ یہ وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا اور تحقیق کہ وہ (آنحضرت صلعم) اس اُمت کے نبیؐ ہیں۔ میری طرف سے جا کر ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے مدعا پر ثابت قدم رہیں۔ یہ سن کر جناب خدیجہ وہاں سے واپس آئیں۔ اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا سب آ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔

تاریخ طبری کے مرقومۂ بالا عبارت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم خود بغرض تصدیق رسالت ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یا جناب خدیجہؑ اس غرض سے آپ کو لے گئیں۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے صحیحین کے اسناد سے لکھ کر بتلایا ہے۔ تو ایسی حالت میں معترضین کے اعتراض کی تائید آپ ہی کی کتب حدیث سے ہوئی نہ کہ تاریخ سے۔ تو پھر ان کی تردید وتنقید کی آپ کیسے ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ خاص سے تو آپ کے گمنام محدث صاحب نے بھی مرویات صحیحین ہونے پر اعتبار کر کے اس کو قبول کر لیا ہے اور لکھ دیا ایقن بالحق و اعترفه اور آپ نے بھی تقلیداً اُسے تسلیم کر لیا۔ شبلی صاحب حالت موجودہ سے خود سمجھ لیں کہ معترضین کے اعتراض کا جواب کہاں ہوا۔ یہ روئداد تو عین اقبال وایجاب بتلاتی ہے۔ اب فرمایا جائے کہ ایسا سراپا غلط واقعہ جو سراسر مناقص رسالت ہے۔ آپ کی

حدیث کی کتابوں میں نقل ہے یا تاریخ کی کتابوں میں خود ملاحظہ فرمالیا جائے۔تاریخ میں جو واقعہ نقل ہے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔وہ معیار رسالت اور اقتدار نبوت کے بالکل مطابق ہے۔بخلاف اس کے جو کچھ آپ کی حدیث کی کتابوں میں سے لکھا گیا ہے۔وہ شان رسالت اور نبوت کے سراسر مخالف اور مناقص ثابت ہوتا ہے۔اور یہی معترضین کے تمام اغراض کی بنا ہے۔ جب صورت حال ایسی قائم ہوتی ہے تو آپ ناحق موقع بے موقعہ تاریخ کی کتابوں پر حدیث کی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

نہ شبلی صاحب کو خبر ہے اور نہ اُن کے آئمہ حدیث کو کہ ورقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب ملے۔وہی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نزول وحی۔اور حصول رسالت کے بعد جب اس نعمت کے ادائے شکریہ کے لیے آپ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں ورقہ سے ملاقات ہوئی۔اور جس تقدیس وعظمت سے ورقہ نے آپ کی تعظیم وتکریم کی وہ تاریخ طبری کے مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فانصرف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الکعبۃ فطاف بہا فلقیہ ورقہ بن نوفل و ھو یطوف بالبیت فقال یامن اخی اخبرنی بما رایت اوسمعت فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لہ ورقہ والذی نفس ورقہ بیدہ انك لبنی ھذہ الامۃ و لقد جاءك الناموس الا کبر الذی جاء الی موسیٰ ولتکذبتہ و لتوذینہ ولتخرجنہ ولتفاتلنہ و لئن انا ادرکت ذلك لا نصرن اللہ نصراً یعلمہ ثم ادنی راسہ فقبل ماخوہ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں طواف کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے،ورقہ آپ کو طواف میں مشغول دیکھ کر آپ کے پاس چلے آئے اور کہنے لگے اے میرے بھتیجے تم نے کیا چیزیں مشاہدہ کی ہیں یا سنی ہیں مجھ سے کہو۔تو جناب رسول خدا نے تمام باتیں ان سے کہہ دیں۔ورقہ سن کر کہنے لگے قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدررت میں ورقہ کی جان ہے۔کہ تم اس اُمت کے نبیؐ ہو۔اور بے شک تم پر وہی ناموس اکبر نازل ہوا ہے۔جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا ہے۔لوگ تمہاری تکذیب کریں گے تمہیں ایذا دیں گے،تمہیں خارج البلد کریں گے اور تمہارے ساتھ جنگ وقتال کریں گے۔اگر میں اُس زمانہ تک زندہ رہتا تو میں تمہاری نصرت کرتا اور خدا تمہاری نصرت کرے گا۔پھر اپنا سر قریب لا کر آپ کی پیشانی انور کا بوسہ لیا۔ص 1152 جز من۔

یہ مشاہدہ تاریخی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ آپ کو کوئی ان کے پاس لے گیا۔بلکہ نزول جبریل اور وصول اقراء معاودت دولت مرا اور تصدیق وایجاب حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا غرض ان تمام

واقعات کے بعد جب آپ حسب معمول خانہ کعبہ کے طواف کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو ورقہ ملا اور جو کچھ ان کے درمیان گفتگو ہوئی وہ طبری کی زبانی اوپر نقل کر دی گئی۔ قریب قریب تمام تاریخوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور حقیقتاً واقعہ بھی یہی ہے اور اتنا ہی ہے۔ باقی سب کتابوں کا طومار ہے۔ اور زیادہ تر انہیں طومار سے عیسائی معترضین نے اپنے گمراہانہ اور مغویانہ دفتر سیاہ کیے ہیں۔ تعجب ہے کہ متعصبین یورپ، تاریخ طبری میں اس کی حقیقت حل کو دیکھ کر جسے خود انہوں نے چھاپ کر شائع کیا ہے۔ ذرا بھی شرماتے نہیں۔ حدیثوں کی اسی طومار بیکار کے سلسلہ میں التوائے وحی کی حالتوں میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتشار و اضطراب کے متعلق ان کا یہ بیان کہ نعوذ باللہ آپ پہاڑ کی چوٹیوں پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور اس اضطراب والتہاب کی خاص اور انتہائی حالتوں میں خدانخواستہ آپ اپنی جان عزیز دے دینا چاہتے تھے۔ بالکل لغویات اور مہملات ہیں۔ جس کی تردید و تکذیب خود شبلی صاحب بھی فرماتے ہیں۔ لیکن ہمیں بھی اتنا لکھ کر بتلا دینا ضروری ہے کہ خدا کا سچا رسول جو خاص کر جائز اور ناجائز امور، حلال اور حرام کا سب سے بہتر جاننے والا اور ان امور کے متعلق صحیح طریقہ عمل بتلانے والا ہے۔ بالنفس نفیس خودکشی کے ایسے اخلاقی، مذہبی اور سیاسی جرم پر اقدام کرنے اور نعوذ باللہ حرام موت مرنے پر آمادہ ہوگا۔ ان هذا العبد الابعاد۔ کیا جاہل سے جاہل بھی کوئی مسلمان اس کو مانے گا۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ دنوں تک وحی کے رک جانے سے آپ کو ایک فکر و تعلق لاحق حال ضرور ہو جاتا تھا اور یہ آپ کے خشیۃ اللہ کا باعث تھا۔ اور پھر جب وحی آنے لگتی تھی تو فوراً اطمینان خاطر بھی ہو جاتا تھا۔ بات اتنی تھی کتنی بڑھا دی گئی۔ افسوس ہے کہ بات بڑھانے ولوں نے اپنی باتوں کو تو بہت کچھ بڑھا دیا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی شان رسالت کو بالکل گھٹا دیا۔ ان تمام طومار اور قیاسات دوراز کار کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ شہود تاریخی سے کہہ کر بتلا دیا گیا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ کوئی آپ کو ان کے پاس لے گیا۔ رسول صلعم کو علم لدنیہ کے ذریعہ سے اپنی رسالت و نبوت کا بالنفس نفیس خود یقین کامل تھا اور کسی کی تصدیق و توثیق کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔

نزول وحی کو تنزیل اقراء سے آغاز سمجھنا، دوسری غلط فہمی ہے۔ جو اکثر علمائے حدیث و تاریخ کو پیدا ہوگئی ہے۔ اس سے قبل جیسا کہ ہم اقسام وحی کے بیان میں مختصراً لکھ چکے ہیں۔ انوار تجلیات کے مشاہدات رویائے صادقہ کے واقعات ندا و صدائے غیب کے خطابات اور القا و الہام کے خاص حالات مختلف صورتوں میں قبل از نزول وحی روح القدس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوا کرتے تھے۔ اور یہی مدارج وحی الٰہی ہیں جن کی علماء و حکمائے اسلام نے ستر قسمیں بتلائی ہیں۔ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے منجملہ ستر اقسام وحی کے چھ صورتوں کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب کی جلد اول صفحہ 272-278 تک میں بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نزول وحی کی ابتدا اسی واقعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن اور رسالت و نبوت کا اعلان آج ہی کے دن ہوا۔ آج تک خدا کا رسول تبلیغ و تعلیم دین الٰہی کے لیے ماذون و مامور نہیں فرمایا گیا تھا۔ گویا آج سے وہ منصب تبلیغ رسالت اور عہدہ ارشاد و ہدایت پر منجانب اللہ ماذون فرمایا گیا۔ حقیقت اتنی تھی قیاسات وظنیات کا اتنا طومار لگا دیا گیا کہ اللہ کی پناہ۔

تبلیغ رسالت

نبوت کا پہلا سال

شبلی صاحب رقم طراز ہیں:

خاتم الانبیا علیہ والہ والتحیۃ والثنا کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔اس لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے۔اس غرض کے لیے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جاتے تھے۔جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے۔جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھیں۔حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔زیدؓ تھے۔جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیض یاب خدمت تھے۔سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔پھر اور بزرگوں کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔سیرۃ النبیؐ

یہ تدریج و تدبیر بھی رسول صلعم کی ذاتی تجویز نہیں تھی۔بلکہ قدرت کی تدبیر تھی اور مشیت کی تربیت۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ بہت بڑا راز تھا۔ہم شبلی صاحب کی طرح اس کو پرخطر تو کہہ نہیں سکتے۔پُراثر البتہ کہہ سکتے ہیں۔اور کیونکر نہ ہوتا۔خداوند عالم اسی راز کو نباء العظیم کے خاص الفاظ سے تعبیر فرما چکا ہے۔اور یہ امر بھی بالکل مطابق فطرت ہے کہ انسان اپنے تمام راز کا بالعموم آغاز انکشاف اپنے معتبر ترین محرم راز سے کرتا ہے۔اور اس صفت خاص میں جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے بڑھ کر ممتاز اور کون ہو سکتا ہے۔خدا کے محرم راز نے۔خدا کے اس راز کو سب سے پہلے اپنے محترم راز سے کہا۔صدیقہ کبریٰؑ نے فوراً تصدیق کر لی۔شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔وہ سننے سے پہلے ہی مومن تھیں۔بالکل واقعہ ہے۔نہ کوئی قلم آرائی نہ طبع آزمائی۔اب اس کی حقیقت اور واقعیت طبری کے خاص الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمه عن ابن اسحاق و اما بنعمة ربك فحدث ای ماجاءك من الله من نعمة و کرامة من النبوة فحدث ای فکر هادا دع الیها قال فجعل رسول الله صلعم بذکر ما انعم الله علیه و علی العباد ته من النبوة سرا الی من یطمان الیه من اهله فکان اول من صدقه و امن به و اتبعه من خلق الله فیما ذکر ذجة خدیجة بنت خویلد رحمها الله۔ طبری، ص 1156

ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحاق سے۔ آیہ اما بنعمة ربك فحدث کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ یا رسول صلعم جو نعمت کہ خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے تم لوگوں سے اس کو بیان کرو یعنی امور نبوت جو تم پر مبذول ہوئے ہیں۔ ان کو بندگان الٰہی سے بیان کرو اور اس کی طرف لوگوں کو بلاؤ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول کے بعد سے آنحضرت صلعم نعمت ہائے نبوت اور کرامت ہائے رسالت کو۔ جو آپ پر تبلیغ عبادت کی غرض سے نازل فرمائی گئیں تھیں بیان کرنے پر مستعد ہو گئے لیکن آپ نے اس کو بالکل بطور راز پہلے اپنے لوگوں سے ظاہر کیا۔ جن لوگوں پر آپ کو پورا اطمینان تھا۔ اور انہیں سب سے پہلے یہ رازوں سے بیان کیا گیا وہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ تھیں جو تمام بندگان الٰہی میں سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے والی، آپ پر ایمان لانے والی اور آپ کی اطاعت واتباع فرمانے والی ہوئیں خدا اُن پر رحم فرمائے۔ اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ اِدھر مخبر صادق کی زبان سے دعوۃ اسلام کے الفاظ نکلے اور اُدھر صدیقہ کے جلدی سے لبیک کے جواب تصدیق برآمد ہوئے۔ اس واقعہ سے تو حضرت خدیجہ کا استعجال فی الایجاب ثابت ہوا۔

اب شبلی صاحب کے اس لکھنے کا بھی کہ حضرت خدیجہ اس پیام کے سننے سے پہلے مومن تھیں۔ ثبوت بھی ملاحظہ ہو۔

فقالت خدیجه یا بن عم لعلك رائت شیئًا قال فقلت لها نعم ثم حدثتها بالذی رائت فقالت البشر یا بن عم و اثبت فوالذی نفس خدیجه بیده انی لا رجوا ان تکون النبی هذه الامة

جب آپ نزول وحی سے مشرف اور جلال الٰہی سے سراپا موثر ہو کر دولت سرا میں تشریف لائے تو آپ کو اس غیر معمولی انداز وحال کو دیکھ کر جناب خدیجہؑ نے پوچھا کہ کیا آپ نے آج کچھ (نیا مشاہدہ) دیکھا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ پھر جو کچھ نزول فرشتہ اور وصول وحی الٰہی کے متعلق مشاہدہ فرمایا گیا تھا۔ جناب خدیجہؑ سے ارشاد فرمایا گیا۔ یہ سن کر جناب خدیجہؑ نے فرمایا اے ابن عم آپ کو بشارت ہو۔ آپ اپنے ارادے پر ثابت قدم رہیے۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے پیغمبرؐ ہیں۔ طبری صفحہ 1151

اس واقع سے ثابت ہو گیا کہ جناب رسول خدا صلعم نزول وحی کے مشاہدات کا صرف دہرانا تھا کہ جناب خدیجہؑ نے اُس کی

تصدیق فرمائی۔ حالانکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت کے بیان سے تبلیغ و دعوت منظور نہیں تھی۔ بلکہ صرف اظہار حالت۔ کیونکہ حضرت خدیجہؑ نے آپ پر ایک نئی حالت طاری دیکھ کر استعجاباً استفسار کیا تھا۔ اُس کے جواب میں جو حالت خاص تھی بیان کردی گئی یہ سنتے ہی جناب خدیجہؑ نے جس استقلال و استقامت سے تصدیق رسالت فرمائی ہے۔ وہ الفاظ مندرجہ بالا سے ثابت ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت تک آنحضرت صلعم نے دعوت کے قصد سے جناب خدیجہؑ سے نہ ارشاد رسالت کیا تھا اور نہ خود خدیجہ کبریٰ ؑ نے اس وقت تک ورقہ کے پاس جاکر رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اپنا اطمینان کیا تھا۔ ان تمام صورتوں میں یہ تاریخی واقعہ جناب خدیجہؑ کی تصدیق صاف الفاظ میں قبل از اجرائے دعوت نبوت ثابت کرتا ہے۔ اس لیے شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ سننے سے پہلے جناب خدیجہؑ مومن تھیں، بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔

عالم تاریخی کے علاوہ دنیائے حدیث میں صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی تصدیق رسالت میں سبقت ملاحظہ فرمائی جائے۔ امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں:

و کان اوّل من امن باللہ و صدق صدیقۃ النساء خدیجۃ

سب سے پہلے جو خدا پر ایمان لایا اور تصدیق رسالت کی وہ صدیقۃ النسائے خدیجہؑ ہیں۔

علامہ عبدالباقی زرقانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق و موسیٰ ابن عقبہ والوا قدی و الا موی وغیر ھم و قال النودی و ھو الصواب عند جماعۃ المحققین و حکی الثعلبی و ابن عبد البر والسھیلی علی الاتفاق و قال ابن الاثیر لم یبقد مھا رجل ولا امراء ۃ با جماع المسلمین۔

زرقانی جلد اول، ص 287

ابن اسحاق، موسیٰ ابن عقبہ واقدی اور اموی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام نودی کہتے ہیں کہ جماعت محققین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ متفق علیہ، امام ثعلبی۔ علامہ ابن عبدالبر اور امام سہیلی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ تمام جماعت مسلمین میں کوئی مرد یا کوئی عورت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے پہلے اسلام نہیں لائی۔

امام قسطلانی قبل از دعوت حضرت خدیجہؑ کی تصدیق رسالت کے واقعہ کو جس کو ہم کس قدر اوپر لکھ آئے ہیں با یں الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

فقال لھا علیہ الصلوٰۃ والسلام خشیت علی نفسی فقلت لہ البشر فو اللہ لا یحزنك اللہ ابدا ثم استدلت بما فیہ من الصفات والا خلاق والشیم علی ان من

كان كذلك لا يجزی ابدا ۔ مواهب لدنيه

واقعہ نزول وحی بیان فرما کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؑ نے فرمایا کہ آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم، خدا تمہارے ساتھ کوئی مواخذہ نہیں کرے گا اور اپنے اس قول پر آنحضرت صلعم کے محاسن عادات اور مکارم اخلاق کے تمام صفات موجودہ کو بیان فرما کر ارشاد کیا کہ جو شخص ان صفات حسنہ سے موصوف ہو اس کے ساتھ کبھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی شرح میں علامہ زرقانی رقم طراز ہیں:

و هو من بديع علمها و قوة عارضتها ۔ یہ استدلال حضرت خدیجہ کے کمالات علم و یقین کے عجائبات اور آپ کی توت کلامیہ و استدلالیہ کے نوادرت سے ہے۔ زرقانی جلد ا، ص 287

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی سبقت فی الاسلام

جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بعد حضرت صدیق الاکبر، فاروق الامۃ، اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب تصدیق رسالت فرما کر مشرف بایمان ہوئے۔ ابن ہشام اور طبری میں ہے:

قال ابن اسحق كان اول ذكر من الناس امن برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و صلے و صدق بما جاء من الله تعالىٰ على ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ها شم و هو ابن (۳) عشر سنين يومئذ و كان مما انعم الله على على ابن ابی طالب رضی الله انه كان فی حجر رسول الله صلعم

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مردوں میں سب سے پہلے جو شخص جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اُن تمام امور پر جو منجانب اللہ آپ کے اوپر نازل کیے گئے تھے۔ ایمان لایا اور تصدیق کی وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ ابن عبد المطلب بن ہاشم تھے۔ اُس وقت ان کا سن دس برس کا تھا اور خدا نے تمام لوگوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کے شامل حال فرمائی تھی، وہ یہ تھی کہ آپ بچپن سے آغوش رسولؐ میں پرورش پا رہے تھے۔

۱۔ طبری لکھتے ہیں:

عن زيد بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول الله صلعم على ابن ابی طالب

جوشخص جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرسب سے پہلے ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔
منقول از زید بن ارقم۔

۲۔عن جابر بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنین و صلے علی یوم الثلثاء

جابر بن عبداللہ الانصاری سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو پیر کے دن مبعوث برسالت ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ نے منگل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

۳۔عن عباد بن عبد اللہ قال سمعت علیا یقولا نا عبد اللہ و اخو رسولہ وانا صدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب۔ مفتر صلیت مع رسول اللہ صلعم قبل الناس سبع سنین

عباد ابن عبداللہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور صدیق اکبر۔اور میرے بعد جوکوئی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا اور مفتری۔کیونکہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ تمام لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھا کرتا تھا۔

اس دعویٰ بیان کی شہادت عینی بھی ملاحظہ ہو۔طبری لکھتے ہیں:

عن عفیف قال جئت فی الجا ھلیة الی مکة فنزلت علی العباس بن عبد المطلب قال فلما طلعت الشمس و حلقت فی السماء و انا انظر الی الکعبة اقبل شاب فرمی ببصرہ الی السماء ثم استقبل الکعبة فقام مستقبلھا فلم یلبث حتے جآء غلاما فقام عن یمینه قال فلم یلبث حتے جاء ت امرا ۃ فقامت خلفھما فرکع الشاب فرکع الغلام وامرۃ فرفع الشاب فرفع اعلام والمرۃ فخر الشاب ساجدا فسجد معاً فقلت یا عباس امر عظیم فقال امر عظیم أتدری من ھذا فقلت لا قال ھذا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ابن اخی اتدری من ھذا معه فقلت لا قال ھذا علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب ابن اخی اتدری من ھذہ الامرا ء ۃ التی خلفھما قلت لا قال ھذہ خدیجة بنت خویلد زوجة ابن اخی و ھذا

حدثنی ان ربك رب السماء امر هم بهذا الذی تراهم علیه و ایم الله ما اعلم علی ظهر الارض کلها احدا من هذا الدین غیر هو الاء الثلاثة۔ طبری، ص 161 جرمن

عفیف سے منقول ہے کہ ایام جہالت میں مکہ گیا اور عباس ابن عبدالمطلب کے پاس مقیم ہوا۔ جب آفتاب طلوع ہوکر آسمان پر چاروں طرف پھیل گیا تو میں کعبہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس اثنا میں ایک جوان شخص کعبہ میں آیا اور اُس نے اپنا سر بلند کرکے آسمان کی طرف دیکھا پھر کعبہ کا بوسہ لیا۔ پھر کعبہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا۔ کچھ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ایک نوجوان لڑکا آیا اور آکر اُس جوان شخص کے داہنے طرف کھڑا ہوگیا۔ پھر کچھ دیر نہ لگی تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اس اثنا میں وہ جوان شخص رکوع میں گیا تو وہ نوجوان اور وہ عورت بھی رکوع میں گئی۔ پھر وہ جوان کھڑا ہوگیا اور اُس کے ساتھ ہی وہ نوجوان اور وہ عورت بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر وہ جوان شخص سجدے میں گیا اور اس کے ہمراہ یہ دونوں بھی سجدے میں گئے عفیف کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ تو امر عظیم ہے۔ یہ سن کر عباس نے کہا کہ البتہ امر عظیم ہے تم جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا کہ جوان شخص محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ عباس نے کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ پھر عباس نے پوچھا جانتے ہو یہ عورت کون ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجے محمدؐ کی زوجہ ہیں۔ انہوں (محمد صلعم) نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کا خدا پیدا کنندہ زمین و آسمان ہے اور اُسی نے اس امر کے کرنے کا ان کو حکم دیا ہے جو تم دیکھتے ہو۔ اور قسم خدا کی اس وقت تک میرے علم میں سوائے ان تین آدمیوں کے روئے زمین پر کوئی دوسرا ایک بھی اس دین پر نہیں ہے۔

شبلی صاحب خود رقم طراز ہیں:

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علی ہیں جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے (تربیت پانے کا شرف اوپر بیان ہو چکا ہے)۔

شبلی صاحب نے چونکہ اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس لیے مجھے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کی سیرۃ النبیؐ میرے پیش نظر ہے۔ ہمارا موضوع تالیف زیادہ تر اُسی کے اختلاف۔ استخفاف اور دیگر معائب ومناقص کے انکشافات واصلاحات تک منحصر ہے۔ سبقت اسلام کے مسئلہ کو محدثین متاخرین نے جیسی جیسی قیاسی

رنگ آمیزیوں سے چمکایا ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے خیریت سے اس کی حقیقت اور واقعیت کو مان کر میرے لیے اس کی زائد تفصیل وتشریح کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت زید کا اسلام۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بعد زید تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔

ابن ہشام لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق ثم اسلم زيد بن حادثه بل شرجيل بن كعب بن عبد العزى بن امرء القيس الكلبى ولى رسول الله صلعم و كان اوّل ذكر اسلم وصلى بعد على ابن ابيطالب عليه السلام؛ ص75 مصر۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ شرجیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرالقیس کلبی۔ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد اسلام لائے اور نماز پڑھی۔

ابن ہشام کے اسی قول کو طبری نے بھی اپنی تاریخ میں بلفظہ نقل کر دیا ہے۔ ص1168

حضرت ابوبکرؓ کا اسلام طبری میں لکھا ہے:

ثم اسلم ابن بكر بن ابو قحافه الصديق

پھر حضرت ابوبکرؓ بن ابوقحافہ الصدیق اسلام لائے۔

ابن ہشام، ص76 میں بھی عبارت درج ہے۔ اور شبلی صاحب نے بھی یہی ترتیب نقل کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں (زید کے بعد) حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیض یاب خدمت تھے۔

لیکن طبری نے آپ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایتوں کو لکھ کر آخر میں یہ روایت لکھ دی ہے۔

عن محمد رضی اللہ عنہما بن سعيد قال قلت لا بى أكان ابو بكر رضی اللہ عنہ اولكم اسلاما فقال لا ولقد اسلم قبله اكثر من خمسين ولكن كان افضلنا اسلاما

محمد ابن سعید ناقل ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ ان سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن ان کا اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے افضل تھا۔

یہاں تک تو شبلی صاحب نے سابقین اسلام کی ترتیب سلسلہ وار قائم کی ہے۔ اس کے بعد سلسلہ بیان کو پریشان کر دیا ہے۔ حالانکہ تاریخ وحدیث کی کتابیں بھی صحابۂ اولین کی قبولیت اسلام اور مشرف بایمان ہونے کے متعلق ترتیب وار سلسلہ ثابت کر رہی ہیں۔

بہر حال اگر حضرت ابوبکرؓ کے پچاس آدمیوں کے بعد اسلام لانے والی روایت کو جس کو امام طبری نے اپنی مرویات کے آخر

میں لکھا ہے قابل اعتبار نہ سمجھا جائے اور ترتیب مشہورہ کے مطابق آپ کو چوتھے نمبر میں شمار کیا جائے تو پانچویں ابوذر، چھٹے خالد ابن سعید ابن العاص، ساتویں عمر ابن عتبہ السلمی ثابت ہوتے ہیں۔لیکن تاریخ و حدیث کی کتابوں میں ان بزرگواروں کے باب میں اس قدر اختلاف کثیر ہے کہ بالاخر کوئی صاحب اس کا تصفیہ نہ کر سکے کہ آخر ان تینوں حضرات میں کون بزرگ پہلے ایمان لائے (ا) طبری میں مرقوم ہے۔

قال الواقدی اسلم معھم خالد بن سعید بن العاص خامسا واسلم ابو ذر قالوا ارابعاہ اوخامسا واسلم عمر ابن عقبۃ السلمی فیقال رابعا اوخامسا انما اختلف عندنافی ھولاء النفرا یھم اسلم اول ذلك روایات کثیرۃ قال فیختلف فی الثلاثۃ المتقدمین وفی ذلك ھولاء الذین کتبتا بعدہ۔ طبری

واقدی کا قول ہے کہ ان کے ساتھ خالد ابن سعید بن العاصؓ اسلام لائے وہ شمار میں پانچویں مسلمان تھے۔ پھر ابوذر اسلام لائے وہ چوتھے تھے یا پانچویں۔(آخر طبری گھبرا کر لکھتے ہیں) ہمارے نزدیک اس میں اختلاف کثیر ہے کہ ان تینوں بزرگوں (خالد، ابوذر اور عمر بن عتبہ) میں کون بزرگ پہلے اسلام لائے۔ان تینوں متقدمیں اسلام اور ان کے بعد کے ایمان لانے والے مسلمانوں کے باب میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے بہت سی روایات مختلفہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ واقدی ہوں یا طبری۔ایسے مقام میں مورخ اور محقق کی مجبوری ظاہر ہے۔لیکن اس مسئلہ کے حل کی صرف یہی صورت باقی ہے کہ ان تینوں حضرات کا اسلام باندک تفاوت ایک ہی روز میں تسلیم کیا جائے۔

اس بحث تقدیم میں طبری، ابن ہشام اور دیگر کتب احادیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور حضرات نے حضرت ابوبکر کے اسلام لانے کے بعد انہیں کی تحریک وترغیب سے اسلام کو قبول کیا تھا۔وہ حضرت عثمان، طلحہ اور زبیر وغیرہم آٹھ حضرات تھے۔ ان حضرات کو بھی متقدمین میں شمار کیا گیا ہے لیکن تعجب ہے کہ ان کو شمار تو کر لیا ہے لیکن نمبر شمار نہیں بتلایا ہے۔لطف تو یہ بالاتر ہے کہ ان لوگوں کے بعد جو حضرات مشرف باسلام ہوئے خالد بن سعیدؓ، ابوذرؓ اور عمر ابن عقبہ، ان کو شمار بھی کیا ہے اور ان کا نمبر شمار بھی بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ہشام اور طبری سے ترجمہ وخلاصہ کر کے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ، دولت مند، ماہر نصاب، اصحاب الرائے اور فیاض تھے۔ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔غرض کہ ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا۔اور معززین شہر ان سے ہر باب میں مشورہ لیتے تھے۔ارباب روایت کا بیان ہے کہ صحابہ کبار میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حصرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ سب انہیں کی ترغیب وہدایت سے اسلام لائے۔بحوالہ اصابہ فی احوال الصحابہ۔

اس تفصیل و بیان سے ان حضرات کی حقیقت قبول اسلام تو ضرور معلوم ہوئی۔ لیکن نہ ان کے قبول اسلام کا وقت و زمانہ معلوم ہوا اور نہ نمبر شمار و تعداد بخلاف ان کے حضرت ابوذر، خالد بن سعید وغیرہ کے مشرف باسلام ہونے کی کیفیت اگرچہ ان لوگوں کے بعد لکھی گئی ہے لیکن صاف صاف لکھ کر بتلا دیا گیا ہے کہ یہ حضرات چوتھے یا پانچویں نمبر کے بزرگوار تھے۔ اس لیے مورخین و محدثین کا ان حضرات کے لیے شمار اور عدد خاص قائم کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کے اسلام لانے سے ضرور پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اس بنا پر ابوذرؓ، خالد بن سعید وغیرہ حضرت عثمان، طلحہ اور زبیر وغیرہم سے سبقت اسلام میں مقدم تھے۔

ہم ان سعادت مندانِ ازلی میں سے چند بزرگواروں کے تفصیلی حالات ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسلام لانا۔ امام عبدالبر استیعاب جلد اول میں لکھتے ہیں:

عن ابی حمزۃ عن ابن عباس لما بلغ اباذر مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بملۃ قال لاخیہ اینس ارکب الی ھذا الوادی واعلم لی ھذا لرجل الذی بن عم انہ یأتیہ الخیر من السمآء واسمع قولہ ثم اتنی وانطلق الاخ حتے قدم مکۃ وسمع من قولہ ثم رجع الی ابوذر فقال رایتہ یا مر بمکارم الاخلاق و سمعت منہ کلا ماما ھو بالشعر فقال ما اشفیتنی فیما اردت فنزو دوحمل شنتۃ لہ فیھا ماء حتے قدم مکۃ فانی المسجد و فالتمس النبی صلعم فلم یعرفہ و کرہ ان یسال منہ حتے ادرکہ اللیل فاصطجع فواہ علی ابن ابی طالب فقال کان الرجل غریب قال نعم قال انطلق الی لمنزل فانطلق معہ لا یسئالنی عن شیءٍ ولا اسئالہ قال فلما اصبحت من الغدر جعت الی المسجد فبقیت یومی حتے امسیت و سرت الی مضجعی فمر لی علی فقال ان الرجل ان یعرف منزلہ و اقامہ و ذھب بہ و ما یسئال واحداً منھا صاحبہ عن شی حتی اذا کان یوم الثالث فعل مثل ذلک فاقامہ علی معہ ثم قال لہ الا تحدثنی مالذی اقدنک ھذ البلد قال ان اعطیتنی عھدا ومیثاق الترشد فی فعلت فافعل فاخبرہ علی رضی اللہ عنہ انہ نبی و ان ماجاء بہ حق وانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم فاذا اصبحت فاتبعنی فانی رائت شیئًا اخاف علیک قمت کانی اریق الماء فان مضیت فاتبعنی حتی یدخل معی مدخل قال فانطلقت افقوہ حتے دخل علی رسول صلعم و دخلت

معه حئت و رسول الله صلعم بتحية الاسلام فقلت السلام الله فكنت اول من حياه بتحية الاسلام فقال عليك السلام من انت قلت رجل من بنى غفار فعرض على الاسلام فاسلمت و شهدت ان لا اله الا الله وان محمد ارسول الله فقال رسول الله صلعم ارجع الى قومك ذاخبر هم و اكتم امرك من اهل مكة فانى اخشا هم عليك فقلت والذى نفسى بيده لا صوتن بها بين ظهر اينهم فخرج حتے اتى المسجد فنادى بأعلى صوته اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد ارسول الله فتاد القوم عليه فضربواه حتى اصجعواه واتى العباس فاكب عليه و قال ويلكم الستم تعلمون انه من غفار وان فى طريق تجارتكم الى الشام وانقذه منهم ثم عاد من الغد مثلها و ثادواليه فضربواه فاكب عليه العباس فانقذه ثم لحق لقومه فكان هذا اول اسلام ابو ذر الغفارى (۱) استعياب جلد اول۔

ابی حمزہ ابن عباس کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں مبعوث ہونے کی خبر ابوذر غفاری کو معلوم ہوئی تو ابوذر نے اپنے بھائی انیس سے کہا کہ اُس وادی میں جا کر اس آدمی کی خبر لاؤ جس کو یہ زعم ہے کہ آسمان سے اس کے پاس خبر آتی ہے تم اس کے قول کو سن آؤ۔ اور واپس آ کر مجھ سے بیان کرو۔ ان کے بھائی انیس وہاں سے چلے مکہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کے ارشاد کو سنا اور حضرت ابوذر کے پاس واپس جا کر کہنے لگے کہ میں نے اُس بزرگ کی اقوال و ارشاد کو بالکل مکارم اخلاق کے اصول پر مبنی پایا اور ان کے کلام میں ایسی شیرینی پائی جو اشعار عرب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ سن کر حضرت ابوذر نے فرمایا کہ تاوقتیکہ میں خود وہاں نہ جاؤ میری خاطر خواہ تسکین و تشفی نہیں ہوتی۔ پس اسی وقت وہ روانہ ہوئے اور صرف ایک چھوٹی سی بوسیدہ مشک اپنے ساتھ لے لی جس میں پانی بھر لیا۔ اور مکہ کی مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلعم کی زیارت سے مشرف تو ہوئے مگر آپ کو پہچان نہ سکے اور نہ کسی سے پوچھنے کی جرات ہوئی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ یہ وہیں سو گئے۔ ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت علی ابن ابی طالب نے ان سے آ کر دریافت کیا کہ تم کوئی مرد مسافر ہو، بولے ہاں۔ علیؑ نے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ ابوذر کا بیان ہے کہ میں وہاں سے اٹھ کر آپ کے

مکان پر آیا مگر میں نے نہ آپ سے پوچھا اور نہ آپ نے مجھ سے کچھ استفسار فرمایا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اور پھر میں صبح سے مسجد میں آ کر تمام دن بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ تو پھر میں اپنی فرودگاہ کی طرف واپس آیا۔ اور پھر حضرت علی میرے پاس آئے اور کہا کہ اس شخص کی حالت پر تعجب ہے کہ یہ میرے ساتھ تو مقیم ہے اور میرے ہی ساتھ آتا جاتا ہے لیکن بااین ہمہ آج تک مجھ سے کسی امر کے متعلق نہیں پوچھا۔ خیر تیسرا دن ہوا اور اُس دن بھی ایسا ہی ہوا۔ تو پھر حضرت علیؑ بن ابی طالب میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے آیا تم مجھ سے اس شہر میں اپنے آنے کا کچھ سبب کہہ سکتے ہو ابوذرؓ نے کہا ہاں البتہ مگر آپ مجھ سے یہ عہد و پیمان کر لیجئے کہ آپ مجھے ہدایت پانے کے طریقے بتلا دیں گے کہ میں اس کے مطابق تعمیل کروں۔ حضرت علیؓ نے مجھے بتلایا کہ وہ بزرگ نبی اللہ ہیں اور جو کچھ اُن پر خدا نے نازل فرمایا ہے سب صحیح و برحق ہے وہ جناب احدیت کی طرف سے عہدہ رسالت پر مامور فرمائے گئے ہیں۔ جب صبح ہو تو تم ہمارے ساتھ چلنا اگر میں تمہارے لیے کسی شے کا خوف دیکھوں گا تو آب افتادہ کی طرح ٹھہرا رہوں گا اس کے بعد تم میرے ساتھ ساتھ آنا اور جہاں میں جاؤں، وہاں جانا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں پھر آپ چلے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ آپ جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں آئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا۔ میں نے بطریقہ اسلام آنحضرت صلعم کو سلام کیا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ اور میں پہلا شخص ہوں جس نے طریقہ و آداب اسلام کے مطابق آنحضرت صلعم کو سلام کیا۔ میرے جواب میں آنحضرت نے فرمایا تم کون ہو۔ میں نے عرض کی کہ میں قبیلۂ غفار کا ایک آدمی ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حقیقت اسلام مجھ پر ظاہر کی اور میں اسلام سے مشرف ہوا۔ کلمۂ شہادت کو پڑھا اشھدان لا الٰہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ پھر اس کے بعد آنحضرت صلعم نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم اپنے قبیلہ کی طرف واپس جاؤ اور اپنے اسلام لانے کے معاملہ کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھو کیونکہ یہ لوگ سن لیں گے تو تم پر ظلم و ستم کریں گے۔ ابوذرؓ نے عرض کی کہ قسم اس کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تو سب کے سامنے جا کر اس امر کا باآواز بلند اعلان کروں گا یہ کہہ کر وہ آپ کی خدمت سے اٹھے۔ مسجد میں آئے اور باآواز بلند فرمانے لگے اشھدان لا الٰہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ، یہ سنتے ہی تمام قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے یہاں

تک کہ یہ زخمی ہو گئے۔ اس اثنا میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب آ گئے اوران کے بچا لینے کی غرض سے ان پر گر پڑے اور مشرکین سے کہنے لگے۔ افسوس ہے تم پر کیا تم نہیں جانتے ہو کہ قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔ جو قبیلہ تمہارے قافلہ تجارت کی راہ شام پر واقع ہے۔ پھر ان کو ان لوگوں کے پنجہ سے چھڑا دیا۔ پھر دوسرے دن صبح کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر مشرکین قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو مارنے لگے۔ حضرت عباس پھر ان پر گر پڑے اور اس ترکیب سے ان کو بچا لیا۔ اس کے بعد حضرت ابو ذر غفاریؓ اپنے قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ یہ حضرت ابو ذر کے اوائل اسلام کے حالات تھے۔

امام عبدالبر لکھتے ہیں:

و كان من كبار الصحابة قديم الاسلام يقال اسلم بعد اربعة فكان خامسا۔

استعیاب جلد دوم، ص 264

ابو ذرؓ سبقت اسلام کے اعتبار سے اکابرین صحابہ سے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ چار آدمیوں (خدیجہ، علی، زید اور ابو بکرؓ) کے بعد اسلام لائے اور پانچویں مسلمان ہیں۔

استعیاب کی تفصیلی عبارت سے جو اوپر لکھی گئی ہے ثابت ہو گیا ہے کہ اسلام کی معرفت اور بانی اسلامؐ کی تصدیق حضرت ابو ذرؓ نے اپنی غایت تحقیق سے حاصل کی تھی۔ جو ان کے کمال فہم اور حسن عقل وشعور کا کافی ثبوت ہے۔ مکہ معظّمہ میں داخل ہونے پر بھی حقیقت اسلام کے متعلق نہایت احتیاط سے کامل تین دن تک غور فرماتے رہنا اور دربار رسالت تک باریابی کے لیے ایک ایسے بزرگ معتبر کو اپنا راہ نما بنانا۔ جو مدینہ رسول کا باب العلم مشہور ہے۔ یہ تمام امور ان کی خوش وقتی، خوش قسمتی اور خوش انجامی کی دلیل واضح تھے۔ حقیقتاً یہ اسلام کی حقانیت اور روحانیت کے اصلی ثبوت ہیں کہ محض ابتدا ہی سے اس میں عظمت وشہرت اس سرعت وعجلت کے ساتھ دور دور پھیل گئی کہ طالبان ہدایت اور حاجت مندانِ حقیقت بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے آتے تھے۔ اور اسلام سے فیض یاب ہوتے تھے۔

حضرت عمار ابن یاسرؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام لانا

حضرت عمار یاسر اور ان کے قبیلہ کے مشرف با یمان ہونے کے متعلق تحریر ہے:

وجاء الله بالاسلام واسلم ياسر وابنه عمار وامه سميه وعبدالله اخو عمار بن ياسر وكان اسلامهم قديم بمقا في اول الاسلام وكان رضى الله عنهم ممن يعذب في الله وكان رسول الله صلعم يمر بهم وهم يعذبون فيقولون صبرا ياً آلِ ياسر وقد فعلت ومن حديث ابن شهاب عن اسمعيل بن عبدالله بن جعفر عن ابيه

قال مر رسول الله صلعم بیاسر و عمار وام عمار و هم یؤ ذون فی الله فقال لهم صبر ایاال یاسر انی موعد کم الجنة استعیاب جلد دوم، ص236

جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ ان کے صاحبزادے عمار، عمار کی ماں سمیہ، عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسر اسلام لائے۔ ان حضرات کا اسلام ابتدا اسلام ہی سے قدیم تھا۔ اور یہ وہ بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کی طرف سے ظلم وعذاب بے حساب کیا گیا تھا۔ جب ان لوگوں پر ظلم کیا جاتا تھا تو اتفاق سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ادھر سے گزرے۔ ان حضرات کو اس عالم میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ آئے آل یاسرؓ صبر کرو۔ اے پروردگار تو آل یاسر کو ان کے اعمال کی بدلہ میں بخش دے اور ابن شہاب کی روایت کے مطابق اسمٰعیل ابن عبداللہ ابن جعفر اپنے باپ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم کا گزر آل یاسر، عمار، ابن عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا کہ ان لوگوں پر ظلم وستم کیا جارہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

طفیل ابن عمر دوسی کا اسلام لانا

مولانا محمد سلیمان صاحب، سلمان منصوری زادالمعاد ابن القیم کے حوالہ سے اپنی کتاب رحمۃ العالمین جلد اول میں طفیل ابن عمر دوسی کے متعلق لکھتے ہیں۔

انہیں دنوں طفیل ابن عمر دوسی مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا اور نواحی یمن میں ان کے خاندان کی رئیسانہ حکومت تھی۔ طفیل بذات خود شاعر اور دولت مند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اس کی خدمت اور تواضع کی طفیل کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اہل مکہ نے بھی بتلا دیا تھا کہ جو شخص ہم میں سے نکلا ہے ذرا اُس سے بچے رہنا اس کو جادو آتا ہے۔ جادو سے باپ بیٹے، شوہر وزن اور بھائی بہن میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام کو ابتر کر رکھا ہے ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری قوم پر بھی کوئی ایسی مصیبت پڑے اس لیے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے کہ تم نہ اُس کے پاس جانا نہ اُس کی بات سننا اور نہ خود بات چیت کرنا۔ یہ باتیں انہوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تھا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا تھا تاکہ محمدؐ کی آواز کی بھنک بھی میرے کان میں نہ پڑے۔ ایک روز میں صبح ہی خانہ کعبہ میں گیا۔ نبی صلعم نماز پڑھ رہے تھے چونکہ خدا کی مشیت ایسی ہی تھی کہ ان کی آواز میری سماعت تک ضرور پہنچے۔ اس لیے میں نے سنا کہ وہ ایک نہایت عجیب کلام پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں، باعلم ہوں، اچھے بُرے کی تمیز رکھتا ہوں، پھر کیا وجہ ہے اور کون سی روک ہے کہ میں ان کی بات نہ سنوں، اچھی بات ہوگی تو مانوں گا۔ ورنہ نہیں مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کر کے ٹھہر گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

واپس گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اور جب حاضر ہوا تو نبی صلعم کو اپنا واقعہ مکہ میں آنے کا، لوگوں کے بہکانے، کانوں میں روئی رکھنے اور آج حضور کی زبان سے کچھ سن پانے کا کہہ سنایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سنایئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھا۔ بخدا میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو۔ الغرض طفیل اس وقت مسلمان ہو گیا۔ جیسے قریش بات بات میں مطاع ومخدوم کہتے تھے وہ بات کی بات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل وجان سے خادم اور مطیع بن گیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت شاق اور ناگوار گزرا۔ بحوالہ زاد المعاد جلد اول صفحہ 493و494

ضماد بن ثعلبہ ازدی کا اسلام لانا

مولانا شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اوّل میں بذیل تذکرہ ضماد بن ثعلبہ ازدیؓ تحریر فرماتے ہیں۔

ضمادؓ بن ثعلبہ خواز وکے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص تھے۔ نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لڑکوں کا غول ہے مکہ کے کفار آنحضرت صلعم کو مجنون کہتے تھے۔ لڑکوں کا غول دیکھ کر ضماد نے بھی یہی قیاس کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلعم) میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے حمد وثنا کے چند موثر جملے ادا کیے۔ ضماد مسلمان ہو گیا۔

اس واقعہ کا مختصراً ذکر امام نسائی اور مسلم نے بھی لکھا ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل جلد ا، ص302 میں مرقوم ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول، ص144 بحوالہ اصابہ واستعیاب امام عبدالبر کی جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد۔

خالد بن سعید بن العاص کا اسلام لانا

امام عبدالبر استعیاب میں بذیل تذکرہ خالد ابن سعید بن العاص لکھتے ہیں۔

خالد ابن سعید بن العاص یکنی ابا سعید اسلم قدیما یقال انہ اسلم بعد ابو بکر الصدیق فکان ثالثا او اربعة و قیل کان خامسا و قال ضمرہ ابن ربیعه کان اسلم خالد مع ابو بکر الصدیق

خالد ابن سعید بن العاص جن کی کنیت ابا سعید ہے قدیم الاسلام میں کہا گیا ہے کہ وہ ابو بکر الصدیق کے بعد ایمان لائے۔ اس لیے وہ تیسرے مسلمان ہیں یا چوتھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پانچویں مسلمان ہیں۔ ضمر ابن ربیعہ کا بیان ہے کہ خالد ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ ایمان لائے۔

انہیں سابقین اسلام میں مقداد ابن جندب، جناب بن الارث، سعید بن زید بن ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، عبیدہ، بلال، ابوفکیہہ اور صہیب رومی بھی داخل ہیں۔

مقداد ابن جندب کا اسلام

شبلی صاحب کی کوتاہ قلمی بڑی موقع شناس ہے۔ سابقین اسلام آپ فرداً فرداً تمام حضرات کا نام لکھ کر بتلا گئے۔ لیکن حضرت مقداد ابن جندب کا بھولے سے بھی کہیں نام نہیں لیا گیا حالانکہ استیعاب میں ابن عبدالبر میں جو وقت تالیف آپ کے ہمیشہ پیش نظر تھی۔ یہ عبارت صاف صاف لکھی ہوئی ہے۔

اوّل من اظھرا الا سلام سبعة رسول الله صلے الله علیه واله وسلم و ابو بکر و عمار و امه سمیه و صھیب و بلال و المقداد جلد اوّل، ص 58

پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمار اور ان کی ماں سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد

تین برس تک تبلیغ رسالت کا مخفی انتظام

پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ نے جس تیزی سے کامیابی حاصل کی اور اس کی تعلیم نے جیسی جلد جلد ترقی پائی ویسی کسی دوسرے مذہب نے نہیں۔ بعثت سے چند دنوں میں ان سعادت مندوں نے جن کے نام اوپر لکھ کر بتلا دیئے گئے ہیں۔ اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت سے شرف یابی اور بہرہ اندوزی حاصل کی۔ واقعات بتلا رہے ہیں کہ ان میں زیادہ تر وہی حضرات ہیں جن کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی خاص تعلق اور واسطہ بھی نہیں تھا۔ یہ صرف اسلام کی حقانیت تھی۔ اور جناب سید الانامﷺ کی تعلیم پاک روحانیت، جنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے روحانی فیوض کا اتنا اثر پہنچایا کہ تمام بیگانے عقیدت اور محبت میں اپنے اور یگانے نظر آنے لگے اسلام کی یہ کامیابی کچھ اپنے ہی وطن اور اہل وطن تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ اس وقت سے دور دراز مقامات میں آپ کی مقدس تبلیغ اور پاک تعلیم کی شہرت سن کر وہ لوگ جو عرصہ سے انوار حق کے متلاشی تھے حاضر ہو ہو کر شرف یاب اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری، طفیل ابن عمر دوسی، ضماد بن ثعلبہ ازدی، عمر ابن عبسۃ السلمی وغیرہم انہیں سعادت مندانِ ازلی میں تھے۔

لیکن بقول شبلی صاحب کے یہ جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ تاریخ طبری میں ہے:

فی السنین الثلث من مبعثه الی ان امر باظھار الدعاء الی الله مستتراً مخفیاً امره و انزل علیه و انذر عشیرتك الا قربین۔

بعثت سے تین برس بعد تک حضرت کو حکم تھا کہ اپنے امر کو بطور راز مخفی رکھیں اور پھر اس کے بعد (تین برس گزر جانے پر) آیہ وا فی ھدایه و انذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ) کے مطابق اظہار امر کا حکم نازل ہوا۔

حدیث وتاریخ کی متفقہ مرویات سے ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین الٰہی کی تعلیم و تعمیل کی دونوں صورتوں کونہایت خرم واحتیاط سے مخفی رکھا کرتے تھے۔ منشاء قدرت بھی یہی تھی اور مقتضائے مصلحت بھی یہی۔ دین الٰہی کی تعلیم وتلقین تو خلوت کی صحبتوں میں ہوتی تھی۔ جن میں وقتاً فوقتاً لوگ حاضر ہوکر مشرف با اسلام ہوا کرتے تھے۔ یہ حاضری بھی بڑی حفظ واحتیاط کے ساتھ ہوتی تھی۔ عمرابن عبسۃ السلمی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف امور تبلیغ ہی کے مخفی رکھے جانے کا حکم نہیں تھا بلکہ ذات مقدس کو نظر عام سے محفوظ رکھنے کا بھی خاص طور پر فرمان تھا۔ اس لیے کہ تعلیم ایمان سے تحفظ جان مقدم تھا۔

خلوت کی یہ مخفی تعلیم بعد بعثت وقت نزول آیہ فاصدع بما تو مروا عرض عن المشرکین (اپنی رسالت کے امور منصبی کو ظاہر کرو اور مشرکین سے علیحدہ رہو) سے شروع ہوئی اور آیہ وا فی ھدایہ و انذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ) کے وقت نزول تک قائم رہی۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلعم ہی کے خرم واحتیاط اور صبر وثبات کا یہ حوصلہ تھا اور آپ ہی کے عزم واستقلال کی یہ ہمت کہ کفار مشرکین کے درمیان بتیس دانتوں میں ایک زبان بن کر اپنی ذمہ داری کو ایسی راز داری اور خبر داری کے ساتھ من احسن الوجوہ انجام دیئے گئے اور انہیں مخفیانہ طریقے اور راز دارانہ ذریعے سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا یہاں تک کہ تین برس میں مسلمانوں کی معتد بہ جماعت تیار ہوگئی۔

حدیث وتاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ فرائض اسلام میں پہلے دو رکعت نماز کی تعلیم فرشتہ غیب سے آنحضرت صلعم کو پہنچائی گئی۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں:

وجوب نماز

ان الصلوٰۃ حین افترضت علی رسول اللہ صلعم اتاہ جبریل و ھو یأعلی مکۃ فھمزلہ بعقبۃ فی ناحیۃ الوادی فانفجرت منہ عین فتوضاء جبریل علیہ السلام و رسول اللہ ینظر الیہ لیریہ کیف الطھور للصلوٰۃ ثم انصرف جبریل فجاءٓ رسول اللہ خدیجۃ فتوضآء لھا یریھا کیف الطھور للصلوٰۃ کما اراہ جبریل فتوضاءت کما توضاء رسول اللہ ثم صل بھا رسول اللہ صلعم کما صلی بہ جبریل فصلت بصلاتہ۔ ص 1157

جب فریضہ نماز کے وجوب کا حکم ہوا تو حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت مکہ کے بالائی حصہ میں تھے۔ حضرت جبرئیلؑ آپ کو اس وادی کے ایک طرف گھاٹی میں

لے گئے اور وہاں ایک چشمہ جاری کر کے پہلے جبرئیلؑ نے وضو کیا اور آنحضرت صلعم ان کے وضو کے طریقہ وعمل کو دیکھتے رہے کہ وہ نماز کے لیے طہارت کا کیسے سامان کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد آپ نے اسی طرح وضو کیا۔ جیسا جبرئیل کو دیکھا تھا، پھر جبرئیلؑ نے نماز پڑھی اور آنحضرت صلعم نے بھی ویسی ہی پڑھی۔ پھر وہاں سے آپ واپس ہو کر گھر میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہؑ کے سامنے اُسی طریقہ سے وضو کیا جس طرح جبرئیل کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ پھر حضرت خدیجہؑ نے بھی اُس ترکیب وعمل سے وضو کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ کے ساتھ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پڑھی گئی تھی۔

یہاں تک تو ہم نے مخفی ذریعہ سے دین الٰہی کی تعلیم وتبلیغ کے حالات لکھ دیئے اب ہم اس کے فرائض وواجبات کے حالات لکھتے ہیں۔ مولانا شبلی صاحب رقم طراز ہیں۔

ان ایام (اخفا) میں جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں اپنی نماز ادا کرتے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جاری تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھتے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب آنکلے۔ ان کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا یہ کون سا دین ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے دادا حضرت ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔ ابو طالب نے کہا میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا۔ لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔

پہلے غربائے امت نے دعوت اسلام قبول کی

شبلی صاحب اس مقام پر سابقین اسلام کی غربت وافلاس میں مشرف باسلام ہونے کو اسلام کی حقانیت کا کافی ثبوت ٹھہرایا ہے۔ اور اس سرعت وعجلت کے ساتھ اس مقدار وحیثیت کے لوگوں میں تبلیغ اسلام کے ترقی کرنے سے مخالفین اسلام کے اس مغویانہ تعریض کا جواب تردیدی نکالا ہے جو عالم فریبی کی غرض خاص سے دنیا کو یہ بتلاتے ہیں کہ معمورۂ عالم میں مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم ان کی تحریر کو قابل نقل سمجھ کر ملخصاً ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔ لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینی چاہیے۔ یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں جبکہ اسلام لانا جان ومال سے ہاتھ دھونا تھا۔ کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے۔ یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے۔ مثلاً عمار، جناب، ابوفکیہ، صہیب وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی

تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تو روٴسا قریش ہنس کر کہتے تھے۔ اھولاء من اللہ علیھم من بیننا (یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے)۔ کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کے تحقر کا باعث تھا۔ لیکن یہی چیز تھی جن کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انہیں کے ہاتھ آسکتی تھی۔ دولت و مال ان کے قلب کو سیاہ نہیں کر چکا تھا۔ فخر وغرور ان کو انقیادِ حق سے روک نہیں سکتا تھا۔ ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرض ان کے دل ہر قسم کے رنگ سے پاک تھے اور حق کی شعاعیں ان پر دفعتاً پرتوفگن ہو سکتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ انبیا کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوا کرتے تھے۔ عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا۔

مانرمك ابتعك الا الذين هم ارا ذلنا بادي الرائے و ما ترىٰ لكم علينا من فضل بل نظنكم كذبين

ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی انہیں لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

ان نادارانِ قوم کی سبقت فی الاسلام کے اسباب وعلل میں جیسا کہ شبلی صاحب کا نظریہ ہے سوائے ان کے خلوص ومحبت کے اور کون سا باعث بتلایا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر مخالفین کا یہ مغویانہ خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا کس قدر لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی تو اسلام کی تبلیغ کے لیے ظاہری اعلان کا حکم بھی نہیں ہے۔ بانی اسلام ﷺ تعلیم ایمان سے پہلے اپنی حفاظت جان قائم رکھنے کی بنا پر محض خلوت اور مخفی مقامات میں دین الٰہی کی تعلیم اور واجبات مذہب کی تعلیم کے لیے بڑی تاکیدوں کے ساتھ مامور فرمائے گئے ہیں۔ ابھی تو نہ اسلام کے ہاتھ میں تلوار نہ اس کی کوئی فوج ہے اور نہ کوئی رسالہ تیار۔ صرف اس کی اعجاز بیانی اور صدق زبانی اور محاسن اخلاق کی یہ تاثیر ہے کہ جو سنتا ہے وہ اس کا مطیع ومنقاد ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں معترضین ان لوگوں کی قبول اسلام کا ذریعہ تلوار کی دھار کو کیسے بتلا سکتے ہیں۔ جو کل تین برس کے اندر سینکڑوں کے تعداد میں مکہ معظّمہ اور اس کے گردونواح سے آآکر مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

مخالفین اسلام اگر تھوڑی دیر کے لیے تعصب کا حجاب اپنی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا دیں تو حقیقت حال کا نہایت آسانی سے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اسلام نہ کوئی نئی شریعت لایا ہے اور نہ اس نے اپنے نصاب وحکم شریعہ کی نسبت کسی نوعیت کا دعویٰ کیا ہے بلکہ وہ تمام انبیاء ومرسلین گذشتہ کی بشارتیں اور شریعتیں ثابت اور کامل کر دینے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام تعلقات ابتدا سے لے کر انتہا تک قریب قریب تمام شریعت ہائے سابقہ سے مطابق ہوں۔ امم سابقہ کی گذشتہ مثالوں سے کماحقہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ جس طرح انبیائے سابقین پر پہلے ایمان لانے والے زیادہ تر نادار اور مفلوک الحال افراد ملک وقوم ثابت ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسلام کی ابتدائے تبلیغ وتعلیم کے ایام میں بھی علی الاکثر یہی حضرات دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کو اس مقام پر طول دینا قبل ازوقت سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی تفصیلی بحث اپنے مقام مناسب پر قلم بند کی جائے گی۔

ابتدا میں اظہار اسلام کی مضرت

شبلی صاحب ابن اثیر کے اسناد سے اوپر لکھ چکے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز چاشت حرم محترم میں جا کر پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ نماز مذہب قریش میں بھی جاری تھی۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مشرکین قریش کو آنحضرت صلعم کے امور سے انکار تو ضرور تھا۔ لیکن یہ اکراہ و انکار مخالفت اور مخاصمت کی مہیب صورتوں میں ابھی تک تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنی جہالت وضلالت کی تقاضہ سے طعن و تشنیع اور تعریض کے کلمات بکتے اور اسلام پر آوازہ کستے رہتے تھے جیسا کہ اھو لاء من اللہ علیھم بیننا کے الفاظ تعریضی سے صاف ظاہر ہے لیکن وہ خطا پوش وعطا پاش عالم رحمۃ للعالمین مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منشور الٰہی و اعرض عن المشرکین کے مطابق ان کی ان جاہلانہ حرکات پر کوئی توجہ اور اعتنا نہ فرماتا تھا۔ اور نہایت صبر و سکوت اور ثبات و استقلال سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کے خاموشانہ انداز و طریق تبلیغ نے آہستہ آہستہ تھوڑے دنوں کے اندر معتقدین کی معتد بہ جماعت قائم کر لی۔ لیکن اتنی زود کامیابی پر بھی اس کی خاموش استقلال نے اپنی طرف سے پرجوشی کے کسی اظہار کو نہ مصلحت وقت سمجھا اور نہ مناسب اور نہ مناسب مقام اُس کا عزم بالجزم اسی استقلال و پا آوری سے کام کرتا گیا اور اپنی ترقی اور توسیع تبلیغ کا قدم آگے بڑھاتا گیا۔

لیکن پرجوش معتقدین سے اپنی زود کامیابی کے جذبات نہ رک سکے۔ اور وہ اسلام کے امور کو زیادہ مخفی رکھا جانا فطرت عامہ کے اصول معمول کے مطابق اپنی کمزوری، اپنا ضعف اور کسر شان سمجھنے لگے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے اعلان پر اصرار کرنے لگے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی مصلحت کو خدا جانتا ہے۔ یا اس کا رسول معمولی طبیعتیں راز دان قدرت نہیں ہو سکتیں۔ اسی لیے وہ قدرت کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ ان کے اصرار پر قدرت کا راز دار منصب رسالت کا ذمہ دار برابر انکار فرماتا گیا۔ وہ ان کے اصرار اور اپنے انکار کی حقیقت و مصلحت کو پورے طور سے جانتا تھا اُس عمل پر پیرا ہوتا تھا۔ لیکن عقیدت مندوں کی معمولی طبیعتوں میں حقیقت شناسی کے اتنے جوہر کہاں تھے جو اس کے منافع اور ضرر کو بخوبی سمجھ سکتے۔ اس کی مثال حضرت ابوبکرؓ کے مصائب کا مفصلہ ذیل قصہ ہے۔ جو حضرت حمزہؓ کے عین اسلام لانے والے دن واقع ہوا۔ جس کو ہم تاریخ الخمیس کی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

و فی المنتقی و کان حمزہ بن عبد المطلب اسلم یوم ضرب ابو بکر و ذلک ان اصحب الرسول اللہ صلعم ورضی اللہ عنھم لما اجتمعوا و کانوا تسعۃ و ثلثین رجلاً الخ ابو بکر علی رسول اللہ صلعم فی الظّھوَر فقال یا ابابکر انا قلیل فلم یزل یلح علیہ حتی ظھو رسول اللہ فی نواحی المسجد و قام ابو بکر فی الناس خطیباً و رسول اللہ صلعم جالس و کان اول خطیب دعا الی اللہ عزوجل والی رسولہ و ثار المشرکون علی ابوبکر و علی المسلمین یضربو نھم فی نواحی المسجد ضرباً شدیدا

اوطئوا ابو بکر و ضرب ضربا شديدا و دنا منه الفاسق عتبة بن ربيعة فجعل يضربوه بنعلين مخصوفتين و يحرفهما بوجهه واثر علی وجهه ابی بکر حتے مايعرف انفه من وجهه و جاءت بنو تيم فاجلوا المشرکين عن ابی بکر و حملوا ابابکر فی ثوبٍ حتی ادخلوه بيته۔ جلد اول، ص331 مطبوعہ مصر

کتاب منتقی میں مرقوم ہے کہ اسلام حمزہ ابن عبدالمطلب اور اُس روز واقع ہوا جس دن حضرت ابوبکرؓ نے مار کھائی۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب اصحاب رسولؐ کی تعداد انتالیس ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ظہور فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہم قلیل التعداد ہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ نہیں مانے اور اپنا اصرار بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا اصرار بڑھا کہ بالآخر حضرتؐ نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پہلا خطبہ تھا جو خدا اور رسولؐ کی دعوت کے متعلق پڑھا گیا۔ جناب رسولؐ خدا خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اس پر گروہ مشرکین میں جو لوگ موقع پر موجود تھے اس قدر ہیجان ہوا کہ وہ سب کے سب حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر جو موجود تھے، ایکبار ٹوٹ پڑے۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق نے حضرت ابوبکر کے قریب آ کر پاؤں سے جوتے نکالے جو پیوند دار تھے اور اس ترکیب سے مارنا شروع کیا کہ جدھر پیوند ہوتا تھا اسی کو چہرے کی طرف گھما دیتا تھا جس سے حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ ایسا سوج گیا تھا کہ چہرے پر ناک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس اثنا میں بنو تیم ان کے قبیلہ والے آ گئے اور مشرکین سے چھڑا کے ایک چادر میں اٹھا کر ان کو گھر لے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کتمان ایمان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس کے اظہار پر اصرار فرمایا حالانکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخفاو کتمان کی مصلحتوں کو سمجھ کر ان کو ان کے غلط اصرار سے برابر سمجھاتے رہے۔ لیکن چونکہ یہ رازدار قدرت اور واقف کار حقیقت نہیں تھے۔ اس لیے نہ ماننے نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی مصیبت میں پڑے اور دیگر مسلمانوں کے لیے مصائب وشدائد کا فتح الباب کر گئے۔

یہ تو تبلیغ اسلام کے جذبات میں معتقدین کی بے جا مبادرت قریش کی اشتعال طبع، خصومت اور اذیت اہل اسلام و بانی اسلام کا باعث ثابت ہوئی۔ اسی کے جیسا ایک دوسرا واقعہ عاقبت اندیشانہ طریقہ سے سعد ابن ابی وقاص کے ہاتھوں اسلام کی تعمیل واجبات کے متعلق سرزد ہوا۔ جو اسی تاریخ کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

و کان اصحاب رسول اللہ صلعم اذا صلوا ذھبوا الی الشعاب فاستخفوا من قومھم فبینما سعد بن ابی وقاص فے نفر من اصحاب النبی صلعم فی شعب من شعاب مکۃ اذا اظھر علیھم نفر من المشرکین و ھم یصلون فنا کرا ھم وغا بوا علیھم ما یضعون حتے قاتلوا ھم فاقتتلوا ھم فضرب سعد بن ابی و قاص رجلا من المشرکین بلجی من جملھا فیشحۃ فکان اول دھرا ھریق فی الاسلام۔

اصحاب رسول خدا صلعم اس زمانہ میں جب نماز پڑھتے تو پہاڑوں کے دروں میں جا کر اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاص صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ادھر سے کفار قریش کا گزر ہوا۔ان لوگوں نے ان کی نماز پر استہزاء تمسخر کیا۔ یہاں تک کہ جانبین سے لڑائی کی نوبت پہنچ گئی۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ایک کافر کو مارا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا یہ پہلا خون ہے جو اسلام میں بہایا گیا۔جلد دوم،ص216

عبداللہ ابن مسعود صحابی نے بھی اوائل اسلام میں ایسے ہی جرأت بے جا کی تھی جس کی مفصل کیفیت ہم تاریخ طبری کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اجتمع یو ما اصحاب رسول اللہ صلعم فقالوا واللہ ما سمعت قریش بھذا القرآن یجھر لھا بہ قط فمن رجل یسمعھم قال عبد اللہ بن مسعود انا قالوا انا نخشا ھم علیك انما نرید رجلا لہ عشیرہ یمنعو تہ من القوم ان ارادوہ فقال دعونی فان اللہ یعیننی قال فقدا ابن مسعود حتے اتی المقام فی الضحی و قریش فی اند یتھا حتے قام عند المقام ثم قال بسم اللہ الرحمن الرحیم رافعا لھا صوتہ الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان ثم استقبلھا یقرا فیھا قالوا تأملوا و جعلوا یقولون ما یقول ابن ام عبد ثم قالوا انہ لیتلوا بغض ما جاء بہ محمد فقاسوا الیہ فجعلوا یضربون فی وجھہ و جعل یقرء حتے بلغ منھا ما شاء اللہ ان یبلغ ثم انصرف الی اصحابہ و قد اثروا بوجھہ فقالوا ھذہ الذی خشینا علیك قال ما کان اعداء اللہ اھون علی منھم الان لئن شئتم لا غادینھم عذاً بمثلھا قالو الا

حسبك فقدا سمعتهم مايكر هون۔ تاريخ طبری، مطبوعه جرمن صفحه 1188

ایک بار اصحاب جناب رسول خداصلعم جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ابھی تک قریش نے بلند اور واضح آواز سے قرآن نہیں سنا ہے ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو ان کو قرآن بلند آواز سے جا کر سنا دے۔عبداللہ ابن مسعودؓ بولے وہ میں ہوں۔اصحاب نے کہا تمہاری طرف سے ہمیں خوف ہے اس لیے کہ قریش میں سے کوئی صاحب قبیلہ اٹھ کر تمہارے ارادہ میں تمہارے ساتھ مزاحمت کرے اور تم کو باز رکھے۔عبداللہ بولے۔آپ حضرات مجھے چھوڑ دیں خدا میری اعانت کرے گا۔صبح ہوئی تو حرم محترم میں گئے اور مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے بسم اللہ کہی اور سورۂ رحمان کی تلاوت شروع کی۔قریش نے سنا تو کہنے لگے کہ ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعود کا لقب ہے) کیا کہتا ہے۔سنو تو! لوگوں نے کہا یہ تو وہی چیز ہے جو محمد صلعم پر ان لوگوں کے زعم کے مطابق نازل ہوئی ہے یہ سنتے ہی تمام قریش اٹھ کھڑے ہوئے اور عبداللہ ابن مسعود کے منہ پر سب مل کر مارنے لگے لیکن جہاں تک خدا کو ان سے تلاوت قرآن کرانی منظور تھی یہ تلاوت کر چکے۔جب تلاوت کر چکے تو اصحاب رسول صلعم کے پاس واپس آئے۔چہرہ پر مار کا نشان بالکل نمایاں تھے۔اصحاب اس حالت سے انہیں دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری نسبت اسی بات کا اندیشہ تھا۔عبداللہ نے کہا کہ دشمنان خدا کی طرف سے یہ امر مجھے بالکل آسان معلوم ہوتا ہے۔اگر آپ لوگ چاہیں تو پھر کل میں اسی طرح کر دکھلاؤں۔اصحاب نے کہا نہیں یہی کافی ہے۔جس چیز سے وہ کرائیت کرتے تھے وہ تم نے ان کو سنادی۔

شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو اسی حوالہ سے لکھا ہے لیکن اپنے اختصار کے قدیم پیرایہ میں طبری کا حوالہ بھی غلط دیا ہے۔صفحہ 1118 کی جگہ 1188 ہونا چاہیے۔سیرۃ النبیؐ، ج1، ص171

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی عقیدت مندوں اور معمول پسندوں نے۔راز دار رسالت کے مصالح وقتی کی قدر و عظمت نہیں کی۔اس لیے کہ وہ اس کے حقیقت شناس نہیں تھے۔اسلامی محدثین و مورخین کے خلوص عقیدت اس وقت ان حضرات کے ان طرز عمل کو جیسا کچھ مستحسن نہ بتلائیں۔اور انہیں سے ایک کو اسلام کا خطبۂ اول اور دوسرے کو حملہ اوّل نہ ظاہر فرمائیں۔وہ ان کے حسن عقائد سے متعلق ہے لیکن بخلاف ان کے جب ایک عاقبت بین اور مال اندیش محقق ان واقعات پر نگاہ غرڈالے گا تو اس کو صاف طور سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے یہ محاسن عقائد باعث مفاسد تھے۔ان کی یہ مبادرت محض بیجا، بے وقت اور بالکل نازیبا تھی۔یہ ہمت وحوصلہ صریح اشتعال انگیزی تھی اور فتنہ خیزی، رسول بار باران پر جوشیوں کے اظہار سے منع فرماتا تھا۔خدا واعرض عن المشركين کہہ

کر معاملات کفار سے کنارہ کشی کی تاکید کر رہا تھا۔لیکن یہ پر جوش عقیدت مند کسی کی بھی نہیں سنتے۔جلتی آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھوں سے بھڑکاتے ہیں اور اس میں آپ ہی آپ گرے جاتے ہیں۔ان بے جا جرأتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام قریش کے غیض وغضب میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اور اسلام و بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو وہ اب تک خموشانہ اور غیر سرو کارانہ روش اختیار کیے ہوئے تھے اور اس وقت تک اپنے انکار و اکراہ کو صرف جاہلانہ طعن و تشنیع اور وحشیانہ استہزاء تمسخر تک محدود کیے تھے۔ان واقعات سے اتنا متاثر ہوئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی کھلی کھلی عداوت اور مخاصمت پر بڑی مستعدی سے آمادہ ہو گئے۔اور گویا اس وقت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں پر بلاؤ مصیبت کی فتح الباب ہو گئے۔

شبلی صاحب نے ان واقعات کو سرے سے مرفوع القلم فرما دیا ہے۔گویا تاریخی واقعات کی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔حالانکہ ان حالات کو تاریخوں سے زیادہ حدیثوں نے بیان فرمایا ہے۔چنانچہ صاحب تاریخ الخمیس نے ان کو حدیث کی مشہور و معروف کتاب المنتقی سے نقل کیا ہے۔جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخفاوانزوا کی یہ سہ سالہ مدت جس خرم واحتیاط،ہوشیاری اور بیداری سے کاٹی وہ آپ کے استقلال اور ہمت کے کافی ثبوت ہیں۔فی الحقیقت یہ رسالت ہی کی ذمہ داری اور نبوت ہی کی قوت و پاداری تھی۔اپنی جان کی حفاظت مسلمانوں کے جان و مال کی نگرانی کفار قریش کی مجنونانہ تعریض اور مغرورانہ طعن و تشنیع پر سکوت وخاموشی،مزید براں،پر جوش عقیدت مندوں کی بے جا مبادرت اور نا زیبا جرأت و ہمت کا ضبط و بسط اتنی اہم ضروریات اور مشکلات کو جناب رسول خداصلعم بالنفس النفیس تنہا رہ کر من احسن الوجوہ طے فرماتے رہے۔چنانچہ شبلی صاحب بھی اتنا تو ضرور اعترافاً لکھتے ہیں۔

نبوت کا چوتھا سال دعوت قریش

سہ سالہ رسالت اخفا کے انقضا کے بعد۔ مدبر قدرت نے وقتی تناسب اور مصالح پر نظر کر کے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ) کا حکم محکم نازل فرمایا۔ جو لوگ تحقیق پسند ہیں اور حقیقت شناس، وہ قدرت کے ان نظام بالتدریج کی مصلحت وخوبی کو کافی طور سے سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں تبلیغ مذہب کی ادائیگی بالکل رازداری تھی۔ ہر خاص وعام سے اظہار واعلان قیام اسلام کے لیے باعث نقصان تھا اور بانی اسلام کے لیے خطرہ جان اس بنا پر ابتدا ہی سے اس کے اظہار تبلیغ اور اقرار وتصدیق کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں ان ذوات مقدسہ سے آغاز کیا گیا جو آپ سے اقرب ترین تھے اور جن کے خلوص ایمان اور وثوق عہد و پیمان پر خدا اور رسولؐ کو یقین تھا وہ بزرگوار حضرت خدیجہؑ آپ کی بی بی تھیں۔ آپ کے برابر کے بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ تھے۔ گھر کے پروردہ خاص زید ابن حارثہ تھے۔ انہیں حضرات سے باتفاق جمہور تبلیغ اسلام کی ابتدا فرمائی گئی۔ ان بزرگواروں نے فوراً تصدیق رسولؐ کر لی اور سب لوگوں سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

مشیت خداوندی نے وہی نظام مصلحت جو ابتدائے تبلیغ میں جاری فرمائے تھے۔ اس وقت بھی نافذ فرمائے اگرچہ اظہار تبلیغ اور اعلان دعوت اسلام کا (انذر عشیرتک الاقربین) حکم صادر ہو چکا تھا۔ لیکن تاہم اس کے نفاذ کا آغاز بھی اپنے خاص اعزہ واقارب سے کیے جانے کا خاص طور پر فرمان دیا۔ اس لیے کہ یگانوں پر بیگانوں سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی جس مستعدی اور سرگرمی سے تعمیل فرمائی اس کو ضرورتاً ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت میں حسب ذیل نقل کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد منقدانہ طریقہ سے اصل واقعہ کا انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری ص700 کے حوالہ سے لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش لوگ جمع ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ سخت برہم ہو کر چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت اسلام کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ، ابوطالب اور عباسؑ سب شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو تمہارے دین ودنیا دونوں کی کفیل ہے اس بوجھ کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتاً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا

ساتھ دوں گا۔قریش کے لیے ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ وہ شخص جن میں ایک تیرہ سالہ جوان ہے۔دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتلادیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

ظاہر ہے کہ شبلی صاحب نے اس واقعہ کو صرف صحیح بخاری سے نقل کیا ہے اور کسی تفسیر حدیث اور تاریخ کی کتاب سے نہیں۔اس لیے کہ آپ کے اصول موضوعہ کے مطابق جس کا عنوان حفظ ماتقدم کے لحاظ سے آپ نے دیباچہ ہی سے اٹھایا ہے۔بخاری سے بڑھ کر کوئی دوسری کتاب معتبر نہیں تھی۔اس کے مقابلہ میں سیرت وتاریخ تو سرے سے فروتر ہیں تو ان کا ذکر ہی بے کار ہے۔ایسے ہی تفسیر حدیث یہاں تک کہ بقیہ خمسہ صحاح بھی اس کے مقابل نہیں ہیں۔گو آپ کے اس طلسم بخاری کی حقیقت ہم آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں پورے طور سے دکھلا چکے ہیں۔لیکن خاص اس روایت بخاری کی حقیقت حاشیہ زیریں صفحہ کی عبارت میں پوری تفصیل سے لکھتے ہیں۔

شبلی صاحب اور ان کے اسلاف بخاری وغیرہم کی اصل غرض و مدعا۔ان ترکیبوں سے کیا تھی؟ وہی حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کا استخفاف۔اگرچہ سواد اعظم میں یہ مواد عالم گیر ہے لیکن امام بخاری صاحب اس مرض میں آغاز ہی سے مبتلا ہیں۔اور اس کے ساتھ آپ کو شغف خاص ہے،ہم دعوت قریش کے واقعہ کو صحاح،مسند،سنن،تفسیر اور تاریخ کی اصلی عبارتوں کے ساتھ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔جس سے معلوم ہو جائے کہ واقعہ کیا ہے اور بخاری صاحب لکھتے ہیں کیا۔سب سے پہلے ہم امام نسائی کے خصائص سے جو ان کی صحیح میں داخل ہے۔اس کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

عن ربیعة بن ناحیة ان رجلا قال لعلی ابن ابیطالب یا امیر المومنین لم ورثة ابن عمك دون عمك قال جمع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بنی عبد المطلب فصنع لهم مدا من الطعام قال فا کلوا حتے شبعوا فقی الطعام کما هو کان امر یمس ثمر دعا برة فشر بوا حتے ترد واولقی الشراب کان لمر یمس ولمر یشرب فقال یا بنی عبد المطلب انی بعثت الیکمر خاصة والی الناس عامة و قد رائیتمر ایکمر بما یعنی علی ان یکون اخی و صاحبی و وارنی فلمر یقمر الیه احد فقمت الیه و کنت اصغر القوم قال اجلس ثمر قالت ثلاث مرات کل ذلك اقوم فیقول اجلس حتی کان فی الثالثة ضرب بیده علی یدی ثمر قال فبذلك ورثت ابن عمی دون عمی۔ خصائص مطبوعه مصر، جلد9، ص68

ربیعہ بن ناحیہ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہی کیوں وارث رسولؐ ہوئے اور آپ کے چچا وارث رسولؐ نہ ہوئے۔تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے خاندان عبدالمطلب کو بلا کر دعوت دی۔ایک مدطعام اور ایک پیالہ پانی سے سب کو سیر کر دیا اور کھانا پانی اسی

طرح بچا رہا۔ پھر فرمایا اے بنی عبدالمطلب ہم تمہاری طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کے لیے عام طور سے۔ تو کون شخص تم میں سے ہماری بیعت کرتا ہے۔ اس شرط پر کہ وہ ہمارا وارث ہو اور ہمارا صاحب ہو اور ہمارا بھائی ہو یہ ارشاد سن کر کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا ہم ہر بار کھڑے ہوئے حالانکہ ہم سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت نے تین بار اس کلام کا اعادہ کیا لیکن کوئی شخص بجز میرے نہ کھڑا ہوا۔ ہم ہی ہر بار کھڑے ہوئے۔ تو حضرت صلعم نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر مارا۔ حضرت علیؑ بیان فرماتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے اپنے ابن عم کے وارث ہوئے۔ نہ ہمارے عم بزرگوار۔ خصائص مطبوعہ مصر۔

صحیح بخاری کی عبارت مندرجہ بالا سے خصائص نسائی کی موجودہ عبارت کو ملایا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ بخاری صاحب نے اپنی خودغرضی سے اس واقعہ کو کیسے مبہم اور مہمل طریقہ سے بیان فرمایا ہے اور اصل واقعہ کو جس سے حضرت علیؑ کی رفاقت نبویؐ کے حقیقی قول و قرار اور جناب مخبر صادق کی زبانی ان کے مراتب و مدارج کے اظہار ہوتے تھے۔ بالکل مرفوع القلم کر دیا گویا ان کا وقوع ہوا ہی نہیں تھا۔

اب مسند امام حنبل کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو:

حدثنا عبد الله ثنا ابی اسود بن عامر حدثنا شريك عن الاعمش عن المنهال عن عباد عن عبد الله الاسدی عن علی قال لما انزلت هذه الاية وانذر عشيرتك الاقربين قال جمع النبی من اهلبيته فاجمع ثلثون فا كلوا واشربوا قال فقال لهم من يضمن عنی دينی و مواعيدی و يكون معی فی الجنة ويكون خليفی فی اهلی فقال رجل لم يسمه شريك يا رسول الله صلعم ان كنت بحر امن يقوم بهذا ثم قال الاخر قال فعرض ذلك علی هبيته فقال علی اهلبيته فقال علی انا جاء

عبداللہ ابی اسود سے، ابی اسود عامر سے، عامر شریک سے، شریک اعمش سے، اعمش منہال سے، منہال عبادہ سے، عباد عبداللہ اسدی سے عبداللہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر کے لوگوں کو جمع کیا وہ لوگ تیس آدمی تھے۔ ان لوگوں کی ضیافت کی گئی۔ اور تمام لوگوں نے مل کر کھایا پیا۔ پھر آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم میں سے کون شخص ضامن ہوتا ہے کہ میرے قرض کو ادا کرے، میرے وعدوں کو پورا کرے اور میرے ساتھ بہشت میں رہے اور میرا خلیفہ ہو حاضرین میں سے ایک شخص جس کا نام راوی نے نہیں لیا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آیا کیا ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص ضامن

کھڑا کیا جائے آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ نے اُسی ارشاد کو اپنے گھر والوں پر عرض کیا۔ بالآخر حضرت علی نے اُٹھ کر کہا کہ وہ میں ہوں۔

اگر چہ اس حدیث میں بھی حقیقت واقعہ پوری تفصیل سے نہیں ہے لیکن وہ الفاظ موجود ہیں جن کے پڑھنے، لکھنے اور سننے سے امام بخاری اور ان کے معتقدین کو وحشت ہوتی ہے کیونکہ اس میں خلافت علی کا اظہار و اقرار ہے۔

کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال جلد 6، ص 397 میں اس کی صورت واقعہ یوں تحریر ہے۔

عن علی قال لما نزلت هذه الاية و انذر عشیرتك الاقربین علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فقال یا علی ان الله امرنی ان انذر عشیرتی فی لا قربین فضقت بذلك ذرعاً و عرفت انی متے اباد هیم بهذا لا مرارے منه ما اکره فصمت علیها حتے جاء نی جبریل فقال یا محمد ان کم تفعل ماتی مربه بعذبك ربك فاصنع لی صاعا من طعام واجعل علیه رجل شاة و املاء لنا عسا من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتے اکلمهم وابلغ ما امرت به ففعلت ما امرنی به ثم دعوتهم و هم یومئذ اربعون رجلا اوینقصونه فیهم اعمامه ابیطالب و حمزه والعباس و ابولهب فلما اجتمعوا الیه دعانی بالطعام الذی صنعة لهم فجئت به فلما وضعته تناول النبی صلی الله علیه واله وسلم خسبت حزیه من اللهم مشقها باسنامة ثم القاها فی نواحی الصفحة ثم قالوا کلوا بسم الله الرحمن الرحیم فاکل القوم حتے نهوا عنه ما تری الاثار اصابعهم والله ان کان الرجل الواحد منهم لیا کل مثل ما قدمت لجمیعهم ثم قال اسن القوم یا علی فجئتهم بذلك العس فشر بوا منه حتے رواه منه جمیعا دایم الله ان کان الرجل الواحد منهم لیشرب منه فلما اراد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان یکلمهم بدراه ابو لهب الی الکلام لقد سهر کم صاحبکم فتفرق القوم ولم یتکلم بهم رسول الله فقال العذ یا علی ان هذ الرجل سیقنی الی ما قد سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اکلمهم فعندلنا من اطعام بمثل ما صنعت ثم اجمعهم الی قال ففعلت ثم

جمعهم ثم دعا نی بالطعام فقر بته لهم ففعل كما فعل بالامس فاكلوا حتے مالهم بشی حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلك العس فشربوا حتے رو وامنه جميعا ثم لكم رسول الله صلعم فقال یا نبی عبد المطلب انی والله لا اعلم شاباً فی العرب جاء قومه بافضل هما قد جئتكم به انی قد جئتكم بخر الدنيا والاخرة و قد امرنی الله تعالیٰ ان ادعو كم اليه فايكم يوازدنی علی هذا الامر علی ان يكون اخی ووصی و خليفة فيكم فاحجم القوم عنها جميعا و قلت وانی لا حدثهم سنا دار مصهم عيناً واعظمهم بطناً وا حمشهم ساقاً انا يا نبی الله صلی الله عليه واله وسلم ا كون وذرك عليه فاخذ برقبتی فقال ان هذا اخی دوصی و خيفتی فيكم فاسمعوا له و اطيعوا فقام القوم يضحكون و يقولون لابی طالب قد امرك ان تسمع و تطيع لعلی

حضرت علی مرتضیٰؑ سے مروی ہے کہ جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔ لیکن میں نے اس میں چندے توقف کیا اس وجہ سے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ میری ہدایت سے اکراہ کریں گے اور میری بات نہ مانیں گے۔ اس بنا پر میں خاموش رہا۔ تا ایں کہ پھر جبریل نازل ہوئے اور کہنے لگے خدا فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ جیسا ہم نے تم کو حکم دیا ہے تو تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب کیا جائے گا۔ پس تم (اے علیؑ) بقدر ایک صاع (پونے تین سیر پختہ) طعام (روٹیاں) تیار ایک بکری کا گوشت پکا لو۔ اور ایک کاسہ شیر مہیا کر لو۔ اور تمام بنی عبد المطلب کو ضیافت میں بلا لاؤ تاکہ میں اسی مجلس ضیافت میں اُن سے کلام کروں اور جو کچھ ان کے متعلق حکم ہوا ہے اس کو بجا لاؤں اور اُن تک پہنچا دوں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم کے حکم کے مطابق سب سامان مہیا کر دیا اور تمام بنی عبد المطلب کو بلا لایا وہ لوگ شارکین کم وبیش چالیس آدمی تھے اور اُن میں آنحضرت صلعم کے چچا ابوطالب، حمزہ عباس، ابولہب سب ہی موجود تھے۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آنحضرت صلعم نے مجھے وہ کھانا کھلانے کے لیے حکم دیا

جوان لوگوں کے لیے تیار ہوا تھا۔ میں جب ان کھانوں کو حضرت کے سامنے لایا تو آپ نے ایک پارچہ گوشت اُٹھایا اور اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھ دیا اور حاضرین سے کہا بسم اللہ آپ لوگ تناول فرمائیں۔ پس تمام لوگوں نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ اور کھانا ویسا ہی کا ویسا بچا رہا اس میں ان کے ہاتھوں کے نشان تک نہیں معلوم ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ کھانا جو سب نے مل کر کھایا تھا مقدار میں اتنا کم تھا کہ اکیلا آدمی اُسے کھا جاتا اس کے بعد آپ نے مجھے حکم دیا انہیں سیراب کرو میں نے انہیں وہی دودھ کا شربت پلایا اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنے کا قصد کیا۔ اس اثنا میں ابولہب نے اُٹھ کر آپ کا قطع کلام کیا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا۔ یہ سننا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علی اس شخص نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پھر آج تم ویسا ہی کھانا تیار کرو اور پھر سب لوگوں کو بلاؤ۔ پس میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسا ہی سامان کیا جو کل کیا تھا۔ اور پھر اُن لوگوں کو جا کر بلا لایا۔ جب میں کھانا لے کر آنحضرتؐ کے پاس آیا تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ پس تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ شربت پیا اور سیراب ہو گئے۔ کھانے سے فراغت ہو چکی تو آنحضرت صلعم نے ارشاد کیا کہ اے اولاد عبدالمطلب خدا کی قسم میں جوانانِ عرب میں کسی شخص کو ایسا نہیں جانتا جو میری طرح تمہارے لیے دین و دنیا کی خبر لایا ہو۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے اس امر خاص میں میری وزارت کون شخص کرتا ہے۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں اُس مجمع میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلعم گو میں ان لوگوں میں سب سے کمسن ہوں۔ گو میری آنکھیں پر آشوب ہیں، گو میرا پیٹ بڑا ہے، میری پنڈلیاں پتلی ہیں لیکن با این ہمہ میں اس امر میں آپ کا وزیر بننے کے مستعد ہوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ لوگو! دیکھو تم لوگوں میں یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر یہ لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابی طالب کو مخاطب کر کے بطور

تمسخر کہنے لگی، آج سے تم اپنے بیٹے علی کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔

مسلسل اور مفصل حقیقت حال تو یہ ہے جو کنز العمال کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوئی دیکھنے والے خود دیکھ لیں گے اور پڑھنے والے خود سمجھ لیں گے کہ ایسے مفصل واقعہ کو محض خود غرضی اور تعصب کی بنا پر خواہ مخواہ قطع و برید کر کے کیسا مہمل، مبہم اور مختل بنا دیا گیا ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں محی السنۃ، امام بغوی، صاحب مشکوٰۃ المصابیح، بیک الفاظ اس تمام واقعہ کو ویسا ہی لکھتے ہیں۔ جیسا کہ کنز العمال سے ابھی ابھی نقل ہو چکا ہے۔ ذیل میں صرف ان کے سلسلہ رواۃ نقل کیے دیتے ہیں۔

روی محمد ابن عن عبد الغفار بن القسم عن المنهال عن عمر و عن عبد الله بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد الله بن عباس عن علی ابن ابی طالب۔

محمدؐ بن اسحاق عبد الغفار بن قسم سے وہ منہال سے وہ عمرو سے، وہ عبد اللہ بن حارث بن عبد المطلب بن عبد اللہ بن عباس سے اور وہ علی ابن ابی طالب سے معالم التنزیل، ص 663 بمبئی۔

صحاح، مسند، سنن اور تفسیر کے اسناد ہو چکے۔ اب ایک تاریخ باقی ہے اگرچہ تفسیر معالم التنزیل میں سیرت ابن اسحاق ہی سے یہ روایت لی گئی ہے اور ہمارے ثبوت کے لیے یہی کافی تھا۔ لیکن جس سلسلہ سے ہم نے اپنے سلسلۂ بیان کو شروع کیا ہے اس میں ہم کسی اختصار نویسی یا کوتاہ قلمی کو پسند نہیں کرتے۔ اس لیے اپنے سلسلۂ بیان کی آخر میں تاریخ طبری کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

قال حدثنی محمد بن اسحق عن عبد الغفار بن القاسم بن المنهال بن عمر عن عبد الله بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب عن عبد الله بن عباس عن علی بن ابی طالب قال لما نزلت هذه الاية علی رسول الله صلعم و انذر عشیرتك الاقربین دعا نی رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم فقال لی یا علی ان الله امرنی ان انذر عشیرتی الا قربین فمضصت بذلك ذرعا و عرفت انی مے ابا دلهیر بهذا لا مراری منهم ما ا کره فصمت علیه حتے جاء نی جبریل فقال یا محمد انك الا تفعل ما تو مربه بعذبك ربك فاصنع لنا صاعا من طعام واجعل علیه رجل شاة واملاء لنا عسا من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتے اکلمهم وابلغهم و ما امرت به ففعلت ما امرنی به ثم دعوتهم له و هم یومئذ اربعون رجلا یزیدون رجلا اوینقصو نه فیهم الحما مه ابو طالب و حمزة والعباس و ابو لهب فلما اجتمعوا الیه دعانی بالطعام الذی صنعت لهم فجئت به فلما و ضعته

تناول الله صلعم جذیت من اللحم فشقها باسنانه ثم القاها فی نواحی الصحفة
ثم قال خذوا بسم الله فا کل القوم حتے ما لهم بشی حاجة وما اری الا موضع
ایدیهم وایم الله الذی نفس علی بیده و ان کان الرجل الواحد منهم لیا کل
ماقدمت لجمنعهم ثم قال اسق القوم فجئتهم بذلك العس فشر بوامنه حتے
رووامنه جمیعا و ایم الله ان کان الرجل الواحد منهم للیشرب منه فلما ارا
درسول الله صلعم ان یکلمهم بدره القوم الی الکلام لقد سحر کم صاحبکم
فتفرق القوم فلم یکلم رسول الله صلے الله علیه واله وسلم فقال العذیاعلے ان
هذ الرجل سبقنے الی قال ففعلت ثم جمعتهم ثم دعا نی بالطعم فقربته لهم
ففعل کما فعل بالا مس فاکلوا حتے مالهم بشی حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم
بذلك العس فشربوا حتی دواومنه جمیعا ثم تکلم رسول الله صلعم فقال یابنی
عبد المطلب انی وا لله ما اعلم شابا فی العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتکم
به انی قد جئتکم بخر الدنیا والا خرة و قد امرنی الله تعالیٰ ان ادعو کم الیه
فایکم یوا زرنی علی هذا لا من علی ان یکون اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاحجم
القوم عنها جمیعا و قلت وانی لا حدثهم سناوا رمصهم علینا واعظمهم بطناً
وا مشهم ساقا انا یا نبی الله اکون وزیرك علیه فاخذ برقبتی ثم قال ان هذا اخی
ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا قال فقام القوم و یقولون لابی
طالب قدامرك ان یستمع لابنك و تطیع

محمد ابن اسحاق عبدالغفار بن قاسم بن منہال بن عمر سے اور وہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے اور وہ عبداللہ بن عباس سے اور وہ علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیہ و انذر عشیر تك الاقربین حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھے بلا کر ارشاد کیا کہ اے علی خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤں۔ میں نے اس کی تعمیل میں بایں خیال چندے توقف کیا کہ وہ لوگ میری ہدایت کو مکروہ جانیں

گے تا ایں کہ پھر جبرئیل آئے اور مجھ سے کہا کہ اے محمدؐ! اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارا پروردگار تم پر عذاب نازل فرمائے گا۔ پس تم اے علیؑ بقدر ایک صاع کے کھانا تیار کرو۔ (صاع ۳/۱ ۲ پختہ سیر) یعنی روٹیاں پکواؤ۔ ایک بکرے کا گوشت تیار کراؤ۔ اور ایک کاسہ شیر مہیا کرو۔ اور تمام بنی عبدالمطلب کو ضیافت میں بلا لاؤ۔ تا کہ میں ان سے کلام کروں اور جو کچھ کہ خدا تعالیٰ نے ان کے متعلق مجھے حکم دیا ہے وہ ان تک پہنچا دوں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق سب فراہم کیا۔ اور تمام بنی عبد المطلب کے لوگوں کو بلا لایا۔ اس دن وہ لوگ تعداد میں کم وبیش چالیس آدمی تھے۔ اور انہیں آپ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ پس جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے کہا کھانے کے لیے مجھ سے کہا اور میں جو کچھ کھانا پکا تھا، لے آیا۔ اور جناب رسول خداصلعم کے آگے رکھ دیا آپ نے اُس میں سے ایک پارۂ گوشت اٹھایا اور اس کو اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھ دیا پھر تمام لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ آپ لوگ تناول فرمائیں۔ تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ خوب سیر ہو کر کھا چکے اور کھانا ویسا کا ویسا ہی رہ گیا۔ اس میں ان کے ہاتھوں کا نشان تک نہیں۔ معلوم ہوتا تھا۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں علی کی جان ہے کہ وہ کھانا جو اتنے لوگوں نے مل کر کھایا ہے مقدار میں اتنا کم تھا کہ اکیلا آدمی اُسے کھا جاتا اس کے بعد آپ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں سیراب کرو، میں نے انہیں دودھ کا شربت بلایا اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں ابولہب نے اُٹھ کر آپ کا قطع کلام کر دیا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے دوست نے تم پر سحر کیا۔ یہ سنا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علیؑ اس شخص نے مجھ پر کلام کرنے میں سبقت کی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پس پھر تم آج ویسا ہی کھانا اور سب سامان وہی مہیا کرو۔ اور پھر سب لوگوں کو بلا لاؤ۔ میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسے ہی سامان سب مہیا کر لیے اور پھر ان لوگوں کو جا کر بلا لایا۔ جب میں کھانا لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ دودھ پیا اور

سیراب ہو گئے آب و طعام سے فارغ ہو کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مخاطب فرما کر کہا کہ اے بنی عبدالمطلب خدا کی قسم میں جوانان عرب میں کسی ایسی شخص کو نہیں جانتا کہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس تمہارے دین و دنیا کی ایسی خبر لایا ہو جیسی کہ میں۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں پس تم میں سے کون شخص ہے جو اس امر میں میری وزارت کرے گا، میرا بھائی ہو گا۔ اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہو گا۔ یہ سن کر تمام لوگ خاموش رہ گئے۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ باوجودیکہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، میری آنکھیں پر آشوب ہیں، میرا پیٹ بڑا ہے، میری پنڈلیاں پتلی ہیں لیکن میں با ایں ہمہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے میرے شانہ پر ہاتھ مار کر ارشاد کیا۔ یہ تم لوگوں میں میرا بھائی میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ یہ سن کر تمام لوگ ہنستے ہوئے اور ابی طالب سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ تم اب اپنے بیٹے علی کی مطیع و منقاد بنائے گئے۔ اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت اختیار کرو۔

اسلام کے اس اعظم ترین اور اولین واقعہ کی تفصیلی حالت یہ تھی۔ جس کو ہم نے اپنے متعدد اور متواتر ماخذوں سے اوپر نقل کر دی۔ یہ واقعہ ہر طریقہ سے دعوت اسلام اور تبلیغ ایمان کا پہلا زینہ تھا۔ اس کی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ بقول ابن اسحاق، امام طبری اور امام بغوی وغیرہم۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرا سا توقف فرمانے کے لیے عتابانہ تہدید نازل فرمائی گئی تھی۔ اور اس خیال سے آنحضرت صلعم سخت متاثر ہو کر اس کی تعمیل میں پھر جس سرگرمی اور مستعدی اور جس سامان و اہتمام سے ایک بار نہیں دو دو بار مصروف ہوئے وہ روئداد واقعہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ پہلی بار بد بخت ابولہب کی مرفت سے آپ کو اس کے مقصد میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی لیکن حکم خداوندی کی عظمت وجلال اور آپ کے ہمت و استقلال نے آپ کو ذرا بھی بے دل نہ ہونے دیا اور دوسرے دن اسی اہتمام و انتظام سے منشاء خداوندی کے مطابق اس حکم الٰہی کو انجام دیا۔ اس تفصیل کو بخاری صاحب کے اقتصار اور شبلی صاحب کے اختصار سے مقابلہ کیا جائے تو خود غرضی نفسانیت اور عصبیت کے اسرار ہویدا اور آشکار ہو جائیں گے اور وہ مفسدہ انگیز اغراض و اسباب بھی ثابت ہو جائیں گے۔ جس کی بنا پر اس واقعہ کو اس اختصار، استخفاف اور قطع و برید کے خاص طریقہ سے نقل کیا گیا۔ کیوں صرف اس لیے کہ اس کی تفصیل تعمیم و مساوات کے اصول موضوعہ کو بالکل رد و باطل کر دیتی تھی اور جناب علی مرتضیٰؑ کے فضائل و مناقب کو آغاز اسلام سے۔ دائرہ امت خیر الانام ﷺ میں خاص رسول اللہؐ کی زبان عام اس سے کہ وہ مہاجر ہوں یا انصار، صحابہ ہوں یا غیر صحابہ از حد اور افضل ثابت کرتی تھی۔ سب سے زیادہ دہشت خیز اور خوف انگیز تو اس میں خلیفتی کا لفظ تھا۔ جس کا زبان رسول سے اقرار و اعلان شرف صحابیت اور صحابہ کی خلافت کا بنا بنایا سونے کا گھر مٹی کا دیتا اور اصول عقائد کے تمام مصنوعی اغراض و مقاصد کو خاک میں ملا دیتا تو پھر ایسی حالت میں بخاری

صاحب اوران کے ہم خیال علما و محدثین ایسے سادہ لوح نہیں تھے۔ جو اپنے اسلاف کی اتنی کرائی کاروائی پر پانی پھیر دیتے اور ز چراغ خویش درخانہ سوختم کی نظیر و مثال بننے کے مطابق بخاری صاحب نے حسب ضرورت جس داؤ پیچ سے اس واقعہ کو اپنی صحیح کے متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ہم اس سلسلہ میں صرف اتنا اور اضافہ کردیں گے کہ شبلی صاحب نے مقدمہ کتاب میں ترجیح حدیث علی السیرۃ اور ترجیح بخاری علی سائرالصحاح کی نسبت جو اتنا طومار باندھا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ سیرت رسولؐ کے متعلق تمام مرویات کو احادیث سے متخرج کرنا چاہیے۔اور وہ حدیثیں بھی کون جو صحیح بخاری میں مندرج ہوں۔اس کی اصلی غرض اور گویا اس مبتدا کی اب خبر معلوم ہوئی۔بقول شبلی صاحب ؎ ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا این جاست

ہاں جن مقاصد و عقائد کے اصول پر شبلی صاحب نے اپنی کتاب کی تدوین فرمائی ہے اور جن احادیث موضوعہ و مصنوعہ سے اس کو مرتب فرمایا ہے ان کے لیے وہ بذات خاص مجبور و مامور ہیں۔ دوسرے لوگ یا وہ جو اصول تحقیق و انصاف کے مسلک پر قائم ہیں۔اس کے لیے کیوں مجبور و معذور کیے جائیں گے۔طبری پر جو تشیع کا الزام لگایا گیا۔اور پھر باوجود الزام، ان کو سواد اعظم کی امامت سے خارج نہیں فرمایا گیا۔جس کا ذکر گو کیا ہی مختصر ہو۔آپ نے بھی اپنے دیباچہ کتاب ص20 میں کیا ہے۔اُس کا خاص باعث یہی تھا کہ امام موصوف نے تحقیق و انصاف کی رو سے اس واقعہ کو اوراس کے ایسے اکثر واقعات کو جن سے آپ کے اصول تعمیم و مساوات کی تردید و تغلیط ہوتی تھی۔اپنی کتاب میں نقل کردیا۔لیکن چونکہ طبری کی تاریخ و تفسیر کو خصوصاً طبقہ متقدمین میں جو اہمیت و افضلیت حاصل ہے وہ ہرگز اس کے متروک کردیئے جانے کی مجوز نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو سواد اعظم میں گویا تاریخ و تفسیر کا خاتمہ ہوجاتا۔اس بنا پر وہ بھی رکھ لیے گئے اوران کی تفسیر و تاریخ بھی۔آخر میں ہمیں یہ لکھ دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ صحیح بخاری اوران کے ہم خیال و مزاج محدثین کے علاوہ دیگر مفسرین و محدثین نے بھی اسی تفصیل و تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں درج کیا ہے جس تفصیل سے امام محی السد لغوی، امام المغازی والسیرۃ ابن اسحاق اور امام طبری وغیرہم نے نقل فرمایا ہے۔ان کی کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

تفسیر خازن، تفسیر سراج المنیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، تفسیر ابن مرویہ، تفسیر ابن ابی حاتم، کنزالعمال، دلائل النبوۃ، حلیۃ الاولیا، ذخیرۃ المال عجیلی، مختارۃ ضیاء مقدسی، تہذیب الاثار طبری، کتاب الاکتفا، تاریخ کامل، ابن اثیر، تاریخ ابوالفدا، تاریخ روضۃ الصفا، تاریخ حبیب السیر، معارج النبوۃ، مدارج النبوۃ، ازالۃ الحفا شاہ ولی اللہ صاحب

تبلیغ اسلام کے اس عظیم ترین واقعہ کو جس پر گویا اساس اسلام قائم ہوئی۔شبلی صاحب نے چند الفاظ میں لکھ کر تمام کردیا ہے۔ہم جانتے ہیں یہ آپ کی اختصار پسندی اور کوتاہ قلمی کا خاص مقام ہے۔اوران واقعات و حالات کی تشریحات و تفصیلات کی راہوں سے آپ ہمیشہ خاموشی اور عجلت کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔لیکن نکلنے نہیں پاتے۔حقیقت سدراہ ہوجاتی ہے ؎ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا این جاست۔ان اسلامی علما و محدثین، فضلا و محققین کو جانے دیجیے جنھوں نے آپ کے خلاف اس کی اہمیت کو اس تفصیل سے لکھا ہم بھی کہتے ہیں کہ تقلید اسلاف کے اصول قدیم کے بالکل خلاف کیا۔لیکن حقیقت تو کسی سے چھپنے والی نہیں۔اپنا ہو یا پرایا، آپ اس کا کیا علاج کرسکتے تھے۔آپ نے تو حتی الامکان بہت روک تھام کی لیکن بالکل ناکامیاب رہے۔

دعوت قریش اور عیسائی مولفین کی تحقیق

حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چودہ سو برسوں کے بعد اس کی عظمت و اہمیت نے آپ کے ایسے مویدین اسلام پر اگر نہیں تو مخالفین اسلام کے قلوب پر پورے طور سے اثر یا اور اتنی مدت دراز کے بعد اس واقعہ کی حیرت خیزی اور تعجب انگیزی۔ صداقت اور حقیقت کو جیسے اور جتنے الفاظ میں انہوں نے بیان کیا ہے۔ ویسے ہی اور اتنے الفاظ میں آپ نے نہیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ حقیقت پسند تھے اور آپ اپنے مطلب کے غرض مند، ہم ان کے چند اقوال مختار ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

مسٹر جان ڈیونپورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ ہز قران میں لکھتے ہیں۔ Apology for Mohammad & his Quran محمد صلعم نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہ کیا۔ اور دوبار چند مہمان اپنے خاص قبیلہ کے جمع کیے۔ اور ان لوگوں کے سامنے بھیڑ کا گوشت اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا۔ اس بے تکلف ضیافت کے بعد وہ اٹھے اور اپنے پاکیزہ صفات بیان کر کے اسپیچ (جس کی فطرتی خوش بیانی آج تک یادگار ہے) اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ کون تم میں اس بارگران کی برداشت کرنے میں مدد کرے گا۔ اور کون شخص میرا نائب اور وزیر ہوگا۔ جس طرح ہارونؑ موسیٰ کے وزیر تھے۔ کل مجمع تعجب کے ساتھ سکوت میں ہوگیا اور کسی کو اس مجوزہ عہد خوف ناک کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان پرزور علی (محمدؐ کے چچازاد بھائی) اُٹھا اور للکار کر کہا۔ اے نبی اللہؐ میں آپ کا نائب اور وزیر ہوں گا۔ اگر چہ میں درحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری طاقتیں ان لوگوں کے مقابلہ میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اے نبیؐ میں ان لوگوں پر تمہارا نائب ہوں گا۔ محمد صلعم نے اپنا ہاتھ علی کے گردن میں ڈال دیا اور ان کو اپنے سینہ سے لگا کر با آواز بلند کہا کہ دیکھو میرے بھائی اور میرے وزیر کو۔

مسٹر کارلائل اپنی کتاب ہیروز میں جس کا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہے، لکھتے ہیں۔

اگرچہ یہ مجمع جس میں علی کے باپ ابوطالب بھی تھے۔ محمدؐ (صلعم) کا دشمن نہ تھا۔ مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے برخلاف کوشش کریں گے۔ ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی۔ اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہوگیا۔ لیکن ثابت ہوگیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی بلکہ ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص اسے پسند کرے اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اس سے ظہور میں آئیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جس کی تیز و تند جرأت کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجب طرز کی جواں مردی تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا لیکن باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی، رحم اور سچائی تھی کہ ایک کرسچین نائٹ Christian Knight (عیسائی دیندار مجاہد) کے شایان تھی۔

واشنگٹن آرون اپنی کتاب سکسیسرس آف محمدؐ Successors of Mohammad میں لکھتے ہیں۔

محمد صلعم نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب رہنے کے دوبارہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو اپنے مکان پر جمع کیا اور ان کی

ضیافت کی۔ پھر کھڑے ہو کر خدا کے الہامی حکم سے اپنے سلسلہ کے لوگوں کو آگاہ کیا اور با آواز بلند فرمایا کہ آئے اولاد عبدالمطلب جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس کے نام سے تم لوگوں کو اس دنیا کی برکتیں اور آئندہ کی تمام خوشیاں بخشتا ہوں۔ پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا وزیر، میرا جانشین ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ خاموش رہ گئے۔ بعض لوگ تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبرؐ کے حضور میں عرض کی کہ اے پیغمبر صلعم میں حاضر ہوں۔ محمد صلعم نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈال دیئے اور ان کو اپنے سینہ سے لگا کر با آواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی، میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ نوجوان علی کے اس جرات و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کمسن خلیفہ کے باپ کو (ابی طالب کو) اپنے بیٹے کے سامنے جھکنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔

مسٹر گبن ایم، پی

Mr. Gibbon M.P اپنی تاریخ اقبال و ادبار رومن امپائر میں لکھتے ہیں۔ محمد صلعم نے اظہار دعوت میں تامل فرمایا۔ اس وقت تک کل 14 آدمی ایمان لا چکے تھے۔ لیکن چوتھے برس انہوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کی غرض سے انہوں نے خاندان بنی ہاشم سے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا۔ اور ان کے لیے سامان ضیافت مہیا فرمایا۔ بعدہ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے دوستو! اے عزیزو! میں تم لوگوں کے لیے افضل ترین نعمتیں دین و دنیا کا خزانہ لایا ہوں۔ جس کو میرے سوا دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اُس کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں میں سے کون میرا رفیق اور وزیر ہوگا۔ پیغمبر صاحب کے اس سوال کا کچھ جواب نہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ حقارت رشک اور تعجب کی خاموشی حضرت علی کی جرأت سے دفع ہوئی۔ جو اُس وقت ایک چودہ سالہ نوجوان تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ اے نبیؐ اللہ میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت اور رفاقت کے لیے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا، ان کے دانت توڑ ڈالوں گا، ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا، اے نبی اللہؐ میں آپ کی وزارت کے لیے حاضر ہوں۔ محمد صلعم نے علی کی التماس کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا اور حاضرین نے ابوطالب کو اپنے لڑکے کے اس عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے۔

عیسائی مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے ہماری غرض شہادت واقعہ سے نہیں ہے۔ بلکہ شہرت واقعہ سے طالبان تحقیق پر ثابت ہو گیا کہ حقیقت حال پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ کتنی مشہور و معروف ہے کہ ایشیا سے لے کر یورپ تک تمام صاحبان تحقیق اس سے پورے واقف ہیں اور اسلامی مورخین و محدثین کیا۔ غیر مسلم مؤلفین و محققین نے بھی اصلی ماخذوں اور عربی کتابوں سے اس کو لے کر اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں قلم بند فرمایا ہے۔ پھر ہم یاد دلاتے ہیں کہ حقیقت کسی کے بھی چھپائے چھپ نہیں سکتی۔ اس لیے کہ حقیقت ہے۔ بخاری صاحب اور ان کی ہم نوا و ہم خیال حضرات نے اسے لاکھ چھپایا۔ اور اس کی معانی و مطالب کو گھٹایا۔ لیکن حقیقت کے جبروت نے انہیں کے ایسے بے شمار علما و محدثین سے تو لکھوا لیا تھا۔ مخالفین اور اغیار سے تفصیلی واقعات کا اعتراف کرا ہی چھوڑا۔ اب رہی بخاری صاحب کی طلسمی قلم کاری، اس کی حقیقت عبارت حاشیہ سے پورے طور پر واضح اور روشن ہو کر مویدین بخاری کے لیے عبرت آموز ہے۔

نبوت کا پانچواں سال

کفار قریش کے اسباب مخالفت

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ابتداً کفار قریش اگر چہ مخالفت اسلام کے صیغہ میں خاموش رہتے تھےلیکن اسلام کے نام سے ان کو ایسی فطرتی نفرت تھی کہ اس کے ذرا سے اظہار و اعلان پر چراغ پا ہو جاتے تھے اور دبی ہوئی چنگاری کی طرح فوراً بھڑک اٹھتے تھے۔ اور غربائے مسلمین پر جو اس وقت تک محض انگلیوں پر شمار کے قابل تھے، ٹوٹ پڑتے تھے اور ان غریب جانوں پر قیامت کے ظلم وستم ڈھاتے تھے، تفصیل آگے آتی ہے۔

تفصیل سے پہلے ہمیں چاہیے کہ مشرکین قریش کے عام طبقہ میں مخالفت اسلام کے اسباب تلاش نہ کریں اور یکجا کر کے ان کو مفصل اور مسلسل طریقہ سے بتلا دیں اور دکھلا دیں کہ ہر شخص ان کی مخالفت کے بیرونی اور اندرونی اسباب کو کماحقہ سمجھ لے حدیث و تاریخ کی کتابوں میں یہ اسباب و علل ایک جگہ جمع کرنے کی ترکیب کے خلاف مختلف مقامات میں اہمیت واقعات کی رعایت و مناسبت کے اعتبار سے جمع کیے گئے ہیں۔ صاحب رحمۃ العالمین نے مجمل طور سے اور شبلی صاحب نے مفصل طریقہ سے ان تمام توجیہات کو سیرۃ النبی میں مندرج فرمایا ہے۔ ہم اُسی کی نقل و خلاصہ کو اپنے مدعائے بیان کے لیے کافی سمجھ کر حسب ذیل لکھتے ہیں۔

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب یہ تھے۔ مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جس کی وجہ سے، وہ ہمسائیگان (جار اللہ) خدا بلکہ آل اللہ (ا) خاندان الٰہی کہلاتے تھے۔

اس کی صرف وجہ یہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤساا عظم تھے۔ اور جن کے آثار و اقتدار تمام مکہ پر تھا۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوسفیان بن حرب — معٰویہ کا باپ، حرب فجار میں قریش کا سپہ سالار
۲۔ ابولہب — آنحضرت کا عم نافہم
۳۔ ابوجہل — ولید بن المغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار
۴۔ ولید بن مغیرہ — خالد کا باپ، قریش کا رئیس اعظم
۵۔ عاص ابن وائل — عمر بن عاص کا باپ نہایت کثیر المال، کثیر اولاد اور صاحب اثر تھا۔
۶۔ عتبہ بن ربیعہ — معاویہ کا نانا، نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا۔

ان کے سوا اسود ابن عبد المطلب، اسود بن عبد یغوث، نصر بن الحرث بن کلدہ، اخنس بن شریق ثقفی ابی بن حلف، عقبہ ابن معیط، اموی اور ابوالبجری وغیر ہم صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے۔

پہلا سبب

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان بنی ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے۔اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کی آبائی رسم وعقائد کے خلاف ہو ان کو سخت برہم کر دیتی تھی اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی تھی اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز نہیں بجھا سکتی تھی۔آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے۔لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔اور اگر حکومت موجودہ منتظم اور صاحب ثروت نہ ہوتی تو اس سرزمین پر خون کا بادل برس چکا تھا۔

دوسرا سبب

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) میں تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔ہبل خدائے اعظم تھا، یہی بت ہر قسم کے خیر وشر کے مالک تھے۔پانی برساتے تھے۔اولادیں دیتے تھے۔معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔خدا یا تو سرے سے نہ تھا۔یا تھا تو وجود معطل تھا۔اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو فوراً برباد کر دینا تھا۔لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت واقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور انہیں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا وہ اس قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا۔چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔لیکن حرب کے مرنے کے بعد ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔اس لیے ولید بن مغیر نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی تھی۔ابوجہل اسی کا بھتیجا تھا۔اور وہ بھی قریش میں اعتبار رکھتا تھا۔ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔خاندان ہاشم میں سب سے ممتاز اور کبیر السن ابولہب تھا۔جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ اثر عاص ابن وائل کا تھا۔جو نہایت دولت مند اور کثیر الاولاد تھا۔قریش کی عنان حکومت انہیں کے ہاتھ میں تھی۔اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبدیغوث، نصر بن الحرث، امیہ بن حلف، عقبہ بن معیط الاسدی، انہیں لوگوں کے زیر اثر تھے۔اس وجہ سے اعدائے اسلام میں اُن کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب عظیم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔**و قالوا الو لا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتان عظیم** (وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اُترنا تھا تو ان دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے رئیس اعظم پر اترتا (یعنی ولید بن ربیعہ اور ابومسعود ثقفی)۔عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد سب سے ضروری شرط تھی۔اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو۔وہ عالم آخرت کے برکات سے محروم رہتا ہے۔قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن مغیرہ امیہ بن حلف، عاص بن وائل السہمی اور ابومسعود

ثقفی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اوصاف سے خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا۔ اور اولاد مذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

تیسرا سبب

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی۔ جس کی یہ وجہ تھی کہ ابرہتہ الاشرم (شاہ حبش) جو کعبہ ڈھانے کو آیا تھا وہ عیسائی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کو عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور مسلمان دل شکستہ ہوئے۔ چنانچہ یہ آیت اُتری:

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ (روم)

قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے۔ مغلوب ہونے کے چند سال بعد پھر غالب آ جائیں گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گئے۔

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے تھے۔

چوتھا سبب

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلہ نہایت ممتاز اور حریف یک دیگر تھے۔ بنی ہاشم اور بنو اُمیہ۔ عبد المطلب نے اپنے زور واثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ ابوطالب دولت مند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا۔ اس لیے بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں۔ اور وہی تمام لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ عقبہ ابن معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھری لا ڈالی تھی۔ اموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ تھا۔ وہ بنی مخزوم تھے۔ ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اس لیے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلعم کی سخت مخالفت کی۔ ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن تبریق ابوجہل کے پاس گیا۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہم اور بنو

عبد مناف ہمیشہ حریف مقابل رہے۔انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔انہوں نے خون بھادیئے۔تو ہم نے بھی خون بہا دیئے،انہوں نے بھی فیاضیاں کیں،تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں۔یہاں تک کہ جب ہم نے کندھے سے کندھا ملا دیا تو اب بنی ہاشم پیغمبریؐ کے دعویدار ہیں۔خدا کی قسم ہم اس پیغمبرؐ پر کبھی ایمان نہیں لاسکتے۔بحوالہ ابن ہشام،ص108،مصر

پانچواں سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ابولہب جو خاندان بنی ہاشم میں ممتاز تھا۔اس نے حرم محترم کے خزانے سے غزال زرین چرا کر بیچ ڈالے تھے۔اخنس بن شریق جو بنوزہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا۔نمام اور کذاب تھا۔نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کرتے تھے۔دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دارو گر کرتے تھے۔اس سے ان کی عظمت واقتدار کی شہنشاہی تنزل ہوتی جاتی تھی۔قرآن مجید میں پیہم اور علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا۔لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ۝١٢ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝١٣ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ۝١٤ (القلم)

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آ جو بات بات میں قسم کھاتا ہے۔آبرو باختہ ہے۔طاعن سے چغلیاں لگاتا ہے۔لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے۔حد سے بڑھ گیا ہے،بدتندخو ہے اور ان سب باتوں کو جھوٹا نسب بتاتا ہے۔اس لیے کہ وہ مالدار ہے اور لڑکوں والا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦ (العلق)

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا۔تو ہم اُس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے۔

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا۔لیکن مدت کی غفلت،عربی نخوت،دولت واقتدار کا فخر،ریاست کا زعم،ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبر نہ ہوتے۔اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے گئے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝١١ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُودًا ۝١٢ وَّبَنِينَ شُهُودًا ۝١٣ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيدًا ۝١٤ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيدَ ۝١٥ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيدًا ۝١٦ (المدثر)

ہمیں اور اس کو تنہا چھوڑ دو، میں نے اس کو پیدا کیا۔ پھر بہت سا مال دیا، بیٹے دیئے، سامان دیا، پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کی طرف ہے۔ جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اس شخص کی زبانی ادا ہوئے تھے۔ جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا۔ یہ تھا کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عالم تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام ان کا نام ونشان مٹاتا تھا۔ اور ان کی شان میں کہتا تھا:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (الانبیاء)

تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو، وہ سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔

مدت تک قریش کے تحمل کے اسباب

ان کے اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خون ریزیاں شروع ہو جائیں گی۔ لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا اور اس کے ناگزیر اسباب تھے۔ قریش خانہ جنگیوں میں بے پناہ ہو چکے تھے۔ اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی ہی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے تو مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کیے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے، یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا قریش کے لیے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ بنی ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے۔ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہیں تھا جس میں دو ایک آدمی اسلام نہ لا چکے ہوں۔ اس لیے اسلام اگر جرم تھا صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سینکڑوں تھے اور سب کا استیصال ناممکن تھا۔ سیرۃ النبی ج1، ص55-161

کفار قریش کی تمام مخالفتوں کے یہی اسباب تھے۔ جو تفصیل سے لکھے گئے۔ عام اصول فطرت کے مطابق مخالفت کے جتنے مختلف اسباب تھے مخاصمت کی اتنی ہی مختلف اور متفرق صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ ان خام خیالوں نے سب سے پہلے مخالفت اسلام کی جو تدبیر نکالی اور اس کو عملی صورت میں لائے وہ اسلام لانے والوں پر خونخوارانہ ظلم وتعدی تھی کوتاہ اندیش قریش یہ سمجھے تھے کہ ان ترکیبوں سے عام طبقات کو عبرت ہوگی۔ اور جو اسلام لا چکے ہیں وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند مظلومین اسلام کے احوال ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

ظالمین قریش اور مظلومین اسلام

سابقین مومنین کی فہرست مظلومین میں نمبر اوّل آل یاسر ہیں جن کے مصائب وشدائد کس قدر اوپر قلم بند ہو چکے ہیں۔ خاندان کا خاندان طبقہ اول کا صاحب ایمان ہے۔ یاسر اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ پریشان ہو کر مکہ میں چلے آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز سمیہ نامی سے عقد کر لیا۔ لڑکے بالے ہو گئے اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لی۔ یاسر کی بی بی سمیہ یاسر کے دونوں بیٹے عمار اور عبداللہ۔ غرض کہ سارا گھر مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ لیکن دولت ایمان کے سوا گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ تمام خاندان عسرت اور ناداری میں بسر کرتا تھا۔ کفار قریش غریب و بے یار سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے ان غریبوں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے، سراپا مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ادھر آ نکلے۔ مومنین مخلصین کی یہ مصیبت آپ سے دیکھی نہ گئی لیکن مجبوری ایسی تھی کہ سوائے سکوت وخاموشی کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ان کی مصیبت ناک حالت مشاہدہ فرما کر ارشاد کیا اصبرو ایا ال یاسر فان موعد کم الجنۃ (اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے) کم بخت ابوجہل نے یاسر کی بی بی سمیہ کو نیزے کی نوکیں کونچ کونچ کر مار ڈالا۔ غریب یاسر کا بھی ایسی ہی شدید ضربوں سے خاتمہ بالخیر کر دیا گیا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ظالمین دیکھ لیں گے ان کی کیسی بازگشت ہونے والی ہے۔

۲۔ خباب بن الارث

تمیم کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کیے گئے۔ اور ام نماز نے خرید لیا۔ یہ اُس زمانہ میں اسلام لائے۔ جب آنحضرت صلعم ارقم کے گھر میں مقیم تھے۔ اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے۔ اس پر ان کو چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خباب نے مدتوں کے بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔ خباب جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے بعض لوگوں کے ذمہ ان کا بقایا تھا۔ مانگتے تو جواب ملتا کہ جب تک کہ محمدؐ (صلعم) کا انکار نہ کرو گے کوڑی نہ ملے گی یہ کہتے کہ نہیں جب تک کہ تم مر کے جیو نہیں۔ سیرۃ النبی بحوالہ بخاری، ص 691

حضرت بلال

یہ وہی بلال ہیں جو مؤذن مشہور ہیں۔ حبشی النسل تھے۔ اور امیہ بن حلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان ان کے سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائے۔ اکثر گردن میں رسی باندھ کر لڑکوں کو پکڑا دیتا اور وہ مکہ کے پہاڑوں پر ان غریب کو جانوروں کی طرح گھسیٹتے پھرتے۔ گردن میں رسیوں کے نیل پڑ جاتے، کبھی یہ ہوتا تھا کہ ان کی مشکیں باندھ کر

زمین پر ڈال دیتے تھے۔ اور ڈنڈوں سے پیٹتے جاتے تھے۔ ان تمام مارں کے بعد پیٹ کی مار بھی دی جاتی تھی جو سب سے بُری تھی۔ متواتر کئی کئی دنوں تک غریب بے آب و دانہ رکھے جاتے تھے۔ لیکن ان تمام مصائب و شدائد میں بھی وہ اسلام کا سبق نہ بھولے۔ ہر ہر ضرب پر اُحد اُحد کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے (اور بروایتے عباس بن عبدالمطلب نے) ان کو ان کے مالک سے خرید کر کے آزاد کر دیا۔

۴۔ صہیب رومی

یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہیں تھے۔ ان کے والد سنان نامی کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے۔ اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے ان میں صہیب بھی تھے۔ یہ روم میں چلے تھے۔ اس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر کے آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعوۃ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا۔ حضرت عمرؓ جب نماز میں زخمی ہوئے تو اپنی بجائے انہیں کو امامت دی تھی۔

۵۔ ابوفکیہ

ابوفکیہ کنیت تھی۔ افلح نام تھا۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے تھے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں۔ ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا۔ اُمیہ نے ان سے کہا کہ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر اُمیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔ بحوالہ ابن سعد جلد سوم

کفار قریش کا یہ سلوک گھر کے غلاموں اور قوم کے نادار لوگوں تک محدود و موقوف نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کے ناقابل العفو جرم میں وہ اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ بھی ایسے ہی ظلم و ستم سے پیش آیا کرتے تھے۔

۶۔ حضرت عثمان بن عفان

حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کی خبر جب ان کے چچا کو ہوئی۔ تو وہ کم بخت حضرت عثمانؓ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

۷۔ زبیر بن العوامؓ

زبیر بن العوام جب اسلام لائے تو ان کے چچا بھی انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔

۸۔ مصعب بن عمیر

کے اسلام لانے کی خبر ملنے پر ان کی شفیق القلب ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔

۹۔ سعیدؓ بن زید

حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی، سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ کر ڈال دیا۔

۱۰۔ سعد بن وقاص

اگرچہ اپنے قبیلہ میں نہایت معزز اور مقتدر تھے۔ تاہم کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں تھے۔ بنو اسد اسلام کے جرم میں ان کو سخت سزائیں دیتے تھے۔

بے رحم اور حد سے زیادہ خونخوار کفار قریش مظلومین اسلام کو ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے۔ کہ اُن غریبوں کی ہمت و استقلال کے سوا کوئی اور شے ان کے تحمل و برداشت کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ ان کی ہمت و استقلال کے سوا یہ بھی اسلام کی صداقت کا عین الکمال تھا۔

۱۔ حضرت سمیہ

مرقومہ بالا مظلوم اسلام کے سب مرد تھے۔ نامردظلمہ قریش نے مسلمان عورتوں کو صنف نازک وضعیف پر بھی رحم نہ کیا۔ ان مصیبت دیدہ اور آفت رسیدہ عورتوں میں سب سے پہلے جس خاتون کی نہایت وحشیانہ اور بے رحمانہ طریقہ سے جان لی گئی۔ وہ حضرت یاسر کی بی بی سمیہ تھیں اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی ماں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

۲۔ لبنیہ کی کنیز

یہ بے چاری کنیز تھیں۔ حضرت عمر اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے۔ میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ میں خود تھک گیا ہوں۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں، دیکھو عمر اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو تم سے خدا اس کا انتقام لے گا۔

۳۔ زنیرہ

لبینہ کی ایسی ہی دوسری کنیز۔زنیرہ تھیں۔یہ بھی حضرت عمر کے قبیلہ کی کنیز تھیں۔حضرت عمر (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے۔ابوجہل نے تو ایک دن ایسی مار ماری کہ غریب کی آنکھیں جاتی رہیں۔

۴۔ نہدیہ اور (۵) اُم عبیس

یہ بھی دونوں کنیزیں تھیں۔اورصرف اسلام کے جرم میں یہ مصیبتیں جھیلی تھیں۔یہ تمام جلادانہ بے رحمیاں یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کرسکیں۔ایک نصرانی مورخ نے سچ لکھا ہے:

عیسائی اس کو یادرکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسائل نے وہ نشہ آپ کی پیروؤں میں پیدا کردیا تھا۔جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ان کا نشہ دینی جاتا رہا۔اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔اس کے برعکس محمد صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کردیا۔اپالوجی گاڈفری ہنگس ترجمہ،اُردو ص66-67

قریش اور آنحضرت صلعم کی مخالفت میں مشاورت

کفار قریش اپنی اس تجویز میں کہ مسلمانوں کو اتنا ستایا جائے کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔اور ان کی اذیتوں کو دیکھ کر دوسرے لوگ قبول اسلام پر جرات نہ کرسکیں بالکل ناکامیاب رہے۔تو اب ان بے رحموں نے حضرت رسول خدا صلعم کو ذاتی ایذا رسانیوں کی تدبیریں سوچیں۔ان ناہنجار تجویزوں کو عملی صورت میں لانے کے لیے انہوں نے ایک باقاعدہ مجلس مشاورت قائم کی جس میں تمام قبائل وعشائر کے پچیس سردار شامل تھے کمال مال اندیشی کے خیال سے بدبخت ابولہب کو اس مجلس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ؎

ضابرہنہ کرے ننگ خاندان نہ کرے۔

اس مفسدہ انگیز مجلس کا پہلا مقصد جو اتفاق رائے کے لیے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ قبائل بیرونی جو مکہ میں آیا کرتے ہیں ان کو قربت اور صحبت رسولؐ سے بچایا جائے اور ان کے علیحدہ رکھنے کی یہ ترکیب ہے کہ ان سے آنحضرت صلعم کے متعلق ایسے خاص معائب بیان کیے جائیں کہ وہ خود بالطبع آپ سے متنفر ہو جائیں۔

سب نے اس پر اتفاق کیا کہ آپ کو کاہن مشہور کیا جائے۔ولید بن مغیرہ جو قریش میں سب سے زیادہ بوڑھا اور تجربہ کار تھا۔بول اٹھا میں نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے،کہاں کاہنوں کی تک بندیاں اور کہاں محمد (صلعم) کے کلام کی معجز نما فصاحت وبلاغت۔دیکھو ایسی بات نہ کہو کہ قبائل عرب سنتے ہی کہنے لگیں کہ غلط الزام لگاتے ہو اور جھوٹ کہتے ہو۔پھر یہ تجویز ہوئی کہ اچھا کاہن نہیں تو مجنون مشہور کیا جائے۔ولید نے پھر ٹوکا۔اور کہا توبہ کرو۔محمدؐ کو دیوانگی سے کیا واسطہ اور جنون سے کیا علاقہ۔

پھر یہ بات قرار پائی کہ انہیں شاعر بتلایا جائے۔ ولید کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اس نے تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔ ہم خود شاعر ہیں، ہمیشہ شعر کہتے ہیں۔ اصناف سخن اور اوصاف فن سے خوب واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں شعر میں کیا بات ہوتی ہے۔ محمدؐ کے کلمات کو شعر کے لغویات سے کوئی مناسبت نہیں۔

پھر اس پر اتفاق ہوا کہ اچھا انہیں ساحر کہا جائے۔ ولید بولا یہ جادو بھی نہیں چلے گا۔ کہاں محمدؐ کے اخلاق و عادات کی لطافت کہاں ساحروں اور شعبدہ گروں کی نجاست۔ محمدصلعم کا جمال جہاں آرا، ان کے محاسن و کمال کا آئینہ ہے۔ جادوگروں کی منحوس صورت ان کی سیہ کاریوں کی تصویر ہے۔

اب تو سوچتے سوچتے مجمع کا مجمع تھک گیا۔ سب کے سب عاجز آ گئے تو ولید ابن مغیرہ سے کہنے لگے کہ اچھا اب آپ ہی کچھ تجویز کریں اور کوئی مفید تدبیر نکالیں۔ ولید نے تمام جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اول تو اس امر خاص میں میں کچھ نہ کہوں گا اور اگر کچھ کہوں گا بھی تو وہ بالکل سچ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً محمدؐ کے کلام میں ایسی حلاوت ہے اور اس کی تقریر میں عذب البیانی کی ایسی قدرتی تاثیر ہے کہ باپ بیٹے، بھائی بہن اور شوہر و زن میں مفارقت ہو جاتی ہے اور وہ برسوں سے تمہارے پیش نظر ہے۔ میں اس قدر تم سے کہوں گا اور بس تم سمجھنے والے ہو تو سمجھ جاؤ۔

ولید ابن مغیرہ کی اس تقریر نے تمام جلسہ میں سکوت کا عالم پیدا کر دیا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ اس لیے کسی فرد واحد کو اس کے خلاف مجال سخن نہ ہوئی۔ لیکن دوسرے سے جاہل تھے۔ جہالت سے اب بھی باز نہ آئے۔ اپنے ہی سردار قوم سے پیغمبر برحق کے اوصاف سن کر عبرت پذیر تو نہ ہوئے بلکہ خجالت و شرمندگی کے جاہلانہ غصہ میں پہلے سے بھی زیادہ بھر گئے۔ اور پیچ تاب کھانے لگے۔ بالآخر اپنی کافر کرداریوں کے تقاضہ سے سب نے مل کر یہ تدبیر نکالی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہر ممکن طریقہ سے پریشان کیا جائے ان کی تعلیم کے ہر مقصد کی تضحیک و توہین کی جائے اور مسلمانوں کو تمام مظالم کا نشانہ بنایا جائے۔ (ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 90 وشفاء قاضی عیاض، صفحہ 129)

قریش کا پہلا وفد اور ابی طالبؑ کی خدمت میں آنحضرت کی شکایت

شبلی صاحب نے اس مقام پر نہایت مناسب طریقہ سے حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کر دی تو قریش کے چند معززین نے ابوطالبؑ سے آ کر شکایت کی ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر ان کو رخصت کر دیا۔ ادھر قوم و وطن کی انسانی قوتیں مخالفت اسلام کی تدبیریں سوچ رہی تھیں۔ راہیں نکال رہی تھیں۔

نبوت کا چھٹا سال حضرت حمزہ کا اسلام لانا

ادھر نظام ربانی جبروتی طاقت اس کی وسعت کے سامان کر رہی تھی۔ شبلی صاحب رقم طراز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمام میں حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپ سے دو تین برس بڑے تھے۔ اور ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا مذاق سپہ گری اور شکار افگنی تھا۔ معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے۔ تمام تمام دن شکار کھیلنے میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے طواف کرتے۔ قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہ ان لوگوں سے صاحب وسلامت کرتے۔ کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا۔ اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

شبلی صاحب نے اس واقعہ کی تمہید کو جس تفصیل سے تحریر فرمایا تھا اس تصریح سے اصل واقعہ کو نہیں لکھا جس سے معلوم ہو جاتا کہ ان کے اسلام لانے اور مشرف بایمان ہونے کے خاص اسباب وہی محبت واخلاص کے جذبات تھے۔ ہم ذیل میں ابن ہشام کے خاص الفاظ سے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

ان ابا جهل مر برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عند الصفا تأذاه و شتمه و قال منه بعض مايكره من العيب لدنيه والتضعيف لا مره فلم تكلمه رسول الله صلعم و مولاة عبد الله بن جدعان فى مسكن لها تسمع ذلك ثم انصرف عنه فعمد الى ناد من قريش عند الكعبة فجلس معهم فلم يلبث حمزه بن عبد المطلب ان اقبل متوشحا قوسه راجعا من قنض له وصاحب قنص يرميه و يخرج له و كان اذا رجع من قصنه لم يصل الى اهله حتے يطوف بالكعبة و كان اذا فعل ذلك لم يمر على ناد من قريش الا وقف وسلم و لحدث معهم و كان اعرفنى فى قريش واشد شكيمة فلما امر بالمو الات و قد رجع رسول الله صلے الله عليه واله وسلم الى بيته فقالت له يا ابا عماره لو رايت ما لقى ابن اخيك محمد انفا من ابى الحكم ابن هشام وحده ههنا جالسا فاذاه وسبه و بلغ منه ما يكره ثم انصرف عنه و لم يكلمه محمد صلى الله عليه وآله وسلم فاحتمل الخمرة الغضب

لما اراد الله به من كرامته فخرج يسع لم تقف على احد معد الا بى جهل انما لقيه ان يوقع بها فلما دخل المسجد فطر اليه جالسا فى القوم فا قبل نحوه حتى اذا قام على راسه رفع القوس فضر به بها فشجحة شجة منكرة ثم قال الشتمه فا نا على دينه اقول ما يقول فرد ذلك على ان استطعت فقامت رجال من بنى مخزوم الى حمزة لينصر ولأبى جهل فقال ابو جهل دعوا ابا عمارة فانى والله قد سيت ابن اخياء سيئاً قبيحا

ایک بار ابوجہل نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوہ صفا پر دیکھا۔ اس بدبخت نے آپ کو ایذا دی (بروایتے طمانچہ مارا) اور سخت کلامی کی اور بعض کہتے ہیں کہ دین اسلام کی عیب جوئی کہ جناب رسول خدا صلعم نے اس کی بدزبانیوں کا کچھ جواب نہ دیا اور قطعاً خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی جس کا گھر قریب تھا۔ یہ تمام واقعات دیکھ رہی تھی اس کے بعد ابوجہل واپس آیا اور حسب المعمول روساء قریش کے ساتھ کعبہ میں بیٹھ گیا۔ حمزہ بن عبدالمطلب کا یہ دستور تھا کہ ہر روز شکار کے لیے باہر جاتے تھے۔ مگر شکار میں جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کر لیتے تھے۔ اس کے بعد امراء قریش سے جو وہاں موجود رہتے تھے صاحب سلامت کرتے تھے اور تھوڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور باتیں کرتے تھے۔ آپ مرداں قریش میں معزز اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔

پس اس واقعہ کے دن عبداللہ بن جدعان کی لونڈی سے ملاقات ہوئی وہ اتفاقاً حضرت حمزہ کے گھر آئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں موجود تھے۔ اس کنیز نے حضرت حمزہ کو مخاطب کر کے کہا اے ابا عمارہ (حضرۃ حمزہ کی کنیت ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو ابوالحکم ابن ہشام (ابوجہل کی کنیت) نے تمہارے بھتیجے محمد صلعم کے ساتھ کیا ہے۔ دیکھو پوچھ لو وہ تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے ان کو ایذا دی (طمانچہ مارا) اور سخت گالیاں دیں اور جو کچھ نہیں کہنے کو وہ سب کچھ کہا سنا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ لیکن محمدؐ نے اس کا جواب تک نہ دیا۔ یہ سن کر حضرت حمزہ کو سخت غصہ آیا۔ اور یہی غصہ ان کے لیے کرامت ایزدی کا باعث ہوا۔ حضرت حمزہ نہایت تیزی سے گھر سے نکلے اور راہ میں کہیں نہ ٹھہرے اور داخل کعبہ ہوئے۔ ابوجہل کو دیکھا قوم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اسی غیظ کی حالت میں آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ اُس کے سر کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی آہنی کمان اُٹھا کر اُس کو ضرب شدید لگائی اور مارنے کے بعد اُس سے کہا کہ جس مذہب کو تو برا کہتا ہے میں اُسی دین میں داخل ہو گیا۔ اب اگر تیری مجال ہو تو مجھے اُس دین میں داخل ہونے سے باز رکھ لے۔ یہ سن کر بنی مخزوم کا ایک شخص ابوجہل کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہہ کر اُسے فوراً روک دیا کہ ابوعمارہ سے تعرض نہ

کرو۔ان کو چھوڑ دو،قصور میرا ہے۔میں نے حقیقتاًان کے بھتیجے کو بہت بری بری گالیاں دی ہیں۔ابن ہشام،ص99 مصر۔

اس واقعہ کی تفصیل نے بتلا دیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت وصبر نے حضرت حمزہ کے جذبات قرابت ویگانگی میں ایسا مفید اور شدید اثر پیدا کر دیا۔جو حضرت حمزہ کے لیے رشد و ہدایت کا باعث ہوا اور بد بخت ابوجہل کے لیے اس کی سزاو عقوبت کا سبب خاص ۔

چه خوش بود که بر آید به یک کرشمه دو کار۔

اپنا پھر اپنا ہے۔کیسا ہی اختلاف ہو اور کتنی ہی مخالفت۔جب ایسے ناگزیر موقع آ جاتے ہیں تو تعلقات قلبی اور جذبات دلی میں غیر متحمل تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مخالفت کو حقیقی مواصلت کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے،یہ ضروری نہیں کہ حمزہ بھی ابولہب ہی کے ایسے شقی اور سنگ دل ہو جاتے۔خداوند عالم کو یہ بھی اپنی مصلحت خاص دکھلا دینی ضروری تھی کہ اسی گھر میں ابی طالب حمزہ اور عباس کے ایسے خیر خواہ رسولؐ بھی موجود تھے۔اور ابولہب کے جیسا بدخواہ اور دشمن جان بھی۔

کفار قریش اور رسولؐ اللہ صلعم کی ایذا رسانیاں

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے اِدھر اسلام کی قوت بڑھی اور اُدھر کفار کی خصومت،غریب مسلمان مرد اور عورتوں کو جن وحشیانہ طریقہ سے اذیت دیتے تھے اور ان کی غریب جانوں پر جس شدت سے ظلم وستم ڈھاتے تھے اس کی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے۔اب ان کی بدبختی اور شامت بڑھتے بڑھتے آنحضرت صلعم کو بھی جسمانی ایذا پہنچانے لگی۔ان تمام بے رحمیوں بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کا جواب رسول خدا صلعم کے پاس صرف صبر تھا اور خاموشی جب کبھی بہت دل بھر آتا تھا تو صرف اتنا ارشاد کر دیا کرتے تھے۔یا بنی عبد مناف ای جوار ھذا۔اے بنی عبد مناف حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔طبری 1199

ان موذیوں میں ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل)،عقبہ بن معیط الاموی،امیہ بن حلف،نوفل ابن خویلد،ابوسفیان بن حرب،ابو البختری اور عاص بن وائل السہمی وغیرہم سب سے زیادہ مشہور تھے۔اور سرگرم،ہدایت وارشاد کے وقت کلمات طعن وتشنیع کرنا،بے ہودہ اور لغو کلمات بکنا،ادائے نماز کے وقت تالیاں اور سیٹھیاں بجانا،ارکان نماز کی نقلیں اتارنا اور ان پر آوازے کسنا،راستہ چلنے میں آنحضرت صلعم کے پیچھے آوارہ لونڈوں کو استہزاء وتمسخر کرنے کی غرض خاص سے ساتھ کر دینا۔آپ کے راستہ میں کانٹے ڈال دینا اور راہ چلتے وقت آپ پر گھروں سے کوڑا ڈال دینا،ایذائے رسولؐ کے متعلق ظلمہ قریش کی یہ معمولی اور خفیف باتیں تھیں۔جب ان حرکات سے بھی آپ کے صبر وسکوت اور استقلال وثبات میں کچھ فرق نہ آیا تو کفار آپ کی جسمانی تکلیف وآزار پر تیار ہوئے۔تاریخ طبری میں مرقوم ہے۔

اقبل ابن ابی معیط و رسول اللہ صلعم عند الکعبۃ فآوی ثوبہ فی عنقہ و خنقۃ خنقا شدیدا فقام ابو بکر من خلفہ فوصنع یدہ علی منکبۃ فدفعہ عن رسول

اللہ صلعم قال ابو بکر یاقوم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ

آنحضرت صلعم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔عقبہ ابن ابی معیط اموی آیا اور اُس نے اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی کے جیسا بنایا اور جب آپ سجدے میں گئے تو چادر کو آپ کے گرد میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے۔یہاں تک کہ بڑی سختی کے ساتھ آپ کا دم رکنے لگا۔حضرت ابو بکرؓ پیچھے سے آ گئے۔ اپنے ہاتھ اُس چادر میں ڈال کر آپ کی گردن سے اُسے جدا کر دیا اور کہا افسوس ہے اے قوم کے لوگوں تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔طبری

اس روایت میں امام ابن القیم زاد المعاد جلد 1، ص 297 میں اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر چند شریر حضرت ابو بکر سے لپٹ گئے اور ان کی خوب زدوکوب کی۔رحمۃ اللعلمین ،صفحہ 41

جب ان مصائب پر بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرائض تبلیغ اور تعلیم دین الٰہی کی خدمات میں ذرا بھی کمی نہیں کی اور اپنے بے مثال عزم واستقلال سے ان میں ویسے ہی مصروف رہے۔تو ان بدعقلوں اور کوتاہ اندیشوں نے اپنی جہالت و ضلالت کے تقاضوں سے جناب رسول خدا کو تبلیغ اسلام سے روکنے اور باز رکھنے کے لیے دنیاوی ثروت و مال کی ترغیب و تحریص کا ذریعہ سوچا۔اس بنا پر کہ وہ حقیقت ناشناس سمجھے تھے کہ تبلیغ و توسیع اسلام میں آپ کی یہ تمام سعی و کوشش اور کدوکاوش (نعوذ باللہ) حصول نام و نمود اور وصول دولت و ثروت پر مبنی ہے۔اس لیے انہوں نے یہ مجلس مشاورت منعقد کی۔

کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ترغیب و تحریص

ابن ہشام کی تحقیق میں یہ مجلس مشاورت حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد منعقد ہوئی۔اس کا محرک عتبہ بن ربیعہ تھا جو روسائے قریش میں ایک مرد ممتاز شمار ہوتا تھا۔چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ان عتبہ بن ربیعة و کان سیدا قال یوما و ھو جالس فی نادی قریش و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جالس فی المسجد وحدہ یا معشر قریش الا اقوام الی محمد وفا کلمہ و اعرض علیہ امور العلة یقبل بعضھا فیفطیہ ایھا و یکف عناد ذلك حین اسلم حمزہ ور اوصحب رسول اللہ صلعم یکثرون و یزیدوں فقال نعم یا ابا الولید قم الیہ فکلمہ

عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سردار تھا ایک دن اکابر قریش کے ساتھ بیٹھا اور حسن اتفاق سے جناب رسول خدا صلعم بھی مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔عتبہ نے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی

رائے ہو تو میں اس وقت محمدؐ کے پاس جاؤں اُن سے باتیں کروں اور چند امور جو میں نے سوچے ہیں ان سے پیش کروں۔ شاید وہ میرا کسی امر کو قبول کر لیں تو جیسا میرے خیال ہے ہم لوگوں کو ان کی طرف سے فراغت ہو جائے۔ سب نے متفق ہو کر کہاں ہاں اے ابوالولید (عتبہ کی کنیت) جاؤ اور ان سے باتیں کرو۔

اب اصل واقعہ جس طرح پیش ہوا اور جو گفتگو عتبہ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہوئی۔ وہ ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

فقال الیہ عتبہ حتیٰ جلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فقال یا بن اخی انك مناحیث قد علمت من السطۃ فی العشیرۃ والمکان فی البیت و انك قد اتیت قو مك بأ مر عظیم فرقت بہ جماعتہم و سفہت بہ احلامہم و عبت بہ الھتہم و دیتہم و کفرت بہ من مضے من اباءہم فاسمع سنی اعرض علیك امور اتنظر فیہا لعلك تقبل منہا بعضہا قال فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم قال یا ابا الولید اسمع قال یا بن اخی ان کنت انما ترید بما جئت من ھذا الامور مالا جمعنا لك من اموالنا حتیٰ تکون ا کثر اموالنا حتیٰ نبرئك منہ فانہ ربما یرید بہ شرفا سود ناك علینا حتیٰ لا تقطع امرا دو نك و ان کنت ترید بہ امکا ما کنال علینا و ان کان ھذ الذی یا یتك رئیا تراہ لا نستطیع درہ عن نفسك طلبتنالك الطب و یدلنا فیہ اموالنا حقے نبرئم منہ فانہ ربما غلب التابع علی الرجل حتیٰ یداوی منہ او کما قال لہ حتے اذا فرغ عتبہ و رسول اللہ علیہ والہ وسلم تسمع منہ قال قد افرغت یا ابا الولید قال نعم قال فاستمع منی قال افعل فقال بسم اللہ الرحمن الرحیم

حٰم تنزیل من الرحمن الرحیم کتاب فصلت ایاتہ قرآناً عربیا لقوم یعلمون بشیراً و نذیراً فاعرض ا کثر ھم فھم لا یسمعون و قالو قلوبنا فی اکنہ مما تدعونا الیہ ثم مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فیہا یقرو ھا علیہ فلما سمعھا

منه انصت لها والقی یدك خلف ظهره معتمدا علیها یسمع منه ثم انتهی رسول الله صلعم الی السجده منها فسجد ثم قال قد سمعت یا ابالولید ما سمعت فانت و ذاك فقام عتبه الی اصحابه فقال بعضهم لبعض فحلف بالله لقد جاء کم ابو الولید تغیر الوجه الذی ذهب به فلما جلس الیهم قالوا ارائك یا ابا الولید قال ورائی انی سمعت قولا والله ماسمعت مثله قط والله ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکها فته یا معشر قریش اطیعو انی واجعلو ها بی دخلوا بین هذ الرجل و بین ما هو فیه فاعتز لواه فوا الله لیکونن لقومه الذی منه نبا فان قصبه العرب فقد کفیتموه کم وان یظهر علی العرب فملکه مللکم وعزه عز کم و کنتم اسعد الناس به قالوا سحرات والله یا ابالولید بلسا نه قال هذا وائی فیه فاصنعوا ما بذا لکم

عتبہ وہاں سے اٹھا۔اور رسول اللہ صلعم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔اور کہنے لگا آئے میرے بھتیجے تمہارا شمار ہمیں لوگوں میں نہیں ہے اور ہم تمہاری قرابت اور شرافت نسبی سے خوب واقف ہیں۔لیکن تم نے تو قوم کی قوم کو ایک امر اعظم میں مبتلا کر دیا ہے۔ان کی تمام جماعتوں کو متفرق کر دیا ہے ان کی دانش مندوں کو بے وقوف بنایا۔ان کے معبودوں کو عیب لگایا۔ان کے آباؤ اجداد کی قدیم نمودار یوں کو غلط ٹھہرایا لیکن تم اگر میری باتوں کو سنو تو میں اپنے چند تجویز کردہ امور تمہارے پاس پیش کروں۔شائد ان میں سے کوئی امر تمہیں پسند آ جائے۔تو طرفین کے لیے بہتر ہو۔جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہاں تم کہو میں ضرر سنوں گا۔عتبہ بولا اے میرے بھتیجے اگر ان امور سے تمہاری غرض مال ودولت کا جمع کرنا ہے تو ہم تمہیں اس قدر مال دے دیں کہ پھر ہم لوگوں میں تم زیادہ سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔اور اگر ان کے ذریعہ سے تم کو اپنا شرف واقتدار بڑھانا ہے تو ہم سے کہو ہم تم کو اپنا معتبر علیہ اور مقتدر بنالیں۔اور پھر ہم میں سے کوئی فرد واحد تم سے سرتابی نہ کر سکے۔اور اگر تم کو حکومت کا خیال ہے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ اور حاکم بنالیں اور اگر تم اس کے متعلق اپنی طبیعت میں مرض کا جرج پاتے ہو تو ہم سے کہو ہم تمہاری لیے کسی حکیم وطبیب کو تلاش کر لائیں اور اپنے مال وسرمایہ سے تمہارا علاج کرا دیں اور تم کو تندرست وصحیح المزاج کرالیں۔الغرض عتبہ کو

جتنا کہنا تھا وہ کہہ چکا۔ اور جناب رسول خداصلعم اس کی تمام باتوں کو سن چکے تو آپ نے فرمایا۔ اے ابا ولید تم اپنی باتوں کو تمام کر چکے عتبہ بولا ہاں۔ آپ نے کہا کہ پھر میری بھی کچھ سن لو۔ عتبہ نے کہا ہاں۔ کہیے۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم (یہ فرمان خدائے) رحمان (اور) رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے یہ قرآن کتاب ہے جس کی باتیں زبان عربی میں سمجھ دار لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں (ماننے والوں کو) خوشنودی خدا کی خوشخبری سناتا اور (منکروں کو عذاب خدا سے) ڈراتا ہے۔ اس پر بھی اکثروں نے منہ موڑ لیا اور وہ (اس کو) سنتے ہی نہیں (اور اے پیغمبرؐ یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم بلاتے ہو۔ ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں۔

یہاں تک کہ جناب رسول خداصلعم پڑھتے چلے گئے۔ اور عتبہ بن ربیعہ پر ایسی محویت طاری ہوئی کہ غور سے سننے کے لیے اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے باندھ لیا اور بیٹھا سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے مقام سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا۔ سجدے سے اُٹھے تو فرمایا اے ابو ولید تو نے سن لیا جو کچھ تجھے سننا تھا۔ اسی سے تمیز کر لے کہ تو کیا ہے اور یہ کلام کیا ہے۔ یہ سن کر عتبہ وہاں سے بالکل خاموش اٹھا اور اپنے لوگوں کے پاس واپس چلا۔ عتبہ کو آتا دیکھ کر انہیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ قسم خدا کی ابو ولید کا چہرہ متغیر اس وقت کے مقابلہ میں معلوم ہوتا ہے جس وقت وہ ہمارے پاس سے گئے تھے۔ اس اثنا میں عتبہ آ گیا اور بیٹھ گیا۔ قریش نے پوچھا ہاں کہو آئے ابو ولید اب تمہاری کیا رائے قرار پائی۔ عتبہ بولا تم اگر میری رائے پوچھتے ہو تو قسم خدا کی میں ایسی چیز سننے چلا آتا ہوں۔ جیسی میں نے آج تک کبھی نہیں سنی تھی۔ اور خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ سحر ہے، نہ وہ شگون ہے نہ وہ ٹوٹکا ہے اور نہ قصہ ہے نہ کہانی۔ اے معشر قریش میری باتوں کو سنو۔ میری رائے پر چلو۔ تو اس شخص سے اور اس کے امور سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ۔ کیونکہ جو چیزیں میں اس شخص سے سن آیا ہوں وہ صرف خبریں اور بشارتیں اہل عرب آپ ہی اس شخص سے سمجھ لیں گے اور تمہاری مزاحمت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ شخص اہل عرب پر غالب آ گیا تب بھی تمہارا حسب خواہ ہوگا کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا۔ اور اس کی عزت تمہاری عزت۔ الغرض تم دونوں حالتوں میں خوش قسمت ہو گئے۔ یہ سن کر تمام لوگ کہنے لگے آئے ابا ولید! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا بات یہ ہے کہ میں نے اپنی رائے کہہ دی اب تم کو جو اچھا معلوم ہو وہ کرو۔

ہجرت حبشہ نبوت کا ساتواں سال

کفار قریش کو اسلام کی مخالفت میں نا کامیابیوں پر نا کامیابیاں ہی ہوتی جاتی تھی۔ حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے وہ شکستہ خاطر ہو ہی رہے تھے کہ عتبہ کی سفارت کا برعکس نتیجہ دیکھ کر ان کا سوہات کا دل مٹھی بھر کا ہوگیا۔ ان تیرہ قلبوں کو اسلام کے انوار حقیقت کی روشنی تھوڑی تھوڑی معلوم ہونے لگی تھی۔ اور وہ براۃ العین اس کی معجز نما صداقت کے مشاہدات کرتے جاتے تھے۔ لیکن جہالت کی سیاہی اور ضلالت کی تیرگی ان کی خط تقدیر بنی ہوئی تھی۔ اور فطرتی بے رحمی اور شقاوت پتھر کی لکیر ہو رہی تھی۔ ان مشاہدات کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں ان کی ستم گاری اور خونخواری موقوف نہیں ہوئی بلکہ بخلاف اس کے ان کے جور و جفا اور ظلم وایذا اتنے بڑھ گئے کہ آخر کار خدا و رسولؐ کو غریب مسلمانوں کی حفاظت جان و مال کا خاص طور پر انتظام کرنا ہوا۔ ابن ہشام اور طبری لکھتے ہیں:

فقال (النبی صلعم) لهم لو خر جتم الی ارض الحبشه فان بها ملکا لا یظلم عنده احد و هی ارض صدق حتی یجعل الله لکم فرجا مما انتم فیه فخرج عند ذلك المسلمین اصحب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الی ارض الحبشه مخافة الفتنة و فوارأ الی الله بد ینهم فیهم فکانت اول هجرت فی الاسلام، ص ابن هشام۔

جناب رسول خداؐ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ یہاں سے ملک حبشہ کی طرف چلے جاؤ۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ رحم دل اور انصاف پسند ہے اور اس کی حکومت میں ایک کو دوسرے پر ظلم کرنے کی مطلق مجال نہیں اُس کے ملک والے بھی سچے ہیں اور متدین۔ تم لوگ وہاں قیام کرو تاوقتیکہ خداوند عالم تمہیں ان مصائب سے مخلصی عطا فرمائے۔ ارشاد نبوی کے مطابق مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت فتنہ و فساد کے خوف سے اور خدا کی محافظت دین کے خیال سے ذار اختیار کرتے ملک حبش کی طرف چلی گئی۔ اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

ملک حبش کو اہل عرب سے جیسی قربت اور تعلق تھا وہ ظاہر ہے۔ حبش قریش کا قدیم مرکز تجارت تھا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ منجملہ اور چیزوں کے مکہ کا نفیس مال اور بہت بڑا تحفہ چمڑا ہوتا تھا۔ خصوصاً رنگا ہوا چمڑا مکہ اور عموماً حجاز کی خاص صنعت شمار کی جاتی تھی۔ اور کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکہ اور شام سے جو مال تجارت کے لیے حبش کو جاتا تھا وہ علی الاکثر چمڑا ہی ہوتا تھا۔

اہل عرب حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ نجاشی حبشی زبان کے لفظ نجوش کی تعریب ہے جس کے معنی زبان حبش میں بادشاہ

کے ہیں۔موجودہ نجاشی (شاہ حبش کا نام) اصحمہ تھا۔تجارت کے کاروبار اور ہمیشہ کی آمدورفت سے اہل عرب کو حبش کے تمام حالات معلوم تھے۔اس لیے مظلومین اسلام نے آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو جو خاص کرانہیں کی حفاظت جان و مال پر مبنی تھا۔بسروچشم قبول کرلیا۔

سب مسلمانوں کامل کر ایک بار جانا مصلحت وقت نہیں تھا۔اس لیے صحابہ کو دوبار ہجرت کرنی ہوئی۔ایک بار گیارہ آدمیوں کا قافلہ گیا۔شبلی صاحب نے مفصلہ ذیل صحابہؓ کے نام دیئے ہیں۔

(۱) حضرت عثمان مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ، (۲) عیسیہ مع اپنی زوجہ سہلہ نامی و پسر ابوحذیفہ نامی، (۳) زبیر ابن العقوام، (۴) مصعب بن عمیر، (۵) عبدالرحمن بن عوف، (۶) ابوسلمہ مخزومی مع زوجہ اُم سلمہؓ نامی، (۷) عثمان بن مظعون، (۸) عامر بن ربیعہ مع زوجہ لیلیٰ نامی، (۹) ابوہریرہ بن ارہم، (۱۰) حاطب بن عمر، (۱۱) سہیل بن بیضاء، (۱۲) عبداللہ بن مسعود۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوسرا قافلہ بھی روانہ ہوا۔اس میں تقریباً 71 یا 72 آدمی تھے ان کی تاخیر ہجرت کی وجہ ان کی عسرت و ناداری تھی کہ وقت پر زادوراحلہ کا سامان مہیا نہ ہوسکا۔ان جملہ حضرات کے نام ابن ہشام نے جس تفصیل سے لکھتے ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ اوران کی زوجہ حضرت رقیہ، (۲) عمر ابن سعید بن عاص اوران کی بی بی فاطمہ بنت مظعون، (۳) خالد بن سعید بن عاص اوران کی بی بی امینہ یا ہمیہ نامی۔قبیلہ بنی اُمیہ سے اتنے آدمی تھے۔قبیلہ بنی ہاشم سے (۴) حضرت جعفر ابن ابی طالب اور اُن کی بی بی اسما بنت عمیس بنی اسد بن خزیمہ سے (۵) عبداللہ بن جحش، (۶) عبیداللہ بن جحش اوران کی بی بی اُم حبیبہ بنت ابی سفیان، (۷) قیس بن عبداللہ اسدی اوران کی بی بی یرکہ بنت یسار غلام ابوسفیان، (۸) معقیب بن ابی فاطمہ بنی عبدشمس سے (۹) ابوحذیفہ بن عتبہ، (۱۰) ابوموسیٰ الاشعری، حلیف آل عتبہ نوفل بن عبدمطلب کے قبیلہ سے (۱۱) عتبہ بن غروان بنی اسد بن عبدالعزی کے قبیلہ سے (۱۲) یزید بن ربیعہ، (۱۳) عمر ابن اُمیہ بنی عبدقصیٰ سے (۱۴) طیب ابن عمر بنی عبدالدار سے (۱۵) مصعب ابن عمیر، (۱۶) سویبط بن ہاشم، (۱۷) جہم بن قیس، (۱۸) عقیش بن عامر، (۱۹) عامر بن ابی وقاص، (۲۰) خزیمہ بنت جہم، (۲۱) ابوالروم بن عمیر، (۲۲) قراس ابن النضر، (۲۳) بنی زہرہ سے عبدالرحمن بن عوف، (۲۴) عامر بن ابی وقاص، (۲۵) ابی وقاص مالک ابن اھیب، (۲۶) مطلب بن ازہر اوران کی بی بی رملہ۔بنی ہذیل سے (۲۷) عبداللہ بن مسعود، (۲۸) عتبہ بن مسعود، (۲۹) مقداد بن۔اسود تیم بن زہرہ سے (۳۰) حرث ابن خالد اوران کی بی بی ربط (۳۱) عمر بن عثمان بنی مخزوم سے (۳۲) عبدالاسید اوران کی بی بی ام سلمہ (۳۳) شماس عثمان بن عبد، (۳۴) ہبار بن ہمضان (۳۵) عبداللہ بن سفیان، (۳۶) ہشام بن ابی حذیفہ (۳۷) سلمہ بن ہشام (۳۸) عیاش بن ربیعہ، (۳۹) حلیف بنی مخزوم سے معتب ابن عوف، (۴۰) بنی جمح سے عثمان بن مظعون، (۴۱) سائب ابن عثمان، (۴۲) قدامہ بن مظعون، (۴۳) عبداللہ بن مظعون، (۴۴) حاطب بن حرث اوران کی بی بی فاطمہ بنت بحال، (۴۵) محمد بن حاطب، (۴۶) حرث بن حاطب، (۴۷) خطاب بن حرث اوران کی بی بی فکیہ بنت یسار، (۴۸) سفیان بن معمر (۴۹) جابر بن سفیان، (۵۰) جنادہ بن سفیان اوران کی بی بی حسینہ، (۵۱) ان کے مادری بھائی شرجیل بن حسینہ، (۵۲) عثمان بن ربیعہ بنی سہم سے (۵۳) خنیس بن طدافہ (۵۴) عبداللہ بن

حرث، (۵۵) ہشام بن عاص بن وائل (۵۶) عاص بن وایل (۵۷) قیس بن خذافہ (۵۸) ابوقیس ابن الحرث (۵۹) عبداللہ بن خذافہ (۶۰) حرث بن الحرث (۶۱) معمر بن الحرث (۶۲) بشیر ابن حارث (۶۳) سعید بن عمر (۶۴) عمیر بن رعاب (۶۵) بنی زبید سے محمیہ بن الخیر بنی عدی بن کعب سے (۶۶) معمر بن عبداللہ (۶۷) عروہ ابن عبدالعزی، (۶۸) عدی بن فضلہ (۶۹) نعمان بن عدی (۷۰) عامر بن عدی اوران کی بی بی لیلیٰ، (۷۱) بنی عامر بن لوی سے ابوسیرہ بن ابی ارہم اوران کی بی بی ام کلثوم بنت سہل (۷۲) عبداللہ بن مخزمہ (۷۳) عبدالل بن سہیل (۷۴) سلیط بن عمر (۷۵) سکران بن عمراوران کی بی بی سودہ بنت زمعہ (۷۶) مالک بن ربیعہ اوران کی بی بی عمرہ بنت السعدی (۷۷) ابوحاطب بن عمر (۷۸) سعد بن خولہ (۷۹) بنی حرث بن فہر سے ابوعبیدہ الجراح (۸۰) سہیل بن بیضاء (۸۱) عمر بن ابی سرج، (۸۲) عیاض بن زبیر، (۸۳) عمر بن الحرث (۸۴) عمر بن عبدغنم، (۸۵) سعد بن عبدقیس، (۸۶) الحرث بن عبدقیس۔

ابن ہشام نے تعداد تو ۸۰ لکھی ہے لیکن نام گنائے ہیں چھیاسی کے۔ غالباً انہوں نے حلیف اشخاص کی ناموں کو شمار نہیں کیا ہے اوراس طرح شوہروں کے ساتھ ان کی بیبیوں کے نام بھی لکھ دیئے ہیں مگر ان کو بھی شمار نہیں کیا ہے۔ یہ خواتین شمار میں اٹھارہ آتی ہیں ان دونوں کے مجموع سے حضرات مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو چار معلوم ہوتی ہے۔

مولانا شبلی صاحب بہت صحیح کہتے ہیں کہ عام مورخین کا خیال ہے ہجرت انہیں لوگوں نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں تھا۔ لیکن فہرست مہاجرین میں ہردرجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے۔ جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار (مالدار) خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیر (ا) اور مصعب خود آنحضرت صلعم کے خاندان سے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف اور ابوسیرہ معمولی بزرگ نہیں تھے۔ اس بنا پر زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ قریش کے ظلم وستم بے کسوں پر محدود نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی ان کے ستم سے محفوظ نہ تھے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال، عمار، یاسر وغیرہ ان لوگوں کے نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نہیں پائے جاتے۔ یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا ہی دشوار تھا یا یہ کہ درد کی لذت آشنا تھے۔ اوراس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے ؎

دلم زجور تو آسودہ است دمی نا لم کہ غیرلی سبزیو لذت خدنگ ترا۔

ملک حبش میں مہاجرین کا داخلہ

کفار قریش ایسے کیا کرتے تھے جو مسلمانوں کی کسی نقل وحرکت کی خبر پاتے اور خاموش رہ جاتے۔ مہاجرین کی روانگی کی خبر ملتے ہی قریش کا ایک دستہ اس قصد وارادے سے فوراً روانہ ہوا کہ جانے والوں کو راستے ہی میں گرفتار کرلیا جائے۔ لیکن جب تک یہ پہنچے مہاجرین کشتی پر سوار ہو کر ساحل سے روانہ ہوچکے تھے۔ اس لیے تعاقب کرنے والے ناکامیاب واپس آئے۔ لیکن ناکامی اور محرومی کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ رہے۔ جیسا کہ بہت جلد بیان ہوتا ہے۔

مہاجرین کو نجاشی شاہ حبش نے اپنے ملک میں نہایت آرام اور امن وامان سے رکھا۔ اور کامل طور پر ان کو مذہبی آزادی عنایت

کی۔ابن ہشام حضرت ام المومنین ام سلمہ کا یہ قول خود ان کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

لما نزلنا ارض الحبشة جاورنا لها خير جار النجاشى امنا على ديننا و عبدنا الله تعالىٰ لا توذى ولا تسمع شيئاً ذكرهه سيرة ابن هشام. ص ١١٥

جب ہم لوگ ملک حبشہ میں پہنچے تو نجاشی بادشاہ حبش ہمارے ساتھ بمراحم پیش آ تا رہا۔اور ہم لوگ پورے امن کے ساتھ اپنے دین پر قائم تھے اور آزادی سے خدائے تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے کوئی ہمیں ایذا نہ دے سکتا تھا اور نہ ہمیں ئی مکروہات سنتے تھے۔

شبلی صاحب مہاجرین کے آئندہ واقعات لکھتے ہیں۔

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔لیکن قریش یہ خبریں سن سن کر پیچ وتاب کھاتے تھے۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو۔عبداللہ بن ربیعہ اور عمر بن عاص اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔نجاشی اور اس کے درباریوں میں ایک ایک کے لیے گران بہا تحفے مہیا کیے گئے۔امام احمد بن حنبل کی مسند میں،مسند اہلبیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تحفہ بھی علی الاکثر مکہ کا مشہور چمڑا تھا۔غرض نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔

یہ وفد نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ہم نے ان کو نکال دیا۔تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔کل ہم بادشاہ کے دربار میں جو درخواست پیش کریں تو آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔

نجاشی کے دربار میں قریش کی اپیل اُس کی تردید میں حضرت جعفرؑ کی تقریر

دوسرے دن سفراء دربار میں گئے۔اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کردیئے جائیں۔درباریوں نے بھی تائید کی۔نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔اور کہا کہ تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے۔

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفر (حضرت علیؑ کے بھائی) کو انتخاب کیا۔سفراء قریش کی تردید میں حضرت جعفر نے نجاشی کے سامنے یہ تقریر کی۔

ایہا الملک۔ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔بت پوجتے تھے مردار کھاتے تھے۔بدکاریاں کرتے تھے۔ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا،قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے،اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں،سچ بولیں،خون ریزیوں سے باز آئیں،یتیموں کا مال نہ کھائیں،ہمسایوں کو آرام دیں،عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔نماز پڑھیں۔روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ہم اس پر ایمان لائے۔شرک اور بت پرستی چھوڑ دی۔اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی

دشمن بن گئی۔ اور اب ہمیں مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی گمراہی میں واپس آ جائیں۔ نجاشی نے کہا جو کلام تمہارے پیغمبرؐ پر اترا ہے کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں سنائیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا کہ تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلومین کو کبھی واپس نہ دوں گا۔

دوسرے دن عمر عاص نے پھر دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اور نجاشی سے کہا حضور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ ان لوگوں کو تردد ہوا کہ حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ نجاشی عیسائی ہے۔ ناراض ہو جائیگا۔ حضرت جعفر نے کہا کچھ ہو، ہمیں سچ بولنا چاہیے، غرض یہ لوگ دربار میں بلائے گئے۔ حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہمارے پیغمبرؐ نے بتلایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا واللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے۔ نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے ان کے غصہ کی کوئی پروانہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب واپس آئے۔

اس اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلے کے لیے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگر چہ سب سے کمسن تھے۔ لیکن انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے۔ ادھر صحابہ نجاشی کے لیے خدا سے دعائے فتح کرتے تھے۔ چند روز کے بعد زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔

یہاں تک حالات لکھ کر شبلی صاحب نے عیسائی مصنف مسٹر مارگولوس کا اعتراض عبارت حاشیہ میں لکھا ہے۔

مارگولوس نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہتہ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اس غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے آپ نے اصحاب کو حبش بھیجا۔ لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو مکہ پر خود قابض ہو جائے گا۔ مجھ کو کیا ہاتھ آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔

صرف بے ثبوت لکھ دینے سے بے ثبوت ہونے کی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس متعصب عیسائی مؤلف کو وہ سوجھی جو حقیقتاً مشرکین کو بھی نہیں سوجھی تھی۔ لیکن مارگولوس کو اس مغویانہ وہم وقیاس کی کوئی سند کوئی حوالہ پیش کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل اس نے اپنی اکثر غلط فہمیوں کے ثبوت میں ضعیف اور موضوع مرویات اسلامی کو پیش کیا ہے۔ اگر اسلامی سند اس کے پاس اس کی تائید میں موجود نہیں ہے تو اس کی یہ تعریض نہ ہمارے لیے قابل توجہ ہے اور نہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ جب مارگولوس نے کوئی سند پیش نہیں کی تو تعصب ونفسانیت کے سوا اس کے اس مجنونانہ قیاس کی کوئی دوسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

حضرت عمر کا اسلام لانا نبوت کا ساتواں سال

مشرکین قریش اپنی ناکامی اور اسلام کی کامیابی اور ترقی کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔لیکن اپنی جہالت وضلالت سے ہٹتے نہیں تھے۔انوار اسلام نے قریب قریب ان تمام سیہ کاروں کے گھروں میں اپنی روشنی پہنچادی تھی لیکن ان کی سیہ بختی آج تک ان کو اس کے احساس سے محتروم رکھے ہوئے تھی۔حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے وہ دل شکستہ ہو چکے تھے۔عمر عاص کی سفارت حبشہ بھی پیام ناامیدی لائی تھی کہ یکا یک ایک تازہ مصیبت یک نشد دوشد کی صورت میں نمایاں ہوئی جس کی ان کو سوتے جاگتے نہ کوئی اُمید تھی نہ توقع۔ یہ مصیبت حضرت عمر کا مشرف بہ اسلام ہونا تھا۔حضرت عمر کی مخالفت اسلام معمولی نہیں تھی۔ان کی مخالفت کا اثر مظلومین اسلام کے دائرے میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

خصوصاً بے چاری اور بیکس مسلمان کنیزان بے بس ان کی زدوکوب سے اگر مری نہیں تھیں تو مرنے کے بالکل قریب پہنچیں تھیں۔ایسے شدید دشمن اسلام کو رام کرنا قدرت ہی کا کام تھا۔شبلی صاحب مفصلاً یوں رقم طراز ہیں:

حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ زید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔اس خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم ابن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔لیکن حضرت عمرؓ اسلام سے ابھی تک بیگانہ تھے۔ان کے کان میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے۔ان کے دشمن بن گئے۔لبینہ ان کے خاندان کی کنیز تھی۔جس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔اس کو بے تحاشا مارتے،اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ سانس لے لوں تو پھر ماروں گا۔لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھتا تھا اترتا نہ تھا۔ان تمام سختیوں پر بھی وہ ایک شخص کو اسلام سے بے دل نہ کر سکے۔آخر مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا۔تلوار کمر سے باندھی۔رسول اللہ صلعم کی طرف چلے۔کارکنان قضا نے کہا۔

آمد آن یارے کہ ما می خواستیم۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔فوراً پلٹے اور بہن کے پاس پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں۔اور قرآن کے اجزا چھپا لیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی بولیں کچھ بھی نہیں۔انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں،تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے۔اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا تمام جسم لہولہان ہوگیا۔لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی بولیں عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔ان الفاظ نے دل پر خاص اثر کیا۔حضرت عمر نے بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ان کے جسم سے خون جاری تھا۔یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔مجھ کو

بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے کر دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی:

سبح للہ ما فی السموت والارض و ھو العزیز الحکیم

زمین آسمان جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب والا اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا (حضرت عمر کا) دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے تو امنوا باللہ ورسولہ (خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار پکار اُٹھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسولؐ ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہ نے کہا۔ آنے دو مخلصانہ آتا ہے تو بہتر ہے ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے کہا۔ کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے۔ نبوت کی پُر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی، ایمان لانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔

شبلی صاحب کے عقیدے میں حضرت عمر کے اسلام لانے سے اسلام میں جان بھی آ گئی اور خاص شان بھی، اس لیے آپ نے اپنے قدیم طریقہ اختصار سے دست بردار ہو کر خاص طور پر تفصیل سے کام لیا ہے لیکن تاہم اپنی خودغرضی کے اصول کو یہاں بھی ترک نہ فرمایا۔ اصل ماخذ میں جو امور مفید مطلب آپ کے تھے اتنے تو لکھ دیے گئے، باقی الفاظ یہ نہ مؤلف کی شان ہے اور نہ محقق کا انداز بیان۔

آپ نے حضرت عمر کے اسلام لانے کی صورت اس انداز پر کھینچی ہے جس سے یہ امر پایا جائے کہ موصوف کا اسلام لانا ان کی ذاتی تحقیق اور حسن تعقل کا نتیجہ ثابت ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری ابوالطفیل دوسی وغیرہم کے حالات و واقعات سے معلوم ہو چکا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام آپ کے اصلی ماخذ کی عبارت اس کے خلاف حقیقت حال بتلاتی ہے اور اُس کی تصریح کو آپ بالقصد اپنے ترجمہ سے نکال دیتے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے خاندان کے لوگوں نے اسلام کی تعلیم خاص رسول اللہ صلعم سے بھی نہیں پائی تھی۔ بلکہ خباب بن الارث کے واسطہ سے اس موقع پر حضرت عمرؓ کے بھی راہ نما یہی بزرگ تھے۔ اور حضرت عمر نے بھی انہیں سے اسلام کی خوبی اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار رسالت تک اپنی باریابی کے متعلق مستفسرات کیے تھے۔ اور خباب بن لارث نے ان کو تشفی بخش جواب دے کر قبول اسلام اور حصول زیارت حضرت سید الانام پر آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔ ابن ہشام کی عبارت یہ ہے۔

فرجع عمر عامدا الی اختہ و ختنہ و عند ھما جناب بن الارث معہ صحیفہ فیھا طہ یقرئھا ایا ھا فلما احس عمر لغیب جناب فی مخدع لھم او فی بعض البیت

عمر اپنی بہن اور بہنوئی کی تنبیہ کا قصد مصمم کر کے اُس وقت پر پہنچے۔ جب خباب بن ارث اُن دونوں (ان

کی بہن اور بہنوئی) کو اپنے صحیفہ میں سے جو ان کے ہمراہ تھا۔سورۂ طٰہٰ کی آیتیں سنا رہے تھے جب حضرت عمر کے آنے کی آہٹ ملی تو خباب ان کے گھر کی کسی پوشیدہ جگہ میں جا چھپے۔ یا قریب کے کسی مکان میں چھپ گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان میں معلم اسلام خباب بن الارث تھے۔انہیں کے فیضان تعلیم نے ان لوگوں کو مسلمان بنا دیا اتنی عبارت شبلی صاحب نے ترجمہ نہیں کی ہے۔

بھائی بہن میں اجزائے قرآن کے دکھلانے کی نسبت جو مکالمات ہوئے وہ ابن ہشام کے الفاظ میں یہ ہیں:

قال لاخته اعطینی هذه الصحیفة التی یقرون انفا انظر ما هذا الذی جاء به محمد او کان عمر کاتبا فلما قال ذلك قالت له اخته اتانخشال علیها قال لا تخا فی و حلف لها بالهة لیردتها اذا قراتها الیها فلما قال ذلك طمعت فی اسلامه فقالت له یا انك نجس علی شركك وانه لایمسها الا الطاهر فقام فاغسل فاعطیته الصحیفة

حضرت عمر نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم لوگوں پر پڑھا جاتا تھا مجھے دو تو ہم دیکھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا نازل ہوا ہے۔چونکہ حضرت عمر پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔اس لیے انہوں نے ایسا کہا یعنی مانگ کر دیکھنا چاہا۔بہن نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ تم اُسے ضائع کر دو گے۔حضرت عمر بولے تم خوف نہ کرو۔اور اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم اس صحیفہ کو پڑھ کر واپس کر دیں گے۔ جب انہوں نے ایسا کہا تو بہن کو ان کے اسلام کی توقع ہوئی۔لیکن کہا بھائی بات یہ ہے کہ تم اپنے شرک کی وجہ سے ابھی تک نجس ہو۔اور اس صحیفہ کو سوائے طاہر شخص کے کوئی دوسرا نہیں چھوسکتا۔یہ سن کر حضرت عمرؓ اٹھے اور فوراً غسل کر آئے۔تب بہن نے وہ صحیفہ دیا۔

اس عبارت کو بھی شبلی صاحب نے بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔اور حضرت عمرؓ کے قدیم انہاک فی الشرک اور ان کی بہن کے اخلاص فی الاسلام کے متضد عوالم کو پیش کرنا خلاف غیرت سمجھا۔لیکن یہ امور انسان کی سعادت اور توفیقات سے متعلق ہوتے ہیں۔اس میں نسبی یا سببی قرابت اور خصوصیت کا دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد جب خباب بن الارث نے آڑ سے حضرت عمرؓ کو قرآن پڑھتے اور اس کے روحانی مطالب ومعانی سے اثر پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اکبارگی سامنے آ گئے۔باہم جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے:

فلما سمع ذلك الخباب بن الارت خرج اليها فقال له يا عمر و الله لا راجوا ان يكون الله قد خصك بدعوة نبيه فاني سمعته امس و هو يقول اللهم ايدا الاسلام بأبي الحكم بن هشام اوبعمر بن الخطاب فالله الله يا عمر فدلني يا خباب على محمد حتے اتيه فاسلم فقال له خباب هو في بيت عند الصفا معه فيه يفر من اصحابه

جب خباب نے ان کو (حضرت عمر کو) ٹھنڈے دل سے قرآن پڑھتے سن لیا تو سامنے آ کر کہنے لگے اے عمر میں خیال کرتا ہوں کہ خدا نے تجھ کو پیغمبر خدا کی قبول دعوت کے لیے خاص طور پر تجویز فرمایا ہے۔ کیونکہ کل ہم نے آنحضرت صلعم کو یہ دعا فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ پروردگار تو اسلام کی حمایت ابی الحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن الخطاب (کے ذریعہ سے فرما۔ خدا کی قسم یہ بڑا اعزاز ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر بولے کہ اے خباب تم اسی وقت مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں لے چلو کہ میں اسلام لاؤں۔ خباب نے کہا کہ وہ صفا کے پاس ایک مکان میں مقیم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب موجود ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں۔ ابن ہشام ص 120 مصر۔

یہ عبارت بھی شبلی صاحب نے اپنی غرض خاص سے قلم زد فرمادی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خباب بن الارث ان کو راہ راست پر لانے۔ رسول اللہ صلعم کا نشان بتلانے اور ان کے اسلام لانے کے اصلی محرک ہوئے۔

قرآن مجید کے روحانی اثر نے جس طرح حضرت عمر کو مسخر کرلیا اس کی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی۔ اب خباب بن الارث کی رہنمائی سے جب شرف یاب زیارت ہوئے تو رسالت ونبوت کے تصرفات روحانی نے ان کے رام کرنے میں جن عملی ترکیبوں سے کام لیا۔ اس کی نقل و ترجمہ کو بھی شبلی صاحب قلم انداز فرما گئے۔ شاید حضرت عمر کی کسر شان سمجھ گئے۔ اس کی حقیقت ابن ہشام کی زبانی یوں ہے:

فاذن له الرجل و نهض اليه رسول الله صلعم حتى لقيه بالجره فاخذ لحجزته اويجمع ردآئه ثم جيده لجبيدة شديدة و قال ما جاك يا بن الخطاب ما ادى ان تنهى حتى ينزل الله بك قارعة. ص 120

حضرت عمر آئے، اجازت مانگی، آنحضرت صلعم کی طرف سے ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ آنحضرت صلعم خود ان کی طرف بڑھے اور یہ حجرے تک آئے تھے کہ آنحضرت صلعم نے انہیں دیکھ لیا۔ بقولے ہاتھ یا بقولے ان کے گوشہ ردا کو سخت زور سے کھینچا اور پوچھا کیوں پسر خطاب آج تم یہاں کیسے آئے۔ خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تم میں تمام باتوں کی انتہا ہو گئی اور آخر خدا نے تمہیں دوڑا ہوا یہاں بھجوایا۔

نہیں معلوم کہ حضرت صلعم کے ان چند الفاظ خطابیہ میں کیسی قیامت کے روحانی اثر تھے اور آپ کے اس کشش دستی میں کیسی معجزانہ تسخیر کی قوت مضمر تھی کہ حضرت عمر سے باوجود اتنی قدیم عداوت وخصومت کے اس موقع پر پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں سوائے سر افگنی، عجز نمائی اور جبیں سائی کے کچھ اور نہ بن پڑا۔ مندرجۂ بالا سوال رسالت کے جواب میں نیچی آنکھیں کر لیں اور کہا:

جئتك لِأُؤمن الله و برسوله و بما جاء من عند الله

یا حضرت میں تو صرف خدا اور رسولؐ اور جو کچھ اس پر نازل ہوا ہے ان سب پر ایمان لانے کی غرض خاص سے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق اس روایت سے تو موصوف کی اپنی سعی وکوشش کی جگہ، قدرت کی جبروت، رسالت کے روحانی فیوض اور بے چارے خباب ان کی بہن اور بہنوئی کی رہنمائی بقاء مشترک شامل ہوتی ہے۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا ان استخفاف واقعات سے اگر یہ مدعا تھا کہ وہ حضرت عمر کا اسلام لانا، بلاتحریک ومشارکت غیرے ثابت کریں تو وہ ان کے اصلی ماخذ کی عبارات مندرجہ بالا سے کس طرح ثابت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق دوسری روایت

شبلی صاحب کی قدیم عادت ہے کہ تلاش واقعات میں آپ اس واقعہ یا روایت کو نقل کرتے ہیں جو آپ کے مفید مطلب ہوتی ہیں اور ان روایات ومرویات کو جن سے آپ کا مطلب نہیں نکلتا بالکل قلم انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اس موقع خاص پر آپ سے سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت عمر کے اسلام لانے والے واقعہ میں تاریخ ابن ہشام کی صرف پہلی روایت کو تلخیص اور قطع وبرید کے بعد ترجمہ کر کے لکھا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے میں کسی کی تحریص وترغیب کی مداخلت نہیں تھی۔ حالانکہ اوپر کی عبارت سے دکھلا دیا گیا ہے کہ موصوف کے اسلام لانے والے واقعہ میں خباب بن الارث کی تحریک خاص طور پر شامل تھی۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر اپنے ماخذ اصلی کی دوسری روایت پر نہیں گئی۔ جو اس سے زیادہ ان کے مفید مطلب تھی اور اُس سے ایک گونہ موصوف کی تحقیق خاص نکل سکتی تھی۔

ابن ہشام نے شبلی صاحب کی اختیار کردہ روایت کی نسبت لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق یہ وہ روایت جو خاص مدینہ کے لوگوں میں مشہور ہے۔

فھذا الحدیث الرواۃ من اھل المدینۃ عن اسلام عمر بن الخطاب حین اسلم

حضرت عمر کے اسلام لانے کے وقت کی یہ وہ روایت ہے جس کے راوی مدینہ کے لوگ ہیں۔

اس کے بعد ابن ہشام نے موصوف کے اسلام لانے کی وہ روایت نقل کی ہے جو مکہ کے راویوں سے منقول ومذکور ہے۔

حدثنی عبد الله بن ابی نجیح مکی عن اصحابه عطاء و مجاهد و عمن روی ذل ان اسلام عموفیما فحدثوا به عنه انه کان یقول کنت عند الاسلام مباعدًا و کنت

صاحب الخمر فی الجاهلیة جها والثریها و کان لنا مجلس یجتمع فیه ر جال من قریش بالجور عند الدو رال عمر بن عبید بن عمر ان المخز و می قال فخر جت لیلة دیں جلسائی اولئِك فی مجلسهم ذلك قال فجئمتهم فلم اجد فیه منهم احدا قال فقلت لو انی جئت فلانا لخما روا کان بمة بیع الخمر لعلی اجد عنده خمراً فاشرب منها قال فخر جت فجئته فلم اجده قال فقلت لو انی جئت الکعبة فطعت بها سبعاً او سبیعین قال فجئت المسجد ارید ان اطوف بالکعبة فاذا رسول الله صلے الله علیه واٰله وسلم قائم یصلی و کان اذا صلی استقبل الشام و جعل العکبة بینه و بین الشام و کان مصلاه بین الرکنین الرکن الاسود و الرکن الیما نی قال فقلت حین رائیة والله لو انی اسمعت من محمد اللیلة حتے اسمع ما یقول فقلت لئن دنوت منه اسمع منه لا روعنه فجئت من قبل الحجر فد خلت تحت یثا بها فجعلت امثی رویدا و رسول الله صلعم قائم یصلے یقرء القراٰن حتے قمت فی قبلته مستقبله ما بینی و بین اثباب الکعبة قال لما سمعت القراٰن رق له قلبی وبکیت و دخلنی الاسلام فلم ازل قائما فی مکانی ذلك حتے قضے رسول الله صلعم صلاته ثم انصرف و کان اذا انصرف خرج علی دار ابن ابی حسین و کانت طریقه حتے یجیز علی المسعی ثم یسلك بین دار عباس بن عبد المطل و بین دارا زهر بن عبد عوف الزهری ثم علی دار الا خنس بن شریق حتے یدخل بینه و بین مسکنة صلی الله علیه واٰله وسلم ۓ دار الرقطاء التی کانت بیدی معویة بن ابی سفیان قال عمر رضی الله عنه فتابعته حتے اذا دخل دار عباس و دار ابن از هرادر کته فلما سمع رسول الله حسے عرفنی فنظر رسول الله صلعم انی انما البعته لا و ذیه فنهنی ثم قال ماجآء بك یا ابن الخطاب هذه الساعة قال قلت جئت لا و من بالله و برسوله و بما جاء من عند الله قال محمد رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم ثم قال قد هداك الله یا عمر ثم مسح صدری و دعالی بالثبات

ثم انصرفت عن رسول الله و دخل رسول الله صلعم بيته قال ابن اسحٰق والله اعلم اى ذلك

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن نجیح مکی نے اپنے اصحاب عطاؤ مجاہد سے اور انہوں نے اپنے راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق ان کے علم ودانست میں یہ واقعہ گزرا جیسا کہ خود حضرت عمر کا بیان ہے کہ میں ایام جاہلیت میں اسلام کا سخت مخالف اور شراب پینے کا سخت عادی تھا۔خوب پیتا اور پلایا کرتا تھا۔اور مکانات ال عمر بن عبید بن عمران المخز ومی کے قریب ہماری شراب نوشی کی ایک صحبت گاہ قائم تھی جہاں بہت سے جوانان قریش جمع ہوا کرتے تھے۔میں ایک دن کچھ رات گئے اس جلسہ گاہ میں جلسہ جمانے کی غرض سے گیا۔لیکن یہاں پہنچ کر میں نے کسی کو بھی نہ پایا۔یہ تنہائی دیکھ کر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ لوگ فلاں خمارے فروش کی دوکان پر گئے ہوں گے جو مکہ میں شراب بنانے اور بیچنے کے لیے مشہور تھا۔یہ خیال کر کے میں وہاں چلا اور یہ بھی ارادہ کرلیا کہ اُسی سے شراب لے کر پی لوں گا لیکن اتفاق سے وہ بھی نہ ملا۔اب مایوس ہوکر میں نے گھر لوٹنے کا ارادہ کرلیا اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال آیا کہ خانہ کعبہ کا طواف (سات بار یا ستر بار) کرتے چلیں۔یہ ارادہ کر کے میں داخل مسجد الحرام ہوا۔میں نے جونہی طواف شروع کیا دیکھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ شام کی طرف منہ کیے ہوئے نماز ادا کررہے ہیں اور خانہ کعبہ آپ کے اور سمت شام کے درمیان واقع ہے اور اس وقت آپ کا مصلے رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان میں قائم ہے۔آپ کو یہ دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش ہم آج رات کو آپ کی زبان سے اُن چیزوں کو سن لیتے جن کو ہم اور لوگوں کی زبانی سنا کرتے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ آپ کی تلاوت کو بغیر قریب گئے کیسے سن سکتا ہوں۔یہ سن کر میں مقام حجر سے ہوتا ہوا آپ کے قریب آ گیا اور ٹہل ٹہل کر آپ کو سننے لگا۔آپ اُسی طرح نماز میں قائم رہ کر تلاوت قرآن مجید فرماتے رہے پھر میں آپ کے آگے جا کر اس طرح کھڑا ہوگیا کہ مجھ میں اور آپ میں سوائے لباس کعبہ اور کوئی شے حائل نہیں تھی۔پس میں نے جونہی آپ کی زبان مبارک سے قرآن کی سماعت کی فوراً میرے قلب میں رقت پیدا ہوگئی اور میں بیساختہ رونے لگا۔اور اس وقت سے شعشعہ اسلام میرے دل میں جلوہ افروز ہوا۔میں

کچھ ایسا متاثر ہوا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور وہاں سے ذرا نہ ہلا۔ یہاں تک کہ جناب رسول خدا صلعم نے اطمینان سے اپنی نماز تمام کی اور پھر آپ وہاں سے چلے پھر آپ ابن ابی حسین کی طرف سے دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن از ہر بن عبد عوف الزہری کے درمیان سے ہوکر پھر خنیس بن شریق کے گھر سے گزر کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور اُن دنوں آپ کا قیام دار الرقطاء میں تھا۔ جو بعہدہ معاویہ بن ابوسفیان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن از ہر کے درمیان آپ سے ملاقات ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو میرے آنے کی آہٹ مل گئی اور مجھے دیکھ کر آپ کو یہ خیال گزرا کہ میں آپ کی ایذا دہی کے ارادے سے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ آپ نے مجھے آنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ آئے پسر خطاب تم اس وقت میرے ساتھ کیوں آتے ہو۔ میں نے بیساختہ عرض کی کہ خدا پر۔ اس کے رسولؐ پر اور اس شے پر جو نازل فرمائی گئی ہے۔ ایمان لانے کی نیت سے آتا ہوں۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے خدا کی حمد کی۔ اور پھر مجھ سے ارشاد کیا اے عمر خدا نے تمہیں ہدایت کی، پھر آپ نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر میرے ثبات ایمان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا۔ اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

یہ دونوں روایتیں لکھ کر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں کون صحیح الواقعہ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ابن ہشام، جلد اول صفحہ 121، مطبوعہ مصر۔

اس روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بہ مقابلہ سابق روایت کے اس امر کا زیادہ مظہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے میں اپنی سعی وکوشش سے کام لیا۔ اور باوجود اپنی قدیم اور عظیم مخالفت اسلام قدرت کی طرف سے جب آپ کی ہدایت کے انتظام کیے گئے تو دم بھر میں ان کی دشمنانہ مخالفت دوستانہ موافقت ہوگئی اور پھر ایسی کہ جس سے یہ کوسوں دور رہنا چاہتے تھے۔ صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اُس کے پاس خود دوڑے چلے آئے۔ اور خود بخود کہنے لگے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله ۔ تعلیم وتلقین کے بعد بھی اصل ہدایت قدرت کا کام ہے و ما ابر نفسی لا مارۃ بالسوا الا مارحم ربی۔ ہم اپنے نفسوں کی برائی اس وقت تک دور نہیں کرسکتے تاوقتیکہ پروردگار عالم اس امر اہم پر رحم نہ فرمائے۔ آغاز جزو سیرۃ ہم قرآن مجید سوہ یوسف۔

حضرت ابی طالبؑ اور قریش کا آخری وفد

کفار قریش اور مشرکین کعبہ کی قسمتوں میں سوائے ناکامی کے کچھ اور نہیں تھا۔ حالانکہ وہ اسلام کو اس وقت تک بالکل لاوجود سمجھتے تھے اور ان کا مغرورانہ خیال یہ تھا کہ اس کے تھوڑے بہت موجودہ وجود کو نیست و نابود کرنا بالکل ان کے اختیار میں ہے۔ جس وقت چاہیں گے اس کو کالعدم کر دیں گے۔ لیکن اس کے خلاف میں ان کی پے در پے ناکامیوں نے ان کو چونکا دیا تھا کہ اسلام اپنی بے مقداری میں بھی اتنی قوت اور پاداری رکھتا ہے کہ ان کی کثرت اور جمعیت ان کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکی۔ ممتازین قریش کا بالتدریج حلقہ بگوش اسلام ہونا، نجاشی کے پاس سے وفد کا محروم و مایوس واپس آنا، حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لانا، اسلام کی کامیابی اور ان کی ناکامی کے مشاہدے تھے۔ جن کو وہ خود آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اس بنا پر پھر قریش نے اپنی مخاصمانہ تدابیر میں استمالت کا طریقہ اختیار کیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود گفتگو کر کے اور حضرت ابی طالب کے ذریعہ سے فہمائش کرا کے آنحضرت صلعم کو تعلیم اسلام سے باز رکھنے کی سعی و کوشش شروع کی اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہا گفتگو کرنے سے پہلے اپنی تدبیر کی سلسلہ جنبائی حضرت ابی طالب سے آغاز کی۔ ابن ہشام نے جس تفصیل و ترتیب سے اپنی سیرت میں ان واقعات کو بیان کیا ہے ویسے کسی دوسرے مورخ اور سیرت نگار نے نہیں جمع کیا ہے۔ اس بنا پر ہم ذیل میں انہیں کی تفصیل و ترتیب کو سلسلہ وار نقل کرتے ہیں۔

ثم مشوا الی ابی طالب ان لك سناوشر فا منزلناً فینا و اناقه اسهتناك من ابن اخیك فلم ننه عنا و اناوالله لا نصیر علی هذا من شتم ابآئنا و نستقیه احلا منا و عیب الهتنا حتے تکفه عنا اوتنا زله و ایاك فی ذلك حتے جهلك احد الفریقین او کما قالوا له ثم انصرفوا عنه فعظم علی طالب فراق قومه وعد اوتهم و لم یطیب نفسا بالا سلام رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم لهم و لا خذلا نه ان قریشا حین قالوا لابی طالب هذه المقالة بعث الی رسول الله صلعم انه قد بك العمة وانه خاذلة فابق علی و علی نفسك و لا تحملنی من الامر ما لا اطیق قال فظن رسول الله صلعم یا عم والله لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك هذه الامر حتے یظهر الله اواهلك فیه ماترکه قال ثم استعبر رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم فبکی ثم قام فلما ولی ناداه ابو طالب فقال اقبل یابن اخی قال فاقبل علیه رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم فقال اذهب یابن اخی فقال ما احییت فوالله لا اسلمك بشئے ابدا، ص 89

اکابر قریش مل کر پھر حضرت ابی طالبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو طالبؑ ہم لوگوں کے آگے آپ کی بڑی عظمت اور قدرومنزلت ہے اور ہم سب مل کر آپ کے پاس یہ عرض کرنے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کریں اور اگر آپ انہیں منع نہ کریں تو ہم لوگ آپ کو باور کراتے ہیں کہ اب ہم لوگوں میں اپنی بزرگوں کے حق میں برا سننے۔ بیوقوف بنائے جانے، اور اپنے معبودوں کے عیب کا بیان واعلان سننے کے ذرا بھی تاب نہیں ہے۔ آپ انہیں چپ رہنے کی ہدایت کریں ورنہ ہم انہیں جان سے مار ڈالیں گے اور آپ اکیلے ہم لوگوں کا کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابی طالب کو اپنی قوم کی عداوت اور مفارقت بھی گراں معلوم ہوتی تھی اور اسی طرح جناب رسول خداؐ صلعم سے ان لوگوں کے کہنے کے موافق ترک تبلیغ اسلام کو کہنا بھی گوارا نہیں تھا۔ آخر کار جب یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے تو ابی طالب خود آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے جان عم، ابھی ابھی تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہتے تھے۔ (ان لوگوں کی باتوں کو دہرایا) تو میرا خیال میں تمہیں میری اور اپنی جان کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ مجھ سے نہ اُٹھ سکے۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم کو خیال ہوا کہ چچا کی توجہ میری طرف سے کم ہوگئی۔ قریش کی شدید و ترہنیت سے وہ مجھے چھوڑ دیں گے اور اپنے ساتھ نہ رکھیں گے اور میری حمایت واعانت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ چچا کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چچا اگر یہ لوگ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر لا رکھیں اور ماہتاب کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا۔ اور نہ خدا کے حکم سے ایک حرف بھی کم وپیش کروں گا۔ خواہ وہ لوگ مجھے اس کام میں ہلاک کر ڈالیں۔ اتنا فرما کر آنحضرت صلعم پر عبرت وحسرت کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہوگئے اور وہاں سے اٹھ کر روانہ ہوگئے۔ حضرت ابی طالب نے آپ کو جاتا ہوا دیکھ کر آواز دی اور واپس بلایا۔ جناب رسول خداؐ صلعم چچا کی آواز سن کر واپس آئے تو ابی طالب نے کہا جاؤ۔ جو تم کرتے ہو وہ کرو اور جو تم کہتے ہو وہ کہو میں جب تک زندہ ہوں، کوئی تم پر دسترس نہیں پا سکتا۔

قریش نے ابی طالب سے اپنے معروضہ کے اثر کا دو چار روز تک انتظار کیا۔ لیکن اپنی توقع کے خلاف تبلیغ اسلام میں آنحضرت صلعم کی وہی مستعدی اور سرگرمی دیکھی اس میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ تو ان کو اب کے بار بھی اپنی محرومی کا یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ قلبی تعلقات ابی طالب کو محمد (صلعم) کی دست برداری پر اس وقت تک تیار نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم محمدؐ کے برابر عزیز یا ان سے زیادہ عظیم معاوضہ ابی طالب کے آگے پیش نہ کریں گے۔ یہ تجویز کر کے ایک دوسرے وفد عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو ساتھ لے کر ایک نئی

فرمائش کرنے کے لیےابی طالب کے پاس حاضر ہوئے۔ پوری کیفیت ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

ثم ان قريشا حين عرفوا ان ابو طالب قد ابی خذ لان رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم واسلامه و اجماعه لفر اقهم فی ذلك و عدا وتهم مشوا عليه بعمارة بن الوليد المغيره فقالوا له فيما لغنی يا ابا طالب هذا عمارة بن الوليد انهد فتی فی قريش و اجمله فخذه فلك عقله و انصره واتخذه ولد افهره لك واسلم الينا ابن اخيك هذا الذی قد خالف ربنك و دين ابائك و فرق جماعة قومك و سفه احلا مهم فنقتله فانما هو رجل برجل قال والله لبئس ماتسو مونی اتعطونی ابنكم الخذوه لكم واعطيكم ابنی تقتلونه هذا والله مالا يكون ابدا قال فقال المطعم ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی والله يا ابا طالب لقد انصفك قومك و جهدوا علی الخلص مما نكر هه فما اراك نريد ان قصبل منهم شيئا فقال ابو طالب للمطعم والله ما انصفونی ولكنك قد اجمعت خذلا نی و مظاهرة القوم علی فاصنع مابدالك

جب کہ کفارقریش نے یقین کرلیا کہ ابی طالب آنحضرت صلعم دست بردار نہ ہوں گے اور ہمارے تفرقہ جماعت وعداوت کا کوئی خیال نہ کریں گے تو وہ لوگ ایک بار پھر جمع ہوکر اورعمارہ بن ولید بن المغیرہ کو اپنے ہمراہ لےکران کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا جو تمام قریش میں خوشحال اور خوش جمال ہے، حاضر ہے، آپ اس کو اپنی تبنیت میں قبول فرمائیں اس کی تعلیم وتادیب کریں، نصرت وحمایت کریں۔ یہ آپ ہی کا ہوکر رہے گا اوراس کی جگہ اپنے بھتیجے کو جو آپ کے بزرگوں کے دین کا مخالف ہے اور آپ کی قومی حمیت میں تفرقہ ڈالتا ہے اور آپ کے دانشمندان قوم کو بیوقوف بناتا ہے ہمارے حوالہ کردیں کہ ہم اسے مارڈالیں۔ اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں ہم دوسرا آدمی حاضر کرچکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابی طالب نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ سے کیسی بُری خواہش ظاہر کی ہے۔ تم مجھ کو اپنا فرزند اس لیے دیتے ہو کہ میں اُس کی نازونعم سے پرورش کروں اور اس کے معاوضہ میں اپنا جگر بند تمہیں دےدوں کہ تم اسے جاکر قتل کرڈالو۔ خدا کی قسم یہ تمہاری ایسی فرمائش ہے جو مجھ سے کبھی نہیں ہوسکتی۔

ابوطالب کا یہ جواب سن کر مطعم ابن عدی بن نوفل بولا کہ ابوطالب تمہاری قوم نے بات انصاف کی کہی ہے۔ اور ان مکروہات سے جسے تم خود دیکھ رہے ہو، اپنی مخلصی چاہی ہے اور مدعا یہ ہے کہ وہ تمہارے خلاف میں کسی امر کے اقدام کے لیے سبقت کرنے والے نہ ٹھہرائے جائیں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کبھی قوم کے لوگوں نے انصاف کی بات نہیں کہی۔ بلکہ تمام لوگوں نے میرے ترک کر دیئے جانے اور مجھ سے مقابلہ ومظاہرہ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔ بہتر جو وہ سوچے ہیں کریں۔

اس وفد کا نتیجہ سب سے زیادہ قریش کے مقاصد کے خلاف نکلا۔ اور آج تک جو تھوڑی بہت توقع ہم قومیت اور ہم نسبیت کے خیال پر لگی تھی وہ بالتمام جاتی رہی۔ حضرت ابوطالب کے جواب صاف سے ان کو یقین ہو گیا کہ ان کی استدعا کو قبول کر لینا حضرت ابی طالب کے لیے قطعی ناممکن ہے مطعم بن عدی نے ابوطالب کے جواب میں قوم کی طرف سے جو ترجمانی کی اس نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا کہ ان کی حالت میں ابی طالب کے ساتھ قوم بھی مقابلہ ومعارضۃ کے لیے بالکل تیار ہے۔ ان واقعات سے بآسانی اندازہ کر لیا جا سکتا کہ قریش کس حد ومقدار تک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل وہلاکت پر اور اسلام کی تباہی وغارت پر آمادہ اور مستعد تھے ان کی سرگرمی اور پرجوشی بےخودی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس عالم خود فراموشی میں انہوں نے ایک ایسی مخالف فطرت انسانی استدعا حضرت ابی طالب کی خدمت میں پیش کی تھی جس کو انسان کیا کوئی حیوان بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ابی طالب نے جواب دیا وہ اسی اصول فطرت کے خلاف ہونے کی بنا پر مبنی تھا۔ لیکن وہ کورعقل ایسے بےخود تھے کہ اس کا ذرا بھی احساس نہ کر سکے۔ مطعم بن عدی بھی جو جہلائے قریش میں معتدل مزاج مشہور تھا۔ اس سے اثر پذیر نہ ہو سکا اور وہ بخلاف اس کے جانبین سے صلح وآشتی کے طریقہ وعنوان پیدا کرے، عداوت اور آئندہ محاربت کا اظہار کرنے لگا۔ لیکن حضرت ابی طالب کی خدمات دلی اور تعلقات قلبی اور ان کے استقلال اور عزم بالجزم نے اپنے فرزند کی حمایت ونصرت سے جو زیادہ تر یتیم ابوطالب کے خاص لقب سے مشہور تھا ہاتھ نہ آٹھایا اور ان کی کثرت اپنی قلت ان کی تمول ومالداری اور اپنی ناداری وعیال داری کی ذرا پروانہ کی۔ اور ان کی ایسی ناممکن املی التماس واستعدا کا ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیا کہ ان کی حال وآئندہ کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور وہ قطعی مایوس ہو کر چلے گئے۔

قریش اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہ گفتگو

سیہ بختان قریش اپنی اس کوشش میں بھی ناکامیاب رہے تو ان کی جہالت نے ایک دوسرے انداز کی مغویانہ تدبیر کی طرف ان کی راہبری کی ابی طالب کی طرف سے قطعی مایوس ہو کر انہوں نے بالنفس النفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مطالبات پیش کیے ابن ہشام نے پوری تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے۔ اور صاحب رحمۃ للعالمین نے نہایت متانت ووضاحت سے اس کا تمام وکمال ترجمہ کیا ہے۔ ہم بخوف طوالت ابن ہشام کی اصل عبارت کی نقل کو زائد از ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور رحمۃ للعلمین کی نقل ترجمہ کو اپنے اظہار مدعا کے لیے ضروری سمجھ کر ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ محمد (صلعم) کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے۔ اس مشاورت کے بعد انہوں نے نبی صلعم کے پاس کہلا بھیجا کہ کل سرداران قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ میں جمع ہیں۔ بنی صلعم خوش خوش وہاں گئے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان لانے کی بڑی آرزو تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جا کر بیٹھے تو انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

اے محمد (صلعم) ہم نے تجھے بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو۔ جس قدر تم نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو تمہاری وجہ سے ہم پر نہ آ چکی ہو۔ اب تم یہ بتلاؤ کہ اگر تم اپنے اس دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم ابھی تمہارے لیے مال جمع کر دیں کہ اتنا ہم میں سے کسی کے پاس روپیہ نہ نکلے۔ اور اگر شرف وعزت کے خواستگار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیں اور اگر تم حکومت وسلطنت کے طالب ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ مقرر کر لیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ کوئی جن ہے جو تم پر غالب آ گیا ہے۔ تو ہم ٹونے اور ٹوٹکوں کے لیے اپنا مال صرف کریں کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں ہے۔ جو تعلیم لے کر میں آیا ہوں وہ نہ طلب سوال مال کے لیے نہ طلب شرف یا حصول سلطنت کے واسطے ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے مجھ پر کتاب اتاری ہے۔ مجھے اپنا بشیر ونذیر بنایا ہے۔ میں نے اپنا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لو گے تب وہ تمہارے لیے دنیا وآخرت کا سرمایہ اور اگر رد کرو گے تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے لیے اور تمہارے لیے کیا حکم بھیجتا ہے۔

قریش نے کہا اچھا۔ محمد (صلعم) اگر تم ہماری باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سن لو۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ کس سختی سے دن کاٹ رہے ہیں مال ہمارے پاس بہت کم ہے اور گزران بھی سب سے زیادہ تنگ ہے۔ اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹا دے تا کہ ہمارا شہر کھل کر میدان ہو جائے نیز ہمارے لیے ایسی نہریں جاری کر دے جیسی شام وعراق میں جاری ہیں۔ نیز ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دے۔ ان زندہ ہونے والوں میں قصیٰ بن کلاب بھی ضرور ہوں کیونکہ وہ ہمارے سردار تھے۔ اور سچ بولا کرتے تھے۔ ہم ان سے تیری نسبت پوچھ لیں گے۔ اور اگر انہوں نے تیری باتوں کو سچ

مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پورا کر دیا۔ تب ہم بھی تجھے سچا مان لیں گے۔ اور مان لیں گے کہ ہاں خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے اور اُس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ان کاموں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اس تعلیم کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور میں نے خدا کے وہ پیغامات تمہیں سنائے ہیں اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لو گے تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے سرمایہ ہے اور اگر رد کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔ جو کچھ اسے میرا تمہارا فیصلہ کرنا ہوگا، فرمائے گا۔

قریش نے کہا کہ اچھا اگر تم ہمارے لیے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے لیے خدا سے حسب ذیل سوال کرو۔

۱۔ خدا ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کر دے جو یہ کہتا رہے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہمیں بھی تیری مخالفت سے منع کر دے۔

۲۔ تم اپنے لیے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں بڑے بڑے محل بن جائیں، خزانہ میں سونا چاندی جمع ہو جائے جس کی تمہیں ضرورت بھی ہے۔ اب تک تو تم خود بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کرتے ہو۔ ایسا ہو جانے کے بعد ہم تمہاری شرف و فضیلت کی پہچان حاصل کریں گے اور تجھے خدا کا رسول سمجھ لیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں ایسا نہ کروں گا اور نہ اپنے خدا سے ایسا سوال کروں گا۔ اور ان باتوں کے لیے میں مبعوث نہیں کیا گیا ہوں۔ مجھے تو اللہ نے بشیر و نذیر بنایا ہے، تم مان لو تو تمہارے لیے ذخیرہ دارین ہے، ورنہ میں صبر کروں گا، اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہوں گا۔

قریش نے کہا۔ اچھا تم آسمان کا ٹکڑا توڑ کر ہم پر گرا دو۔ کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے جب تک تم ایسا نہ کرو گے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ خدا کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

قریش نے کہا کہ محمد (صلعم) یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے خدا نے تمہیں پہلے سے یہ نہ بتلایا کہ ہم تمہیں بلائیں گے ایسے ایسے سوالات پیش کریں گے، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے۔ ہماری باتوں کا یہ جواب ہے۔ اور خدا کا منشا ایسا کرنے کا ہے۔ چونکہ تمہارے خدا نے ایسا نہیں کہا۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے تیری نسبت سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے جس کا نام رحمن ہے وہی تجھے ایسی باتیں

سکھلاتا ہے۔ ہم تو رحمن پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ محمد (صلعم) یہ بھی سمجھ لو آج ہم نے اپنے سب عذرات تمہیں سنا دیئے۔ اب ہم آخر میں تم سے یہ بھی بقسیمہ کہے دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دیں گے یہاں تک کہ ہم سب مرجائیں، یا تم مرجاؤ۔

یہاں تک بات پہنچی تھی کہ انہیں سے ایک شخص بول اٹھا کہ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں جو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں ہیں۔ دوسرا بولا محمد (صلعم) ہم تمہاری باتوں کا یقین نہ کریں گے جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں۔

جناب رسالت مابؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آخری بات سن کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابوامیہ مغیرہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی، عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اس نے کہا محمد (صلعم) دیکھو تمہاری قوم نے اپنے لیے کچھ چیزوں کو تم سے چاہا وہ بھی تم نے نہ مانا۔ پھر انہوں نے چاہا کہ تم خود اپنے لیے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمہاری قدر ومنزلت کا ثبوت ہوسکتا ہو اس کو بھی تم نے قبول نہیں کیا۔ پھر انہوں نے اپنے لیے تھوڑا سا وہ عذاب بھی چاہا۔ جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو۔ تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا۔ اب میں بھی تم پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا۔ ہاں اگر تم میرے سامنے آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جاؤ اور پھر میرے سامنے زینہ سے نیچے اتر آؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں پھر میں ایمان لاسکتا ہوں اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میں تب بھی تم پر ایمان نہ لاؤں گا۔ رحمۃ العلمین ص 51، بحوالہ ابن ہشام، ص 101، جلد اوّل۔

قریش کے ان مکالمات نے ثابت کر دیا کہ کوتاہ بنیان قریش منصب رسالت کو انسان کے مصنوعات سے سمجھے ہوئے تھے اور اغراض ومقاصد دنیاوی کے اجرا وحصول کا ذریعہ ووسیلہ یقین کرتے تھے۔ ان کے سنگین قلب اور بے حس ادراک اثر پذیری کی قابلیت و صلاحیت سے بالکل خالی تھے۔ وہ زبان رسالت سے اپنے ان تمام توہمات کی حرفاً حرفاً تردید وتغلیظ سن چکے تھے اور اپنی ہی قوم وقبیلہ میں ان سعادت مندوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جو بلا خیال وگمان ان توہمات باطلہ کے تبلیغ اسلام کو ان تمام اغراض نفسانی سے پاک وصاف یقین کرکے اوپر ایمان لا چکے تھے۔ الہامات قرآنی اور احکامات ربانی کو سن کر اس کی پاک اور سچی بشارتوں کو اپنے لیے دین ودنیا کی رفاہ وفلاح کا ذخیرہ سمجھ کر اطاعت خدا اور اطاعت رسولؐ کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈال چکے تھے۔ وہ ایمان لانے کے وقت نہ رسول اللہ صلعم سے کسی معجزہ یا کرامت کے اظہار کے خواہاں ہوئے اور نہ خدا سے اپنے لیے یا اپنے رسولؐ کے لیے دولت وثروت کے خواستگار۔ صرف ان کے قلب کی صفائی اور توفیق الٰہی ان کی راہنمائی کے لیے کافی تھی۔ ان کے قلوب روشن عقول سلیم اور فہم وادراک

کی صلاحیت نے قرآن مجید کے الہامات اور رسالت کی تعلیمات سے کامل طور پر حصول ایمان اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بخلاف ان کے ان محرومان قوم و وطن کی جہالت وضلالت نے ان کی طبیعتوں سے تعلیمات الٰہی کی تفہیم و ادراک کی تمام قوتیں سلب کر لی تھیں اور ان کی ظاہر نما پیکر انسان کو قلوب لا یفقھون بھا و اذان لا یسمعون بھا و اعین لا یبصرون بھا (ان کے دل تھے مگر ان سے ادراک نہیں کر سکتے تھے کان تھے، مگر ان سے سن نہیں سکتے تھے، آنکھیں رکھتے تھے مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے تھے) کا مصداق بنا کر جماد لایعقل کا مجسمہ تیار کر دیا تھا۔ باعتبار دینیات کے یہ نیم وحشی انسان اپنے گمراہانہ خیالات میں خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ برحق کو ایک ملکی اور قومی شعبدہ گر یا ساحر سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ اور رسالت و نبوت کے مقدس مقدار کو اپنی جہالت وضلالت کے معیار پر آزمانا چاہتے تھے۔ اس لیے خدا کے رسول برحق سے طلسم بندی اور شعبدہ بازی کی نسبت عجیب وغریب مستفسرات پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اس طول وطویل مکالمہ میں بھی انہیں لغویات کا ذکر ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک کر کے ان کے جاہلانہ سوالات کا جس متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا وہ آپ کی صداقت رسالت کا کافی اور واضح ثبوت ہے لیکن باوجود اس کے کہ اس وضاحت وصفائی سے تعلیم اسلام کے اغراض ومقاصد ان کے ذہن نشین کرا دیئے گئے۔ بتلا دیئے گئے اور سمجھا دیئے گئے تاہم وہ بدبختیاں ازلی اور محرومان ابدی نہ سمجھنے والے تھے نہ سمجھے۔ صرف یہی امر رسالت کے کمال اور ان جاہلوں کے نقص فطرت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات کا تحریری معاہدہ

مشرکین قریش اور کفار مکہ کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی۔ اب ان کے دماغ اور اس کی قوت متخیلہ میں کوئی دوسری تدبیر باقی نہیں رہی۔ جس کو وہ از سر نو تعلیم اسلام کے امتناع کی ضرورت سے عملی صورت میں لائیں۔ آخر تھک کر رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانی قتل وہلاکت، غریب مسلمانوں پر ظلم وستم جاری رکھے جانے کی قدم ترکیب نکالی۔ یہ کوئی نئی تجویز نہیں تھی۔ یہ تو وہی ترکیب تھی جس کو وہ سالہا سال سے اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے متعلق جاری اور قائم رکھے تھے۔ ہاں اس میں یہ فرق البتہ ہوا کہ پہلے یہ کس قدر نرمی اور توقف کے ساتھ ظاہر کی جاتی تھی اور اب برابر متواتر، زیادہ شدت اور سختی کے ساتھ۔

ان واقعات کے تھوڑے دنوں بعد مخالفت اسلام اور عداوت حضرت سید الانامؐ کو کفار قریش نے ایک نئی صورت میں دکھلایا جس کی طرف مطعم ابن عدی اپنی تقریر میں حضرت ابی طالب سے اشارہ کر چکا تھا اور وہ بزرگ بنی ہاشم ان کے مخاصمانہ اغراض ومدعا کو بخوبی سمجھ کر ان کو جواب بھی دے چکا تھا۔ اور ان کے تمام آئندہ مظالم کو نہایت استقلال و پاداری سے برداشت کرنے کے لیے تیار اور آمادہ ہو چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

فلما رات قریش ان اصحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قدنزلو ابلدا اصابو ابہ امنا و قرارا وان النجاشے قد منع من لجاء الیہ منھم وان عمر قد

اسلم فکان ھو و حمزۃ بن عبد المطلب مع رسول اللہ صلعم و اصحاب و جعل الاسلام یفشوا فی قبائل اجتمعوا وائتمروا وان یکت بوا بایتعا قدون فیہ علی من بنی ھاشم و بنی عبد المطلب علی ان لا ینکحوا الیھم ولا ینکحر ھم ولا یبو عھم شیئا ولا یتبا عوا منھم فلما اجتمعوا الذلك کتبوا فی صحیفۃ ثم تعا ھدوا و نو ثقوا علی ذلك ثم علقوا الصحیفۃ فی جوف الکعبۃ تو کیدا علی انفسھم و کان کاتب الصحیفۃ منصور بن عکر مہ بن عامر ، جلد اوّل ص 122

جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم ملک حبشہ میں جا کر بمقابلہ یہاں کے امن وامان سے رہنے لگے ۔اور شاہ حبشہ نے بھی (نجاشی) قریش کی درخواست کونہیں سنا جواُس سے کی گئی تھی ۔حضرت عمر بھی اسلام لا چکے ۔اور حضرت حمزہ بھی مشرف بہ ایمان ہوئے اور رفاقت اور صحابیت رسول پر فائز ہو چکے اور اسلام دیگر اقوام وقبائل میں بھی پھیل گیا۔تو تمام قریش پھر ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے مل کر بالاتفاق اس مضمون کا ایک معاہدہ لکھا جس کی رو سے ان لوگوں نے تمام بنو ہاشم اور بنو المطلب سے اپنے تمام تعلقات اس شرط کے ساتھ ترک کر دیئے کہ نہ کوئی شخص ان کے ساتھ نکاح کرے گا اور نہ وہ ان کیساتھ نکاح کر پائیں گے نہ ان کے ساتھ کوئی چیز بیچی جائے گی اور نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے گی اس مضمون کا معاہدہ لکھ کر اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کی عہدہ وپیمان حلفی لے کر اس تحریر کو وسط کعبہ میں اس کی عظمت واہمیت قائم رکھنے کی غرض سے لٹکا دیا اس معاہدہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر نے لکھا تھا۔

امام قسطلانی شارح بخاری اور محدث شیرازی نے اس معاہدہ میں اتنی عبارت مشروطہ کا اوراضافہ فرمایا ہے کہ یہ عہد نامہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآ لہ وسلم کو قتل کر دیئے جانے کی غرض سے قوم کے حوالہ نہ کر دیں۔مواہب لدنیہ قسطلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی جلد اول مطبوعہ لکھنو ص 137

اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے تباہ وبرباد کرنے کی یہ آخری تدبیر سوچی تھی۔ جوانسان کی زندگی کے لیے لا انتہا تکلیف دہ اور ضرر رساں تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس تجویز وترکیب سے ان کا مدعا یہی تھا کہ بنی ہاشم ضروریات روزمرہ کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگ اور عاجز آ کر یا تو قریش کے آگے اپنی اطاعت ومتابعت کی گردنیں ڈال دے گی۔اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت ورفاقت سے دست بردار ہو جائیں گے۔یا مکہ سے خارج البلد ہو جائیں گے اور پھر خوف وہراس سے

مکہ کے پاس آنے کا خیال بھی نہ کریں گے۔ دونوں حالتوں میں ان کا مقصود و حاصل تھا۔

شعب ابی طالب کی تین سالہ قید

کفار اپنی ترکیب میں تھے اور قدرت اپنی تدبیر میں۔ ابن ہشام اس کے آگے لکھتے ہیں:

فلما فعلت ذلك قريش الخبازت بنی هاشم و بنو المطلب الی ابی طالب بن عبد المطلب فد خلوا معه فی شعبه فاجتمعوا اليه و خرج من بنی هاشم ابولهب الی قريش فظاهر هم

جب قریش نے یہ بندوبست کیا تو تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب حضرت ابی طالب کے پاس جمع ہوئے اور آپ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے شعب میں جو شعب ابی طالب مشہور تھا چلے آئے۔ اور بنو ہاشم سے صرف ابولہب قریش کے ساتھ رہ گیا۔

شعب ابی طالب اصلاً پہاڑ کا ایک درہ تھا۔ جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا۔

حقیقت میں حضرت ابی طالب کا صبر و سکوت اور ایسے سخت مظالم کے مقابلہ میں ان کی ضبط و خاموشی ان کی ہمت و استقلال کی عدیم النظیر مثال قائم کرتی ہے۔ ورنہ ذرا سے اشارہ پر خون کے دریا بہنے لگتے۔ لیکن یہ امور جان رسول کی حفاظت اور دین اسلام کی اجرو اقامت کے لیے جس قدر ضرر رساں تھے ان کو وہ پورے طور سے جانتے تھے اور حقیقت میں منشا قدرت اور مقتضا مصلحت بھی یہی تھا جیسا کہ بہت جلد نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

باتفاق جمہور (تاریخ وحدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تمام خاندان نے شعب ابی طالب میں کامل تین برس تک جن مصیبت وشدت میں دن کاٹے اور راتیں گزاریں ان کا بیان دشوار ہے۔ اور کیونکر نہ ہو۔ کھانا پینا بند، آنا جانا ترک، خرید و فروخت موقوف شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار، یہ ترک موالات کس لیے تھی حبس دوام کی پوری سزا تھی غریب محصورین پر جنہیں خورد و سال بچے اور شکستہ پا عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایسا وقت آ لگا تھا کہ دانہ دانہ کو محتاج تھے اتنی مجال تو تھی ہی نہیں کہ شہر میں جا کر ضروریات روز مرہ کی چیزیں لائیں اور اگر جرأت کر کے جائیں بھی تو دیتا کون ہے؟ اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش اذوقہ کے لیے اطراف مکہ میں دور دور تک نکلنا پڑتا تھا۔ اور صبح سے شام تک ان غریبوں کو النصیب ما یصیب جو کچھ مل جاتا تھا۔ وہ رات کو گھر میں لا کر دن بھر کے بھوکے بال بچوں کو کھلانا ہوتا تھا۔

علامہ ابوجعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شارح نہج البلاغت کے استاد اور شیخ تھے، لکھتے ہیں:

تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاص کر حضرت علی مرتضیٰؑ کے سپرد تھے۔ یہ علی الصباح شعب سے نکل کر حوالی مکہ کی

آبادیوں میں دوردور تک نکل جاتے تھے اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوریں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھ کر لاتے تھے وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ کی بیرونی آبادیوں میں جا کر منع کرآتے تھے۔ اس لیے علی الاکثر فاقہ گزرتے تھے۔ اور شدت گرسنگی و تشنگی سے گرفتاران مصیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آ پہنچی تھیں۔

علامہ ابن القسیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول، ص 299 میں لکھتے ہیں کہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ ان کی رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ امام قسطلانی شارح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم کے بچوں کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھی اور سنگدل و بے رحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے۔ اور انواع واقسام کے طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح (نام درخت) کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اوّل، ص 179

قریش کی ایسی سخت قدغن تھی اور ایسی شدید روک تھام۔ ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپ چھپا کر تلاش رزق میں باہر نکل جاتا تھا اور سوا اتفاق سے قریش اُسے دیکھ پاتے تھے تو سخت تعذیر پہنچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر یہ لوگ خرید و فروخت کی کوشش کرتے تھے تو یہ ظلمہ وقت نہایت سختی سے انہیں منع کرتے تھے اور باز رکھتے تھے۔

تکلیفیں تو اتنی تھیں اور مصیبتیں ایسی اور حامی و مددگار ایک بھی نہیں۔ لیکن صد آفرین ہے اُن مظلومین کے صبر وسکوت پر ہزار حسنات ہے ان محصورین کے استقلال و پاداری پر اگر کسی شخص پر محض دو چار دن کے لیے ایسی مصیبتیں پڑ جاتیں تو وہ گھبرا کر یا تو جان دے ڈالتا یا ظلمہ وقت کی اطاعت کر لیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت و مصیبت میں پورے تین برس گزر گئے۔

لیکن ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ آئی۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے سچے رسولؐ کی حمایت و رفاقت پر یقین اور خدائے قادر و توانا کی نصرت و امداد پر توکل کیے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ اور ان تمام مصائب کو رضاً بقضا و تسلیماً الامر کہہ کہہ کر جھیل گئے اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا، کسی فرد واحد نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔

محصورین کی ہمت و استقلال کی تو یہ کیفیت تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک و محویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے آپ محاصرہ کی موجودہ ضیق النفسی کی عالم میں بھی ہدایت و ارشاد سے باز نہ رہے بلکہ عزلت و انزوا کی یہ خاص صحبتوں میں آپ کو اس کی ادائیگی کا بہتر موقع مل گیا۔ مبتدایان اسلام رات کے پردے میں مخالفین کی آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپ کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس معلم ربانی سے تعلیم ایمانی حاصل کرتے تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یدعوا قومہ لیلا ونہاراً سراً وجھاراً منادیا بامر اللہ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام مخفی اور علانیہ طور پر امر خدا کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔

سہ سالہ قیدِ سخت سے رہائی

کامل ترین برسوں کے گزر جانے کے بعد بھی چاہے سنگ دل اور بے رحم مشرکین قریش کی ستم گاریاں دھیمی پڑی ہوں یا ان کی جور و جفا اور ظلم وایذا میں ذرا بھی کمی آئی ہو۔ نہیں وہ ان معاملات میں ویسے کے ویسے ہی سخت وشدید تھے۔ شعب ابی طالب کے آفت دیدہ اور مصیبت رسیدہ محصورین کی تکلیف وشدت کا خیال کر کے مکہ کے وہ معتدل مزاج لوگ جن کو ان کی مصیبتوں کا کس قدر احساس ہو چلا تھا اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے قرابت اور رشتہ مندی کا بھی واسطہ تھا کبھی کچھ تحائف، کبھی کوئی کھانے پینے کی چیزیں نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مخفی طور پر بھجوا دیتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے قریش دیکھ پاتے تو فوراً لے جانے والے سے چھین کر اُسے کھا جاتے تھے۔ یا اپنے گھر لے جاتے تھے اور نہیں تو اسے ضائع اور نقصان کر دیتے تھے۔ غرض ہر حال میں اس چیز کو غریب محصورین تک پہنچنے نہ دیتے تھے۔

چنانچہ ابن ہشام ان میں سے آخر واقعہ کی یہ کیفیت لکھتے ہیں:

فاقاموا علی ذلك سنتین اوثلاثا حتی جهدوا الایصل الیهم شی الاسرا اومستحفیا به من اراد صلهم من قریش و قد كان ابو جهل بن هشام فیما یذکرون لقی حکیم بن خزام بن خویلد بن اسد معه غلام بحمل طعام یرید به عمته خدیجة بنت خویلد وهی عند رسول الله صلعم و معه بالشعب فتعلق به و قال اتذهب بالطعام الی بنی هاُم والله لا ترح انت و طعامك حتی افضحك بمكة فجاء ابوا البختری بن هشام بن الحرث بن اسد فقال مالك وله فقال یحمل الطعام الی بنی هاشم فقال ابو البختری طعام كان لعمته عنده بعثت الیه افتنملعه ان یا یتها بطعا مها خل سبیل الرجل قال فابی ابو جهل حتے قال احا هما من صاحبه فاخذا بو البختری لحی بعیر فضربه به فشجة ووطئه وطاءً شدیداً. ص 123

جب بنی ہاشم پر اس قید و مصیبت میں دو برس یا تین برس گزر گئے کہ اگر ان کے قریب و رشتہ مند لوگ کچھ ان کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تو نہایت خفیہ طور پر بڑی احتیاط سے بھیجتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ ابوجہل نے حکیم بن خزام بن خویلد بن اسد کو مع ان کے غلام کے دیکھا جس کے سر پر وہ کچھ از قسم

طعام رکھوائے اپنی عمہ حضرت خدیجہؓ کے واسطے جو جناب رسالت مآب صلعم کے ہمراہ شعب میں تشریف رکھتی تھیں۔ لے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابوجہل اُن سے لپٹ پڑا اور کہنے لگا تو بنی ہاشم کے لیے کھانا لیے جاتا ہے۔ میں تجھے کبھی نہ جانے دوں گا اور تمام مکہ میں فضیحت کیے بغیر تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اس اثنا میں ابوالبختری بن ہشام بن حرث بن اسد آ گیا اور اُس نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم میں اور اس میں کیا قضیہ پیش ہے ابوجہل نے جواباً کہا دیکھتے ہو یہ بنی ہاشم کے لیے کھانا لیے جاتا ہے۔ ابوالبختری بولا تو کیا ہوا اس کی عمہ ان لوگوں (بنی ہاشم) کے ساتھ ہے وہ اس کے لیے کھانا لیے جاتا ہے کہ اس کو پہنچا دے۔ تو تم کو کیا ایسی پڑی ہے کہ تم اس کے راہ روکتے ہو آدمی کی راہ چھوڑ دو اور اس کو جانے دو۔ ابوجہل نے انکار کیا اور راستہ نہیں دیا بلکہ اپنے دو رفیقوں میں سے ایک کو پکارا۔ اس زبردستی کو دیکھ کر ابوالبختری کو بھی غصہ آ گیا۔ ایک اونٹ کی ہڈی پڑی تھی اٹھائی اور ابوجہل کے سر پر اُس سے ایک ضرب شدید لگائی۔

یہ ہیں قدرت کے انتظام اور مشیت کے احکام، ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ کفار اپنی ترکیب میں تھے اور قدرت اپنی تدبیر میں تین برس پہلے دنیا کے کفار قریش کی آمادگی اور مستعدی کا وہ عالم بھی دیکھا گیا تھا۔ جس گھما گھمی سے یہ معاہدہ لکھا گیا تھا کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کے شرائط پر قائم رہنے کے لیے فرداً فرداً قسمیں کھائی گئیں تھیں، حلف اٹھائے گئے تھے۔ اور آج جبروت قدرت کا یہ نظارہ اور جلوہ آرائی بھی پیش نظر ہے کہ باوجودیکہ وہ معاہدہ کعبہ میں ابھی تک لٹک رہا ہے۔ مگر اس کے لکھنے والے، اس کے ادا شرائط پر غلیظ قسمیں کھانے والے اُس بے رحمانہ اور ظالمانہ تحریک کی حقیقت کو سمجھ کر آپس میں ایک دوسرے کو ظالم اور جابر کہہ رہے ہیں جن امور کو قطعی ممنوع کر چکے تھے اس کی اجرا تعمیل کو اپنے ہی دست و زبان سے جاری کر رہے ہیں ابوالبختری سا دشمن رسولؐ ابوجہل کے جیسے اپنے قدیم رفیق اور رئیس قوم کو اس امر کی ممانعت کے لیے ہڈیوں سے مارتا ہے اور مجرم ٹھہرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن زبانوں سے اس تحریر کی تجویز کی گئی تھی اور قسمیں کھائی گئیں تھی۔ انہیں زبانوں سے یہ غلط معطل اور مفسدہ انگیز ٹھہرایا گیا۔ یہ کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام جلد اوّل، ص 130 میں مندرج ہے۔ شبلی صاحب نے اس کا خلاصہ لکھا ہے اس کی مفصلہ ذیل نقل کو ہم اپنے مدعائے بیان کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انہیں کی طرف سے ان معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن وہ زبیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زبیر تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھا پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں (ابی طالب) کو ایک دانہ نصیب نہ ہو۔ زبیر نے کہا کیا کروں، تنہا ہوں، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو ابھی پھاڑ کر پھینک دوں۔ ہشام نے کہا میں موجود ہوں۔ دونوں مل کر مطعم ابن عدی کے

پاس گئے بختری (ابوالبختر ی) ابن ہشام اور زمعہ بن الاسد نے بھی ساتھ دیا دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے۔ لوگ آرام سے زندگی بسر کریں اور بنی ہاشم کو آب ودانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا۔ میں باز نہ آؤں گا۔ ابوجہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہیں تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر ڈالی۔ ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست۔

مطعم ابن عدی، عدی ابن قیس، زمعہ ابن اسود (حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر) اور ابوالبختر ی اور زبیر ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال لائے۔

قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا۔ خدا کی شان وہی لوگ جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک بنی ہاشم محمد صلعم کو قتل کر دینے کے لیے ہمیں حوالہ نہ کر دیں گے اس معاہدے سے انحراف ناممکن ہے۔ آج وہی لوگ اسی معاہدے کو اپنے ہاتھوں سے چاک کر کے محمد صلعم کو تمام بنی ہاشم کے ساتھ اپنی تلواروں کے سایہ میں لے کر درہ کوہ سے گھر تک بحفاظت تمام پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی حقانیت، اور بانی اسلام ﷺ کی روحانیت کے اور کیا ثبوت ہو سکتے ہیں۔ **اللھم صل علی محمد وال محمد**

مغرورین قریش اور مشرکین مکہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے اختیاری بے مقداری اور بے کسی اور بے یاری کے اظہار کی غرض خاص سے آپ کو آپ کے تمام خاندان کے ساتھ درہ کوہ میں محصور کر رکھا تھا۔ یہ تجویز بظاہر انسانی تدبیر تو ضرور تھی لیکن حقیقتاً وحشیانہ مظالم تھے اور حیوانی تعذیر۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برحق پیغمبر تھے۔ اور خدا کا پیام ان کفار و مشرکین کو پہنچاتے تھے۔ یہی مشرکین کے جاہلانہ اور گمراہانہ اغراض ومقاصد کے خلاف ہوتا تھا۔ اس لیے وہ آپ کے مخالف تھے اور اسی مخالفت کی بنا پر آپ کو درہ کوہ میں پہنچا دیئے جانے اور آپ کے خاندان بھر سے ترک تعلقات کیے جانے کی ایسی بے رحمانہ اور ظالمانہ سزا تجویز کی تھی جس سے صریحاً آپ کی ذاتی تحقیر وتوہین منظور تھی۔ لیکن ان کو رعقلوں کی اس غلط اور گمراہانہ تجویز وترکیب کا نتیجہ قدرت کی حسن تدبیر سے ظہور پذیر ہوا وہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور پوری تفصیل سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔

معراج

اب قدرت الٰہی کے لیے اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر وتوہین کے ازالہ کلی کا سامان واعلان بھی ضروری تھا۔ اور عادت الٰہی بھی ہمیشہ سے یونہی جاری ہے کہ انبیاء ومرسلین کے گروہ مخصوصین میں۔ بلاء ومصیبت کے بعد ان کے مراتب ومدارج میں نمایاں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے بروایت ابن سعد خداوند عالم نے شعب ابی طالب کی مصیبت سے مخلصی کے بعد۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رتبہ معراج جسمانی عطا فرما کر آپ کی خاص مرتبہ افزائی فرمائی اور راتوں رات کرشمہ قدرت نے آپ کو براۃ العین تمام ملکوت سمٰوت کی سیر کرائی، جس کی تفصیل درج ذیل آیت میں ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝۱ سورہ بنی اسرائیل

وہ خدا (عجز واور ماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے (دنیا و دین) کی برکتیں دے رکھی ہیں (اس میں ان کے جانے سے مقصود یہ تھا) کہ ہم ان کو اپنی (قدرت) کے نمونے کی سیر کرائیں اور (ان کو بعض اسرار غیب معلوم ہوں) ورنہ اصل سننے والا دیکھنے والا (یعنی غیب دان) وہی خدا ہے۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب۔

واقعہ معراج کے تعین سال میں اختلاف ہے لیکن علی الاکثر محدثین و مورخین نے 10 نبوت پر اتفاق کیا ہے۔ اور شبلی صاحب نے ابن سعد ہی کے نظریہ پر اعتبار فرمایا ہے۔ ابتدا سے لے کر اس وقت تک علما و حکمائے اسلام میں یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے زیادہ بحث معقول و منقول کی صورت میں دکھلایا گیا ہے۔ جانبین سے خوب خوب طبع آزمائیاں اور خامہ سائیاں ہوئی ہیں۔ اس کی پوری حقیقت اپنے حد تعقل کے مطابق تو ہم اس سلسلہ کی ہے ہی نہیں جلد میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔ انشاء اللہ المستعان۔ لیکن تمہیداً حسب ذیل اشارہ کر دینا ضروری اور مناسب مقام ہے۔

قدرت الٰہی کو جب اس کی تمام صفات و تصرفات کے ساتھ ہم اور ہمارے علما و حکما تسلیم کر چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ ناممکنات کو مشاہدہ عینی اور بدیہات یقینی کے برابر مان چکے ہیں۔ تو پھر جبروت قدرت کے اُس سہل اور آسان مظاہر کو مشکل دشوار اور خارج از امکان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سرسید احمد خان مرحوم کو اس مسئلہ میں خاص طور پر تامل رہا ہے اور انہوں نے بڑے شد و مد اور رد وکد سے خطبات احمدیہ میں معراج کی تمام مرویات مندرجہ کتب اسلامیہ کی تردید و تکذیب فرمائی ہے۔

گویا معراج جسمانی کے تمام دلائل و براہین کو غلط ٹھہرا کر ام المومنین حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کی مرویات پر اپنا نظریہ قائم کیا ہے اور اس واقعہ کو ایک خواب کے پیانہ معمولاً سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مرویات اعتبار کردہ سید صاحب حدیثوں کے اصول تنقید کے مطابق مراسیل اور موقوف الاسناد احادیث ثابت ہوتی ہیں کیونکہ وقت وقوع اس کا ۱۰ سال نبوت ثابت ہوتا ہے۔ جس کو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر اس وقت حضرت عائشہ شرف زوجیت میں آئی کہاں تھیں۔ غالباً جناب صدیقہ کبریٰ، خدیجہ بقید حیات تھیں۔ اس لیے ان کا بیان کیسے صحیح اور قابل اعتبار ہو گا۔ یہی حالت معاویہ صاحب کی ہے وہ شاید اگر پیدا ہو چکے بھی ہوں تو دودھ پیتے ہوں گے۔ اس لیے قابل عمل الروایات نہیں۔ اور اصول تنقید احادیث کی رو سے تو 8 ہجری تک جب تک یہ اسلام سے مشرف نہ ہوئے کسی مسلمان کے آگے قابل عمل الروایات ہو بھی نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ قاعدہ تنقید کے مطابق یہ دونوں حضرات اگر موجود بھی ہوں اور قابل عمل الروایت بھی ہوں تاہم شریک واقعہ نہیں تھے جو جسم مطہر رسول کو بستر مبارک پر رہنا دیکھ سکے ہوں۔ کیونکہ باتفاق جمہور واقعہ معراج مکہ

معظّمہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں واقع ہوا۔ابن اثیر،ابن ہشام،قسطلانی وغیرہم۔
تیسرے راوی حسن بصری ؒ ہیں جو صحابی بھی نہیں۔تابعی ہیں اور یقیناً اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔اس لیے ثابت ہو گیا کہ ان حضرات میں سے کوئی صاحب شریک واقعہ نہیں تھا۔اس بنا پر کسی کا بیان نہ قابل اندراج ہوسکتا ہے نہ لائق احتجاج۔
سید صاحب اپنی خاص اصول طبعی کے مطابق اپنی عقل و ادراک سے پہلے ہر واقعہ میں حکمائے عقل کی نقل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔وہ بھی حکمائے یونان کے خشک فلسفہ وحکمت پر سب سے بڑی غلط فہمی جو تحقیقات دینیات میں آپ کو واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اسلامی واقعہ کو یورپین علما وحکما کے اصول تالیف کے مطابق اتارنا چاہتے ہیں اور تمام مرویات قدیمہ اسلام کو مندرجات کتب قدیمہ کے موافق تلاش کرتے ہیں۔اسی وجہ سے آپ نے بہت سی مرویات اسلامی کی تکذیب وتغلیظ محض اسی بنیاد پر کر دی ہے کہ مرویات توریت اس کے مخالف ہیں۔جیسا کہ ذبح اسحٰق اور حقیقت حجر الاسود اور نعوذ باللہ سنگ پرستی طریقہ عبادت اولاد ابراہیم۔
ہم کہتے ہیں کہ سید صاحب مرحوم نے بڑی غلطی کی کہ اس واقعہ معراج کی حقیقت کو بھی اپنے دستور عادت کے مطابق توریت میں نہ دیکھ لیا۔کہ اس میں انبیاء کے حصول معراج کی کیا صورت بتلائی گئی ہے۔سفر تکوین میں حضرت یعقوب کا معراج اور سفر تاریخ میں حضرت سلیمان ؑ کا معراج،آسمان پر زینہ لگا کر بتلائی گئی ہے۔نہیں معلوم کہاں قدیم الہامی مرویات پر ہمارے سید صاحب مرحوم کون سی دلیل قوی رکھتے تھے۔
ہم اپنی تلمیحان تمہید میں معراج کے متعلق صرف اتنے ہی بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہیں۔حکماء علماء اسلام میں یہ بحث ومسئلہ ہمیشہ معرکۃ الآرار رہا ہے۔امام رازی،امام غزالی،محقق طوسیؒ اور ملا عبدالرزاق لاہجی وغیرہم نے بڑی بڑی معقولی بحث اس موضوع پر لکھی ہے۔اور ہر قرینہ سے معراج جسمانی اور اس کی معقولیت کے تمام مشاہدات کو عین امکان ثابت کیا ہے۔ملاحظہ ہو:
معراج القدس مضامین عالیہ،تجرید اور گوہر مراد لیکن ان تمام حضرات کے بیانات و انکشافات سے زیادہ سہل اور عام فہم مضامین میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے معراج کے تمام مقاصد ومشاہد کو بتلایا ہے اور سمجھایا ہے ان کی خاص عبارت مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

واسری به الی المسجد الاقصیٰ ثم الی السدرۃ المنتهی والی ماشاء اللہ و کل ذلك بجدہ صلے اللہ علیه واٰله وسلم الیقظة ولکن ذلك فی موطن ھو برزخ بین المثال والشھادۃ جامع الاحکامھا فظھر علی الجسد احکام الروح و تمثل الروح والمعانی الروحیة الاجسا داولذالك بان لکل واقعة من تلك الوقائع تعبیر

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہی تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا سیر کرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا لیکن سمجھ رکھنا چاہیے کہ یہ ایک مقام ہے جو عالم مثال اور شہادت

کے درمیان واقع ہے۔ اور ہر دو عالم مذکورہ احکام کا جامع ہے۔ جسم پر اس عالم میں روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح و معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کی اس لیے ان تمام واقعات میں ہر ایک واقعہ کے واسطے ایک خاص معنی اور تعبیر۔

واما رکوب البراق فحقیقة استواء نفسه النظقیه علی السمة التی هی الکمال الحیوانی فاستوی راکبا علی البراق کما غلبت احکام نفسه النطقیة علی البهمیة وتسلط علیها

براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسمہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر اس خوبی سے سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس انسانی کے احکام قوت حیوانیہ پر غالب اور بلند ہیں۔

و اما اسرآئه الی المسجد الاقصیٰ فلا نهمحل ظهور شعائر الله و متعلق همم الملاء الاعلی و مطح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کوة علی الملکوة

مسجد اقصیٰ تک کی سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائر الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے ملا اعلیٰ کی اہمیتیں اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظرگاہ ہے۔ گویا وہ ملکوت کا ایک قبہ ہے۔

و اما ملاقاته مع الانبیاء صلوٰة الله علیهم و مفاخرته معهم فحقیقتهما اجتما عهم من حیث ارتباطهم بخطیرة القدس و ظهوره اختص به من بینهم من وجوه الکمال

انبیا علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس سے جو ان کو اجتماعی ربط و ضبط حاصل ہے اور اجماعی امور کا نہایت کاملیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام جگہ ظہور ہوا۔

و اما رقه الی السموات سعماء بعد سماء فحقیقة الانسلاخ الی مستوی الرحمن منزله بعد منزلة و معرفة حال الملئکة المؤکلة بها و من یحق بهم من افاضل البشر و التدبیر الذی اوحاه الله فیها و الاختصام الذی یحضل فی ملاءها

آسمانوں پر یکے بعدیگرے چڑھنے کی حقیقت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوی (جائے استقرار) رحمن کی طرف جانا ہے۔ نیز ان فرشتوں کی حالت سے معرفت حاصل ہونا، آنحضرت صلعم اور آپ کی امت کے بزرگان قوم کے قریب تر رہنے پر مامور ہیں۔ نیز تدبیر کلیہ کی شناخت اور ان امور کی دریافت جن پر ملائکہ مقربین عرش مساقبت کیا کرتے ہیں۔

و اما بکا موسیٰ فلیس بجسد ولکن مثال لفقدہ عموم الدعوۃ و بقاء کمال لم یحصل مما مونی وجھہ و اما سدرۃ المنتھی فشجرۃ الکون و ترتب بعضھا علی بعض والجما عھا فی تدبیروا حد کانجماع الشجرۃ فی الغاریۃ والنامیۃ و نحو ھما و لم تمثل حیوانالان التدبیر الجملی الا جمالی الشبیھہ السیامتہ الکلی افرادہ وانما اشبہ الاشیاء الشجرۃ دون الحیوان فان الحیوان فیہ قوی تفضیلیہ و لا رادۃ فیہ امرح من سنن الطبعیۃ

گریہ موسیٰ واضح ہوکر، گریہ موسیٰ سے حسد کا اظہار مراد نہیں بلکہ اظہار اس امر کا ہے کہ ان کی رسالت تمام دنیا کے لیے عام نہ تھی۔ اور یہ کمال باقی تھا۔ جو موسیٰ کو ملا نہیں تھا۔ سدرۃ المنتھی۔ درخت عالم ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مرتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا بھی غذاؤں میں بھی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اس کی تمثیل نہیں دی گئی۔ کیونکہ وہ تدبیر کلیہ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ بھی مفرد ہے اس لیے بہترین مشابہت اس کی درخت میں پائی جاتی ہے (کہ ایک ہی تنہ پر مختلف قسم کی شاخیں، ڈالیاں اور پتے ہوتے ہیں اور غذاؤں میں برابر سب مستفیض ہیں) اور حیوان میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی کیونکہ انسان میں قوائے تفضیلیہ بھی ہیں اور وہ ارادہ بھی رکھتی ہیں اور یہ سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

و اما الا نھار فی اصلھا رحمۃ فائضۃ فی الملکوت خذوا الشھادۃ و حیوۃ و انما فلذلک تعین ھنالک بعض الامور النافعۃ و الشھادۃ کانیل و الفرات

دریائے آسمانی کی اصل خدا کی رحمت فائضہ ہے۔ جو عالم ملکوت میں عالم شہادت کے محاذ سے موجود ہے نیز حیات ونمود بھی اسی میں داخل ہے اس لیے ظاہراً چند اسباب نافعہ مثل نیل وفراغت وغیرہ کا تعین

فرمایا گیا ہے۔

و اما الا نوار التی غشیتها فتدلیاف الهیة و تدبیرات رحمانیه تلعلعت فی الشهادة حیثما استعداف لها۔

انوار الٰہیات رہے وہ انوار جنہوں نے اسے ڈھانپ لیا وہ تدلیات رحمانی اور تدبیرات ربانی ہیں جو عالم ظہور میں جلوہ گستر اور نور ریز میں جہاں تک اس عالم میں ان کی استعداد پائی جاتی ہے۔

و ان البیت المعمور تحقیقة التجلی الالهی الذے یتوجه الیه سجدات البشر و نضر عاتها یتمثل بیتا علی خذو ما عندهم من الکعبة و بیت المقدس

بیت المعمور کی حقیقت وہ تجلی ہے جس کی طرف بندگان خدا کی دعاؤں اور سجدوں کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ وہ بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ ان لوگوں کا ان ہر دو کی بابت اعتقاد ہے۔ایک گھر کی تمثیل لیے ہوئے ہے۔

وامر بخمس صلوة بلسان التجوز لا نها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مراد ہ تدریجا لیعلم ان الجرح مدفوع ان النعمة کاملة و تمثل هذا المعنے مستداً الی موسیٰ علیه السلام فانه ا کثر الا نبیاء و معالجة للا مة و معرفته لسیاستها

پانچ وقتوں کی نماز کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا ہے لیکن ثواب کے اعتبار سے یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں۔گویا خداوند عالم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو (50 کے برابر) کامل ہے اور ہرج مرج میں اٹھا دیا گیا ہے۔یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے متمثل کیا گیا ہے کیونکہ جناب ممدوح بہت سے انبیاء علیہ السلام سے امت کی اصلاح و درستی اور اصول سیاست اور شناخت و معرفت اُمت میں بڑے ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کو مشاہدات معراج کی اصلی حقیقت سمجھ کر ہم نے نہیں لکھا ہے۔بلکہ اس کی نقل سے ہمارا مدعائے خاص یہ ہے کہ حکمت و فلسفہ کے موجودہ زمانہ ارتداد میں جو معراج جسمانی کے محال ہونے کے متعلق دعوی کیے جاتے ہیں ان کو قریب العقل والا مکان ثابت کر دیں ورنہ معراج کے مشاہدات غیبیات قدرت کے ایسے نازک اسرار ربانی ہیں جن کا تحمل الفاظ انسانی نہیں کر سکتے۔

صاحب رحمۃ العالمین نے خاتمہ بحث پر جو عبارت حاشیہ لکھی ہے۔ ہم اُس سے پورا اتفاق کرتے ہیں اور ذیل میں نقل کر کے بحث معراج کو تمام کر دیتے ہیں اور یہاں اس قدر بیان کو کافی سمجھتے ہیں۔ صاحب رحمۃ للعلمین لکھتے ہیں:

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں حضرت عائشہ و معاویہ و امام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسرا روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں ہوا تھا۔ علامہ موصوف اور ابن القیم کہتے ہیں کہ اسرا وحی اور خواب میں بہت فرق ہے۔ اسرا وحی سے مراد تو یہی ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اور خواب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہ درجہ اتم اکمل۔ اشرف اور اعلیٰ ہے۔ علما کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اسراء بدن اور روح کے ساتھ تھا۔ زاد المعاد ابن القیم، صفحہ 301۔

واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفہ خشک کے اعتبار پر فضول ہے کیونکہ جس قادر مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھر کم اجسام کو تھام رکھا ہے اور عین خلا میں اس کو قائم کیا ہے وہ جسم انسان کے جرم صغیر کو خلا میں لے جانے کی بھی ضرور قدرر کھتا ہے۔ آج کل آکسیجن (Oxygen) کی طاقت سے ہوائی جہاز اور ان جہازوں کے اندر آدمی برابر نڈر رہے ہیں۔ اس لیے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو بسواری براق جو البرق سے مشتق اور الیکٹرسٹی (Electricity) کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کن ہے ملکوت السموات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ رحمۃ اللعالمین 66۔

براق اور معراج کی گویا تمام بحث کو میر وحید صاحب مرحوم لکھنوی نے اپنے ایک مصرعہ میں لکھ کر تمام کر دیا ہے۔ جو براق کی صنف سن فرمایا گیا ہے ؎

کہنے کو براق اصل میں خالق کی کشش تھی۔

وجوب نماز پنج گانہ

معراج سے واپسی کے بعد امت اسلامیہ پر پانچ وقتوں کی نماز واجب کی گئی۔ وجوب نماز کے تعین کی نسبت علمائے دین میں اختلاف ہے۔ بیکار کا اختلاف ہے۔ تحقیق کی جاتی ہے تو یہ اختلاف اصل نماز کے وجوب میں یا اس کے تعین اوقات میں نہیں ہے رکعات کی نسبت اختلاف ہے۔ ورنہ اصل دو رکعتی نماز فجر اور عصر کی تو بعثت کے وقت ہی سے واجب کر دی گئی تھی۔ اور ترکیب نماز بھی ناموس الٰہی نے اس وقت تعلیم کر دی تھی۔ جس وقت وہ وحی الٰہی لے کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اگر ان علما کے اقوال پر اعتبار کیا جاتا ہے جو مطلق وجوب نماز کو واقعہ معراج تک کھینچ لے جاتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریب قریب دس سال تک جو آنحضرت صلعم کا تنہا یا مخصوص صحابہ کے ساتھ ایک مدت تک مخفی طور پر نماز پڑھنے کی دو ایک روایات نہیں۔ متعدد اور کثیر التعداد واقعات بالکل جھوٹے اور کالعدم ثابت ہو جائیں گے۔ اور دس برس تک اہل اسلام اور بانی اسلام خود (نعوذ باللہ) بے نماز رہ جائیں گے۔ پھر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہو جائے گا کہ جب نماز کی ترکیب عبادت نہیں تھی تو رسول اور اہل اسلام کا اتنی مدت تک

کیا طریقہ عبادت تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ زمانہ رسولؐ کا بغیر کسی عبادت کے گزرا تو سراسر مناقص شان رسالت ہے اور قطعی ناممکن ہے۔ اس بنا پر ان علمائے محققین کا محققانہ قول بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ وجوب نماز کا حکم نزول قرآن اور حصول رسالت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ بلکہ خدا کے فرشتے نے رسول خدا صلعم کو ترکیب نماز کے ساتھ ہی ترکیب وضو بھی بتلائی کیونکہ ہر نماز کے ساتھ وضو بھی (اگر ضرورت ہے) واجب ہے۔ طبری

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلے صرف دو وقتوں کی دو رکعتی نماز اتری تھی۔ اور بعثت کے زمانہ سے لے کر وقوع معراج تک ایسی ہی اور اتنی ہی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ معراج میں نماز پنجگانہ اور رکعات چہار گانہ کا حکم ملا۔ اور اس وقت سے ظہر، عصر اور عشاء کی چہار رکعتی نماز واجب ہوگئی۔

حضرت ابی طالب علیہ السلام اور جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات

اسلام کی تاریخ میں نبوت کا دسواں سال جس قدر اسلام کی ترقیات وتوسیعات کے لیے خاص طرز پر مشہور اور نمایاں ہے اسی قدر یہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو مصائب وآلام اور نزول حزن وملال کے لیے بھی خاص کر مشہور اور مذکور ہے۔ اعظم ترین مصائب جو آنحضرت صلعم کو پیش آئے وہ حضرت ابی طالبؑ کے ایسے مشفق ومربی عم نامدار اور محسن ومددگار کا ایک بار سر سے اٹھ جانا تھا۔

پھر اس کے چند ہی روزوں کے بعد جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے جیسی بی بی سے ہمیشہ کے لیے مفارقت نصیب ہوئی۔ رضا بقضاتہ وتسلیماً لامرہ

حضرت خدیجہ کبری وہ عظیم المراتب محترمہ تھیں اور وہ جلیل المناقب معظّمہ جن مقدسہ نے خاص رسول اللہ صلعم کے قول کے مطابق اس وقت سے آپ کا ساتھ دیا جب کوئی شخص آپ کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اس وقت میں آپ کی تصدیق فرمائی جب کوئی شخص آپ کی تصدیق رسالت کرنے والا نہیں تھا۔ اس زمانہ میں اپنے مال ودولت سے آپ کی نصرت واعانت فرمائی۔ جس وقت ایک پیسہ سے بھی کوئی شخص آپ کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ ان تمام اوصاف مخصوصہ پر مستزاد یہ تھا کہ آپ کی نو بیبیوں میں سے مدعائے زوجیت اصلیؑ کسی سے بھی آنحضرت صلعم کو حاصل نہیں ہوا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور آپ کے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کا نام ونشان انہیں کے بطن سے ابدالاباد تک قائم رہا۔ جس طرح کفار قریش اور مشرکین مکہ رسالت کے قبل ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت پر اعتبار کر کے الامین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اسی طرح جناب خدیجہؑ کو ان کی عصمت وحیا کے احترام سے الطاہرہ کے القاب خاص سے ہمیشہ یاد کرتے تھے۔

شبلی صاحب ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور ابن

امیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا۔ لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ فرمادے۔

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابی طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلعم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا۔ ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔

اس بناء پر ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے۔ اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت قابل حجت نہیں کہ آخر راوی مستبب ہیں۔ جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔

ابن اسحاق کے سلسلہ میں عباس ابن عبداللہ ابن معبد اور عبداللہ ابن عباس ہیں اور دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو جان نثاریاں کیں اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ کے اوپر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب ودانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضائع ہوجائیں گی۔

ابوطالب آنحضرت صلعم سے 35 برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت صلعم ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا کہ بھتیجے جس خدا نے تجھ کو پیغمبرؐ بنا کر بھیجا ہے اُس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کردے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آپ بھی خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔ سیرۃ النبی، ج1، ص182

چونکہ شبلی صاحب نجات ابی طالب کے متوقع اور ان کی باایمان ہونے کے موید ہیں۔ اس لیے ہمیں حضرت ابی طالب کے ایمان لانے کے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے صاحب ایمان ہونے کے ثبوت میں متعدد کتابیں ہم سے صدہا برس پیشتر تیار ہوچکی ہیں۔ اور خود سواد اعظم کے اکابر علما ومحدثین نے اس مسئلہ میں اپنے مخالفین کی تمام غلط فہمی کا مدلل اور مفصل طور پر تردید کردی ہے کہ اب اس میں کسی کو عذر وکلام کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں ہے۔ علامہ سیوطی کے خاص دو رسالوں کے علاوہ عمدۃ الطالب، محمد بن طلحہ الشافی، مطالب السئول اور توضیح الدلائل محمد بن یوسف اور اسنی المطالب فی نجات ابی طالب مفتی احمد بن زینی وحلال متولی مسجد الحرام، مکہ معظمہ، جو امام الحرمین سید محمد بن رسول الشہیر بعلامہ برزنجی کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ یہ تمام تصنیفات وتالیفات اسی موضوع خاص پر مرتب ہوچکی ہیں۔

لیکن باوجود اس کے کہ شبلی صاحب نے اپنی مذکورۂ بالا رائے میں مؤلفین مرقوم الصدر کی تائید کی ہے مگر تاہم آپ کا طرز بیان

پھر مبہم رہ گیا ہے۔ ہمیں آپ کے ابہام کی ابھی صفائی ضروری نہیں ہے بلکہ آپ کی قدیم کوتاہ قلمی کی شکایت ہے۔ شکایت بھی نہیں کیونکہ یہ آپ کی عادت ہے۔ خصوصاً بنی ہاشم کے حالات میں اور انسان عادت سے مجبور ہے کیونکہ وہ طبیعۃ الثانیہ ہوجاتی ہے۔

بہر حال شبلی صاحب نے بہت بڑی فروگذاشت یہ کی کہ حضرت ابی طالبؑ کی اُس وصیت کی نقل کی طرف توجہ نہیں کی جو انہوں نے تمام اکابر قریش کے مجمع میں اپنے بستر مرگ پر اپنے مرنے سے بالکل قریب بیان کی تھی اور جس کو قریب قریب تمام علما محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس کے نقل و مطالعہ سے آپ کو ان کے ایمان و اسلام کا پورا پتہ لگ جاتا۔ ہم امام برزنجی کی عبارت و الفاظ میں اس کو حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

یا معشر قریش انتم صفوۃ اللہ من خلقه ذولب العرب فیکم السید المتاع و فیکم المقدام الشجاع والواسع الباع و اعلموا انکم لم تترکوا اللعرب فی الماثر نصیبا الا احرز ثموہ و لا خرفا الا ادرکتموہ فلکم بذلك علی الناس الفضیلة و لھم به الیکم الوسیلة والناس لکم حرب و علی حربکم الب وانی اوصیکم بنعطیم هذه البنیه یعنی الکعبة فان فیها مرضات للرب و قواما للمعاش و ثباتا للوطاءة و صلوا ارحا مکم فان فی صله الرحم منساءة ای فسجد فی الاجل وزیادة فی العددوا ترکوا البغی و العقوق ففیهما هلکت القرون قبلکم اجیبو الداعی واعطو السائل فان فیهما اشرف الحیات و المبات و علیکم بصدق الحدیث واداۤ الامانة فان فیها محبة فی الخاص و مکرمة فی العام او وصیکم بحمدؐ خیرا فانه الامین فی قریش والصدیق فی العرب و هو الجامع لکل ما اوصیتکم به وقد جاۤء بامر قبلکه الجناب و انکره اللسان مخافة الشنان و ایم اللہ کانی انظر الی صعالیك العرب و اهل الاطراف والمسضعفین من الناس قد اجابو دعوته و صد قوا کلمته و عظموا امره فخاض بهم فی غمرات الموت فصارت روساۤء قریش و صنادیدها اذنابا و دورها خرابا و ضعفاۤءها اربابا اذا اعظمهم علیه اخرجهم الیه وابعد هم منه اخطا هم عنده قد محضنة العرب و دادها واعطته قیادها یا معاشر قریش کونوا له و لا ۃ و لحویة حماۃ و فی روایة دونکم و ابن ابیکم کو نواله و لا ۃ و لحر به حماۃ واللہ لا یسئلك احد

سبیله الارشد اولا اخذا حد بهدیه الا سعد ولو کان لنفسی مدة و لا جلی تأخیر لکففت عنه الحزاخر ولد فعت عنه الدواهی و قال لهم مرة لن تزالوا بخیر ماسمعتم من محمد وما اتبعتم امره فاطیعوه ترشدوا

اے گروہ قریش تم مخلوقات خدا میں برگزیدہ ہو۔اور عرب کے سردار قابل اتباع ہو۔اور دلاور فراخ سینہ تم میں سے ہوتے ہیں تم جانتے ہو کہ عرب کی خوبیوں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوڑا کہ جو تم نے نہ جمع کر لیا ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں باقی رہی جو تم کو نہ مل گئی ہو اسی سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو اور لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔لوگ تمہارے لیے لڑنے والے اور تمہارے آلات حرب ہیں، میں تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اس میں پروردگار عالم کی خوشنودی، روزی کا سہارا اور سامان کی درستی ہے اور صلہ رحم اختیار کرو کہ کیونکہ صلہ رحم میں کشائش ہے۔اپنی عمر کی زیادتی اور نسل کی کثرت، بغاوت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہو چکے۔ (مذہب حقہ) کے دعوت کرنے والے کی سنو اور سائل کی حاجت پوری کرو کیونکہ ان دونوں میں شرف حیات وممات ہے اور تمہیں سچ بولنا اور امانت کا روا کرنا لازم ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کے سبب سے خواص سے محبت ہوتی ہے اور عوام میں عزت۔اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تمہیں وصیت کرتا ہوں وہ امین قریش ہے اور صدیق عرب اور جن باتوں کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام اوصاف کا جامع ہے وہ ایسا امر لے کر آیا ہے جسے دل تو قبول کرتا ہے مگر زبان بخوف طعن انکار کرتی ہے۔خدا کی قسم میں گویا عرب کے فقیروں، قرب وجوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اس کی منادی قبول کر لی ہے۔ان لوگوں نے اس کے کلام کو برحق مان لیا ہے اور اس کے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہے اور وہ ان کو لے کر موت کی بھنور میں کود پڑا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار سب ادنٰی درجہ کے ہو گئے ہیں ان کے مکان تک برباد ہو گئے ہیں اور وہ جو زبردست تھے زیر دست ہو گئے ہیں۔جو لوگ اپنے آپ کو محمدؐ سے بڑھ کر سمجھتے تھے وہ اس کے محتاج بن گئے ہیں اور جو اس سے دور تھے، قریب آ گئے ہیں اعراب بادیہ نے اس کی خالص دوستی اختیار کر لی ہے اور اپنے آپ کو اس کے اختیار میں دے دیا ہے۔اے گروہ قریش اس کے دوست بن جاؤ اور اس کے گروہ کے حامی بن جاؤ اور

ایک روایت میں یوں ہے کہ تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اس کے دوست بن جاؤ اور اس کے گروہ کے حامی ہو جاؤ اور قسم بخدا کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی راہ چلے اور نیکی نہ پائے اور اس کا ہدیہ قبول کرے اور شہید ہو جائے اور اگر میری زندگی میں کچھ دیر لگتی اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی تکالیف ومصائب وشدائد کو ان سے دور کرتا۔ اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا کہ جب تک تم محمدؐ کی سنتے رہو گے اور اس کے احکام کی پیروی کیے جاؤ گے تمہارے لیے بہتری ہی بہتری رہے گی۔ لہٰذا اس کی اطاعت کرو کہ رشید ہو جاؤ۔ منقولاً عن قاضی ذینی وحلان من کتابہ اسنی المطالب، ص177

حضرت ابی طالبؑ کے یہ الفاظ وصیت ہیں جو صاف بتلا رہے ہیں کہ ان کا کہنے والا، ان کا ادا کرنے والا، اس وقت کے مسلمانوں سے محبت عقیدت اور حمایت اسلام میں اگر بڑھا نہیں تھا تو کسی طرح کم بھی نہیں تھا۔

اب ہم حسب الوعدہ شبلی صاحب کی مبہم عبارت اور ذو حل فیصلہ کا انکشاف کرتے ہیں۔

خیریت ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے اس باہم فی الکلام کی وجہ خود لکھ دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس بنا پر (روایت بخری اور ابن ہشام کے اختلاف دکھلا کر) ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر کے ہی قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ایمان ابوطالب کے قائل ضرور ہیں لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اقرار واعلان نہیں کر سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ کے اس بیان سے ایک تحقیق کے طالب کو کیا فائدہ پہنچا۔ اور وہ کہاں تک اصل حقیقت معلوم کر سکا؟ آپ کی آخر رائے دیکھ کر وہ اتنا کہہ سکتا ہے کہ آپ موید ین اسلام ابوطالب کے ہم خیال ہیں۔ لیکن آپ خود محقق ہیں۔ جانتے ہیں کہ طالبان تحقیق کو کسی شخص خاص کی ذاتی رائے کے معلوم کرنے سے تسکین نہیں ہوتی تا وقتیکہ وہ اپنے مدعائے تحقیق کی حقیقت اور اصلیت کو ان کے تمام اسباب وعلل کے پورے طور نہ حاصل کر لے۔ آپ کی دورخی رائے اور اس کی اہمیت اس کو معلوم ہو گئی۔ جو ان دونوں روایتوں پر مبنی ہے۔ ایک مسلم وبخاری کی روایت پر جو ایمان ابی طالب کے مخالف ہے۔ دوسرے سیرت ابن اسحاق کی روایت پر جو ایمان ابی طالب کی موید اور مثبت ہے۔

آپ نے ان متضاد مرویات کو جمع کر کے کوئی فیصلہ کن رائے تو دی نہیں۔ وہی ترجیح بخاری والا قدیم مسئلہ پیش کر دیا۔ جس کا عنوان ایسے ہی مقامات کی ضرورت خاص کے لحاظ سے آپ نے اپنے دیباچہ کتاب ہی سے آغاز کیا تھا۔ اور ہم نے بھی آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں شروع ہی سے آپ کے اس حفظ ما تقدم ہوشیاری اور قلم کاری کا مفصل اور مدلل طریقہ سے انکشاف حقیقت کر دیا ہے۔

کیوں صاحب ایک ایسا شخص بستر مرگ پر مر رہا ہے جو آپ کے نزدیک مسلمان بھی نہیں۔ اس کے اعزہ اور احباب اس کو آخری بار ہمیشہ کے لیے رخصت کرنے کی ضرورت سے اس کے پاس جمع ہیں۔ باہم گفتگو ہو رہی ہے تو اس واقعہ اور اس کے ایسے تمام واقعات کو

سیرت و تاریخ کے موضوع سے تعلق تھا۔ یا آپ کی حدیث و اصول کی کتابوں سے؟ اور ان تمام واقعات شخصی یا قومی کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپ سیرت و تاریخ کا مطالعہ فرمائیں گے۔ یا حدیث و تفسیر کی تالیفات کو دیکھیں گے کبھی کوئی شخص سیرت و تاریخ کے ہوتے ہوئے ان امور کی اطلاع و علم کے لیے حدیث و تفسیر کی کتابوں کو نہیں دیکھے گا۔ یہی تو آپ کی غرض خاص تھی کہ آپ نے ان خصوصیات سیر و تاریخ کی تحقیق کو حدیث ہی کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری و مسلم میں دیکھنے اور اعتبار کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ اس لیے اصول تحقیق کی بنا پر اس واقعہ کی نسبت سیرت ابن اسحاق کی روایت پر اعتبار کیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں بخاری و مسلم کی مرویات پر کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ سیرۃ ابن اسحاق بخاری و مسلم سے اتنی قدیم ہے کہ اس کی تدوین کے وقت علم الحدیث کا نام بھی نہیں تھا۔ بخاری و مسلم کجا۔

اب اصول تنقید سے بھی دیکھئے تو ابن اسحق کی روایت میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ آپ خود لکھتے ہیں۔ عباس بن عبداللہ بن سعید اور عبداللہ بن عباس دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق نے عباس بن عبداللہ بن سعید کے بعد لکھ دیا ہے عن بعض اھلہ (اپنے گھر والوں میں سے کسی کی زبانی) ممکن ہے کہ عباس ابن عبداللہ کو وقت پر نام نہ یاد رہا ہو۔ تو جب عن بعض اہلہ موجود ہے تو ایک راوی دوسرا تو موجود ہے۔ سلسلہ منقطع کیسے ہوا؟ اور بیچ کا راوی رہ کیسے گیا؟ ایسی مثالیں آپ علی الاکثر تمام حدیثوں کے سلسلہ رواۃ میں پائیں گے۔ چنانچہ ابن سعد تو اکثر اپنے اسناد کی نقل قال بعض اھل العلم سے شروع کر دیتے ہیں اور برابر ان کی روایتیں نقل ہوتی ہیں۔

عباس ابن عبداللہ کی نسبت آپ وضع حدیث کا گمان کر ہی نہیں سکتے کیونکہ خود لکھ چکے ہیں کہ عبداللہ بن عباس اور عباس بن عبداللہ دونوں ثقہ ہیں۔ اس بنا پر آپ کو تسلیم کر لینا ہوگا کہ عباس ابن عبداللہ نے اپنے بعض عزیز کا حوالہ دے دیا ہے اور نام نہیں بتلایا۔ صرف اس وجہ سے کہ اس وقت ان کو نام نہیں یاد رہا۔ پھر جب آپ کا معتبر اور معتمد علیہ شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے عزیز خاص سے سنا ہے اور صرف نام نہیں لیتا ہے تو کیا اس کا یہ بیان آپ کے نزدیک قابل اعتبار نہ ہوگا؟ پھر جب آپ کسی طرح اس کے بیان کو قابل استرداد نہیں ٹھہرا سکتے تو آپ کا عن بعض اہلہ کی موجودگی میں یہ بے دھڑک کہہ دینا کہ بیچ کا ایک راوی رہ گیا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ ضرور قابل تسلیم ہوگا کہ عباس بن عبداللہ نے اپنے ایک عزیز سے اور اس نے عبداللہ بن عباس سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار عباس ابن عبدالمطلب سے سنا ہے۔ حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو ابن اسحاق کی روایت اول سے آخر تک متصل ہے۔ مفصل اور مسلسل اور کہیں سے بھی منقطع اور موقوف نہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں بخاری اور مسلم کی روایت اور ان کی حقیقت شبلی صاحب خود معترفانہ طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت چنداں قابل احتجاج نہیں کہ آخر راوی ابو مسیب ہے جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ جب اس روایت کی حقیقت حال اور کیفیت رجال سے آپ واقف ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی ابن اسحاق کی روایت کے متعلق یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس کے راوی بخلاف مسلم و بخاری

کے ثقہ ہیں اور یہ بطور مرفوع متصل مروی ہوئی ہے تو پھر آپ نے صاف صاف لفظوں میں یکسو فیصلہ کیوں نہ کر دیا اور بتلا دیا کہ ایمان ابی طالب کے مسئلہ میں اختلاف بے کار ہے۔ ابن اسحاق کی روایت سے ان کا ایمان لا نا حقیقی طور پر ثابت ہے کیونکہ ابن اسحاق کی روایت کے متعلق آپ اپنا پورا اطمینان کر چکے ہیں۔ ایک درمیان کے راوی رہ جانے کا جو گمان کیا گیا تھا وہ بھی غلط نکلا۔ راوی موجود ہے مگر راوی اول کو اس کے نام کی جگہ اس کی خصوصیت یاد ہے کہ وہ اس کے گھر والوں میں سے تھا تو اس روایت کا یہ اتنا سا نقص بھی جاتا رہا۔ ان تمام دلائل سے ابن اسحٰق کی روایت عقلاً و نقلاً بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔

لیکن با ایں ہمہ ایک صحیحین کی اور اس میں بھی بخاری کی قلم کاری نے اسلام کے ہر واقعہ کی حقیقت ہی بدل دی ہے اور آپ حضرات نے عقیدت مندانہ طور پر تقلید اسلاف کے زیر اثر ہو کر اور مؤلف و محقق کے اصلی فرائض کے خلاف انہیں کی تائید و توثیق میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔ ابھی ابھی دعوت قریش کے واقعہ میں محض استخفاف فضائل علی کی غرض سے بخاری نے جیسی جیسی طلسمی قلم کاریاں دکھلائی ہیں ان کی پوری حقیقت کا صفحات گذشتہ کی عبارات زیریں حاشیہ میں پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ اس واقعہ میں بھی جہاں تک حقیقت کی نظر ڈالی جاتی ہے حضرات مسلم و بخاری کی قلم کاری ہی ثابت ہوتی ہے۔

اتنا لکھ کر اب ہم اس بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم بخاری اور مسلم صاحب کی مرویات پر اعتبار کر لیں تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان روایات میں حضرت ابی طالب نے کن الفاظ میں انکار ایمان کیا ہے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم نے ابو طالب کے اس کلمہ کو کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ انکار ایمان سمجھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم و بخاری حضرت عبدالمطلب کے ایمان کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اور ان کا کافر مرنا بھی (نعوذ باللہ) صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں علما کا یہ قول جمہور علما و محدثین کے نظریہ متفقہ سے بالکل مخالف ہے شرح زرقانی میں حضرت عبدالمطلب کے باایمان قضا کرنے کی بڑی طولانی بحث صفحہ 197 سے شروع ہو کر صفحہ 229 پر تمام ہوتی ہے اور نتیجہ بحث میں حضرت عبدالمطلب کو تمام عمر دین حنیف پر ثابت اور مسلک توحید پر قائم بتلایا ہے اور خاتمہ بحث پر اکثر محدثین و محققین کے اقوال سے واقعہ اصحاب الفیل اور ہزیمت ابرہۃ الاشرم کے متعلق آپ کو صاحب کرامات تسلیم کیا ہے اور خود شبلی صاحب نے بھی دیباچہ میں مفصلہ ذیل واقعہ کو ان کے موحد ہونے کے ثبوت میں نقل فرمایا ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلعم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

حق عبد المطلب بن ھاشم من اھل مکۃ علی فلان بن فلان الحمیری (ا) من اھل او زل صنعا علیہ الف درھم فضۃ کیلا بالحدیدہ و متی دعاہ بھا اجابہ شھد اللہ والملکان

یہ عبدالمطلب بن ہاشم کا جو مکہ کا باشندہ ہے قرضہ فلاں ابن فلاں حمیری پر ہے۔ جو صنعا (یمن کے) علاقہ

میں شہرا وزال کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درم ہیں جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کر دے گا۔ خدا اور اس کے درمیان فرشتے گواہ ہیں۔

جب شبلی صاحب کے ان اعترافات اور مذکورہ بالا علما ومحدثین کی مذکورہ بالاتحقیقات سے حضرت عبدالمطلب کا دین دین حنیف اور مسلک توحید ثابت ہوتا ہے اور انہیں مسا لک پر انہوں نے دنیا سے رحلت فرمائی۔تو اب ابی طالب کا انتقال فرماتے وقت یہ اقرار کرنا جس کو خود صاحب صحیحین مسلم و بخاری لکھتے ہیں کہ میں دین عبدالمطلب پر مرتا ہوں کیسے (نعوذ باللہ) ان کی کافر مرنے کی دلیل ہوسکتا ہے کیونکہ دین عبدالمطلب جب دین حنیف اور شرع توحید ثابت ہو چکا اور یہی ان کے ثبوت ایمان کے لیے کافی تسلیم کر لیا گیا۔تو پھر دین و ایمان ابی طالب میں جو باقرار ان کے عین دین و ایمان عبدالمطلب ہے کسی کو کیا عذر و کلام ہوسکتا ہے۔

ہم اس سے زیادہ بحث نہیں لکھیں گے۔تحقیق مزید کے لیے عمدۃ المطالب، مطالب السؤل، اسی المطالب، تالیفات امام سبکی، قرطبی، شعرانی اور علامہ ہشیمی اور امام سیوطی کے رسالہ جات کی طرف جو نجات آبائے کرام آنحضرت صلعم کے موضوع خاص پر لکھے گئے ہیں۔رجوع کرنا چاہیے۔

بعد ابی طالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب

ان دونوں پے در پے صدمات نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد متردد اور مضطرب بنا رکھا تھا۔رسول خدا صلعم کا گھر اجڑ گیا تھا۔حضرت ابی طالب کے جیسا مربی اور سرپرست سر سے اٹھ گیا لیکن بدخواہ، بیدرد ا مظالم کفار قریش کی دلی مرادیں برآئیں۔تمنائیں پوری ہوئیں۔اب نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ (سلام اللہ علیہا) کی ایسی ہر درد و غم میں ہر وقت کی شریک اور رفیق بی بی باقی ہے، جو تردد، فکر اور رنج وغم میں آپ کو تسکین و تشفی دے اور نہ سر پر حضرت ابی طالبؑ کے جیسا عم بزرگوار اور پرستار قائم ہے جو ظالمین مکہ اور مشرکین قریش کے مہلک حملوں سے آپ کو بچائے اور نصرت وحمایت فرمائے۔ان کی انہیں خصوصیات کی رعایت سے آنحضرت صلعم یتیم عبداللہ کی جگہ یتیم ابی طالب کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ان کے اٹھ جانے سے مخالفین کو آپ کی ایذا رسانی کی عملی ترکیبوں میں پوری آزادی مل گئی۔اور اب ان کو تامل و تحمل کی کوئی ضرورت یا مجبوری باقی نہیں رہی۔اس وقت تک ان کو جو کچھ تامل ہوتا تھا وہ صرف حضرت ابی طالب کی عظمت اور ذاتی وجاہت کے سبب سے جس کو وہ اپنی وفد کی پیش کرنے کی ہر موقع میں اپنی تقریروں کے ساتھ معترفانہ طور پر ظاہر کر چکے تھے۔اب وہ نہیں رہے تو یہ مجبوری بھی نہیں رہی۔اور اب وہ کمال آزادی، بے باکی سے آنحضرت صلعم کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی میں سرگرم اور مستعد ہوگئے۔یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ میں رہنا دشوار ہوگیا۔آپ ان کی اس دلیری اور جرأت کے سبب کو خوب جانتے تھے۔اس وقت جناب ابی طالبؑ کی شفقت و مرحمت مربیانہ کو یاد فرما کر اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

یا عم ما اسرع ما وجدت فقدك

اے عم بزرگوار آپ کے بعد جو مجھ پر آنے والی تھی کیسی جلد آ پڑی۔ اسنی المطالب، ص 62، مطبوعہ دہلی

جناب رسالت مابؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مصائب وشدائد متواترہ سے ایسے متاسف اور متاثر ہوئے تھے کہ آپ نے ان اعظم ترین مصائب کی خاص رعایت سے اس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا۔ جو آج تک اسلام کی کتب تاریخ وحدیث میں منقول و مذکور چلا آتا ہے۔ شبلی صاحب رقم طراز ہیں:

ابوطالب اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک واقعہ کے مطابق آپ راہ میں جارہے تھے کہ ایک شقی نے آ کر فرق مبارک پر خاک ڈال دی اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا جان پدر، روؤ نہیں، خدا تیرے باپ کو بچالے گا۔ طبری وابن ہشام۔

سفر طائف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مصیبتیں

باوجود اس کے کہ آنحضرت صلعم کو متواتر صدمات پیش آئے مخالفین قریش اور معاندین مکہ نے گھر میں رہنا دشوار کر دیا ان کے ہر وقت کے ظلم وستم سے بچنا دشوار ہوگیا۔ نہ جانے ماندن نہ پائے فتن کی نوبت پہنچ گئی۔ مگر با این ہمہ جس منصب عظیم کے لیے آنحضرت صلعم منجانب اللہ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جس عمدہ جلیل کی تبلیغ وتعلیم کے لیے اور تنظیم وتعلیم پر مامور کیے گئے تھے اس کی انجام دہی اور ادائیگی میں سر مو فرق نہ آیا۔

اتنے حزن وملال اور ایسے اضطرار وانتشار کے عالم میں بھی آنحضرت صلعم کو ہمہ اُسی کی فکر تھی اور اُسی کا خیال یہ تو ظاہر تھا کہ مکہ معظّمہ میں رہ کر دعوت اسلام میں مخالفت قریش کی وجہ خاص سے جس قدر دشواریاں اور مشکلیں آتی تھیں۔ اب وہ اس قدر شدید اور ناقابل برداشت ہوگئی تھیں کہ گویا آنحضرت صلعم کو مکہ میں رہ کر اپنے امور میں آئندہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اس بنا پر ضروری تھا کہ اب بیرونجات میں خود تشریف لے جا کر بالنفس النفیس اس کے لیے کوشش فرماتے۔ اس تجویز میں سب سے پہلے آپ طائف میں تشریف لے گئے۔ شبلی صاحب سفر طائف کے حالات مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں:

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں، طائف میں بڑے بڑے امرا اور صاحب اثر رہتے تھے۔ ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور خبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا کہ اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ (عظمت) چاک کر رہا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا خدا کو پیغمبری کے لیے تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا۔ تیسرے نے کہا میں بہرحال تجھ سے بات نہیں کرسکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل ہی نہیں۔

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دورویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے نکلے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون میں بھر گئیں جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے جب آپ پھر چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹہنیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا۔ اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا۔ انگور کا خوشہ ایک کشتی میں لگا کر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارث بھی ساتھ تھے۔ سیرۃ النبی، ص 183۔

بیان میں اختصار شبلی صاحب کو اس قدر پسند ہے کہ وہ عبارت واقعات میں اس کی مناسبت وغیر مناسبت کا ذرا بھی خیال نہیں فرماتے۔ اس وجہ سے کوتاہ رقمی کا موجودہ شعار آپ کے بیان میں ابہام پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ نقل و ترجمہ میں بھی آپ اپنے اصلی ماخذ سے اس قدر ترجمہ کرتے ہیں جس قدر اپنے مفید مطلب پاتے ہیں۔ باقی ندارد۔ حالانکہ آپ کے اسی قلمز دحصہ روایت سے ارشاد رسالت کے روحانی آثار ثابت ہوتے تھے۔ تینوں رئیسان ثقیف کے جواب میں بسائے رسالت سے جو ارشاد کیا گیا وہ بالکل مرفوع القلم فرما دیا گیا۔ حالانکہ طبری میں جو آپ کا مستند ماخذ ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ خوش اخلاقانہ جواب اس عبارت میں لکھا ہوا، موجود ہے۔

و قد يئس من خبر ثقيف و قد قال لهم فيماذكر لى اذفعلتم ما فعلتم وا كتموا و كره رسول الله صلعم ان يبلغ قومه عنه فيذئر هم ذلك عليه. ص 1200 جرمن

جب آپ رؤسا ثقیف کی ہدایت کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے ان سے کہا کہ اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کے ٹھوکر کھانے کا بھی سبب بن جائیں۔

ایسے دردانگیز مصائب اٹھا کر اس صبر مجسم اور رحمت عالم نے بارگاہ احدیت میں اپنی مصیبت کے اظہار اور عطائے ہمت و استقلال علی المصائب کی غرض خاص سے جو دعا فرمائی ہے اس کے حرف حرف سے خدا کا جبروت و جلال اور آپ کی شان عبدیت اور تواضع و انکساری ہویدا و آشکار ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے اختصار نے رسالت کے اس معیار کو بھی عام نگاہوں سے پوشیدہ رکھا۔ حالانکہ آپ کے تینوں ماخذ مواہب لدنیہ، طبری اور ابن ہشام میں موجود ہے۔ ہم زبان اقدس کے ان دعائیہ فقرات کو ابن ہشام کے الفاظ میں حسب ذیل لکھتے ہیں:

اللهم ليت اشكو ضعف قولى و قلة حليتى و هو انى على الناس ياارحم الراحمين انت رب المستضعفين و انت رب الى من يكلنى الى العبد ينجهمى اوالى عدو

لملكته امری ان لم يكن على غضب فلا ابا لى و لكن عافيتك هى اوسع لى اعوذ بنور وجهك الذى اشرقت له الظلمات و صلح امر الدنيا والاخرة من ان ينزل بى غضبك او يحل على سخطك لك العيتى حتے ترضىٰ لا حول و لا قوة الابك

الٰہی، اپنی کمزوری بےسروسامانی اور لوگوں کے تحقیر کرنے کی نسبت میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔اور درماندہ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے اب کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش روکے؟ یا اس دشمن کے حوالہ کیا جاتا ہے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پروا کچھ نہیں۔ کیونکہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ زیادہ وسیع ہے۔میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام درست ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔طبری 1201ص

ایک عیسائی کا اقرار رسالت

اب ہم شبلی صاحب کے اس قلمزدحصہ روایت کو اس کے اصل ماخذ سے لکھتے ہیں جس میں عتبہ بن ربیعہ کا آپ کی خدمت میں اپنے غلام عداس نامی کے ہاتھ خوشہ انگور کا تحفہ بھیجنا۔عداس کا جو مذہباً عیسائی تھا۔آپ کا صبر وتحمل اور اخلاق پاکیزہ کا مشاہدہ کرکے آپ کی رسالت کا اقرار کرنا، اور مشرف بہ اسلام ہونا تفصیل سے درج ہے۔افسوس ہے کہ آپ کی اختصار پسندی آپ کی کوتاہ رقمی کتنے مفید مطالب ومقاصد کو باوجودیکہ اصلی ماخذوں میں مرقوم ہیں قلمزد کردیتی ہے۔طبری اور ابن ہشام اس واقعہ کو مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں:

فلما رای ابنا ربیعه عتبه و شیبه ما لقی تحرکت له رحمهما فد عواله غلاما نصرانيا يقال له عداس فقالا له خذ قطفا من هذا الغنب و ضعه فى ذلك الطيق ثم اذهب به الى ذلك الرجل فقل له يا كل منه ففعل عداس ثم اقبل به حتے و ضعه بين يدى رسول الله صلعم فلما وضع رسول الله صلعم يده قال بسم الله ثم اكل فنظر عداس الى وجهه ثم قال والله ان هذا لكلام ما يقوله اهل هذه البلد قال له رسول الله صلعم و من اهل اى البلاد انت يا عداس و ما دينك قال

انا نصرانی و انا رجل من اهل نینوی فقال له رسول الله صلعم امن قریة الرجل الصائح یونس بن متی قال له و ما یدریك ما یونس بن متی قال رسول الله صلعم ذلك اخی کان بلتیا و انا نب فاکب عداس علی رسول الله صلعم یقبل راسه ویدیه ورجلیه قال یعول ابنا ربیعه احدهما الصاحبه اما غلامك فقد انسده علیك فلما جاء هما عداس قال له ویلك یا عداس مالك تقبل راس هذا الرجل ویدیه و قدمیه قال یاسیدی ما فی الارض خیر من هذا الرجل لقد خیرنی بامر لا یعمه الا نبی الله فقال و یحك یا عداس لا یصر فنك عن دینك فان دینك خیر من دینه. طبری، ص 1204 جر من

جب عتبہ وشیبہ پسران ربیعہ نے آپ کا (آنحضرت صلعم) یہ حال دیکھا تو رحم کھا کر اپنے غلام نصرانی عداس نامی کو بلایا اور کہا کہ انگور کا ایک خوشہ کشتی میں لگا کر اس شخص کو دے۔ غلام حکم کے مطابق خوشہ انگور ایک کشتی میں لگا کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے انگوروں کی طرف دست مطہر بڑھایا اور زبان مبارک سے پہلے بسم اللہ فرمایا۔ پھر انگور کھانے شروع کر دیئے۔ عداس نے نہایت حیرت سے جناب رسالت مآب صلعم کی طرف دیکھا اور پھر کہا یہ تو ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے ایسا کبھی نہیں کیا کرتے۔ نبی صلعم نے پوچھا عداس تم کہاں کے باشندے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے۔ عداس نے جواب دیا میں نینویٰ کا رہنے والا اور عیسائی مذہب کا آدمی ہوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم مرد صالح یونس بن متیٰ کے شہر کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ انہیں کیا جانیں، رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ وہ تو میرے بھائی ہیں۔ میں بھی نبی اللہ ہوں اور وہ بھی نبی اللہ تھے۔ عداس یہ سنتے ہی رسول اللہ صلعم کے قدم پر گر پڑا اور اس نے آپ کے فرق مطہر اور دست و پائے مبارک کے پے در پے بوسے لیے۔ عتبہ اور شیبہ دور سے غلام کی اس حیرت انگیز عقیدت کو دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ لو غلام تو ہاتھوں سے گیا۔ اتنے میں عداس لوٹ کر آ گیا تو اس سے کہنے لگے کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ بلا سبب اس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ عداس بولا حضور والا اس شخص سے بہتر، آج کوئی دوسرا شخص روئے زمین پر نہیں ہے۔ اس نے مجھے وہ خبر بتلائی ہے کہ جو سوا نبی اللہ کوئی

دوسرا شخص کبھی نہیں بتلاسکتا۔ دونوں نے مل کر عداس کوزور سے ڈانٹا اور کہا کہ خبردار کہیں اس کے پیچھے اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھا، تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔

رسالت کے ارشاد و ہدایت کا اتنا عظیم الشان معتبر اور پر اثر واقعہ اور شبلی صاحب کے جیسے محقق کے قلم سے قلمز د کر دیا جائے تعجب ہے تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ سیرۃ النبی کی تالیف میں زیادہ تر عیسائیت ہی سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر ایسے مقام میں عیسائیت کی خام اور ناقص تعلیم کے مقابلہ میں اسلام کی کامل اور موثر تلقین و ہدایت کے واقعات دکھلائے گئے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ جو ہر قرینہ اور عنوان سے قابل استدلال تھا۔ کیونکر قلم انداز کر دیا گیا؟ اس کا ظاہری سبب سوائے مولف کی عدم تفحص واقعات اور کوتاہ رقمی کے انداز خاص کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

ہم اس سے پہلے اسلام لانے والے عیسائی کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا دینا ضرورت اور مناسبت مقام دونوں اعتبار سے مفید سمجھتے ہیں۔ زرقانی اس کمال خیر کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

فاکب عداس علی یدیه وراسه ورجلیه یقبلها و اسلم رضی الله عنه و هو معدود فی الصحابة و فی سیرة التیمی (ابن عقبه التمی) انه قال اشهد انك عبدالله و رسوله۔

عداس آنحضرت صلعم پر جھک گیا آپ کے فرق مطہر اور دست و پائے مبارک کے بوسے لیے اور اسلام لایا۔ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ سیرۃ التیمی کے مصنف علامہ ابن عقبہ التیمی لکھتے ہیں کہ عداس نے اسلام لانے کے وقت اقرار کیا کہ آپ خدا کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

امام سہیلی کی روض الانف میں عداس کا آئندہ حال یوں لکھا ہے:

ذکروا ان عداسا لما ارادسیداه الخروج الی بدر امراه بالخروج معهما فقال أقتال ذلك الرجل الذی رائت لحا ئطکما تریدان والله ما تقوم له الجبال فقالا له ویحك یاعداس صحرك بلسانه و فی الاضاته قیل قتل عداس ببدر و قیل رجع و مات

عداس کا حال یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے کے لیے اس کے دونوں آقا عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ آمادہ ہوئے تو اس کو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کیا آپ لوگ اس شخص سے جنگ کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ جس کو میں آپ کے احاطہ باغ میں دیکھ چکا ہوں۔ قسم خدا کی اس کو پہاڑ تو ہلا ہی نہیں سکتے۔

عتبہ وشیبہ نے جواب دیا اے تجھ پر اس نے اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے۔اصابہ میں لکھا ہے کہ عداس جنگِ بدر میں مارا گیا اور ایک قول ہے کہ جنگ بدر کے بعد زندہ رہا اور اپنی موت سے مرا۔

افسوس ہے کہ جب شبلی صاحب سلسلہ بیان میں ایسے ایسے ضروری واقعات کو قلم انداز فرمادیں تو پھر آپ کے سلسلہ کلام کو تمام اور تفصیل بیان کو کیسے کامل کہا جائے گا۔ یہ تو غیر مربوط نامسلسل اور غیر مکمل طریقہ تحریر ثابت ہوگا۔

سفر طائف اور زید بن حارثہ کی رفاقت

شبلی صاحب نے زید کے حالات میں صرف اتنا لکھ دیا کہ اس سفر میں یہ بھی شریک تھے۔اس سے زائد کچھ نہ لکھا۔ہم آپ کی اس کمی کو پورا کیے دیتے ہیں۔

اس مقام پر (طائف میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وعظ فرمانے کے عین موقع پر کافروں نے اتنے پتھر برسائے کہ آپ چوٹ کے صدمے سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔زید بن حارثہ نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے۔منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا۔رحمۃ اللعالمین ص75

قیام طائف کی نسبت کچھ بھی شبلی صاحب نہیں لکھتے اور نہ اس کے ایام ووقت وقوع بتلاتے ہیں ابن اسعد دس (10) روز کی مدت بتلاتے ہیں اور ماہ شوال کا عشرہ آخر (بیسویں تاریخ سے لے کر تیسویں تک) ۱۰ سال نبوت قرار دیتے ہیں۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

فخرج الی الطائف و معہ زید بن حارثہ و قلك فی لیال یقین من شوال سنہ عشر من حین نبیی رسول اللہ صلعم فاقام بالطائف عشرۃ ایام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے۔اس سفر میں وہ زید بن حارثہ بھی شریک تھے۔شوال کا مہینہ تھا اور عشرہ آخر (بیسویں تاریخ کے بعد) کے ایام،نبوت کا دسواں سال تھا۔ آپ نے دس روز تک طائف میں قیام فرمایا۔

کسی واقعہ کی نسبت تعین وقت اور تعداد ایام کا نہ لکھنا مولف کے لیے اور خاص کر اس مولف کے لیے جو تاریخی واقعات کی تدوین کرتا ہو یا سیرت کے حالات کی ترتیب دیتا ہو۔نہایت شکایت کے قابل ہے اور اصول تالیف سے اس کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔متقدمین سے زیادہ متاخرین اس کے پابند ہیں۔لیکن شبلی صاحب اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

سفر طائف کے متعلق شبلی صاحب نے وہ عیسائی مولفین کی مختلف رائیں دکھلائی ہیں وہ ضروری الذکر ہیں اور حسب ذیل لکھی جاتی ہیں۔کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے۔مرگیولوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کے اس سفر کو سوا تدبیر میں داخل کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے زیر اثر تھا اور وہاں رؤسا مکہ کے باغ تھے جس

کی وجہ سے ان کی آمدورفت رہتی تھی۔ جب مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت صلعم کے خلاف تھے تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہوسکتی تھی۔ لیکن سرولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں بے خوف چلے گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا۔ الفضل ما شھدت به الاعدآء۔

کس قدر عبرت ناک ہے کہ شبلی صاحب سرولیم میور کی جدید تصدیق کو تو اس سرگرمی سے تائید اسلام میں نقل فرماتے ہیں اور عداس رضی اللہ عنہ کی قدیم شہادت ایمان اور توثیق اسلام کو باوجودیکہ اصل ماخذوں میں تفصیل سے درج ہے۔ مرفوع القلم کرتے ہیں۔

سفر طائف میں گو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناکامیابی ہوئی اور خونخوار کفار کے ہاتھوں سخت ترین مصائب وشداد اٹھاتے ہوئے لیکن بااین ہمہ نگاہ غور سے دیکھا جائے تو ہدایات وارشاد کی تبلیغی کوششیں بیکار نہیں گئیں۔ اتنے غیر متحمل ظلم وجفا اور ستم وایذا پر اس جگرداری اور پاداری سے صبر وسکوت اختیار کرنے کی وجہ سے ظالمین کفار اور مشرکین قریش کے دل میں آپ کے استقلال فی تبلیغ الرسالت اور استقرار فی تعلیم الامت کے ثبوت النفس کا لجر کردیئے اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کو اپنے فرائض منصبی کی ادائیگیوں کے مقابلہ میں نہ جان جانے کی پرواہ ہے اور نہ ستائے جانے کی فکر۔

طائف سے واپس ہوتے ہوئے کسی شخص کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی تباہی وبربادی کے لیے کیوں بددعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ آئندہ ان کی نسلیں ضرور خدائے یکتا پر ایمان لانے والی ثابت ہوں گی۔ رحمۃ العالمین ص 58 بحوالہ صحیح مسلم عن ام المومنین حضرت عائشہ۔

یہ ہے رحمت العلمین ہونے کی شان اور یہ ہے سید المرسلین ہونے کی دلیل۔ یہ تو اس سفر کے ظاہری اثر تھے جو مخالفین کے قلوب پر جم گئے تھے۔ اب ان کوتاہ بینوں نے ہدایت وارشاد رسالت کے روحانی اثر کو بھی عداس کے واقعہ سے براۃ العین مشاہدہ کرلیا کہ وہ بلا تحریک ورغبت زبان مبارک سے دو لفظوں کا جملہ بسم اللہ سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ دم کے دم میں کہاں تو سچ عیسائی تھا، پکا مسلمان ہوگیا۔ اور بلاخوف وہراس وبے وسواس بلند آواز سے اشھد انك عبدہ و رسولہ کہہ کر آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے لگا۔ ھذا فضل اللہ یوتیه من یشاء

طائف سے مکہ میں واپس ہونے کے وقت دشواریاں:

اب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ خدمات مکہ ہی تک منحصر نہیں تھے یا طائف ہی تک جا کر ختم ہونے والے نہیں تھے۔ آپ نے دس روز تک طائف میں متواتر صدمات اٹھائے اور ان پر بکمال استقلال صبر فرمایا۔ گیارہوں دن طائف سے نخلہ میں چلے آئے دو چار روز یہاں بھی قیام رہا پھر وہاں سے حرا میں تشریف لائے یہاں پہنچ کر ستمگاران طائف کی طرح کفار مکہ سے بھی ایذا رسانی کا خوف آیا کیونکہ اصلاً دونوں ایک تھے اور ان کی امارت ووجاہت کے زیر اثر وہاں کے تمام باشندے تھے۔ اس بنا پر آپ کو اندیشہ تھا کہ مراجعت مکہ کے وقت مشرکین قریش بھی وہی منظر نہ پیش کریں۔ جو ظالمین طائف دس روز پیشتر پیش کر چکے تھے۔ موجودہ

قرائن واسباب بھی اس کا شعبہ دلا رہے تھے کیونکہ آپ مکہ کے معاونین ومعتدین سے مکہ خالی ہو چکا تھا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ اٹھ چکی تھیں ۔حضرت ابو طالب انتقال فرما چکے تھے اور بقول شبلی صاحب اب ان لوگوں کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ باقی رہا ضعفائے مسلمین کی جماعت جس میں گو حضرت حمزہ اور حصرت عمرؓ کے جیسے لوگ بھی ضرور تھے مگر ان میں سے ایک بھی کفار کی بڑھتی ہوئی قوت کی مدافعت پر قادر نہیں تھا۔

انہیں قرائن کو مدنظر رکھ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حرا سے جیسا کہ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ ''اگر تم مجھے اپنی حمایت میں لینے کا وعدہ کرلو تو میں مکہ میں آنے کا قصد کروں، مطعم نے آپ کا پیام سنتے ہی قبول کرلیا کیونکہ عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ دشمن سے دشمن کی بھی درخواست اعانت ونصرت کو نامنظور نہیں کرتے تھے۔ پھر اسی وقت مطعم بن عدی نے اپنے بیٹیوں کو سامنے بلا کر حکم دیا کہ مسلح ہو کر حرم محترم میں چلے جاؤ۔ محمد صلعم آتے ہیں، خبردار کوئی فرد واحد ان سے مزاحم نہ ہونے پائے۔ بیٹے تو باپ کا حکم پا کر کعبہ میں گئے۔ اور اسی اثنا میں رسول اللہ صلعم شہر میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ کے ہمراہ ہولیا۔ اور با آواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلعم کو اپنی حمایت وضمانت میں لیا ہے اور میں ان کا حامی ہوں۔ کوئی شخص بھی آپ سے مزاحم نہ ہو۔ آپ باطمینان تمام خراماں خراماں خانہ کعبہ میں تشریف لائے، طواف کیا، نماز پڑھی پھر دولت سراء میں تشریف لائے۔ امام قسطلانی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے اور گھر تک پہنچا گئے۔

یہ ہے جبر لا متناہیہ کی قدرت اور مشیت الٰہیہ کی ندرت کہ اُس نے مخالفین ومعاوندین سے اس وقت وہ خدمت کرالی جو معتقدین و مویدین کے خاص فرائض تھے۔ ان اللہ بالغ امرہ وھو علیٰ کل شئی قدیر۔

مختلف مواقع پر قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ

حدیث وسیر کی تمام کتابیں بتلاتی ہیں کہ مکہ میں واپسی کے بعد بھی تبلیغ اسلام کا سلسلہ مکہ میں رہ کر اور بیرونجات میں جا کر ہمیشہ جاری اور قائم رکھا جاتا تھا۔

قبائل کے علاوہ ان تمام مقامات پر جہاں عرب میں سالانہ میلے اور تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں لگتی تھیں اور وہاں عرب کے قدیم تمدن کے مطابق ملک کے بڑے بڑے امراء، روسا، شعرا اور فصحا جمع ہو کر اپنی فصاحت و بلاغت کے کمالات دکھلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام اور ہدایت عام کی ضرورت خاص سے وہاں خود تشریف لے جاتے تھے۔ اور مقیم ہو کر بندگان خدا کو خدا کے احکام پہنچاتے تھے۔ طبری اور ابن ہشام نے ان میلوں اور منڈیوں میں سے خاص طور پر عکاظ مجنۃ اور ذوالمجاز کا نام لکھا ہے اور قبائل عرب میں بنو عامر، محارب، فرازہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنونصر، کندہ، کلب، حارث، بن کعب، عذرہ اور حضارمہ کے نام بتلائے ہیں۔

ان تمام قبائل کے پاس آپ بالنفسِ نفیس تشریف لے جاتے تھے۔ اور قبول اسلام کی دعوت فرماتے تھے لیکن بد بخت ابولہب

بھی سراغ لگا کر ہر مقام پر اور ہر قبیلہ میں آپ سے پہلے یا آپ کے ہمراہ پہنچ جاتا تھا اور جب آپ کسی جماعت میں موعظت فرماتے تھے۔ تو یہ کم بخت آپ کے ساتھ ہی تقریر کرتا اور نعوذ باللہ کہتا کہ تم لوگ ان کی باتوں کو ہرگز نہ سننا اور نہ اُن کے کسی قول وعہد پر اعتبار کرنا یہ تو مدت ہوئی دین عرب سے برگشتہ ہوگئے اور ہمیشہ جھوٹ بولنے کے عادی ہوگئے ہیں۔

ہم ان قبائل میں سے چند قبائل کے واقعات طبری اور ابن ہشام سے خلاصہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قبیلہ بنو حنیفہ

یہ قبیلہ یمامہ میں آباد تھا۔ عرب کا مشہور مسیلمہ کذاب جس نے جہالت وگمراہی کے زعم میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ کا سردار تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ مفروق سردار قبیلہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کی معرفی کرائی اور کہا تم نے کسی پیغمبرؐ کا تذکرہ سنا ہے وہ آپ ہی ہیں مفروق نے آنحضرت صلعم کی طرف رخ کر کے پوچھا برادر قریش آپ کا یقین کرتے ہیں اور کیا تلقین فرماتے ہیں ارشاد فرمایا، خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبرؐ ہوں، پھر یہ آیتیں سنائیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (الانعام)

اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تمہیں سنا دوں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین کا حق خدمت ادا کرو اور اپنے بچوں کو افلاس کی وجہ سے نہ قتل کر ڈالو۔ ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ، وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے ہلاک نہ کرو یہی خدا کی وصیتیں ہیں کہ تم ان پر سمجھ کر عمل کرو۔

اس قبیلہ کے حقیقتاً تین رئیس تھے۔ مفروق، مثنی اور ہانی بن قبصیۃ اور وہ سب کے سب آپ کی تشریف آوری کے موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے زبان مبارک سے ان آیات قرآنی کو سن کر صدائے احسنت بلند کی لیکن جب اقرار اسلام کا وقت آیا تو ان الفاظ میں اپنی مجبوری ظاہر کی کہ مدت کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا زود اعتقادی کا الزام لائے گا اس کے علاوہ ہمارا قبیلہ کسرائے فارس کے زیر اثر

ہے۔اور جانبین سے حال میں معاہدہ ہو چکا ہے کہ شاہ ایران کے بعد ہم لوگ کسی دوسرے حاکم یا فرمانروا کے زیر اثر نہ آئیں گے۔ یہ کلام سن کر نہایت متانت اور خاموشی سے آنحضرت صلعم نے ان کی حقیقت بیانی کی تحسین کی اور فرمایا کہ خیر خدا کا دین ہے تو خدا اس کی آپ مدد کرے گا۔ روض الانف سہیلی باسناد قاسم بن ثابت۔

قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو موعظت فرمانے لگے۔ تو اثنائے تقریر میں فراس نامی ایک شخص اُس قبیلہ کا آپ کے مدعا اور حسن بیان کو سن کر دوسرے لوگوں سے کہنے لگا کہ اگر یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں اس کے ذریعہ سے تمام عرب کو اپنے زیر اثر کرلوں۔ یہ کہہ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ تو بتلایئے کہ اگر ہم سب آپ کا ساتھ دیں اور آپ اپنے تمام مخالفین پر غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد آپ کی ریاست ہمیں مل سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ خدا کی بات ہے اور خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ چاہے تو دے سکتا ہے اُس نے کہا۔ واہ، واہ آج تو ہم اپنے سینے قدر اندازان عرب کے سامنے ہدف بنائیں اور حکومت دوسرے لے اڑیں ہمیں غرض نہیں۔

قبیلہ کندہ میں تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام ملیح تھا۔ موعظت فرمائی لیکن کسی کو بھی قبول اسلام کی توفیق نہ ہوئی۔

قبیلہ بنی عبدالدار میں پہنچے تو ارشاد کیا کہ تمہارے جداعلی کا نام عبداللہ تھا۔ تم لوگ بھی اسم با مسمی ہو جاؤ۔ تو تمہارے دین و دنیا کے لیے بہتر ہوگا۔ لیکن کوئی بھی شنوا نہیں ہوا۔

قبیلہ بنو حنیف کی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ تمام ارباب تاریخ و حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ ان تمام قبائل میں سب سے بد تر طریق پر اسی قبیلہ نے آپ کا انکار کیا۔ مگر سبحان اللہ اس خلق مجسم نے سوائے کلمہ **لا حول و لا قوۃ الا باللہ** کے دوسرا کوئی کلمہ زبان مبارک سے نہ نکالو۔

اگر چہ ان تمام قبائل میں تبلیغ اسلام کی متواتر کوشش فرمائی گئی اور ہر فرد واحد کو دین الٰہی کی بشارت پہنچائی گئی۔ لیکن بظاہر کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ان تمام قبیلوں کے دورے میں بدبخت ابولہب ساتھ ساتھ ہوتا تھا اور رَو در رَو وہ ہر مجمع میں اور ہر واقع پر آپ کی تقریر کی تردید کرتا جاتا تھا۔ اور اس کے مغویانہ بیان کے مطابق جاہل اہل قبائل اسی کی سنتے تھے اور مانتے تھے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و ہدایت کو ذرا خیال میں نہ لاتے تھے۔

طائف سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبتیں

کفار قریش ایسے کیا تھے کہ پیغمبر اسلام کی طرف سے ایک دم کے لیے بھی خاموش رہتے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مطعم بن عدی کی ضمانت و حمایت میں طائف سے لوٹ کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ورنہ کسی شخص خاص کی حمایت و ضمانت بغیر آپ مکہ میں اپنے داخلہ کو پرخطر سمجھتے تھے قریش کی مخالفت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ ان کی اس دلیری اور جرات کا باعث صرف ابی طالب کے جیسے حامی اور مربی کا رسول اللہ صلعم کے سر سے اٹھ جانا تھا۔ شبلی صاحب نے تفصیل سے اس وقت کے حالات کو لکھا ہے۔ ہم انہیں کی نقل

عبارت پر اکتفا کرتے ہیں۔

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ سو اتفاق سے جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے وہ ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن حلف، سنیہب بن الحجاج، عقبہ ابن معیط، حکم بن ابی العاص تھے اور یہی سب سے بڑھ کر آپ کی دشمن تھے۔ (ابن سعد، طبقات، ج1، ص134) یہ لوگ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدے میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے، گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعویٰ نبوت کو سن کر مجنون کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے (مسند امام احمد حنبل، ج1، ص203) نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے بھیجنے والے (خدا) اور قرآن کے لانے والی رسول کو گالیاں دیتے۔ (بخاری شریف، ص286)

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ روسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا۔ اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ ابن معیط نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اس وقت پانچ چھ برس کی تھیں۔ لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں۔ اور اوجھ کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ بخاری باب الطہارت و صحیح مسلم و زرقانی جلد اول، ص294

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں کسی مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تھے تو ابولہب آپ کے ساتھ رہتا تھا برابر سے کہتا جاتا تھا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب میں اسلام نہیں لایا تھا کہ آنحضرت صلعم بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے فریب میں نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو (مسند امام احمد حنبل، جلد4، ص63)

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تھے۔ عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔ ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن مغیرہ، امیہ، ابی بن حلف، ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، ںصر بن حارث مینہہ بن الحجاج، زبیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن الاسد، عاص بن سعید ابن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن معیط ابن الاسدی ہذلی، حکم ابن العاص اور عدی بن حمرا یہ سب کے سب آنحضرت صلعم کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ واقتدار تھے۔

مصائب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر

یہ جو کچھ ہوا۔ نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اجنبی صدائیں رغبت سے سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اوّل ہے۔ تاہم اس کے حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو داروسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا؟ سقراط پیالہ پی کر فنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔

خباب بن الارث نے قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا گیا تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے تھے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعہ سے حضرموت تک سفر کرے گا۔ اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی؟ سیرۃ النبی جلد اول۔

ضرور پوری ہوئی۔ اور پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ پوری ہوئی۔ دنیا اور اہل دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے زمانہ حیات ہی میں نبی عربیؐ نے اس بشارت ایزدی کو کامل کر دکھلایا۔ زبان رسالت اس پشین گوئی کے متعلق اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ کے مطابق بالکل ترجمان قدرت ثابت ہو گئی ہے۔ اب بھی مخالفین تعصب ونفسانیت سے تصدیق اسلام و بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت عذر وکلام کریں تو ان کار بدیہات کے سوا اور کیا کہا جائے۔ اور بدیہات سے انکار کرنے والا حیوان لا یعقل سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

شبلی صاحب نے اپنے اس سوال کے جواب میں کہ انبیا و مرسلین سابقین کے مقابلہ میں سرور عالم نے کیا کیا؟ صرف حضرت نوحؑ اور جناب عیسیٰؑ کے استقلال کی مثال دکھلائی ہے۔ حالانکہ مدعائے بحث سے ان کے حالات کو مناسبت نہیں کیونکہ مدعا وسلسلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج و ایذا ظلم و جفا کے مقابلہ میں سوائے صبر و رضا کے شکوہ و بددعا نہ کی جائے حالانکہ حضرت نوحؑ نے اپنی اُمت کے مظالم سے تنگ آ کر بددعا کی۔ قرآن مجید میں اس کے یہ الفاظ ہیں:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷ (نوح)

اور نوح نے (ان کے حق میں) یہ بددعا کی کہ (اے میرے) پروردگار (ان) کافروں میں سے (کسی

متنفس کو بھی زندہ) نہ چھوڑ کہ روۓ زمین پر رستا بستا نظر آئے کیونکہ تو اگر انہیں رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور کٹے کافر ہی ہوں گے۔

اب دیکھئے ظالمین اُمت کے ان مظالم سے تنگ آ کر ایسے موقعوں پر ہمارے سرور عالم روحنالہ الفدا نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ طائف میں جو آپ پر ظلم وستم کیے گئے اور جیسے اور جتنے مصائب اٹھائے گئے وہ اعظم ترین مصائب ہیں۔ انسان کے لیے بالکل نا قابل برداشت لیکن ان ظالمین کی ستم گاریوں اور کیفر کرداریوں کے جواب میں کہا تو یہ کہ میں ان لوگوں کی تباہی و بربادی کے لیے کیوں بددعا کروں۔ صرف اس لیے کہ ہمارے کہنے سے یہ ایمان نہیں لائے۔ اگر یہ ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا۔ یقین ہے کہ ان کی آیندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ صحیح مسلم باسناد حضرت عائشہ، جلد پنجم

حضرت نوح کو اپنی اُمت ناشنوا کی آئندہ نسلوں میں برابر کافر ہی کافر ہونے کا اندیشہ ہے۔ بخلاف ان کے سید المرسلین وخاتم النبین کو مشرکین قریش کے اعقاب واسلاف کے موحدین نکلنے پر یقین کامل ہے۔ اسی لیے حضرت نوحؑ ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے ہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا سر جھکا کر صبر فرماجاتے ہیں۔ اسی سے ہر شخص باآسانی سمجھ لے گا کہ حضرت نوحؑ کا صبر استقلال تسلیہ قلب اور سکینہ الٰہی بڑھا ہوا تھا یا ہمارے سرور عالم کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شبلی صاحب نے غور نہیں کیا۔ اور نہ تفحص حالات فرمایا۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کے مقدس دائرے میں جملہ حضرات کو قریب قریب ایسے ہی حالات پیش آئے ہیں اور ان بزرگواروں نے محض بشریت کے تقاضے سے مختلف موقعوں پر اس طرح لبہائے شکایت کھولے ہیں۔ لیکن سرور عالم نے ان امور میں ہمیشہ سے احتیاط مدنظر رکھے اور سخت سے سخت مصیبتوں کے وقت میں بھی سوائے صبر وسکوت کے حرف شکایت زبان مبارک سے نہ نکالے اور آپ کے اس حلم ووقار اور صبر واستقرار نے آپ کے خلق مجسم اور رحمت عالم ہونے کی پوری شان دکھلا دی۔

مدینہ منورہ اور قبائل انصار

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

خدا ہی اپنی رسالت کی جائے ودیعت کا بہتر جاننے والا ہے

شجرۂ طیبہ رسالت کی نشوونما تو ریگستان مکہ سے ہوئی لیکن تیرہ برسوں کے بعد یہ نخل مقدس نخلستان مدینہ منورہ میں منتقل ہوکر بارآور ہوا۔ وادی فاران انوار رسالت کی تجلی گاہ تو ضرور تھا۔ مگر اس کی جلوہ فرمائی کا ابدی مرکز یثرب کی خاک پاک تھی۔ توحید کی تعلیم مکہ سے ضرور آغاز ہوئی۔ مگر تیرہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت سے زیادہ تیار نہ ہوسکی اسلام کی دعوت پر عام صدائے لبیک اہل یثرب ہی کی خوش قسمتی کے ساتھ مخصوص تھی۔

مدینہ کا اصل نام یثرب تھا۔ بنی عمالقہ میں یثرب نامی رئیس القبیلہ نے اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے وقت سے اس کا نام مدینۃ النبی ہوگیا اور فی الحال کثرت استعمال سے مدینہ ہوکر رہ گیا۔ جلد اول میں بیان ہوچکا ہے کہ بخت نصر کے وقت میں بیت المقدس کی تباہی و بربادی کے وقت قوم یہود پریشان و سرگشتہ ہوکر دور دراز اقطاع عالم میں جا کر پناہ گزیں ہوئی انہیں ایام میں یہودیوں کے اکثر قبائل اس طرف آ کر آباد ہوگئے۔ اور رفتہ رفتہ ان کی نسلوں نے اس تمام علاقے کو اپنے زیر اثر کرلیا۔ اور وہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں کی حکومت بھی حاصل کرلی انہوں نے اپنے زور اقتدار سے قرب وجوار میں اپنے چھوٹے چھوٹے قلعہ بھی بنا لیے۔ ان کی امارت واقتدار کا اثر حوالی یثرب سے بڑھ کر وادی القری، تیما اور ارض خیبر تک پھیل گیا۔

انصار کی تحقیق خاص میں شبلی صاحب رقم طراز ہیں:

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ اور قحطان (جرہم اولیٰ) کی اولاد سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے۔ یہ دو بھائی تھے۔ اوس اور خزرج۔ تمام انصار انہیں دو خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا۔ تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے تمام مضافات ان کے قبضہ میں تھے۔ اور دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلہ بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک الگ رہے لیکن ان کا زور واثر دیکھ کر بالاخران کے حلیف بن گئے۔ ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی۔ لیکن اب انصار کا خاندان بھی پھیلتا جاتا تھا۔ اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کرلیا تھا۔ لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک ابن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک ابن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی اور اٹھ کر گھر میں آیا۔ اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اس نے کہا ہاں لیکن کل جو ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے

دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمران تھا اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گراں لے کر آیا اور اُوس وخزرج کے رؤسا کو بلوا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے۔ پھر رؤسا یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی بحوالہ (وفاالوفاء سمہودی)

انصار نے مدینہ اور جوائے مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعہ بنائے اُوس اور خررج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے مطابق خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں۔ اور سخت خون ریز لڑائیاں ہوئیں سب سے آخر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں اس زور سے معرکہ پڑا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہمیں حلیف بنا لیجیے۔ لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم وبرہم کر دیا۔ انصار گو بت پرست تھے۔ تاہم یہود سے میل جول تھا اس لیے نبوت اور کتب آسمانی سے کچھ آشنا تھے۔ یہود سے گو انصار ایک گونہ رقابت رکھتے تھے۔ لیکن ان کے فضل وکمال علمی کے معرف تھے۔

یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کیے تھے جن کو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں بھی یہی نام مذکور ہیں) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی اس سے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں جس کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنایا جائے گا۔ یہودی عموماً یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے۔ اس بنا پر سب سے پہلا شخص جو اسلام سے مشرف ہوا۔ قبیلہ انصار میں سوید بن صامت نامی ایک شخص بہت بڑا شاعر اور شجاع ودلیر مشہور تھا۔ علمی فضل وکمال میں اپنی شہرت رکھتا تھا کہ اپنے قوم وقبیلہ میں ہمیشہ کامل کے لقب سے خاص طور پر پکارا جاتا تھا۔ شبلی صاحب کہتے ہیں کہ اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا۔ جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حالات سنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سوید نے تحسین کی اگرچہ وہ مدینہ واپس آ کر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

شبلی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے اور فی الواقع کہ سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ قرائن اور واقعات بالاتفاق ثابت کرتے ہیں کہ انصار کے وسیع دائرے میں اسلام کی تحریک سوید سے آغاز ہوئی۔ سوید کے بعد اُسی قبیلہ میں ایک دوسرا سعید پیدا ہوا جس کا نام ایاس بن معاذ ہے یہ بزرگ گویا تحریک اسلام کے موید ثانی تھے۔

عقبہ اولیٰ میں انصار مدینہ کی بیعت

ایاس کے حالات میں شبلی صاحب لکھتے ہیں ۔اوس وخزرج کے معرکوں میں اُس کو جب شکست ہوئی تو اس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں ۔اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی داخل تھے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے ۔اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں ۔اس نے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم جس غرض سے آئے ہو۔ یہ کام اس سے بہتر ہے ۔لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالجیش نے کنکریاں اٹھا کر ان کے منہ پر ماریں ۔اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے ہیں ۔اس کے بعد بغاث کا معرکہ پیش آ گیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے ۔لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ان کی زبان سے تکبیر جاری تھی ۔

شبلی صاحب نے اپنی عجلت رقمی اور کوتاہ قلمی کے اصول پر ایاس کی تعلیم اسلام کے متعلق صرف ترتیل قرآن بتلائی ہے یعنی جب آنحضرت صلعم نے اس موقع پر قریش کی جماعت کے سامنے جس میں ایاس بھی شامل تھا ۔صرف قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں اور وہی ایاس بن معاذ کی ہدایت کے لیے کافی ہو گئیں ۔حالانکہ تاریخ طبری کی عبارت جو آپ کا ماخذ اصلی ہے وہ صاف صاف لفظوں میں بتلا رہی ہے کہ اصول اسلام کے پورے عقائد ایاس اور انصار کی جماعت کے سامنے پیش کیے گئے تھے ۔اور ان کی طرف دعوت فرمائی گئی تھی ۔طبری کے الفاظ یہ ہیں :

قال انا رسول اللہ صلعم بعثنی الی العباد ادعوھم الی اللہ و لا یشر کو بہ شیئا

و انزل علی الکتاب ثم ذکر لھم الاسلام و تلا علیھم القراٰن، ص 1209

جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ معاشر انصار آگاہ ہو ۔میں خدا کا رسول ہوں اور بندگان الٰہی کی طرف اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ بندگان خدا کو خدائے یکتا کی طرف بلاؤں ۔خدا کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ ۔اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی گئی ہے ۔پھر آپ نے اصول اسلام بتلائے اور قرآن پڑھ کر سنایا ۔ص 1209

اسی طرح انصار مدینہ کے اس اول مسلم کے خاتمہ کو بھی آپ نے قطع و برید کے ساتھ لکھا ہے اور اختصار پسندی کے اصول پر صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی ۔حالانکہ آپ کا اصلی ماخذ بتلا رہا ہے کہ صرف تکبیر (اللہ اکبر) ہی نہیں بلکہ تہلیل (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اور تسبیح (سبحان اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) کی صاف صدائیں جاری تھیں، طبری، ص 1209 مطبوعہ جرمن

خدمات تبلیغ کے طریقہ ادائیگی میں بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں مختلف قبائل وعشائر

کے پاس جا کر قبول اسلام کی ہدایت فرماتے تھے۔ اور شرک وبت پرستی سے بچنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اسسال یعنی رجب 10 نبوی میں آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد عقبہ واقع ہے۔ جناب رسول خداصلعم کو چند اشخاص نظر آئے۔ جو قبیلہ خزرج سے تھے۔ آپ نے ان سے پہلے ان کے نام ونسبت دریافت کیے پھر انہیں دعوت اسلام دی۔ اصول ایمان بتلائے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں ان سعادت مندوں پر الفاظ ربانی نے ایسے روحانی اثر دکھلائے کہ بے خود ہو کر ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور شوق اسلام کے تقاضہ سے کہنے لگے کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مفاخرت وشرفیابی میں قبائل یہود تم پر سبقت لے جائیں۔ یہ کہہ کر حاضرین انصار نے بیک وقت و بیک بار اسلام قبول کیا۔

مولانا شبلی صاحب نے خواہ مخواہ بھی مختصر نویسی سے کام لیا۔ حالانکہ یہ مقامات خاص تفصیل کے ہیں۔ ہر مقام پر قرآن مجید اور ارشاد رسالت کے روحانی جذبات کو کسی قبیلہ کی قبولیت اسلام کے ثبوت میں پیش کردینا کام نہیں آتا۔ خصوصاً مخالفین اسلام کے لیے دلیل وحجت نہیں ہوتا۔ تحقیق کا متلاشی قبیلہ خزرج کے ان سعادت مندوں کے اتنے جلد ایمان لانے کے اسباب وحقیقت ضرور تلاش کرے گا۔ اور آپ سے وجہ واسباب دریافت کرے گا۔ آپ کچھ نہیں جانتے اور نہ بتلاتے ہیں کیا جواب دیں گے حالانکہ آپ کے ماخذ اصلی میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن آپ کی خودغرضانہ کوتاہ قلمی اور عجلت رقمی سب کو القط کیے جاتی ہے اور صاف صاف بتلاتی ہے کہ انصار کی خصوصیات آپ کے نزدیک قابل ذکر نہیں۔ مہاجرین البتہ انہیں میں بھی مخصوصین حضرات کے حالات قابل اندراج ہیں جن کی تفصیل و بیان میں آپ نے پوری توجہ اور وسعت نظری سے کام لیا ہے۔ جب یہ انداز تالیف اور شان تصنیف ہے تو آپ سے ماخذ اصلی کے صحیح نقل وترجمہ کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

بہرحال اب ہم تاریخ طبری کی اصلی عبارت سے اس واقعہ کی پوری حقیقت ذیل میں لکھ کر بتلا دیتے ہیں۔ کہ ان سعادت مندوں انصار نے کیوں اتنی عجلت کے ساتھ ساتھ اسلام سے شرفیابی حاصل کی۔ طبری کے تفصیلی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قالوا لما لقیهم رسول الله صلعم قال لهم من انتم قالوا نفر من الخزرج قال امن مرالی الیهود قالوا بلی قال فجلسوا معه فدعا هم الی الله عزوجل و عرض علیهم الاسلام و تلا علیهم القراٰن قال و کان مما منع الله لهم به فی الاسلام ان یهودا کانوا معهم ببلاد هم و کانوا اهل کتاب و علم و کانوا اهل شرك و اصحاب فسق او وثان و کانوا قد عزو هم ببلاد هم فکانوا اذا کان بلیتهم شی قالوا الهم ان بنیا الان مبعوث قد اظل ز مانه نتبعه و نقتلکم معه قبل عادوارم فلما کلم رسول الله اولئك النفر ددعا هم الی الله قال بعضهم لبعض تعلمن والله انه النبی الذی توعد کم به یهود فلا نسبقتکم الیه فاجابر عاهم

اليه بان صدقوه و قبلوا منه ما عرض عليهم من الاسلام و قالوا له انا قد تركنا قومنا و لا اقوم بينهم من العداوة والشر ما بينهم و عسى الله ان يجمعهم بك و سنقدم عليهم فندعوا هم الى امرك و تعرض عليهم الذى اجبناك اليه من هذا الذين فان يجمعهم الله عليه فلا رجل اعز منك، طبری، ص 1210

جب خزرج کے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ کون حضرات ہیں وہ بولے ہم قبیلہ خزرج کی آدمی ہیں۔ دریافت فرمایا کہ آپ لوگ قوم یہود کے تابع اور زیر اثر ہیں جواب ملا ہاں۔ ارشاد ہوا کہ اچھا آپ لوگ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائیں۔ مجھ کو آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ وہ لوگ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلعم نے ان کو خدائے عزوجل کی طرف بلایا اور دین اسلام بتلایا اور قرآن مجید تلاوت فرمایا اور آپ کے اس طرزِ عمل سے ان کے دلوں میں پورا اثر ہوا کیونکہ یہود جو ان کے ساتھ ان کے شہر میں بستے تھے۔ وہ اہل کتاب بھی تھے اور صاحب علم و ادراک بھی اور انصار اس وقت تک مشرک تھے اور بت پرست۔ اور اس بنا پر انصار شہر کے یہودیوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور یہود اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ قریب ہے لوگ اس کی متابعت کریں گے اور تم لوگوں کو مثل قوم عاد و ارم کے غارت و قتل کریں گے۔ اتنا علم تو انہیں پہلے ہی سے تھا اب اس وقت جب آنحضرت صلعم سے گفتگو ہوئی اور دین خدا کی دعوت دی گئی تو قبولیت کے اثر سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا اور کہنے لگا خدا کی قسم یقین کر لو کہ یہ پیغمبرؐ وہی ہے جس کا ذکر یہود تم سے کر چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر میں وہ تم سے سبقت لے جائیں۔ پھر یک زبان ہو کر سب نے آنحضرت صلعم کی دعوت قبول کی۔ اور جو جو امور متعلق دین اسلام بتلائے گئے وہ سب منظور کر لیے۔ اور آپ کے سامنے سب نے متفق اللفظ ہو کر اقرار کیا کہ ہم لوگوں نے اس وقت سے اپنے شعار قومی کو ترک کیا۔ اور آج سے کبھی شر و فساد کی طرف سبقت نہ کریں گے۔ اور خدائے تعالیٰ آپ کی برکت سے ہم لوگوں میں باہمی اتفاق پیدا کر دے اور جب ہم یہاں سے اپنی قوم کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو آپ کے احکام و ارشاد کی طرف اپنی قوم کے لوگوں کو دعوت دیں گے اور وہ تمام اصول اسلام جو آپ نے ہمیں تعلیم دیئے ہیں اور ہم نے قبول کر لیے ہیں انہیں بتلائیں گے یہاں تک کہ خدائے تبارک و تعالیٰ ان

لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق دے اور وہ اسے قبول کر لیں اور آپ یقین کر لیں کہ اب ہم لوگوں کے نزدیک کوئی شخص آپ سے زیادہ معزز نہیں ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خبر اور آپ کے اوصاف کی اطلاع قبیلہ انصار کو یہود کے ذریعہ سے معلوم ہو چکی تھی اور یہی وجہ خاص اور سبب اصلی تھا کہ انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے ہدایت وارشاد کے الفاظ سن کر اور یہود کے بیان کردہ صفات کے بالکل مطابق پا کر بے ساختہ کہہ دیا انہ النبی الذی تو عد کم بہ یہود ۔ یہ تو وہی نبیؐ ہے جس کا وعدہ یہود تم سے کر چکے ہیں۔ ہم نے طبری کی پوری عبارت بھی لکھ دی اور اس کا ترجمہ بھی صرف اس لیے کہ اس کے نہ لکھنے سے جو ابہام شبلی صاحب کے بیان میں رہ گیا ہے اور جو آگے چل کر بہت سے اوہام ومفاسد کا باعث ہوتا ہے، صاف ہو جائے۔

یہ سعادت مندان انصار شمار میں چھ تھے اور قوم خزرج کے قبیلہ بنی نجار سے تھے۔ شبلی صاحب نے ان کے نام حسب ذیل بتلائے ہیں:

(۱) ابوالہیثم بن بنہان، (۲) اسعد بن زرارہ، (۳) عوف بن حرث، (۴) رافع بن مالک بن عجلان (اس وقت تک جتنا قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کو عنایت فرمایا یہ بزرگ جنگ احد میں شہید ہوئے)۔

(۵) قطبہ بن عامر (جنگ یمامہ بزمانہ خلافت شہید ہوئے)، (۶) جابر بن عبداللہ بہت کبیر السن ہوئے۔ احادیث کثیرہ کے راوی ہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد تک زندہ رہے اور قبر مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کے اول زائر ہیں۔

یہ خوش قسمت انصار دولت ایمان سے مشرف ہو کر جب مدینہ میں واپس گئے تو انہوں نے اہل وطن کے سامنے سب سے گرانمایہ تحفہ اور بیش بہا ہدیہ پیش کیا وہ دین اسلام کی دعوت تھی۔ انہوں نے اس تحریک کا اس انداز سے آغاز کیا جس انداز سے وہ علمائے یہود کی زبانی سن چکے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ پھر آنحضرت صلعم سے مشرف ہونے اور دین اسلام کو قبول کر لینے کے سارے واقعات سنانے کے بعد کہنے لگے کہ وہ نبیؐ جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا۔ ہماری آنکھوں نے اُس کا دیدار کیا۔ اور ہمارے کانوں نے اس کے پاک کلام سنے اور اس نے ہمیں ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا۔ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے بالکل ہیچ ہے۔ اسلام کے ان مبلغین اولین کی بشارت کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد قوم انصار کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑا جس میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ اسی سال کے آخر میں یہ نتیجہ نکلا کہ قوم انصار کے بارہ بزرگوار مکہ میں آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

عقبہ ثانی کی بیعت

12 سال نبوت

12 سال نبوت کے ایام حج میں مفصلہ ذیل قوم انصار کے بزرگوار مکہ میں آئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر سعادت اسلام اور دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ان کے نام نامی یہ ہیں:

(۱) ابوامامہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) طقبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) معاذ ب حرث (۷) ذکوان بن عبدقیس (۸) خالد بن مخلد (۹) عبادہ بن صامت (۱۰) عباس بن عبادہ (۱۱) ابوالہیثم (۱۲) عویم بن ساعدہ۔

حسب ذیل شرائط پر اصول اسلام کے مطابق یہ حضرات جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے دست حق پرست پر شرفیاب بیعت ہوئے۔

۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کی ذات واحد میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔
۲۔ ہم چوری اور زنا نہیں کریں گے۔
۳۔ ہم اپنی اولاد (لڑیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
۴۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی اور غیبت کیا کریں گے۔
۵۔ ہم کسی امر معرف میں معصیت نہیں کریں گے۔
۶۔ ہم ہمیشہ احکام رسالت کی تصدیق کیا کریں گے اور ہمیشہ مطیع وفرمانبردار رہیں گے۔

جب ان لوگوں نے خدمت رسالت میں خلوص نیت وعقیدت شرائط بالا پر عہد و پیمان شرعیہ کر لیے تو ان سے بطور موعظت ارشاد فرمایا گیا:

فان وفیتهم فلکم الجنة و ان غشیتم شیئا من ذلك فاخذتم بحده فی الدنیا فهو کفارة له و ان ستر تم علیه الی یوم القیامة فا مر کم الی الله ان شاء عذبکم و ان شاء غفر لکم

اگر تم لوگوں نے ان شرائط کو پورا کیا۔ تو تم بہشت بریں کے مستحق ہوگئے اور اگر ان میں سے کسی چیز کی بھی فروگذاشت کی تو قابل مواخذہ ہوگئے اور اس کے لیے دنیا میں تم پر حدود شرعیہ جاری ہوں گے اور وہ کفارہ ہیں۔ اور اگر تم نے اپنے گناہوں کو چھپائے رکھا تو پھر قیامت تک تم پر اس کا مواخذہ باقی رہ جائے گا۔ اور پھر خدائے تبارک وتعالیٰ کو اختیار رہوگا۔ چاہے وہ تم پر عذاب کرے چاہے بخش دے۔

مصعب ابن عمیر کی تبلیغی خدمات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خلوص وعقیدت سے مدینہ میں تبلیغ اسلام کی وسعت اور کامیابی کا پورا یقین کرلیا۔ اوران عقیدت مندوں نے اپنے اوراپنی باقی ماندہ قوم وقبائل کی تعلیم وہدایت کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں یہ استدعا پیش کی کہ کوئی مبلغ اور معلم اسلام ان کے ہمراہ کردیا جائے۔اس بنا پر آپ نے مصعب بن عمیر کو جو ہاشم بن عبدمناف کے پوتے اور آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور سابقین اسلام کے ممتازین میں داخل تھے۔احکام اسلام سکھلانے اوراصول دین بتلانے کی غرض سے ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ابتدأ مصعب بن عمیر بہت خوش حال تھے اورنہایت آرام پسند، مکہ میں ان کی سواری جلوس کے ساتھ نکلا کرتی تھی۔ یہ گھوڑے پرسوار ہوتے تھے اورآگے پیچھے مسلح غلاموں کے دستے رہا کرتے تھے۔جسم پر ہمیشہ بیش قیمت لباس ہوتا تھا،معمولی لباس میں کسی نے ان کوکبھی نہ دیکھا۔لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئے توان تمام ظاہری اورفانی نمائشات کی حقیقت معلوم ہوگئی، پھرتوان کی یہ حالت ہو گئی کہ جب مدینہ میں خدمت تبلیغ پر مامور ہوکرآئے تو تمام گلیوں کوچوں میں صرف ایک کمل کا ٹکڑا کمر سے لپیٹے اوردوسرا ٹکڑا کاندھے پر ڈالے دین حق کی منادی کیا کرتے تھے۔اسلام میں اصل زاہداور حقیقی مجاہد کی یہی شان ہے۔

مصعب مدینہ میں تبلیغ اسلام کے منصب پر مقرر ہوکرآئے تو اسعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے۔اہل مدینہ نے بڑے اعزاز و اکرام سے ان کو اپنا مہمان کیا۔اور ہر شخص خلوص اسلام کے تقاضہ سے ان کی خدمت کو اپنا شرف یقین کرنے لگا۔مصعب نے جس مستعدی اورسرگرمی سے تبلیغ اسلام اورتعلیم ایمان کے فرائض خاص مدینہ اوراس کے قرب وجوار میں ادا کیے،وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوتے ہیں۔ان کی تعلیم اتنے وسیع پیانے پر مشہور ہوئی کہ مدینہ کے تمام لوگ ان کو المقری (معلم) کے لقب سے پکارنے لگے تاریخ ابن ہشام اورطبری میں ان کی خدمات تبلیغ کی نسبت لکھا ہے۔

ایک دن مصعب اور اسعد بن زرارہ مدینہ کے مشہور ومعروف کنوئیں بیر مروق پر بیٹھے ہوئے یہ غور کررہے تھے کہ بنی ظفر اور بنی عبدالاشہل کو دائرہ اسلام میں لانے کی کیا ترکیب کی جائے۔سعد بن معاذ اور سید بن حصیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ دونوں ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔اورتاوقتیکہ یہ دونوں شرفیاب اسلام نہ ہوں ان کی ماتحتی اور زیر اثر قبائل کا اسلام لانا دشوار تھا۔ ان کے اس مشورے اور باہمانہ گفتگو کی خبر سعد بن معاذ اوراسید بن حصیر کو بھی معلوم ہوگئی تو سعد فوراً اٹھے اوراسید کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تم کس خواب غفلت میں آلودہ ہو۔قوم کی قوم قبیلہ کا قبیلہ ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔مصعب ابن عمیر جو مکہ سے نئے دین کا مبلغ بن کر آیا ہے۔وہ اوراس کے ساتھ اسعد دونوں مل کر ہمارے قبیلہ کے سادہ لوح لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔تمہیں چاہیے کہ فوراً جا کر نہایت سختی سے منع کرواورصاف لفظوں میں بتاؤ،ان سے کہہ دو کہ وہ دونوں آج سے ہمارے محلہ میں قدم نہ رکھیں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔سعد میں خود جاتا لیکن بات یہ ہے کہ سعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے تم جانتے ہو کہ میری ذراسی فہمائش پر خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔اسید نے

کہا کوئی مضائقہ نہیں میں تنہا جا کر اس قضیہ کا خود تصفیہ کیے آتا ہوں۔ یہ کہا اور ہتھیار باندھ لیے۔ اور سیدھے بیر مرق کی طرف روانہ ہو گئے اور اسعد دور سے اسید بن حصیر کو آتا دیکھ کر مصعب بن عمیر سے کہنے لگا کہ دیکھو لو یہ قبیلہ کا سردار آ رہا ہے خدا کرے وہ تمہاری بات مان جائے۔ مصعب بولے اگر وہ آ گیا اور ذرا دیر بھی بیٹھ گیا اور اُس نے میری باتوں کو صرف سن لیا تو پھر وہ میرے قابو میں آ جائے گا۔ اتنے میں اسید بھی آ پہنچا اور اسید نے پہلے کھڑے ہو کر اسعد اور مصعب کو خوب باتیں سنائیں۔ پھر کہا تم لوگ ہمارے قبیلہ کے کم عقل لوگوں میں احمق بنانے کے لیے آئے ہو۔ مصعب نے نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب میں کہا کہ آپ جب آ گئے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ بھی جائیں۔ اور میری عرض واستدعا سن لیں اور مطبوع طبع ہو تو مان لیں ورنہ اس کو میرے پاس چھوڑ دیں۔ اسید نے کہا خیر کہو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسید بیٹھ گیا۔ اور مصعب نے نہایت متانت اور وضاحت سے پہلے ان کو اصول اخلاق و ایمان بتلائے۔ پھر قرآن مجید کی چند آیات پڑھ کر سنایا۔ اسید ان کی تمام باتوں کو پورے اطمینان اور خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ جب وہ اپنے کلام کو ختم کر چکا تو اسید وہ اسید ہی نہیں تھا۔ فوراً مصعب سے کہنے لگا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جب کوئی شخص پہلے پہلے تمہارا دین قبول کرتا ہے تو تم کس ترکیب سے اس کو اپنے دین میں لے آتے ہو۔ مصعب نے کہا کچھ نہیں اُسے غسل کراتے ہیں۔ پاک و پاکیزہ کپڑے پہناتے ہیں پھر کلمہ شہادت پڑھا کر دو رکعت نماز نوافل پڑھا دیتے ہیں۔ اسید یہ سن کر اٹھا۔ فوراً غسل کیا کپڑے بدلے اور مصعب کے پاس آ پہنچا۔ مصعب نے کلمہ پڑھایا کہ دو رکعت نماز پڑھا دی۔ جب اسید اسی طرح مشرف بہ اسلام ہو چکا تو مصعب سے کہنے لگا کہ ابھی میرے پیچھے ایک شخص اور ہے۔ میں اُسے بھی ابھی جا کر تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ یاد رکھو اگر تم نے اسے مسلمان بنا لیا تو مدینہ بھر میں پھر کوئی فرد واحد تمہارا مخالف نہ رہے گا۔ اتنا کہہ کر اسید وہاں سے اٹھا اور سعد کے پاس پہنچا۔ سعد نے اس کو آتا دیکھ کر فوراً اس کے موجودہ تغیر کو پہچان لیا اور چلا کر کہنے لگا۔ اسید جس رنگ میں تم یہاں سے گئے تھے وہ رنگ تمہارے چہرے پر باقی نہیں رہا۔ کہو خیر تو ہے۔ اسید کہنے لگے ان دنوں کو تو میں نے بطور خود سمجھا دیا ہے۔ اور ان سے اقرار لے لیا ہے کہ وہ ہمارے منشا و مشاورت کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ مگر وہاں تو ایک دوسرا قصہ پیش ہو گیا۔ بنو حارثہ ایک بارگی وہاں پہنچ گئے اور وہ تمہاری مخالفت کی بنا پر تمہارے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کے قتل کر دینے پر بالکل آمادہ اور طیار کھڑے ہیں۔ جاؤ اور بھائی کی جلد خبر لو۔ یہ سن کر اب سعد بن معاذ کو ٹھہرنے یا کوئی بات کرنے کا وقت کہاں تھا نہایت عجلت سے اٹھا اور مسلح ہو کر بڑی سرعت سے موقع پر روانہ ہوا۔ مگر چلتے چلتے اسید ابن حصیر سے اتنا ضرور کہتا گیا کہ افسوس ہے۔ اسید تم سے کوئی کام پورا نہ ہوا۔

سعد بن معاذ جب یہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ تھا۔ مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اب سعد کو اسید کی اس حکمت عملی کی ترکیب معلوم ہوگئی۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ اسید کو صرف میرا یہاں بھیج دینا مقصود تھا اور کچھ نہیں۔ یہ سوچ کر وہ ان دونوں آدمیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور اسید کی طرح دونوں کو برا بھلا کہنے لگا اور آخر کلام میں اسعد سے تہدیداً یہ بھی کہا کہ اگر تو ہمارے تمہارے درمیان قرابت و عزیز داری کا واسطہ نہ ہوتا تو تمہاری مجال نہ ہوتی کہ تم ہمارے محلہ میں قدم دہرتے۔ اسعد نے آہستہ سے مصعب سے کہا کہ یہ قبیلہ کے راس الرئیس ہیں۔ اگر تم نے ان کو قابو میں کر لیا تو پھر سارا مدینہ تمہارا مطیع ہے مصعب نے کہا انشاء اللہ۔

مصعب روسائے انصار کا مزاج دان تو ہو ہی گیا تھا۔سعد کے ساتھ بھی اُس نے اپنی گفتگو کا وہی انداز رکھا جو اسید کے ساتھ رکھا تھا۔نہایت آہستگی اور نرمی سے کہا کہ آیئے بیٹھ جایئے جو میں عرض کرتا ہوں اُسے سن لیجیے۔اگر مطبوع خاطر ہو تو خیر ورنہ مجھے کوئی اصرار نہیں۔سعد نے بھی اسید کی طرح کہا کیا مضائقہ ہے یہ کہا اور بیٹھ گیا۔مصعب نے اسی طرح اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔پہلے اسلام کی خوبیاں پھر اصول بتلائے اور اس کے بعد قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔مصعب کی تقریر سن کر معاذ کی ساری حرارت ٹھنڈی ہو چکی تھی۔نتیجہ وہی ہوا جو اسید کا۔یہ بھی اٹھے،نہائے،دھوئے کپڑے بدلے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔(ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

سعد بن معاذ اسید سے زیادہ پر جوش اور سرگرم اٹھے۔مصعب سے رخصت ہو کر جب اپنے قبیلہ کے پاس آئے تو انہوں نے تمام قبیلہ کے لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کے سامنے صاف صاف لفظوں میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور ان سے کہا کہ میں تو اسلام لا چکا۔اب تم اپنی کہو۔تمام قبیلہ نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو۔ہر امر میں تمہاری رائے ہماری رائے سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔سعد بن معاذ بولے تلمیحات و اشارت سے کام نہیں چلتا۔میں تو اب تاوقتیکہ تم مشرف با اسلام نہ ہو جاؤ کسی ایک مرد یا عورت سے بات کرنا بھی اپنے لیے حرام جانتا ہوں۔یہ سننا تھا کہ قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔جو موجود نہ تھے وہ صبح سے شام تک آتے رہے اور اسلام لاتے رہے رات کی نماز کے بعد جب قبیلہ کا جائزہ لیا گیا تو قبیلہ بنی عبدالاشہل میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں بچا جو اسلام نہ لا چکا ہو۔

افسوس ہے کہ عربی ماخذوں نے انصار کے اس حصول اور جہد فی الاسلام میں صفحوں کے صفحے بھر دیئے ہیں لیکن شبلی صاحب کے اختصار نے ان کو بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے صرف دو تین سطروں میں تمام کر دیا ہے۔لیکن با این ہمہ اتنا لکھ کر ضرور اقرار کر دیا ہے کہ مدینہ سے قبا تک تمام اسلام پھیل گیا۔صرف خطمہ وائل اور واقف کے چند قبائل باقی رہ گئے۔سیرۃ النبی،ج ا،ص 229

انصار اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہجرت مدینہ کی دعوت

اخلاص مندان انصار میں ہمت وحوصلہ کی اتنی افزائش ہوئی کہ سال آئندہ انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کے پچھتر آدمیوں کا ایک وفد تیار کیا اوران کو بسر کردگی مصعب ابن عمیر موسم حج میں حجاج مدینہ کے ساتھ اس غرض خاص سے بھیجا کہ وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں تشریف لانے کی خاص طور پر دعوت دیں۔

عقیدت مندان انصار کا یہ وفد جس میں نصیبہ اور اسماء دوعورتیں بھی شامل تھیں۔حجاج مدینہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئیں۔ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ظلم وخوف کفار سے اسلام لانا گویا جان سے ہاتھ دھونا تھا۔اس بنا پر بڑے خرم واحتیاط اور پوری راز داری اور ہوشیاری سے کام لینا ہوتا تھا۔اور یہ تمام امور اتنے مخفی طور سے کیے جاتے تھے کہ سوائے خاص عقیدت مندان اسلام کے کسی اور کو ان امور کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔

چونکہ شبلی صاحب نے ان معاملات کے اخفاو راز داری کی اہمیت کو مفید مطلب نہیں سمجھا ہے اس لیے بیعت ہائے عقبہ کے ان مخفی اور راز دارانہ طریقہ کے اظہار واندراج کو حسب العادت مرفوع القلم فرما دیا ہے لیکن ہم اس کے انکشاف حقیقت کو موجودہ اور آئندہ واقعات ہجرت کے لیے نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں اس لیے تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت سے اس کی پوری کیفیت درج کرتے ہیں۔

ثم ان مصعب بن عمیر رجع الی مکة و خرج من الانصار مسلمین الی الموسم الحج مع حجاج قومھم من اھل الشرك حتے قدموا مکة فواعد وارسول الله سلعم العقبه من اوسط ایأم التشریق خیر اراد الله بھم ما اراد من کرامة والنصر لنیه صلعم والا غراز الاسلام واصله و اذ لال الشرك واھله قال الکعب فلما فر غنا من الحج و کانت اللیلة التی وعدنا رسول الله صلعم و معنا عبدالله بن عمر و ابو الجابر وا خبر ناہ و کنا نکتم معنا من المشرکین من قومنا امرنا لکمناہ و قلنا له یا ابا جابر انك سیید من سعاد اتنا و شریف من اشرافتا وانا نرغب بك عما انت فیه ان تکون حطباً بالنا رغداً ثم دعونا الی الاسلام واخبر ناہ بمیعاد رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم ایانا العقبة قال فاسلم معنا العقبة و کان تقیا فینا تلك اللیلة مع قومنا فی رجالنا حتے مضی ثلث

اللیل خرجنا من رجالنا لمیعاد رسول اللہ صلعم نتسلل مستخفین نستلل القطا رحتے اجتمعنا فی الشعب عند العقبۃ و نحن سبعون رجلا و معھم امراتان عن لسائھم نسیبۃ بنت کعب ام عمارۃ واسماء بنت عمر بن عدی فاجتمعنا باالشعب منتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم حتی جاء نا و معہ عمہ عباس بن عبد المطلب، طبری جرمن، ص 1220

مصعب بن عمیر ان انصار مسلمین کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اوران جماعت مسلمین کے ہمراہ مدینہ کے مشرکین بھی تھے۔ جو حج کے قصد سے مکہ میں آئے تھے یہ لوگ مکہ میں آئے اور جناب رسول خداصلعم سے ملاقات کا وعدہ لے آئے اور آپ نے گیارہویں تاریخ (اوسط ایام تشریق) رات کو ان سے ملنے کا وعدہ فرمایا اور اُس روز و تاریخ کو مشیت ایزدی نے اپنے پیغمبر کے اظہار کرامت ونصرت اور اسلام کی افزونی عزت ومنزلت کے لیے قرار دیا تھا کعب کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ مناسک حج سے فارغ ہو چکے تو وہی رات تھی جس رات کو آنحضرت صلعم نے ہم لوگوں کو مشرف با اسلام فرمانے کا وعدہ کیا تھا اور ہم لوگوں کے ساتھ عبداللہ ابن عمر جن کی کنیت ابو جابر تھی۔ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ہم نے ان کو اس امر کی خبر کر دی تھی اور ہم لوگ اس امر کو مشرکین سے جو ہمارے ساتھ آئے تھے چھپاتے تھے اور بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھتے تھے لیکن ابو جابر سے ہم نے خاص طور پر اس کو کہہ دیا اے ابو جابر تم ہمارے سردار اور اشراف قوم وقبیلہ ہو۔ اور ہمیں یہ گوارا نہیں کہ ہم آخرت میں تمہیں جہنم کا ایندھن ہونے دیں یہ کہہ کر ہم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور یہی کہا کہ اسی درہ کوہ کی طرف آج رسول اللہ صلعم نے تشریف لانے اور بیعت اسلام سے مشرف فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو جابر مسلمان ہو گئے اور ہمارے نقیب مقرر ہوئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس گفتگو کے بعد ہم لوگ رات کو سو رہے اور جب تین حصہ رات چلی گئی۔ تو ہم لوگ اپنی قیام گاہ سے اٹھے اور ایک ایک شخص نہایت آہستگی کے ساتھ پاؤں دبا دبا مثل پرندہ قطار کے اس گھاٹی کی طرف چلا۔ اور اسی طرح ہم سب لوگ جمع ہوئے اس وقت ہم لوگ دو عورتیں ملا کر مجموعاً ستر آدمی تھے عورتوں میں ایک کا نام نسبتہ بنت کعب اور کنیت ام عمارہ تھی اور دوسری کا نام اسما بنت عمر بن عدی۔ ہم لوگ اُس پہاڑ کے درے میں بیٹھے انتظار کرتے تھے

کہ آنحضرت صلعم مع اپنے عم محترم عباس ابن عبد المطلب کے تشریف لائے۔

طبری کی اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ یہ امور کس راز داری اور ہوشیاری سے عمل میں لائے جاتے تھے اور سوائے ان معتمدین و معتبرین خاص کے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اعتبار ہوتا تھا۔ باایمان لانے والوں کو اپنے جن ہمراز احباب پر اعتماد واطمینان کلی ہوتا تھا سوائے ان کے اور کسی سے اشارتاً یا کنایتاً ان امور کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت عباس کی شرکت و ہمراہی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ معدودے چند حضرات بنی ہاشم جو اس وقت تک بظاہر اسلام نہیں لائے تھے لیکن قرابت اور یگانگی کی فطرتی حقیقی تعلقات کی وجہ سے آنحضرت صلعم کے نزدیک بمقابلہ دیگر مسلمین کے زیادہ معتمد اور معتبر تھے۔ اسی لیے ان کو ایسی سخت راز داری کے اوقات میں ان کے اخلاص و اتحاد پر پورا اعتماد کر کے ان کو اپنا رفیق و ہمراز بنایا گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے احباب خاص کی گذشتہ فہرست میں حضرت عباس کیا کسی بنی ہاشم کا نام نہیں دیا۔ اور محض بیرونی اشخاص کو احباب خاص میں داخل کر دیا ہے۔ جس پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔

اب ہم ان واقعات کو شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اگلے سال بہتر (72) شخص حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے (جو بت پرست تھے) چھپ کر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباس بھی جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا کہ گروہ خزرج محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ براء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا ہم لوگ تلوار کی گود میں پلے ہیں۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم نے بات کاٹ کر کہا یارسول اللہ صلعم ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر وطن چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں، تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔

آنحضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی وہ یہ تھیں۔ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے اور اچھی بات جو رسولؐ کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے۔

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا بھائیو یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے۔ سب نے کہا، ہاں، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

مفصلہ ذیل بارہ اشخاص جو نقیب انتخاب کیے گئے رئیس القبائل تھے ان کا اسلام قبول کرنا تمام کا اسلام قبول کرنا تھا۔

۱۔ اسید بن حضیرؓ جنگ بعاث میں انہیں کے باپ اوس کے سردار تھے۔

۲۔ ابوالہیثم بن بنہانؓ

۳۔ سعد بن خثیمہؓ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

۴۔ اسعد بن زرارہؓ ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، یہ امام نماز تھے۔

۵۔ سعد بن الربیعؓ، جنگ احد میں قدم رسالت پر جان دے کر شہید ہوئے۔

۶۔ عبداللہ بن رواحہؓ مشہور شاعر ہیں، جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۷۔ سعد بن عبادہ، معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بن ساعدہ بھی انہیں نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

۸۔ منذر بن عمرؓ جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

۹۔ براء بن معرورؓ بیعت عقبہ میں انصار کی طرف سے انہیں نے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت سے قبل انتقال کر گئے۔

۱۰۔ عبداللہ بن عمرؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

۱۱۔ عبادہ بن صامت مشہور صحابی ہیں۔ ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲۔ رافع بن مالکؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

یہ بارہ شخص جو نقیب انتخاب کیے گئے تھے۔ رئیس القبائل تھے ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ صبح کو مکہ میں اس بیعت کی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی انہوں نے تکذیب کی کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

سعد بن عبادہ پر قریش کے مظالم

شبلی صاحب کی کوتاہ قلمی کا کوئی علاج نہیں۔ حالانکہ اس سلسلہ واقعات میں اسقاط و ابہام واقع ہو جاتے ہیں جو شان تالیف اور تدوین مؤلف کے مخالف ہے۔ آپ نے اوپر اتنے حالات لکھ کر مابعد کے تمام واقعات مرفوع القلم فرما دیئے معمولی دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ مسلمین انصار پر اس کے بعد کوئی سختی یا تشدد نہیں۔ وہ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلے گئے اور قریش نے بھی بت پرستان مدینہ سے استفسار کرنے کے بعد ان لوگوں سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور قطعی دست بردار ہو گئے۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف حقیقت ہے ظلمۂ قریش نے مشرکین مدینہ کے بیانات لینے کے بعد بھی انصار کی طرف سے اپنی تلاش و سراغ رسانی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور مسلمین انصار سے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ جن میں ایک سعد بن عبادہ تھے ان پر جو مظالم ہوئے وہ بہت جلد بیان ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ان قابل الذکر واقعات کو جو انصار کے سلسلہ حالات کے جزو آخر اور ضروری الذکر تھے صرف اس لیے قلم زد کر دیئے گئے کہ شبلی صاحب کے خود غرضانہ موضوع تالیف کے اصول خاص میں انصار کے اخبار و اذکار قابل استحفاظ و استناد کار نہیں۔ خصوصاً سعد بن عبادہ تھے جو بقول شبلی صاحب اول دعویدار خلافت ہوئے تھے اور ایسے ناقابل عفو جرم کے مجرم تھے۔

سعد بن عبادہ کی داستان مصیبت ابن ہشام کی زبانی حسب ذیل ہے۔

وخرجوا فی طلب القوم فادر کوا سعد بن عبادة باذا خرو المنذر بن عمر اخا بنی ساعدہ ابن کعب ابن الخزرج و کلاهما کان نفینا فاما المنذر فاعجز القوم فاما سعد فاخذوه فربطوا یدیه الی عنقه بنسع رجله ثم اقباوا به حتے ادخاوه بمکة یضربونه و یجذبو نه بحمة و کان ذاشعر کثیر قال اسعد الی لفی ایدیهم اذا طلع علی نضر من قریش فیهم رجل وضی ابیض شعشاع حا و من الرجال قال سعد بن عبادة قلت فی نفسی لا ان بك عند ااسد من القوم خیر فعند هذا فلما دنا منی دفع یده فلکمنی لکة شدیدة قال قلت فی نسی لا والله ما عند هم لعد هذا من خیر قال فو الله انی لقی ایدیهم یسحیبو فنی اذا اری لی رجل ممن کان معهم قال و یحك امابینك و بین احد من قریش جوار ولا عهد قال قلت بلی والله لقد کنیت اجیر لجبیر بن مطعم تجارة ولنعهم ممن ارا دظلمهم ببلادی وللحرث بن حرب ایضا قال ویحك فاهف باسم الرجلین و اذ کر ما بینك و بینهما قال ففعلت و خرج ذلك الرجل الیهما فوجدهما فی المسجد عند الکعبة فقال لهم ان رجلا من الخزرج الان یضرب بالا بطح لهتف بکما و یذ کر ان بنیه و بینکما جوار قالا و من هو قال سعد بن عبادة قالا صدق والله ان کان لیجیر لنا یجارنا و بمغهم ان یظلموا ببلاده قال فجاء مخلصاً سعد امن ایدیهم فانطلق، ص 155

قریش کو دن نکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔لیکن ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرؓ کو وہاں پایا۔منذر تو بھاگ نکلا اور ان کے ہاتھ نہ آیا۔مگر سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اس کی سواری کے اونٹ کا تنگ کھول کر اس کی مشکیں باندھ لیں مکہ میں لا کر انہیں مارتے تھے۔ان کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچتے پھرتے تھے۔یہ سعد بن عبادہ وہی ہیں جن کو جناب رسول خداصلعم نے نقیب اسلام مقرر فرمایا تھا۔یہ اپنا واقعہ آپ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قریش مجھے مار رہے تھے تو ایک سرخ وسفید اور شیریں شمائل شخص میرے پاس سے گزرا اسے

دیکھ کر میرے دل میں خیال ہوا کہ اگر اس قوم میں سے کسی شخص سے میری بھلائی ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہو گا۔لیکن جب وہ میرے پاس آیا تو اُس نے میرے منہ پڑے زور سے طمانچہ لگایا۔اس وقت مجھے یقین آ گیا کہ ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے خیر کی امید کی جائے۔اتنے میں ایک شخص اور آیا اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا کیا قریش میں سے کسی کے ساتھ تجھے شناسائی اور ربط نہیں ہے اور کسی شخص سے بھی تجھے یہاں عہد و پیمان نہیں ہے میں نے کہا ہاں جبیر ابن مطعم اور حرث بن حرب جو عبد مناف کے پوتے ہیں۔وہ تجارت کے لیے میرے یہاں برابر جایا کرتے ہیں میرے اور ان کی شناسائی بھی ہے اور عہد و پیمان بھی میں نے اکثر ان کے جان و مال کی حفاظت کی ہے اور اس شخص نے کہا پھر انہیں دو آدمیوں کی دہائی کیوں نہیں دیتا اور ان کو اپنی نصرت وحمایت کے لیے کیوں نہیں بلاتا۔چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس گیا اور کہا کہ قبیلہ خزرج کا ایک آدمی گرفتار ہو کر مار کھاتا ہے اور غریب تمہارے نام لے کر پکارتا ہے۔ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے اس نے بتلایا کہ وہ سعد بن عبادہ نام بتلاتا ہے۔وہ دونوں بولے ہاں ہاں اس کا ہم دونوں آدمیوں پر احسان ہے پھر وہ موقع پر آ پہنچے اور مجھے چھڑا دیا۔اور یہ ثابت قدم شخص یثرب کو چلا گیا۔

صاحب رحمۃ للعالمین اس واقعہ کے متعلق ذیل کی عبارت حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا سبق ملتا ہے؟ یہی کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔بھوک پیاس کی آزمائش، قوم وملک کی عداوت کی آزمائش، ضرر جسمانی اور نقصان مال کی آزمائش وغیرہ وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں میں پورا اترتا ہے تب وہ خدا کے اس ابدی وعدے کا مستحق ٹھہر جاتا ہے جو قرآن وانجیل وتورات ومنین سے کیا گیا ہے کہ اس کی دنیا بھی عمدہ ہوگی اور آخرت بھی عمدہ ہوگی۔(مخصاً از کتاب رحمۃ اللعلمین ص76)

مرقومہ بالا عبارت سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایک مؤلف نے اہل واقعہ کو ز انداز ضرورت سمجھ کر مرفوع القلم کر دیا ہے اس کے خلاف دوسرے محقق نے اس کی نقل و تفصیل کو ضروری الذکر سمجھ کر اس شرح و بسط سے قلم بند کیا ہے۔ظاہر ہے کہ مؤلف اول کی رائے اس کے مرفوع القلم کر دینے کی نسبت ضرور اس کی اپنی ذاتی اغراض پر مبنی تھی اور مؤلف آخر نے بغیر کسی ذاتی اغراض ومطالب کے۔صرف اسلام کی صداقت اور متقدمین اسلام کے استقلال واستقامت کے اظہار مدعا کو پیش نظر رکھ کر اس واقعہ کو پوری تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے۔اگر تنہا شبلی صاحب نے اس اعتنا نہ فرمائی تو کیا سعد بن عبادہ کی اسلامی خدمات اسلام کی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان شاء اللہ ابدالاباد قائم وبرقرار رہیں گے۔

صحابہ کوہجرت مدینہ کی اجازت

شبلی صاحب رقم طراز ہیں۔مدینہ میں اسلام کوپناہ حاصل ہوئی۔توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کواجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔قریش کومعلوم ہواتوانہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کردی رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔صرف آنحضرت صلعم،حضرت ابوبکرؓ اورحضرت علیؑ رہ گئے۔جولوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جاسکے یہ آیت انہیں کی شان میں ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ

کمزورمرد،عورتیں اوربچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خداہمیں اس شہرسے نکال لے کہ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔

شبلی صاحب جس طرح خاص موقع پرکوتاہ قلمی کے دلدادہ ہیں اُسی طرح خاص خاص حضرات کے گرویدہ بھی ہیں۔ان کا ذکر اخبار میں آپ کا کلک بیان بہت ہی وسیع البیان ہوجاتا ہے۔چونکہ اس واقعہ اوراس سے پہلے کے واقعہ میں خاص گروہ حضرات اوران کی خدمات ہیں جن سے آپ کوکم تعلق ہے۔اس لیے سرے سے یہ واقعات ہی فردبیان سے خارج کردیے گئے لیکن ایک آزادمؤلف اور خاص کرایسے محقق کوجوبلاواسطہ وتعلق آزادی سے صرف اسلام کے واقعات کی ترتیب دیتا ہے اس تخصیص وتعقیداورقطع وبرید کی ضرورت نہیں۔شبلی صاحب کے خلاف مولاناسید سلیمان صاحب مؤلف رحمۃ للعلمین نے ان واقعات کومفصلہ ذیل عبارت میں کس تفصیل سے بیان کیا ہے۔عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعدآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مسلمانوں کوجوکہ ابھی باہرنہیں گئے تھے لیکن اب جن پر اتنے ظلم وستم ہونے لگے تھے کہ پیاراوطن ان کے لیے آگ کاپہاڑبن گیا تھا۔یثرب چلے جانے کی اجازت دے دی۔ان ایمان والوں کوگھربار،خویش واقارب،باپ بھائی اورزن وفرزند کے چھوڑنے کاکوئی غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جاکرخدائے وحدہ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کریں گے۔ان ہجرت کرنے والوں اورگھرچھوڑنے والوں کوقریش مکہ کی سخت مزاحمت کامقابلہ کرناپڑاتھا۔

صہیب رومی پرمظالم

صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کرکے جانے لگے توکفار نے انہیں آگھیرااورکہاصہیب جب تومکہ میں آیاتھاتومفلس قلاش تھا۔یہاں ٹھہرکرتونے ہزاروں کمائے۔آج یہاں سے جاتا ہے اورچاہتا ہے یہاں سے سب مال وزرلے کرچلاجائے۔تواایسا کبھی ہونے کانہیں۔صہیب نے کہااچھااگرمیں سب اپناساراامال ومتاع تمہیں دے دوں تب تومجھے جانے دوگے۔قریش بولے ہاں۔ حضرت صہیب نے سارامال اسی وقت دے دیااوردامن جھاڑکرمدینہ کوروانہ ہوگئے۔جناب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر

فرمایا صہیب نے اس سودے میں نفع کثیر کمایا۔ بحوالہ ابن ہشام، ص168۔

حضرت اُم سلمہ پر مظالم

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ مجھے اونٹ پر بٹھلایا میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چلے تو بنومغیرہ نے آ کر ابوسلمہ کو گھیر لیا۔ کہا تو جا سکتا ہے مگر ہمارے لڑکے کو نہیں لے جا سکتا۔ اب بنواسد بھی آ گئے انہوں نے ابوسلمہ سے کہا کہ تو جا سکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ سے ہے تو نہیں لے جا سکتا۔ غرض انہوں نے ابوسلمہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھلا دیا۔ بنو الاسد بچہ کو ماں کی گود سے چھین کر لے گئے اور بنومغیرہ ام سلمہؓ کو لے آئے۔ ابوسلمہ جو دین کے لیے ہجرت کو فرض سمجھتے تھے زن اور بچہ کے بغیر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ پر روز شام کو اس جگہ پہنچ جاتیں جہاں وہ بچہ اور شوہر سے الگ کی گئیں تھیں۔ گھنٹوں رو دھو کر واپس آ تیں۔ ایک سال تک اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا۔ آخر ان کے چچا زاد بھائی کو رحم آ یا۔ اور ہر دو قبائل سے کہہ کر سن کر ام سلمہ کو اجازت دلوادی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا۔ یہ تنہا مدینہ چلی گئیں، ابن ہشام 165۔

ہشام بن عاص اور عیاش پر مظالم

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ عیاش اور ہشام بھی میرے ساتھ مکہ سے مدینہ چلے عیاش تو روانگی کے وقت جائے مقرر پر پہنچ گئے مگر ہشام کی بابت کفار کو خبر لگ گئی ان کو قریش نے قید کر لیا۔ عیاش مدینہ جا پہنچے کہ ابوجہل مع اپنے برادر حرث کے مدینہ پہنچا۔ عیاش اس کے چچیرے بھائی تھے۔ اور تینوں کی ماں ایک تھی۔ ابوجہل اور حرث نے کہا کہ تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے۔ اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاش کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی، نہ سایہ میں بیٹھوں گی اس لیے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر چلے آ نا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا عیاش مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری ماں کے سر میں اگر جوں پڑ گئی تو وہ آپ کنگھی کر لیں گی۔ اور اگر مکہ کی دھوپ نے ذرا بھی خبر لی تو وہ خود ہی سایہ میں بیٹھ جائے گی۔ میری تو یہ رائے ہے کہ تمہیں جانا نہیں چاہیے۔ عیاش بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آ جاؤں گا۔ عمر فاروق نے کہا اگر اچھا یہی رائے ہے تو میرا ناقہ لیتے جاؤ بہت تیز رفتار ہے اگر راستہ میں تمہیں کہیں بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر نہایت آسانی سے ان کی گرفت سے بچ کر آ سکو گے۔ عیاش نے ناقہ لے لیا یہ تنہا چل کھڑے ہوئے ایک روز راہ میں مکہ کے قریب ابوجہل نے کہا ہمارا اونٹ تو تمہارے ناقہ کے ساتھ چلتے چلتے تھک گیا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ عیاش بولا بہتر، جب عیاش نے ناقہ بٹھلایا تو دونوں صاحبوں نے اسے پکڑ لیا، مشکیں کس لیں اسی طرح مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو بیوقوفوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ اب ان کو بھی ہشام بن عاص کے ساتھ قید کر دیا۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے تب حضور کی تمنا پوری کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ مکہ میں آئے۔ زندان خانہ سے دونوں کو نکال کر لے گئے۔ ابن ہشام، ص167، ج1۔ ان واقعات سے مہاجرین سابقین کے مصائب وشدائد جو حکم ورسولؐ کی بجا آوری میں ان مظلومین کو وقت کے ہاتھوں اٹھانے پڑے۔ تفصیل کے ساتھ ثابت ہو گئے۔ کیا ان میں سے ایک بھی شبلی صاحب کے لیے قابل الذکر نہیں تھا۔

ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات

13 سال نبوت 1 ہجری

یہ واقعہ تمام تر بخاری صاحب کی مضمون آفرینی اور شبلی صاحب کی قلم آرائی کا نمونہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق کی جائے تو علماو محدثین سواداعظم کے طباعتوں کا کامل دفتر جن کے موادواجزا کی ترتیب وتجمیع تو خلافت راشدہ کے وقت ہی سے آغاز ہوئی تھی لیکن امیر معاویہ کے دوران حکومت میں ان کے فرمان شاہی کے ذریعوں سے ان تمام موضوعات کا اصل عقائد میں، داخل ہونا اور ارکان اسلام تسلیم کیا جانا۔ تمام قلمرو اسلامی میں مشتہر اور نافذ کیا گیا۔ اور آیندہ حکومت امویہ وعباسیہ نے اس کو استقرار حکومت کا سب سے بڑا ضروری اور مستحکم ذریعہ یقین کر کے اس اہمیت کے ساتھ جاری کرایا کہ یہ موضوعات اور مصنوعات حقیقی واقعات اور اصلی حالات پر سبقت لے گئے۔ لیکن باوجود اتنے طول وطویل انتظام واہتمام حکومت کے اس کی حقیقت اور اصلیت زمانہ سے نہ مٹنے والی تھی نہ مٹی۔ تفصیل قریب آتی ہے چونکہ ہمیں اس روایت کا تنقیدانہ طریقہ سے انکشاف حقیقت کرنا ہے۔ اس لیے ہم شبلی صاحب کی پوری عبارت حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ میں پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پُراثر ہے اور اس وجہ سے امام بخاریؒ نے بھی باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ گو اس وقت چھ سات برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلعم کا اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہیں سے سنا ہوگا اور ابتدائے واقعہ میں خود بھی موجود تھیں۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور ان کا اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ ابوالنجری، ابن ہشام، ربیعہ بن اسود، بن مطلب، حکیم بن خزام، ابوجہل منبہ بن منیبہ، امیہ بن حلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ ان لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آخر اسی رائے پر اتفاق عام ہو گیا۔ اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کا کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس رکھواتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں آپ کو قریش کے ارادے کی خبر مل چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم آ چکا ہے۔ آج میں مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری

چادر اوڑھ کر سو رہو۔صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا۔

ہجرت سے دو تین روز پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے دستور کے موافق دروازے پر دستک دی۔اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔بولے کہ یہاں آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی۔حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بے تابی سے کہا میرا باپ آپ پر فدا ہو۔کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا ارشاد ہوا ہاں۔حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹیناں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر رکھی تھیں۔عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں۔محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا ارشاد ہوا۔اچھا مگر بقیمت۔حضرت ابوبکر نے مجبوراً قبول کیا۔حضرت عائشہ اس وقت کمسن تھیں۔ان کی بڑی بہن اسماء نے جو عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں۔سفر کا سامان کیا۔دو تین کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ داں کا منہ باندھا۔یہ وہ شرف تھا جس کی وجہ سے آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔کعبہ کو دیکھا اور فرمایا تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔حضرت ابوبکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی دونوں صاحب پہلے جبل ثور کی غار میں پوشیدہ ہوئے۔یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے۔شب کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر میں چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے۔حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا۔آپ اور حضرت ابی بکرؓ ان کا دودھ پی لیتے تھے۔تین دن تک صرف یہی غذا تھی۔لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو اسماء گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔بحوالہ بخاری باب الہجرت و مزید حالات منقول،من باب مناقب المہاجرین۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے جناب امیرؑ تھے۔ظالموں نے ان کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آ گئے۔آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر جائے تو ہمیں دیکھ لیں گے آپ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معناً گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

بہر حال چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ایک دن رات برابر چلے گئے۔دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی۔تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں آرام فرمالیں۔چاروں طرف نظر ڈالی۔ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔سواری سے اتر کر

زمین جھاڑی پھراپنی چادر بچھائی۔آنحضرت صلعم نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرارہا تھا۔اس سے کہا ایک بکری کا تھن گردوغبار سے صاف کرائے۔پھراس کے ہاتھ صاف کرائے اوردودھ دوہا۔دودھ کے برتن پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گردنہ پڑنے پائے۔دودھ لے کرآنحضرت صلعم کے پاس آئے اورتھوڑا سا پانی ملاکر پیش کیا۔آپ نے پی کر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔آفتاب اب ڈھل چکا تھا۔اس لیے آپ وہاں سے روانہ ہوئے (یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے)،ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سراقہ کا قصہ

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جوشخص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔سراقہ بن خشم نے سنا تو انعام کی اُمید میں نکلے عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہورہے تھے اس نے آپ کو دیکھ لیا۔اورگھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گر پڑا۔ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ جواب میں نہیں نکلا۔لیکن سواونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جائے۔دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوااورآگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔گھوڑے سے اتر پڑا۔اور پھر فال دیکھی۔اب بھی وہی جواب تھا لیکن مرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کردی اوریقین ہوگیا کہ یہ کچھ اورآثار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا۔اوردرخواست کی کہ مجھ کوامن کی تحریر لکھ دیجئے۔ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔

عبارت حاشیہ زیرین (سراقہ بعد میں اسلام لائے اورجب ایران فتح ہوا اورکسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا)۔

ایضاً حاشیہ زیرین 3 (صحیح بخاری ابواب الہجرت النبی صلعم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات وقلم ساتھ رہتا تھا۔

حسن اتفاق سے ہے کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا مال لے کرآرہے تھے۔انہوں نے آنحضرت صلعم اورحضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند کپڑے پیش کیے۔جواُس بے سروسامان میں غنیمت تھے۔(سیرۃ النبی جلداول ازصفحہ 196 تاصفحہ 200)

بخاری کی مرویات ہجرت کی حقیقت کا انکشاف

شبلی صاحب تو امام بخاری کے ترجمان ہیں ؎

انچہ اوستاد ازل گفت ہمان فی گویم

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ شبلی صاحب نے تمام رطب و یابس جو کچھ بھی صحیح بخاری میں ذخیرہ پایا اکٹھا کر دیا۔ اتنا تو ضرور ہے کہ بمقابلہ ان لغویات وحشویات کی جو طبرانی ویلمی، سہیلی اور سمہودی وغیرہم نے انبار کیے ہیں۔ یہ طومار کم ہے لیکن تاہم تحقیق کا طالب جب ہجرت کی حقیقت اس کی اصلی ضرورت اس کے وقت وقوع کی موجودہ حالت کفار قریش کی بے انتہا مخالفت قتل رسول اللہ پر ان کی مشاورت اور اس کے اقدام کی صورت اور جان رسولؐ کی خدا کی طرف سے رازدارانہ محافظت وغیرہ ان تمام اسباب وعلل اور چاروں طرف کے حالات وواقعات پر غائر نظر ڈالتا ہے۔ اس کے ساتھ بخاری کی ان مرویات کو ان سے ملاتا ہے تو یہ داستان کی داستان گو بقول شبلی صاحب کتنی ہی پر اثر اور کیسی ہی پر لطف نہ ہو بالکل واقعہ کے خلاف مصلحت کے برعکس مناسبقت وقتی کی منافی ثابت ہوتی ہے تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری کے دونوں باب کے (باب الہجرت النبی وباب المناقب المہاجرین) ہر ہر جزئیات کی تفصیل کو جس کو شبلی صاحب نے بلفظہ نقل فرمانے کا اعتراف فرمایا ہے۔ پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات ہجرت تو نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی صدیقیت اور صحابیت، حمایت اور رفاقت، خدمات اور رسولؐ پر احسانات کے رنگا رنگ مرقعوں کا فینسی البم تیار کیا گیا ہے۔ جب اس طلمسی مرقع میں جناب رسالت مآب صلعم کے پیکر نورانی کی زیارت کی جاتی ہے تو اس پر حضرت ابوبکرؓ کے احسان وامتنان کی زیر باری اور ان کی مشاورت وہدایت کی متابعت کا رنگ ایک طرف افشائے راز خداوندی اور مصلحت ومناسبت وقتی سے خلاف ورزی کا گہرا شیڈ پڑا ہوا دوسری طرف صاف صاف نظر آتا ہے۔

بخاری صاحب تو فضائل ومناقب حضرت ابوبکرؓ کی مضمون آفرینیوں میں شبلی صاحب ان کی زیرہ چینیوں میں اتنے محو ہو گئے کہ حقیقت نویسی سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا۔ واقعہ تو تاریخ اسلام کا اتنا بڑا اعظیم الشان ہے لیکن آپ حضرات کے بیان میں نہ کہیں اس کے سال وماہ وقوع کا پتا ملتا ہے اور نہ تاریخ وروز وقوع کا نشان پایا جاتا ہے۔ اگر صحیح بخاری سیرت وتاریخ کے موضوع کی کتاب نہ تھی تو سیرۃ النبیؐ جلد اول تو ضرور اس صنف خاص کی تصنیف تھی۔ اس میں اس کی عدم موجودگی شبلی صاحب کے جیسے فاضل محقق کے لیے کیسی شرمناک فروگذاشت قرار پاتی ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے بخاری صاحب کی بالکل ترجمانی فرمائی ہے۔ جو صاحبان تحقیق کی نگاہوں میں تقلید غلط سے بھی فروتر ہے۔ اسی بنا پر آپ نے جو بخاری میں لکھا پایا ہے۔ عربی سے اُردو میں نقل وترجمہ کر دیا۔ دریافت حقیقت اور تلاش اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس موقع پر شبلی صاحب نے حقیقتاً اپنی تالیف کی وقعت اور مؤلف ہونے کی حیثیت اور بھی گرا دی ہے۔

آپ کے دیباچہ کے عنوان اور اس کی تحریری شان کو پڑھا جائے اور اس موقع کے انداز تالیف اور طرز بیان سے ملایا جائے تو کیا کوئی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں تحریروں کا لکھنے والا ایک ہی شخص ہے۔

لیکن ہر امر کے لیے ایک سبب خاص ہوتا ہے۔شبلی صاحب کی اس فروگذاشت کا سبب خاص بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام بخاری کی متابعت اور تقلید اسلاف کی مطابقت میں محو ہو کر آپ اپنی مؤلفانہ اور محققانہ شان وحقیقت بھی بھول گئے۔اور سیرت وتاریخ کی کتاب لکھتے ہوئے اتنے بڑے عظیم واقعہ کی تعین ماہ وسال کو متروک فرما گئے۔حالانکہ تمہیدی عبارت میں صحابہ کو حکم ہجرت دیئے جانے کے موقع پر اتنا لکھ چکے تھے کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع سال تھا۔ص196

لیکن راس المہاجرین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ہجرت کی تفصیل بیان کرتے وقت آپ کو نہ دن کا خیال رہا نہ ماہ وسال کا۔اگر ماہ وتاریخ وروز نہیں لکھا تھا تو صرف اسی عبارت مندرجہ کا اعادہ کر دیا ہوتا کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع تھا۔یہ تمام اسباب وعلل بتلا رہے ہیں کہ آپ کو واقعیت کے ساتھ دلچسپی نہیں ہے بلکہ آپ کسی خاص امر کی طرف اس کے متعلق زیادہ متوجہ ہیں۔

بہر حال شبلی صاحب کو بخاری صاحب کی نقل وترجمانی کرنا ہے اور ہمیں سیرت وتاریخ کے موضوع پر اپنی تالیف کو ترتیب دینا ہے اس لیے اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہم اس کے وقوع کی تعین ماہ وسال کو ضروری سمجھتے ہیں۔اور لکھ کر بتلا دیتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں ہجرت رسول اللہ صلعم کا عظیم الشان واقعہ چھبیسویں تاریخ ماہ صفر کا دن تمام ہو کر جمعرات 13 سال نبوت مطابق 12 ستمبر 662 میں ظہور پذیر ہوا۔بقول شبلی صاحب ؎

ہمہ ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجاست۔

تمہیداً اتنا لکھ کر ہم اصل واقعات کے انکشاف حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امام بخاری کی مضمون تراشی اور شبلی صاحب کی نقاشی کی اصلیت مفصلہ ذیل عبارت تنقیدی میں دکھلاتے ہیں۔

واقعہ شب ہجرت حقیقتاً سر عظیم تھا۔شبلی صاحب اور ان کے اسلاف قدیم نے عقبہ کی دونوں بیعتوں کے واقعات کو بڑے خرم اور احتیاط اور کمال ہوشیاری اور رازداری سے تعمیل کیا جانا لکھا ہے۔مگر واقعہ ہجرت کو جو اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ان دونوں واقعات کے صرف دو مہینوں بعد ظہور پذیر ہوتا ہے ایسا عام کر دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا خرم واحتیاط ہر کس وناکس سے اتنے بڑے راز الٰہی کو افشاء کرتے پھرتے ہیں۔حالانکہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ انصار مدینہ کی بیعت کرنے کی خبر پا کر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کفار قریش کی مخالفت رسول اللہ صلعم پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔تو کیا معمولی سے معمولی عقل ودماغ والا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جیسا مدبر وحکیم الٰہی اور خدا کا راز دار وامین۔جو تمام دنیا کے لوگوں سے بہتر موقع شناس اور مصلحت اندیش ہو وہ اس طرح اتنے بڑے اور ضروری راز الٰہی کو عام طور سے فاش کر دے کہ قبل از نزول حکم ہجرت بروایتے چار روز اور بروایتے مہینوں پیشتر اپنے راز سے لوگوں کو آگاہ کر دے۔اس بنا پر قبل وبعد حکم ہجرت اس سر عظیم الٰہی کا افشا کر دینا ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صریح اتہام ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر آ کر ہجرت کے متعلق مشاورت اور انتظام

اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے یہاں تشریف لائے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ابوبکرؓ نے کہا ہمیں بھی ساتھ لیجئے آپ نے منظور کرلیا۔لیکن افسوس بخاری صاحب کی یہ روایت اس قدر خلاف واقعیت واقع ہوتی تھی کہ آخر ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے جیسے موید ومقلد بخاری نے بھی اس پورے واقعہ کو خلاف واقع اور ساقط از اعتبار سمجھا۔ان کی عبارت حسب ذیل ہے۔

ولا بن عباس حديث اخرعلة امس بالمراد اخرجه احمد والحاكم من طريق عمر بن ميمون عنه قال كان المشركون يرمون عليا و هم يظنون انه النبى صلعم فجاء ابو بكر فقال يا رسول الله صلعم فقال له على انه انطلق نحوبئر ميمون فادر كه قال فانطلق ابو بكر فد خله معه الغار الحديث واصله فى الترمذى والنسائى،فتح البارى شرح اصحيح النجائے۔

ابن عباس کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے اس مقام سے جس کو امام احمد حنبل اور امام حاکم نے عمر بن میمون سے روایت کی ہے کہ بعد تشریف آوری جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین حضرت علیؑ پر پتھر برسا رہے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے۔اور جناب امیر کو آنحضرت سمجھ کر کہا یا رسول اللہ تو حضرت علیؑ نے فرمایا رسول اللہ صلعم تو میمون کی طرف تشریف لے گئے تم بھی جا کر مل جاؤ ابوبکرؓ ادھر روانہ ہوئے اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اصل اس کی ترمذی اور نسائی میں ہے۔

اب نہ بخاری صاحب موجود ہیں جو بتلائیں اور نہ شبلی صاحب ہیں جو ارشاد فرمائیں کہ اس روایت ترمذی ونسائی کے سامنے آپ حضرات کی داستان طرازی اور افسانہ سازی کیا ہوئی۔ کیونکہ آپ حضرات نے حقیقت و اصلیت واقعہ کے خلاف صرف اپنے معتقدانہ اصول کی بنا پر جن قصص وحکایات کے عنوان باندھے تھے اور پھر ان سے شاخ درشاخ مضامین تراشے تھے۔ وہ اصلاً اور عقلاً کچھ بھی نہیں تھے کیونکہ ابن حجر شارح بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حقیقتاً نہ حضرت ابوبکرؓ کو کسی قسم کی اطلاع دی تھی اور نہ ان سے صلاح ومشاورت کیا تھا۔ کیونکہ دفعتاً حکم ہجرت آ جانے کے بعد آپ کو ان امور کے لیے وقت کہاں تھا۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوتا ہے بلکہ حکم ہجرت پاتے ہی آنحضرت صلعم فوراً غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد محض بطریق معمول آئے۔ اور جناب امیر کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبز

چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ رسول اللہ سمجھا اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارا۔ جناب امیر ان کی غلط فہمی کو سمجھ گئے۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلعم تو بیر میمون کی طرف تشریف لے گئے اگر تمہیں خواہش ہو تو جاؤ۔ جب آخر وقت تک آنحضرت صلعم کی نقل و حرکت کی کوئی خبر و اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو نہیں ہے تو اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا ان کے گھر جانا، مشورہ فرمانا وغیرہ وغیرہ تمام مکالمات اور انتظامات جو کتابوں میں منقول ہیں۔ رسول اللہ صلعم پر صریح اتہام نہیں تو اور کیا۔ رہا اب اس امر کا ثبوت کہ حضرت ابوبکرؓ کی عدم اطلاع کی یہ حالت جو ابن حجر کی اس روایت سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف ابن حجر نے بطریق منفرد لکھی ہے یا اور محدثین و مورخین نے بھی بطور تواتر اپنی اپنی تصنیفات میں درج کیا ہے اس کے متعلق مفصلہ ذیل اسناد ملاحظہ ہوں۔

لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ابن حجر نے موجودہ روایت کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم کی اسناد سے لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ان دونوں امامانِ حدیث نے اس واقعہ کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اور اصل عبارت حدیث کو صحیحین ترمذی و نسائی سے مستخرج و مستنبط بتلایا ہے۔ اس بنا پر یہ روایت امام ترمذی، امام نسائی، منجملہ کتب صحاح اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم مجموعاً پانچ چھ آئمہ محدثین کی مصدقہ و مسلمہ نو ثابت ہوگئی۔ اب چھٹی سند اس کی تفسیر درمنثور امام سیوطی جلد دوم ص 240 کی حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ کی جائے۔

اخرج ابن مردویه و ابو نعیم فی دلائل النبوة عن ابن عباس قال لما خرج رسول الله من اللیل لحق بغار ثور قال و اتبعه ابو بکر فلما سمع رسول الله من خلفه خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلك ابو بکر تنخخ فلما سمع ذلك رسول الله عرفه فقام له حتی تبعته فاتبا الغار ذلك۔ درمنثور، ج 3، ص 240

ابن مردویہ اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم شب کو مکان سے باہر نکلے اور قریب غار پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبکرؓ بھی آ رہے تھے۔ حضرتؐ نے جب ان کی آہٹ سنی تو خوف ہوا کہ کوئی پکڑنے والا تو نہ ہو۔ ابوبکرؓ نے کھنکھارا تو حضرتؐ نے آواز سے پہچانا اور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ دونوں وہاں سے ساتھ ہو گئے اور پھر اسی طرح غار تک پہنچے۔

اس روایت نے تو بخاری صاحب کی قلکاریوں کی اور قلعی کھول دی اور بتلا دیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرکت یا رفاقت جو کچھ کہیے وہ نہ آنحضرت صلعم کی اجازت سے تھی نہ آپ کی مرضی سے، بلکہ یہ آپ کی بلا رضا و اجازت آپ کے ساتھ ہو لیے تھے۔ اسی لیے ان کی آہٹ پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر دشمن کے تعاقب کرنے کا گمان پیدا ہوا جس کو خود حضرت ابوبکرؓ بھی سمجھ گئے اور کھنکھار دیئے۔ اب یہ کون پوچھے کہ بقول زرقانی مہینوں پیشتر اور بروایت بخاری و شبلی صاحب ہجرت سے دو تین روز پیشتر جو رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان ہجرت کے متعلق صلاح و مشاورت ہوئی تھی اس کا نتیجہ کیا یہی تھا کہ ایک کو دوسرے کی نقل و حرکت کی خبر تک نہ

ہو۔ اور ایسی لاعلمی ہو کہ ضرورت معلومہ کے لیے وقت موعودہ پر حضرت ابوبکرؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر بھی آنحضرت صلعم نہ پہچان سکیں۔
امام بیہقی کی عبارت بھی اُسی درمنثور ص ۲۴۱ میں ملاحظہ ہو:

اخرج لیهقی فی الدلائل و ابن عسا کر عن حلیه بن محض العبری قال قلت لعمر بن الخطاب انت خیر من ابو بکر فبکی قال والله للیلة من ابی بکر ویوم خیر من عمر هل لك ان احدثك بلیلة و یومة قال قلت نعم یا امیر المومنین قال اما لیلة فلما خرج رسول الله هاربا من مکة لیلاً فتبعه ابو بکر فجعل یمشی مره اما مة و مرة خلفا و مرة عن یمینه و مرة عن یساره۔

بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر حلیہ میں محض عبری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عمرؓ سے کہا آپ بہتر ہیں ابوبکر سے؟ تو حضرت عمر رونے لگے اور کہنے لگے قسم خدا کی ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن بہتر ہے عمرؓ سے۔ رات تو وہ کہ جس شب کو حضرت مکہ سے گریزاں ہوئے ہیں تو ابوبکرؓ نے تعاقب کیا اور آگے کبھی ہو جاتے تھے۔ اور کبھی آپ کے پیچھے چلنے لگتے تھے کبھی دانے طرف چلنے لگتے تھے اور کبھی بائیں طرف ہو جاتے تھے۔

دیکھئے حضرت عمر کی اس روایت نے بھی بخاری والی مشاورت اور مجالست اور انتظام و اہتمام سفر وغیرہ کی تمام پیشین بندیوں پر خاک ڈال دی اور کچھ ذکر نہ کیا۔

اب تیسری روایت ان مرقومہ بالا پانچ روایتوں کے علاوہ تاریخ طبری کی حسب ذیل ہے:

ان ابا بکر الی علیا فسئله عن نبی الله فاخبره انه لحق بالغار من ثور و قال ان کان لك فیه حاجة فالحقه فخرج ابو بکر مسرعا فلحق نبی الله فی الطریق فسمع رسول الله جرس ابی بکر فی ظلمة اللیل فحشب من المشرکین فاسرع رسل الله المشی فانقطع قبال نعله ففلق بهامه حجر فکثر دمها و اسرع السعی فخاف ابو بکر ان یشق علی رسول الله فوضع صوته و تکلم تعرفه رسول الله صلعم فقام اتاه فانطلقا ورجل رسول الله لستن دماحتے انتهی الی الغار الصبح۔ تریخ طبری، ص 244 مصر۔

حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور حضرت رسول خدا صلعم کا حال دریافت کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا

کہ حضرت غار ثور کی طرف تشریف لے گئے اگر تم کو کچھ مطلب ہو تو جا کر آپ سے مل جاؤ۔ حضرت ابوبکر نہایت سرعت سے ادھر چلے۔ حضرتؐ کو ان کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو آپ نے ان کو کوئی مشرک تعاقب کنندہ خیال کیا اور اس وجہ سے آپ دوڑ کر چلنے لگے۔ یہاں تک کہ نعلین مبارک کے آگے والا بند ٹوٹ گیا اور حضرتؐ کا انگوٹھ شگافتہ ہو گیا۔ جس سے بہت سا خون بہا۔ مگر بااین ہمہ آپ دوڑتے جاتے تھے۔ تب ابوبکرؓ کو خوف ہوا کہ حضرتؐ کو اس سے بھی زیادہ تکلیف وصدمہ پہنچے تو ابوبکرؓ نے اپنی آواز بلند کی تو آنحضرت صلعم ان کو پہچان کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ابوبکر بھی آ گئے اور ساتھ ساتھ چلے اور رسول صلعم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہاں تک کہ صبح ہوتے غار تک پہنچے۔ طبری، جلد دوم۔

اصل واقعہ تو یہ ہے جس کی اصلی صورت بدل کر مصنوعات وموضوعات کے رنگا رنگ نقاب چڑھا لیے گئے ہیں۔ اور انہیں رنگ آمیزیوں کی وجہ سے بخاری صاحب کی مرویات کو تاریخ وسیرت کے مندرجات پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بخاری صاحب کو حقیقت واقعہ کے استخفاظ سے زیادہ استحکام عقائد کی ضرورت تھی۔ جس کے لیے وہ ذمہ دار تھے بخلاف ان کے ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کی نظر واقعہ کی اصلیت اور حقیقت پر رہے گی۔ وہ کسی واقعہ کی تفصیل وبیان میں حفظان عقائد وغیرہ کا پابند نہیں تو پھر مویدان بخاری کی تمناؤں کے خلاف طبری کی روایت وعبارت میں ان افسانہ سازیوں کا کہاں نشان ملے گا۔ اس لیے ضروری تھا کہ حدیثوں کی مرویات کو تاریخوں کے واقعات پر ترجیح دی جائے لیکن مشکل یہ پڑی کہ حدیثوں میں اور خصوصاً صحیحین ترمذی ونسائی میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں۔ اس مجبوری سے صحیح بخاری کو جملہ صحاح پر ترجیح دینی ضروری ہوگئی۔ اب جب اتنی متواتر شہادتوں سے واقعہ ہجرت کی اصل حقیقت معلوم ہوگئی تو ہر شخص بآسانی سمجھ لے گا کہ امام بخاری نے اصل واقعہ کو چھپایا اور اس کی جگہ ایسی روایت بنائی جو نہ نقلاً ثابت ہو سکتی ہے اور نہ عقلاً۔

نقل کی حقیقت تو نقل ہو چکی اب عقل کی یہ صورت ہے کہ کوئی معمولی عقل وفہم والا شخص بھی نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے وقت میں جو آنحضرت صلعم پر انتہائے مصیبت کا تھا کہ ایک طرف ظلم کفار سے خود تنگ تھے۔ دوسری طرف یہ ساماں پیش نظر تھے کہ آپ کے قتل کیے جانے کی تمام ترکیبیں تیار ہو چکی تھیں۔ پانچ قبیلوں کے بے رحم قاتل منتخب ہو چکے تھے دولت سرا کا محاصرہ ہو چکا تھا کہ ہجرت کا حکم پہنچا۔ ایسے تنگ وقت پرخوف عالم اور قیامت خیز موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی فرصت کہاں تھی کہ حضرت یہ سب سامان کرتے ابوبکرؓ کے گھر جاتے اور اطمینان سے سفر ہجرت کے متعلق مشورہ فرماتے۔

اب وقت کی تنگی کا ثبوت تفسیر معالم التنزیل کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فاتی جبریل النبی صلعم فاخبرہ بذلك رای المشرکین وامرہ ان لا یبیت فی مضجعه الذی کان یبیت فیه فاذن الله له عنك ذلك الخروج الی المدینة فامر

رسول اللہ صلعم علی بن ابی طالب ان ینام فی مضجعه و قال اوب الشیخ ببردی هذا فانه لن یخلص الیك منهم شئے نکرهه و خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه و اٰله وسلم فاخذ قبضة من تراب فاخذه اللہ ابصار هم عنه فجعل یشر التراب علی رؤمهم و هو یقر انا جعلنا فی اعنا قهم اغلا لاً الی قوله فهم لا تبصرون۔ معالم تنزیل۔

جب کفار نے مشورہ شورائے قتل آنحضرتؐ کی تو حضرت جبرئیل نے آکر خبر دی اور کہا کہ آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں وہاں نہ سویئے۔ کیونکہ خدا نے اس وقت آپ کو مدینہ چلے جانے کے لیے حکم دیا ہے۔ اُسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہماری خواب گاہ پر سورہو اور ہماری چادر اوڑھ لو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ پھر جناب رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے باہر نکل آئے اور ایک مٹھی خاک ان لوگوں پر جو بیت الشرف کا محاصرہ کیے تھے ڈال دی۔ خدا نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ وہ آپ کو تشریف لے جاتے ہوئے مطلق نہ دیکھ سکے اور آنحضرت صلعم آیہ وافی ہدایہ۔ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا فَهِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ۝۸ وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا وَّمِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ۝۹ تلاوت فرماتے ہوئے نکل گئے۔

معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت نے فی الحقیقت حال کا پورا انکشاف کر دیا اور بتلا دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا وقت کہاں تھا۔ اور وقت نزول حکم ہجرت سے ایک لحہ پہلے آپ کو اس کی خبر کب تھی کہ آپ اس کی نسبت کسی سے صلاح ومشاورت کرنے یا سفر کا انتظام فرماتے۔ تفسیر قرآن کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ نزول حکم ہجرت تک آپ کو اس کا مطلق علم نہیں تھا۔ دفعتاً ہجرت کا حکم آتا ہے اور فوراً مدینہ چلے جانے کا فرمان صادر ہوتا ہے اور آپ اسی وقت حضرت علی مرتضیٰؑ کو اپنی خواب گاہ پر سلا کر اور اپنی ردائے مبارک اوڑھا کر دولت سرا سے بقصد مدینہ غار ثور کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔ چشم زدن میں تو سب کچھ ہو جاتا ہے حکم بھی آتا ہے تعمیل بھی ہو جاتی ہے اور آپ حسب الحکم اُسی وقت بقصد مدینہ گھر سے باہر نکل جاتے ہیں۔ پھر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنا وقت کہاں رہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں ان کو اس امر کی اطلاع دیں۔ رفاقت ومشارکت سفر کی بشارت پہنچائیں۔ سفر کرنے کا صلاح ومشاورت ہوا۔ راحلہ اور زادراہ کے انتظام درست ہوں۔ گھر کے دونوں پروردہ ناقے پیش ہوں۔ قیمت چکائی جائے۔ بقول واقدی ناشتہ کے لیے ایک پوری بکری کا گوشت بھونا جائے اور ساتھ کیا جائے۔ ان تمام افسانہ

تراشیوں کو اسی وقت کی حالت اطراب اور عالم انتشار۔ حکم الہٰی کے فوری نزول اور اس کی فوری تعمیل کی مصلحت خاص ہے جس سے صرف حفاظت جان رسولؐ مقصود تھی۔ کوئی مناسبت اور کوئی تعلق نہیں پایا جاتا ہے۔ اور کیا کوئی سر میں دماغ اور دماغ میں عقل رکھنے والا شخص کبھی ایسا گمان بھی کر سکتا ہے کہ جس امر عظیم کو مدبر قدرت نے اس استحفاظ اور رازداری سے مخفی رکھا ہو کہ وقت نزول حکم تک اس کی اطلاع رسولؐ کے جیسے امین و رازدار کو نہ کی ہو۔ اور نزول حکم کے ساتھ فوری تعمیل کی تاکید بھی فرمادی ہو اور راز عظیم اس بے پروائی، بے باکی اور آزادی سے طشت از بام کیا جائے۔

جب طالبان تحقیق اس راز عظیم کی اہمیت کو ایک طرف رکھتے ہیں۔ اور بخاری صاحب کی زبانی اس کی عملی صورت کو دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اور مصلحت خداوندی اور مناسبت وقتی کو پیش نظر رکھ کر مقابلہ کرتے ہیں تو اس صاف صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تمام فسانہ سازیاں اور افترا پردازیاں صرف حضرت ابوبکرؓ کی مدح سرائی اور مرتبہ افزائی کی غرض خاص سے کی گئی ہیں۔ ورنہ ان موضوعات کی نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ ان مصنوعات کی کوئی حقیقت۔

سب سے زیادہ حسرت وعبرت تو اسلام کے ان علمائے کبار کی ناعاقبت اندیشی پر یہ ہے کہ جو واقعہ قرآن مجید کے الفاظ زبانی میں بایں صراحت مذکور ہو اس کو بھی یہ حضرات ایسی رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ ان کی تمام تفصیل و بیان فسانہ عجائب کی داستان معلوم ہوتی ہے۔

خداوند عالم اس واقعہ کو سورۂ انفال میں بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۳۰

جس وقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کرلیں یا قتل کردیں یا خارج البلد کردیں اور وہ مکر کرتے تھے اور خدا ان کے مکر کا جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے ماکرین کا۔

مشرکین کے جواب مکر میں جب مدبر قدرت اس عجلت وسرعت کے ساتھ اپنی حکمت وتدبیر کو عمل میں لا رہا ہے تو پھر اس وقت اتنی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے اور اتنا موقع کہاں ہاتھ آتا ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں مشورہ فرمائیں یا سامان سفر وغیرہ درست کرائیں۔ بلکہ تدبیر الہٰی کا مقتضا دمدعا تو اس قدر تھا کہ آپ حضرت علیؑ کو بستر مبارک پر سلا کر دولت سرائے عالی سے جتنا جلد ممکن ہو نکل جائیں اور آئندہ اپنے تمام معاملات کو تدبیر الہٰی کے حوالے فرمائیں۔ نعم المولی ونعم النصیر خدا ہی سب سے اچھا رفیق اور سب سے بہتر مددگار ہے۔ یہی شان رسالت بھی تھی اور یہی شایان رسالت بھی۔ جیسا کہ معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا اور مفصلہ ذیل عبارت سے اور بھی بالتفصیل معلوم ہو جائے گا۔

و خلف علیا بمکۃ حتی یودی عنہ الودایع التی قبلھا و کانت الودایع یودع عنہ

لصدقه و امانته و یاب المشرکون لحرمون علیا فی فراش رسول الله صلعم یحسبون انه النبی فلما اصبحوا انا رمالیه فراد علیا فقال این صاحبك قال لا ادری فافتقوا اخره وارسلوا فی طلبه۔ معالم التنزیل، ص 281

حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام کیا کہ جو امانتیں حضرت صلعم کے پاس لوگوں کی تھیں ان کو ادا کریں کیونکہ آنحضرتؐ کے صدق و امانت پر اعتبار کر کے لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے اور مشرکین فرش رسول اللہ پر علیؑ کا پہرہ دے رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی نبیؐ خدا ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سب کفار ادھر متوجہ ہوئے، چادر اٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب ہیں۔ پوچھا تمہارے آقا کہاں گئے فرمایا ہم نہیں جانتے تو سب لوگ حضرت کا نشان لگاتے ہوئے چلے اور لوگوں کو حضرت کی جستجو میں روانہ کیا۔

ہم نے قرآن اور تفسیر دونوں کی عبارتوں کو لکھ دیا۔ اب ان عبارتوں کو بخاری صاحب کی نو تراشیدہ مضامین سے ملایا جائے تو صاف طور سے ظاہر ہو جائے گا کہ اس واقعہ کے متعلق تفسیر قرآن کی عبارت مکر کفار کے جواب میں صرف تدبیر الٰہی اور حضرتت علیؑ کی ایثار نفسی کے واقعات بیان کرتی ہے۔ بخلاف اس کے بخاری صاحب حضرت ابوبکرؓ کی مدح وثنا کی داستان سنائے جاتے ہیں۔ حقیقت واقعہ کی اصلی صورت کو چھپائے جاتے ہیں۔ اور تمام وکمال واقعات میں حضرت علیؑ کی ان عدیم المثال اور فوق الکمال خدمات کا کہیں ذکر بھی نہیں کرتے۔ نام بھی نہیں لیتے اب تو تمام اسلامی دنیا نے بخاری صاحب کی خود غرضانہ جانبداری اور طرف دارانہ قلمگاری کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا۔ اب اس روایت بخاری کے دوسرے موضوعات کے انکشافات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

اسی روایت کا دوسرا طریقہ اسناد

بخاری صاحب باب الہجرت میں دوسری روایت یوں شروع کرتے ہیں قال ابن شہاب اسناد ندارد، کہاں ابن شہاب (غالباً امام زہری) کہاں زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اب سوال یہ ہے کہ بخاری نے کس سے سنا خیریت سے آپ تو ابن شہاب یا زہری کے وقت میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ابن حجر صاحب شارح بخاری کو جب کچھ کہتے سنتے نہ بنا تو بالآخر مجبور ہو کر اس کی شرح میں لکھ دیا بالاسناد المذکور یعنی اسی سند سابقہ سے جو اوپر والی روایت میں مذکور ہے۔

سوائے اس کے حقیقتاً جواب ہی کیا تھا؟ اگرچہ سیاق وسباق عبارت سے کتنا ہی خلاف ہو لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس جواب پر بھی کوئی دلیل نہ لا سکے کیونکہ بخاری کی عادت معلوم ہے۔ وہ اکثر روایات مقطوع لاتے ہیں تو پھر ابن حجر باسنادہ المذکور کیسے لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر اسی کی شرح میں خود لکھتے ہیں و قد افرد عائذ فی المغاذی من طریق الولید بن محمد عن الزهری کہ عائذ نے معاذی میں اس کو بطور افراد ذکر کیا ہے بواسطہ ولید بن محمد کے زہری سے اور روایت زیر بحث میں راوی دوسرا ہے۔ تو پھر انہیں کی

تحریر واقرار کے مطابق باسناد المذکور کا لکھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے اور اس لیے بخاری کی یہ اور اس سے پہلی والی حدیث کیسے ایک ہوسکتی ہے۔ اسناد کے اعتبار سے روایت کی مقدار تو اتنی معلوم ہوئی اب واقعہ کی حقیقت وصداقت بھی ملاحظہ ہو۔

قول انما هم اهلك۔ قال انما هم اهلك۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کے اذن طلبی کے جواب میں کہا (چلے آیئے)

خلاف واقع ہے

سب آپ کے اہل ہیں۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ خیر حضرت عائشہؓ سے تو نکاح ہو چکا تھا اور وہ زوجہ کی تعریف کے اندر آ چکی تھیں۔ مگر اسماء بنت ابی بکرؓ کیونکر آنحضرت صلعم کے اہل میں کیسے داخل ہوسکتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے اصل خطاب سے تو بخاری صاحب کا نقل جواب زیادہ تعجب انگیز ہے۔ حالانکہ علماء ومحدثین کے دیگر اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کبھی ان الفاظ میں آپ کو جواب ہی نہیں دیا (ملاحظہ ہو زرقانی جلد اول) یہ بخاری صاحب کی حضرت ابوبکر کی زائد از ضرورت مدح سرائی ہے جس نے ممدوح کی عظمت کو بڑھایا کیا اور بھی گھٹا دیا۔ حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام ابن عروہ وغیرہ اپنی روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا جواب صاف صاف ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔ و هما ابنتای میری دونو بیٹیاں ہیں جو ہر طریقہ اور قرینہ سے بالکل مناسب اور فی الواقع ہے۔ اب صاحبان عقل وبصیرت خود تمیز کرلیں کہ بخاری کی روایت موافق واقع اور مناسب حال ہے یا ہشام بن عروہ اور دیگر راویان حدیث کی حدیثیں امام بخاری کی یہ قلم کاریاں صرف حضرت ابوبکرؓ کی رسوخیت اور حضرت عائشہؓ کی خصوصیت کے اظہار کی بنا پر مبنی تھیں لیکن افسوس کہ وہ بھی پوری نہ ہوسکیں۔ ان کے ان طلسمی موضوعات کا پردہ فوراً دوسرے راویوں نے چاک کر ڈالا۔ اتنا تمہیداً و تنقیداً لکھ کر ہم اس روایت موضوعہ کی آئندہ حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

اونٹوں کا ہدیہ پیش کرنا

اونٹوں کے ہدیہ کے متعلق بخاری صاحب لکھتے ہیں قال ابو بکر فخذ بابی و امی انت یارسول اللہ الی اضرۃ حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، میرے دونوں انٹوں میں سے ایک اونٹ لے لیا جائے۔ ابن حجر صاحب اس پر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

و اذا ابن اسحاق قال لا ارکب نعیر لیس هو بی قال هولك و لکن بالثمن الذی اتبعتها به قال اخذتها بکذا و کذا قال اخذتها بذلك

ابن اسحاق نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہم اُس اونٹ پر نہ سوار ہوں گے جو ہمارا مال نہ ہو۔ ابوبکرؓ نے کہا وہ تو آپ ہی کا ہے حضرتؐ نے کہا بشرطیکہ وہ قیمت لے لو جس قیمت پر تم نے لیا ہے ابوبکرؓ

نے کہا ہم نے اس قیمت پر لیا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اچھا ہم نے اس قیمت پر لیا۔
دوسری روایت امام طبری کی ہے، اسما بنت عمیس سے۔ اس میں یوں بیان ہے کہ حضرت نے ابوبکرؓ سے جواباً یہ ارشاد کیا کہ ہم بقیمت لے سکتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا اگر چاہو تو قیمت دے دیجئے۔
امام واقدی کا قول ہے کہ قیمت آٹھ سو دینار ہوئی اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کا نام قصویٰ ہے۔ بغم بنی قشیر سے جو آنحضرت صلعم کے بعد تک زندہ رہی۔ لیکن ابن اسحاق بتلاتے ہیں کہ وہ ناقہ جذعا تھا جو اہل بنی جریش سے تھا۔ امام ابن حبان کا بھی یہی نظریہ ہے۔
شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی اس کے متعلق مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

ابو بکر راد و شتر بود کہ یچہار صد درم و در ردایتے بشتصد درم خریدہ دو رمدت چہار ماہ آنرا علف دادہ فربہ ساختہ نگاہداشتہ بود ہر دو را پیش آوردہ تایکے را آنحضرتؐ قبول فرماید۔ فرمود قبول کردم الا بشرطیکہ ابتیاع پس پنصد درم آن ناقہ راازابو بکر صدیق خرید۔ و اما انکہ حکمت درخریدن ناقہ از ابو بکر صدیق باوجود نہایت صدق و اعائے اتحاد و سابقاً انفاق ابو بکر صدیق اموال کثیر را برآنحضرت صلعم آن بود کہ نخواست کہ درراہ خدا استمداد واستعانت از کسے جوید۔ چنانچہ خلاصہ اشارہ آیہ لا تشرک بعبادۃ ربہ احدا انا طراست۔ مدارج النبوۃ جلد دوم، ص 74

حضرت ابوبکر کے دو اونٹ تھے جن کو انہوں نے چار سو درہم پر اور بروایتے آٹھ سو درہم پر خریدا تھا۔ اور چار مہینوں تک چارہ وغیرہ کھلا کر خوب تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس موقع پر دونوں کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں انہیں قیمت دے کر البتہ قبول کر سکتا ہوں۔ پس نو سو درہم پر آنحضرت صلعم نے ان کو حضرت ابوبکرؓ سے خرید لیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے باوجود ان کی سومنیت اور اعتماد و سابقہ اتحاد و انفاق اموال وغیرہ کی بلا قیمت نہیں لیا۔ خرید لینے میں حکمت یہ تھی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی استمداد و استعانت قبول کریں۔ چنانچہ آیہ وافی ہدایہ (اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو اپنا شریک نہ بناؤ) میں اس کی طرف خاص اشارہ موجود ہے۔

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے اس واقعہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شرکت فی العبادت میں اس درجہ

خرم واحتیاط ثابت ہوا اور اس بنا پر شاہ عبدالحق صاحِ آیہ قرآنی سے اس عمل رسولؐ کی مطابقت فرما کر صدائے احتجاج و استدلال بلند فرمائیں۔ بخلاف ان کے بخاری صاحب اور ان کے ایسے مدح سرایانِ حضرت ابوبکر خاص اقوال و افعال رسول صلعم سے حضرت ابوبکر کی ان امور عبادت میں شرکت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ اور اپنے موضوعات و مصنوعات کے سر بفلک طوفان اٹھائیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خالص توحید کی تعلیم کے متعلق معلم اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے امور میں بھی شرک کے تمام شعبوں سے بچنے اور احتیاط کامل رکھنے کا جس تاکید کے ساتھ حکم فرمایا ہے وہ جمہور کا مسلمہ ہے اس اصول مسلمہ کے خلاف نعوذ باللہ وہی نفس قدسی برکت خود اپنی اس خالص عبارت میں کیسے کسی دوسرے کی شرکت کو گوارا فرما سکتا ہے۔ جو اس کی شان رسالت کے نقیض اور اس کی تعلیم و ہدایت کے خلاف واقع ہو۔ افسوس ہے کہ عقیدت منداں حضرت ابوبکر نے ان موضوعات کی ترکیب و ترتیب کے وقت حقیقت رسالت کو پیش نظر نہیں رکھا اور اس کے وقار و عظمت کو قابل اعتبار نہ سمجھا۔ بخاری کی غلط نگاری سے جہاں رسالت کی نقیض و منافی اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔ وہاں ایک امر مفید بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی کرشمہ قدرت ہے کہ بخاری نے ایسی روایت لکھ دی جس سے ہمیشہ کے لیے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکرؓ کے بار احسان سے سبکدوشی مل گئی۔ اگر وہ بنظر عقیدت حضرت ابوبکرؓ ادائے قیمت کی شرط اپنے طومار موضوعات میں نہ لکھتے تو ان کا کوئی کیا کر لیتا ان کا صاف صاف لفظوں میں اس شرط کو لکھ دینا تمام خالص مسلمانوں کی منت گزاری کا باعث ہے۔ اس کے اندراج سے آنحضرت صلعم کے استغنا توکل صبر و رضا جو خاص اوصاف رسالت تھے پورے طور سے معلوم اور ثابت ہو گئے کہ آپ باوجود اس مصیبت کے کہ گھر سے بے یار و مددگار اور بلا ساز و سامان نکلے۔ مگر تاہم یہ کسی طرح گوارا نہ فرما سکے کہ کسی کا اونٹ بلا قیمت یا مستعار لے کر خدا کی راہ میں دو قدم بھی راستہ طے کیا جائے۔

جس رسول برحقؐ نے اپنے عم نامدار (ابی طالب) کے بار احسان کو بھی حضرت علیؑ کو اپنی تربیت و پرورش میں لے کر) اپنے ذمہ باقی رکھنا جائز نہ رکھا۔ حالانکہ درحقیقت وہ کوئی بار نہ تھا۔ بلکہ باپ کے بعد چچا کے فرائض میں داخل تھا بھلا وہ ایسے شخص کا کیونکر احسان قبول کر سکتا تھا جو خود اپنی قوم اور قبیلہ میں کوئی امتیاز خاص نہیں رکھتا تھا۔

جس رسول غیورؐ نے (ابی سلول) کے ایک کرتہ کا احسان جو آپ کے ایک عم نامدار (حضرت عباس) کے ساتھ کیا گیا تھا اپنے ذمہ باقی نہ رکھا اور اس شخص معطی کو اپنے پیراہن کا کفن دے کر اتار پھینکا۔ بھلا وہ یہ احسان کیسے لے سکتے تھے۔

بہر حال جب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کے جیسے عالم فاضل اور محقق کامل کو اس کا اقرار ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ میں کسی کی امداد و اعانت کو قبول کریں۔ اس لیے حضرت ابوبکر سے بلا قیمت ناقہ نہ لیا تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہرگز آنحضرت صلعم نے بطیب خاطر حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا کیونکہ ساتھ لے کر کسی کو غار میں جانا یقیناً لا تشرك بعبادة ربه احداً کا منافی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایسا شرک ہے جو ان الشرك لا يغفر کا مترادف ہے۔ کیونکہ جس امر کو خداوند عالم نے ایسے راز میں رکھا کہ سوائے رسولؐ کے اور اس کو بھی عین وقت پر اور کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا اس کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ امین رسالت نے اس سر الٰہی کو یوں فاش کر دیا ہوگا۔

ان قرائن اور نیز خود بخاری کی روایت کی بدولت اب اس روایت کی موضوعیت واضح ہوگئی کیونکہ جب بلا قیمت کسی کا اونٹ لینا گوارانہ ہوا اور منافی الاتشرك بعبادة ربه احدا سمجھا گیا تو اسی راہ خدا کے کاموں میں کسی دوسرے کو بالقصد والا رادہ ساتھ لینا جو توجہ اور استغراق الی اللہ میں فرق ڈالنے کا باعث ہو۔ بالکل خلاف آیہ مذکورہ ہے اور صریح مخالف عقل اور منافی حقیقت ہے۔ اس مخالف عمل کا عامل خود رسول اللہؐ کی ذات مبارک بتلائی جاتی ہے۔

بخاری صاحب کی قلم کاریوں کی کن کن اداؤں کی تعریف کی جائے۔ آپ کی موزونیت بیان کی۔ یا مناسبت مقام اور حقیقت کلام کی۔ اسی اونٹ والے قصہ میں آنکھیں بند کر کے یہ عبارت لکھنے کو تو لکھ گئے۔ وعلف راحلتين كانتا عنده ورق السمرة وهو الخبط اربعة اشهر۔ یعنی حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں اونٹوں کو چار مہینوں تک ببول کے پتے کھلائے۔

سب کو جانے دیجیے ایک ابن حجر نے جن سے بڑھ کر بخاری کا متعقد و موید ہونا دشوار ہے ان کے اس جملہ میں تین اعتراض وارد کیے ہیں اول یہ کہ ورق سمرہ کی شرح زہری نے کی تھی۔ خبط بخاری نے اس کو بھی جز و روایت بنا کر داخل حدیث اور مندرج صحیح کر دیا۔ حالانکہ یہ خاص الخاص زہری کا قول ہے۔ نہ حضرت عائشہ اور نہ عروہ اصل راویان حدیث کا۔ دوسرا اعتراض ہے کہ چار مہینہ کی مدت بیان کی کہ چار مہینوں تک اونٹ کو چارہ کھلاتے رہے۔ وقد تقدم فی اول الباب ان بين العقبة الثانية وهجرته شهرين و بعض شهر على التحرير پہلے باب میں مذکور ہو چکا ہے کہ عقبہ ثانیہ اور ہجرت آنحضرت صلعم میں صرف دو مہینوں یا ایک مہینہ بنا بر بعض مدت ہوئی۔ پھر بخاری صاحب کے یہ چار مہینے کہاں سے آ گئے۔

اسی طرح خریداری شتر میں ایک نکتہ یہ بھی سب سے زیادہ لطیف ہے اور قابل دید۔ شاہ عبدالحق صاحب کی اوپر عبارت لکھ دی گئی ہے جس میں یہ عبارت صاف صاف موجود ہے۔ ''ابو بکرؓ رادو شتر بود که چهار صد درم دو ر روایتی بهشتصد درم خریده۔ چهار ماه آنرا علف داده بر دورا پیش آورده تاریکے را آنحضرت قبول فرماید۔ فرمود قبول کر دم و لیکن بشرط ابتیاع پس به نهصد درم آن ناقه را از ابو بکرؓ خرید۔ اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ ان اونٹوں کی اصلی قیمت ایک روایت سے چار سو درہم اور دوسری روایت سے آٹھ سو درہم۔ اب تا یکے را آنحضرتؐ قبول فرماید۔ کی عبارت نے صاف کر دیا کہ ایک ناقہ کی خریداری کی گئی اور یہی حضرت ابوبکرؓ کی خواہش بھی تھی۔ اور ضرورت و مناسبت وقت بھی بتلاتی ہے۔ غرض مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک ناقہ خریدا۔ لیکن بہ نهصد درم آن ناقه را از ابوبکرؓ خرید۔ کی تصریح نے ثابت کر دیا کہ نو سو درہم پر وہ ناقہ خریدا گیا۔ اب دیکھئے اگر چار سو درہم والی روایت صحیح ہے جس میں منقول ہے کہ چار سو میں دونوں ناقے خریدے گئے تھے اور ان کا ایک ناقہ رسول اللہ صلعم کے ہاتھ نو سو درہم پر بیچا گیا تو گویا چوگنی قیمت سے بھی زائد لی گئی۔ اور اگر آٹھ سو درہم والی روایت پر اعتبار کیا جائے تو ایک ناقہ کی اصلی قیمت چار سو درہم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم سے چار سو کے بدلے نو سو پورے گنوائے گئے۔

اور اگر کوئی عقل سے خالی یہ کہے کہ نہیں دونوں ناقوں کی خریداری کی گئی تھی۔ حالانکہ ایسا دعویٰ سراسر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے لیکن بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ اس محسن عالم نے دونوں ناقے خریدے۔ ایک اپنے لیے رکھا اور

ایک حضرت ابوبکرؓ کو دے دیا۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کا اوپر ہی اوپر سودرہم کا نفع پا جانا ثابت ہوتا ہے اور سواری الفت۔

کیا حضرت ابوبکرؓ کے خلوص عقیدت اور محبت رسولؐ کا یہی تقاضہ تھا کہ ایسی مصیبت میں بھی رعایت ومروت کی جگہ رسول اللہ صلعم سے نفع کا لین دین کیا جائے کیا حسن رفاقت ہے اور کیسی اچھی صدیقیت۔

اس سلسلہ میں امام جلال الدین السیوطی تفسیر درمنثور جلد دوم صفحہ 240 میں لکھتے ہیں۔

فمکث هو و ابو بکر فی الغار ثلثة ایام یختلف الیهم بالطعام عامر بن فهیره و علی یجهز هم فاشتروا ثلاثة اباعیر من اهل البحرین و استا جر لهم دلیلا فلما کان بعض اللیل من اللیلة الثالثة اتا هم علی بالا بل والدلیل ورکب رسول الله ورکب ابو بکر اخری فتوجهوا نحو المدینة

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر تین روز تک غار میں ٹھہرے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کے لیے کھانا لاتا اور علیؑ اُس (کھانے کا) سامان کرتے رہے پس آپ نے (علیؑ نے) تین اونٹ بحرین کے اونٹوں میں سے خریدے اور ایک راہ نما کو اجرت پر مقرر کر دیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گزرا تو حضرت علی اونٹ اور راہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول اللہ صلعم اور ایک اونٹ پر ابوبکر سوار ہوکر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرقومہ بالا روایت نے تو سرے سے بخاری صاحب کی تمام تمناؤں کا خون اور ان کے نیرنگ مضمون کو بالکل دگرگوں کر دیا۔ حقیقت کا انکشاف اور تمام موضوعات ومصنوعات کا مطلع صاف ہو گیا تاریکی کا پردہ اٹھتے ہی حقیقت بین نگاہوں نے دیکھ لیا کہ جس طرح نہ رسول اللہ صلعم قبل از ہجرت حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ نہ مشاورت ہوئی۔ نہ ان کو ساتھ لیا۔ اسی طرح نہ اونٹ پیش کیے گئے۔ نہ خرید لے گئے اور نہ کوئی راہنما مقرر کیا گیا۔ اور نہ زاد راہ وغیرہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہمراہ کیا گیا۔ ان تمام ضروریات سفر کا انتظام اسی نفس قدسی کے سپرد کیے گئے جو خدا کے آگے راز دار قدرت ثابت ہو چکا تھا اور جس کی امانت وحمایت میں رسول اللہ صلعم کی جان اس کے استحفاظ کی اصلی ترکیب اور ہجرت کا راز سپرد کیا گیا تھا۔ اور اسی نے تن تنہا ہو کر بفضل شہنشاہ رسالت کے استحفاظ جان کے ساتھ آپ کے آرام سفر کے بھی تمام انتظام درست فرمائے اور وقت موعودہ پر ان کو آپ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور جو رفیق قدیم شعب ابی طالب کے درہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آب وطعام کا انتظام کرتا رہا (دیکھو رسالہ نقیب ابوجعفر اسکافی) وہی غار ثور میں بھی آپ کو آب وغذا بھجواتا رہا۔ جناب رسول رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو صرف اپنی جان کا فدیہ بنا کر تھوڑے ہی چلے گئے تھے۔ بلکہ اس راز دار قدرت اور فدیہ رسالت کو اپنی اور اس کی حفاظت جان کا یقین دلا کر اور اپنے تمام امور متعلقہ ادائے امانت واموال اہالیان مکہ حفاظت پردگیان عصمت زاد وراحلہ سفر غرض جملہ سامان وضروریات کی

فراہمی و درستی کے انتظام حوالے اور سپرد فرمائے گئے تھے۔ اس بنا پر جو کچھ جناب علی مرتضیٰؑ نے انجام دیا وہ حرف بحرف حکم رسول اللہ تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد دوم کی مفصلہ ذیل عبارت:

وارسل الی بطعامٍ و استاجرلی دلیلا یدلنی بطریق المدینۃ واشترلی راحلۃ ثم مضی رسول اللہ صلعم واعمی اللہ ابصار الذین کا نوابر صدونہ عنہ و خرج علیھم رسول اللہ صلعم۔ طبری جلد دوم، ص 1244 مطبوعہ مصر۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانب غار روانہ ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰؑ سے ارشاد فرمایا کہ ہمیں کھانا بھیجا کرنا۔ اور ایک راہ نما کو اجرت پر مقرر کرنا جو مجھے مدینہ کی راہ پر لے چلے۔ اور ایک سواری ہمارے لیے خرید لینا۔ یہ کہہ کر آپ روانہ ہوئے۔ اور خدا نے کافروں کو اندھا کر دیا۔

اب تو واقعہ ہجرت کے ان تمام طومار موضوعات کا پورا انکشاف ہو گیا۔ جو حقیقتاً عہد معاویہ کے مصنوعات ہیں جو امیر صاحب کے شاہی فرامین اور سلطنت کے حکم و آئین کے ذریعے سے تیار و مرتب کیے گئے تھے۔ اور جن کی ترتیب و تدوین میں خزانوں کے خزانے لٹائے گئے تھے بخاری پر منحصر نہیں۔ سواد اعظم کے تمام علمائے سلف تقلید عقائد کے پیچھے پڑ کر انہیں موضوعات کے ریزہ چین ہیں۔ چونکہ ان مرویات موضوعہ میں درجات و خدمات حضرت علی مرتضیٰؑ کا استیصال یا کم سے کم ان کے مماثل واقعات کا بیان کرنا معاویہ کے فرمان شاہی کے ذریعہ سے ہر راوی کا فرض اولین تھا۔ (دیکھو کتاب) الاحداث امام ابوالحسن مدائنی) اس بنا پر واقعہ ہجرت کے متعلق جتنی مرویات صحیح طور پر حضرت علی مرتضیٰؑ کی خدمات و درجات کا اظہار کرتی تھیں۔ وہ بالکل دفتر اصل ونقل سے کالعدم کر کے اس کے مماثل موجودہ موضوعات تیار کر دیے گئے اور معاون سلطنتوں نے اپنے استحکام سلطنت کی ضرورت سے انہیں کے اجرا و نقل میں برابر تائیدیں بھی کیں اور تاکید بھی۔ لیکن استخفاف حقوق کے اتنے انتظام کے بعد بھی حقیقت کے نور اور اصلیت کے جوہر نہ چھپنے والے تھے نہ چھپے۔ حقیقت حال اکثر کتب معتبرہ میں اس وقت سے لے کر اس وقت تک برابر نقل و اندراج ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہے گی جیسا کہ ہمارے حوالہ مندرجہ بالا سے ثابت ہو چکا۔

مسئلہ زیر بحث میں ہم اس سے زیادہ اپنا وقت رائیگاں کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ابھی تو ہجرت کے ان موضوعات کے کتنے میدان پڑے ہیں جن کے خس و خاشاک اپنے مقام پر صاف کیے جائیں گے۔ واقعات ہجرت کی اولین مرویات کی تنقید کو تمام کر کے ہم اپنے آئندہ بیان کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

فرش رسولؐ پر علی علیہ السلام کا استقلال

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار میں کچھ رات رہے، جناب رسول خدا صلعم کے متعلق یہ کہنا کہ آپ پر کوئی اضطرابی عالم طاری تھا۔ بالکل منافی شان رسالت ہے اس لیے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے آپ کو آپ کے استحفاظ جان کا یقین کامل دلا دیا گیا۔ پھر یقین کے بعد اس کے متعلق تامل وتزلزل ذات رسولؐ سے بالکل ناممکن الوقوع ہے۔ اس بنا پر جو مرویات ان امور کا اظہار کرتی ہیں وہ عام اس سے کہ کیسی ہی صحیح سے صحیح حدیث کی کتاب میں نہ ہوں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

الغرض آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار میں تشریف لائے اور خدا کا نام لے کر اور اس کی تنہا حمایت ورفاقت پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں، صبح ہوگئی۔ ظلمہ وقت جو سر شام سے خانہ رسالت کا محاصرہ کیے تھے ایک باری خواب گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے کیفر کرداریوں کی تعمیل کے شوق میں سونے والے کے منہ سے جسے وہ یقیناً رسول اللہؐ سمجھے ہوئے تھے۔ ردائے سبز کا گوشہ ہٹایا تو

مصطفیٰ کی جا پہ نفس مصطفیٰ سوتا ملا

اس مشاہدہ کے بعد کفار کی قسمتوں میں حیرت، حسرت اور ناکامی کے سوا تھا ہی کیا۔ شرم وخجالت مٹانے کی غرض سے حضرت علی مرتضیٰ سے پوچھا تمہارے صاحب (آقا) کہاں گئے۔ جواب ملا۔

قال لا ادری اور قیبا کنت علیہ طبری 1234۔ میں نہیں جانتا کیا تم ان کو میرے سپرد کر گئے تھے جو پوچھتے ہو۔

صحیح نسائی میں ہے کہ حضرت علیؑ پر تیر چلائے گئے۔ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا مندرجہ بالا جواب سن کر کفار نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اور خانہ کعبہ میں تھوڑی دیر تک بٹھلائے رکھ کر چھوڑ دیا۔ طبری، ص 1232

یہ تمام روایتیں اگرچہ مختلف الفاظ وعبارت میں مذکور ہیں لیکن مدعا سب کا ایک ہی ہے یعنی حضرت علی کی پاداری استقلال اور کمال رازداری کا اظہار عام اس سے کہ آپ پر کیسی ہی اور کتنی ہی تکلیف جسمانی نہ پہنچائی گئی ہو لیکن تاہم اس حقیقی جان نثار اور سچے راز دار نے رسولؐ کا نشان نہ بتلایا۔ بلکہ ان کے سوال کرنے پر ایسا مسکت جواب ارشاد فرمایا کہ اُن میں پھر کسی ایک کو بھی بار دیگر تحریک و تعریض کی مطلق جرات نہیں ہوئی۔ یہ ہے اس مجاہد فی سبیل اللہ کے کمال استقلال کی عدیم النظیر مثال۔

انبیائے سابقین اور امم ناجلین کے حالات پر عبور رکھنے والے حضرات جناب عیسیٰ ابن مریم کی گرفتاری والی روایت میں ان کے حواری یہودا کے کردار واطوار سے پوری اطلاع رکھتے ہیں جس نے محض تیس روپیوں کے لالچ میں پڑ کر دشمنوں کی خونخوار جماعت کو آپ کے قیام اور اس مقام کا پورا نشان بتلا دیا۔ جہاں آپ ان خونخواروں کے خوف سے حکم خدا کے مطابق پوشیدہ تھے کیا کوئی عیسائی محمد (صلعم) کے اس جان نثاری کے اس استقلال ورازداری کی مثال، حواریوں عیسیٰ میں پیدا کر سکتا ہے؟ یہود پر منحصر نہیں ہم نے تو شمعون اور فطرس کی جان نثاری اور استقامت و پاداری کی حقیقت بھی دکھلا کر پوری اور مفصل بحث کے ساتھ سراج المبین فی تاریخ لا میر المومنین

جلد اول میں قلم بند کردی ہے۔ جو ان مقاصد کے موضوع خاص پر لکھی گئی ہے۔

بہر حال باتفاق جمہور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن تک غار ثور میں مقیم رہے۔ اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام حسب الحکم چاروں دن برابر آب و طعام نہایت راز داری اور ہوشیاری سے پہنچاتے رہے چار دن گزر جانے کے بعد حسب الہدایت سواری کے اونٹ اور راہبر بھی وقت مقررہ پر بھیج دیا گیا۔ ان حالات کے متعلق ہم جناب رسول خدا صلعم کے ہجرت فرمانے اور غار ثور تک صحیح و سلامت پہنچ جانے تک کے تمام حالات بیان کر چکے۔ اب ہم اس سے آئندہ کے واقعات شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں لکھتے ہیں:

غار میں حضرت ابوبکرؓ کی گریہ وزاری

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلعم کی جگہ پلنگ پر جناب امیرؑ تھے ظالموں نے آپ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے منہ تک آ گئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معناً۔ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو باوجود اس کے کہ ہجرت کے متعلق اتنے قبل سے ہر قسم کی اطلاع و حقیقت معلوم تھی۔ اور بشارت نبویہ کے مطابق اس کا بھی یقین ہو چکا تھا کہ مدبر قدرت نے استحفاظ جان کی غرض خاص سے یہ تدبیر اختیار کی ہے اور اس طریقہ سے آپ حقیقی طور پر ظلم و جفائے کفار سے بالکل محفوظ و مصئون رہیں گے۔ لیکن تاہم یہ اضطرار و بے قراری یا گریہ وزاری ان پر طاری تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مآثر صدیقیت پر عناصر بشریت ضرورت سے زائد غالب تھے۔ بخلاف آپ کے اس جان نثار شیدائی اور وفادار فدائی کے حال پر غور کیا جائے جو فرش رسول پر کفار کی خونخوار تلواروں کے نیچے خاموش لیٹا ہوا شام سے صبح تک آرام سے سوتا رہا۔ حالانکہ ان سے زیادہ اس کی جان خطرہ میں تھی۔ اور اس طولانی عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی بے قرار نہ ہوا۔ حالانکہ واقعات یہ بتلا رہے ہیں کہ حضرت علیؑ کی طرح بقول شبلی صاحب حضرت ابوبکر کو بھی ہجرت کے تمام واقعات معلوم تھے لیکن حضرت ابوبکر بے قرار ہو جاتے ہیں اور ایسا کہ رسول صلعم کو اطمینان دلانے اور چپ کرانے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ مگر حضرت علیؑ باوجود اتنے خطروں کے بھی نہ بیتاب ہوتے ہیں اور نہ بے قرار، نہ آپ پر حسرت و یاس کا اثر ہوتا ہے اور نہ اضطراب والتہاب کا احساس حقیقت شناس محققین اسی ایک واقعہ سے دونوں بزرگوں کے استقلال ثبات اور پائیداری کے فرق مابہ الامتیاز معلوم کر سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر اور رسول اللہؐ کی خدمت

چوتھے دن آپ غار سے نکلے عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا۔ وہ آگے آگے رستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن رات برابر چلے گئے دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے چاہا کہ رسول

اللہ صلعم سایہ میں آرام فرمالیں چاروں طرف نظر ڈالی ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھائی۔ آنحضرت صلعم نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے کہا کہ ایک بکری کا تھن گردو غبار سے صاف کر دے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دھوایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پی کر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ سیرۃ النبی، ج 1

اس روایت کو حضرت ابوبکر کی سیرت میں لکھنا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنی ضرورت خاص سے سیرۃ رسول صلعم میں اس کو ضم کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف بخاری کے تنہا اسناد سے کام لیا۔ اور تاریخ وسیرت کے کسی اور ماخذ کو نہ دیکھا جن میں کہیں اس کا نام ونشان نہیں ہے۔ یہی وہ ضرورت اور مناسبت خاص ہے جس کی وجہ سے آغاز مقدمہ ہی سے صحیح بخاری کی مرویات کو تمام دنیا پر ترجیح دی گئی ہے۔ حالانکہ اس کی سراپا موضوعیت کی حقیقت تنقید بخاری جلد چہارم ص 14 میں ملاحظہ ہو۔

المختصر دنیائے تاریخ وسیرت میں اول تو اس روایت کا نام ونشان نہیں ہے۔ اگر کتب حدیث میں حسن عقیدت کی بنا پر اس کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ کے یہ حالات خادمانہ حقوق کی انجام دہی سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ موصوف الیہ کا اس وقت فرض اولین تھا۔ باقی رہا دوہنے والوں کے ہاتھوں کا دھلوا لینا اور برتن کے منہ پر کپڑا بندھوا دینا جن سے آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی طبیعت پر خاص طور سے استدلال فرمایا ہے تو یہ عموماً ہر صاحب تمیز وشعور کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ کوئی ایسی اعجوبہ روزگار یا خلاف فطرۃ بات نہ تھی جسے آپ خرق عادت سمجھ کر اس خصوصیت کے ساتھ اور اس تفصیل کے ساتھ لکھنے پر تیار ہو گئے۔ اس سے کہیں زیادہ مناسب مقام وہ روایت تھی جو قریب قریب تمام حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے۔ صاحب رحمۃ اللعالمین امام ابن قیم کی اسناد سے لکھتے ہیں:

واقعہ خیمہ ام معبد

غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ (پیغمبرؐ، ابوبکرؓ اور راہنما) کا گذر اُم معبد پر ہوا۔ یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ سرراہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر ستایا کرتے تھے۔ یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے۔ وہ بولی نہیں اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری بندھی دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں بندھی ہے اُم معبد نے کہا کمزور ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ نبی صلعم نے فرمایا اجازت ہے ہم اسے دُھ لیں۔ اُم معبد نے جواب دیا اگر حضور کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دھ لیں۔ نبی صلعم نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ چھلکنے لگا۔ دودھ آنحضرت اور آپ کے ساتھیوں نے پی لیا اور دوسری دفعہ پھر بکری کو دھویا اور یہ بھی ہمراہیوں نے پی لیا۔ تیسری دفعہ پھر برتن سیر گیا اور وہ ام معبد کے لیے چھوڑ دیا

گیا اور آگے کو روانہ ہوئے کچھ دیر کے بعد ام معبد کا شوہر آیا خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ام معبد نے کہا ایک متبرک شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودھ اسی کے قدوم کا نتیجہ ہے۔وہ بولا یہ وہی صاحب قریش ہے جس کی مجھے تلاش تھی اچھا تم ذرا اس کی توصیف (حلیہ) تو بیان کرو۔ام معبد نے نہایت مفصل طور پر آپ کا حلیہ بیان کیا۔تو اس کا شوہر سن کر بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش ہے میں جا کر اس سے ضرور ملوں گا۔

مکہ سے باہر کے بدوی لوگ غیر مسلم قبائل میں آنحضرت صلعم جو صاحب قریش کہتے تھے۔رحمۃ العالمین، ص 880-83۔شبلی صاحب نے ایسی مفصل روایت کی موجودگی میں ایک ایسے واقعہ کو قلم بند فرمادیا جو اصلاً موضوع اور نقلاً خلاف موضوع ہے نہ جس سے شان رسالت کا کوئی وقار قائم ہوتا ہے اور نہ کوئی اقتدار۔اسناد کے اعتبار سے ام معبد کی روایت اتنی مشہور اور متواتر ہے کہ تاریخ وسیرت کی کتابوں سے لے کر حدیث وتفسیر کی کتابوں میں مندرج ہے اور خود شبلی صاحب کی اعتبار کردہ تاریخ وحدیث کے قدیم ماخذوں میں کم و بیش طریقہ سے مذکور مسطور ہے۔طبری، ابن سعد، زرقانی، تاریخ الخمیس، ربیع الابرار وغیرہ تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

اب رہا یہ امر کہ ایسے مشہور واقعہ کو شبلی صاحب نے کیا سمجھ کر مرفوع القلم فرمایا۔اس کی صاف وجہ وہی آپ کی یورپین مصنفین کی تقلید اور اپنی موجودہ تالیف کو کسی نہ کسی طرح فلسفہ تاریخ سے مشہور کیے جانے کی امید تھی۔اس واقعہ میں چونکہ رسالت کے تاثر روحانیت معلوم ہوتے ہیں۔اس بنا پر آپ کے قدیم واہمہ نے کہ یورپین مصنفین آپ کے مضامین پر خلاف عقل ہونے کا اعتراض کریں گے۔اپنے قلم کو روک لیا۔دوسری وجہ یہ تھی کہ کسی خاص بزرگ کے کوئی تخصیصی حالات اس روایت سے نہیں ظاہر ہوتے تھے جن کے اندراج حالات سے آپ کو شغف خاص حاصل ہے اور جن کی اشاعت واقامت کی بنا پر اس طرز خاص کی سیرۃ النبیؐ مرتب کرنے کی آپ کو ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

امام ابن القیم نے تو اتنی ہی تفصیل پر اس روایت کو ختم کر دیا ہے لیکن تلاش وتحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے بھی اس طولانی واقعہ کے آخری حصہ کو کسی غرض خاص سے مرفوع القلم فرمادیا ہے۔ہم ان کے متروکہ حصہ کو تاریخ الخمیس کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

روی الزمخشری فی ربیع الا برار عن هند بنت الجون نزل رسول الله صلعم خیمة خالته ام معبد فقام من رقدته مذعا بما فغسل یدیه ثم تمخمض و مج فی عرسجه الی جانب الخیمة فاصبحنا و هی کاعظم دوحة و جاء ت بثمر کاعظم ما یکون فی لون الورس ورائحة العنبر و طعم الشهد ما اکل منها جائع الا اشبع و لا ظمان الاروی و لا سقیم الابری و لا اکل من ورقها بعیر و لا شاة الا در لبنها فکنا السیمها المبارکة و تیتا بنا مرا البرادی من یستسقی بها و یتز و د منها

حتے اصبحاذات یوم و قد تساقط ثم هاد صغر ورقها ففر عنار اعنا الانعی رسول الله صلعم ثم انها بعد ثلاثین سنة اصبحت ذات شوك من اسقلها الی اعلاها و تساقط ثم هماو ذهبت نضر تها مما شعرنا الا بقتل امیر المومنین علیؑ فما اثمرت بذلك و کنا تنقفع بورقها ثم اصبحنا و اذا بها و قد تبع من ساقها دم عبیط و قد ذے ورقه نیبنا نحن فرعون محمون ان اثافا خبر مقتل الحسین بن علی و یبست الشجرة علی اثر ذلك و ذهبت والعجب کیف لم یشتهر امر هذا الشجرة کما اشتهرا مر الشاة فی قصة هی اعلی القصص۔ جلد اول، ص 377

علامہ زمخشری (صاحِ تفسیر کشاف) ربیع الابرار میں ہند بنت جون سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلعم میری خالہ ام معبد کے خیمہ پر اترے تو حضرت کچھ خواب کرنے کے بعد بیدار ہوئے اور پانی طلب کر کے ہاتھ دھوئے اور کلی کی اور گوشہ خیمہ کی طرف ببول کا ایک چھوٹا سا درخت تھا۔ حضرت نے اپنی کلی کا پانی اُسی پر پھینک دیا۔ دوسرے روز وہ ایک عظیم الشان درخت ہو گیا اور نہایت بڑے بڑے پھل اس میں لگے۔ جو مدس کے رنگ کے تھے (مدس عرب میں خوشبودار گھاس ہوتی اور کپڑا رنگنے کے کام آتی ہے اس سے عنبر کی خوشبو آتی ہے اور اس کا مزا مثل شہد کے ہوتا تھا جسے بھوکا کھا لیتا تو سیر ہو جاتا تھا۔ اور پیاسا سیراب ہو جاتا اور بیمار شفا پاتا اور اگر اونٹ یا بکری اس کی پتی کھا لیتی تو ان کا دودھ زیادہ ہوتا۔ ہم لوگ اس کو مبارکہ کہتے تھے۔ اطراف و جوانب سے لوگ آتے اور اس سے شفا پاتے اور تبرک سمجھ کر لے جاتے۔ ایک روز صبح کو مبارکہ کو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پھول گرنے لگے اور اس کے پتے چھوٹے ہونے لگے۔ اس حالت سے ہم لوگوں کو بڑا خوف معلوم ہوا کہ اتنے میں خبر رحلت رسول خدا صلعم معلوم ہوئی اس کے تیس برس بعد کیا دیکھتے ہیں کہ جڑ سے ڈال تک اس میں کانٹے لگ گئے ہیں اور پھل سب گر گئے اور اس کی تازگی جاتی رہی اتنے میں خبر شہادت امیر المومنین علی آئی۔ پھر اس کے بعد اس درخت نے پھل نہیں دیئے۔ بلکہ صرف اس کے پتوں سے ہم لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ تھوڑے دنوں بعد کیا دیکھا کہ اس درخت کے سامنے سے خون تازہ جوش مار رہا ہے اور تمام پتے اس کے خشک ہو گئے ہیں اس اثنا میں حضرت امام حسین کی شہادت کی خبر ملی۔ بعد اس کے وہ درخت بالکل خشک ہو گیا اور تعجب

ہے کہ اس درخت کا قصہ کیوں نہ مشہور ہوا۔ حالانکہ بکری والے قصہ سے یہ بہتر قصہ تھا۔

ہم نے اس روایت کی پوری حقیقت لکھ دی ہے طالبان تحقیق بہ آسانی سمجھ لیں گے کہ اس کے نقل و استخراج میں اپنے اپنے مطلب کے مطابق علمائے ناقلین و متخرجین نے کس درجہ تک تلخیص اور قطع و برید کر کے اپنے مؤلفانہ تدوین کی شان کو قائم رکھا ہے اکثر نے تو اس کو سرے سے ذکر کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ بعض جو اس کو اس کی اہمیت کی بنا پر قابل ذکر سمجھے وہ صرف کرامت رسول صلعم تک اس کو لکھ کر رہ گئے۔ جیسے ابن القیم وغیرہ۔ انہیں میں اکثر ایسے منصف مزاج اور عدالت پسند بھی نکل آئے جنہوں نے تقلید اسلاف اور تائید عقائد کی پابندی سے قطع نظر کر کے اس کو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً لکھ دیا ہے۔ جیسا علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور علامہ حسین دیار بکری، صاحب تاریخ الخمیس

اب یہ دیکھنا ہے کہ اُن علما و محدثین کو بالآخر اس روایت کے پورے نقل کر دیتے میں کون سا وقت اور کون سی مجبوری سد راہ تھی؟ وجہ بالکل ظاہر ہے اور سبب بالکل صاف اور وہ یہ ہے کہ آخر حصہ روایت سے اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ موجودہ عقائد کے سراسر مخالف تھی کہ اس کو نقل کی جائے یا بیان کر کے اعلان کیا جائے اس لیے اس حصہ حدیث کو نسیاً منسیاً کر دینا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ کوشش تو یہ ہے کہ واقعہ ہجرت کے تمام دفتر کے ہیرو اکیلے حضرت ابو بکرؓ ہی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن افسوس سوچنے والے یہ نہ سوچے اور سمجھنے والے یہ نہ سمجھے کہ اس کے استخفاف سے صرف اہلبیت علیہم السلام کے فضائل ہی نہیں پوشیدہ ہوتے بلکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت بڑی کرامت بھی تو صفحہ روزگار سے مٹی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فضیلت اہلبیت اصلاً ہے کیا؟ فضیلت و کرامت رسول صلعم کا ایک خیرو۔

اس روایت کے استخفاف پر اتنا تعجب نہیں ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری صاحب نے تو اپنی صحیح میں فرش رسول اللہ صلعم پر حضرت علی مرتضیٰ کے سونے والے واقعہ کو بھی جو تمام اہل اسلام کا مسلمہ ہے نہ لکھا اور اس پر بھی ان کی کتاب صحیح کی صحیح ہے۔ بخاری کے خیال و تدوین کے ایسے خیال والے ناقلین حدیث اور مؤلین اخبار جب موجود ہوں۔ تب علامہ زمخشری کی یہ متعجبانہ شکایت کا کہ ایسی روایت جو اعلیٰ قصص ہے اور بکری والی روایت سے زیادہ مہتم بالشان اور ضروری البیان ہے کیوں نہ مرقوم کی گئی۔ کیا جواب دیا جائے۔ لیکن بات یہ ہے جیسا کہ ہم برابر اپنے سلسلۂ بیان میں دکھلاتے آئے ہیں کہ حقیقت اور اصلیت کسی کے مٹائے مٹی ہے اور کسی کے چھپائے نہ چھپی ہے۔ ابن القیم اور ان کے ہم خیال علما و محدثین کی ایک جماعت نے اپنی ضرورت خاص سے چھپایا۔ مگر پھر اس کی حقیقت انہیں کی جماعت میں سے علامہ زمخشری، امام قسطلانی اور زرقانی وغیرہم کے جیسے لوگوں کو کھینچ لائی جنہوں نے اس کو صرف تمام و کمال لکھا ہی نہیں بلکہ اس کے چھپانے والے اور نہ لکھنے والوں کی عدم تدوین کا پردہ بھی فاش کر دیا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

بہر حال جب امام بخاری اور علامہ ابن القیم کے جیسے استادان و نقادان فن نے اس حدیث کو نہیں لکھا تو غریب شبلی صاحب کس شمار و قطار میں ہیں۔ جو اس کی نقل پر جرأت کرتے۔ اس بنا پر ان کی سیرت بھی اس واقعہ کی صورت حال سے بالکل خالی ہے۔

سراقہ بن خشعم کا قصہ

اس کے آگے شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جوشخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر(یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔سراقہ ابن خشعم نے سنا تو انعام کی امید پر نکلے۔عین اس حالت میں کہ آپ(غار سے) روانہ ہو رہے تھے۔اس نے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا۔لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔وہ گر پڑا۔ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔جواب میں نہیں نکلا لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جائے دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا اب کی بار گھوڑے کے دونوں پیر گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔اب بھی وہی جواب تھا لیکن مکرر نتیجہ نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔آنحضرت صلعم کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر لکھ دیجئے۔حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔بحوالہ صحیح بخاری۔

شبلی صاحب چونکہ اپنی تاریخ میں بالکل صحیح بخاری کی ترجمانی کرتے ہیں اور علم تاریخ میں بخاری کے مبلغ معلوم ہوئے تھے اور اس لیے ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کو نہ ان کی تقلید کی ضرورت ہے اور نہ تنقید کی حاجت۔لیکن حقیقت شناس اشخاص آپ کے اقرار کردہ جزئیات کے جانبدارانہ اور خودغرضانہ اضافات کو فوراً پہچان لے گا۔کیونکہ آپ اپنی حاشیہ والی عبارت میں خود لکھ کر اقرار کر چکے ہیں کہ یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے۔ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی قلم دوات ساتھ رہتا تھا۔

آپ امام بخاری کے اعتبار پر اور وہ اپنے حفظان عقائد کی بنیاد پر آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو اشتہار گرفتاری میں خواہ مخواہ داخل کر لیں تو اس کے آپ اور وہ خاص طور پر جواب دہ ہیں۔لیکن تاریخ و سیرت پر نظر رکھنے والا جب کسی تاریخ و سیر میں حضرت ابوبکر کا نام نہیں پائے گا۔وہ آپ کی ان جزئیات بخاری کی نقل کی حقیقت وضرورت کو کماحقہ سمجھ جائے گا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ کا ایسے عالم اضطراب میں کہ جب لباس تک جسم پر بھاری ہو رہا تھا دوات وقلم ساتھ رکھنے اور امن نامہ لکھ دینے کی حقیقت ہے۔جس کو صرف آپ ہی کے جیسا انشاپرداز قابل نقل واندراج سمجھے گا۔دوسرا نہیں۔اس لیے کہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں جو ان واقعات کے حقیقی موضوع پر لکھی گئی ہیں سراقہ کا واقعہ وہیں تک مندرج ہے جہاں تک کہ وہ مشاہدہ کرامت کے بعد توبہ وانابت کرتا ہے۔اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں یہ امام بخاری صاحب کی وہی جزئیات ہیں جن کے ذکر ونقل کے مفید مطلب ہونے کی بنا پر آپ کو ان کے اندراج کی بڑی ضرورت ہے۔اور انہیں جزئیات مخصوصہ کی بنا پر آپ نے تمام دنیا کی کتابوں پر صحیح بخاری کی مرویات کو ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب کے عنوان ہی سے اس کا سامان باندھا۔

عامر بن فہیرہ کی حقیقت حال

اسی طرح عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر کا صرف غلام لکھ دیا ہے اور ان سے ان کے دیگر تعلقات کو نہ بتلایا۔ یہ بھی مولفانہ تدوین کے خلاف ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ عامر اصلاً حضرت ابوبکرؓ کی ملکیت میں تھے اور یہ اکیلے ہی ان کی ملکیت میں نہ تھے بلکہ ان کی ماں بھی۔لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی ملکیت آگے چل کر زوجیت کے مرتبہ پر پہنچ گئی اور ان کی ملکیت نے اہنسیت اور تنبیت کی صورت اختیار کی۔اور پھر ان تعلقات قربت کی رعایت سے آزاد بھی کر دیئے گئے تو اتنے تغیرات کے بعد تملیک کا دعویٰ باقی کہاں رہا۔ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت ان کی حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

و کان عامر بن فھیرہ مولد امن مولدی الا زدکان الطفیل بن عبد اللہ بن سنجرہ و ھو ابو الحارث بن الطفیل و کان اخا عائشه بنت ابی بکر و عبد الرحمن بن ابی بکر لا مھما فاسلم عامر بن فھیرہ و ھو مملوك لھم فاشتراہ ابو بکر فاعتقه و کان حسن الاسلام

عامر بن فہیرہ اصلاً قبیلہ ازد کے آدمی تھے۔اور طفیل بن عبداللہ بن سنجرہ کے بیٹے تھے۔ان کی کنیت ابو الحارث تھی یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور عبدالرحمن بن ابی بکر کے بھائی تھے کیونکہ ان سب کی ماں ایک تھیں۔جب مسلمان ہوئی تو حضرت ابوبکر نے ان کو خرید فرمایا۔پھر آزاد کر دیا۔ان کا اسلام مستحسن شمار ہوتا ہے۔

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عامر کی ماں کسی وجہ سے ان کو لے کر مکہ میں آئیں۔حضرت ابوبکرؓ نے ان کی ماں کو ان کے ساتھ خرید لیا۔ماں کے ساتھ عقد فرمالیا۔ان کے بطن سے آپ کے ہاں حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمن پیدا ہوئے۔عامر بن فہیرہ اس اثنا میں مشرف باسلام ہوئے۔تو حضرت ابوبکر نے ان کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔شبلی صاحب کو لازم تھا کہ علاقہ ملکیت تک عامر کی معرفت کو تمام کر دیتے۔بلکہ واقفیت عام کے لیے ضروری تھا کہ مفصلہ بالا واسطہ قرابت کو بھی بتلا دیتے۔مرقومہ بالا مضامین تنقیدی کو تمام کر کے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔

سفرِ مدینہ کی منزلیں

سراقہ کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ رسیدہ بود بلائے والے بخیر گذشت، سراقہ کو تو قلادہ عقیدت گردن میں ڈال کر مکہ کو واپس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ طبری، ابن سعد نے مکہ سے لے کر مدینہ تک ان تمام منزلوں کو نام بنام گنوا دیا ہے جہاں جہاں آپ نے دوران سفر میں قیام فرمایا تھا۔ اس وقت عرب کے ملکی نقشہ میں اُن کا نام ونشان ہی نہیں۔ لیکن صرف ان کا نام لکھ دینا عقیدتمندوں کی دلچسپی کے لیے کافی ہوگا۔ ابن سعد نے ان منزلوں کے یہ نام بتلائے ہیں: جرار، تنیۃ المرۃ، القف، مدلجہ، مرجح، حداید، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ پر آتا ہے یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی تھی) ذاسلم، عثانیہ، فاختہ، عرج، حداوت، رکوتبہ، عقیق، حجا شہ۔

مدینہ میں نزول رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

عقیدتانِ انصارِ مدینہ میں تشریف آوری کی خبر پا چکے تھے۔ صبح سے شام تک روزانہ قدوم میمنت لزوم کا انتظار ہو رہا تھا اور ہر روز کی ناکامی عالم انتظار کو حدود انتشار تک بڑھا رہی تھی عقیدت مندوں کی جماعت بیرون شہر جا کر روز از چشم براہ رہتے تھے اور واپس آتے تھے۔ ایک دن زائداز وقت انتظار کر کے متعقیدین کا گروہ واپس آ رہا تھا کہ یکا یک ایک یہودی نے اپنے قلعہ کی بلندی سے دیکھ کر اور انداز سے شان رسالت پہچان کر آواز دی۔ اہل عرب! تم جس بزرگ کے استقبال کو روز آتے ہو دیکھو وہ آ گیا۔ اس آواز کا کانوں میں آنا تھا کہ عقیدت مندوں کے نعرۂ تکبیر سے شہر کا شہر گونج اٹھا۔

انصار کے پُرجوش اور اخلاص مند قبیلے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عقیدت ہو کر بڑی تیاریوں کے ساتھ لباسہائے فاخرہ پہنے اور ہتھیار جسموں پر سجائے اپنے مقدس مہمان حضرت پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسم استقبال کے لیے نکلے۔ ان کے حسن عقیدت کی تو یہ حالت تھی ادھر مدینہ کے بالائی حصہ پر جو اصل شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے عالیہ اور قبا بھی کہتے ہیں انصار کے بہت سے ممتاز اور معزز خاندان آباد تھے۔ ان خاندانوں میں عمر ابن عوف کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا، جس کے رئیس القبیلہ کلثوم ابن الہدم تھے۔

قبا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قبا میں موکب رسالت آٹھویں ربیع الاولیٰ 13 نبوت یا ہجرت بروز پیر مطابق 23 ستمبر 622ء کو پہنچا۔ عقیدتمندان قبا نے شرف ناصیہ سائی حاصل کرنے کے بعد مفاخر دعوت ومہمانی کی عزت افزائی کے لیے بھی درخواست کی۔ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی اور کلثوم ابن الہدم کے مہمان ہوئے۔ خاص ان کی عزت افزائی کا یہ سبب تھا کہ صحابہ مہاجرین جو آپ سے پہلے مکہ سے نکل آئے تھے وہ سب کے سب اس وقت تک انھیں کے مہمان تھے۔ جن میں ابوعبیدہ، مقداد، خباب، سہیل، صفوان، عیاض، عبداللہ بن مخزمہ، وہب ابن سعد میمر

بن ابی سرج اور عمیر بن عوف وغیرہم شامل تھے۔

کلثوم ابن الہدم کے مکان میں قیام فرمانے کے متعلق تو گویا تمام تاریخوں کا اتفاق ہے اور شبلی صاحب نے بھی اسی کو اپنا نظریہ قرار دیا ہے۔لیکن طبری، ابن ہشام اور ابن سعد کی مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلثوم کے مکان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آب وطعام اور خواب وآرام فرماتے تھے ارشاد وہدایت اور دیگر تعلیم دینیات وغیرہ کی صحبتیں سعد بن خثیمہ کے مکان میں منعقد ہوا کرتی تھیں جو کلثوم بن الہدم کے مکان سے ملا ہوا تھا۔کلثوم کے امکان میں جگہ تنگ تھی اور سعد کا مکان بہت کشادہ تھا اور ان کے اہل وعیال بھی نہیں تھے۔سعد محض تنہا رہتے تھے۔مدینہ اور قرب وجوار کے لوگ جوق در جوق ہر وقت زیارت کے لیے حاضر رہتے تھے اور باریاب خدمت ہوا کرتے تھے۔ہر وقت مخلصین کا ہجوم تھا اور معتقدین کا اژدھام۔اسی لیے سعد بن خثیمہ کا مکان دربار رسالت کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ابن ہشام لکھتے ہیں:

ثما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اخرج من منزل کلثوم بن ھدم جلس للناس فی دار سعد بن خثیمہ و ذلك انہ کان غربا للاھل لہ وکان منزل العزاب من اصحاب رسول اللہ صلعم من المھاجرین ضمن ھنالك ص 167

”جب آپ کلثوم بن ہدم کے مکان سے باہر ہوئے تو آپ نے لوگوں کی سعد خثیمہ کے مکان میں مجلس منعقد کی کیونکہ سعد ابن خثیمہ صاحب عیال نہیں تھے اور اصحاب مہاجرین بھی یہیں مقیم تھے اور ان کے ساتھ بھی عیال نہیں تھے۔اس لیے اس مکان کو منزل الغرآب کہتے تھے۔“

عربی میں معزب اس کو کہتے ہیں جس کے عیال نہیں ہوتے۔

دربار رسالت ہر وقت مخلصین کی کثرت سے بھرا رہتا تھا۔باری باری سے عقیدت مند شرفیاب زیارت ہوتے تھے۔کلمات ہدایت وارشاد سنتے تھے۔صداقت وحقیقت بیانی سے متاثر ہو کر اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت پاتے تھے۔عطائے الٰہی کا شکر نعمت ادا کرتے تھے اور رسول خدا صلعم پر سلام ودرود بھیج کر رخصت ہو جاتے تھے۔ہر روز کیا، ہر وقت یہی عالم پیش نظر رہا کرتے تھے۔ابن سعد لکھتے ہیں کہ سعد بن خثیمہ کے مکان میں جو عامۃ المسلمین کے مجمع عام میں تقریر فرمائی گئی اس کے آخری فقرات یہ تھے:

یا ایھا الناس افشو الاسلام و اطعمو الطعام و صلوا الارحام و صلوا و الناس نیام و ادخلو الجنۃ بالسلام

”ایھا الناس۔اسلام کی اشاعت کرو، محتاج ومساکین کو کھلاؤ، صلہ رحم کو بجالاؤ، نمازیں پڑھا کرو در حالانکہ اور لوگ اس وقت تک سوتے رہیں اور ان نیک اعمال کے آخر میں سلامتی کے ساتھ بہشت بریں میں داخل ہو جاؤ۔“ طبقات ابن سعد ص 159، جرمن ج 1

قبا میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا ورود

قبا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لائے تین روز گزرے تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی مکہ سے پا پیادہ چل کر خدمت بابرکت میں حاضر ہو گئے۔ زرقانی اس مہاجر و مجاہد فی سبیل اللہ کی وہ حالت جس صورت سے وہ خدمت رسول میں حاضر ہوا ہے، اس طرح لکھتے ہیں:

و کان علی یسیر باللیل و یختفی بالنہار وقد نقبت قدماہ فمسحھما النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دعالہ بالشفا فبرئتا فی الحال و ما اشتکا ھما بعد الیوم قط ص444

”جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام راتوں کو چلتے تھے اور خوف کفار سے دن کو چھپے رہتے تھے جب حاضر خدمت ہوئے تو تکلیف پیادہ پائی سے آپ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے تھے آنحضرت صلعم نے آپ کا یہ حال مشاہدہ فرما کر آپ کے پاؤں کو دست مبارک سے چھو کر خدا سے دعائے شفا کی۔ آپ کے پاؤں اچھے ہو گئے اور پھر آپ کے مطلق شکایت نہیں ہوئی۔“

واقعات ہجرت کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کی جتنی خدمتیں ہیں وہ اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہیں۔ مکہ سے مدینہ تک کی پیادہ پائی بھی صاف صاف اپنی ندرت اور یکتائی بتلا رہی ہے۔

قبا میں تشریف آوری کے تین دن بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آج تک مسجد قبا کے نام سے مشہور ہو کر مصلائے مومنین ہے۔

شبلی صاحب نے قیام قبا کے حالات میں اُن میں سے کسی واقعہ کو نہیں لکھا۔ آپ کی عجلت رقمی بہت سے ضروری اور قابل الذکر واقعات تاریخی کو مرفوع القلم فرماتی چلی جاتی ہے۔ اگر آپ کی تقلید و تاسی میں دو چار کتابیں اس انداز طریقہ کی اور لکھی گئیں تو امید ہے کہ سیرۃ الرسول اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات نیست و نابود ہو جائیں گے۔

قبا کے ایام قیام میں علما نے اختلاف کیا ہے لیکن تاریخ و سیرت کا زیادہ تر اس قول پر اعتبار ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے چودہ دن تک مقام قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو مدینہ کی طرف روانگی فرمائی۔ قبیلہ بنی سلیم کے پاس پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا مرکب روک دیا گیا اور وہیں بنی سلیم کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی گئی۔ جماعت میں سترا (17) آدمی شریک تھے۔ تمام تاریخ و سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاد اسلامی میں یہ پہلا جمعہ ہے جو پڑھا گیا اور پہلا خطبہ ہے جو نماز جمعہ میں بیان فرمایا گیا۔ ہم تاریخ طبری سے اس مقدس خطبہ کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں:

خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فی اوّل جمعة جمعها بالمدنية فی بنی سالم بن عون

الحمدلله۔ احمده و استعينه و استغفره و استهديه و اومن به ولا اكفره۔ واعادی من يكفره واشهدان لا اله الا الله وحده و لاشريك له و ان محمد اعبده و رسوله ارسله بالهدے والنور وللوعظة على فترة من الرسل وقلة من العلم و ضلال حسن الناس و انقطاع من الزمان ودنو من الساعة و قرب من الاجل من يطع الله و رسوله فقد رشد ومن يعصمها فقد غوى و فرط وضل ضلات بعيدا۔ واوصيكم بتقوى الله فامة خير ما اوصى به المسلم المسلم يخضه على الاخوة وان يأمره بالتقوى الله فاحد ماحذر كم الله من نفسه و لا افضل من ذلك نصيحه ولا افضل من ذلك ذكر اوان تقوى الله لن عمل على و جل و مخافة من ربه عون صدق على ماتبغون من امر الاخوه و من يصلح الذى بينه و بين الله من امره فى السر و العلانية لانيوى بذلك الاوجه الله يكن له ذكراً فى عاجل امره وذ اخرا فى مابعد الموت حين يفتقر المرء الى ماقدام و ما كان سوى ذلك يودلولن بينه فبنها امدابعيدا ويحذر كم الله نفسه والله روف بالعباد۔ الذى صدق قوله والخزرو عده لاخلف لذلك فانه يقول عزوجل مايبدل القول الذى واما انا يظلام للعبيد فاتقو الله فى عاجل امركم و اجله فى السر و العلانية فانه من يتق الله يكفر عنه سيئاته ويعظم له اجرا و من يتق الله فقد فاز فوزاً عظيما و ان تقوى الله يونى مقته و يوقى عقبوته و يونى سخطه و ان تقوى الله يبض الوجوه ويرض الرب ويرفع الدرجة خذرا حظكم ولا تفرطوا فى جنب الله۔ قد علمكم الله كتابه و نهج لكم سبيله ليعلم الذين صدقوا و يعلم الكذبين فاحسنوا كما احسن الله اليكم و عادوا اعدآء الله وجاهدوا فى الله حق جهاده هوا جتبا كم و سما كم المسلمين يهلك من هلك عن بينة و يحيى من حى عن بينه ولاقوة الا بالله

فا کثرو ذکر الله و اعملو الما بعد اليوم فاته من يصلح مابينه و بين الله يكه الله مابينه و بين الناس ذلك بأن الله يفضى على الناس ولا يقضون عليه و يملك من الناس ولا يملكون منه۔ الله اكبر و لا قوة الا بألله العلے العظيم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ جو مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عوف کے قبیلہ میں پڑھا گیا۔

حمد وستائش خدا کے لیے ہے میں اس کی حمد کرتا ہوں مدد بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں محمدؐ اس کا بندہ اور رسول، اسی نے محمدؐ کو ہدایت، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا ہے جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا تھا۔ علم گھٹ گیا، گمراہی بڑھ گئی وہ آخری زمانے میں قیامت کے قریب اور موت کے نزدیکی کے وقت بھیجا گیا ہے جو کوئی خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے اور جس نے ان کا حکم نہ مانا وہ بھٹک گیا اور درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے مسلمانو! میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں بہترین وصیت جو مسلمان مسلمان کو کرسکتا ہے یہ ہے جو کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کے لیے کہے۔ لوگو! جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنے کو کہا ہے ان سے بچتے رہو اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے اور نہ کوئی ذکر ہے یاد رکھو کہ امور آخرت کے بارے میں اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے تقویٰ بہترین مددگار ثابت ہوگا اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ وظاہر میں درست کرلے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا اس کے لیے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائے گا لیکن اگر کوئی نہیں کرتا تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے انسان پسند کرے گا اور اس کے اعمال اس سے کہ وہ رہن رکھے جائیں۔ خدا تم کو اپنی طرف سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشاد ہے ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔ مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر وخفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو۔

کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے یہ تقوی ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے۔ یہ تقوی ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کر دیتا ہے۔ مسلمانو نعمت الٰہی میں اپنا حصہ لے لو لیکن حقوق الٰہی میں فروگذاشت نہ کرو۔ خدا نے اسی لیے تم کو اپنی کتاب سکھلائی اور اپنا راستہ دکھلایا ہے راستوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ لوگو! خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو خدا کے دشمن ہیں انھیں دشمن سمجھو اور اللہ کے رستہ میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اس نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تا کہ ہلاک ہونیوالا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا بھی روشن دلائل پر زندگی گزارے اور یہ سب اللہ کی مدد سے ممکن ہے۔ لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لیے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملوں کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے لیکن اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے اور ہمیں نیکی کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔

مدینہ میں داخلہ

بنی سلیم کی قیام گاہ سے مدینہ کتنا دور ہی تھا۔ جمعہ کی جماعت وخطبہ سے فراغت فرما کر مرکب رسالت نہضت فرماتا ہوا اور شہر کے جنوبی جانب سے سلطان رسالت کا نزول اجلال ہوا داخلہ شاندار ضرور تھا۔ لیکن یہ شان دنیاوی ساز وسامان اور نمائشی طریقہ وعنوان سے بالکل معرا تھی۔ تاہم اتنی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ بھی ایسی پر ہیبت وجلال تھی کہ بڑے بڑے جگر داروں کے دل سطوت وعظمت سے ہلے جاتے تھے۔ پیغمبر اسلام اپنی ناقہ قصوی پر سوار تھے اور مہاجرین سابقین صحابہ کبار اور اعوان وانصار بڑے قرینے اور سلیقے سے صفیں باندھے پیچھے پیچھے تکبیروں کے نعرے مارتے ہوئے خراماں خراماں چلے آتے تھے۔ شائقین اور منتظرین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر مقام و راہ پر بوڑھے جوان اور بچے، عورتیں اور لڑکیاں جمال بے مثال کے شوق زیارت میں گھروں سے بیتاب ہو کر نکل پڑی تھیں اور ہمہ تن دیدہ انتظار بن کر آمد آمد کی منتظر کھڑی تھی اور تکبیروں کے نعرے سن کر یہ بھی ویسی ہی تکبیروں کی پر جوش آوازیں بلند کرتی تھیں یہاں تک کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں بخیر وخوبی داخل ہو گئے۔ داخلہ رسالت کی اس عظمت وجلالت کو دیکھ کر کتب سابقہ کی بشارت کے جاننے والوں کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ وہی مقدس بزرگوار ہے جس کی آمد کی خوشخبری حبقوق نبیؑ نے ان الفاظ میں پہنچائی ہے۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو مقدس ہے کوہ فاران سے آیا اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی۔
(حبقوق نبیؑ کی کتاب، باب 3، درس 3)

جنوب سے آنے کی ندرت اور فاران سے آنے کی خصوصیت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ یہ نبی موعود جس کی بشارت مرقومہ بالا آیت میں درج ہے سوائے پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرا ہو نہیں سکتا۔

انصار کی وہ لڑکیاں جو مکہ میں براہ راست آنحضرت صلعم کے دست حق پرست پر بیعت لا چکی تھیں یا اس کے بعد مصعب ابن عمیر کی تبلیغ و تعلیم سے مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں، ذیل کے اشعار میں ترانہ سنج تھیں۔

اشرق البدر علینا
من تنیات الوداع
واجب الشکر علینا
ماداعی اللہ داع
انہا المبعوث علینا
جئت بالا مرا لمطاع
نحن جوار من نبی النجار
یا حبذا محمدا من جار

ہم پر چاند نکل آیا ہے
کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
جب تک دعا مانگنے والی دعا مانگیں
رسول خدا ہمارے اوپر مبعوث
ہوکر آنے والے اپنی احکام کے ساتھ آ جا
ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں
محمد صلعم ہمارے کیسے اچھے ہمسایہ ہیں

معصوم اور صغیر السن لڑکیوں کی ترانہ سنجی سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ ان کی طرف نگاہ شفقت اٹھا کر ارشاد فرمایا گیا۔ کیا حقیقتاً تم مجھے چاہتی ہو سب نے عرض کی جی ہاں۔ ارشاد ہوا تو یاد رکھو میں بھی تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔

حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں قیام

کوکب رسالت جب اس مقام پر پہنچا جہاں مسجد نبوی موجود ہے۔اسی مقام سے ملا ہوا حضرت ابوایوب انصاری کا مکان تھا۔ یہ قبیلہ بنی نجار سے تھے شائقین کے ہجوم اور معتقدین کے اژدھام سے یہاں قدم رکھنے کے لیے جگہ نہیں تھی۔ ہر شخص رسول اللہ صلعم کی مہمانی کی شرفیابی کے لیے گرا پڑتا تھا۔ ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشآء یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہے وہ عطا فرمائے۔ابوایوب انصاری کو اس شرف مخصوص کے عطا ہونے کی نسبت علما ومحدثین نے مختلف ذرائع اور اسباب بتلائے ہیں۔

اکثر یہ لکھتے ہیں کہ تصفیہ کے لیے قرعہ ڈالا گیا اور انھیں کے نام نکلا۔اکثر کا یہ قول ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں آقا کے اتارنے کا متمنی تھا اس لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ ناقہ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔اس بنا پر آپ نے انہیں کے گھر پر قیام فرمایا۔لیکن صحیح مسلم باب الہجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ کی میزبانی کے متعلق اختلاف ہوا تو آپ نے کہا کہ میں بنی نجار کے ہاں اتروں گا جو بنی عبدالمطلب کے ماموں ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا۔حضرت ابوایوب اسی خاندان سے تھے۔امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابوایوب کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔سیرۃ النبی ج1،ص204

حضرت ابوایوب انصاری نے جس خلوص وعقیدت سے اپنے مقدس مہمان کی خدمت کی ہے وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوتی ہے۔تاریخ ابن ہشام میں ہے:

قال ابو ایوب لما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیتی نزل فی السفل و انا وام ایوب فی العلو فقلت لہ یا نبی اللہ بأبی انت وامی این لا کرہ واعظم ان اکون فوقك و تکون تحتی فاظھر انت تکن فی العلو و ننزل نحن فتکون فی السفل فقال یا ابا ایوب ان اوفق بنا ویمن یغشانا ان تکون فی اخل ابعیت قال فکان رسول اللہ صلعم فی مقلمہ و کنا فوقہ فی المسکن فلقد انکسر حب لنا فیہ ماء فقمت انا وام ایوب بقطیفہ لنا مالنا لحان غیرھا منشف بھا لمآء تخوفا ان یقطر علی رسول اللہ صلعم منہ شی فیؤخیہ قال و کنا نضع لہ العشآء ثم نبعث الیہ فاذارد علینا فضلہ نیمت انا وام ایوب موضع یدہ فاکلنا منہ نبلتغی بذلك البرکۃ

”ابوایوب ناقل ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں مقیم ہوئے تو میں نے

آپ کو بالا خانہ پر اتارنا چاہا لیکن آپ نے معتقدین کے خیال سے نیچے ہی کے حصہ میں اقامت فرمائی۔ آخر کار میں بھی مجبور ہوگیا۔ اتفاق سے رات کے وقت پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ ہم میاں بی بی فوراً اٹھے اور صرف ایک ہی لحاف ہم لوگوں کے پاس اوڑھنے کو تھا اس کو پانی پر ڈالا کر بالکل پانی جذب کر لیا اس خیال سے کہ پانی نیچے ٹپک کر ایذائے رسولؐ کا باعث نہ ہو۔ ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں وقت کھانا آپ کے لیے تیار کر کے خدمت میں حاضر کرتے تھے اور جو کچھ بچ جاتا تھا اس کو ہم میاں بی بی تبرکاً کھا لیتے تھے اور امن و برکت کے خیال سے جہاں جہاں آپ کے دست مبارک کا نشان معلوم ہوتا تھا وہاں وہاں ہم دونوں اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالتے تھے۔'' (ابن ہشام، مصر، ص 176)

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کام جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز فرمایا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ سات مہینہ تک ایک انصار کے افتادہ مکان میں جو کسی وقت میں مالک مکان کے جانوروں کے رہنے کی جگہ تھی نماز جماعت ہوا کرتی تھی۔ لیکن یہ مقام عقیدت مندوں کے مصلے اور بندوں کی عبادت کے لیے کسی طریقہ سے موزوں نہیں تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری کے مکان سے ملی ہوئی انصار کی ایک زمین تھی جو بہت زمانہ سے افتادہ پڑی ہوئی تھی اور اس میں کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ اس کی زمین سوائے کھجور سکھلائے جانے کے اور کسی کام میں نہیں آتی تھی۔ شہنشاہ رسالتؐ نے اسی قطعہ زمین کو مسجود عالم ہونے کے لیے منتخب فرمایا۔ انصار کے ممتازین بلائے گئے اور ان سے مدعا بیان کیا گیا۔ وہ فوراً بلا قیمت ومعاوضہ نذر کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے بلا قیمت لینے سے انکار کیا۔ چونکہ پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ اسکے اصل مالک قبیلہ انصار کے دو یتیم بچے ہیں لہٰذا ان دونوں یتیموں کو بلایا گیا وہ دونوں بچے ان دنوں معاذ بن عفرا کی تولیت میں تھے۔ جب وہ دونوں لڑکے حاضر خدمت ہوئے اور ان سے زمین کے لیے ارشاد کیا گیا تو انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو ان کے ولی معاذ پہلے عرض خدمت کر چکے تھے لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا قیمت لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ بالآخر قیمت عدل طے پائی اور حضرت ابوایوب انصاری نے اپنے سرمایہ سے وہ قیمت ادا طے کر دی۔ سیرۃ النبی بحوالہ صحیح بخاری و عینی شرح بخاری جلد 2 ص 357 زرولی

حضرت عمار بن یاسرؓ کی اعلیٰ خدمات

جب زمین کا معاملہ بمصالحت ومساہلت تمام ہوگیا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور معمولی مزدوں کی طرح کام کرنے لگے۔ شہنشاہ عالم کی یہ عملی شان دیکھ کر پھر کسی مسلمان کو اتنی تاب کہاں تھی کہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو۔ تمام صحابہ مہاجرین اور انصار معتقدین جن میں بڑے بڑے رؤسا اور دولت مندان قبائل بھی شامل تھے۔ چھوڑے

اور کدال لے کر مور و ملخ کی طرح ٹوٹ پڑے اور مٹی کھودنے اٹھانے اور پھینکنے کا کام کرنے لگے۔ کیسی خالص عقیدت اور کامل ارادت کا منظر تھا جن ناز پروردہ جسموں پر عباہائے زرین ہوتی تھیں۔ وہ گرد وغبار سے اٹے تھے جن سرداروں کے سروں پر عمامہائے قیمتی دیکھے جاتے تھے ان پر مٹی کے ڈھیلے ایک پر دو دو تین تین رکھے ہوئے تھے اور وہ نہایت مفاخرت سے اس ادنی خدمت کو سعادت عظمی سمجھ کر بطیب خاطر انجام دے رہے تھے یہ کیا تھا؟ ان کی بمثال عقیدت اور لا جواب خلوص نیت اس خدمت میں حضرت عمار بن یاسرؓ سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کیے گئے ہیں۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

ذکر سفیان بن عینیه عن زکریا عن الشعبی اول من بنی المسجد عمار بن یاسر

سفیان بن عینیہ زکریا سے اور زکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بنائے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمار بن یاسرؓ ہیں۔

ہم اس بزرگوار کی خدمات جس کی نقل کو شبلی صاحب نے عمداً قلم زد کر دیا ہے۔ امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت مصدقہ سے نقل کرتے ہیں۔

وکان المسلمون مجملون لبنة لبنة وکان عمار بن یاسر نقل لبنتین لبنه عنه ولبنة عن النبی صلعم فقال له علیه السلام بعد مصح ظهره ونقض التراب عنه للناس اجوا ولك اجوان واخوز اول من الدنیا شربة لبن و تقتلك الفئة الباغیة وروی البخاری فی بعض نسخة ومسلم و الترمذی وغیرهم مرفوعا و مج عمار تقتله الفئا الباغیه یدعوهم الی الجنة ویدنه النار۔ (زرقانی ص 441)

تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹ ایک اپنے حصہ کی اور ایک جناب رسول خدا صلعم کے حصہ کی آنحضرت صلعم نے ان کی پشت پر دست مبارک رکھ کر اور گرد وغبار جھاڑ کر ارشاد فرمایا کہ سب کے لیے ایک ثواب ہے اور تمہارے لیے دو ثواب ہیں اور دنیا میں تیری آخری غذا دودھ ہوگا اور بخاری نے اپنے بعض نسخوں میں اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ بھی فرما دیا تھا کہ تجھ کو فرقہ باغیہ قتل کرے گا اور حالانکہ تو انہیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔ (زرقانی ص 441)

اس بشارت نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہہ میں علامہ زرقانی کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

لانه علیه السلام ایتدآء ینقل تغلیباً لهم (الصحابة) فی العمل و یقول هذا

لبيت لعبد الله بن رواحة اللهم ان لا اجرا اجرالا خرة فارحم على الانصار وللهاجرة وقال على بن ابي طالب لايستوى من يعمر المساجد بداءب فيها قائما وقاعد ومن يرى عن التراب حائدا. قال على ذلك مطايبه كما هو عادة الجماعة اذا جتمعوا على عمل وليس ذلك طعنا وعند البيهقى عن الحسن لما بنى النبیؓ صلعم المسجد اعانه اصحابه وهو معهم بتناول اللبن حتے اغبر صدره وكان عثمان بن مظعون رجلا متنطعا بنجابي ها عن توبة فاذا اوضعها نقص كمه و نظر الى ثوبه فان ابه شي من التراب نقضه فنظر اليه على بن ابي طالب فانشد يقول لانبستوى الخ فسمعها عمار ابن ياسر فجعل يرتجزهادلا بدرى من يغنى بها فمن بعثمان فقال يابن سيه لاعرض بمن تعرض و معه حديده فقال لتكهن اولا عترفن بها وجهك فسمعه صلى الله عليه وآله وسلم فغضب ثم قالو العمار بن ياسر انه قد غضب فدك وتخاف ان ينزل علينا قران فقال ارضينا كما غضب فقال يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مالى ولا صحابك قال صلعم مالك ولهم قال يريدون قتلى الجملون البنة لبنة و تحلمون على لبنتين فاخذ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بيده مطاف به المسجد و جعل يمسيح و فرته و يقول يا بن سمتينة ليسوا بالذين يقتلونك تقتلك الفئة الباغی (زرقانی ج1 ص 444)

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اٹھانے کی ابتدا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کی اس لیے کہ اور دوسروں کے لیے تحریک وترغیب کا باعث ہوئے۔ آپ اینٹ اٹھانے کے وقت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ پروردگار تو مہاجر وانصار پر رحم فرما اور اجر آخرت جو اصل اجر ہے (عنایت فرما) آنحضرت صلعم کو سن کر حضرت علیؑ نے یہ شعر نظم کر کے پڑھا: اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے جو مسجد بناتا ہے۔ اس ارادے سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجالائے اور خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے یہ اشعار بالکل اس غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام

دستور ہے کہ کام کرتے وقت دل بستگی کے لیے شعر پڑھے جاتے ہیں۔اس سے غرض آپ کی کسی ضرطعن کی نہیں تھی بیہقی حسن بصری کے استناد سے لکھتے ہیں کہ جب جناب رسالت مآب صلعم نے مسجد کی تعمیر شروع کی تو تمام صحابہؓ نے آپ کی اعانت کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے۔اس وجہ سے ان کے سینے خاک سے آلودہ ہوگئے۔ ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی نفاست پسند بزرگ تھے۔کسی مٹی اٹھانے والی سے مٹی یا گارا گر پڑا اور وہ ان کے کپڑوں میں بھر گیا۔انہوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے آلودہ تو نہیں ہوگئے۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور شعر مذکورہ بالا پڑھا۔حضرت عمار یاسر نے اس شعر کو یاد کرلیا اور پڑھنے لگے۔عثمان بن مظعون کو برا لگا اور انہوں نے عمار سے کہا کہ میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاتھ میں اس وقت ایک لوہے کا عصا تھا اسے دکھلا کر عمار یاسرؓ سے کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریض کو نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر دے ماروں گا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا سخت برہم ہوئے۔ یہ دیکھ کر لوگ عمارؓ سے کہنے لگے کہ دیکھو آنحضرتؐ تم سے خفا ہوگئے قریب ہے کہ تمہاری شان میں کوئی قرآن کی آیت نازل ہو۔عمار نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں۔ میں آپ کے غضہ پر بھی راضی ہوں۔ یہ سن کر عمارؓ نے پکار کر عرض کی یارسول اللہؐ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک ایک انیٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں لاد دیتے ہیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارؓ کا ہاتھ تھام لیا۔ بنیاد مسجد کا طواف کرایا۔اپنے ہاتھوں سے ان کی گرد جھاڑی اور ارشاد فرمایا یا بن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے تمھیں تو ایک فرقہ باغی قتل کرے گا۔

اسی کا خلاصہ تاریخ ابن ہشام میں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

فاخذھا (اشعار علی ابن ابی طالب) عمار بن یاسر فجعل یر تجز ھافلما ا کثر ظن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ انما یعرض بہ وقال رجال منھم یابن سمیہ واللہ انی لا رانی ساعرض ھذا لعصالا نقک قال و فی یدہ عصا فال فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم قال مالھم ولعمار

يدعو هم الى اجنة ويدعونه الى النار ان عمارا جلدة مابين عيني وانفي فاذا بلغ ذلك من الرجل فلم يستبق فاجتبنوه (ص 176 ج 1 مطبوعه مصر)

عمار بن یاسر نے ان اشعار علی بن ابی طالبؑ کو یاد کرلیا اور اس کو پڑھنے لگے۔ اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سن کر خیال ہوا کہ عمارؓ ہم پر تعریض کرتے ہیں ان میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابن سمیہ قسم خدا کی میں تمہاری اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ عصا تمہاری ناک پر دے ماروں اس وقت اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگ کہ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے تحقیق کہ عمار بن یاسر میری آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے۔ جب آپ کا یہ ارشاد لوگوں نے سنا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

محدث شیرازیؒ اس کے متعلق روضۃ الاحباب میں یہ عبارت قلمبند کرتے ہیں:

عمار بن یاسرؓ این رجزرا یاد گرفت از زبان علی مرتضی کرم اللّٰہ وجہ وخشت می کشیدو میخواند یکے از صحابہ نشستہ بود کار نمیکرد۔ پنداشت کہ عمار تعریض بوے میکند بغضب رفت و عصائے دردست داشت گفت اے عمار خاموش نیستوی والا ترابا ین عصا بزنم۔ سیدالمرسلین صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لشینید کہ آن مرد باعمار ان سخن گفت فرمود عمار ہر دو دیدہ من است ہمچکیس نتو انداوراز دن دور صحیح بخاری مروی است کہ یاران درآنرو خشت میکشید ندیک یک و عمار دو دو خشت برمیداشت دردایتے آنکہ یک خشت از قبل خودی از قبل پیغمبر صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وآنسرور خاک از سراو پاک میکرد ومیفرمود ولج یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ یدعو ھم الی الجنۃ و یدعونہ الی النار فقال عمار اعوذ باللہ من الفتن (روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنو جلد اول صفحہ 201)

عمارؓ یاسر نے حضرت علی مرتضیٰؑ کا یہ رجز یاد کرلیا اینٹ اٹھاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ صحابہ

میں ایک شخص بیٹھا تھا اور کام نہیں کرتا تھا اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں اس کو غصہ آیا۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت عصا موجود تھا۔ عصا دکھلا کر عمار سے کہنے لگے۔ چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری ناک توڑ دوں گا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کے کلام کو جو اس نے عمار سے کہا تھا سن لیا۔ آپ نے عمار کے حق میں کہا کہ عمار میری دونوں آنکھوں کے برابر ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس دن ہر صحابی ایک ایک انیٹ اٹھاتا تھا اور عمار دو دو انٹیں روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لیے اور ایک انیٹ رسول خدا صلعم کے لیے۔ آنحضرت صلعم خاک ان کے سر سے صاف کرتے تھے اور کہتے تھے عمار تجھے فرقہ باغیہ قتل کرے گا تو انھیں جنت کی طرف اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے عمار نے کہا خدا فتنہ سے پناہ میں رکھے۔

جناب عمار یاسر کی تفصیل احوال سے چونکہ شبلی صاحب کے عقائد کی غلط فہمیوں کا انکشاف ہوتا تھا اس لیے اسے قلم انداز فرما دیا گیا۔ نہیں معلوم اس موقع پر بخاری صاحب کی تقلید سے کیوں دست برداری اختیار کی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں تو بخاری صاحب کی ہر ہر جزئیات کی نقل قلم بند کی گئی تھی لیکن یہ واقعہ باوجود یہ کہ اسی صحیح بخاری میں ایک سے زیادہ مقام پر موجود ہے کیوں نہیں لکھا گیا۔ آخر اس کا کوئی سبب ہے؟ وہی ہے جو اوپر ہم کہہ چکے ہیں۔

ازواج مطہرات کے لیے مکانات کی تعمیر

حضرت عمار بن یاسر کی تفصیل خدمات کو ختم کرکے ہم اپنے آئندہ سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

مسجد نبویؐ کا کام اس سرگرمی اور مستعدی سے برابر جاری رہا۔ سات مہینوں میں مسجد اور ازواج مطہرات کے مکانات تیار ہوگئے۔ مسجد نبویؐ اور حرم مصطفویؐ کی عمارتیں ان کی ساخت اور ان کی شکل وصورت، عمارت کے اعتبار سے کیسی تھی۔ ہم اس کو شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی انیٹوں کی دیواریں برگ خرما کے چھپر، کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف بدل گیا تو شمالی جانب ایک دروازہ نیا قائم کر دیا گیا فرش چونکہ بالکل خام تھا بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہؓ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھا لیں۔ آنحضرت صلعم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔ مسجد کے سرے پر ایک مسقّف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لائے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبویؐ جب تیار ہوگئی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے مکانات بنوا لیے۔ اس وقت تک حضرت

سودہ اور حضرت عائشہؓ نکاح میں آ چکی تھیں اس لیے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کھجور کی ٹیٹوں سے بنے تھے جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹیٹوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ، ام حبیبہ، زینب، جویریہ میمونہ اور زینب بن جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ، صفیہ اور سودہ مقابل جانب تھیں۔

یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر چھت چھو لیتا تھا۔ دروازہ پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے ان میں سعد بن عبادہ، سعد بن صعاذ، عمارہ بن حزم اور ابوایوب رئیس اور دولتمند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ بسر کیا کرتے تھے۔ سعد بن عبادہ نے انتظام کیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن کبھی دودھ اور کبھی گھی ہوا کرتا تھا۔ (سیرۃ النبی ص 206)

ایجاد اذان

مسجد نبوی بن کر تیار ہو گئی اور پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے پڑھی جانے لگیں۔ لیکن چونکہ اعلان نماز کا اس وقت تک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا اس لیے لوگ آگے پیچھے آیا کرتے تھے جو جس وقت آ گیا اس نے نماز پڑھ لی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جماعت کی نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور فرادہ نماز پڑھنے والے کثیر التعداد ہوتے تھے۔ اسلام نے چونکہ عبادت الٰہی کے تمام سنجیدہ طریقوں میں اجتماع و اتحاد کے اصول کو مدنظر رکھا ہے اس لیے یہ تفریق و پراگندگی طبع رسالت کی ناپسندیدگی کا باعث ہوئی۔ تمام مسلمانوں کو اس بنا پر مسجد میں بیک وقت آنے اور بیک بار باجماعت نماز پڑھنے کے سہل اور عام پسند طریقہ اعلان وقت جاری فرمانے کی تجویز فرمائی گئی جو پہلے ہی سے ایمائے مشیت اور منشاء قدرت ثابت ہو چکا تھا اور جس منشائے قدرت کا نفاذ و اجرائے عمارت مسجد کی تکمیل تک رکا ہوا تھا اس بنا پر ایک دن حضرت بلالؓ کو بلایا گیا۔ اذان کے ارکان تعلیم کیے گئے اور ارشاد فرمایا گیا کہ آج سے ہر نماز کے وقت اسی طرح نماز کا اعلان کیا جائے کہ ہر شخص آواز سن کر نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں چلا آئے۔ اتفاق سے عبداللہ بن زید صحابی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عرض کی کہ چند روز قبل میں نے خواب میں بھی یہی طریقہ اذان دیکھا ہے۔ اسی دن سے اذان کا طریقہ جو حقیقتاً وقت نماز کا اصلی اعلان ہے جاری اور قائم ہو گیا۔

واقعہ اتنا ہی ہے اور حقیقت اس قدر۔ اب آگے چل کر اس سادے واقعہ میں جیسی جیسی رنگ آمیزیاں کی گئیں وہ شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

اس وقت تک کسی خاص علامت نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا

نماز پڑھ لیتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کیے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں۔ لیکن اس میں زحمت تھی۔ صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ کر آتے جائیں گے آپ نے یہ طریقہ بھی ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقہ ہیں وہ بھی عرض کیے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی۔ جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آنحضرتؐ اسی کے موافق حضرت بلال کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں۔ (سیرۃ النبی، ص 207)

واقعیت تو اتنی ہی تھی جس کو ہم ابتدا میں لکھ کر دکھلا چکے۔ اب شبلی صاحب اور بخاری صاحب اپنی اپنی ضرورت ہائے خاص سے اس واقعہ کو جس شکل و انداز میں چاہیں، بدل دیں۔ لیکن حقیقت شناس حضرات ان قلمکاریوں کو خوب جانتے ہیں۔

بہر طوریکہ خواہی جامہ می پوش۔ من انداز قدموزون شناسم

ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں جیسی جیسی قلمکاریاں کی گئیں تھیں ان کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ ان میں اگر حضرت ابو بکرؓ کے خصائص قائم کرنے کی ضرورت لاحق تھی تو اس واقعہ اذان میں حضرت عمر کی اصابت رائے کی بنیاد کہنی تھی اور تقلید اسلاف اور استحفاظ عقائد کے اعتبار سے ان امور کی ابتدا آغاز اسلام کے انھیں واقعات سے نہایت ضروری تھی۔ نہیں تو ان خصوصیات کی قدامت میں نقص واقع ہوتا۔ یہی وہ ضرورتیں تھیں جنہوں نے ان واقعات میں ان موضوعات و مصنوعات کے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ واقعات ہجرت میں حضرت ابو بکرؓ کے خصائص داخل کیے ہیں اور واقعات اذان میں حضرت عمرؓ کی خصوصیات شامل کر دی گئی ہیں حالانکہ حقیقت کی تلاش کی جائے تو معلوم ہو جائے کہ ان خارجی مداخلت کو حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔

شبلی صاحب کی رفتار تحقیق تو بخاری صاحب تک ختم ہے اور حقیقتاً سوائے امام بخاری کے نہ ان کے لیے کوئی وسیلہ ہے اور نہ کوئی حیلہ۔ اسی وجہ سے عنوان کتاب ہی سے ان کا دامن تھاما گیا ہے اور یہاں بھی صاف صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے۔

جب اس اعتراف کے ساتھ کہ صحاح کی اور کتابوں نے بخاری کے خلاف اس واقعہ کو بیان کیا ہے یہ تحکمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ بخاری کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی تو آپ سے حقیقت نگاری اور صداقت بیانی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے اب نہیں معلوم کہ اس موقع پر دونوں مختلف مرویات کے رجال و رواۃ کی تنقید سے کیوں کام نہیں لیا گیا کہ دونوں کے ضعف و استحکام کی حقیقت کھل جاتی۔ لیکن شبلی صاحب ایسے کہاں ہیں جو اس مقام پر تحقیق رجال سے کام لیں گے وہ تو اپنی اور بخاری صاحب کی ظاہری شہرت اور نمائشی جامعیت سے عوام کو مرعوب بنانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اور اصل واقعہ سے واقفکار حضرات نہ ان ترکیبوں سے اثر پذیر ہوئے ہیں

اورنہ ہوسکتے ہیں۔اس واقعہ کی حقیقت کا کامل انکشاف علامہ احمد بن خطیب قسطلانی۔شارح بخاری شریف نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں بڑی فراخ حوصلگی سے کردیا ہے ہم انہیں کے مفصلہ ذیل عبارت کونقل کرتے ہیں۔

وکان الناس کما فی السیرو لغیرھا لما یجتمعون الی الصلوۃ لنحین مواقیتھا من غیر دعوۃ واخرج ابن سعد فی الطبقات من مراسیل سعد بن المسیب ان بلا لاکان ینادی للصلواۃ الصلوۃ جامعۃ و شاور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابہ فیما یجمعھم لہ صلوۃ و ذلک فیما قبل فی السنۃ الثانیۃ فقال بعضھم ناقوس کناقوس التصاریٰ فقال اخرون بوق کبوق الیھود و قال بعضھم بل تو قد ناراو ترفعھا فاذا راھا الناس اقبلوا الی الصلوۃ ورای عبداللہ بن زید بن ثغلبہ بن عبدربہ فی منامہ رجلا فعلمہ الاذان و الاقامۃ فلما اسمع التی النبی صلعم فاثبرہ بما رائی کما عند ابی داود و فی روایۃ معاذ بن حیل عند الامام احمد قال یارسول اللہ صانی رائت فیمایری النائم ولوقلت انی لم ا کن نائما الصدقت فاستقبل القبلۃ فقال اللہ ا کبر مغنی مثنی حتے فرغ من الاذان الحدیث فقال فقت مع بلال فجعلت الھتیہ علیہ یؤذن فال فسمع بذلك عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو فی بینہ فخرج یجر درد انہ بقول والذی بعثتك بالحق یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقد رائیت مثل مارائی ووقع فی الاوسط للطبرانی ان بابکو ایضا رای الاذان وفی الوسیط للغزالی راہ بضعۃ عشر دجلا وعبادۃ الجیلی فی شرح التنیۃ اربعۃ عشر و فی سیرۃ المغلطائی انی راہ سبعۃ من الانصار و قال الحافظ الفضل بن حجر فی فتح الباری ولا یثبت شی من ذلك الالعبد اللہ بن زید وقصۃ عمر حاء ت فی بعض الطرق (زرقانی شرح مواھب لدنیہ ص 454)

جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے لوگ بغیر اذان کے بقصد نماز نماز کے وقت جمع ہوجایا کرتے تھے اور ابن سعد نے طبقات میں مراسیل سعید بن مسیب سے لکھا ہے کہ بلال صرف نماز کے وقت الصلوۃ

جامع کی ندا بلند کر دیتے تھے جناب رسول خداصلعم نے جب اذان کی نسبت صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس طریقہ سے لوگ نماز کے واسطے جمع کیے جائیں۔ یہ واقعہ 2 ہجری کا بتلایا جاتا ہے تو بعضوں نے ناقوس بجانے کی جیسا کہ نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں۔ تجویز پیش کی اور اُن میں سے کچھ لوگوں نے بوق بجانے کی جیسا کہ یہود بجاتے ہیں۔ بعضوں نے کہا یہ نہیں بلکہ نماز کے وقت آگ روشن کر دی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر مسجد میں جمع ہو جائیں۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے ان کو اذان واقامت کی تعلیم کی اور صبح ہوئی (روز مشاورت اذان) تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر جو دیکھا تھا بیان کیا اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک معاذ بن جبل نے عرض کی یارسول اللہ صلعم ہم نے بھی خواب کی حالت میں جیسا کہ سونے والے دیکھتے ہیں یہی دیکھا ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ تم اس وقت سوتے نہیں تھے تو ایسا کہنے والا بھی سچ کہتا ہوگا۔ اُس نے ایک شخص کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا پس وہ قبلہ رو کھڑا ہو گیا اور اس نے اللہ اکبر کہا پھر اسی طرح تمام ارکان اذان دو دو مرتبہ کہے اور اذان تمام ہوئی۔ جناب رسول خداصلعم نے فرمایا تمہارا یہ خواب سچ ہے ان شاء اللہ۔ جاؤ بلال کے ساتھ کھڑے ہو۔ لوگوں نے کہا جس نے خواب اذان دیکھا ہے اُسی سے اذان کہلائی جائے آپ نے فرمایا بلال کی آواز بلند تر ہے معاذ کا بیان ہے کہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور اذان کہنے لگا۔ میری صدائے اذان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سن کر اپنے گھر سے بعجلت تمام و بکمال سرعت اس حالت خاص میں داخل مسجد ہوئے کہ ان کی رداز مین کھینچتی چلی جاتی تھی جناب رسول خداصلعم سے عرض کی کہ قسم اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے اور طبرانی کی معجم اوسط میں مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا تھا اور امام غزالی کی اسناد سے بسیط میں ہے کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے اور علامہ جیلی شرح تنبیہہ میں لکھتے ہیں کہ (14) چودہ آدمی ایسے ہی خواب کے مدعی ہوئے ہیں اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے آدمیوں نے اس کا دعویٰ کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور حضرت عمرؓ کا قصہ بعض طرق میں آیا ہے۔

مواہب لدنیہ قسطلانی کی مرقومہ بالا عبارت نے حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور رسوائے عبداللہ بن زید کے خواب کی جو محض

اتفاقی طور پر واقع ہوا تھا سب کو بے اصل ثابت کر دیا۔ حضرت عمرؓ کی مداخلت کو جسے بخاری صاحب نے خواہ مخواہ عبداللہ بن زید کے واقعہ پر ترجیح دینی چاہی تھی۔ اس کی حقیقت وحیثیت بھی خود انہیں کے شارح حافظ ابن حجر کی عبارت سے ظاہر ہوگئی جس کی نسبت وہ صرف یہ لکھ کر بعض طرق میں ان کے خواب کا بھی ذکر آ گیا ہے اور کوئی وزن واہمیت نہیں دیتے۔

بخاری صاحب کی طرح طبرانی صاحب نے بھی معجم اوسط میں حضرت ابوبکر کے شامل کر دینے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیونکہ ان کی خوش عقیدگی کی نظر فاضل ومفضول کی دلیل اور وقوع خلافت کی ترتیب کی طرف منعطف ہوئی تھی۔ ان عقیدت مندانہ اضافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ ادخال فی بدر الاذان میں پھر تو یہاں تک ترقی ہوئی کہ صرف انصار میں معاذ سے لے کر بروایت امام غزالی دس آدمیوں سے زیادہ اور بروایت علامہ جبلی چودہ آدمی اس کے شرف اولیت کے مدعی ہوئے امور تخصیص کو خواہ مخواہ معمول کے اصول پر تعمیم کے طریقہ میں داخل کرنے سے یہی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

جانبداروں کے ان طومار نا پیدا کنار کو اکٹھا کر کے آخر کار امام ابن حجر کو فتح الباری میں لکھ دینا پڑا۔

ولا يثبت شئ من ذلك الا لعبد الله بن زيد

سوائے عبداللہ بن زید اور کسی کے لیے بھی ان میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوتی۔

اب فرمایئے شبلی صاحب کا یہ تحکمانہ فیصلہ کہ بمقابلہ روایت بخاری اور کسی کی روایت قابل اعتبار نہیں کہاں گیا۔ جب بذات خاص شارح بخاری اصل روایت بخاری کی مجہولیت اس زور وشور سے ثابت کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ کے قصہ کے بارے میں لکھتے ہیں تو اتنا کہ بعض طرق میں اس کا ذکر آیا ہے۔

جو صورت حال حضرت عمر کی داستان خواب کی معاذ کی زبانی مسند امام ابن حنبل کے اسناد سے لکھی گئی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ اگر بفرض محال ان کا قصہ خواب بھی صحیح مان لیا جائے تو مشتے بعد از جنگ کی صورت رکھتا ہے کیونکہ عبداللہ بن زید اور معاذ دونوں کے بعد آ کر یہ اپنا خواب دہراتے ہیں۔ اس صورت میں شبلی صاحب کا یہ دعویٰ کہ واقعہ حضرت عمرؓ بالکل صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں داخل ہے اور شارح بخاری امام قسطلانی کا یہ آخر فیصلہ کہ سوائے عبداللہ بن زید کے خواب کے اور کسی کے خواب دیکھنے کا واقعہ ثابت ہی نہیں محققین ومصنفین زمانہ کی نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ حضرات خود ہی تسلیم کر لیں گے کہ کس کے قول میں حقیقت ہے اور کس کی رائے میں جانبدارانہ اضافات کا ذخیرہ ہے۔

ان تمام اضافات کا جو اصل مدعا ہے وہ ہم اپنی تمہیدی عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ یہ سب اصول عقائد کے استحکام کی غلط کوششوں کے نتیجے ہیں۔ جن کی ابتدا ایجاد اذان کے متعلق حضرت عمرؓ کے اوصاف اضافی سے کی گئی ہے اور آگے چل کر اس مداخلت میں اتنی ترقی کی گئی ہے کہ (نعوذ باللہ) نزول وحی کو بھی آپ ہی کی مشاورت اور تجویز ورائے پر محمول وموقوف ٹھہرایا گیا ہے۔ جس کو ہم اس کے خاص مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

اب اس بحث کے متعلق ہمیں حکم اذان کی اصل حقیقت دکھلا دینی باقی ہے وہ علامہ زرقانی کی زبانی حسب ذیل ہے۔

فی قولہ علیہ السلام انہا الرویا حق ثم بعی حکم الاذان علیہا و ھل کان ذلک عن وحی من اللہ لہ ام ولاجاب بانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد اریہ لیلۃ الاسرے فروی البزار فی مسند عن علی ابن ابی طالب قال لما أراداللہ ان یعلم رسولہ الاذان جاء جبریل علیہ السلام بدآیۃ یقال لہ البراق فرکبہا حتے الی الحجاب الذی بلی الرحمن فبینما ھو کذلک اذخرج ملک من الحجاب فقال یاجبریل من ھذا قال والذی بعثتک فی الحق بالحق انی لاقرب الخلق مکانا و ان ھذا لملک اللہ اکبر فقل من ورآء الحجاب صدق عبدی انا اکبر انا اکبر ذکر بقیۃ الاذان وقال السھیلی و ھذا اقوی من الوحی فلم تاخرا امر الاذان الی المدینۃ واراداعلام الناس بوقت الصلوٰۃ تلبث الوحی حتی راتی عبداللہ بن زیاد الریا فواقعت مارائی صلعم فلذلک قال انہا الرویا الحق ان شاء اللہ (زرقانی ج1 ص 455)

جناب رسول خداصلعم کے اس حکم کی شرح میں کہ آپ نے عبداللہ بن زید کا جواب سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا خواب سچ ہے۔ یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ کے اس حکم سے بنا اذان قائم ہوتی ہے اگر یہ فرمان بذریعہ وحی ہوتو واجب الاذعان ہے اور اگر نہیں ہے تو اذان واجب نہیں ہوسکتی۔ اس کے وجوب کے متعلق امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت علی بن ابی طالبؑ سے یہ روایت کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوا کہ اپنے رسول صلعم کو اذان کا طریقہ بتلائے تو حضرت جبریل براق لے کر آئے اور معراج کی رات کو آپ کو حجاب قدس تک لے گئے وہاں آپ نے ایک فرشتہ کو دیکھا کر حضرت جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جبریلؑ نے جواب دیا یہ مجھ سے زیادہ مقرب الٰہی ہے اور قسم اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اپنے وقت خلقت سے آج تک سوائے اس وقت کے اس کو نہیں دیکھا ہے یہ سن کر اُس ملک نے کہا اللہ اکبراللہ اکبر۔ حجاب قدس سے فوراً آواز پیدا ہوئی کہ یہ میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اسی طرح اس فرشتہ نے تمام اذان ارکان کو ختم کیا اور ہر بار حجاب قدس سے ندائے تصدیق واجابت پیدا ہوئی۔ امام سہیلی (مصنف روضۃ الانف) کہتے ہیں کہ پہلے ترکیب اذان بذریعہ وحی نازل ہونا زیادہ قوی الاسناد ہے لیکن حکم اس کا قیام مدینہ تک اٹھا رکھا گیا یعنی اس وقت

تک اس کا اجراء ملتوی رہا۔ یہاں آ کر تمام اہل اسلام کو وقت نماز سے اطلاع ہی کے لیے جاری فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ عبداللہ نے خواب میں دیکھا اور آپ سے بیان کیا اور اسی بنا پر آپ نے ان کی خواب کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا تمہارا خواب برحق اور سچا ہے۔

اب تو مرقومہ بالا عبارت سے مفصل طور پر ابتدائے اذان کی حقیقت کا انکشاف ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ مثل نماز وضو کے اذان کی تعلیم بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی پہنچائی گئی تھی۔ اس میں کسی کی رائے و مشاورت کو دخل نہیں تھا لیکن آپ نے جیسا کہ امام سہیلی لکھتے ہیں تا حصول اطمینان اعلان حکم اذان کو مناسب وقت اور مصلحت نہ سمجھا تا ایں کہ قیام مدینہ میں تعمیر مسجد کی تکمیل کے بعد آپ نے اس کے نفاذ و اجراء کو ضروری سمجھ کر صحابہ سے اس کا ذکر فرمایا ہر شخص نے اپنی مقدار عقل کے مطابق جواب دیا۔ انھیں جواب دینے والوں میں عبداللہ بن زید نے اپنے خواب کا بھی ذکر کیا جو حسن اتفاق سے تعلیم وحی کے موافق تھا اس نے ان کے خواب کی تصدیق فرمائی گئی۔ اسی دن سے حکم وحی کے مطابق حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا گیا جو اس وقت تک جاری ہے۔

علما و محدثین کی جانبداریوں اور طرح طرح کی قلم کاریوں نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ گویا رسول اللہ صلعم اس وقت تک ارکان اذان سے واقف نہ تھے یہ تو بالکل صحابہ کی مشاورت و تعلیم تھی جس نے رسول اللہ صلعم کو اذان کی ترکیب اور اس کے اجرا کی ضرورت بتلائی۔ ہم اپنے دیباچہ کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ رسالت صحابیت اور خلافت کا ایک مقدمہ تیار کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ یہ تمام موضوعات انہیں عقائد کے بنیادی پتھر ہیں جو ابتدائے رسالت کے ساتھ ساتھ رکھے جاتے ہیں۔

شبلی صاحب نے باوجود اتنی وسیع النظری کے روض الانف امام سہیلی کی اس عبارت کو جسے وہ اپنے دیباچہ میں معتبر ترین سیرت ٹھہرا چکے ہیں۔ کیوں نہ لکھا حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کو اس کے استنباط و نقل میں دو مجبوریاں پیش آ گئیں اول یہ کہ اس کا اندراج ان تمام مضبوعات کی حقیقت کا انکشاف کر دیتا۔ دوسری یہ کہ چونکہ اس تفصیل میں آنحضرت صلعم کے معارف روحانیت کا ذکر تھا۔ اس کی نقل آپ کے فلسفہ تاریخ کے موضوع کے خلاف واقع ہوتی تھی اس بنا پر دونوں طریقوں سے اس کا مرفوع القلم کر دینا آپ کے لیے ضروری تھا۔ لیکن با ایں ہمہ شبلی صاحب کو اس کا خیال نہ آیا کہ وہ سیرۃ النبی لکھ رہے ہیں کسی معمولی آدمی کی سوانح عمر میں نہیں اس لیے اس کے حالات و واقعات میں علی الاکثر روحانیت کے اظہار اور نورانیت کے اقرار کیے بغیر نہیں کام چل سکتا چونکہ واقعات مذکورۂ بالا نے ابتدائے اذان کو تعلیم روحانیت ہی کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے اس لیے یہی روحانیت عین فلسفہ اذان ہے اور وہی اس کی تاریخ کا فلسفہ یقین کیا جائے گا۔

مہاجرین وانصار کے درمیان صیغۂ اُخوت

مہاجرین جس مصیبت اور پریشانی میں مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچے تھے وہ ظاہر ہے۔ وہ غریب اپنی جانوں کے سوا کچھ بھی اپنے ہمراہ نہیں لائے تھے۔ جو کچھ بھی سرمایہ تھا وہ گھر چھوڑ آئے تھے کفار قریش سے جان بچا کر چلے آئے یہی تمام دنیا کی دولت تھی۔ یہ تو ظاہر

ہے کہ مہاجرین حقیقتاً کوئی بہت بڑی خوشحال اور دولتمند قوم تو تھی ہی نہیں علی الاکثر ان میں مفلوک الحال تھے اور نادار۔ مگر با ایں ہمہ ان میں بعض متمول بھی تھے اور خوشحال بھی لیکن مکہ سے ہجرت کرتے وقت ان پر ایسی بے بسی کا عالم طاری تھا کہ وہ بیک بینی ودو گوش گھر سے نکل کر اور قریش سے جان بچا کر مدینہ چلے آئے کہ اس وقت کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس لیے جب وہ مدینہ میں پہنچے تو ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی ان کی تمام ضرورتوں کی کفیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری تک پینتیس یا چالیس مہاجرین آ چکے تھے اور سب کے سب رئیسان انصار کے مہمان تھے اور اس کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ انصار ان کی خدمت کرتے تھے کہ ان غریب الوطنوں کو گھر کا لطف آتا تھا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کے وقت جب ان حضرات کو دیکھا تو ان کو مکہ سے زیادہ یہاں خوشحال پایا لیکن با ایں ہمہ سرورؐ عالم نے اتحاد دینی اور اتفاق ایمانی کے اصول سے اس ضیافت ومہمانی کو حقوق اخوانی کے مضبوط رشتہ وحدت یکجہتی میں منسلک فرمادیا۔

ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ عقد مواخاۃ کا انتظام آنحضرت صلعم نے تعمیر مسجد کے بعد فرمایا اور انس بن مالک کے مکان میں مہاجرین وانصار کو جمع فرما کر آپس میں اخوت کا صیغہ جاری فرمایا۔ ابن ہشام نے ان لوگوں کی طویل اور پر تفصیل فہرست لکھی ہے۔ شبلی صاحب نے اس کا خلاصہ کر کے مشاہیر مہاجرین وانصار کے نام نامی لکھے ہیں ہم انہیں کے مفصلہ ذیل خلاصہ وانتخاب کو نقل کر دیتے ہیں۔

نام مہاجر	نام انصار	نام مہاجر	نام انصار
حضرت ابوبکرؓ	خارجہ بن زید	حضرت عمرؓ	عتبان بن مالکؓ
حضرت عثمانؓ	اوس بن ثابتؓ	ابوعبیدہ جراحؓ	سعد بن معاذؓ
زبیر بن عوامؓ	سلامہ بن دقشؓ	مصعب ابن عمیرؓ	ابوایوب انصاریؓ
عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن یمانؓ	ابوذر غفاریؓ	منذر بن عمرؓ
سلمان الفارسیؓ	ابودرداءؓ	حضرت بلالؓ	ابورویحہؓ
ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ	عباد بن بشرؓ	سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا تھا کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلام کی تکمیل کا سامان تھا۔ (سیرۃ النبیؐ)

شبلی صاحب نے حسب العادت جب اس کی تفصیل بخاری شریف میں نہیں پائی تو بالآخر مجبور ہو کہ تاریخ ابن ہشام کے انتخاب پر عمل پیرا ہوئے اور کیوں کر نہ ہوتے؟ تاریخ وسیر کے خاص موضوع پر کتاب لکھ رہے تھے۔ اگر اس وقت تقلید بخاری مدنظر رکھتے تھے تو

تاریخی حیثیت سے ایک عظیم الشان واقعہ اسلامی کا سراپا سقوط ہو جاتا۔ اس مجبوری سے تھوڑی دیر کے لیے صحیح بخاری بند کر دی گئی۔ نہیں معلوم مولانا صاحب کا وہ اصول کہ سیر و تاریخ کی کتابوں پر مرویات حدیث کو اور احادیث میں مرویات صحاح کو اور صحاح میں مرویات بخاری کو ترجیح حاصل ہے اور جس کو آپ نے بڑے طمطراق سے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے اور تمام کتاب میں اسی عملدرآمد پر کارفرما ہے ہیں۔ اس وقت کہاں گیا اور کیا ہوا؟ مانا کہ صحیح بخاری میں نہیں تھا اور صحاح سے لکھا ہوتا اور اگر اپنے ایجاد کردہ اصول ترجیح پر اصرار تھا تو اس واقعہ کو لکھا ہی نہ ہوتا۔ اس لیے کہ بخاری شریف میں نہیں تھا یہ انداز تحریری تو مولفانہ ذی اعتباری اور وضعداری کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

مگر نہیں۔ باوجود اس کے کہ اپنے اصول مقررہ سے خلاف ورزی اختیار فرمائی گئی لیکن تاہم تعلیم وتقلید بخاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور عام اس سے کہ اس نقل انتخاب میں بھی اصل عبارت کے نقل ماخذ میں تحریف ہوتی ہو یا صریح تدلیس۔ جس مقصد کا اس موقع خاص پر اسقاط واحذاف منظور خاطر تھا وہ کر ہی دیا گیا۔ وہ کیا تھا؟ اسقاط ذکر علیؑ تاریخ ابن ہشام سے آپ کی نقل کردہ انتخابی فہرست دیکھ لی جائے حضرت علی مرتضیٰ کا نام نامی خصوصاً اور سائر بنی حاشم کے اسمائے گرامی عموماً کہیں بھی پائے نہیں جاتے۔ ملاحظہ ہو جلد اول ص 211 کیا عقد مواخاۃ کے انتظام میں یہ حضرات مستثنیٰ فرما دیئے گئے تھے یا فی الحقیقت آپ کی طرح ابن ہشام نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی تحقیق میں جب ابن ہشام کی اصلی عبارت دیکھی جاتی ہے تو ان کی فہرست میں سب سے پہلے انہی بزرگواروں کے اسمائے مقدس لکھے پائے جاتے ہیں۔ ہم عبرت ناظرین کے لیے ابن ہشام کی اصلی عبارت ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین اصحابہ من المھاجرین ولا نصار فقال فیما بلغنا و نعوذ باللہ ان نقول علیہ مالم یقل تأخر فی اللہ این لتعوین ثم اخذبید علی بن ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین و امام لمتقین ورسول رب العلمین الذی لیس لہ خطر ولا نظیر من العباد و علی بن ابی طالب اخوین وکان حمزہ بن عبد المطلب اسد اللہ و اسد رسولہ و عم رسول اللہ صلعم و زید بن حارثہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخوین والیہ اوصی حمزہ یوم احد حین حضر الفتال آن حدیث بہ حادث الموت و جعفر بن ابی طالب ذوالجناجین الطیار فی الجنۃ و معاذ بن حیل اخواھی سلمہ اخوین قال ابن ھشام وکان جعفر ابن ابی طالب یومئذ فائما بارض الحبشہ تاریخ ابن ھشام نجلد اول صفحہ 189 مطبوعہ بولاق مصر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت صحابہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخاۃ

کی تنظیم کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم آیا ہے اور اگر نعوذ باللہ جو میں کبھی تم سے ایسی بات کہوں جو مجھے کہی گئی ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان صیغہ اخوت جاری کروں اور تم لوگوں کو بھائی بھائی بنا دوں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العلمین تھے اور بندوں میں کوئی شخص سوائے حضرت علی ابن ابی طالب کے رسول اللہ کا نظیر اور مماثل فی القدر و منزلت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر یہ دونوں بزرگوار بھائی بھائی بنے اور حضرت حمزہ جو اسد اللہ اور اسد رسول کے لقب مخصوص سے ملقب تھے اور جناب رسول خداؐ کے عم نامدار تھے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے غلام تھے بھائی بنے چنانچہ جنگ احد میں زخمی ہو کر قریب وفات حضرت حمزہ ہی کو وصیت فرمائی تھی اور جعفر ابن ابی طالب جن کا لقب ذوالجناحین (دو بازو والے) اور طیار فی الجنۃ (بہشت میں اڑنے والے) تھا معاذ ابن جبل انصار کے جو بنی سلمہ کے بھائی ہوئے تھے بھائی بنائے گئے۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب اس وقت تک ملک حبشہ میں مقیم تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر طیار کا معاملہ بھی اس موقع پر ایسا ہی تھا جیسا حضرت عثمان کے غائبانہ میں بیعت رضوان کے عقد کا واقعہ بتلایا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات کو دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شبلی صاحب بخاری صاحب کے ساتھ ساتھ قدم اور قلم اٹھا رہے ہیں اور جو عنوان کہ دیباچہ کتاب سے اٹھایا گیا ہے اس کی شرط تقلید و متابعت حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ادا فرما رہے ہیں اور وہ کیا ہے؟ استخفاف خصائص بنی ہاشم عموماً اور اسقاط و احذاف فضائل علی خصوصاً سبقت فی الاسلام کے ابتدائی حالات میں جو بخاری صاحب نے قلمکاریاں کیں اور آپ نے جن جن پہلوؤں سے ان کی جانبداری کے حقوق ادا فرمائے وہ اوپر بیان ہو چکے۔ دعوت قریش کی حقیقت حال کو بخاری صاحب نے جن جن اقسام کے مختلف فیہ الفاظ و عبارت کے ساتھ خلط بحث کر دیا اور کسی طرح خليفتي ووزيری فيكم کے الفاظ کو متن حدیث میں لکھنا گوارا نہ فرمایا اور آپ نے بھی اس کو آمنا و صدقنا کہہ کر حرف بحرف نقل کر ڈالا اس کی بھی مفصل اور مکمل تنقید اوپر قلمبند ہو چکی ہے ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں فرش رسولؐ پر حضرت علی کے سونے کی عظیم الشان اور متفق علیہ واقعہ کو بخاری صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرما دیا اور کہیں اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ ایسی صریح حق پوشی تھی کہ آپ بھی اس کے اقدام پر جرأت نہ کر سکے۔ مجبوراً آپ کو لکھنا ہی پڑا۔ اگر آپ اسی ایک واقعہ پر غائر نظر ڈالتے تو آپ کو بخاری کی مقدار صحت کا پورا اندازہ ہو جاتا لیکن آپ کو خود منظور نہ تھا۔

ان تمام واقعات کے بعد عقد مواخات کا مرقومہ بالا واقعہ ہے بخاری صاحب ایسے کیا تھے جو ٹھنڈے دل سے حضرت علی کی ان خصوصیات کو لکھتے لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ اتحاد کا نہایت عظیم الشان اور قابل الذکر واقعہ تھا اور

اس کے حذف واسقاط سے ابتدائے اسلام کے اکثر واقعات غیر مسلسل اور نامکمل رہ جاتے اس مجبوری سے آپ نے عارضی طور پر تقلید بخاری سے دست برداری اختیار کی اور تاریخ ابن ہشام سے اس واقعہ کو لکھا۔لیکن تاہم اصل مدعا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور فضائل وخصائص علی کی عبارت خاص کو باوجود یہ کہ ماخذ اصلی میں موجود تھا نکال ہی ڈالا جیسا کہ مفصل طور پر اوپر بیان ہو چکا۔اس سے بڑھ کر مؤلف کے لیے کون سا شرمناک واقعہ ہوسکتا ہے۔ استغفر اللہ ربی

اگر شبلی صاحب ابھی تک اس واقعہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ سمجھے ہیں اور اس کے استخراج واستنباط کو محدثین ومفسرین کا نظریہ نہیں یقین کرتے تو ہم ذیل میں صرف ان علماء محدثین اور ان کی کتابوں کے نام لکھے دیتے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو بطریق حدیث مندرج فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے مناقب میں۔امام نسائی نے خصائص میں۔امام ابی شیبہ نے مسدبین۔امام حاکم نے مستدرک میں۔امام عبدالبر نے استیعاب میں۔طبرانی نے معجم میں۔امام سیوطی نے جمع الجوامع میں۔امام دارقطنی نے مسند میں۔ملاعلی متقی نے کنزالعمال میں۔ فقیہہ ابوالحسن معازلی نے مناقب میں اور امام دیلمی اور امام ابن مردیہ نے اپنی اپنی مناقب میں۔اس واقعہ کی تفصیل مختلف الفاظ وعبارت کے ساتھ قلمبند فرمائی ہے۔ملاحظہ ہوارجح المطالب فی عدمناقب علی ابن ابی طالب مولفہ خواجہ عبیداللہ امرتسری مطبوعہ لاہور ص485

اپنی تنقیدی عبارت کو تمام کر کے اب ہم شبلی صاحب کے بقیہ مضامین کو جو انصار مدینہ کی فیاضی، عالی ہمتی خلوص ومحبت اور حقوق اخوت کے صاف وشفاف آئینے ہیں۔ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مہاجرین وانصار کا باہمی سلوک

یہ رشتہ اخوت بھائی چارہ یا(Brotherhood) بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائیداد و مال مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے تھے۔(بحوالہ صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیر تھی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ (سورۃ انفال)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان گولوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری۔

واولی الارحام بعضھم اولی ببعض

ارباب وراثت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر وحدیث میں یہ تصریح مذکور ہے۔

جب بنونصیر جلاوطن ہوئے اوران کی زمین اورنخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں اگر تمہاری مرضی ہوتو نئے مقبوضات تنہا انھیں کو دے دیئے جائیں اور تم ان سے اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجیے اور نئے بھی انہیں کو عنایت فرمادیجیے۔ بحوالہ فتوح البلدان مطبوعہ یورپ ص220

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھ کر مہاجرین نے کیا کیا؟ سعد بن اربیع نے جب عبدالرحمن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتادیجیے۔ انہوں نے شوق قنیقاع کا جو مشہور بازار تھا جا کر راستہ بتادیا۔ انہوں نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید وفروخت کی۔ چندروز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کرلی۔ (صحیح بخاری میں یہ واقعہ دومختلف موقعوں پر مذکور ہے۔) رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خودان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے ان کا اسباب تجارت سات سات سواونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تھا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ اصحابہ فی معرفۃ الصحابہ

بعض صحابہ نے دوکانیں کھولیں۔ حضرت ابوبکر کا کارخانہ سخ میں تھا۔ جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے (ابن سعد جلد 3 ص 130) حضرت عثمان بنوقنیقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے (مسند امام احمد بن حنبل) حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہوگئے تھے اور شاید اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ پر جب لوگوں نے کثرت روایت پر اعتراض کیا اور صحابہ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا اس میں میرا کیا قصور اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے نخلستان انصار کو واپس کردیئے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے۔

ان رسول الله علیه واله وسلم لما فزع من قتال اهل خیبر وانصرف الی مدینة

رد المهاجرون الی الانصار منائجهم التی کانوا منحوهم من ثارهم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عطیہ جو نخلستان کی صورت میں تھے واپس کردیئے۔

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں اور جن کے پاس زمینیں نہ تھیں انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنوزہرہ مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڈھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا۔ حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمانؓ، مقداد، عبداللہ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں (معجم البلدان ذکر

مدینہ) انصار نے مہاجرین کی مہمانی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں انہوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائیوں (مہاجروں) کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے تب ہم بھی لینا منظور کریں گے۔(صحیح بخاری باب فضائل انصار)

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں۔آپ نے گھر میں دریافت کیا کچھ کھانے کو ہے۔جواب آیا صرف پانی ہے۔آپ نے حاظرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان کو اپنا مہمان بنا لے۔ابوطلحہ نے عرض کی میں حاضر ہوں۔غرض کہ وہ اپنے گھر لے گئے۔لیکن وہاں بھی برکت تھی۔بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو۔تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔میاں بیوی بھوکے پیٹھے رہے اور اسی طرح خالی ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

ویو ثرون علی انفسھم ولو کان بہم خصاصۃ

گو ان پر خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

اصحاب صفہ

انصار و مہاجرین کی عام جماعت مسلمین میں اہل صفہ بھی داخل ہیں۔شبلی صاحب ان کی حقیقت یوں لکھتے ہیں:

صفہ۔اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔صحابہ میں اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت بھی کرتے تھے۔لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ان میں سے ایک ٹولی جو دن کو جنگل سے لکڑیاں لا کر اور ان کو بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کر لیتی۔یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ پر) پڑے رہتے۔حضرت ابوہریرہؓ بھی انہیں لوگوں میں تھے۔ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہوسکیں۔چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے تھے کہ پاؤں تک لٹک آتی تھی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔جو ٹپک ٹپک کر گرتیں اور یہ اٹھا اٹھا کر کھاتے کبھی دو دو دن کھانے کو نہ ملتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ اکثر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے باہر کے لوگ آتے ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں۔(بحوالہ صحیح ترمذی باب معیشۃ النبیؐ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو مہاجرین و انصار پر

تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ بحوالہ زرقانی ذکر اصحاب صفہ مسجد نبوی سیرۃ النبی جلد اول ص215

یہودان مدینہ

مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہودی نسلاً یہود تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قوم عمالقہ سے جنگ عمالقہ کے لیے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انہوں نے کہیں اپنے نام نہیں بدلے۔ آج بھی جہاں ہیں اسرائیلی ہی نام رکھتے ہیں بخلاف اس کے عرب کے یہودوں کے نام نضیر قنیقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ نے ان سے لڑنے کو کہا تو بولے:

اذهب انت و ربك فقاتلا انا هھنا قاعدون

تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھیں رہیں گے۔

بخلاف ان کے عرب کے یہودی نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

ثم كانت وقعة بنی نصير و هم محد من جذام الا انهم تهودو كذلك قريظة

پھر بنی نضیر کا واقعہ ہوا۔ یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا۔ اسی طرح قریظہ بھی۔

مورخ سعودی نے بھی کتاب الاشراف والتبعیہ میں ایک روایت لکھی ہے کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ میں عمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکانی کر کے حجاز میں چلے آئے۔

مسٹر مارگیولوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے۔ ان کا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودان مدینہ دیرونجات کی بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے۔ عرب جو یہود ہوتے گئے وہ بھی انہیں میں شامل ہوتے گئے۔

خاص مدینہ اور اس کے اطراف میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قنیقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ ان لوگوں نے مضبوط برج اور قلعہ بنا رکھے تھے۔ انصار کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ ان میں باہم جو آخر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔ ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا۔ جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

مسلمانان اور یہودان مدینہ میں باہمی معاہدہ

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۴) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

یہودیوں کا اس معاہدہ پر بطور ظاہراً اقرار و دستخط ہو گئے۔لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف کو ان کے قلب و باطن سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ بہت جلد ثابت ہوتا ہے۔

اسلام سے یہود کا تنفر

حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے خدا کے نبیؐ برحق حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے اپنے موعظہ میں یہود کو یہ بشارت پہنچائی تھی کہ خدا موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا نبی پیدا کرے گا اس وقت سے یہود یہ امید کیے ہوئے تھے اور اسی امید پر مدینہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والا نبیؐ یہود کے ادبار قومی کو دور کرنے والا۔ان کی گذشتہ شان و شوکت،حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا اور جب سے یہود کو شام سے نکال کر ذلت و غلامی کے گڑھوں میں ڈال دیا گیا تھا۔اسی وقت سے نبی موعود کے ظہور پر ان کی آنکھیں اور بھی زیادہ لگی ہوئی تھیں۔اب اسمٰعیلی نبی کا مدینہ میں تشریف لانا سن کر یہودی بہت خوش ہوئے تھے۔یہ حالت کسی نہ کسی طرح جنگ بدر تک قائم رہی۔لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستباز ٹھہراتا ان کی تعلیم کو سچی بتلاتا،مسیح پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری اور جزو لاینفک قرار دیتا اور ان کی بزرگی کر کے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے تو اس وقت سے سب یہودی نبی صلعم کے دشمن ہو گئے۔

مسلمانوں سے عیسائیوں کی نفرت

عیسائی بھی خال خال مدینہ اور اس کے مضافات میں آباد تھے۔مجموعی حیثیت سے عیسائی نہ شمار میں یہودیوں کے برابر تھے اور نہ مال واقتدار میں ان کے مقابل تھے لیکن تاہم ملک کی آبادی ان کی تعداد افراد سے خالی بھی نہیں تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور فرمانے اور مدینہ میں تشریف لانے سے یہ بھی پہلے بہت خوش اور مطمئن ہوئے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام اپنے

سب سے آخری وعظ میں ایک بشارت دینے والے کے آنے کی خبر دے گئے تھے جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہے گا (اس کی رسالت آخر اور ہمیشہ دنیا میں قائم رہے گی) اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھلائے گا اور تمام عیسائیوں کو اسی کے حکم پر چلنے کی تاکید فرمائی تھی۔اس لیے عیسائی بھی اس نبیؐ کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا عیسائیوں کو جلال بخشنے والا مسیح کی صداقت ظاہر کرنے والا ہوگا۔لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ نبی صلعم نے عیسائیوں کے خودساختہ مسائل ابنیت، تثلیت کفارہ رہبانیت اور یورپ کے الٰہی اقتدار کا رد کیا تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہو گئے رحمۃ العلمین ص 95

شبلی صاحب نے جو معاہدہ کی عبارت ابن ہشام کی اصلی عبارت سے خلاصہ کر کے لکھی ہے وہ بالکل مبہم رہ گئی ہے اس لیے اس کا انکشاف ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔اس بنا پر ہم ابن ہشام کی اصلی عبارت سے ذیل میں اس معاہدہ کے تمام شرائط کو حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) هذا کتاب من محمد النبی صلعم بین المومنین و المسلمین من قریش و یثرب من تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم

یہ تحریر ہے محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ متحد اور کاروبار میں ان کے شامل ہیں۔

(۲) انهم امة واحدة

یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

(۳) ان یهود بنی عوف امة مع المومنین

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم شمار ہوں گے۔

(۴) وان بینهم لنصر علی من حارب اهل هذه الصحیفة

جو کوئی ان معاہد قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا مسلمان معاہدہ والوں کی نصرت کریں گے۔

(۵) وان بینهم النصح والنصیحة والبر دون الا ثم

مسلمانوں کے تعلقات معاہد قوموں کے ساتھ خیر خواہی۔خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے،ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔

(۶) وان الیهود نیفقون مع المومنین ماداموا محاربین۔

یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک ایام جنگ میں مصارف جنگ دیں گے۔

(۷) وان بطانۃ یھود کانفسھم

یہودیوں کے حقوق جانبدارانہ قوموں کے حقوق کے برابر سمجھیں جائیں گے۔

(۸) وانہ یاتم امرء لحلیفۃ

کوئی شخص اپنے معاہدہ قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہیں کرے گا۔

(۹) وان النصر للمظلوم

مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔

(۱۰) وان یثرب حوام جوفھا لاھل ھذہ الصحیفۃ

مدینہ کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدہ کی رو سے سب لوگوں پر حرام ہوگا۔

(۱۱) وان الجاد کا النفس غیر مضار ولا اثم

ہمسایہ میں بھی معاہد قوموں کی ایسی سمجھی جائیں گی تا وقتیکہ وہ ضرر رساں اور عامل گناہ نہ ثابت ہوں۔

(۱۲) وان ماکان بین اھل ھذہ الصخیفۃ من حدث او شجار یخاف فسادہ فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ابن ہشام جلد اول مطبوعہ بولاق مصر صفحہ ۱۷۸)

معاہدہ والی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی بات یا جھگڑا پیدا ہوجائے گا جس میں آیندہ فساد کا خوف ہوگا تو اس امر کا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا جائے گا۔

راس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول

مدینہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے لیے ناظرین کو راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے حالات پر بھی مجمل طور پر نظر ڈال لینی ضروری ہے۔ یہود ان مدینہ کے سوا مدینہ میں ایک ممتاز اور با اثر شخص بھی تھا۔ اوس وخزرج کے قبیلوں پر اس کا پورا رعب تھا اور اس کو پوری توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلوں کی مدد سے مدینہ کی سب سے اعلیٰ طاقت میں ہی بن جاؤں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ اوس وخزرج مسلمان ہو رہے ہیں تو خود بھی (بعد از جنگ بدر) بظاہر مسلمانوں سے مل گیا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہودی نبی صلعم کے خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے چاہا کہ یہودیوں پر بھی اس کا اثر قائم رہے اور مسلمان ہو جانے والے قبائل بھی بدستور سابق اس کے زیر اثر رہیں۔ اس لیے اس نے یہ رویہ اختیار کیا کہ مسلمانوں میں بیٹھ کر ان سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے ان کے ساتھ اپنے اتحاد و رفاقت و صداقت کا دعویٰ کیا کرتا تھا اور چونکہ فی الحقیقت اسلام کا وہ اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لیے جب موقع ملتا تو

مسلمانوں کی ضرر رسائی سے دریغ نہ کرتا۔ اسلام میں اس کے گروہ کا نام منافقین تھا اور وہ راس المنافقین کے نام سے مشہور تھا۔

مدینہ کی یہ حالت تھی اور اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کے لیے اس جگہ بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا ایک منصف اور غور پسند طبیعت فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آ جانا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام میں جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں بمقابلہ مکہ معظّمہ ہوئی۔ اس کا ذکر قرآن نے پہلے ہی سے بطور پیش گوئی فرما دیا تھا۔ **والاخرة خیر لك من الاولی** پچھلا تیرے پہلے سے بہتر ہوگا۔

1 ہجری کے متفرق واقعات

ہجرت کا پہلا سال تمام ہو گیا۔ اس سال کے تمام مشہور اور قابل الذکر واقعات پوری تفصیل سے اوپر بیان ہو چکے۔ متفرق واقعات جو اپنی خاص اہمیت و نیز تاریخی حیثیت سے ذکر کے قابل ہیں وہ یہ ہیں۔

دو رئیسان انصار کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زراہ کی وفات

کلثوم بن الہدوم اور اسعد بن زراہ، کلثوم، وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں تشریف لاتے تو انہیں کے مکان میں ٹھہرتے اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انھی کے گھر اترتے تھے۔

اسعد بن زرارہ ان چھ شخصوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق ان چھ شخصوں میں سے جس نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ یہی اسعد تھے۔ یہ فخر بھی انھیں کو حاصل ہے کہ مکہ سے مدینہ میں آ کر سب سے پہلے انہیں نے جمعہ کی نماز قائم کی۔ چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ ان کی جگہ کوئی شخص اس منصب پر بحال کیا جائے چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہو گا تو اوران کو رشک ہوگا۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ کا ننھال اسی قبیلہ میں تھا اس لیے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہیں تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلعم اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا **لا املك لنفسی ولا یصاحبی من الله شئیا** میں اپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ طبری 1261

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی۔ خالد بن ولید کے باپ ولید بن المغیرہ نے اور عمر عاص کے باپ عاص بن وائل السہمی نے۔

اسی زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر بھی پیدا ہوئے اور تاریخ طبری کے مطابق مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور زیاد بن سمیہ (جس کو آگے چل کر امیر معاویہ نے سیاسی ضرورت سے زیاد بن ابوسفیان بنالیا) بھی پیدا ہوئے۔

اب تک نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار ہوگئیں۔ لیکن سفر کے لیے اب بھی وہی رہیں۔

2ہجری

تحویل قبلہ شعبان 2ھ

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا۔ امسال تاریخ اسلامی میں دو عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوئے ایک سمت قبلہ تبدیل ہوا دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام نے اسلام کے استحصال اور مسلمانوں کے قتل عام کرنے کے لیے علانیہ تلواریں نکال لیں اور مسلمانوں کو ان کی مدافعت اور اپنی جان و مال اور اہل وعیال کی حفاظت خوداختیاری میں ان کی خونخواریوں کا جواب دینا پڑا۔

تعریف قبلہ اور اس کی تعیین وتبدیل کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے نہایت قابلانہ اور محققانہ تفصیل وتصریح قلمبند فرمائی ہے ہم اسی کی مفصلہ ذیل نقل کو اپنے مدعائے بیان کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

ہر گروہ اور ہر مذہب کے لیے ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی نہیں قائم رہ سکتی۔ اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم واسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص نمایاں وصف مساوات عام، جمہوریت اور توحید عمل ہے۔ یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحدالجنۃ نظر آئیں۔ مذہب اسلام کا رکن اعظم نماز ہے۔ جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اس طرح کہ ہزاروں اور لاکھوں اشخاص کی متفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے اسی بنا پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اس کے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے اس لیے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے۔ یہی اصول ہے جس کی بنا پر نماز کے لیے ایک خاص قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی کفر کے دائرے سے نکل آتا ہے۔

اب صرف یہ بحث باقی رہی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے۔ یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ ان کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی لیکن ابراہیم بت شکن کے جانشین کے لیے صرف کعبہ قبلہ ہوسکتا تھا جو اس موحد اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں تھے۔ وہ ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں۔ ملت ابراہیمؑ کی تاسیس وتجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض تھی یعنی امتیاز و اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم مقام ابراہیم پر نماز پڑھتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس طرح دونوں قبیلہ سامنے آجاتے تھے مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے تھے شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس

لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً سولہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبیلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعتاً قبلہ بدل گیا۔

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ‌ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ‌

تم اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف پھیر دو۔

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معرف تھے یہاں تک کہ (جیسا کہ ابوداؤد میں روایت ہے) جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنائیں گے۔ اسلام نے ان کے مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لیے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہیں کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو ان کی ناراضگی اور برہمی کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ انہوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی لیے قبلہ بھی مخالفت کے ارادے سے بدل دیا ہے۔ دو غلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تنزلزل اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے متعلق چند آیتیں اتریں جن سے یہ مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰٮهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِىۡ كَانُوۡا عَلَيۡهَا ‌ؕ قُل لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ‌ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِىۡ كُنۡتَ عَلَيۡهَآ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ‌ؕ وَاِنۡ كَانَتۡ لَكَبِيۡرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ‌ؕ

(بقرہ آیت۔142)

سقہا، یہ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اس سے ان کو کس نے پھیر دیا کہہ دو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے۔ تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اس کی وجہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گران اور ناگوار ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ‌ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (بقرہ آیت ۔177)

مشرق مغرب رخ کرنا ثواب کی بات نہیں ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملائکہ پر خدا کی کتابوں پر پیغمبروں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں غریبوں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو سائلوں کو اور اپنے غلاموں کو اپنی دولت دے ڈالے۔

ان آیتوں میں پہلے خدا نے یہ بتلایا کہ قبلہ خود کوئی مقصد بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت کے لیے مغرب و مشرق سب برابر ہیں خدا ہر جگہ ہے۔ ہر سمت ہے۔ ہر طرف ہے پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتلائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے۔ بہت سے یہودی بھی جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے مار آستین تھے۔ لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت، مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اس سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے پھر خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں۔ بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ 221-219

شبلی صاحب نے قبلہ کی فلسفی تفصیل لکھ دی لیکن اس کی تاریخی واقعیت اور کیفیت کا نام تک نہیں لیا۔ آپ کی مرقومہ بالا عبارت کو پڑھ کر ہر شخص قبلہ کی تعریف۔ حقیقت اور ضرورت کو تو ضرور سمجھ جائے گا لیکن اس کے متعلق کہ سولہ، سترہ مہینوں تک قبلہ ایک رخ رہ کر دوسرے رخ پر کیسے بدلا، کہاں بدلا اور کس وقت کس حالت میں بدلا یہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکے گا۔ حالانکہ آپ جب تاریخ و سیرت کے موضوع پر اپنی تصنیف مرتب کر رہے تھے تو آپ کا فرض اولین تھا کہ اس کے مقام وقوع وقت وقوع حالت اور صورت وقوع کو بھی اسی تنظیم و ترتیب واقعات کے سلسلہ سے بیان فرما دیتے جس ترتیب و سلسلہ سے اور واقعات قلمبند فرمائے گئے ہیں اور ترتیب سیرت و تاریخ کے اعتبار سے جب تک یہ کمی پوری نہ فرمائی جائے گی۔ اسلامی قبلہ کی تحویل و تعین کی نسبت آپ کی موجودہ تحریر ناکافی اور نامکمل ٹھہرائی جائے گی۔

اب ہم آپ کی فروگذاشتہ امور متعلق بہ تحویل قبلہ کی تفصیلی کیفیت ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔ ابن ہشام اور طبری اس کے سال اور ماہ و روز وقوع کی نسبت لکھتے ہیں۔

صرفت القبلة يوم الثلثاء فی شعبان علی راس ثمانية عشر شهر امن مقدم رسول الله صلعم المدينة وعن ابن سعد للنصف الشعبان

قبلہ کی تحویل شعبان کے مہینہ میں منگل کے دن۔ مدینہ میں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کے اٹھارہ مہینے بعد واقع ہوئی اور ابن سعد کے موافق 15 شعبان تھی۔

تحویل قبلہ کی صورت، حالت اور کیفیت ہم مواہب لدنیہ، تاریخ مدینہ اور شرح زرقانی سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ تاریخ مدینہ امام نورالدین سمہودی کے فارسی ترجمہ کی اصلی عبارت حسب ذیل ہے۔

ارجح انست كه تحويل قبله در مسجد قبلتين بوده۔ منقول است كه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فرمودكه زيارت كررم ام بشرراوربنى سليم پس او براے ما وبراے اليشان كو ہمراه بودند طعام درست داده۔ ووقت ظہر درآمد۔ آنحضرت صلعم با اصحاب خود در موقع مسجد قبلتين نماز ظہر ميگذارد و چون دو ركعت نماز كرو مامور شدكه رد بكعبه كند۔ پس آنحضرت صلعم روے مبارک خود سوئے كعبه گردانيده۔ ہمیں قبله است که خداتعالیٰ سفرمائيدفلنولينك قبلة ترضها

قول مرجح ہی ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد قبلتین میں واقع ہوا منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلعم محلہ بنی سلیم میں ام بشر کے گھر ضیافت میں مع صحابہؓ کے تشریف رکھتے تھے۔ وہیں آپ کو ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ نے صحابہ کے ساتھ اس مقام پر جہاں مسجد قبلتین اب تک موجود ہے نماز پڑھنی شروع کی دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ حالت نماز ہی میں تبدیل قبلہ کا حکم نازل ہوگیا اور اسی وقت آپ نے اپنا روئے مبارک کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیا جس سے تو راضی تھا۔

ترجمہ تاریخ مدینہ امام سمہودی فارسی (قلمی) زرقانی مطبوعہ مصر جلد دوم ص485۔ محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب میں باختلاف الفاظ یہی صورت واقعہ بتلائی ہے۔ روضۃ الاحباب جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص211

اسی موقع مبارک پر مسجد قبلتین کی عمارت آج تک اپنی تقدیس و تخصیص کو بتلا رہی ہے۔ تحویل قبلہ کی اصلی واقعیت اور حقیقی صورت و کیفیت یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی۔

سلسلہ غزوات

شبلی صاحب نے اس عنوان سے غزوات کی نقل وتفصیل سے پہلے ایک طویل مضمون لکھا ہے جو اپنے مطالب ومقاصد کے اعتبار سے تفصیل غزوات کی تمہید ہے لیکن بعض مقامات میں ناتمام اور بعض مقامات میں آپ کے بیانات استدلال مبہم رہ گئے ہیں۔ اپنے اس نقص کو شبلی صاحب ابتدا ہی سے خود سمجھ گئے ہیں چنانچہ اس عنوان کے آغاز ہی سے حاشیہ میں یہ معذورتانہ عبارت قلمبند فرماتے ہیں۔

غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے واقع ہوا اور جس قسم کے واقعات پیش آئے ان کے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ وہ ضمنی طریقہ سے ادا نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اس وقت ذہن نشین ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام واقعات سرسری نظر سے گزر جائیں۔ اس میں ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھیں۔ صفحہ 222

یہ کوئی ترکیب ہے اور کوئی ترکیب تالیف ہو بیان تو یہاں ہے اور مدعا دو کامل جلدوں کے پڑھے جانے کے بعد سمجھ میں آئے گا۔ واقعات تو سلسلہ بیان میں ایک مقام پر جمع کر دیئے گئے اور لکھ دیئے گئے ہیں لیکن ان کے اسباب وعلل اور توجیہات وتوضیحات وقوع کتاب کی دوسری اور تیسری جلدوں کے مطالعہ پر موقوف کر دی گئیں ہیں۔ شاید شبلی صاحب نے اپنی تالیفات کے لیے یہ انداز خاص اختیار فرمایا ہو۔ لیکن اس وقت تک سیرت وتاریخ کی جتنی عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں میرے پیش نظر ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ ترتیب پائی نہیں جاتی۔ عارضی طور پر کسی بیرونی مضامین کی مناسبت وقتی یا ضرورت انتثالی کے حامل ہو جانے سے اگر کسی کتاب کے سلسلہ عنوان میں کوئی فصل واقع ہوگئی ہو تو یہ اور بات ہے لیکن کسی مصنف نے اپنی تصنیف میں یہ انداز ترتیب نہیں قائم رکھا ہے کہ ایک ہی عنوان ومضمون کو ایک مقام پر ناقص، ناکامل یا مبہم چھوڑ کر اس کی تکمیل، توجیہہ اور دیگر انکشافات دوسرے یا تیسرے حصہ میں قلمبند کیے گئے ہوں۔ یہ تاریخ وسیر کے واقعات نہ ہوئے بوستان خیال کے خانہ جات ہوئے کہ پہلی جلد میں ایک قصہ کا آغاز ہے تو دوسری میں تشبیب اور تیسری اور چوتھی جلد میں کہیں جا کر نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی اس شان بیان میں بھی امام بخاری صاحب کی تقلید نہیں چھوڑی ہے ان کی صحیح بھی تمام تر اسی ترتیب وترکیب غلط سے بھری پڑی ہے۔ ایک باب میں ایک حدیث کچھ حصہ تک بیان کر دی گئی ہے پھر دوسرے تیسرے یا چوتھے باب وفصل میں جا کر اس کے باقیماندہ حصہ کا اندراج کیا گیا ہے۔

بہر حال اتنا تمہیداً لکھ کر ہم شبلی صاحب کی بے ترتیبی وترکیبی کی آئندہ صورت حال پیش کرتے ہیں۔ یہ عبارت معذرت لکھ کر آپ اپنے عنوان تمہید کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

کیا عجیب بات ہے ارباب سیر مغازی کی داستان جس قدر درازنفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں۔ یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے۔ کیونکہ اس کو اسلام کے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اس کے نقش ونگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔ یورپ کے تمام مورخین نے سیرت نبویؐ کو اس انداز میں لکھا

ہے کہ وہ لڑائی کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔

مولوی شبلی صاحب کے انتشار تحریر اور اضطرار ترتیب مضامین کی اصلی وجہ کھل گئی۔ وہی آپ کا قدیم عارضہ تو ہم یورپین مصنفین سے آپ کی تخویف ومرعوبیت اور ان کے مطالبات واعتراضات کے جوابات متدلانہ طریقہ سے پیش کرتے ہیں۔ آپ کا عجز وضعف اور آپ کی سپر اندازی اور سرافگندگی۔ جو ہم تمام ایسے مقامات پر دکھلاتے اور بتلاتے چلے آتے ہیں یہاں بھی عارض حال ہوگیا۔ آپ کا اضطراب، آپ کی پراگندگی اسی سے ظاہر ہے کہ عیسائی مصنفین کے یہ اعتراضات آغاز مدعا سے آ کے دل میں کھٹک رہے تھے۔ ان کی تردید کچھ تمہید میں ضمناً بیان کی گئی۔ پھر تشفی خود نہ ہوئی تو حاشیہ میں عبارت معذرت لکھ کر آئندہ تسکین کا یقین دلایا گیا۔ پھر خدا خدا کر کے جنگ بدر کے صاف صاف اور سیدھے سادے (بقول آپ کے) حالات لکھ کر مخالفین کو اسلام کی جہاد کی گویا اصلی شان اور حقیقی عملی صورت دکھلائی گئی ہے۔ لیکن افسوس پھر بھی آپ کو اپنے بیان سے اطمینان نہ ہوسکا تو غزوہ بدر پر ایک اور تبصرہ لکھا۔ اب خدا جانے اس کے بعد بھی آپ کو اپنے بیان سے پوری تسکین ہوئی یا نہیں العلم عند اللہ۔

اتنے اضطراب کا باعث کیا تھا؟ وہی مرعوبیت اور استدلال کا غلط طریقہ جو اس موقع پر بھی حسب العادت اسی زور وشور سے اٹھایا گیا ہے جیسے اور مقامات پر اور نزلہ بضعیف می ریزد۔ مرویات سیرت کو تنہا مخالفین کے ان تمام اعتراضات کا باعث ہر ممکن وناممکن طریقہ سے ٹھہرایا گیا ہے جنہوں نے غزوات اسلامی کو جنگ دفاعی ثابت کرنے کے ساتھ عموماً جنگ بدر کے متعلق خصوصاً یہ لکھ دیا ہے کہ اس غزوہ کی غرض خاص قافلہ قریش کا لوٹ لینا تھا جو ماتحتی ابوسفیان میں اسباب تجارت بیچ کر ملک شام سے واپس آرہا تھا۔

اہل سیرت وتاریخ نے متفقہ طور پر اگر ایسا کیا تو بڑی غلطی کی لیکن ہم نے آپ کے استدلال کی تفصیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس غلطی میں اگر واقعی غلطی ہے تو اکیلے سیرت والے ہی ملزم نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہی کے اقرار واعتراف کے مطابق امام بخاری بھی اس جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہیں۔ آپ خود خاتمہ بحث میں۔ ص 265 پر رقمطراز ہیں۔

گو اب یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔ تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقہ طور پر کیوں غلطی کی اور صحیح بخاری وغیرہ میں تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

جب خود صحیح بخاری وغیرہ میں بقول آپ کے یہ تصریحات موجود ہیں۔ گو ان کی وجوہ آئندہ چل کر آپ جو نہ ثابت کریں لیکن سیرت کے علاوہ، حدیثوں کی کتابوں میں اور علی الخصوص صحاح کی کتابوں میں بھی اس کا وجود قائم ہے تو ایک تحقیق کنندہ ضرور کہہ دے گا اب اہل سیرت کو اکیلے اس الزام کا ملزم اور اس جرم کا مجرم بنانے کا آپ کو کوئی حق باقی نہیں رہا۔

اب شبلی صاحب کا وہ طومار بیان کہ یوروپین مصنفین کے تمام اعتراضات والزمات کے باعث اکیلے اہل سیرت ہیں کہاں ثابت ہوسکا۔ سیاہ کرنے کو صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے گئے اور آخر میں ان طوماری کی بنا پر جو فیصلہ کیا گیا وہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اصل حقیقت کے سمجھنے میں فریقین (اہل سیرت واحادیث) کو غلط فہمی واقع ہوگئی ہے جس طرح ارباب سیر اصل مقصود تک نہیں پہنچے اسی طرح اہل

احادیث بھی اس کی اصلی تفہیم نہ کر سکے۔ اس کے ساتھ آپ کی عبارت فیصلہ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس غلط فہمی کی ابتدا دراصل ارباب تاریخ وحدیث ہی سے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کا آغاز حقیقتاً صحابہ ہی کے خاص زمانہ سے ہوا ہے اور وہی حضرات جو ان واقعات کے اصل راوی ہیں۔ وہی اس کے اصل باعث کو نہ خود سمجھ سکے نہ دوسروں کو سمجھا سکے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ارباب سیر ہوں یا اصحاب حدیث وتفسیر سب کے سب علوم صحابہ کے ریزہ چین ہیں۔ پھر جب انہیں حضرات نے کسی امر کے سمجھنے میں ابتدائی غلطی کی تو ان کے سامعین وناقلین سے اس کی جوابد ہی کیسے لی جاسکتی ہے۔ ہمارے اس بیان پر شبلی صاحب کے مفصلہ ذیل الفاظ فیصلہ خود شاہد ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے۔ صحیح بخاری غزوہ بتوک میں حضرت کعب بن مالک کا جو مشہور صحابی ہیں ان کا قول نقل کیا ہے۔

ولم یکن رسول اللہ صلعم یرید غزوۃ الا وری بغیرھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنین الفاظ استعمال فرماتے تھے (گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں) تاہم واقعات کے استقصاء سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعد بن خثیمہ کو یہ پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے۔ بخلاف ان کے صحیح بخاری میں انہی کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔ دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی جس میں صحابہ بھی داخل ہیں بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اپنا استنباط ہوتا ہے یعنی اس نے اس کو ایسا ہی سمجھا ہے۔ بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کیے اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا، وہی پھیل گیا۔ سیرۃ النبی نتیجہ غزوہ بدر جلد اول ص 266

اتنی سی بات کے لیے ہمارے شبلی صاحب نے اپنی کتاب کے چوالیس (از 222 فحہ تا 266) صفحات لکھ ڈالے۔ اگر آغاز ہی میں اس کا اظہار کر دیا ہوتا تو اس طومار بیکار کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر شخص یہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتا کہ بعض صحابہؓ کو جو اس کے اصل راوی ہیں۔ اس کے اصل سبب کے بیان کرنے میں غلط فہمی واقع ہو گئی ہے اور یہ ان کے قیاس کی خطا ہے اور اسی کے ساتھ وہ بھی دیکھ کر اطمینان کامل کر لیتا کہ انہیں صحابہ کے طبقہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کے حقیقی اسباب وعلل کو بخوبی جانتے ہیں اور وہی امر بتلاتے ہیں جو اس واقعہ میں حقیقتاً تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کا عین مقصود تھا۔ چنانچہ آپ (شبلی صاحب) خود لکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں، ابن ابی شیبہ نے منصف میں، ابن جریر نے طبری تاریخ میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کی ہے اور اس کو صحیح لکھا ہے اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علیؑ بن ابی طالب ہیں۔

عن علی قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا ثمارھا فاحتبوناواصابنا بقاوعک وکان النبی صلعم تخیر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین قدا قبلوا اسر رسول اللہ

صلعم الی بدر وبدر بئر فسبقنا المشرکین الیها

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ میں آئے تو وہاں کے پھل کھانے کو ملے جو ہمارے موافق خراج نہ تھے۔اس لیے ہم لوگ بیمار پڑ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کیلئے نکلے۔جب ہمیں خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو رسول صلعم بدر کو چلے۔بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ نکلے تھے اور بدر پر آ کر قیام فرمایا تھا اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔سیرۃ النبی جلد اول ص258

اس بنا پر جو امور آپ نے نتیجہ میں دکھلائے ہیں وہ اگر آپ نے اس بحث کے مقدمہ میں دکھلا دیئے ہوتے تو اتنی طوالت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔یہ آپ کی سعی بیکار ثابت ہوئی اور اگر کچھ مفید کار ثابت بھی ہوئی تو صرف اہل اسلام کے لیے جو حضرات ناقلین یعنی صحابہ اولین کے غلط استنباط اور پھر انہیں حضرات میں بعض بزرگواروں کے صحیح انکشافات سے صحیح واقعات پڑھ کر اس امر کی حقیقت سے پورے مطمئن ہو گئے لیکن مخالفین ومعترضین اسلام کی تسکین وتشفی تو اس جواب استدلالی سے مطلق نہیں ہوئی کیونکہ وہ آپ کے رواۃ اولین یا آخرین کے غلط استنباط اور غیر صحیح قیاسات کی جوابدہ نہیں۔وہ تو آپ کی کتاب اور آپ ہی کی مرویات سے اپنا استدلال پیش کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ آپ کی کون کتاب صحیح ہے اور کون سی غلط؟ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آپ کا کون سا راوی صحیح قیاس واستنباط کرتا ہے اور کون سا غلط؟ ہم برابر دکھلاتے اور بتاتے آتے ہیں کہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں شبلی صاحب کا یہ طریقہ استدلال کہ ہماری یہ روایت صحیح ہے اور وہ غلط۔یہ کتاب مستند ہے۔وہ غیر مستند۔ہمارا یہ راوی صحیح قیاس واستنباط کرتا ہے اور وہ غلط قیاس واستنباط کرتا ہے۔مخالف کے لیے کبھی حجت نہیں ہوسکتا۔بلکہ بجائے اس کے ان کو انہیں کے احکام وعمل کی مثالیں امور زیر بحث کے متعلق انہیں کی کتابوں سے دکھلانی چاہئیں اور انہیں کے اقوال واحکام سے ان کو معقول کرنا چاہیے۔افسوس ہے کہ اگر اس بحث کو ہم یہیں سے ابھی شروع کر دیں گے تو ہمارے سلسلہ بیان میں ذکر قبل از وقت کا نقص پیدا ہو جائے گا اور پھر میرے تمہیدی مضامین بھی شبلی صاحب کی طویل تمہید کے مترادف بن جائیں گے۔اس لیے ہم مخالفین کے جواب میں انبیائے سابقین کے احکام وعمل فی الجہاد کی چند مثالیں ذیل میں لکھ دیتے ہیں اس کہ معترضین کا سارا اعتراض ان امور کی نسبت جیسا کہ آپ لکھتے ہیں یہ ہے کہ اشاعت اسلام کو بزور شمشیر، ظالمانہ اور جابرانہ طریقہ سے دکھلائیں تو اصل مقصود معترضین کا ہمارے احکام اور عمل فی الجہاد کی شدت اور سختی کا اظہار ہے ہماری مفصلہ ذیل مثالیں قرآن اور حامل قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام وعمل فی الجہاد اور ان امور میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علی نبینا و آلہ وعلیہما السلام کے احکام وعمل فی الجہاد کے باہمی فرق مابہ الامتیاز کو بخوبی بتلا دیں گے اور وہ یہ ہیں۔

یہود ونصاریٰ کے حکم وعمل فی الجہاد کی مثالیں

توریت کی کتاب الاعداد باب 21، آیت 1-45 میں مرقوم ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے بنی اسرائیل نے مدائن کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا۔ ان کے مویشی بھیڑ بکری اور مال و اسباب کو لوٹ لیا اور ان کے پانچ بادشاہوں کو قتل کر ڈالا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو جلا کر پھونک دیا۔ پھر موسیٰ بنی اسرائیل پر خفا ہوا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا اب تک تم نے سب عورتوں (اسیر شدہ کو) زندہ رکھا ہے۔ تم ان کے بچوں کو جتنے بھی ہوں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالو اور ہر ایک ایسی عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو اس کو جان سے مار ڈالا لیکن ان میں وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ہیں ان کو اپنے (مصرف کے) لیے زندہ رکھو۔

یہ تو توریت کے حکم اور عمل فی الجہاد کی مثال کا صرف ایک نمونہ تھا جو دکھلا دیا گیا۔ اب حضرت عیسیٰؑ کا خاص حکم جہاد انجیل مقدس میں تبلیغ دین کے متعلق خاص انہی کی زبانی ملاحظہ ہو۔

انجیل متی باب 10، آیت 35 میں مندرج ہے۔

اے نبی اسرائیل۔ یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلوانے کو آیا ہوں۔

پھر اپنے آخر وعظ میں حواریوں سے ارشاد ہوتا ہے۔ انجیل متی باب 27

کپڑوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جاؤ۔

ان احکام وعملیات کی موجودگی میں جن کی کثیر التعداد مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں اور جن کو ہم اپنے اپنے مقامات مناسب پر لکھیں گے کوئی مخالف اسلام ہو۔ یہودی یا عیسائی ہمارے رسول برحق، رحمت مطلق کے احکام وعمل فی الجہاد کی مثالوں پر جو ان کے مقابلہ میں اذیت نہیں رحمت، انتقام نہیں عین انعام ثابت ہوتے ہیں، منہ نہیں کھول سکتے وہ اپنے انصاف کی زبان سے کہہ دیں اور بتلا دیں کہ یہ طرز عمل جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے کفار کے ساتھ جہاد میں اختیار کیے اور مغلوبین کے ساتھ انتقام لینے کے لیے جو احکام بنی اسرائیل کو پہنچائے کیا اس امر کی تصدیق نہیں کرتے کہ مذہب موسوی بزور شمشیر پھیلایا گیا ہم بطور احتجاج ان کو بتلائے دیتے ہیں کہ اگر وہ ان مثالوں پر تعصب ونفسانیت سے نہیں عدالت و دیانت سے غور کریں گے تو ان کو حضرت موسیٰؑ کے اس عمل وحکم و شدت کا اعتراف کرنا پڑے گا اور اسی اقرار واعتراف کے ساتھ ان کو اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے ایسے نرم اور مترجمانہ طریقہ اجتہاد پر جو نہایت صفائی کے ساتھ ہر معرکہ جنگ میں بالکل مدافعانہ ثابت ہوتے چلے آئے ہیں۔ نہ جارحانہ مخاصمانہ کسی قسم کے اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔

یہ تو حضرت موسیٰؑ کی عمل جہاد کی مثال تھی اسی طرح عیسائی معترضین حضرت عیسیٰؑ کے مرقومہ بالا احکام کو نظر (انصاف سے دیکھ کر بتلا دیں کہ آپ کے اس حکم سے جو تبلیغ دین کے ابتدا ہی میں فرمایا گیا تھا کہ میں تم میں صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیا یہ اس حکم سے یقینی طور پر مستفاد نہیں ہوتا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کو ضرورت تبلیغ دین اور تاسیس ملک وقوم کی غرض سے کافروں اور دین الٰہی کے منکروں کے مقابلہ میں جہاد کا موقع ملتا تو وہ کس شدت اور سختی کے ساتھ تلوار چلواتے۔ کیا کوئی شخص بعد اس کے کہ آپ خود فرما چکے ہیں مجھ سے صلح کی امید نہ رکھو، میں روئے زمین پر صلح کرانے نہیں آیا۔ پھر آپ کی ذات مقدس سے (نعوذ باللہ) بندگان الٰہی کے طبقہ عام میں امن وامان یا صلح واطمینان کی کون توقع کرسکتا تھا؟ بخلاف ان احکام کے سید المرسلین رحمۃ للعلمین کی تبلیغ دین واقعات کو آغاز سے دیکھ پڑھو اور غور کرو تو ثابت ہوتا ہے کہ جس دین کی تبلیغ کی آپ ابتدا فرماتے ہیں اس کا نام ہی اسلام ہے جس کے معنی سلامتی عام ہے اور مسلم کی حقیقی تعریف یہی ہے ومن استسلم من یدہ و لسانہ مسلمان دراصل وہی ہے جس کے دست وزبان سے لوگ صحیح وسلامت رہیں۔

ہم بار دیگر احتجاج کے طور پر تمام عیسائی مورخین اور یوروپین محققین سے استفسار کرتے ہیں کہ کیا وہ اسلام کی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب سے ثابت کرسکتے ہیں کہ فاتحین اسلام نے کسی معرکہ میں اپنے مغلوبین کے اہل وعیال کے ساتھ ایسے ظالمانہ اور جابرانہ برتاؤ کیے ہیں جیسے بنی اسرائیل نے اہل مدیان کے بال بچوں کے ساتھ اختیار کیے اور جب تک وہ ایسی مثالیں کتب اسلام سے زمانہ رسول میں عمل فی الجہاد کی نہیں دکھلاتے ان کو کہنا اور ماننا پڑے گا کہ جہان میں حضرت موسیٰ کے طرز عمل سے پیغمبر عربؐ کے مسالک ترجم، رعایات اور انسانی ہمدردی پر زیادہ اور بدرجہ اولیٰ مبنی تھے۔ ایسی صورت حال میں معترضین کے تمام اعتراضات خود انہیں کے اسلاف کی حرکات وعملیات پر عائد حال ہوتے ہیں اور اسلام کا دامن ان تمام الزامات سے بالکل پاک وصاف ہے۔

یہاں تک تو ہم نے شبلی صاحب کی غیر مفید تمہید کی تنقید لکھی۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شبلی صاحب غزوات رسولؐ کے اسباب وعلل قائم کرتے ہیں اور اپنے اس مدعا کی تصریح وتفصیل میں اصل مقصد سے اتنا دور جا پڑے ہیں جیسا کہ مرقومہ بالا بحث سے ظاہر ہوا۔ لیکن وقوع غزوات کی جو ضرورتیں اور مجبوریاں قلمبند کی گئی ہیں وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہیں اور وہی اسلامی تاریخ وحدیث کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔

لیکن تاہم ان توجیہات کی تصریحات میں نقص رہ گیا ہے کہ ان تمام غزوات وسرایات، حملات قریش کے تجسس وتلاش اور سراغرسانیوں کے واقعات پر محمول فرمائے گئے ہیں حالانکہ علی الاکثر ان میں ایسے غزوات پائے جاتے ہیں۔ جو اقوام وقبائل گردونواح سے اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ ہونے کی غرض خاص سے اختیار فرمائے گئے تھے۔ ان امور کی توضیح وتنقیح کے لیے جب تک پھر اس مقدس عہدنامہ کی بعض خاص شرائط کی نہ تفصیل کی جائے جس کو ہم اوپر لکھ چکے ہیں تب تک ان امور کی حقیقت کا پورا انکشاف دشوار ہے۔ اس لیے ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اس مبارک عہدنامہ کی بعض شرائط کی تفصیل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

چونکہ اس مقدس معاہدہ کی ایک شرط خاص یہ بھی تھی وان الجا کالنفس غیر مضار ولا اثم ہمسایہ قومیں بھی معاہدہ قوموں کے برابر سمجھی جائیں گی تا وقتیکہ وہ اپنے لیے ضرر رسان اور خدا کی گنہگار نہ ثابت ہوں۔ اس شرط کی بنا پر ضروری تھا کہ ان سے بھی

داخل معاہدہ ہونے کے لیے سلسلہ جنبانی کی جائے۔ایک تو امن وامان اور صلح وآشتی کے عام انتظام کو استحکام کی ضرورت سے اور دوسری قریش کی مخاصمانہ فریب دہی وسازش سے محفوظ رکھنے کی مصلحت سے گردوپیش کی قوموں کو اس معاہدے میں شریک کر لینا نہایت ضروری تھا۔اس کی تعمیل وتکمیل میں اتنی اہمیت تھی کہ ان میں سے اکثر نمودار اور ممتاز قبائل کے پاس خدا کا یہ پیغمبر برحق بالنفس النفیس صلح عام کے یہ پیغام لے کر گیا اور ان میں سے جو اتنی اہمیت نہیں رکھتے تھے ان کی تعمیل کے لیے صحابہ بھیج دیئے جاتے تھے۔اسی تخصیص عملی کی بنا پر ارباب سیرت وحدیث نے رسول اللہ صلعم کی موجودگی والے واقعات کو اپنی اصطلاح خاص میں غزوات کے نام سے لکھا ہے اور جن میں آپ موجود نہ تھے ان کو سریہ۔

ہم اپنے موجودہ بیان میں صرف غزوات کی تفصیل مثال کی ضرورت سے مندرج کرتے ہیں۔

غزوات میں بالاتفاق تاریخ وحدیث غروہ ردان یا غزوہ ابوا۔جو اسی کا دوسرا نام ہے۔پہلا غزوہ رسولؐ بتلایا گیا ہے۔

غزوۂ ودان یا غزوہ ابوا

قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف موضع ودان میں مقیم تھا۔ودان۔جحفہ سے ایک دن کی راہ پر واقع ہے اور مقام ابوا یہاں سے کم وبیش آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں آپ کی والدہ ماجدہ، علیہ مکرمہ حضرت آمنہؑ سلام اللہ علیہا کا مزار مقدس ہے اور مدینہ منورہ یہاں سے اسی (80) میل ہے۔یہاں بنی حمزہ اور بنو مزینہ کے قبائل قریب ہی قریب مختلف قطعات ریگستان میں آباد تھے۔اس بنا پر ان دونوں قبیلوں کی بیکبار شرکت ضروری تھی۔اسی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالنفیس بالنفیس مدینہ سے معدودے چند اصحاب کے ہمراہ اسی میل تک کی زحمت سفر گوارا فرمائی ودان میں پہنچے۔قبائل سے ملے اور معاہدے کے متعلق گفتگو کی چونکہ تمام باتیں صفائی اور سچائی کے ساتھ کی گئیں اس لیے دونوں قبائل شرائط معاہدہ پر فوراً راضی ہوگئے۔دونوں قوموں کے سردار وحکمران عمر بن مخشری القمری نے معاہدہ لکھ کر اپنے اور اپنی تمام قوم وقبیلہ کی طرف سے دستخط کردے۔اس معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

هذا كتاب من محمدﷺ رسول الله لبنى حمزة انهم امنون على اموا لهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان تحار بوافى دين الله مامل يحرصونه وان النبى اذادعامر لنصرة اجابوه

یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے بنو حمزہ کے لیے۔ان لوگوں کا جان ومال محفوظ رکھا جائے گا جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبرؐ جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ فوراً چلے آئیں گے۔(زرقانی بحوالہ روض الانف سہیلی ص477)

غزوہ بواط

انھیں کے جیسا بواط کے کوہستانی قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خاص 12/ ربیع الاول 2 ہجری کو ان کے مرکزی مقام رضویٰ تک تشریف لے گئے۔ ان اطراف میں قبائل جہنی آباد تھے ان کے تمام سرداران قوم کو جمع کر کے شرائط وقوائد عہدنامہ سمجھائے اور ان کو بھی شریک معاہدہ فرما لیا گیا۔

غزوہ ذوالعشیرہ

جمادی الآخر 2 ہجری میں بنو مدلج کے قبیلہ کو شریک معاہدہ کرلیا گیا۔ اس کی تفصیل کیفیت یہ ہے مدینہ کے قرب وجوار کے تمام قبائل میں بنو مدلج کا قبیلہ امتیاز خاص رکھتا تھا۔ وہ کثیر التعداد بھی تھے اور خوشحال وصاحب جائیداد بھی۔ ذوالعشیرہ ان کا مقام سکونت تھا جو ینبوع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممتاز ین صحابہؓ کے ساتھ خود تشریف لے گئے۔ سرداران قوم کو جمع کر کے جب ان کو اس معاہدہ کے فوائد ومنافع سمجھائے تو یہ لوگ بھی فوراً آپ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہو گئے۔

اسی مقام میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو شہادت کی خبر دی

اسی موقع پر حضرت علی مرتضیٰؑ کی کنیت ابوتراب قرار پائی۔ امام قسطلانی، زرقانی اور ابن ہشام وطبری ارباب حدیث وتاریخ باتفاق خود اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

حدثنی زید بن محمد بن خشیم المحازنی عن محمد بن کعب القرظی من محمد بن خشیم ابو یزید عن عمار بن یاسر قال کنت انا و علی بن ابی طالب رفیقین فی غزوہ ذی العشیرہ فلما نزلها رسول اللہ صلعم و اقام بها رائینا اناسا من بنی مدلج یعلمون فی عین لهم و فی نخل فقال علی بن ابی طالب یا ابا الیقظان هل لك فی ان ناتی هولاء القوم فنظر کیف یعلمون قال قلت ان شئت قال فجئنا هم فنظن الی عملهم ساعة ثم غشینا النوم فانطلقت انا و علی حتیٰ اپطجعنا فی الصور من النخل و فی رقعا من التواب فنمنا فواللہ ما اهبنا الا رسول اللہ صلعم بحرکنا برجله و قد تتربنا من تلك الرفعاء التی تمنا فیه فیومئذ قال رسول صلعم لعلی بن ابی طالب علیه السلام قم یا ابا تراب لما یری علیه من التراب ثم قال الا احدثکما یا شقی الناس رجلین قلنا بلی یا رسول اللہ ﷺ قال احیمر ثمود الذی عفر النافه و

الذی یضربك یا علی علی هذه ووضع یده علی قرنه حتے یبل منها هذه واخذ بلحیته

(ابن هشام جلد دوم، مصر، ص 6)

محمد بن کعب قرظی سے اور وہ ابو یزید سے اور وہ عمار بن یاسرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار نے کہا کہ ہم اور حضرت علی بن ابی طالب غزوہ ذوالعشیرہ میں ساتھ تھے جب جناب رسول خدا صلعم یہاں تشریف لائے اور مقیم ہوئے تو ہم لوگوں نے وہاں بنی مدلج کے لوگوں کو اپنے چشمہ آب کے نخلستان میں کام کرتے ہوئے دیکھا تو علی ابن ابی طالب نے مجھے کہا کہ اے ابو یقظان (کنیت عمار بن یاسر) کیا تم یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے نخلستان میں کام کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر ہم دونوں آدمی ان لوگوں تک گئے اور تھوڑی دیر تک ان کے کاموں کو دیکھتے رہے پھر ہم لوگوں کو نیند آنے لگی تو ہم لوگ وہاں سے واپس آئے اور ایک درخت کے نیچے ننگی زمین پر لیٹ گئے اور سو گئے اور پھر اتنی دیر تک سوتے رہے کہ آنحضرت صلعم نے آ کر اور اپنے پائے مبارک سے ٹھکرا کر ہم دونوں کو جگایا اور ہم لوگوں کے جسم سے گرد وغبار جو بھر گیا تھا دور فرمایا۔ پھر ہم دونوں سے خطاب کر کے ارشاد کیا کہ تم چاہتے ہو ہم تم دونوں کو دنیا کے دو شقی ترین مردم کے حال سے آگاہ کریں۔ ہم نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا دنیا میں دو شخص شقی ترین ہیں ایک تو حمیر ثمود جو ناقہ صالح کا قاتل گزرا ہے اور علیؑ کی طرف خطاب کر کے دوسرا شخص وہ ہے یا علیؑ جو تم پر ضرب لگائے گا اور یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھ کر موضع ضرب کو بتلا دیا۔ پھر ریش مبارک ہاتھوں سے تھام کر فرمایا کہ تمہاری ریش بھی ضربت کے خون سے رنگین ہو جائے گی۔

یورپ کے متعصبین مورخین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اس تنظیم و تاسیس ملک وقوم کو انصاف ٹھہراتے ہیں۔ وہ تو اپنی ابتدائے تبلیغ سے بندگان الٰہی میں امن وامان اور صلح و آشتی کے خود جا کر انتظام کر رہا ہے۔

یہاں تو رحمۃ للعلمینؐ روئے زمین پر بندگان الٰہی کو تباہی و بربادی سے بچائے۔ ان کو عام صلح و آرام کی راہوں پر لگانے کے لیے بالنفس النفیس دور دراز سفر کی زحمتیں اٹھا کر یہ انتظام واہتمام کیا جا رہا تھا۔ وہاں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ آپ کے جان وایمان کے مخالف کفار قریش کن خیالوں میں تھے اور کیا سامان کر رہے تھے۔

قریش کی مکارانہ سازشیں

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ عین اس وقت جب آپ نواح مدینہ میں امن وامان عامہ کے انتظام قائم کر رہے تھے۔ قبائل کی خانہ جنگیاں، شب وروز کی خونریزیاں موقوف فرما رہے تھے۔ ملک وقوم میں رفع فساد کیلئے انسداد کر رہے تھے اسی وقت مکہ اور دور دور تک اطراف وجوانب میں کفار قریش معاہدہ اتحاد واتفاق کے عوض میں نفاق وفساد امن عام اور صلح و آرام کی جگہ مخالفت اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کی آگ پھیلا رہے تھے۔ ان کی تمام مغویانہ اشتعال وتحریکات کا رخ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی طرف تھا۔ حالانکہ اسلام کامل چودہ برس تک ان کے سخت ترین مظالم کو صبر واستقامت سے برداشت کر کے ان سے تین سو میل کی مسافت پر دور جا کر پناہ

گزین ہوا تھا۔ جہاں نہ ان کی قوم کے لوگ تھے نہ ان کا ملک دو یار تھا نہ ان سے کوئی کاروبار تھا۔ لیکن اس لیے تعلقی اور بے سروکاری پر بھی کفار مکہ اور مشرکین قریش کے دلوں سے اسلام کی مخالفت کا کانٹا نہیں نکلتا تھا۔ مخالفت اسلام تو ان اشقیائے ازلی کے دلوں سے لگی تھی اور وہ سب کے سب ہر وقت اسلام کے مٹا دینے کی فکروں میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ قریش اس معائدہ مقدسہ کے انتظام کو سن کر پہلے سے بھی زیادہ چراغ پا ہو گئے اور مکہ سے لے کر مدینہ تک کے تقریباً تمام قبائل وعشائر اسلام کے خلاف اپنی مفسدہ انگیزیوں کے جال پھیلانے لگے۔

عبداللہ بن ابی سلول

قریش نے سب سے پہلے یہودان مدینہ کو ایک طرف ابھارنا چاہا۔ دوسری طرف عبداللہ ابن ابی سلول کے ذریعہ سے انصار کے مسلمان قبیلوں میں نفاق پھیلانے کی کوشش کی یہودان مدینہ کی سازش سے چونکہ قبیلہ انصار کی نا اتفاقی استحکام اسلام کے لیے زیادہ مضر ثابت ہونے والی تھی اس لیے ہم سب سے پہلے عبداللہ بن ابی سلول کی سازش کے حالات ذیل میں قلم بلند کرتے ہیں۔

سعادت مندان انصار میں جو اوس وخزرج کی نسل کے نامور یادگار تھے۔ عبداللہ بن ابی سلول وہ بدبخت تھا جو اپنے چند بدقسمت ہمراہیوں کے ساتھ ابھی تک دولت اسلام سے محروم تھا۔ حقیقت میں یہ شخص بڑا ہی چالباز اور جعلساز نہ تھا اور انتہا درجہ کا فتنہ پرداز۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ اپنی چالاکیوں اور فریب بازیوں کی بدولت انصار کے تمام قبیلہ کو ایک گونہ اپنے قابو میں کر لیا تھا اور اس کا یہ اثر کچھ انصار ہی کے قبیلوں تک محدود نہیں تھا بلکہ عام باشندگانِ مدینہ بھی اس کے اثر سے خالی نہیں تھے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس کو اپنی ذی اثری اور ذی اقتداری پر پوری امید تھی کہ اوس وخزرج ان دونوں قبیلوں کی قوت واحد ایک دن میری ہی ذات میں جمع ہو جائے گی اور ان کے تمام قوت واقتدار کا مرکز اکیلی میری ہی ذات تسلیم کی جائے گی۔ تاریخ مدینہ کی بعض مرویات سے اس کے عروج واقبال کی یہاں تک حالت پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ جس سال مدینہ میں نزول اسلام ہوا اسی سال انصار کے دونوں قبیلوں میں اس کے سردار قبیلہ مقرر کیے جانے کی بہت بڑی مجلس ہونے والی تھی۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اسلام کے متبرک قدم کے آتے ہی اس کی تمام تمناؤں کا خاتمہ ہو گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس خزرج کے تمام افراد قبیلہ بڑی مفاخرت اور حسن عقیدت سے مشرف باسلام ہو رہے ہیں اور اب ان میں سے کوئی بھی اس کی طرف نگاہ توجہ نہیں کرتا تو گو بظاہر اسلام کا مطیع بن گیا اور اس خیال میں رہا کہ اگر قبائل انصار سے میرا اثر جاتا رہا تو قبائل یہود پر ابھی ویسا ہی اثر باقی ہے اور یہود سے اسلام کی اطاعت بالکل خلاف امید ہے۔ اس لیے نصف کیا بلکہ زیدحصہ آبادی مدینہ کی حکومت میرے قبضہ اختیار واقتدار سے کبھی جانے والی نہیں ہے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب یہود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح میں شریک ہو گئے تو اس کی یہ رہی سہی امید بھی جاتی رہی اور وہ دونوں طرف سے مایوس ہو گیا۔

ان متواتر ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ آیا۔ وہ بڑی چالاکی سے اہل اسلام کا ہم خیال وہم کلام بنا

رہا۔ اس لیے کہ اس ظاہری اتفاق سے مسلمانوں اور یہودیوں میں اس کا اعتبار بنا رہے گا۔ لیکن جب موقع پاتا تھا تو یہودیوں اور دیگر قبیلہ والوں کو اسلام کے خلاف ابھارا کرتا تھا قریش کو عبداللہ بن ابی سلول کے اس رویہ کی خبر ملی تو وہ تو ان ذرائع پر ہمیشہ گوش برآواز تھے اور اپنی تمام مخالفانہ اور مغویانہ ترکیبوں کا اسی کو اپنا آلہ بنایا اور مدینہ میں یہودیوں سے پہلے اسی کو مضمون ذیل کا خط لکھا۔

انکم ابیتم صاحبنا وانا نفسم باللہ لنقاتلنه ان تخرجنه اولنسیرن الیکم باجمعنا حتے تقتل مقاتلکم و نستبیح نساء کم (سنن ابوداود ج2 ص 67 باب التفسیر)

تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرالیا ہے۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم ہماری طرف سے ہوکر اس سے لڑو اور اگر اس پر قدرت نہیں رکھتے تو اپنے شہر اور اپنے قبیلہ سے اس کو باہر نکال دو۔ ورنہ سمجھ لو کہ قریش نے اکٹھا ہوکر قسم کھالی ہے کہ ہم سب مل کر تمہارے شہر اور تمہارے قبائل پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے قبضہ میں لائیں گے۔

دیوانہ را ہوئے بس است۔ اتنی اشتعال پر عبداللہ بن ابی چراغ پا ہوگیا اور اپنے ہمرائیوں کے ساتھ فوراً مسلمانوں کی غارت و تباہی اور کشت خون پر آمادہ ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائے انتظام امن عام کے لیے یہ مفسدہ انگیزی کس حد تک مضر ثابت ہوئی۔ مگر مصلح عالم نے فوراً اصلاح کر لی۔ وہ خلق مجسم یہ خبر پاکر فوراً بالنفس النفیس عبداللہ بن ابی کے پاس چلا آیا اور اس کو سمجھایا اور فہمائش کے طور پر نہایت متانت سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم خود اپنے بھائیوں اور بیٹوں سے لڑنے اور ان کے خون کے گرنے پر آمادہ ہو۔ کیا یہ خبر سچ ہے کہ تم ان سے لڑو گے؟ حقیقت کے یہ دو جملے کافی تھے۔ عبداللہ اصل مدعا کو سمجھ گیا اور پھر قریش کے خط کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔

یہ ہیں رسالت کے حقیقی اور روحانی آثر۔ جنہوں نے چشم زدن میں قریش کے فریب اور عبداللہ بن ابی کے ارادوں کو بالکل بے اثر کر دیا۔ اگر ابتدا ہی میں عبداللہ اس مفسدہ انگیزی سے کھینچ رکھا جاتا تو جانبین سے تلواریں کھینچ کر اسلام آج ہی تمام ہوجاتا۔

اس وقت تو عبداللہ ابن ابی سلول نے بظاہر اسلام سے اپنی صفائی کر لی۔ لیکن اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کیل لگی کی لگی رہی۔ غزوہ بدر سے چندروز پیشتر قبیلہ بنوالحارث میں تشریف لے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر پر سوار ہوکر معدودے چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلے راستہ میں ایک مقام پر عبداللہ بن ابی۔ اپنے گروہ منافقین کے ساتھ جن میں یہودان مدینہ بھی داخل تھے اور بعض مسلمان بھی شامل تھے۔ بیٹھا تھا آپ کی سواری اس کے پاس سے ہوکر گزری تو اس نے بنظر کراہت اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ حقارت کے تنز آمیز لہجہ میں کہا محمد گرد نہ اڑاؤ۔ آنحضرت صلعم نے فوراً سواری روک لی۔ مجمع کو سلام کیا اس کے بعد قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ عبداللہ کو اور بھی برا معلوم ہوا۔ کہنے لگا اے شخص مجھے یہ ہرگز پسند نہیں۔ اگر تمہارا کلام

سچ بھی ہوتو اس کو ہماری مجلس میں نہ پڑھا کرو۔اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ہاں جو کوئی تمہارے اس جائے اسے تم البتہ سنایا کرو،آپ کے ہمراہیوں کو اس منافق کے ان حقارت آمیز کلام پر سخت طیش آ گیا۔فوراً سب کے سب دست بقبضہ ہو گئے۔لیکن رحمت عالمؐ نے خلق مجسم کی پوری شان دکھلا دی اور فوراً جانبین میں صلح کرا دی۔(بخاری باب السلام علی جماعت فیہا المسلم والکافر)۔

یہودیوں سے قریش کی خفیہ سازش

جب عبداللہ ابن سلول سے مخاصمت اسلام کی ترکیب چلتی نظر نہ آئی تو قریش نے خفیہ طور پر یہودان مدینہ سے اپنی سازشوں کی ریشہ دوانیاں آغاز کیں اور اس میں انھیں کامیابی ہوئی۔جیسا کہ معاملات عہد سے آئندہ معلوم ہوگا۔یہ عہد شکن اور غدار قوم حضرت موسیٰ کے وقت ہی سے عہد شکنی اور خلاف وعدگی مکاری اور جعلسازی کے لیے بدنام چلی آتی ہے۔ان لوگوں سے ان اقسام کی کارروائی اور بیوفائی خلاف امید نہیں ہوسکتی۔

مسلمانوں کو دھمکی

کفار قریش جب یہوان مدینہ کو اپنے دام میں لا چکے تو ان کی مخاصمانہ پرجوشی اور خصوصاً اس سازش میں ان کی کامیابی۔اپنے راز کو چھپا نہ سکی۔انھوں نے بڑے زوروں میں اپنے ہم قوم وقبیلہ مہاجرین سے کہلا بھیجا کہ کہیں تم انصار مدینہ کے بل بوتے پر نہ مغرور ہو جانا اور یہ نہ سمجھنا کہ تم مکہ سے جان بچا کر صاف نکل آئے ہو۔ہم مدینہ ہی میں آ کر تمہارا نام ونشان مٹا ڈالیں گے۔(رحمۃ للعلمین ص100 ج1)۔اس پیغام انتقام کو پا کر اہل اسلام خبردار اور ان کی طرف سے پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

حملات قریش کے خطرے اور معاہدہ قوموں کی محافظت

یہودیوں سے ساز باز کر کے مشرکین قریش نے اپنی مفسدہ انگیزیوں کو عملی صورت میں لے آنے کیلئے یہ ترکیب نکالی کہ سو سو پچاس پچاس آدمیوں کی مختلف ٹکڑیاں بنا کر ان قبائل پر چھاپہ مارنے لوٹنے اور ان کے جان و مال کو غارت کرنے کے لیے روانہ کرنی شروع کر دیں جو اسلام کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان خونریز حملات کی خبر لگی تو آپ نے شرائط معاہدہ کے مطابق ان تمام قبائل کی حفاظت وحمایت جان و مال کی غرض خاص سے صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر روانہ کیں۔شبلی صاحب نے ان تمام سرایا کی تفصیل بطور اجمال ایک ہی مقام پر کر دی ہے۔اس لیے کہ آپ غزوات وسرایات کی داستانوں کو بلند آہنگی اور وسیع البیانی سے سننا نہیں چاہتے اور وہ اس خاص سبب سے کہ یورپ اس کو بڑے شوق سے سنتا ہے۔(دیکھو تمہید سلسلہ غزوات سیرت النبیؐ جلد اول)

لیکن اسلام بادل دردمند آپ سے اور یورپ والوں دونوں سے بزبان حال کہتا ہے۔

داستانِ غم دل ہوش میں آلوں تو کہوں

سننے والا کوئی پہلو میں بٹھالوں تو کہوں

غزوات رسولؐ کی طرح سرایا کی تفصیل حقیقت بھی سیرت و تاریخ کی تمام اسلامی کتابوں میں درج ہے اور سرایا کے حالات و واقعات علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔لیکن شبلی صاحب اس کی تفصیل کرنا چاہتے ہیں۔اس لیے ہم بھی انہیں کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اجمالاً جو کچھ ان سرایا کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے اسی کو حرف بحرف ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر 2 ہجری میں واقع ہوا ہے اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی ہے۔ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے جن کو ان کی زبان (اصطلاح) میں سریہ کہتے ہیں۔سریہ حمزہ، سیریہ عبیدہ بن الحارث اور سریہ سعد بن وقاص۔لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت وخون نہیں ہوا یا بچ بچاؤ ہو گیا۔یا بچ کر نکل آئے۔سیرۃ النبی ص226 ج1

لیکن قریش کی سفاک، شریر اور بیباک قوم ایسی کیا تھی جو اس روک تھام اور بچ بچاؤ کے معاملات کو اپنے خیال میں لاتی۔ان کی سفا کی آزادی اور بیبا کی، ان کی خونخواری اور مردم آزادی، ویسی ہی کی ویسی ہی بنی رہی استحصال اسلام کا جنون اور مسلمانوں کا قتل عام اور بیگناہ خون ان کی گردنوں پر سوار تھا اور وہ اپنی ان بدمستیوں اور بدکاریوں کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے اور برابر بڑھتے ہوئے مدینہ کی طرف چلے آ رہے تھے۔یمن سے مکہ اور مکہ سے عقبہ تک گو یا مدینہ تک کی نصف راہ میں جتنے قوم و قبیلے آباد تھے سب کو اپنا مطیع و شریک بناتے آئے۔اتنی دور میں گردونواح کے رہنے والے ایسے قبائل جو اسلام کی مخالفت پر کسی طرح راضی نہ ہو سکے اور محض غیر جانبدارانہ طریقہ پر قائم رہے وہ بھی انکے دست ظلم سے نہ چھوٹے جب ان پر دباؤ ڈالنے کا کوئی پہلو نہ ملا تو ان غریبوں کی راہیں مسدود کر دیں اس لیے کہ وہ اہل مدینہ سے آمدورفت نہ رکھ سکیں۔ان کے یہ ظالمانہ بندوبست ایک مدت تک قائم رہے اور فتح مکہ کے بعد ان کے راستے کھلے۔چنانچہ جب 6 ہجری میں بحرین سے بنی عبدالقیس کی سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تو ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کی مضر کے قبائل جو ہماری راہوں میں حائل ہیں ہمیں آپ کی خدمت تک نہیں آنے دیتے۔اس لیے ہم صرف ایام حج میں جبکہ عموماً لڑائیاں موقوف ہو جاتی ہیں شرف زیارت حاصل کر سکتے ہیں اور ایام میں حصول زیارت سے ہم مجبور ہیں۔(بخاری ذکر وفد عبدالقیس)

ظالمان قریش کے انہیں انتظامات سے ان کی انتہائی مخاصمت کا پورا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ان ظالمانہ انتظاموں کو درست کر کے وہ یہودیوں کی سازش اور اس غدار قوم کی مضبوطی پر اتنے جری ہو گئے کہ ان کی غارتگر جماعت مدینہ کے قریب پہنچ کر قزاقی اور غارتگری کے مفسدات بر پا کرنے لگی۔

کرزین جابر القہری کا مدینہ پر حملہ

ربیع الاول 2 ہجری میں انھیں قزاقان قریش میں سے ایک غارتگر جس کا نام کرزین جابر القہری تھا اپنے جتھے کے ساتھ بڑھتا ہوا اور راستہ بھر میں لوٹ مار کرتا ہوا نخلستان مدینہ تک پہنچ گیا اور باشندگان مدینہ کے مویشی جو باہر میدانوں میں چھٹے چر رہے تھے لوٹ کر

لے گیا اور نخلستان مدینہ میں آگ جلا کر بہت سے اشجار ثمرہ کو خاک سیاہ کر دیا۔ چونکہ اہل مدینہ کو اس غارتگر کے یوں آ جانے اور چھاپہ مارنے کا ذرا بھی پہلے سے خیال واحساس نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنی غنیمت کے ساتھ صاف نکل گیا۔ گویا مدینہ والوں کو اپنی جرأت ودلیری اور طاقت دکھلا گیا کہ ہم ایسے ہیں کہ تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھروں سے تمہارے مویشی لے جاتے ہیں اور تم کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی۔

تاریخ احادیث کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار قریش کی ان مفسدہ انگزیوں سے عموماً اور کرز بن جابر فہری کے موجودہ مفسدات کے مشاہدات سے خصوصاً باشندگان مدینہ پر سخت اضطرار وانتظار کا عالم طاری تھا اور ہر شخص اپنی جان ومال کو سخت خوف وخطرے میں سمجھتا تھا۔ یہودان مدینہ کے غدارانہ انداز اور عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین کے مکارانہ اطوار اس سے زائد اور سخت تر مصائب کے نزول کا یقین دلا رہے تھے۔

مدینہ مخالفت قریش کے خوف اور اندیشے

مکہ سے مدینے میں ظالمان قریش کی تاخت وتاراجی اور حملات وغارات کی روزانہ خبریں آ رہی تھیں۔ اس کے پھیلانے والے قریش ہی تھے جو اہل مدینہ کو مضطرب الحال، پریشان اور مرعوب کر لینے کے خیال سے یہود اور عبداللہ ابن ابی سلول کی معرفت اس کو مدینہ میں مشہور کرا تے تھے۔ فطرتاً ہر شخص ان خبروں کو سن کر اپنی جان ومال اور حفاظت اہل وعیال کے متعلق فکرمند ہو جاتا تھا۔ بالنفس النفیس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال ہو رہا تھا کہ راتوں کو بیٹھے بیٹھے گزار دیتے تھے اور تمام صحابہ ہتھیار باندھے صبح سے شام کر دیتے تھے۔ صحیح نسائی میں مرقوم ہے:

کان رسول اللہ صلعم اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو راتوں کو جاگ کر کاٹا کرتے تھے۔

صحیح البخاری باب الجہاد میں ہے کہ انہیں ایام میں آپ نے ایک بار صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا آج کی رات کو کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے ہتھیار لگا کر یہ خدمت رات بھر انجام دی۔

امام حاکم مستدرک میں ان ایام کی پرآشوبی ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلعم واصحابہ بالمدینۃ واومنھم الانصار متھم العرب عن قزس واحدہ کانوا یبقون الا بالسلاح و لا یصجون الافیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ جب مدینہ میں آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ہوکر ان سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے۔صحابہ صبح سے شام تک ہتھیار باندھے رہتے تھے اور ہتھیار باندھے سوتے بھی تھے۔

ابوجہل کی قیامت کی چال عبداللہ بن جحش کا بیجا استعمال عمر بن عبداللہ خضری کا قتل

واقعات مرقومہ سے مدینہ کی پرآشوبی اور عالم اضطراب کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔اس اثنا میں ابوجہل ایک دوسری چال چلا اور حقیقتاً قیامت کی چال چلا۔

جنگ بدر کے وقوع سے دومہینے پیشتر اس نے مکہ میں یہ مشہور کردیا کہ قریش کا قافلہ تجارت جو بسرکردگی ابوسفیان بن حرب اپنا مال بیچ کر اور قیمت میں زرومال کثیر لے کر شام سے واپس آرہا ہے اس پر مسلمان چھاپہ ماریں گے اور لوٹ لیں گے۔یہ خبر بالکل غلط تھی اور شریعت اسلام کے مطابق سخت گناہ لیکن سوء اتفاق سے اتنی جلد موثر ہوئی کہ آن واحد میں مکہ سے مدینہ تک تمام مخالف قبائل میں اسلام کی مخالفت میں تلواریں کھینچی گئیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ قریش کیا سارے عرب کی کائنات تجارت تھی۔جس میں مجموعاً تمام قوم و قبیلے کے لوگ شریک تھے اور یہی انکے اذوقہ اور بسر اوقات کا تنہا ذریعہ تھا۔اس کی نسبت ایسی تباہی و بربادی کی خبر پاکر کوئی قریش یا ان کا ہم عدد اور جانبدار اپنے گھر میں کبھی خاموش بیٹھ سکتا تھا؟

ایک نہ شد دو شد یہ بھی اتفاق کی بات۔یہ ہنگامہ ابھی تو برپا ہی تھا کہ عبداللہ ابن جحش سے بمقتضائے بشریت ایک بیجا مبادرت ہوگئی۔اس کی تفصیل ہم شبلی صاحب کی زبانی حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب 2 ہجری میں (عین اسی وقت جب غارت کارواں کی خبر مشہور ہوچکی تھی عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک شبانہ روز کی مسافت پر واقع ہے۔آپ نے عبداللہ کو ایک خط دے کر روانہ کیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو اور صرف قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور مجھ کو اطلاع دو۔اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لے آتے تھے سامنے سے نکلے عبداللہ نے ان پر حملہ کردیا۔ان میں سے ایک شخص عمر بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا۔دو شخص گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔عبداللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں بھی پیش کیں۔آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا۔صحابہ نے عبداللہ سے نہایت برہم ہوکر کہا۔

صنعتم ما تومروا بہ وقاتلتم فی الشھر الحرام ولم تومروا بقتال (طبری 1275

تم نے تو وہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینے (رجب) میں تم

کولڑنے کا حکم نہیں تھا۔

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے۔عمر بن الحضرمی جو مقتول ہوا وہ عبداللہ خضرمی کا بیٹا تھا اور وہ ابن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف تھا۔عرب کے قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان ونوافل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے۔مغیرہ ولیپل کا باپ حضرت خالد کا دادا اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔اس بنا پر واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے انہوں نے تصریح حال کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی خضرمی کا قتل ہے۔علامہ طبری لکھتے ہیں:

وکان الذی ھاج واقعۃ بدر وسائر الحرب التی کانت بین رسول اللہ صلعم و بین مشرکی قریش فیما قال عروہ بن زبیر بن العوام ما کان من قتل واقد بن عبداللہ التمیمی عمر بن لخضرمی ص ۱841

جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین قریش کے درمیان پیش آئیں جیسا کہ عروہ بن زبیر ابن العوام کا قول ہے سب کا سبب یہی ایک تھا کہ واقد تمتمی نے عمر خضری کو قتل کر دیا تھا۔

مرقومہ بالا عبارت سے کفار مکہ کا مدینہ پر اس تیزی اور پھرتی سے حملہ آور ہونا اور جنگ بدر کا وقوع اور اس کے تمام اسباب وعلل پورے طور سے معلوم ہو گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبداللہ بن جحش سے خلاف حکم ایک بے جا جرأت واقع ہو گئی۔اسی لیے جناب رسول خدا صلعم ہی نے نہیں بلکہ تمام صحابہ نے بے کبار دوالزاموں کے لیے ان کو ملزم ٹھہرایا ایک تو خلاف حکم وہدایت آنحضرت صلعم قافلہ قریش سے لڑنا،ان کو قتل وغارت کرنا،دوسرے ماہ مبارک رجب میں جنگ کرنا۔جو نہ تنہا شرع اسلام ہی کے خلاف تھا بلکہ عرب کے قدیم دستور کے بھی مخالف تھا۔

مخالفین اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سرایا کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ صحابہ کو ان کے ذریعہ سے قرآنی تعلیم دی جاتی تھی اور اس طریقہ جبر وتشدد سے گرد ونواح کے قبائل کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جاتا تھا۔وہ ان واقعات کو انصاف کی آنکھوں سے دیکھیں،پڑھیں اور غور کریں کہ حقیقت حال اگر ایسے ہی تھے جیسا تم کہتے ہو تو پھر عبداللہ بن جحش پر آنحضرت صلعم کو عتاب فرمانے اور مال غنیمت واپس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔بلکہ عبداللہ نے تو عین آپ کے مدعا اور منشاء کے مطابق کام کیا تھا۔زجر وتوبیخ کی جگہ تو ان کی پیٹھ ٹھونکنی چاہتی تھی اور صحابہ کو بھی کیا ہو گیا تھا کہ عبداللہ کی اس عمدہ کارگزاری کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور ایسے کارگزار شخص کو ملزم اور قصوروار ٹھہرانے لگے۔

جنگ بدر کا مدعا حملہ قریش کی مدافعت تھی نہ کاروان تجارت کی غارت

یہ سطحی الذہن اور قصیر الاطلاع۔ معترضین یورپ اصل حقیقت تک پہنچتے نہیں۔ مرویات غیر مقید اور مقید کی شناخت، واقعیت اور اصلیت کی معرفت کا شعور امتیاز تو رکھتے نہیں۔ صرف تعصب دینی کی اقتذاء اور مخالفت اسلام کے مدعا کو پیش نظر رکھ کر بلا وسواس وتائل تعریض کا ایک پہلو نکال لیتے ہیں اور اس کو اپنی تحقیق جدید کا نمونہ بنا کر دنیا بھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ انہیں لغویات کے جیسا خاص معرکہ بدر کے متعلق عیسائی متعصبین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوسفیان والے قافلہ کو لوٹنا تھا جو ملک شام سے مال تجارت بیچ کر آ رہا تھا۔ نعوذ باللہ۔ اسی ارادہ سے آپ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مقام بدر پر مقیم ہوئے تھے کیونکہ وہیں سے شام جانے کا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے لیکن چونکہ آپ کے ارادوں کی خبر قریش کو ہو چکی تھی اس لئے ابوجہل بھی اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے ایک فوج جرار تیار کر کے مکہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ چونکہ قبل اس کے کہ ابوسفیان اپنا کارواں لے کر بدر میں پہنچے ابوجہل اپنا لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا اس لیے آنحضرت صلعم کو محض اتفاقی طور پر مقابلہ ومقاتلہ کی مجبوری واقعہ ہوگئی۔

عیسائیوں کا یہ اعتراض اور اس کے تمام قرائن واسباب جو انہوں نے اکٹھا کیے ہیں بالکل غلط اور بے اصل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہی ماخذوں سے اس کے اسناد ان کو ملے ہیں اور ہماری حدیث وتاریخ دونوں قسم کی کتابوں میں یہ مرویات موجود ہیں۔ چنانچہ طبری میں یہ واقعہ الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے۔

قالو الما سمع رسول الله صلعم بأبي سفيان مقبلا من الشام ندب المسلمين اليهم وقال هذه غير قريش فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله ان ينفلكموها فانتدب الناس فخف بعضهم و ثقل بعضهم و ذلك انهم لم يظن ان رسول الله صلعم يلقى حربا

لوگوں نے بیان کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا تو مسلمانوں کو بلا کر فرمایا کہ قریش کا کاروان شام سے آ رہا ہے۔ جس میں ان کا مال ہو، چلو شاید خدا تم کو اس میں سے غنیمت دلوا دے۔ لوگ آمادہ ہو گئے اور بعضوں نے پہلوتہی کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم کو کوئی لڑائی تو پیش آئے گی نہیں۔ طبری ص 1229

یہ تو تاریخ کی روایت ہوئی۔ اس طرح حدیث کی بھی بعض مرویات ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ تبوک میں عبداللہ بن کعب صحابی کی یہ روایت منقول ہے:

عن عبدالله بن كعب عن ابيه لما تخلف عن رسول الله صلعم فى غزوة غزاها الا

غزوہ بتوك غیرانی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر و لم یعاقب احد تخلف عنھا انما خرج النبی صلعم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینھم و بینہ غیر میعاد

عبداللہ بن کعب اپنے باپ کعب کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں (کعب) جناب رسول خدا صلعم کو چھوڑ کر کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا۔ بجز غزوہ بتوک کے اور ہاں غزوہ بدر میں بھی شریک نہ تھا اور جو میں شریک نہ ہوا اس پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم قریش کے قافلہ کے لیے نکلے تھے لیکن خدا نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

یہی مرویات معترضین کے باعث اعتراض ہیں اور سرمایہ ناز۔ ہمیں ان مرویات اسلامی سے انکار نہیں، بلکہ اقرار ہے۔ یہ ضرور تاریخ وحدیث اسلامی کی مرویات ہیں اور صحابہ کے منقولات لیکن ہم ان پر اعتبار نہیں کرتے اس لیے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ ان مرویات کے راویوں کو ان کے بیان میں سخت غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے مدعائے رسول کو اپنے قیاس کے موافق سمجھا اور دوسروں کو سمجھایا جو بالکل حقیقت اصلیت اور واقعت کے خلاف تھا جیسا کہ ہم پوری تفصیل سے اپنی مندرجہ بالا عبارت تمہیدی میں لکھ چکے ہیں۔ معترضین کو اتنی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ وہ علم اس سے کہ کیسی ہی خلاف واقع خلاف عقل اور خلاف مناسبت ومصلحت نہ ہو۔ جب کوئی اسلامی روایت میں اپنے مفید مطلب پالیں گے اسی کو آلہ استدلال بنالیں گے۔ انہوں نے طبری اور بخاری ہمارے دو مشہور اور قدیم ماخذوں سے اپنے اعتراض کی تائید میں دوروایتیں نقل کر دی ہیں۔ مگر بمصداق آنکہ چشم بداندیش کہ برکندہ بادہ ان کو اسی طبری اور بخاری میں اس بحث کے متعلق مفصلہ ذیل مرویات نظر نہ آئیں۔

عن علی ابن ابی طالب فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلن اسار رسول اللہ صلعم الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشرکین الیا الخ

حضرت علی بن ابی طالبؑ سے منقول ہے کہ جب ہمیں خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو حضرت رسول خدا صلعم بدر کی طرف چلے اور بدر ایک کنوئیں کا نام ہے۔ جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

معترضین کی آنکھوں میں اگر کچھ بھی حقیقت بینی اور واقعہ شناسی کی بصارت ہوتی تو وہ اس تاریخ میں مرقومہ بالا عبارت کو پڑھ کر یقین کر لیتے کہ جنگ بدر کا اصلی باعث کیا تھا۔ شام سے آتے ہوئے قافلہ قریش کا لوٹنا تھا یا مکہ سے قریش کی آتی ہوئی حملہ آور فوج سے مدافعانہ مقابلہ کرنا تھا۔ کیونکہ اس روایت کا اصل راوی وہ بزرگ ہے جو بقول شبلی صاحب کے معرکہ بدر کا ہیرو ہے۔ پھر وہ اپنے چشم دید واقعات میں کہیں کاروان ابوسفیان کی تاراجی کا اشارتاً وکنایتاً ذکر بھی نہیں کرتا تو ایسے مقتدر اور معتبر شخص کے چشم دید بیانات کے مقابلہ میں کسی دوسرے ایسے شخص کے بیان کو جو شروع سے آخر تک شریک واقعہ نہیں تھا، ترجیح دینا، نافہم معترضین ہی کا کام ہوگا۔ ذی فہم محققین تو کبھی اس کے پاس بھی نہیں جائیں گے۔

پھر اسی تاریخ طبری میں بذیل واقعہ عبداللہ بن جحش جسے ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں مرقوم ہے۔

وکان الذی ھا ج و قعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلعم و بین مشر کی قریش فیما قال عروہ بن زبیر ما کان من قتلی واقد بن عبدالله عمرو بن الخضر می

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن خضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

پھر اسی طبری کی تیسری سند بھی ملاحظہ ہو۔عبداللہ بن جحش کے واقعہ میں، عروہ بن زبیر کے جس قول کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اس کی تفصیل میں علامہ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

وکانت تلك الواقعة ھاجت الحرب بین رسول الله صلعم و بین قریش اول ما اصاب به بعضھم بعضامن الحرب وذلك قبل مخرج ابوسفیان و اصحابه الی الشام (طبری 1285 مطبوعه جرمن)

اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش کے درمیان جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں ایک فریق نے دوسرے کو صدمہ پہنچایا اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آ چکی تھی۔

طبری کی اس روایت میں صاف طور پر تصریح موجود ہے کہ جنگ بدر شام سے ابوسفیان کے قافلہ کی روانگی سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔تو اب معترضین پشیمان و سر بگر بیان ہو کر اپنے اعتراضات کی مقدار حقیقت کو خود سمجھ لیں کہ ان کے اعتراض معیار صحت و صداقت پر کہاں تک صحیح اترتے ہیں۔وہ ہمارے جس ماخذ (طبری) سے اور اس کی صرف ایک روایت سے اپنی تعریض کی تائید پیش کرتے ہیں اسی ماخذ سے اس کی متعدد اور متواتر ایک نہیں تین تین تردیدیں ہم نے پیش کر دیں۔ان اسناد و استدلال کو دیکھ کر کیا کوئی صحیح دماغ اور سلیم عقل رکھنے والا شخص کبھی کہہ سکتا ہے کہ عیسائیوں کے اس اعتراض میں کوئی اصلیت ہے۔

اب رہا یہ امر کہ طبری نے ایسے مختلف فیہ اقوال کیوں جمع کیے۔اس کی حقیقت اور اس کی اصل وجہ ہم ڈاکٹر سر سید احمد خان کے الفاظ میں حسب ذیل نقل کیے دیتے ہیں۔جو ہمارے مدعائے بیان اور معترض کے اطمینان کے لیے کافی ہوگا۔سر سید مرحوم خطبات احمدیہ کے دیباچہ میں اسلامی کتب تاریخ وحدیث کے سقیم و صحت پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

مذہب کی تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کے مختلف مجموعے ہیں جن میں صحیح اور غلط مشتبہ اور درست، سچی اور جھوٹی روائیوں کا امتیاز نہیں اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں ان میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے

مورخوں کی تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روائیتوں اور افواہوں کو جو ان کے زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کر دیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط اور کس میں زیادتی ہوئی ہے یا کمی اور کس میں اصل مضمون سمجھنے میں اور واقعہ بیان کرنے میں غلط فہمی واقعت ہوئی ہے۔ آئندہ وقت یا آیندہ نسلوں پر منحصر رکھیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اس کے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے۔ انہیں کتابوں کو اپنی تصنیفات جدید کا ماخذ بنایا اور اس لیے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص باقی رہ گیا جو ان قدیم مصنفوں میں تھا۔ دیباچہ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص 11

حقیقتاً ہمارے قدیم ماخذ ہر اقسام کے واقعات کے مجموعے ہیں۔ صحت واقعات کے مقررہ اصول وقواعد کے مطابق ان کے معائنہ اور موازنہ کی ضرورت ہے۔ صاحبان تحقیق معیار مقررہ کے موافق ان کی صحت کی جب پوری تصدیق وتوثیق پا لیتے ہیں تو ان کے نقل واستنباط پر قلم اٹھاتے ہیں لیکن معترضین کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ان کو تو اپنے تعصب ونفسانیت کا کام چلانا کرنا ہے۔ عیسائی معترضین کے اعتراض کی یہی کیفیت اور حالت ہے جو بیان کی گئی۔

باقی رہا صحیح بخاری میں قافلہ ابوسفیان کے قصہ تاراجی والی روایت کا موجود ہونا۔ جس کے راوی کعب صحابی بدری ہیں اس کا جواب ابھی ابھی ہم اوپر دے چکے ہیں اور عنوان بحث میں بیان کر آئے ہیں کہ یہ صحابہ کی صرف غلط فہمی ہے جو ان کے غلط قیاس پر محمول ہے حقیقتاً چونکہ وہ جنگ بدر میں خود شریک نہ تھے۔ جیسا کہ اسی روایت میں وہ خود اقرار کرتے ہیں، اس لیے وہ جنگ بدر کے اصلی اسباب اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد وارادہ کی حقیقت اور اصلیت کو نہ سمجھ سکے۔ اس بنا پر انہوں نے ذاتی طور پر جنگ بدر کا جو کچھ مقصد سمجھا تھا وہی دوسروں کو بھی سمجھا یا لیکن کعب کی اس نقل واستنباط کی تردید حضرت علی مرتضیٰ کے قول وارشاد سے جو بخلاف کعب کے اس جنگ میں شریک تھے اور شریک بھی کیسے شریک غالب تھے۔ پورے طور سے ہوگئی ہے جو صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی حملہ آوری کی خبر پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی طرف نہضت فرمائی آپ کے اس بیان میں ابوسفیان کے کاروان کا نہ ذکر ہے اور نہ نام ونشان۔ اس لیے جناب امیرؑ کے جیسے شریک وامیر جنگ کے چشم دید بیان کے مقابلہ میں کعب کے غائب از موقع بیان کو کوئی نہ قابل التفات سمجھ سکتا ہے نہ لائق اعتبار۔ اس بنا پر صحیح بخاری کی یہ روایت صرف نقل ہی نقل سمجھی جائے گی اور اصل میں کچھ بھی نہیں۔

ان واقعات تاریخی اور مرویات احادیث سے اعلیٰ تر شہادت قرآنی ہے جس کے بیان وارشاد کے آگے بخاری ہوں یا طبری، خس بھر بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدائے تبارک وتعالیٰ جنگ بدر کے اسباب وقوع کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ (انفال)

اے پیغمبرؐ! جس طرح تجھے تمہارے خدا نے گھر سے حق پر نکالا مسلمانوں کا ایک گروہ اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہونے کے بعد تجھ سے حق بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ گویا موت کی طرف نکالے جا رہے ہیں جبکہ خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تمہیں ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے خرخشہ والی جماعت تم کو ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

آیہ مرقومہ بالا اس وقت کی پوری حالت بتلا رہی ہے۔ اس وقت مدینہ میں دونوں خبریں زور سے گرم تھیں۔ قافلہ ابوسفیان کی آمد کی بھی اور مدینہ میں ابوجہل کے حملہ کی بھی۔ مسلمانوں کی جماعت میں اس وقت دو مختلف خیال ورائے کے لوگ تھے۔ پہلی قسم کے وہ لوگ تھے جو قریش کی قزاقانہ تاخت و تاراجی اور کرز بن جابر الفہری کی عین مدینہ میں آ کر نخلستان انصار کی غارتگری سے سخت متاثر ہو کر قریش کے راہ تجارت جو بدر کے قریب سے ہو کر شام کو جاتی تھی قطعی بند کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ سعد ابن معاذ مکہ میں جا کر قریش کے منہ پر اپنے اس ارادہ کو کہہ بھی آئے تھے۔ (بخاری باب المغازی)

اور اپنے اس ارادے کی بنا پر قافلہ ابوسفیان کی واپسی شام کے موقع پر راہ روک دیئے جانے کی صلاح دیتے تھے اور یوں قریش کی تاخت و تاراجی کا مکمل جواب دینا چاہتے تھے اور اہل اسلام کی قلیل جماعت اور افراد کفار کی کثیر تعداد کے اعتبار پر قریش سے جنگ و مقابلہ میں خواہش بھی رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روکنے کی خواہش کہتے تھے۔ چنانچہ آیت مرقومہ بالا میں انہی لوگوں کے حالات کی تصریح ہے۔

دوسری جماعت کے اہل اسلام دونوں امور کے اختیار میں بالکل خاموش تھے اور وہ ان امور کو قطعاً رضائے الٰہی اور منشائے حضرت رسالت پناہی پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اس خاموش جماعت سے تو خدائے سبحانہ تعالیٰ کو کسی خطاب کی مطلق ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ تو **اطیعو اللہ و اطیعو الرسول** کے اصول پر پورے طور سے عمل پیرا تھے جو کچھ خطاب تھا، وہ جماعت اول سے جو جنگ و قتال کی دہشت و ہیبت سے کانپے جا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ قافلہ پر حملہ کیا جاوے جو آسانی سے مع مال و متاع کے ہاتھ آ جائے اور جدال و قتال کی مصیبتوں سے سامنا نہ ہو۔ لیکن مشیت کو یہ منظور نہ تھا، منشائے قدرت جیسا کہ الفاظ قرآنی حمایت کر رہے ہیں یہ تھا کہ مقابلہ و مقاتلہ سے ایک بار حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے اور پھر اس صفائی کے ساتھ کہ گویا کفر اپنے بیخ دین سے متاصل ہو جائے۔ اسی بنا پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت اول کی صلاح ورائے کو ہمیشہ سنا مگر چونکہ خلاف مصلحت خداوندی تھا کبھی اس پر عمل نہ فرمایا۔ بلکہ نہایت خرم و احتیاط سے خاموشی اختیار فرمائی اور مدینہ میں مکہ سے قریش کے آنے والے حملہ آور لشکر کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ قریب آ گئے تو باوجود اپنی قلیل جماعت کے آپ ان کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ تاریخ طبری کی عبارت سے حضرت علی مرتضیٰؑ کی زبانی اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

اصلاً اور حقیقتاً جیسا کہ ہم اسی طبری کی سند سے عروہ بن زبیر کی زبانی اوپر لکھ آئے ہیں۔ جنگ بدر قافلہ ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آ چکی تھی۔

ہم نے مرقومہ بالا بحث میں معترضین کے ان تمام مغویانہ تعریض اور مفسدانہ تشنیع کی کامل تنقید وتردید کردی ہے اور خاص کر انہیں ماخذوں کی اسناد سے جن کو انہوں نے بڑی سرگرمیوں سے اپنی تعریضات کی تائید میں پیش کیا تھا، دکھلا دیا ہے کہ ان کی پیش کردہ مرویات محققین کے نزدیک بالکل بے اصل اور نا قابل اعتبار ہیں۔ جس پر انہوں نے اپنے توہمات ومفسدات کے یہ سر بفلک طوفان اٹھا رکھے ہیں اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے اسلام کے انوار حقیقت پر اپنی عالمفریب ظلمت قلبی کا پردہ ڈال رکھا ہے۔

جنگ بدر کے اصلی اسباب

اس بحث کو پوری تفصیل سے لکھ کر اب ہم جنگ بدر کے واقعات کی تفصیل و بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسباب جنگ میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن عبداللہ خضرمی کا اتفاقیہ طور پر عبداللہ بن جحش کے ہمراہی واقد بن عبداللہ التہیمی کے ہاتھ سے مقتول کیے جانے نے تمام قریش کو جوش انتقام اور مسلمانوں کے قتل عام پر برانگیختہ کر دیا۔ اہل عرب میں مقتول کا انتقام جسے وہ اپنی زبان میں ثار کہتے ہیں، ان کے تمام فرائض سے اعلیٰ تر تھا اور ان کے واجبات میں سے کسی امر واجب میں اتنی اہمیت اور عظمت نہیں تھی جتنی قاتل سے مقتول کا بدلہ اور عوض لینے میں۔ ان میں یہ اتنا قدیم دستور تھا کہ زمانہ کے تصرفات قانون معاشرت کے تغیرات اور حکومت وسلطنت کے اختیارات اس کے متعلق کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ پیدا کر سکے اور نہ ان میں کبھی اصلاح وترمیم کی جرأت کر سکے۔ ایام عرب کے قدیم معرکے ان کی قیامت خیز اور جہانسوز لڑائیاں۔ جن میں قبیلے کے قبیلے اور قوموں کی قومیں صفحۂ روزگار سے نیست ونابود ہو گئیں شاہد صادق ہیں۔ شبلی صاحب اس کی اہمیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے۔ تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا۔ عرب لکھے پڑھے نہ ہوتے تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں ورثہ چلا آتا تھا۔ بچوں کو یہ نام یاد کرا دیا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر خون کا انتقام لینا ہے۔ واحس اور لیوس کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس برس قائم رہیں اور جن میں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہو گئیں اسی بنا پر ہوئیں۔ عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں۔ یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔ سیرۃ النبی جلد ایک ص 262

یہ غزوہ بدر کے دفتر کا دیباچہ ہے۔ ممکن تھا کہ اگر خضرمی کا خون عبداللہ بن جحش کی تیز طبعی سے یا غلط فہمی سے نہ واقع ہوتا تو وقوع جنگ بدر میں کچھ اور توقف ہو جاتا۔ لیکن خضرمی کے قتل نے کفار کو جوش انتقام میں ایسا بے چین کر دیا کہ پھر وہ دم بھر کے لیے نہ بیٹھ سکے۔ اس اثنا میں اس غلط افواہ نے جس کا موجد۔ مفسد ابوجہل ثابت ہوتا ہے۔ (دیکھو رحمت العلمین)

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کفار قریش کی رفتار انتقام کو اور تیز کر دیا۔ وہ ابوجہل کی یہ غلط افواہ تھی جس کو ہم اوپر اس کی قیامت کی چال بتلا چکے ہیں۔ اس نے مشہور کو دیا کہ شام سے قافلہ تجارت کی واپسی کا حال سن کر پیغمبر خدا صلعم مسلمانوں کے ہمراہ اس پر حملہ کریں گے اور ابوسفیان کے قافلہ کو بمعہ مال ومتاع کے لوٹ لیں گے۔''

مشرکین قریش کی پر جوشیوں کے لیے حضرمی کا قتل ہی کیا کم تھا۔اس پر مسلمانوں کی غارت کی خبر ہونے سر شہاگہ کا کام کر گئی۔ اپنی تمام کائنات کی بربادی وتباہی کا حال سن کر غم وغصہ کی حرارت سے ان کے بدن میں لہواونٹنی لگا اور وہ مبہوت ہو کر استحصال اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کے لیے ایک بارگھروں سے نکل پڑے۔شبلی صاحب اس غلط افواہ اور ابوجہل کی اس قیامت خز چال کی ان الفاظ میں پوری تفصیل فرماتے ہیں۔

حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا اور اسی سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں وغیرہ بھی پیش آ گئیں۔ (واقعات سرایا) دونوں فریق ایک دوسرے سے پرخذر رہتے تھے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہوتا ہے۔غلط خبریں خواہ مخواہ مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں۔اس اثنا میں ابوسفیان قافلہ تجارت لے کر شام گیا تھا اور ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے۔قریش نے لڑائی کی تیاریاں کر دیں۔مدینہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آ رہے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدکا روا قعہ پیش آیا۔(سیرۃ النبی جلد اول)

مدبران قدرت اور منتظمان مشیت مسلمانوں کی قلیل جماعت، ان کی غربت، ان کا نازک موقع ان کی نازک حالت اور دشمنوں کی لاانتہا مخالفت اور تمام بے رحمی وشقاوت کا ابھی اندازہ کر رہے تھے اور مسلمانوں کا صبر ورضا اور تحمل وسکوت کا امتحان لے رہے تھے۔ ابھی تک مسلمانوں کو حکم جہاد نہیں آیا تھا۔

نزول حکم جہاد اور اس کی ضرورت مفصلہ ذیل کی توجیہات وتصریحات سے ظاہر ہے۔مدینہ میں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے بارہ مہینوں تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا۔طبری لکھتے ہیں۔

خرج فی صفر غازیاعلی راس اثنا عشر شھرا من مقدمة المدینة

مدینہ میں تشریف لانے سے بارہ مہینوں کے بعد ماہ صفر میں آنحضرت صلعم جہاد کے لیے نکلے۔

اتنے دنوں تک حکم جہاد کا انتظار کیا گیا۔اسی سے ظاہر ہے کہ ان ایام میں اذن جہاد نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خاص کر ایسی حالت میں جب چاروں طرف سے کفار قریش کے خونخوار حملات کی خبریں آ رہی تھیں اور گرد ونواح مدینہ تک ان کی دوڑیں پہنچ گئی تھیں۔کیسے اضطراب ومصیبت میں بسر کی ہوگی۔جس کی مختصر سی کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں اسلام میں دشمنوں پر جارحانہ حملہ کرنے اور سبقت فی القتال کے عمل قطعاً ممنوع کیے گئے تھے۔اس لیے جیسا کہ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں۔اسلام کو جنگ جارحانہ (OFFENSIRE) سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔جو مذہب دنیا میں صلح کا پیغام لے کر آیا ہو۔جس مذہب کے پیرو ایمانداروں کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو۔وہ کیسے بے محابہ کسی پر تلوار لے کر دوڑے جا سکتے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے کامل تیرہ برس تک مکہ میں طرح طرح کے ناقابل برداشت مظالم کفار کے ہاتھوں سے غیر جگہ غیر لوگ اور غیر مذہب وآئین کے لوگوں میں جا کر پناہ لی۔لیکن اپنے دشمنوں پر ہاتھ نہ اٹھایا۔اسی طرح آخر بار کامل خاموشی صبر اور

استقامت کے ساتھ اپنے گھروں کو اپنے مقبوضات کو اپنی جملہ جائداد و کائنات کو مکہ میں چھوڑ کر امن جھاڑتے ہوئے خالی ہاتھ مدینہ چلے آئے اور یہاں آ کر سخت افلاس ناداری اور غریب الوطنی کی حالتوں میں کامل ایک برس تک اسی خاموشی سکوت اور صبر میں بسر کی۔ مگر اب جب دشمنوں کی تلواریں گلوں سے آ لگیں اور جان و مال کی تباہی و بربادی کا عین وقت پہنچ گیا اور وہ موقع آ گا اور وہ غیر تحمل ضرورت آ پڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔ اگر اب بھی یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مرغیوں کی طرح گھروں کے اندر ذبح کر دیئے جاتے اور پھڑک پھڑک کر اندر ہی اندر رہ جائے۔ باہر کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ان کی جانوں کے خاتمہ سے دنیا کو یہ نقصان ہوتا کہ پھر روئے زمین پر خالص توحید کا نام لیوا نام لینے کو بھی نہیں ملتا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنے پونے تین برس کے وعظ و نصیحت کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں (انجیل متی باب 27) اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی موجودہ حالتوں پر رحم فرما کر ان کو بھی چودہ سال تک صبر کرنے اور ظلم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنوں کے ساتھ مدافعانہ مقابلہ کا حکم دیا۔

اب وہ وقت آ گیا ہے اور منتقم حقیقی کی نگاہ حقیقت نے دیکھ لیا کہ بے گناہ مسلمانوں کی گردنیں کفار کی تلواروں کے نیچے آیا چاہتی ہیں تو حکم جہاد کی آیت شہنشاہ رسالتؐ پر ان الفاظ و عبارت میں نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀ (الحج)

جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمانوں کو) ان سے بھی اب لڑائی کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقینی قادر ہے۔

لیکن تفسیر ابن جری طبری میں سب سے پہلی جو آیت متعلق بحکم جہاد بتلائی گئی ہے وہ یہ ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے تم بھی لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں کے علاوہ صاحب رحمت العلمین مرقومہ ذیل آیت کو بھی حکم جہاد میں داخل فرماتے ہیں۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ

یہ لوگ بلا وجہ اپنے وطن سے نکالے گئے۔ صرف اس لیے کہ انہوں نے اپنے رب کو اپنا پروردگار مان لیا ہے اور اگر بعض کو (حملہ آوروں کو) بعض لوگوں (مسلمانوں) سے خدائے تعالیٰ دفع نہ کراتا تو ضرور عیسائیوں کے گرجا یہودیوں کے معابد اور ترساؤن کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کے نام کا ذکر کثیر ہوتا ہے۔ گرا دیں جاتیں۔

عیسائی متعصبین حکم جہاد کی اصلی اغراض ضرورتیں اور خاص مجبوریاں جو ان الفاظ الٰہیہ میں بیان ہوئی ہیں اور جن غیر متحمل حالتوں میں جب کارو استخوان کا خاص وقت آ لگا۔ اسلام کو اپنی جان و مال کی حفاظت اور خونخوار دشمنوں کی مدافعت میں دست بقبضہ ہونے کا اذن ملا ہے۔ پڑھیں، سمجھیں اور غور کریں اور پھر اپنے مفسدانہ اور مغویانہ تعریضات سے مقابلہ کریں تو کیا وہ یا دنیا میں کوئی اور بشرطیکہ انصاف پسند، حقیقت بین اور واقعہ شناس ہو۔ کہہ سکتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ان احکام ترجمان اور عیسائیوں کے ان اعتراضات مغویانہ میں کوئی مناسبت یا لگاؤ ہے؟

مخالفین کے تمام اعتراضات کا مقصد اس پر ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا اور قبائل وعشائر عرب پر بلا وجہ حملے کیے گئے۔ اس کی تصریح تو جیہ الفاظ قرآنی میں خود موجود ہے کہ جب جنگ کی مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے وہ خالص مدافعانہ ہے اور بالکل حفاظت خود اختیارانہ پھر بجر و بزور کا وہم وخیال کیسا۔ پھر یہی الفاظ اس جنگ مدافعانہ کے اسباب وعلل کو بھی نہایت صفائی سے بتلا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو محض بے بسی اور بے کسی کی ایسی حالتوں میں حکم جہاد دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک ووطن، قوم وقبیلہ اور گھر بار سے صرف اس جرم پر کہ وہ بخلاف کفار کے بے شمار بتوں کی پرستش سے قطعی انکار اور ایک خدا کی عبادت کا قلبی اقرار کرتے تھے، نکال باہر کر دیئے گئے تھے اور تین سو میل کی دور دراز مسافت پر جلاوطن کر دیئے گئے۔ لیکن اس پر بھی خونخواران کفار ان کے تعاقب اور ان کے قتل و غارت سے باز نہ آتے تھے۔ ان امور کی تفصیل وتصریح کے بعد یہ آیات قرآنی اور الفاظ باقی صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ اہل اسلام کو جہاد کا حکم تنہا کچھ ان کے ذاتی منافع، قومی فوائد اور مذہبی ترقی واشاعت کی غرض خاص سے نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان احکام کا اصل مدعا یہ تھا کہ اہل اسلام نے مدینہ میں آ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی مختلف اقوام وقبائل سے ان کی حفاظت وحمایت کے جو معاہدہ قائم کیے اور بلا لحاظ اختلاف قومیت ومذہب نہایت کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے غیر اقوام، غیر قبائل اور غیر مذاہب کے افراد، ان کی جان ومال اور ان کے اہل وعیال کو ان معاہد کی رو سے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا ہے اور ان کو ان کے تمام امور دینی وقومی میں آزاد اور خود مختار کر دیا ہے ان شرائط معاہد کو عملی طور پر نہایت استقلال واستحکام سے پورا کریں جو امن عام اور تمام لوگوں کی راحت وآرام کے اصول پر مبنی تھا اب ایسی حالت میں اگر اہل اسلام کو مقابلہ ومقاتلہ دشمن کی جو صریحاً نظم امن کے پیکر تھے اجازت نہ دی جاتی تو وہ ان شرائط معاہد کے پورے کرنے سے بالکل مجبور ومعذور تھے۔ آخر میں نتیجہ یہ نکلتا جیسا کہ خود آیہ قرآنی میں بالتصریح موجود ہے کہ تمام قبائل ومذاہب کی آزادی بند ہو جاتی۔ عیسائیوں کے گرجوں، یہودیوں کے معبدوں، ترساؤں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں میں خدا کے نام کی تسبیح وتقدیس یک قلم موقف ہو جاتی ایسی واضح اور صاف توجیہات وتصریحات پر بھی متعصبین یورپ اسلامی جہاد کو زد شمشیر سمجھیں تو یہ ان کی صریح نفسانیت ہے اور جہالت۔

غزوۂ بدر

(17-رمضان المبارک جمعہ 2ہجری)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اے مسلمانوں! خدا نے واقعہ بدر میں ایسے موقع پر تمہاری نصرت وحمایت کی جب تم بالکل کمزور اور ضعیف ہورہے تھے۔

غزوہ بدر

واقعہ بدر کے تمام ابتدائی اسباب پورے طور سے بیان ہو چکے۔حقیقتاً اس کی ابتدا اسی وقت سے سمجھنا چاہیے جس وقت سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح وسلامت مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے۔کفار قریش کو شب ہجرت کی خونخوارانہ انتظام سے خاتم اسلام اور قتل جناب سید الانام علیہ السلام کا پورا یقین تھا۔لیکن تدبیر الٰہی سے ان کی ازلی بدبختیوں کو جس قدر اپنی کامیابی کی پوری امید تھی اسی قدر مایوسی، محرومی اور ناکامیابی نصیب ہوئی۔تعاقب بھی کیا گیا کوسوں تک وادی وصحرا کی خاک چھانی گئی۔گرفتاری کے لیے اشتہار انعامی دیئے گئے۔مگر سوائے حسرت وناکامی کے اب ان کی قسمتوں میں کچھ نہ تھا۔اپنے بے انتہا غم وغصہ کی آگ میں جل بھن کر گھر بیٹھ رہے اس پر بھی استحصال اسلام کی اور مسلمانوں کے قتل عام کی خلش دل سے نہ گئی۔مدینہ میں اسلام کا عروج اور مسلمانوں کا اطمینان سن کر بے چین ہو گئے۔استحصال اسلام کی فکریں کرنے لگے۔تدبیریں سوچنے لگے۔مکہ سے مدینہ تک کی قوم وقبائل کو اسلام کے خلاف ابھارنا انصار مدینہ سے کچھ چلتی نظر نہ آئی۔عبداللہ بن ابی سلول کو مسلمانوں کی مخالفت پر برانگیختہ کیا گیا یہود ان مدینہ سے جو اسلام کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو چکے تھے۔سازش پیدا کی، اس سے بھی اطمینان نہیں ہوا تو خود سوسو دو دو سو کی جمعیت سے قرب وجوار کی رہائشی قوموں پر جو اسلام کے معاہدہ میں آچکی تھیں، تاخت وتاراج کی۔پھر بالکل قزاقانہ اور خونخوارانہ طریقہ سے نخلستان مدینہ تک چڑھ دوڑے اور مسلمانوں کے بہت سے مویشی کو لوٹ کر لے گئے اور ان کے نخلستان کو جلا دیا۔

مسلمانوں کو مدینہ میں آئے ہوئے ایک برس سے زائد ہو چکے تھے۔اس اثنا میں کفار نے مسلمانوں کے خلاف اپنی جابرانہ اور ظالمانہ چھیڑ چھاڑ اور چابکدستیاں برابر شروع کردیں اور جاری رکھیں لیکن مسلمانوں نے ابھی تک ان کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا تھا۔متعصبین یورپ انھیں واقعات اور ابتدائی حالات سے کفار کے مظالم اور مسلمانوں کے صبر وتحمل کا پورا اندازہ کرلیں، پھر اشاعت اسلام کو بزور شمشیر قائم ہونے کے ثبوت دینے پر حوصلہ کریں گے۔

کفار قریش اور بدر کا سامان جنگ

کفار قریش کے اس سلسلہ مخالفت میں جس کی تفصیل کو ہم بطور اجمال بیان کر رہے ہیں ابوسفیان کے اس قافلہ تجارت کی تیاری بھی ہے۔ مسلمانوں کی نسبت جس کے لوٹنے کو بقول مولوی شبلی صاحب یورپ کے مورخین غزوہ بدر کا اصلی سبب قرار دیتے ہیں۔ یہ کارواں بھی غزوہ بدر یا مسلمانوں کے قطعی استحصال کے سامان فراہم کرنے کی غرض خاص سے مرتب کیا گیا تھا اور شام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ باہم کفار میں صلاح و مشورے سے یہ قرار پایا تھا کہ اس کارواں سے اب کی بار جو کچھ نفع حاصل کیا جائے اس کا ایک حبہ بھی ذاتی مصارف میں نہ اٹھایا جائے سب کا سب مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں لگا کران کا یکبار خاتمہ کر دیا جائے۔

اس بنا پر اس کارواں تجارت کا معمولی طور پر سامان نہیں کیا گیا تھا۔ قریش کے تمام روسا اور اصراء بلکہ ہر ہر فرد قوم نے اپنے تمام سرمایہ سے اس میں شرکت کی تھی۔ یہاں تک کہ خواتین تک کا بچا بچایا اور چھپا چھپایا سرمایہ بھی اس کے اندر کر دیا گیا۔ شبلی صاحب تو اشاروں سے بات کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے اسی انداز خاص میں اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ عبارت یہ ہے۔

حملہ کے لیے سب سے بڑی ضرورت مصارف جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لیے اب کے موسم میں قریش کا جو کارواں تجارت شام کو روانہ ہوا۔ اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھیں۔ ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا۔ سیرۃ النبیؐ۔

ابن سعد جلد دوم صفحہ ۷ میں، خاص ابوسفیان کی اس کارواں کی کثرت سامان کے متعلق لکھتے ہیں:

واللہ بمکہ من قریش ولا قرشیۃ لہ نش ولا صاعدا الا بعث بہ معنا۔

مکہ میں کسی مرد قریش یا زن قریشیہ کے پاس ایک حبہ بھی ایسا نہیں بچا تھا جو اس نے ہمارے ساتھ نہ کر دیا ہو۔

ابوسفیان کا یہ قول اقرار خود اس بار بخلاف دستور قدیم۔ اس کاروان کی اتنی اہمیت کی خاص غرض و غایت کو صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش کو اپنی تمام دولت و کائنات کو تجارت اب کی بار لگا کر اور اتنے نفع کثیر اٹھانے سے کون سی عظیم الشان مہمیں انجام دینا تھا۔ یہ عظیم الشان مہم وہی مسلمانوں کا قتل عام تھا جس کے لیے مشورے کر کے باخود یہ سامان کیے گئے تھے۔

آخر میں ان سامانوں کا نتیجہ بھی کچھ نہ نکلا۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ قریش میں سب سے زیادہ خاتمہ اسلام کا متمنی اور متعجل ابوجہل تھا۔ اس لیے اس نے اپنی عجلت کی سوتدبیری سے یا قریش کی زبوں تقدیری سے کفار قریش اور مشرکین عرب کے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک غیر متحمل پر جوشی پیدا کر دینے کی غرض خاص سے یہ غلط افواہ پیدا کر دی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلہ پر واپسی کے وقت مدینہ کے قریب حملہ کریں گے اور لوٹ لیں گے۔ اس غلط افواہ کی ظاہری صورت کے قرائن بھی موجود ہو گئے۔ اس لیے کہ مدینہ کے پاس مقام بدر کے قریب ہی سے شام جانے کا راستہ پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے۔ اس بنا پر کفار نے خود بھی سمجھ لیا اور ان کو سمجھا

بھی دیا گیا کہ ابوسفیان جب اس مقام پر آئے گا تو مسلمان اپنی کمینگاہوں سے۔ جہاں وہ پہلے ہی سے پوشیدہ ہوں گے۔ ایک بارنکل کر ان کو لوٹ لیں گے۔

ابوجہل کی یہ چال قیامت کی چال تھی۔ جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور حقیقتاً اس نے قبائل عرب میں ایک ہیجانی کیفیت ضرور پیدا کردی اور ابوجہل کی غرض وغایت بھی یہی تھی۔ لیکن منشائے تقدیر نے اس کے مدعائے تدبیر کو الٹ دیا ابوجہل نے مخالفت اسلام میں اہل عرب کی کثرت تعداد اور ان کے انتہائے جوش وسرگرمی پر اعتبار کر کے بلا انتظار واپسی کاروان اور بغیر خیال فراہمی سامان جنگ۔ جیسا کہ باوجود باہمی سے قرار پاچکا تھا ایک ہزار مسلح جوانوں کی تیار جماعت لے کر جنگ کی تیاری کردی اور بدر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اپنی اس عجلت کا سبب یہ بتلایا کہ اس جمعیت سے کارواں تجارت کی حفاظت اور حملہ آور مسلمانوں کی مدافعت کی جائے گی جو قریب ہی۔ شام سے واپس ہوتے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں پھنس جائیں گے۔

اس بنا پر ابوجہل تو اتنی کثیر جمعیت کے ساتھ یلغار بن مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں لوٹنے والے اور لٹنے والے دونوں اپنے اپنے مقامات پر خاموش بیٹھ رہے۔ مسلمان مدینہ میں اور ابوسفیان شام ہیں جیسا کہ طبری میں مرقوم ہے۔

وذلك قبل مخرج ابي سفيان و اصحابه الى الشام

واقعہ بدر ابوسفیان اور اس کے ہمراہیوں میں روانگی شام سے پہلے طے ہوچکا تھا۔

کفار قریش تو مسلمانوں کی طرف سے اپنی مخالفت یا ان کے قتل وغارت کے خیال آپ پیدا کر کے اپنی ہوا میں آپ ڈر رہے تھے بخلاف ان کے مسلمان ان کے مظالم کا مدینہ میں گھر بیٹھے۔ مشاہدہ کر رہے تھے اور یقین کر رہے تھے کہ ان کی بڑھتی ہوئی شرارتیں ایک نہ ایک دن ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کے قصد سے ضرور چڑھا لائیں گی لیکن مسلمان خاموش رہ کر اس وقت تک اشارہ قدرت اور منشائے مشیت کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ جس کے بغیر وہ اپنی ذراسی جنبش اور حرکت کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔

مشاہدات متواترہ کے علاوہ وحی الٰہی کے ارشادات اپنے پیغمبرؐ برحق کو قریش کے ان ظالمانہ تدبیر وارادے سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ طبری کے اسناد سے حضرت علیؑ کا یہ ارشاد کہ جناب رسول خداصلعم ہم لوگوں سے اکثر چاہ بدر کی نسبت پوچھا کرتے تھے۔ اس امر کا شاہد صادق ہے کہ آپ جنگ بدر کے متعلق قبل از وقوع بذریعہ وحی مطلع فرمادیئے گئے تھے اور لشکر قریش کے بالکل قریب پہنچ جانے تک کسی قسم کی تحریک سبقت کرنے سے روک دیئے گئے تھے۔ چنانچہ جمہور مورخین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ لشکر کفار کے بالکل قریب بدر آجانے کی صحیح خبر پاکر آنحضرت صلعم نے ان کی مدافعت کا ارادہ فرمایا جو حکم قدرت اور تدبیر مشیت کا عین مقصود تھا۔

جنگ بدر کا اعلان اور مبازران اسلام کے اظہار عقیدت

جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکر قریش کے قریب بدر پہنچ جانے کی تحقیق خبر مل گئی تو آپ نے ان سے مقابلہ کے متعلق سب سے پہلے جو کام کیا۔ وہ تمام اہل اسلام کی جماعت میں اس قصد ارادۂ جنگ کا اعلان کرنا اور شرکت محاربت پر مسلمانوں کا

عالم استمزاج لینا تھا۔ حکم ہوا اور تمام اہل اسلام حاضر تھے۔ وہ کفار کے مظالم اور اپنے مصائب کو خود جانتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلعم کو زیادہ بیان کی ضرورت نہیں ہوئی۔ سب نے سمعا واطاعا کہہ کر سر ہائے تسلیم جھکا دیئے لیکن اس رحمت عالم اور خلق مجسم کا ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ وہ مہاجرین سے نہیں۔ بلکہ اپنے خلق عظیم کے تقاضہ سے جماعت انصار کی زبان والفاظ میں اپنے اس قصد کی تصمیم وتسلیم کا اقرار کرانا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ جو شرائط جنگ کے ان سے معاہدہ لے گئے تھے وہ مدینہ کے اندر ہی رہ کر ان کو جنگ ومقابلہ کرنے کا پابند بناتے تھے۔ مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کی شرط نہیں تھی اور یہ ظاہر تھا کہ مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر جا کر ان کو دشمن سے لڑنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یہ خلاف معاہدہ واقع ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ رک رہے تھے اور بار بار ان کی طرف رخ کرتے تھے اور ان کے جواب کے منتظر تھے۔ مزاجدان جان نثار اور آداب شناس انصار آنحضرتؐ کے مدعائے دلی کو سمجھ گئے۔ گروہ انصار سے سعد بن عبادہ، ہمہ تن عقیدت بن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے اب ہم ان جان نثاران اسلام کی تقریریں پہلے شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سعد بن عبادہ رئیس خزرج کی تقریر

سعد بن عبادہ (رئیس قبیلہ خزرج) نے اٹھ کر کہا کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ ہم قوم موسیٰؑ کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے سے پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا۔ (سیرۃ النبی ص 231)

شبلی صاحب نے اپنے اسی قدیم واہمہ۔ مشاقین یورپ کے خوف سے اس واقعہ کو جس قطع وبرید کے ساتھ مبہم کر کے لکھا ہے وہ محققین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایک تو آپ کی صحیحین کے محدثین نے اس تاریخی واقعہ کو جس اختصار کے ساتھ لکھا تھا وہی اس کی تفصیل کے استخفاف کے لیے کافی تھا۔ اس پر آپ کی تلخیص نے اور بھی ناقص کر دیا۔ یہ اصلی موضوع کے ماخذوں کو چھوڑ کر دوسرے خارجی ماخذوں سے استنباط واستخراج مرویات کا نتیجہ ہے۔ ایک تو یہ غلطی کی دوسرے جان نثاران انصار میں اصل جان نثار سعد بن معاذ کی تقریر کو بالکل متروک کر دیا۔ حالانکہ سعد بن عبادہ کی نسبت تقریر کرنے کا واقعہ ہی محققین کے نزدیک اب تک مشکوک ہے اور سعد بن معاذ کی تقریر پر اتفاق جمہور ہے۔

اب ہم اس واقعہ کی ضروری تفصیلی کیفیت طبری اور ابن ہشام سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

كان عليه السلام اخبرهم من قريش فقام ابوبكر ﷺ الصديق فقال و احسن ثم قال عمر بن الخطاب فقال و احسن ثم قال المقداد فقال يا رسول الله امض لما اراك الله فنحن معك والله لا نقول لك كما قالت بنو اسرائيل لموسى اذهب

انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون ولكن اذھب انت و ربك فقاتلا انا معكما يقاتلون فوالذی بعثك بالحق لوسرت بنا الی برك الغماد الجادلنا معك من دونه حتی تبلغه فقال رسول الله صلعم خيراً و دعاله به ثم قال رسول الله صلعم اشير و اعلی ايها الناس و انما يريد الانصار و ذلك انهم عدوالناس وانهم حين بايعوه بالعقبه قالوا يارسول الله صلعم انا براء من ذمامك حتی تصل الی ديارنا فاذا وصلت الينا فانت فی زمتنا نمنعك سما نمنع منه ابنائنا ونسا سافكان رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم يخوف الا تكون الانصار تری عليها نصرة الا ممن دهمه بلدينة من عدوه وان ليس عليهم ان بسير نهم الی عدومن بلاد هم فلما قال ذلك رسول الله صلعم قال له سعد بن رضی اللہ عنہ معاذ والله لكائنك نريد يارسول الله ﷺ قال اجل قال فقد منابك و صدقناك و شهدنا ان ماجئت به هو الحق و اعطيناك علی ذلك عهودناومواثيقاناعلی السمع والطاعة فامض يارسول الله لما ارت فنحن معك فوالذی بعثك بالحق لواستعرضت بنا هذا البحر فخضنافخضناه معك ماتخلف منادجل واحد ومانكره ان تلقی بنائں وانا لعدا الصبر فی الحرب صدق فی اللقاء لعل الله يريك مناما تقربه عليںك شبربنا علی بركة الله فسر رسول الله صلعم بقول سعد و نشط۔ ذلك

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مجمع مسلمین کوقریش کی خبر سے مطلع فرمایا تو حضرت ابوبکر الصدیق کھڑے ہوئے۔ تقریر کی اور ان کی تعریف کی گئی پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کھڑے ہوئے تقریر کی اور تعریف کی گئی پھر حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ آپ کو جو حکم خدا ملا ہے وہ کیجیے ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ کی خدمت میں وہ ہرگز نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑنے جاؤ۔ ہم یہیں بیٹھے کے بیٹھے رہیں گے۔ لیکن ان کے برخلاف ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا غنیم سے لڑنے کے لیے چلیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلنے اور لڑنے کو تیار ہیں اور اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث

فرمایا ہے اگر آپ ہم لوگوں کو برک الغماد (علاقہ یمن) تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کی رکاب میں برابر تلوار چلایا کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ کا ارادہ پورا ہو یہ سن کر جناب رسول خداصلعم نے مقداد کو دعائے خیر دی ان کے بعد آپ نے فرمایا ایھا الناس تم لوگ مجھے اس امر میں مشورہ دو اس کہنے سے آپ کا روئے سخن خاص کر انصار کی طرف تھا اوران میں بھی خاص کر انہی مخصوصین انصار سے جو پہلے آپ سے بیعت عقبہ کر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلعم ہم اس وقت تک آپ کے ذمہ دار نہیں تھے جب تک آپ ہمارے شہر وطن میں نہیں آئے تھے۔ اب جب آگئے تب ہم آپ کے بالکل ذمہ دار بن گئے۔ اس بنا پر ہم آپ سے ان تمام امور کی مدافعت کریں گے جن امور کی ہم اپنے اہل وعیال سے مدافعت کرتے ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لین ذہن میں یہ خیال تھا کہ کہیں میرے سوال کے جواب میں انصار یہ نہ کہیں کہ ہم نے آپ سے مدینہ کے اندر دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے اور اسی حالت میں کہ جب دشمن سے باہر جا کر مقابلہ کی ضرورت ہوتو وعدہ نہیں۔ جب آنحضرت صلعم نے تقریر میں اس کی طرف اشارہ کیا تو سعد بن معاذ نے اٹھ کر عرض کی کیا اس اشراد سے ہم لوگوں کی طرف اشارہ ہے آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ سعد نے عرض کی کہ ہم سب آپ پر ایمان لا چکے، آپ کی تصدیق کر چکے اور جو کچھ حضور پر منجانب اللہ نازل فرمایا گیا ہے اس کی شہادت دے چکے اور آپ کی اطاعت ومتابعت کے معاہدے لکھ چکے پھر استفسار کی ضرورت کیا ہے آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے اس پر عمل کیجیے۔ ہم سب آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہمیں اس دریا میں کود پڑنے کے لیے حکم دیں تو ہم بلا تامل داخل دریا ہو جائیں اور ہم میں سے کوئی شخص بھی آپ کے اس حکم سے نہ خلاف کرسکتا ہے اور نہ انکار کرسکتا ہے اور آپ میدان جنگ میں دیکھ لیں گے کہ ہم جدال وقتال کی سختی کے وقت کیسا صبر وتحمل کرتے ہیں اور ہم اپنی جان نثاریاں دکھلا کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کردیں گے بس خدا کی تائید وبرکت کی امیدوں پر آپ تشریف لے چلیں، جدھر کا قصد فرما چکے ہیں۔ سعد ابن معاذ کے یہ کلمات عقیدت سن کر آپ بے حد مسرور ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص 13 مصر

اس تقریر کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزم جہاد مستقل کردیا۔

میدان بدر کی طرف روانگی

بارھویں رمضان المبارک 2 ہجری کو آپ قریب تین سو تیرہ آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک میل کی مسافت پر چاہ ابی عینیہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہاں ٹھہر کر لشکر اسلام کا جائزہ لیا گیا اور سب کو یہاں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جان نثار مہاجر و انصار، سرفروشیوں کی پرجوشیوں میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔

جان بازوں کی عقیدت مندانہ پرجوشیوں اور سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ صغیر السن اور غیر مکلف بچے تک شریک جہاد ہونے کی تمنا میں گھروں سے باہر نکل آئے تھے اور جوانوں کی صف میں مل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ معائنہ کے وقت ان کو غیر مکلف قرار دے کر واپس جانے کا حکم ہوا۔ ان نوعمر بچوں میں عمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب ان کو بھی واپسی کا حکم ہوا تو یہ پھوٹ کر رو پڑے۔ آنحضرت صلعم ان کی بے تابی سے بہت متاثر ہوئے اور بالآخر اجازت دے دی۔ عمیر کے بھائی سعد بن وقاص نے اس کمسن جان نثار اسلام کی کمر میں تلوار باندھ کر گود میں اٹھالیا اور ساتھ لے لیا۔

مجاہدین کا شمار کیا گیا تو تعداد میں مجموعاً تین سو تیرہ آدمی نکلے۔ جمہور کا متفقہ بیان ہے کہ یہی طالوت کے لشکر کی بھی تعداد تھی۔ جو جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا۔ شہر کی محافظت اور انتظام کے لیے ابولبانہ کو مدینہ کے حصہ زیریں کا حاکم بنا کر یہیں سے روانہ کر دیا گیا اور عاصم بن ہدی کو مدینہ کی بالائی آبادی کا جسے عالیہ کہتے ہیں امیر و محافظ مقرر کر کے بھیج دیا گیا۔ ان ضروری انتظامات کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی روانگی سے پہلے بسبسہ اور عدی کو لشکر قریش کی خبر رسائی کے لیے بھیج دیا اور یہ دونوں آدمی چشمہ بدر کی طرف جہاں لشکر قریش کے پہنچنے کی خبر ملی تھی روانہ ہو گئے۔ مخبرون کی روانگی کے دوسرے دن آپ لشکر اسلام کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور روحاء متصرف ذات اجذال میلاۃ اور اثیل کی منزلوں کو طے فرماتے ہوئے چشمہ بدر پہنچ گئے۔ زرقانی کی تحقیق میں بروایتے چھتیس اور بروایتے تیس میل روزانہ کی رفتار کے حساب سے 80 میل کی مسافت گویا دو ڈھائی دنوں میں تمام کر دی گئی۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلہ کی خبر سن کر دونوں مخبر حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ غنیم اس وادی کے اس پار تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے آگے بڑھنے کی مصلحت نہ سمجھ کر وہیں قیام فرمایا۔

موقع بدر

بدر مدینہ منورہ سے اسی میل (چالیس کوس) کے فاصلہ پر مغرب و شمال کی طرف شارع عام پر واقع ہے یہیں سے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہو کر شام جانے کا تنگ اور کج راستہ نکلتا ہے۔ مقام بدر قدیم منزل گاہ ہے۔ اس لیے کہ یہاں صاف پانی کے اکثر چشمے جاری ہیں۔ عرب کے مشہور اور قدیم سالانہ میلوں کے مقامات میں بدر بھی شمار کیا جاتا ہے۔

یہاں کے سالانہ میلوں کے متعلق طبری لکھتے ہیں:

وکان بدر موسما من مواسم العرب فبسیجتمع لهم لها سوق کل عام فنقیم

علیہ ثلثا و تنحر الجزور ونطعم الطعام ونسقی الخمور و تعزف غنا القیان و تسمع بنا العرب

بدر عرب کے مشہور مقامات میں تھا۔ یہاں ہر سال تین دن تک میلہ لگا رہتا تھا۔ کثرت سے اہل عرب جمع ہوتے تھے انٹوں کو ذبح کر کے کھاتے پکاتے تھے اور شراب پیتے تھے عرب کی مشہور گانے بجانے والی عورتوں کا گانا بجانا سنتے تھے۔ (طبری 1307)

لشکرِ اسلام میں سامان جنگ

یہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کل تین سو تیرہ آدمی تھے۔ تعداد تو یہ تھی سامان پر نظر کی جائے تو تین سو تیرہ آدمیوں میں سواری کے لیے کل ساٹھ اونٹ تھے اور لشکر بھر میں صرف دو گھوڑے ایک حضرت مقداد کے پاس اور ایک زبیر ابن العوام یا ابی مرتد کے پاس۔ انتظام یہ کر لیا گیا تھا کہ باری باری سے کچھ لوگ انٹوں پر راہ طے کرتے تھے اور باقی لوگ پیدل چلتے تھے۔ جب سواری کے لوگ ایک مقررہ حد تک سواری پر چل چکتے تھے تو اترتے تھے اور خود پیدل چلنے لگتے تھے اور اپنی جگہ پیدل چلنے والوں کو انٹوں پر سوار کر دیتے تھے۔ اس انتظام میں راحت و مساوات عام کا اس درجہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مرکب بھی شرکت سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب محدث شیرازی تو صرف حضرت علی مرتضیٰؑ کو آپ کا رفیق بتلاتے ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منزلوں پر آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ اور ابولبانہ کو بھی ہمراہ لے لیا تھا۔ زید کی رفاقت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ابولبانہ کی شرکت تو بالکل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابولبانہ تو منزل اول ہی سے مدینہ کے حصہ زیریں کا حاکم بنا کر واپس کر دیئے گئے تھے وہ تھے کہاں جو شریک راحلہ ہوتے؟

تاریخ و حدیث کی متفقہ مرویات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم حسن خلق اور عدل و تواضع کے اظہار و تقاضا سے خود بھی پیدل چلتے تھے۔ اس لیے کہ مساوات کی تعلیم ہو اور معمولی طبیعت والوں کو اپنے پیغمبرؐ کی طرف تن آسانی کا سوظن نہ ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ یا اور جو کوئی ایسے موقع پر ساتھ ہوتا تھا عرض کرتا تھا کہ آپ سوار ہو لیں ہم پیدل چلتے ہیں، قوت روحانیہ نبوت کے خاص انداز میں ارشاد ہوتا تھا:

ما انتما باقوی منی و ما باغنی عن الاخر منکما

تم لوگ مجھ سے قوی تر نہیں ہو اور میں تمہارے اول و آخر کی مدد حمایت سے بالکل مستغنی ہوں۔ روضۃ الاحباب محدث شیرازی

یہ ارشاد آپ کی نبوت کے اوصاف مخصوصہ کا کامل اظہار کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ پیغمبر تمام قوائے جسمانی اور روحانی میں

عام طبقہ انسانی سے خاص طور پر قوی تر اور اعلیٰ تر مخلوق کیا جاتا ہے۔

راحلہ کا تو یہ سامان تھا۔ اسلحات جنگ و آلات حرب وضرب کی قلت کی یہ حالت تھی کہ سارے لشکر میں کل چھ شخصوں کے پاس زرہیں تھیں۔ باقی سب کے سب اسلحات سے بالکل ننگے تھے۔ تین سو تیرہ آدمیوں میں سے کل آٹھ آدمیوں کے پاس تلواریں تھیں۔ باقی سب کے پاس نیزہ وسنان تھے یا تیر وکمان۔ اسی مختصر سے سامان سے اور اسی مختصر سی جماعت جان نثاران سے اسلام کو کفار کے اس عظیم الشان لشکر جرار کا مقابلہ کرنا تھا جو تعداد میں ان سے سہ گونہ تھا۔ ان کی ایک ہزار آہن پوش پہلوانوں میں سو جرار سواروں کا پیالہ ایسا تیار تھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ طلایہ کا کام کرتا ہوا فوج کے آگے آگے چلتا تھا اور معرکہ جنگ میں ساقین لشکر سے بجلی کی طرح کوندتا ہوا غنیم کے سر پر گر پڑتا اور دم کے دم میں دشمن کا کام تمام کر دیتا۔ اسلحات کی یہ کثرت تھی کہ یہ شخص دوہری دوہری زرہیں پہنے تھے۔ سروں پر ایک خود پر دو دو خود رکھے تھا۔ جوشن مغفر زرہ بکتر وغیرہ۔ غرض جنگی لباس میں وہ کون سا لباس تھا جو ان کے پاس موجود نہ تھا۔ یہی کیفیت آلات حرب وضرب کی بھی تھی۔ ہر شخص ضرورت سے زائد اپنے بدن پر ہتھیار لگائے تھا۔ من بھر کے جسم پر دو دو من لوہے چڑھائے تھا۔ خوشحالی، دولتمندی، فراغت اور اطمینان کا یہ عالم تھا کہ راستہ میں لشکر کا پڑاؤ روسا و امراسے عرب کا عشرت کدہ بن جاتا تھا۔ نو نو دس دس اونٹ روز ذبح کیے جاتے تھے اور ریشہ ریشہ ہو کر تمام فوج میں بٹ جاتے تھے اسی طرح ان کے تمام اسباب تعیش اور سامان آرام وراحت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

فریقین مقابل کے ان متوازی حالات کو پڑھ کر نہایت آسانی سے ہر شخص فیصلہ کر لے گا کہ تیاری جنگ کے اعتبار سے کبھی مسلمان کفار کے مساوی نہیں تھے۔ نہ مسلمانوں کے پاس ضرورت جنگ کے موافق اسلحات جنگ تھے نہ آلات حرب، نہ راحلہ ہی اتنا تھا نہ سامان مقابلہ، مخالف مقابل کے برابر نہ ان کی تعداد تھی، نہ شمار، نہ پیدل نہ سوار، اتنی بری بے سامانی سے اتنے بڑے ساز وسامان کے مقابلہ پر تیار تھے عام نگاہوں میں تو ان کی یہ جرأت بھی خودکشی دکھلائی دے گی لیکن حقیقتاً ان کی یہ ظاہری بے سروسامانی اپنے پہلو میں کامل الایمانی کی روحانی قوت رکھتی تھی، جو نہ سامانوں کی افزائش سے گھٹ سکتی تھی اور نہ اسلحات وآلات حرب کی برش سے کٹ سکتی تھی اور یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اپنی قلیل جماعت سے اتنی بڑی کثیر جماعت غنیم سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں تھا بلکہ استقرار علی الحق ثبات فی الایمان اور استحصال الباطل کے مسئلون میں ان کی سرفروشیوں اور جانبازیوں کی پہلی آزمائش اور اولین امتحان ثابت ہوتا ہے۔

جو مدبرین قدرت کی طرف سے آماجگاہ بدر میں لیا گیا اور اس امتحان قدرت کے ہر شعبہ میں کامل ہو کر جان نثاران اسلام نے بتلا دیا کہ کامیابی یا فتح وفیروزمندی تعداد افراد پر منحصر نہیں بلکہ اس کی تحصیل وتکمیل زیادہ تر استقرار واستقلال کے کمال اور خدا کی تائید وافضال پر موقوف ہوتی ہے۔

خباب بن منذر کی مفید مشاورت

جس مقام پر لشکر اسلام نے قیام کیا تھا وہ جنگ ومقابلہ کی ضرورتوں کے اعتبار سے تجربہ کاران معارک کی نگاہوں میں موزوں

اور مناسب نہیں معلوم ہوا۔

خباب بن منذر جو بڑے نبرد آزما اور معرکہ ہائے جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے اور صحابہ اولین میں داخل تھے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اس موقع پر قیام وحی الٰہی کی ہدایت سے کیا گیا ہے یا محض تدبر جنگ کی تجویز سے ارشاد ہوا حکم وحی سے نہیں ہے۔ خباب نے عرض کی مقابلہ کی مصلحتوں کے اعتبار سے تو مناسب یہ ہے کہ یہاں سے کچھ اور آگے بڑھ کر سامنے والے چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے جتنے کنوئیں ہیں سب بیکار کر دیئے جائیں اور وہی مقام لشکر کی قیام گاہ اور غنیم سے رزمگاہ قرار دیا جائے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خباب بن منذر کی صلاح پر عمل فرمایا۔ بعضے مسلمانوں کو یہ موضع قیام پسند نہ آیا اور وہ کنوؤں کے بے کار کیے جانے کو بھی اچھا نہ سمجھے۔ اس لیے مصرف کے لیے صرف ایک چشمہ کے پانی کو تمام ضروریات کے لیے کافی سمجھ کر قیام گاہ کی زمین کی سختی اور کمی آب کا عذر کرنے لگے۔ تائید ایزدی نے ان کے رفع شکایت کے سامان مہیا کر دیئے رات آئی تو کثرت سے مینہ برسنے لگا اور خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام رات برسا کہ تمام ریگ جن میں گھٹنے دھنس جاتے تھے یک لخت جم کر تمام زمین ہموار اور سخت ہوگئی۔ مسلمانوں نے کثرت سے جا بجا مینہ کا پانی روک کر متعدد حوض بنائے اور نہایت اطمینان و آسانی سے وضو و غسل کی ضروریات عمل میں لانے لگے۔ خدائے مسبب الاسباب نے ان کے ان اسباب فراغت و اطمینان کے نزول کی خبر اپنے ان الفاظ میں دی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ (انفال)

مسلمانو یاد کرو جب خدا نے تمہارے لیے آسمان سے مینہ برسایا کہ تم اس سے طہارت کرو۔

سقایان قریش کی گرفتاری

خباب بن منذر کی تجویز انسانی تدبیر ربانی کے مطابق نکلی اور فی الحقیقت لشکر اسلام کو آرام و اطمینان کے علاوہ غنیم سے مقابلہ و مقاتلہ کی نسبت بھی ذریعہ فتح و کامرانی ثابت ہوئی۔ جیسا کہ سلسلہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منزل اول سے غنیم کی سراغ رسانی کے لیے جو مخبر بھیجے گئے تھے انہوں نے قریش کی وادی کے اس پار تک جانے کی اطلاع پہنچائی تھی لیکن ان کا کوئی آدمی اس وقت تک کہیں دکھلائی نہیں دیا تھا جس سے ان کی جمعیت سامان و تیاری کی تفصیلی کیفیت معلوم ہوتی۔

اس ضرورت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؑ زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص کو رات کے وقت حکم دیا کہ اُدھر اور اُدھر جا کر غنیم کا صحیح پتہ لگائیں۔ حکم رسول اللہؐ پا کر یہ تینوں حضرات حسن اتفاق سے چشمہ بدر پر عین اس وقت پہنچے جب لشکر قریش کے سقے پانی لے رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب بھاگے لیکن ان میں دو شخص گرفتار ہو گئے۔ ایک کا نام اسلم تھا دوسرے کا عریض پہلا بنی الحجاج کا غلام تھا۔ دوسرا ابنی عباس کا۔ یہ لوگ ان دونوں غلاموں کو گرفتار کر کے خدمت رسول اللہ صلعم میں لے آئے آپ نماز میں مصروف تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں سے نام و نشان پوچھنا شروع کیا۔ ان دونوں نے اپنے صحیح نام

بتلائے اور کہا کہ ہم قریش کے غلام ہیں۔ چشمہ بدر سے پانی لینے آئے تھے ان لوگوں نے (بنا بر تصدیق) کہا نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم قریش کے آدمی نہیں ہو بلکہ ابوسفیان کے کارواں والے ہو۔ یہ کہہ کر انہیں مارنے لگے۔ دونوں نے مار کے خوف سے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ اس اثنا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور ان حضرات سے مخاطب ہو کر کہا عجب بات ہے، جب سچ کہتے ہیں تو تم لوگ انہیں تنبیہ کرتے ہو اور جب جھوٹ کہتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ حقیقتاً قریش کے غلام ہیں اور پانی لینے آئے تھے۔ پھر بالنفس النفیس ان سے مخاطب ہو کر استفسار حال فرمایا انہوں نے عرض کی ہم قریش کے غلام ہیں کنوئیں سے پانی لینے آئے تھے کہ آپ کے اصحاب نے گرفتار کر لیا۔ پوچھا گیا قریش کہاں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس ٹیلہ کے اس طرف استفسار ہوا تعداد میں کتنے ہیں وہ بولے صحیح تعداد تو ہم بتلا نہیں سکتے لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان کی جمعیت کے کھانے کے لیے ایک دن نو اونٹ اور دوسرے دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں یہ سن کر ارشاد ہوا کہ قریش کی جمعیت نو سو اور ایک ہزار آدمیوں کے درمیان ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ اشراف قریش میں سے کون کون لوگ لشکر کے ہمراہ آئے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا عتبہ، شیبہ، ربیعہ کے بیٹے، ابوالبختری، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل، امیہ بن خلف، منبہ اور منیۃ۔ حجاج کے بیٹے، سہیل بن عمرا اور عمر بن عبدود یہ سنکر آپ نے اصحاب کی طرف خطاب کر کے ارشاد کیا:

هذه مكة قد الفت اليكم افلاذ كبدها

مکہ نے تم لوگوں کی طرف اپنے پارہائے جگر کو بھیج دیا ہے۔ (طبری 1304)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے متعدد پانی بھرنے والوں میں صرف یہی دو آدمی گرفتار کیے گئے تھے جو خدمت رسول میں حاضر کیے گئے۔ باقی بھاگ گئے تھے۔ انہیں بھاگنے والوں میں ایک شخص عجیر نامی تھا اور اس نے جا کر قریش سے اپنے ہمراہیوں کی گرفتاری کا سارا واقعہ کہہ دیا۔ قریش مسلمانوں کی طرف سے ایک تو یوں ہی جلے ہوئے تھے یہ خبر سن کر غصہ کی آگ میں اور جل بھن گئے۔ لیکن وقوعہ کو بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ مسلمان اسیروں کو اپنی لشکرگاہ میں لے جا چکے تھے اور دریافت حال کر چکے تھے رات کا وقت تھا، انہیں وجوہ سے قریش نے مسلمانوں سے کسی فوری معاوضہ یا محاربہ کا خیال نہ کیا اور خاموش رہ گئے۔

یہ امر بھی یہاں لکھ کر بیان کر دینا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ چشمہ بدر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور ان لوگوں نے جا بجا سے چشمہ کا پانی روک کر اپنے مصرف کے لیے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تھے۔ تاہم اس رحمت عالم نے خدا کے اس فیض رواں کو منکرانِ خدا کے لیے بھی نہ روکا اور دشمنوں کو بھی دوستوں کی طرف اس سے فیضیاب و سیراب ہونے کی اجازت دے دی۔

افسوس ہے جنگ بدر میں بمقابلہ کفار رسول اللہ صلعم کی یہ تعلیم تھی لیکن آج سے ساٹھ برس بعد جنگ کربلا میں مسلمانوں نے بمقابلہ آل اطہار اس تعلیم کی کیا تعمیل کی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کفار قریش کی بدنیتی کا نتیجہ

حکیم بن حزام جو روسائے قریش میں تھے مسلمانوں کے حوض کے پاس آئے بعض صحابہ نے روکنا چاہا۔آنحضرت صلعم نے روکنے والوں کو فوراً منع کیا اور حکیم پانی لے کر چلے گئے۔کسی کی خوش نیتی اور بدنیتی چھپ نہیں سکتی حکیم بن حزام کی نیت میں بدی نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں کی انسانیت ہمدردی اور عام مروت ورعایت کا امتحان لینے آئے تھے اور امتحان لے کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد انہیں کی جانب سے ایک بدنیت شریر الخلقت اسود بن الاسود مخزومی نامی حوض پر آیا یہ شخص اپنی جمعیت سے کہہ کر آیا تھا کہ میں جا کر مسلمانوں کے حوض سے پانی بھی لاتا ہوں اور خراب بھی کر آتا ہوں۔حوض پر آ کر اس نے پانی لیا، مسلمان دیکھتے تھے کچھ نہ بولے۔اب اس شریر الطبع نے پانی پی کر اپنے پیروں سے حوض کی منیڈ کو جو چاروں طرف پانی جمع رہنے کی لیے باندھی گئی تھی توڑنا شروع کر دیا۔اس لیے کہ پانی سب بہہ جائے اور مسلمانوں کو تکلیف ہو۔

حضرت حمزہؓ اس کی شرارت کو دیکھ رہے تھے۔تلوار لے کر دوڑے وہ الٹ انہیں پر تلوار کھینچ کر قتل پر آمادہ ہو گیا۔حضرت حمزہؓ کو اس کا مدفعانہ جواب ضروری ہو گیا اس نے تلوار سے ان کے سر پر وار کیا۔لیکن اس کی تلوار سے پہلے انہیں کی تلوار، اسود کی ٹانگ کاٹ گئی اور وہ حوض کے کنارے گر پڑا۔حضرت حمزہؓ اس سے وہیں چھوڑ کر واپس آئے۔اب اس شریر نے اپنا قول پورا کرنے کے لیے قصد کیا کہ حوض میں گر کر اپنے خون سے تمام پانی کو خراب اور ناقابل استعمال کر دے۔حضرت حمزہ اپنے مقام سے اس شریر کے قصد و مدعا کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ جو ہی گھسیٹے گھسیٹے اپنے اس ارادے سے حوض کے قریب پہنچا۔یہ اس کے سر پر تھے اور ان کے ایک ہاتھ میں یہ دو ٹکڑے تھا۔(ابن ہشام جلد دوم۔مطبوعہ مصر ص 17)

یہ واقعہ خوش نیتی اور بدنیتی کے خوشگوار و ناگوار نتیجوں کا سچا مرقع ہے۔

میدان میں لشکر اسلام کی صف بندی

سولھویں رمضان کی رات لشکر اسلام نے میدان جنگ میں کاٹی۔جناب رسول خدا صلعم نے رات بھر پلک سے پلک نہ لگائی۔تمام رات عبادت اور دعا میں بسر کر دی۔صبح کا سپیدا دیکھ کر مصلے سے اٹھے مسلمانوں کو نماز کے لیے اٹھایا صبح کی نماز پڑھا کر جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب وعقاب پر ایک پر اثر تقریر فرمائی اور نعمات الٰہی کی بشارتیں پہنچا کر مجاہدین اسلام کو پر جوش اور تازہ دم بنایا اور صف بندی کا حکم فرمایا۔

حکم رسولؐ پاتے ہی دم کے دم میں جان نثاروں کی جماعت میدان کارزار میں سرفروشی کو تیار تھی۔ترتیب فوج اور درستی صفوف کی طرف آپ بالنفس النفیس متوجہ ہوئے۔دست مطہر میں ایک تیر تھا اسی کے اشارے سے اس سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی صفیں درست فرماتے تھے کہ ہر صف کے خط مستقیم سے ایک شخص کا قدم آگے یا پیچھے بڑھنے نہیں پاتا تھا۔ہر شخص کو صف سے آگے یا پیچھے ہو جانے کی سخت ممانعت تھی شور وغل غوغا و ہنگامہ کا عام طور سے لڑائیوں میں دستور ہوتا ہے آپ نے جان نثاران اسلام کو اس سے قطعی طور پر ممنوع فرما دیا اور بخلاف اس کے مبازرین اسلامی کو غنیم کے مقابلہ میں بالکل خاموشی اور سراپا سکوت سے کام لینے کی سخت تاکید و تہدید

فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ شور و ہنگامے سے مقابلہ کے وقت اضطراب بڑھ جاتا ہے اور اطمینان قلب اور تجمیع حواس میں فرق آتا ہے اور مقابلہ و مقاتلہ کے وقت اطمینان دل اور ثبات ہوش و حواس مردان نبرد کے لیے لازمی ہے۔ غنیم سے مقابلہ یا حریف مقابل سے مقاتلہ میں سبقت کرنے اور دشمن پر پہلے ہاتھ اٹھانے سے بڑی سختی کے ساتھ ہر مجاہد کو فرداً فرداً منع فرما دیا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں اور اخلاق و تہذیب انسانی کے موافق مبارزین اسلام کو آداب جنگ بتلائے۔ کل مہاجرین و انصار کی موجودہ جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ مہاجرین کا دستہ انصار سے علیحدہ قائم کیا اور مصعب ابن عمیر کو اور بروا تیے حضرت علی مرتضٰی کو علم بردار بنایا۔ انصار میں قبیلہ اوس و خزرج کے جدا جدا دستہ مرتب فرمائے۔ اوس کے دستہ کا علمبردار خباب بن منذر کو اور خزرج کے دستہ کا سعد بن معاذ کو علمدار مقرر فرمایا۔

دن نکلتے نکلتے قریش بھی پہاڑ کے اس پار آگئے۔ مسلمانوں کی جانباز جماعت ان سے قبل ان کے انتظار میں تیار تھی۔ قریش غرور و نخوت میں ایسے مدہوش تھے کہ لشکر اسلام کی نسبت ابھی انہیں کسی قسم کی خبر و اطلاع نہیں تھی۔ عمیر ابن وہب جمحی ایک پھرتیلا اور جوان قریش گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی سے مسلمانوں کی صفوں کے قریب آیا اور گھوڑے کو ادھر سے ادھر تک دوڑاتا ہوا پھر اپنے لشکر سے جاملا اور سرداران قریش سے لشکر اسلام کی حالت ان الفاظ میں بیان کی:

قد رایت البلایا و تحمل المنایا نواضح یثرب تحمل الموت الناقع قوم لیس منعة ولا ملجاء الا سیوفھم واللہ ما رای ان یقتل رجل منھم حتے یقتل رجل منکم فانا اصابوا منکم اعدادھم فما خیر العیش بعد ذلك

میں ان کی جماعت کو دیکھ آیا۔ ان کے پاس مدینہ کے لدنے اونٹ ہیں، جن پر موت کا سم قاتل لدا ہے ان کے پاس سوائے ان کی تلواروں کے اور کوئی بھی ان کی جانوں کا محافظ، نگہبان نہیں ہے خدا کی قسم (جرأت و ہمت کے اعتبار سے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم ان کا ایک آدمی قتل کرو گے تو وہ بھی ضرور تمہارا آدمی قتل کریں گے۔ لیکن میں پہنچتا ہوں کہ قرابت و یگجہتی کے لحاظ سے اگر تم آپس میں خود لڑ کر کٹ بھی مرے تو پس ماندگان کو تمام عمر لطف زندگی نہیں ملے گا۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ 17

عمیر ابن وہب جمحی نے لشکر اسلام کی جس قدر حقیقت اپنے لشکر والوں سے بیان کی صحیح اور فی الواقع تھی یہ ظاہر ہے کہ آدمیوں میں ہر قسم کی طبیعت و خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ صلح پسند و جنگجو، تیز طبیعت و نرم مزاج، نیک طینت و بدنفس وغیرہ۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ کفار کی اتنی بڑی جمعیت ترکیب مزاج کے ان مخالف عناصر سے خالی ہوتی۔ ابھی ابھی نیک نیتی اور بدنیتی کے واقعہ میں جس نیک نیت قریش کی مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں وہی صاف دل، نرم مزاج، رئیس مکہ حکیم بن حزام، عمیر ابن وہب کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس مقابلہ و مقاتلہ کی حقیقت کو کماحقہ سمجھ کر اپنی یک نیتی اور انصاف پسندی کے ارادے سے جانبین میں مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہوا۔ یہ خیال

کر کے سب سے پہلے حکیم بن حزام، عتبہ بن ربیعہ کے پاس جو تمام جمعیت قریش کا سید و سردار تھا آیا اور کہنے لگا: عتبہ اگر تم چاہو گے تو آج سے لے کر ہمیشہ تک کی نیک نامی آن واحد میں تمہیں دستیاب ہو جائے گی اور وہ ایسی لازوال ہو گی کہ آئندہ کئی پشتوں تک تمہاری یادگار رہ جائے گی۔ عتبہ بھی حکیم کے جیسا صلح پسند اور نرم مزاج تھا کہنے لگا تم بتلاؤ اور ضرور بتلاؤ حکیم بولے طرفین سے جس امر پر کشت و خون ہونے والا ہے اس کی حقیقت تمہیں خوب معلوم ہے۔ باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا سر کاٹنے پر تیار ہے یہی دیکھ رہے ہو کہ اتنے بڑے عظیم فتنہ و فساد کا اصلی سبب وہی خضرمی کا خون ہے اور وہ حسن اتفاق سے تمہارا ہی حلیف ہے۔ ایسی صورت میں ایک دوسرے کی گردن کاٹنے سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تم اپنے حلیف خضرمی کا خون بہا اپنی طرف سے قصاص دے دو اور قصہ ختم ہے۔

عتبہ تھا نیک دل اور صاف مزاج۔ حکیم کی بات بھی تھی۔ عدالت اور دیانت سے لگتی ہوئی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد عتبہ فوراً راضی ہو گیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ابوجہل کی مشورت رضامندی بغیر یہ انتظام ناممکن تھا اس لیے عتبہ نے حکیم کو ابوجہل کے پاس اپنی طرف سے بھیجا اور اپنی رائے کہلا بھیجی۔ وہ عقل کا دشمن اتفاق و صلح کا برہمزن ایسا کیا تھا کہ نفاق و فساد کے سوا کبھی صلح و اتحاد کی تجویزوں کی تائید کرتا۔ حکیم سے عتبہ کا پیام سنتے ہی چراغ پا ہو گیا اور عتبہ پر بزدلی کے الزام لگانے لگا اور سوا تفاق سے اس کو عتبہ بن ربیعہ کے بدنام کرنے کے لیے یہ شوشہ بھی ہاتھ لگ گیا کہ اس کے بیٹے ابوحذیفہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور مہاجرین اولین کے ہمراہ مدینہ میں آکر ساکن ہو چکے تھے اور اس وقت بھی لشکر اسلامی میں جانفروشی کے لیے سربکف سامنے استادہ تھے اس بنا پر وہ صاف صاف لفظوں میں کہنے لگا کہ عتبہ کی یہ ساری بزدلانہ ترکیبیں بیٹے کی جان بچا لینے کے لیے ہیں، حکیم اس کے یہ مغویانہ کلمات سن کر اس کے پاس سے فوراً واپس آئے۔

اتنے ہی عرصہ میں یہ خبر جمعیت قریش میں پھیل گئی کہ جو نیک نیت اور انصاف پسند تھے وہ عتبہ کی تجویز سے موافق اور ابوجہل کے انکار سے مخالف نکلے۔ اسی بنا پر بنو زہرہ اور ان کا حلیف قبیلہ دونوں لشکر قریش کا ساتھ چھوڑ کر اپنے وطن و مسکن کی طرف واپس چلے گئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص 17۔ طبری ص 1307۔ حکیم کے واپس جانے کے بعد ابوجہل نے سوچا کہ شائد عتبہ کی تجویز کا اثر لشکر والوں پر اور زیادہ پڑے اور وہ مسلمانوں سے لڑنے میں پہلوتہی کریں تو پھر استحصال اسلام اور مسلمانوں کا قتل عام کا ارمان دل کا دل ہی میں رہ جائے گا یہ سوچ کر اس نے فوراً عمر بن عبداللہ خضرمی کے بھائی عامر کو بلایا اور اس سے کہنے لگا۔ لو سنو! تمہارے خاص حلیف عتبہ صاحب تمہارے بھائی کے قاتلوں سے بجائے اس کے کہ انتقام لیں تمہیں اس کا خون بہا مسلمانوں سے بھی نہیں، اپنی طرف سے ادا کر کے مسلمانوں کو جو تمہارے بھائی کے یقینی قاتل ہیں بالکل پاک و صاف چھوڑ دینے والے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم فوراً ساری قوم کے سامنے اپنا استغاثہ جس کو محاورۂ عرب میں طلب ثارات کہتے ہیں پیش کرو۔ عامر نے طلب ثار کے مروجہ دستور کے مطابق اپنا جیب و گریبان چاک کیا۔ عمامہ سر سے اتار ڈالا اور میدان میں نکل کر تمام مجمع کے سامنے، واعمرآہ، واعمرآہ، اخاہ، اخاہ کا غل مچایا۔ آواز کے سنتے ہی تمام قریش اس کی حمایت پر مستعد ہو گئے۔

اس اثنا میں حکیم بن خرام بھی لوٹ کر عتبہ کے پاس پہنچے اور ابوجہل کا مفسدانہ جواب اس سے کہہ دیا۔ عتبہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ معرکہ کارزار گرم ہونے دو۔ ثابت ہو جائے گا، شجاعت و دلاوری کا تمغہ کون پاتا ہے اور نکبت و بدنامی کا ٹیکا کس کے سر لگتا ہے۔ لشکر قریش کے حالات یہاں تک لکھ کر اب ہم لشکر اسلام کے واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میدان جنگ میں عریشہ رسولؐ کی تیاری

آغاز جنگ سے پہلے سعد بن معاذ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا جان نثارانہ خلوص اس امر کو گوارا نہیں کرتا کہ آپ کھلے میدان کی اس تیز دھوپ میں معمولی سپاہیوں کے ساتھ معرکہ قتال میں کھڑے رہیں ہم آپ کے لیے فوراً ایک سائبان یا چھپر (عریشہ) تیار کیے دیتے ہیں آپ اسی کے سایہ میں تشریف رکھ کر سرفروشانِ لشکر کی جان نثاریاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر خدا نے ہمیں فتحیاب کیا تو کوئی بات نہیں اور اگر خدانخواستہ نتیجہ خلاف ہوا تو آپ مخالفین کے ہاتھوں سے محفوظ رہ کر فوراً مدینہ پہنچ جائیں گے اور باقی ماندہ مسلمانوں سے مل جائیں گے جو خلوص وعقیدت میں ہم سے ہرگز کم نہیں ہیں۔ وہ مدینہ میں صرف اس خیال سے پیچھے رہ گئے ہیں کہ ان کو اس جنگ کا حقیقتاً یقین ہی نہ تھا۔ اگر ان کو اس امر کا یقین ہوتا کہ آپ جنگ کریں گے تو وہ بھی اس وقت سے سربکف ہمراہ رکاب ہوتے۔

جناب رسول خدا صلعم نے سعد بن معاذ کی یہ عقیدت مندانہ تقریر سن کر ان کو دعائے خیر دی اور عریشہ کی تیاری کا حکم دیا۔ دم کے دم میں کھجور کی شاخوں اور پتوں سے عریشہ تیار کر دیا گیا اور سعد بن معاذ اپنے چند اعوان وانصار کے ساتھ عریشہ رسول صلعم کی حراست وپہرہ داری کی غرض خاص سے ننگی تلواریں لے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ (طبری 1315۔ ابن ہشام جلد دوم ص 15)

عامر حضرمی کی صدائے استغاثہ نے اپنے لشکر قریش کو چونکا کر مقابلہ پر فوراً آمادہ کر دیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر وہ اپنی صفیں درست کرنے لگے اور تھوڑی دیر میں بدر کا میدان قریشیوں کا جنگ ہو گیا۔ خدا کے انتظام کی کس کو خبر۔ کثرت سے پانی برس جانے کی وجہ سے میدان کارزار میں جدھر قریش کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کس قدر نشیب ہونے کی وجہ سے وہ قطعہ زمین بالکل کیچڑ ہو گیا تھا اور دلدل کی صورت ہو رہا تھا جس میں سواروں کے علاوہ پیدل سپاہیوں کو بھی پاؤں جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ گھوڑے تو خیر، انٹوں کی تو جانوں پر آ بنی تھی۔ جو قدرت کی طرف سے خاص ریگستان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں نہ کیچڑ، دلدل اور پانی کے سیلاب کے لیے۔

قریش کے تجربہ کار اور نبرد آزما سرداران لشکر نے رزمگاہ کی اس نامناسبت کو سمجھا لیکن اب تو خنجر وگلو کا وقت آ گا تھا۔ مہلت کہاں تھی جو تبدیلی مقام کی تدبیر کی جاتی۔ ایک تو وجہ یہ تھی جس کی وجہ سے قریش اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی کثیر التعداد جمعیت کی بنا پر اپنی کامیابی کے اس درجہ متیقن پر تھے کہ وہ ان اقسام کی چھوٹی چھوٹی دشواریوں کو کچھ خیال میں نہ لائے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ لشکر اسلام میں تین علمدار تھے قریش نے بھی تین ہی علمدار مقرر کیے ایک طلحہ بن ابی طلحہ۔ دوسرا ابو عزیز بن عمیر، تیسرا نضر بن الحارث۔ اس فوری ترتیب کے بعد دو مقابلہ ومقاتلہ کے لیے پورے تیار ہو گئے۔

لشکر اسلام میں چونکہ سبقت کرنے کی سخت ممانعت تھی اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنفس النفیس یہ حکم عام دے چکے تھے کہ میرے حکم کے بغیر کوئی مسلمان دشمن پر ہاتھ نہ اٹھائے اس بنا پر مسلمانوں کی صفیں دیواروں کی طرح میدان کارزار میں پاؤں جمائے خاموش کھڑی تھیں۔ قریش آج سے کیا مہینوں سے لڑائی کے لیے بے چین ہو رہے تھے میدان کارزار کا منظر اس وقت قابل دید تھا۔ مقابل فوجوں کی کثرت وقلت کے اعتبار سے نہیں باحسن ونقص ترتیب وآرائش فوج کی نظر سے نہیں بلکہ حق وباطل اور کفر واسلام

کے نقطہ سے ایک طرف ایک خدا کے نام پر کل تین سو تیرہ جانیں قربان ہونے کے لیے سر بکف استادہیں دوسری طرف لاتعداد بتوں کے لیے ایک ہزار جانیں بھینٹ چڑھنے کے واسطے تیار ہیں مصور قدرت نے اس منظر کی بولتی ہوئی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا. فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ (آل عمران)

جو لوگ لڑے ان میں تمہارے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا خدا کا منکر تھا۔

دردمندوں کے دہلا دینے کے لیے یہ منظر کافی تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کسی طریقہ سے بندگان خدا کے خون سے اپنے دست مبارک کو آلودہ کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس خونیں منظر سے بے حد متاثر ہو رہے تھے خصوصاً جان نثاران اسلام کی قلت اور منکران خدا کی کثرت مشاہدہ فرما کر آپ بے حد بیتاب ہو جاتے تھے بار بار دست دعا خالق ارض و سما کی طرف اٹھاتے تھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ فرماتے تھے رب انجز وعدہ وانصر عبدہ۔ پروردگار اپنا وعدہ پورا کر اور اپنے بندے کی نصرت فرما۔ اس عالم خاص کی محویت ایسی ہوتی تھی کہ ردائے مبارک دوش اقدس سے اتر کر زمین پر گر پڑتی تھی اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ دعا والتجا سے فارغ ہوتے تھے تو سجدے کرنے لگتے تھے اور سجدے سے اٹھتے تھے تو پھر ان الفاظ میں دعا فرمانے لگتے تھے:

اللھم ان ھلک ھذہ العصابۃ من اصل الاسلام لا نعبدک فی الارض ابدا

اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔

صحابہ حاضرین جن میں شبلی صاحب حضرت ابوبکر کا نام خصوصیت کے ساتھ بتلاتے ہیں۔ آپ کی برابر اور متواتر تسکین فرماتے تھے۔ لیکن آپ کو تاوقتیکہ

سیھزم الجمع و یولون الدبر

فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ اپنی پشت پھیر دیں گے۔

کی بشارت نہ آئی چین نہ آیا۔

اس بشارت کے پاتے ہی آپ قلب مطمئن کے ساتھ میدان کارزار میں تشریف لائے اور مبارزان اسلام کو ان الفاظ میں حکم جہاد دیا۔ جب تک قریش تم سے بالکل قریب آ کر تم پر حملہ نہ کر لیں تم ان پر ہاتھ نہ اٹھانا اور اگر وہ تم سے قریب نہ آئیں اور صرف دور سے تیر برسائیں تو تم بھی ان کو اپنے تیروں سے جواب دینا لیکن ٹھہر ٹھہر کے تیر چلانا۔ اس لیے کہ ایک بار ہی تمہارے ترکش تیر سے خالی نہ ہو جائیں۔

خونخواران قریش میں اتنی احتیاط اور اتنے توقف وتحمل کی تاب کہاں تھی۔ مسلمانوں کی مرتب اور مسلسل فوج کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ غیظ وغضب سے تمام جسم کا خون اٹھنے لگا۔ ایک دم کے لیے بھی جنگ میں ٹھہرنا یا توقف کرنا ان کی مردانگی کے خلاف شان تھا۔

سب سے پہلے قریش نے عامر خضرمی کو جس کا بھائی عبداللہ سریہ عبداللہ بن جحش میں مارا گیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پر حملہ آور ہونے کے لیے بھیجا۔ وہ غیظ وغضب میں آندھی بنا ہوا تھا اور تلوار نکال کر مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا۔ عامر کا سب سے پہلے بھائی کے قصاص میں لشکر اسلام پر حملہ آور ہونا اس امر کے ثبوت کامل ہونے کے لیے تنہا کافی ہے کہ جنگ بدر صرف عبداللہ خضرمی کے خون کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ کاروان کی غارت گری وغیرہ کی داستانیں جو اس کے اسباب میں بتلائی جاتی ہیں وہ سب غلط اور بے اصل ہیں۔

شبلی صاحب بخلاف مرویات تاریخ وسیر واحادیث کی جزائیات کی بنا پر لکھتے ہیں کہ مجمع جو حضرت عمرؓ کے خاندان کا قدیم غلام تھا عامر کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عتبہ بن ربیعہ ابوجہل کے طعنوں سے دل افگار ہو رہا تھا۔ جوش شجاعت میں اپنے بھائی اور بیٹے کو ہمراہ لے کر میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ معرکہ آرائیوں اور نام ونمود کے موقعوں پر سرداران قبیلہ اور ممتازین قوم ایک خاص امتیازی نشان لگا کر جاتے تھے اسی کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے امتیاز خاص کے لحاظ سے اپنی زرہ میں آگے کی طرف شترمرغ کا پر لگا لیا تھا۔ میدان جنگ میں آتے ہی مقابل سے اپنا مبارز طلب کرنے لگا مسلمانوں کے لشکر سے تین جوانان انصار عوذ، معوذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ ان کے مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے عرب کے خاص دستور کے موافق ان سے نام ونسب پوچھا انہوں نے اپنے نام بتلائے اور کہا کہ ہم انصاران مدینہ ہیں عتبہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہمیں تمہاری ضرورت نہیں تم واپس جاؤ تم ہمارے کفو نہیں ہم اپنے کفو سے لڑتے ہیں۔

یہ عرب کی خاص شجاعانہ شان شرافت اور امتیازانہ شعار محاربت ہیں۔ انصار واپس چلے گئے۔ عتبہ نے بروایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ندا دے کر مخاطب کیا کہ ہمارے مقابلہ کو ہمارے کفو والے بھیجے جائیں۔ آپ کے قلب مبارک پر عتبہ کے اس احتجاج ہمقومیت کا پورا اثر ہوا اور آپ نے بھی شجاعت ہاشمی کے اقتدار وشعار خاص سے جیسا طبری وابن ہشام کے خاص الفاظ بتلا رہے ہیں فوراً پکارا۔

قم یاحمزہ بن عبدالمطلب۔ قم یا عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب وقم یا علی بن ابی طالب فاقاموا ودنوا منہم قالوا من انتم قال عبیدہ عبیدہ قال حمزہ حمزہ قال علی علی۔ قالوا نعم اکفاء کرام طبری 1317

حمزہ بن عبدالمطلب اٹھو عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اٹھو علی ابن ابی طالب اٹھو یہ حضرات جب حکم پا کر حریف کے پاس پہنچے تو عتبہ نے نام پوچھا عبیدہ نے کہا میں عبید ہوں، حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا

میں علی ہوں۔ عتبہ نے کہا کہ ہاں تم لوگ البتہ ہمارے بزرگان کفو ہو۔

بخلاف شبلی صاحب تمام سیرت و تاریخ کے مولفین اور محدثین نے انہیں حضرات کے مقابلہ سے جنگ بدر کی تفصیل بیان کو آغاز کیا ہے لیکن شبلی صاحب نے بعض جزئیات حدیث پر اعتبار کر کے مجمع غلام حضرت عمرؓ اور عامر کے مقابلہ سے بدر کے سلسلہ بیان کو شروع فرمایا ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشوں میں بنی ہاشم کی خصوصیت اس وجہ سے کی کہ مہاجرین قریش کے دل میں یہ موذی خیال و احتمال نہ پیدا ہو کہ رسول خدا صلعم بنی ہاشم کی جانوں کو پہلے خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے ان کو بچا کر عتبہ کے سوال پر قریش مہاجرین سے مقابل بھیجے ہیں۔ اس بنا پر آپ نے اصول عدالت و مساوات کی رو سے پہلے اپنے اعزہ و اقارب کو سرفروشی کے لیے میدان جنگ میں بھیج دیا کہ کسی کے دل میں خودغرضی اور عزیزوں کی دردمندی کا شبہ نہ ہو اور ان کے ثبات ایمان اور شوکت اسلام کا باعث ہو۔ زرقانی 506 جلد 10

ایک دوسری وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی سخت وشدید خدمات میں سبقت جب تک خود اپنی یا اپنے خاندان والوں کی طرف سے نہیں دکھلائی جاتی دوسروں کی ہمت کے قدم اٹھنے دشوار معلوم ہوتے تھے۔ بنی ہاشم کو اول مقابل پا کر ہر شخص کا کلیجہ بڑھ گیا اور جہتیں دونی ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فرائض جہاد ایسے واجب التعمیل ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم ان کی انجام دہی کے لیے سب سے پہلے اپنے ہی اعزہ و اقارب کو پیش کرتے ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ شجاعان ہاشمی اپنے مقابل عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نام و نسب بتلا چکے تو جانبین سے یوں مقابلہ شروع ہوا کہ عتبہ حضرت حمزہ سے مقابل ہوا۔ شیبہ عبیدہ سے اور ولید ابن عتبہ حضرت علی مرتضیٰؑ سے مقابل ہوا۔ جانبین سے تلواریں کھینچ گئیں، عتبہ کو حضرت حمزہ نے مار گرایا اور ولید حضرت علی کی تلوار سے دم کے دم میں بیدم ہوا لیکن شیبہ نے تیز دستی کر کے عبیدہ کے پاؤں پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے ان کے گرتے ہی حضرت حمزہ اور حضرت علی نے موقع پر پہنچ کر شیبہ کا خاتمہ کر دیا اور مجروح عبیدہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر خدمت رسول میں لائے۔

مجروح عبیدہ اور شوق شہادت

عبیدہ کا زخم کاری تھا اور کثرت سے خون جاری تھا عبیدہ نے حاضر خدمت ہوتے ہی نہ زخم کی کیفیت اور نہ درد و تکلیف کی شکایت عرض کی۔ جمال مبارک پر نظر کرتے ہی پوچھا تو یہ یارسول اللہ کیا میں درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوا۔ آپ نے اس خالص جان نثار رسالت اور طلبگار شہادت کے جواب میں ارشاد فرمایا تم ضرور فائز بشہادت ہوئے۔ زبان رسالت سے یہ بشارت سنی تھی کہ روئے افسردہ اور چہرہ پژمردہ پر اصلی فرحت اور ابدی اطمینان وراحت کے آثار نمودار ہو گئے اور اس کامل الایمان نے بطور یاددہانی عرض کی۔ یارسول اللہؐ افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے عم محترم حضرت ابی طالب زندہ نہ ہوئے اگر وہ موجود ہوتے تو اس موقع پر وہ معترفانہ طور پر اقرار

کرتے کہ ان کے اس شعر کا جو آپ ہی کی مدح وثنا میں تصنیف ہوا ہے اصلی مستحق میں ہوں۔

ونسلمه حتی یصرع حوله و نذهل عن ابنآئنا و حلائل

ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کر دیں گے جب ہم ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں۔طبری 1318

اسلام کے مجروح اول حضرت عبیدہؓ کے احوال کو خاتمہ تک یہیں پہنچا دینا بہتر ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ان کا زخم کاری تھا۔ جنگ بدر سے واپسی پر منزل روحاء پر پہنچ کر یہ جان نثار مجاہد انتقال کر گیا۔اور وہیں یہ شہید راہ خدا مدفون کر دیا گیا۔طبری ص1318 ابن ہشام ج2 ص17۔

صحیح بخاری باب التفسیر میں ہے

عن قیس بن عبادہ قال قال علی انا اول من یجثوا بین یدی للخصومة یوم القیامة قال قیس و فیهم نزلت هذان خصمان اختصموا فی ربهم الخ قال صهم الذین تبارز وایوم بدر حمزہ و علی عبیدہ (من المومنین) و عتبه و شیبة وولید بن عتبه (من الکافرین)

قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت علیؓ نے کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنا جھگڑا پیش کروں گا قیس کہتے ہیں کہ اس آیت کے دو مدعی لڑے اپنے رب کے واسطے ان لوگوں کے واسطے نازل ہوئی ہے جو جنگ بدر میں لڑے اور وہ حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ تھے (مومنین میں) اور عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے (کافرین میں)

شبلی صاحب نے اپنی کتاب میں یہاں سے سلسلہ جنگ کے واقعات میں اپنی خود غرضانہ ترکیب وضرورت تالیف سے خواہ مخواہ بدترتیبی پیدا کر دی ہے اور تمام عربی اور فارسی تاریخ وسیرت کی ترتیب ماٰخذ سے علیحدہ حضرت زبیر بن العوام کی معرکہ آرائی کی تفصیل داستان شروع کر دی ہے۔حالانکہ طبری، ابن ہشام، مواہب لدنیہ اور رضۃ الاحباب کسی کتاب میں اس داستان کا نام ونشان نہیں ہے۔ شبلی صاحب کی یہ ترتیب واقعات بھی تاریخ وسیرت کی ترتیب سے بالکل مخالف ہے اور یہ واقعہ بھی ان کے نظریہ کے خلاف ہے اسی وجہ سے قابل ذکر نہیں سمجھا گیا۔ممکن ہے کہ شبلی صاحب کی جزئیات حدیث سے ہو جس کو آپ ایسے مقام پر ڈھونڈ نکالتے ہیں اور خواہ مخواہ تاریخ وسیر کے واقعات ومشاہدات میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔

ہم چونکہ ان کے بیان کردہ واقعات کو واقعہ تاریخی کے معیار تک پہنچا ہوا نہیں پاتے اس لیے اپنے سلسلہ بیان میں نقل نہیں کرتے ہم اس کی حقیقت کا انکشاف علیحدہ کریں گے۔شبلی صاحب کی موجودہ ترتیب واقعات کو خلاف طبری اور ابن ہشام عربی کی دو قدیم

تاریخوں نے عتبہ اور شیبہ کے مارے جانے کے بعد جو ترتیب قائم کی ہے اور جو سلسلہ بیان اختیار کیا ہے ہم اسی کو اپنا نظریہ قائم کر کے اپنے آئندہ بیان میں نقل کرتے ہیں۔

ابن ہشام مبازران بنی ہاشم کے اظہار شجاعت اور عتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد لکھتے ہیں:

ثم نزاحف الناس ودنا بعیھم من بعد و قدامر رسول اللہ صلعم ان لا یحملو احتی یامر ھم وقال ا کتنفکم القوم فانضجو ھم عنکم بالنبل ورسول اللہ صلعم فی العریش و معہ ابی بکر الصدیق جلد دوم ص 17

اس کے بعد لوگ آگے بڑھ گئے اور بعض اپنے بعض مقابل سے بالکل متصل پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر جناب رسول خدا صلعم نے حکم فرمایا کہ اب مقابل پر اتنے قریب سے حملہ آور نہ ہو۔ بلکہ ان پر کس قدر فاصلہ سے تیر چلاتے رہو۔ یہ حکم فرما کر آپ عریشہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق تھے۔

یہ فرمان اور یہ انتظام آنحضرت صلعم کے فنون جنگ کے کمال اور انتہائے حزم و احتیاط کا شاہد کامل ہے حقیقتاً معارک جنگ کا ایک تجربہ کار اور نبرد آزما سپہ سالار غنیم کی کثرت اور اپنی قلت پر نظر کر کے احتیاط ہوشیاری کے ایسے ہی حکم جاری کرتا ہے۔

دو اسلامی تیراندازوں کا قتل

ابن ہشام کی ترتیب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تیرافگنی کے سلسلہ میں مجع کا قتل واقع ہوا جس کے تفصیلی حالات ہم شہدائے بدر کے ذکر میں لکھیں گے اور یہ ترتیب بالکل قرین قیاس اور فی الواقع معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عتبہ کی جنگ کے بعد آنحضرت صلعم نے تیراندازی کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا اسی بنا پر ابن ہشام نے جنگ عتبہ کے بعد ہی قتل مجع کو لکھا ہے اور ان کو شہید اول بتلایا ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ عبیدہ مجع ؓ سے پہلے زخمی ہو چکے تھے لیکن زندہ تھے اور چار دن کے بعد فوت ہوئے مگر مجع غریب تو تیر لگتے ہی ٹھنڈا ہو گیا اس لیے وہ شہید اول ضرور ہے۔

ان کی شہادت کے بعد اس طرح حارثہ بن سراقہ جو قبیلہ بنی نجار کے ایک مرد انصار تھے۔ درجۂ شہادت پر ہوئے دو مسلمانوں کی متواتر شہادت کے واقعات مشاہدہ فرما کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عریشہ سے میدان جنگ میں تشریف لائے اور جان نثاران مہاجر و انصار کی ہمت افزائی ان الفاظ میں فرمائی:

والذی نفس محمد بیدہ لاتلھم الیوم رجل فیقتل صابرا محتسبا مقبلا لا مدبرا الا دخلہ اللہ فی الجنۃ ابن ہشام ص 17 ج 2

اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ آج کے دن جو شخص صبر و تحمل سے دشمن کے

سامنے قدم آگے بڑھاتا ہوا نہ پیچھے ہٹاتا ہوا قتل کرے گا یا مارا جائے گا اس کو خدا یقینی طور پر داخل جنت کرے گا۔

اس حکم کے بعد مسلمان پھر اپنی صف سے آگے بڑھ کر حریف سے مقابل ہو گئے اور اب چاروں طرف سے مقابلہ و مقاتلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت تک گو مجمع اور خواشہ دو اسلامی مبارز فائز بشہادت ہو چکے تھے لیکن کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں ہی کا پلہ بھاری تھا۔ اس لیے کہ ان شہیدان اسلام کے مارے جانے سے پہلے قریش کے ایسے انتخابی اور سر برآوردہ سرداران قبیلہ مارے جا چکے گئے تھے جن کی کمی کو مجمع اور خراشہ کا قتل کبھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔ عتبہ شیبہ اور ولید کے ایک بار مارے جانے سے کفار کے لشکر میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا ہو گیا تھا۔ اس بنا پر جو مسلمان جس کافر کے مقابلہ پر آتا تھا وہ خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ چونکہ ہر طرف سے لڑائی شروع ہو گئی تھی اس لیے متعدد مبارزان اسلام جن میں حضرت حمزہ حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت ابودجانہ انصاری کے نام خصوصیت سے لیے جاتے ہیں شمشیریں کھینچ کر لشکر کفار میں دھنس پڑے۔

ابن ہشام وطبری کے نظریہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مبارزان اسلام کو ان الفاظ میں ہدایت خاص دے رکھی تھی۔

قال لا صحابه یومئذ انی قدعرفت ان رجالا من بنی هاشم و غیرهم قدخر جوا کرها لاحاجة لهم بقتالنا فمن لقی منکم احدا من بنی هاشم فلا یقتله و من لقی ابالبختری بن هشام بن حرب بن اسد فلا یقتله و من لقی العباس بن عبدالمطلب عم رسول الله لم یقتله فانه انما اخرج مستکرها ابن ہاشم ص 18

افسوس ہے شبلی صاحب نے ایسے متفق علیہ واقعہ کو کیسے صریح قطع و برید اور صحیح تلبیس کے ساتھ صرف چند لفظوں میں لکھ کر ختم کر دیا ہے اور مستثنیٰ لوگوں میں بنی ہاشم کے ناموں کو جن کے نام سب سے پہلے بتلائے گئے ہیں بالکل مرفوع القلم فرما دیا حالانکہ آپ کے ماخذ بھی عربی کی قدیم تاریخیں ہیں جو یک زبان ہو کر آغاز ہی میں عام طور سے بنی ہاشم کے مستثنیٰ کر دیئے جانے کو لکھ رہی ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ ان کے ذکر و نام اپنے جریدہ تاریخی سے نکالے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کن کن کتابوں سے آپ نکالیں گے اور کہاں کہاں سے کاٹیں گے۔

قرآن مٹے کسی کے مٹائے تو ہم مٹیں

ہم اصلی ماخذ کی صحیح عبارت تو لکھ کر بتلا چکے لیکن آپ کی عبارت بھی محض عبرت ناظرین کے لحاظ سے ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں فاعتبر و ایا اولی الابصار

آنحضرت صلعم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں

بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتلا دیئے تھے۔سیرۃ النبی ص238
کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان ماخذوں کا یہ صحیح ترجمہ ہے۔آپ کا صرف اتنا لکھ دینا کہ ان کے نام بھی بتلا دیئے گئے تھے صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ کسی ضرورت سے ان کا نام بتلانا نہیں چاہتے اور پھر ناظرین کتاب کو اصل ماخذ کا محتاج رکھتے ہیں۔اصل مقصد تو بنی ہاشم کے ناموں کے استخصاص سے ہے۔تا کہ ان کا استثنا و استخصاص کسی طریقہ سے معلوم نہ ہونے پائے۔جب ایک معمولی واقعہ کے بیان میں اس قدر اسقاط ابہام سے کام لینا تھا تو پھر کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔شعر گفتن چہ ضرور۔ہاں خوب یاد آیا۔اس حکم کے بعد والے واقعہ کو جو اس کے ساتھ لازم وملزوم اور تمام سیر وتاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے بالکل چھوڑ دیا اور اس کے لیے چند الفاظ بھی نہ صرف کیے۔

ابوحذیفہ کی عقیدتمندانہ غلط فہمی اور اس پر خجالت وشرمندگی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو سن کر ابوحذیفہ بن عتبہ جو مسلمان ہو کر مہاجرین اولین کے ساتھ ہی مدینہ میں آ چکے تھے اور بدر میں موجود تھے جوش عقیدت میں کہنے لگے۔ابن ہشام اس جوش کے اور کامل الوفا جوان کے اظہار عقیدت کا واقعہ مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

فقال ابوحذیفه انقتل ابائنا و ابنائنا واخوا ننا و عشیرتنا ونترك العباس والله لئن لقیتهٔ لالحمته السیف قال فلما بلغت رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فقال لعمر بن الخطاب یا اباحفص قال عمو دالله لانه لاول یوم کنانی فیه رسول الله صلعم بابی حفص ایضرب وجه عمر رسول الله صلعم بالسیف فقال عمر یار ول الله دعنی فلاضرب عنقه بالسیف فوالله نافق فکان ابو حنیفه یقول مالنا باعن من تلك الکلمة التی قلت یومئذ ولا ازال منها خائفا الا ان تکفرها عنی الشهادة فقتل الیمامه شهیدا طبری 1324

ابوحذیفہ جو موقع پر موجود تھا یہ حکم سن کر کہنے لگا عجیب بات ہے کہ ہم اپنے باپ بھائی اور قبیلہ والوں کو تو مار ڈالیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔قسم بخدا اگر وہ مجھ کو مل گئے تو میں ضرور اپنی تلوار سے ان پر حملہ کر دوں گا جب اس کے اس کلام کی خبر آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے پکار کر کہا۔آئے ابا حفص، حضرت عمر کا بیان ہے کہ یہ پہلا دن تھا کہ آپ نے مجھے میری کنیت سے پکارا اور کہا اے عمرؓ کیا رسول اللہؐ کے چچا پر بھی تلوار چلائی جائے گی حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ ابوحذیفہ نے کلمہ نفاق کہا مجھے حکم ہو تو ابھی

اپنی تلوار سے اس کی گردن کاٹ دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ نہ بولے۔ ابوحذیفہ کا بیان ہے کہ میں اپنی تمام عمر اس کلمہ کے کہنے پر توبہ وانابت کرتا رہا اور خدا سے ہمیشہ اس کے کفارے میں طلب شہادت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ تھی جس کو شبلی صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرما دیا۔ اس انداز تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے مفید مطلب مضامین کو صرف لکھتے ہیں اور باقی سب کو القط کر دیتے ہیں۔ یہ مولف کا متدیانہ طرز تالیف نہیں ہے بلکہ خود غرضانہ شان بیان ہے اور سخت قابل اعتراض۔

لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا واقعہ حذیفہ کے نہ لکھنے میں آپ کی خودغرضی باعث نہیں تھی۔ وہ تو صرف حکم استثنائے بنی ہاشم تک محدود رکھی گئی ہے۔ ابوحذیفہ کے اسقاط واقعہ کا سبب خاص وہی عیسائی معترضین کا خوف تھا جو آنحضرت صلعم کے حکم براءت بنی ہاشم پر ابوحذیفہ کے کلمات تعریض دیکھ کر آپ کے اس حکم پر غیر عادلانہ اور نامساویانہ رعایات قرابت اور حجت کا عیب لگائیں گے اور شاید آپ ان کے اس اعتراض کا جواب نہ پائیں گے۔ حالانکہ یہ آپ کا صرف وہم ہی وہم ہے۔ اگر آپ کو معترضین کے جواب کی تلاش ہوتی تو آپ اسی واقعہ ہی کے الفاظ ومعانی سے ان کے جواب کو بآسانی پالے سکتے تھے۔ اب ہم سے سنئے۔

حقیقتاً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بالکل اصول عدالت اور مساوات پر مبنی تھا اور اس امر کو کہ بنی ہاشم اور دیگر چند قریش کفار ومشرکین کے دباؤ سے شریک جنگ ہو گئے تھے ورنہ آنحضرت صلعم سے لڑنے کا ان کا ارادہ نہیں تھا صرف آنحضرت صلعم ہی نہیں جانتے تھے بلکہ خود کفار قریش کو بھی اس کا اقرار واعتراف تھا۔ جیسا کہ طالب ابن ابی طالب کے واقعہ سے جس کو طبری نے پوری تفصیل سے لکھا ہے اور آپ نے ذکر بنی ہاشم کی ناگواری طبع کے باعث سے بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے کما حقہ ثابت ہے طبری کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو

قد کان بین طالب بن ابی طالب و کان فی القوم و بین بعض قریش محاورۃ فقالوا واللہ لقد کرمنا بابنی ھاشم و ان خرجتم معنا ان ھوا کم مع محمد فرجع طالب الی مکۃ فیمن رجع

طالب ابن ابی طالب جو قریش کے اس وقت ہمراہ تھے اور بعض قریش کے درمیان تکرار ہوگئی تو قریشوں نے کہا قسم خدا کی اے بنی ہاشم ہم تم لوگوں کو خوب پہچانتے ہیں تم ہمارے ساتھ تو بظاہر نکل آئے ہو لیکن تمہاری تمنائیں محمدؐ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ سن کر طالب اسی وقت مکہ کی طرف واپس چلے گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ غیرت مند جوان بنی ہاشم قبل از جنگ لشکر قریش سے جدا ہو کر گھر واپس آ گیا اور چونکہ یہ واقعہ قبل از جنگ ظہور پذیر ہوا۔ اس بنا پر ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کے دل میں بنی ہاشم کی طرف سے یہ ہمیشہ خیال ذہن نشین اور وہ ہمیشہ اس

کا اظہار و اقرار کرتے تھے۔

لیکن طبری کی مابعد والی روایت سے جس کو اس نے امام الانساب کلبی کے اسناد سے لکھا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عین مقابلہ کے وقت واقع ہوا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آخر وقت تک کفار قریش کو اپنے اس اقرار پر اصرار تھا اور وہ روایت یہ ہے۔

وقال ابن الکلبی فانہ قال فیما حدثت عنہ شخص طالب بن ابی طالب الی بدر مع المشرکین اخرج کرھا فلم یوجد فی الاسرے ولا فی القتلے ولم یرجع الی اھلہ و کان شاعرا وھو الذی یقول یا رب اما یعرون طالب فی مقنب من ھذہ المقانب فلیکن المسلوب غیر السالب ولیکن المغلوب غیر الغالب طبری صفحہ ۱۳۰۸

لیکن ابن کلبی مرقومہ بالا روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ طالب بن ابی طالب بدر تک بہمراہی مشرکین دیکھے گئے تھے اور حقیقتاً وہ زبردستی ساتھ آئے تھے لیکن جنگ نہ وہ اسیروں میں قید ہو کر آئے اور نہ مقتولین میں پائے گئے اور نہ لوٹ کر گھر گئے اور وہ مرد شاعر تھے اور ان کے یہ اشعار مشہور ہیں:

اے خدا۔ اگر ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی میں لوگ طالب سے لڑیں تو اس کو قاتلین میں نہ مقتولین میں غالبین میں نہ مغلوبین میں رکھنا۔

شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیل حالات پر توجہ کریں۔ یہ تو آپ کے اصلی مقصود و موضوع کتاب کے خلاف ہے لیکن ہمیں بحیثیت واقعہ نگار تمام حالات و واقعات پر نگاہ ڈالنی ضرور ہے اور خصوصاً وہ واقعات کہ جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذی ہمت اور صاحب غیرت شجاع بنی ہاشم کا ذکر خصوصاً اس لیے اور قابل ذکر تھا کہ اس غیرتمند کے متعلق سوائے آج تک اتنے حالات کے جو اوپر لکھے گئے دنیا کو اور کوئی حالات معلوم ہی نہ ہو سکے تمام تاریخیں سیرتیں اور رجال و تذکرے بالکل خاموش ہیں اور طالب بن ابی طالب کا کوئی حال نہیں لکھتے اور نہ سوائے اشعار بالا اس غیور بنی ہاشم کی کوئی یادگار دنیا میں پائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ طعن قریش کا اس غیرتمند کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ سر بکوہ صحرا ہو کر کہیں دور دراز مقام میں ختم ہو گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

واقعات مرقومہ بالا سے بالتصریح ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کو بھی بنی ہاشم کی زبردستی شرکت و ہمراہی کا اقرار تھا۔ ان کی شرکت و رفاقت محض رسمی تعلقات کی وجہ سے تھی نہ مخالفت اسلام اور نہ قتل اہل اسلام کی غرض خاص سے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ایسے غیر جانبدار اور غیر سروکار لوگوں کے بھی قتل کر دیئے جانے کا دنیا بالکل موافق عدالت تھا نہ مخالف عدالت اور جب یہ حکم بالکل اصول عدالت اور حقیقت الامری پر مبنی ہے تو اعتراض کیا اور معترض کا خوف کیسا؟

یہ تو اس حکم کے مبنی بعدالت ہونے کا ثبوت ہوا اب بقاعدہ مساوات ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے اس حکم استثنا

میں صرف بنی ہاشم ہی کی خصوصیت قائم فرماتے تو معترضین خلاف مساوات ہونے کا عذر کر سکتے تھے لیکن الفاظ حکم میں **وغیرھم** تو خود موجود ہے یعنی علاوہ بنی ہاشم کے مخصوص قریش میں چند ایسے اشخاص اور بھی موجود ہیں شبلی صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں کہ قریش میں ایسے بھی ہیں صفحہ 238 تو پھر ثابت ہو گیا کہ اس حکم استثناو معافی میں تنہا آپ کے قرابتدار ہی نہیں تھے بلکہ اصول مساوات کی مطابق غنیم کے قبیلہ خاص میں ایسے غیر جانبدار اور نیک نیت لوگ بھی داخل ہیں جو حقیقتاً مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے جیسا کہ ابوالبختر ی کا نام حکم استثنا میں موجود ہے اور عنقریب اس کے واقعہ سے عملی صورت میں بھی بہت جلد معلوم ہوتا ہے۔ان مشاہدات کی موجودگی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے احکام عادلانہ اور مساویانہ کو خودغرضانہ بتلانا کسی عقل والے کا کام نہیں ہوسکتا۔ پھر جب خود اعتراض کی بے وجودی اور عدم اصلیت کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے تو اس سے خوف کرنا اور خوف کی وجہ سے تاریخی واقعہ کو عمداً مرفوع القلم کر دینا مولف کے حد درجہ کا ضعف قلم اور ضعف رائے ثابت کرتا ہے۔

ابو البختری کی جاہلانہ غیرت اور وحشیانہ حمیت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابوالبختر ی کا نام بھی بتلا دیا گیا تھا اور حکم مستثناۃ میں یہ بھی داخل تھے اتفاق وقت سے مجذرین ریادلھوی نے جو انصار مدینہ میں سالم بن عوف کا حلیف تھا۔ابوالبختر ی کو پالیا۔دشمن پر حملہ کرنے کے عوض مجذر نے نہایت متانت سے کہا کہ مجھے تمہارے قتل کا حکم نہیں ہے لہٰذا میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔الوالبختر ی نے پوچھا اور میرے رفیق زمیلی کو جو میری رفاقت میں یہاں تک آیا ہے کیا حکم ہوا ہے۔مجذر نے کہا زمیلی کو میں نہ چھوڑوں گا اس لیے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے تجھی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے یہ سن کر ابوالبختر ی نے نہایت بے پروائی سے عرب کی جاہلانہ شان شجاعت میں جواب دیا۔

والله اذن لا موتن اناوهو جميعالاتحدث عن نسآء مكة انى تركت زميلى خوصاللحيوة

قسم بخدا ہم کیا تم لوگ ایسی صورت میں مرجانا قبول کریں گے کہ مکہ کی عورتیں کہیں ابوالبختر ی نے اپنی جان کی لالچ میں زمیلی کو قتل کرا دیا۔

مجذر اس کا یہ احسان فراموشانہ جواب سن کر ابو البختری پر حملہ آور ہوا اور ابو البختری یہ زیر پڑھتا ہوا مجذر سے مقابل ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن خیرۃ زمیلہ حتے یموتن اویری سبیلسلہ ابن ھاشم ص 19 ج2

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔جب تک نہ مرجائے یا موت کا رستہ نہ دیکھ لے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اب لڑائی چاروں طرف شروع ہوگئی تھی اور مبارزان اسلام لشکر کفار میں ہر جگہ دھنس پڑے تھے۔

ابو البختری کا ادھر مجذر نے خاتمہ کر دیا اور ادھر امیہ بن حلف کی موت گلوگیر ہوگئی۔اس کی تفصیل یہ ہے۔

امیہ بن خلف کا قتل

عبدالرحمن ابن عوف کا اپنا بیان ہے کہ مجھ سے اور امیہ بن حلف سے سامنا ہوگیا امیہ سے اور مجھ سے مکہ ہی میں وعدہ ہو چکا تھا کہ اگر وہ مدینہ میں آئے گا اور اس کو کسی مصیبت کا سامنا ہو جائے گا تو میں اس کی جان بچا لوں گا۔ امیہ کے جیسا سخت دشمن اسلام سے تمام خصومت اسلام اور مسلمانوں کی اذیت عام کے انتقام لینے کا موقع تو خوب ہاتھ آیا تھا لیکن وعدہ کا خیال ایسا لگا تھا کہ میں اس کے قتل سے باز رہا میں اس وقت تک کثیر التعداد زر ہیں۔ مقتولین کفار کی اٹھا کر جمع کر چکا تھا اور ان کو کاندھے پر اٹھائے تھا امیہ نے کہا عبدالرحمن اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں نے کہا ہاں یہ کہہ کر میں اسے پہاڑ کے ایک ایسے مقام پر لے آیا جہاں مسلمان اسے نہ دیکھ سکیں۔ اس اثنا میں امیہ کی نظر دور سے حضرت حمزہ پر پڑی۔ اس نے اس وقت ان کو کسی وجہ سے نہ پہچان کر مجھ سے پوچھا کہ تمہارے لشکر میں یہ ریش بزرگ والے بزرگوار کون ہیں میں نے دیکھ کر کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں امیہ بولا یہی ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ یہ سب کام مچا رکھے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں کہیں بلال حبشی کی نظر امیہ پر پڑ گئی۔ یہ امیہ بن خلف وہی شخص تھا جس نے بلال غریب جان پر اسلام لانے کے ابتدائی زمانے میں انواع اقسام کے مظالم ڈھائے تھے۔ اس بیچارہ کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر جلتی دھوپ میں ان سے انکار اسلام پر جبر و زبردستی اقرار لیتا تھا اور یہ غریب انکار کے جواب میں احداً احداً کے نعرے لگاتے تھے۔ اس وقت حضرت بلال کو امیہ کے دیکھتے ہی اس کے تمام مظالم کا خیال آ گیا پھر تو انصار کی جماعت کو بلال نے بے چین ہو کر ان الفاظ میں پکارا۔ ھذا راس الکفر امیہ بن خلف دیکھو سر اپا رئیس کفر امیہ بن خلف یہ کھڑا ہے۔ بلال کی پاٹ دار آواز صدائے اذان بن کر تمام مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی اور سب کے سب امیہ کی طرف ٹوٹ پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی یہ روش دیکھ کر میں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا اور امیہ کو چت زمین پر لٹا کر آپ اس کے اوپر سے لیٹ رہا۔ اس خیال سے کہ امیہ کے بیٹے کو قتل کر کے مسلمان بس کر دیں گے اور امیہ کی آئندہ تلاش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیکن انصار نے اس کے بیٹے کو قتل کر کے بھی بس نہیں کی اور امیہ کی تلاش نہ چھوڑی آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ میری ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر امیہ کو باہر کھینچ لائے اور قتل کر ڈالا۔ اسی کشمکش میں میری ٹانگ بھی زخمی ہوگئی اور مدت تک زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمن ابن عوف اکثر عندالتذکرہ کہا کرتے تھے کہ افسوس ہے امیہ بھی گیا اور میری جمع کی ہوئی لوٹ والی زرہیں بھی چلی گئیں۔ مسلمان اسے بھی لے کر چلتے ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ 20 طبری صفحہ 1326

شبلی صاحب نے ترتیب واقعات میں تقدیم و تاخیر ذکر کا خیال نہیں رکھا۔ ابوالبختری اور امیہ بن خلف کے احوال سے پہلے ابوجہل کے حالات کو قلمبند فرمایا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام و طبری ان دونوں مشرکین کے واقعات کے بعد ابوجہل کے حالات لکھتے ہیں۔

ابوجہل کا قتل

امیہ بن خلف کے بعد ابوجہل کی موت لکھی تھی۔ عجیب اتفاق ہے کہ قتل ابوجہل کے تفصیلی حالات بھی عبدالرحمن بن عوف ہی

سے تمام کتب تاریخ وحدیث میں منقول ہیں۔عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی صف لشکر میں کھڑا تھا اور میرے پہلو میں انصار کے دونو جوان اپنے بھائی عفراء کے بیٹے عوذ معوذ نامی (وہی جن کو عتبہ بوجہ انصار ہونے کے مقابلہ سے واپس بھیج چکا تھا) کھڑے تھے۔ اتنے میں ایک نے میرا دامن کھینچ کر مجھ سے راستہ پوچھا کہ اے چچا! آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے وہ بولا سنتے ہیں کہ اس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں۔اس لیے میں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ اگر آج اسے میں نے دیکھ پایا تو پھر اس کے پیچھے ایسا پڑ جاؤں گا کہ پھر یا تو وہ نہیں یا میں نہیں۔ابھی اس کی بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ دوسرے بھائی نے بھی میرے کان میں اپنا منہ لگا کر یہی بات کہی میں ان دونوں نوجوانوں کی ہمت وجگرداری پر تعجب کرتا تھا اور بیحد مسرور ہوتا تھا۔

ابھی اس گفتگو کو کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل اپنے اونٹ پر سوار ادھر سے آنکلا اور اپنے لشکر کو ادھر سے ادھر تک معائنہ کرنے لگا۔میں نے ان دونوں شجاعوں کو دور سے بتلا دیا کہ تمہارا مطلوب یہی ہے۔انگلی کا اٹھنا تھا کہ یہ دونوں جرار باز شکاری کی طرح اپنی صف سے دوڑ کر اس کی طرف جھپٹے اور دونوں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے۔عوذ نے پہنچتے ہی ایسی کاری ضرب لگائی کہ ابوجہل کی ٹانگ ساق (پھلی) سے جدا ہوگئی اس کا بیٹا عکرمہ وہیں تھا اس نے عوذ پر تلوار لگائی اور شانہ سے اس کا ہاتھ جدا کردیا۔لیکن ذرا سا تسمہ لگا رہا۔لیکن وہ دلیر مبارز اسلام اسی حالت میں لڑتا رہا۔عوذ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ جھولتا ہوا ہاتھ میرے حرب وضرب میں حارج ہوتا تھا۔اس لیے میں نے اس کو اپنے پاوں کے نیچے دبا کر ہاتھ کا وہ تسمیہ جو ابھی تک لگا ہوا تھا جدا کر ڈالا اور پھر آزادی سے لڑنے لگا۔اس اثنا میں معوذ نے اپنی تلوار کی ضربوں سے ابوجہل کو مار گرایا۔وہ گرتے ہی خاتمہ کے قریب پہنچ گیا۔رمقی جان باقی تھی۔

یہ دونوں دلیر نوجوان مرتے کو کیا ماریں سمجھ کر اور اپنے ایسے نمایاں حسن خدمات اور کامیابی کے جوش مسرت میں پر جوش ہوکر فوراً جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی دونوں نے ابوجہل کے قاتل ہونے کا فخریہ دعویٰ کیا۔آپ نے پوچھا کہ تم دونوں نے اپنی اپنی تلواریں تو ابھی خون سے پاک نہیں کی ہیں؟ دونوں نے عرض کی نہیں۔ارشاد ہوا لاؤ اپنی اپنی تلواریں دکھلاؤ۔دونوں نے دکھلائیں۔معائنہ فرمائی گئیں اور کہا گیا تم سچ کہتے ہو۔تمہیں دونوں ابوجہل کے قاتل ہو۔

شبلی صاحب تو کسی کے واقعہ کو نہ پورا لکھیں گے اور نہ اس کے حال کو خاتمہ تک پہنچائیں گے اس خوف سے کہ ان داستانوں کو طول نہ ہوجائے اور یورپین مؤرخین ان کو شوق سے سن کر اسلام بزور صمصام والا اعتراض نہ کر بیٹھیں۔شبلی صاحب ان کے ذکر سے جو کچھ نہ سمجھیں وہ ان کا نظریہ ہے۔لیکن ہم ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں کہ ہر واقعہ کو پورا شخص کے احوال کو اطلاع عام کی غرض خاص سے خاتمہ تک پہنچا دیں اس لیے ہم ان دونوں مبارزان اسلام عوذ ومعوذ اور ان کے مقتول ابوجہل کے باقی حالات کو حسب ذیل خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

معوذ تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت وزیارت سے مشرف ہوکر پھر فوج کفار میں آکر لڑنے لگے اور عمر ابن عبدود کے ہاتھ سے مارے گئے۔عوذ حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہے۔طبری ص 1337 ابن ہشام جلد دوم ص 21

ابوجہل کے بقیہ حال یہ ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ عوذ معوذ ابوجہل کو سسکتا چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ جناب رسول خداصلعم اس کے نتیجے آخر معلوم فرمانے کے مشتاق تھے کیونکہ یہی شریر النفس اصل مایہ فساد تھا۔ اس بنا پر آپ نے مسلمانوں کو اس کی تلاش کا حکم دے رکھا تھا۔ حسن اتفاق سے عبداللہ ابن مسعود عین اسی مقام پر پہنچ گئے جہاں ابوجہل پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا ابوجہل نے کسی مرد مسلمان کو نہیں چھوڑا تھا؟ عبداللہ بھی انہی میں تھے۔ اس کے سینہ پر چڑھ کر ایک بار ابوجہل نے ان کو بڑی اذیتیں پہنچائی تھیں اب اس کو اس حالت میں پا کر عبداللہ فوراً اس کی چھاتی پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھیں کھول کر نام پوچھا یہ بولے عبداللہ بن مسعود۔ ابوجہل نے کہا کہو جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کس کی فتح ہوئی کس کی شکست۔ عبداللہ بولے اخزاک اللہ تعالیٰ۔ خدا تجھے اس سے زیادہ ذلیل کرے تو تو فرعون سے بھی زیادہ بدبخت ہے۔ اس نے تو دریا میں غرق ہونے کے وقت بھی اپنے قصوروں کا اقرار کیا تھا اور ان سے بیزاری اختیار کی تھی اور تو اس حالت آخر تک پہنچ کر بھی اپنی شامت وضلالت سے باز نہیں آتا۔ مرتو رہا ہے لیکن میدان جنگ اور فتح وشکست کا ارمان ابھی تک تیرے دل سے لگا ہے ابوجہل یہ طعن آمیز سن کر بولا:

لقد ارتقیت مرتقی صعبا یادوبعی اخنم

اے بھیڑ چرانے والے لوگ تمہارے ہاتھ سے قتل ہو کر میری موت بھی ذلیل ہوگئی۔

عبداللہ نے تلوار نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔

لیکن محدث شیرازی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ کی تلوار خراب تھی اس کا سر کاٹ نہ سکی تو عبداللہ نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے کھینچ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ روضۃ الاحباب ص 234 لکھنو۔

ابوجہل کا کام تمام کر کے عبداللہ اس کا سر لیے ہوئے خدمت رسول اللہ صلعم میں حاضر ہوئے اور اس کا سر قدم مبارک پر ڈال دیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر کی طرف نگاہ کی اور فرمایا:

الحمدللہ الذی اخزاك یاعدا اللہ۔

اس خدا کا شکر ہے جس نے تیرے جیسے دشمن خدا کو ذلیل وخوار کیا۔

پھر دست مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر ارشاد کیا۔

الحمدللہ الذی نصر عبدہ وانجزوعدہ واعزدینہ

اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے بندے کی نصرت کی اپنے وعدہ کو پورا کیا اپنے دین کو عزت بخشی۔ ابن ہشام جلد دوم ص 21 طبری 1328 روضۃ الاحباب 234

ابوجہل کے مرتے ہی جو حقیقتاً اصلی مایہ فساد تھا اور تمام مفسدوں کا مواد لشکر کفار کے قدم ایک دم اکھڑ گئے۔ مبارزان اسلام اور

جان نثاران حضرت خیر الانامؐ نے ان کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ کفار کے دل بیٹھ چکے تھے۔ پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ مقابلہ کی طاقت باقی نہیں تھی۔ اول تو ابتدا ہی سے انکے لشکر میں نہ کوئی ترتیب تھی اور نہ درستی نہ قاعدے سے صفیں درست ہوئی تھیں اور نہ مورچے تیار کیے گئے تھے۔ لشکر تو نہیں تھا آدمیوں کا جنگل تھا ایسی حالت میں لشکریوں سے سوائے گریز پائی نہ کچھ بن آنے والی تھی اور نہ آخر کار بن آئی۔

فوج کفار کی ابتری اور حضرت علیؑ کی شجاعت و دلیری

اس وقت ان کے انبوہ کثیر میں چاروں طرف قتل و گریز کا عام منظر پیش تھا۔ مشرکین قریش کے بڑے بڑے نبرد آزما شجاع اور آزمودہ کار مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جا چکے تھے یا قید کیے جا چکے تھے یا مقابل کی آنکھ بچا کر بھاگ جا چکے تھے۔ مبارزان اسلام نے اس آخری حملہ میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا اور ان میں سے قریب قریب نصف کی تعداد کو اکیلے حضرت علی مرتضیٰؑ نے تہ تیغ کیا۔

سیرۃ النبوۃ کے حوالے سے خواجہ عبید اللہ امرتسری (حالیہ قادیانی) اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور کے صفحہ 134 میں لکھتے ہیں:

اسی طرح حضرت علیؑ ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے نصف کو قتل کیا اور کل مقتول ستر تھے۔ نصف اور مسلمانوں نے قتل کیے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین طلحہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں اور علامہ محمد بن یوسف الگنجی نے کفایۃ الطالب میں بھی بتلائی ہے۔

شبلی صاحب نے غزوہ بدر کے تفصیلی حالات میں اپنے خاص موضوع تالیف کی ضرورت سے تو کہیں بھی حضرت علی مرتضیٰؑ کے ان محاسن خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ان کو ان کی ان کارگزاریوں اور جان نثاریوں کی بنا پر فاتح بدر یا کم سے کم مبارزان اسلام کا سر دفتر قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی حقیقت حقیقت ہی تھی اور اس کا چھپنا یا چھپانا۔ خصوصاً مسلمانوں کے عقائد میں محال قطعی تھا۔ اس لیے ہمارے شبلی صاحب کو خدمات علیؑ کی اس حقیقت اصلیت اور واقعیت کو آخر کار لکھنا ہی پڑا۔ اصل معرکہ آرائی کے حالات میں تو نہیں ہاں تمہید کے استدلالیہ مضامین میں اس موقع پر جہاں آپ کو (خدا کی شان) صحیح بخاری کی روایت کو طبری کی روایت سے غلط ثابت کرتی ہوئی اور عیسائیوں کے اصل اعتراض کو جو بخاری کی اسی روایت سے ماخوذ متسنبط تھا کاٹنا پڑا چونکہ اس روایت طبری کے اصل راوی اتفاق سے حضرت علیؑ تھے اس وقت اور مجبوری سے آپ کو بالآخر لکھنا ہی پڑا۔ کہ اس کے راوی غزوہ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی بن ابی طالب ہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص 257

ہم اس مضمون کو کہ جنگ بدر کے ہیرو حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں خاتمہ جنگ تک اٹھا رکھتے ہیں۔ جہاں آپ کے فاتح بدر ہونے کے شہود و ثبوت تفصیل سے پیش کیے جائیں گے یہاں ان کا قلمبند کرنا ہمارے سلسلہ کلام میں فصل پیدا کرے گا لیکن مناسبت مقام اور سلسلہ کلام قائم رکھنے کی غرض خاص سے اس جملہ اخیر میں جس کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں حضرت علیؑ کی مبارزت کی نسبت یہ تفصیل کر دینا ضروری ہے کہ آپ نے اس جملہ میں بیکبار و بیک وقت عاص بن سعید بن عاص کو قتل کیا۔ ابن ہشام اپنی تاریخ جلد دوم

صفحہ 21 میں عاص کے قتل کی تفصیل حضرت عمرؓ کی زبانی لکھتے ہیں۔

عاص کے بعد کفار نے حضرت علیؑ کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹانا چاہا اور نوفل ابن خویلد بن اسد آگے بڑھ کر آپ پر حملہ آور ہوا یہ نوفل دلاوران قریش میں بڑا مشہور شجاع شخص تھا اور یہ وہی بدبخت تھا جو حضرت صدیقہؓ کبریٰ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا بھائی تھا اور آنحضرت صلعم کا سخت دشمن، قریش کے مجمع میں بیٹھ کر بہن کی زبانی آنحضرت صلعم پر برے برے اتہام لگایا کرتا تھا اور یہ وہی شری الطبع تھا جس کو میدان رزم میں دیکھ کر آنحضرت صلعم نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا جائے۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے اس کی تیز دستیوں کا پورا جواب دیا اور اپنی شمشیر سے اس کو مار گرایا۔ نوفل کے بعد مسعود بن مغیرہ (خالد بن ولید کا چچا) مقابل وہ بھی قتل ہوا۔ مسعود کے بعد ابوالقیس بن الفا آگے آیا۔ وہ بھی دو ٹکڑے کیا گیا۔ پھر عبداللہ بن منذر کو موت کھینچ لائی اور وہ بھی مقتول ہوا۔ عبداللہ کے بعد عاص ابن منبہ ابن حجاج کی نوبت آئی۔ وہ بھی مقابل ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد صاحب ان سائب سامنے آیا وہ بھی سر بریدہ زمین پر تھا۔

اسی طرح حنظلہ ابن ابوسفیان اور ابو عمر بن ابوسفیان (امیر معاویہ صاحب کے بڑے بھائی) ابو عبیدہ بن الحارث بن ربیعہ اور عقیل بن نوفل ابن مطلب یکے بعد دیگرے آتے گئے اور حضرت علی مرتضیٰؑ کی تیغ آبدار سے قتل ہوتے گئے۔ ان مقتولین میں حنظلہ بن ابوسفیان پر ایسی سخت ضرب لگی تھی کہ اس کی آنکھیں باہر نکل پڑی تھیں۔ چنانچہ خود حضرت علی مرتضیٰؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ قریش سے مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ جب وہ میری اس لڑائی کو جو ولید بن عتبہ سے واقع ہوئی اور میری اس ضرب کو جس سے حنظلہ کی آنکھیں نکل پڑیں تھیں دیکھ چکے تھے تو پھر کیوں کر میرے مقابلہ کی جرأت کرتے تھے۔ انحاف اہل اسلام لکھنوص 29 مغازی الصادقہ واقدی (ترجمہ) مطبوعہ نول کشور لکھنوص 397 روضۃ الصفا جلد دوم ص 68 بمبئی تفصیل ازجح المطالب صفحہ 313 مطبوعہ لاہور میں باسناد کتاب مطالب السئول اور کفایۃ الطالب میں درج ہے۔

ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں حضرت علیؑ کے حملہ آخر کی مرقومہ بالا تفصیل کر دی ہے۔ آپ کے ایسے دوسرے مبارزین اسلام کے محاسن خدمات اور شجاعت و دلیری کے واقعات کا بھی اندازہ کر لینا چاہیے۔ معرکہ جنگ کا دوسرا عالم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اسیران کفار فاعتبروا یا اولی الابصار تھا۔ نامبردگان قریش اور ناموران مکہ کو مبارزان اسلام ان کے انبوہ کثیر میں گرفتار کر رہے تھے اور وہ ہتھیار ڈال کر اسلام کی فتح اور اپنی شکست کا اقرار کر رہے تھے۔

ارباب تاریخ وسیرت کا بیان ہے کہ مجاہدان اسلام اس وقت بیکبارتین اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے جان نثاروں کا ایک گروہ تو قتل کفار میں مصروف تھا۔ دوسرا طبقہ مشرکین کو گرفتار کر رہا تھا۔ تیسرا دستہ عریشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسی دستہ میں سعد بن معاذ بھی تھے۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں:

وانه صلعم امربا صحابه فشدد فكانت لاهويمة فقتل الله تعالى من قتل من صناديد قريش و اسرے من اسرى من اشرافهم فلما وضع القوم ايدهم يا سرون و رسول الله صلعم فى العريش و سعد بن معاذ قائم علے باب العريش

الذی فیه رسول الله متوشحا السیف فی نفر من الانصار یحرسون رسول الله صلعم یخافون کرہ الورود العدوءات رسول الله صلعم فیما ذکرنی فی وجه سعد بن معاذ الکراۃ لما یضع الناس فقال له رسول الله صلعم والله لکائنات یاسعد تکرہ باتضع القوم قال اجل والله یارسول اللهﷺ کانت اول وقعة اوقعها الله بهل الشرك فکان الاثخنان فی القتل باهل الشرك احب الی من استبقآء الرجال ج2ص 18 مطبوعه مصر

آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا اور انہوں نے جہاد میں شدت کی کفار کو ہزیمت ہوئی اور خدا تعالیٰ کو جتنے عائد قریش کا قتل منظور تھا اتنے قتل ہوئے اور جتنے ان کے اشراف قوم کی گرفتاری مقصود تھی اتنے گرفتار ہوئے جناب رسول خدا صلعم اس وقت اپنے عریشہ میں بیٹھے تھے اور سعد بن معاذ اپنے دستہ انصار کے ساتھ تلوار ننگی لیے ہوئے عریشہ کے دروازے پر اس وجہ سے پہرہ دے رہے تھے کہ خوف تھا کہ دشمن ادھر نہ ٹوٹ پڑیں۔لڑائی کا یہ عالم جو میں نے (ابن ہشام نے) اوپر لکھا ہے آنحضرت صلعم اور سعد بن معاذ دونوں کے قیش نگاہ تھا۔اس اثنا میں جناب رسول خدا صلعم نے سعد بن معاذ کے منہ پر اس عالم کے مشاہدے سے آثار کراہیت و ناپسندیدگی نمایاں پائے تو استفسار فرمایا آئے کیا سعد تم کو یہ فعل جو تمہاری قوم کے لوگ کر رہے ہیں اچھا نہیں معلوم ہوتا سعد نے عرض کی صحیح ارشاد ہوتا ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ مشرکین کو خداوند عالم نے اس بلا و مصیبت میں ڈالا ہے اس لیے مجھے ان سب کے باقی رکھے جانے سے ایک باران کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا جانا ہی بہتر اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

اس خالص جان نثاری پرجوشی اور اس کے مقابلہ میں رحمت عالمؐ کی خاموشی انسان کی طبیعت عامہ اور انبیائے علیہم السلام کی فطرت صالحہ کے فرق مابہ الامتیاز کو پورے طور سے ثابت کر رہی ہے۔سعد ابن معاذ اپنی فوج کی کامیابی سے اتنا پرجوش ہو گئے کہ حدود انتقام سے گزر کر قتل عام کے درجہ تک بڑھ گئے لیکن اس خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر تو خلاف معمول خلاف عادت اور خلاف طبیعت ان مناظر بشارت اور عوالم فتح و نصرت سے کوئی اثر خاص نمایاں نہیں تھے آپ کی خاموشی ہزار زبان بن کر بتلا رہے ہے کہ کوئی منظر، کوئی عالم اور کوئی حالت پیش نظر ہو ہم اپنے اصول اخلاق، حدود و اشفاق مناسبت موقع اور مصلحت وقت سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتے۔

شہیدان بدرؓ کی دلیرانہ جان نثاریاں

ہم نے اس وقت تک اپنے سلسلہ بیان میں قریش کے مقتولین کے مارے جانے کی تفصیل اور مبارزان اسلام کی خدمات جو انہوں نے مقتولین قریش کے قتل میں انجام دی ہیں بیان کی ہیں۔ اب ہم ان سرفروشان اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الانام علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جو جنگ بدر میں فائز بشہادت ہوئے اگر ہم اپنے ترتیب بیان میں ان کے محاسن خدمات کی تصریح سے اعراض کریں تو ہمارا تاریخی مرقع ایک رخی تصویر ہو کر رہ جائے گا اور ہمارا یہ طریقہ فروگذاشت ہمارے انداز تالیف کا بہت بڑا عیب ٹھہرایا جائے گا۔ اس بنا پر ہم ان فدائیان اسلام کے حالات بھی اسی تفصیل سے لکھتے ہیں جس تفصیل وتشریح سے ہم فاتحین اسلام کے حالات اوپر لکھ آئے ہیں۔

مجھ کو اس کی ذرا پروا نہیں ہے کہ میری تاریخ اسلامی تاریخ نہیں بلکہ اسلامی جنگ نامہ بن جائے گی اور ہمیں اس کی بھی تمنا نہیں کہ بقول شبلی صاحب یورپین مؤرخین اس کو بڑے شوق سے سنیں گے اور ہمیں اس کا بھی خوف نہیں کہ شبلی صاحب اور انکے ہم خیال اس کو بے لطفی اور ناتوجہی سے سنیں گے یا ملاحظہ فرمائیں گے اسی لیے تو سیرۃ النبیؐ میں سوائے مہجع کے وہ بھی حضرت عمرؓ کے غلام خاندان ہونے کی خصوصیت خاص ظاہر کرنے کی ضرورت سے اور کسی ایک شہید احد کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کے کان مشتاقین یورپ کے کانوں کی طرف لگے تھے اور آپ اس خوف وہراس سے کہ وہ سننے نہ پائیں اور یہ حالات وواقعات درازنفسی اور بلند آہنگی کے حدود تک نہ پہنچنے پائیں (ملاحظہ ہو سلسلہ غزوات سیرۃ النبی صفحہ 222) اسی لیے آپ نے ان تمام واقعات کو حد درجہ کے اختصار تلخیص اور قطع وبرید کے ساتھ غیر مکمل اور مبہم لکھ کر تمام کر دیئے ہیں اور شہدائے احد کی جان نثاریوں کے بیان میں تو قلم بھی نہیں اٹھایا اور انکے ذکر حالات سے آپ کا دفتر تاریخی بالکل خالی ہے۔

آپ نے میدان جنگ کا جو مرقع کھینچا ہے وہ تو یورپین مؤرخین کے انداز تحریر کے مطابق اس کے نقش ونگار میں صرف کفار ہی کے قتل سے چشمہائے خون بہا دیئے ہیں (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ص 222) اور اس سیلاب خون میں صرف غریب مہجع کے چند قطرہ ہائے خون کی کہیں کہیں جھلک سی نظر آجاتی ہے۔ محققین واقعات اور متلاشین حالات تو آپ کے اس مرقع بیان کی ایک رخی اور بالکل ایک رخی تصویر ٹھہرائیں گے اور حیرت

سے نقش بدیوار بن جائیں گے۔

مہجع شہید اول

اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔تاریخ وحدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ مہجع خاندان حضرت عمرؓ کا غلام جس کا کس قدر ذکر خیر ہم اوپر کر آئے ہیں،مبازران اسلام کی فرد جانبازی میں نمبر اول ہے اور تمام مؤرخین ومحدثین نے شہدائے بدر میں اس کو شہید اول قرار دیا ہے۔ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حارثہ بن سراقہ کی شہادت

مہجع کے بعد حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے اور بالاتفاق شہدائے بدر میں یہ شہید ثانی یقین کیے جاتے ہیں۔ان کی صورت شہادت زرقانی نے یوں بتلائی ہے۔

حارثه بن سراقه (خراشه) وكان فی النارة ای اللهبن لم یخرجو القتال فلم لجزجو القتال فجآء سهم غرب فوقع فی تخره فقتله فجاء ت امه (امی ربیع فقلت یارسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قد علمت مکان حارثه من فان یکن فی الجنة اصبروا واحتسب والا فتری ما اصنع فقال صلعم انها الیست بجنة واحدة ولنکها جنان کثیرة وانه فی جنة الفردوس کما فی الصحیح و قتله موحذه بن العرفة زرقانی ص530

حارثہ بن خراشہ لشکر اسلام کی صفوں میں گھوم گھوم کر دیکھ رہے تھے کہ کون شخص مقابلہ کے لیے نہیں نکلتا ہے۔اس اثناء میں ایک تیر اڑتا ہوا آ کر انکے وسط حلق پر بیٹھا اور یہ جان بحق تسلیم ہو گئے۔ان کی غریب ماں ام ربیع یہ حال دیکھ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں دوڑی آئیں اور عرض کرنے لگیں آپ ارشاد فرمادیں اگر حارثہ بہشت میں داخل ہو گیا ہے تو پھر میں صبر کر کے خاموش رہ جاؤں ورنہ آپ دیکھ لیں گے میں (دشمنوں کے ساتھ) کیا کرتی ہوں۔آپ نے فرمایا کہ بہشت ایک بہشت نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد درجے ہیں اور حارثہ اس درجہ بہشت میں ہے جس کو جنت الفردوس کہتے ہیں یہ روایت صحاح کی ہے۔حارثہ کو محدبن عرفہ نے قتل کیا۔

عمر بن الحمام کی شہادت

جان نثاران اسلام میں عمر بن الحمام بھی قابل الذکر ہیں۔ ابن ہشام ص 18، جلد دوم طبری ص 1324 اور زرقانی ص 536 میں ان کے حالات اس طرح لکھتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ ولہ وسلم خرج علی الناس فحرضھم فقال و الذی نفس محمد بیدہ لاتقاتلھم الیوم رجل فیقتل مابرا لحتسبا مقبلا غیر مدبرا الا ادخلہ الجنۃ فقال عمر بن الحمام وفی یدہ تمرات یاکلھن بخ بخ فما بینی وبین ادخل الجنۃ الا ان یقتلنی ھولاء ثم قذف التمران من یدہ واخذ سیفہ فقاتل القوم حتے قتل وھو یقول

رکضا الی اللہ بغیر زاد الا التقی و عمل الرشاد
والصبر فی اللہ علی الجھاد وکل ناد عرضۃ النافذ
غیر التقی والبر والرشاد وقتلہ خالد ابن الاعلم العقیلی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان الفاظ میں لشکر اسلام کو قتال کفار پر تاکید فرمائی کہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے جو شخص صبر و تحمل اور ضبط خاموشی سے قدم آگے بڑھاتا ہوا نہ بھاگنے کے لیے پیچھے ہٹتا ہوا قتل کیا جائے گا وہ یقینی جنت میں داخل ہوگا۔ عمر بن حمام جو اس وقت اپنے ہاتھوں میں کھجوریں لیے کھا رہے تھے کہنے لگے واہ واہ اب تو میرے داخلہ جنت میں کوئی شے حائل نہیں ہوسکتی میں خوش ہوں اب یہ قوم مجھے قتل کر ڈالے یہ کہہ کر کھجوریں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر لشکر کفار میں جا پڑے اور یہ رجز پڑھنے لگے۔ میں تو اپنے خدا کے پاس بغیر کسی توشہ کے جاتا ہوں اور میرے پاس کوئی توشہ سوائے تقویٰ عمل آخرت اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی مصیبتوں پر صبر کرنے کے سوا نہیں ہے غنیم سے مقابل ہوئے اور شہید ہوگئے۔ خالد بن اعلم عقیلی نے ان کو شہید کیا۔

عوف بن حارث انصاری کی دلیرانہ شہادت

جنگ کی عین گرم بازاری میں جب طرفین سے شدید حملات ہو رہے تھے عوف بن حارث انصاری جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ایک بار جوشجاعت اور وفور خلوص وعقیدت سے سرشار ہو کر عرض خدمت کرنے لگے۔طبری ان کے الفاظ تقریر یہ لکھتے ہیں:

یارسول اللہ صلعم مایضحك الرب من عبدہ قال غمسه یدہ فی الدو حاسرا

طبری 1322

یارسول اللہؐ بندہ کی کون سی ادا پروردگار کوخوش کر دیتی ہے ارشاد ہوا دشمنان خدا سے بغیر سلاح جنگ برہنہ ہو کر بھی دست وگریبان ہوجانا۔

مخبر صادق کی زبان صداقت ترجمان سے اتنا سنا تھا کہ

ففزع درعا کانت علیه فقذفها ثم اخذسیفه فقاتل القوم حتی قتل طبری 1322

اس شیر نے سلاح جنگ جو پہنے ہوئے تھا اتار کر پارہ پارہ کرڈالا اور پھینک دی اور تلوار اٹھا کر کفار سے لڑنے لگا۔یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

عمیر ابن ابی وقاص کمسن مجاہد کی دلیرانہ شہادت

عمیر ابن ابی وقاص جو کم سن ہونے کے باعث شریک لشکرنہیں کیے جاتے تھے لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گریہ وزاری سن کر اجازت دی تھی۔میدان جنگ میں باوجود کمسنی کے اظہار شجاعت سے باز نہ رہے۔کفار سے لڑے اور شہید ہو گئے۔امام سہیلی کے قول سے عاص بن سعید نے اور علامہ ابن حجر کی روایت سے عمر بن عبدود نے ان کو شہید کیا۔زرقانی ص 539

سعد بن خثیمہ مبشر بن منذر کی شہادت

ان جانبازان اسلام کی فہرست میں دو بزرگان انصار کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔ایک سعد بن خثیمہ دوسرے مبشر بن منذر انصاری،سعد بن خثیمہ کی عظمت شان علامہ زرقانی کے بیان سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

سعد بن خثیمه احد النقبآء بالعقة الصحابی بن الصحابی الشهید بن الشهید

قیل قتله طعیمه بن عدی و قیل عمر بن عبدود استشهدابوہ (خثیمه) یوم احد

سعد بن خثیمہ،طبقہ نقباء میں تھے عقبہ میں بیعت اسلام لائے تھے خود بھی صحابی تھے صحابی کے بیٹے تھے

شہید تھے اور شہید کے بیٹے تھے ان کو طعیمۃ بن عدی نے اور بروایتے عمرا بن عبدود نے قتل کیا ص 535 ان کے باپ (خثیمہ) احد میں شہید ہوئے تھے۔

ہم نے ان سرفروشان اسلام کے جانبازانہ اور فدائیانہ خدمات لکھ کر اپنے سلسلہ بیان سے صرف ایک رخ ہونے کا عیب مٹا دیا اور اپنے ناچیز اور نا قابل قدر بیان میں ان مجاہدان راہ خدا کی کامل الایمانی ثبات و پاداری اور ہمت وجگرداری کی بے نظیر مثالیں دکھلا دیں جو دنیا کے فانی اور مٹ جانے والے کارناموں میں کیا لوح محفوظ رب العباد میں ابدالا باد تک قائم اور محفوظ رہیں گی۔ان شاءاللہ۔

جنگ بدر کے اصلی ہیرو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں

جنگ بدر کے حالات وواقعات ختم ہو گئے۔فاتحان اسلام فوج کفار کو شکست کامل دے کر آئندہ جہاد فی سبیل اللہ کی خدمات کے لیے باقی رہے ان کی دلیرانہ اور شجاعانہ حالات اور نیز شہیدان بدر کے سرفروشانہ اور جانبازانہ واقعات جو انہوں نے اپنی جانیں دے کر اپنے بعد دنیا میں بہترین یادگاریں چھوڑیں۔ایک ایک کر کے ہم نے بیان کر دیئے۔

محققین ان مبارزین اسلامی کے تفصیلی کارناموں کو پیش نظر رکھ کر مجاہدین بدر کی خدمات میں موازنہ کریں گے تو بالآخران کو بھی شبلی صاحب کی طرح یہ کہہ کر اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام کی اس عظیم الشان جنگ کے فاتح (ہیرو) اسداللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں جن کی فاتحانہ خدمات کی نسبت امام دولابی لکھ کر بتلا چکے ہیں لا ینصرف حتی یفتح علیہ کسی غزوہ سے تاوقتیکہ فتح نہ فرما لیتے تھے واپس نہ آتے تھے۔ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ 552

مقتولین بدر کا دفن

تفصیل جنگ کو تکمیل تک پہنچا کر ہم میدان جنگ کے دوسرے واقعات کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔جنگ کا خاتمہ ہو گیا،قریش کے لشکر گراں نے شکست کامل اٹھائی ان کے بڑے بڑے نبردآزما اور شجاع زمانہ قوم و قبیلے کے سردار نمودار مارے گئے کفار کے مقتولین کی تعداد ستر تھی اور قیدیوں کی تعداد تینتالیس 43 مسلمانوں کی طرف سے چودہ آدمی شہید ہوئے 6 مہاجرین اور آٹھ انصارؓ۔مشرکین قریش شکست کے بعد جو پکڑے گئے پکڑے گئے باقی بھاگ گئے۔

غنیم سے جب میدان قتال بالکل خالی ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں خود تشریف لائے اور سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا وہ جانبین کی مقتولین کی آخر خدمات تھیں۔ہر شخص رحمت عالم کی رحم لی دردمندی کے اصول اور اس خلق مجسم کی رقت قلبی کے اس معمول سے خوب واقف تھا کہ آپ جہاں کہیں کسی میت کو افتادہ پاتے تھے اس کو فوراً زمین میں دفن فرما دیتے تھے میت تو میت استخوانہائے افتادہ تک کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جاتا تھا۔اس بنا پر کیسے ممکن تھا کہ کفار کی طرف والے مقتولین بدر اخلاق و ہمدردی کے اس فیضان علم سے محروم رکھے جاتے۔

شہدائے بدر کی چونکہ تعداد بہت قلیل تھی۔شمار میں کل چودہ تھے۔ان کی خدمات سے جلد فراغت ہوگئی تو فوراً کشگان مشرکین کی طرف توجہ فرمائی گئی چونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور سب کو جدا جدا دفن کرنے میں وقت بھی زیادہ درکار تھا اور جنگ سے تھکے ہوئے مسلمانوں کو محنت اور مشقت بھی زیادہ کرنی ہوتی۔اس لیے ایک قریب کے کنوئیں میں کفار کی لاشوں کو اٹھا کر دفن کرادیا گیا اور کنوئیں کے منہ کو پتھر اور مٹی سے بھر کر سطح زمین کے برابر کردیا گیا۔صرف امیہ بن حلف کی لاش بگڑ جانے کے باعث اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی اس لیے وہیں تہہ زمین کردی گئی۔

شبلی صاحب کی عجلت رقمی بہت سے قابل الذکر حالات کو چھوڑتی چلی جاتی ہے۔حالانکہ وہ تمام تاریخوں کے مشاہدات متفقہ ثابت ہوتے ہیں۔چنانچہ دفن مشرکین کے ذکر میں ابوحذیفہ بن عتبہ کا واقعہ اس کی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کی شان کو دوبالا ثابت کررہاہے۔ابن ہشام نے الفاظ ذیل میں اس کی تفصیل کی ہے:

ماامر رسول الله صلعم ان یاقوا فی القلیب اخذ عتبه بن ربیعة فسحب الی القلیب منظر رسول الله فیما بلغنی فی وجه ابوحذیفه فاذا هو کئیب قد تغیر فقال یا ابا حذیفه لعلك قد دخلك من شان ابیك شئی او کما قال صلی الله علیه وآله وسلم فقال لا والا یارسول اللهﷺ ماشککت فی ابی ولا فی مصرعة مصرعة ولکننی اعرف من ابی رایا وحلما وفضلا فکنت ارجوان یهدیه ذلك الی الاسلام فلما رایت ما اصابه وذکرت ما مات علیه من الکفر بعد الذی کنت ارجواله احزننی ذلك فدعا رسول الله صلعم بخیر اوقال له خیراً۔ ص 23 مصر

جناب رسول خدا صلعم نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئیں میں لا لا کر جمع کریں تو عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پر کھینچتے ہوئے لائے ابوحذیفہ کو باپ کے لاشے کو اس حال میں لاتے ہوئے دیکھ کر ملال ہوا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اس کے چہرے سے آثار حزن و ملال پہچان کر پوچھنے لگے کہ آئے ابوحذیفہ کیا تم کو اپنے باپ کی طرف سے کچھ دل میں خیال آیا ہے؟ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا ابوحذیفہ نے جوش عقیدت سے جواب میں عرض کیا کہ یارسول اللہ قسم خدا کی اسلام کی طرف سے مجھے محسن بھر بھی شک نہیں لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے کہ میرا باپ صاحب رائے متحمل صاحب اداب وکمال تھا اور اسکے ان صفات سے مجھ کو ہمیشہ امید قوی تھی کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو خود سمجھ کر مشرف باسلام ہوجائے گا لیکن خلاف امید میں نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام

سے مشرف نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر اس کی کیا حالت ہوئی اور اسکے کافر مرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے ابوحذیفہ کے لیے دعائے خیر کی اور اس کو کلمات خیر سے یاد و شاد فرمایا۔

اس کے بعد ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم مدفن کا فرین پر کھڑے ہوئے اور عبرت انگیز انداز و طریقہ سے گویا مقتولین کو مخاطب کر کے یہ کلمات عبرت ارشاد فرمائے۔

یا اھل القلیب بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی و صدقنی الناس واخرجتمونی و اوانی الناس و قاتلمتونی و نصرنی الناس ثم قال وجدتم ماوعد کم ربکم حقا ص 22 جلد دوم طبری 1323

اے افتادگان چاہ! تم اپنے نبیؐ کے لیے کیسے برے عزیز اور قرابت مند ثابت ہوئے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیر لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے گھر سے نکال پھینکا اور غیروں نے مجھے پناہ دی تم میرے قتل پر آمادہ ہوئے غیروں نے میری نصرت و حمایت کی یہ کہہ کر آپ نے فرمایا تم بالآخر وہ امر پا گئے جس کا خدا نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا۔

اسیران بدر کے ساتھ رحمانہ سلوک

ان امور سے فراغت فرما کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم قیدیان قریش کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے وہ ایک ایک کر کے شمار کیے گئے جو ابن ہشام کی تعداد کے موافق تنتالیس تھے۔ جن میں آنحضرت کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب برادر عم زاد عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور ابوالعاص شوہر حضرت زینب بھی داخل تھے۔ سردست ان لوگوں کا اس وقت کوئی تصفیہ فرما دینا مناسب نہ سمجھا گیا۔ لہذا تمام اسیروں کو دو دو چار چار کر کے انصار مہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہی قیدی کو اپنی حراست میں راحت و آرام سے رکھے۔

رسولؐ کا حکم کافی تھا اور اسلام کی عام ہمدردی کی تعلیم کا مقتضی بھی یہی تھا۔ جو فاتحین اسلام نے اپنے مقیدین کی راحت رسانی کی خدمات میں اختیار کیا۔ تمام تاریخ و حدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اس وقت سے لے کر جب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین و انصار کے پاس رہے۔ صحابہ کا یہ برابر قاعدہ رہا کہ گھر میں جو کھانا پکتا تھا تو وہ قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ابو ریز جو مصعب ابن عمیر کے بھائی تھے وہ بھی قید ہو کر آئے تھے اور ایک انصاری صحابی کی حوالگی میں دیئے گئے تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح و شام کھانا لا کر سامنے رکھتے آپ بھی ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتے اور کھانے لگتے۔ مجھ کو ان کے اس مکارم اشفاق سے ایسی شرم آتی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا

تھا۔ وہ میری حالت دیکھ کر کہتے کہ میں نے تمہیں روٹی اس لیے دی ہے کہ تم لوگ خوش غلہ کے خوگر ہو۔ بخلاف تمہارے ہم کھجوروں کے عادی ہیں کیونکہ ہمارے علاقہ میں کھجوریں کثرت سے ہوتی ہیں میں انھیں خوشی سے کھا سکتا ہوں اور تم نہیں، میں تاہم اصرار کر کے روٹیاں انہی کے ہاتھ میں دیدیتا۔ لیکن وہ منت وسماجت کر کے پھر مجھی کو واپس کر دیتے۔ (بری ص 1338)

یہ تھی اسلام کی ہمدردی کی تعلیم عام اور معلم اسلام علیہ السلام کے احکام وتاکید کی تاثیر۔ اسیران بدر جب ملاحظہ کے لیے پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ تھے بھی تو جنگ و پیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہوکر پہننے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم ان کی برہنہ تنی کو کب گوارا کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انھیں کپڑے پہناؤ تب اپنے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی اتفاق سے حضرت عباس کا لباس بھی پارہ پارہ ہوگیا تھا اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر تیار ہوگئے لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اس قدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپ کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا۔ اتفاق سے عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباس کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آگیا۔

امام بخاری لکھتے ہیں عبداللہ بن ابی سلول کو اپنے کرتہ کا کفن جو عنایت فرمایا گیا تھا وہ اس کے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ (بخاری ص 442)

انہیں قیدیوں میں عرب کا شریں زبان اور سحر البیان شاعر سہیل ابن عمر بھی شامل تھا۔ یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی نئی تقریریں کیا کرتا تھا۔ جب یہ شخص سامنے لایا گیا تو حضرت عمرؓ کو طیش آگیا فوراً عرض کی کہ یارسول اللہؐ اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اکھڑوا لیے جائیں کہ اس کی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہوجائے۔ اس ارحم مجسم نے ارشاد فرمایا اے عمر اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑوں (مثلاً کرنا) تو یاد رکھو اگرچہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم لیکن خدائے منتقم اس کے بدلہ میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا۔ (طبری ص 1344)

انہیں سہیل ابن عمر کی نسبت تاریخوں نے یہ بھی لکھ کر بتلادیا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین سودہ کے عزیزوں میں تھے مدینہ میں جب آئے اور ان محترمہ کی نظران پر پڑی اور ان کو اس صورت سے دیکھا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہیں تو ایک شجاعانہ انداز میں بیساختہ کہہ اٹھیں کہ تم نے پاشکستہ عورتوں کی طرح بیڑیاں تو پہن لیں مگر تم سے یہ نہ ہوسکا کہ مردانہ وار تلوار لے کر میدان جنگ میں کٹ مرتے۔ (ابن ہشام جلد دوم ص 23)

تاریخ وسیر کا متفقہ بیان ہے کہ ان تمام انتظاموں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ رات (اٹھارہویں رمضان کی شب) وہیں جنگاہ بدر میں صرف کی۔ طبری کا بیان ہے کہ ان تمام امور انتظام سے فراغت فرما کر جب آپ فرش خواب پر آرام فرمانے گئے تو اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے کراہنے کی آواز سنی دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے بندھنے سے انھیں تکلیف ہے۔ آپ یہ سن کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے لیکن قلب مبارک بے چین رہا اور بے چینی سے نیند نہ آئی۔ صحابہ جو خدمت میں حاضر تھے آپ کو بے چین دیکھ کر بے چینی کا سبب پوچھنے لگے تو ارشاد ہوا کہ چچا کی کراہ سونے نہیں دیتی میں نہیں چاہتا کہ محض خصوصیت کی

بنا پر اصول عدالت اور معمول مساوات سے تجاوز کروں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص سے جس کی حراست میں وہ مقید ہیں۔ میری طرف سے کہہ دو رات بھر کے لیے ان کے ہاتھ کھول دے کہ وہ بھی آرام سے سو جائیں اور میں بھی صحابہ فوراً اٹھے اور اس مرد انصاری سے کہہ کر حضرت عباس کے ہاتھ کھلوا دیے۔ ہاتھ کھلتے ہی حضرت عباس نے بھی نیند سے آنکھیں بند کر لیں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سو گئے۔ (طبری 1341)

رزمگاہ بدر سے مراجعت اور مدینہ منورہ میں داخلہ

دوسرے دن رزمگاہ بدر سے کوچ ہوا۔ منزل روحا میں جو بدر سے واپسی میں آخر منزل اور مدینہ سے آنے میں اول منزل تھی پہنچ کر حضرت عبیداللہ بن الحرث بن عبدالمطلب نے انتقال فرمایا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس شہید راہ خدا کو وہیں مدفون فرمادیا گیا اور یہ بزرگ اس وقت تمام بنی ہاشم میں کبیر السن تھے اور شہادت کے وقت ان کا سن چونسٹھ برس کئی مہینہ کا بتلایا گیا ہے۔ (زرقانی)

ان کی آخری خدمات سے فارغ ہو کر لشکر اسلامی نے کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے زید بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں فتح اسلام کی اشاعت و اعلان کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا یہ عین اس وقت پہنچے جب حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان کی میت مدفون کی جارہی تھی اور تمام مسلمان یکجا موجود تھے۔

زید نے جب مژدہ فتح سنایا تو اسامہ خود ان کے بیٹے کا بیان ہے کہ کسی فرد واحد کو اسلام کی اس عظیم الشان فتح کا یقین نہ آیا۔ کیونکہ وہ لشکر اسلام کی قلت تعداد کی سامان محاربت اور بخلاف ان کے قریش کی کثرت فوج اور ساز و سامان کی افراد سے خوب واقف تھے اسامہ کہتے ہیں اور تو اور لوگ تھے مجھ کو خود اپنے باپ کے بیان پر اعتبار نہیں آیا تو میں نے پھر دوبارہ ان سے پوچھا کہ کیا آپ سچ بیان کرتے ہیں کہ ستر سرداران قریش مارے گئے اور تینتالیس اشراف کفار مقید ہو کر مدینہ آرہے ہیں اور کل صبح تک داخل شہر ہو جائیں گے۔ میرے باپ نے میرے اور تمام حاضرین کے منہ پر شرعی قسم کھائی۔ تاہم اکثر لوگوں کو احتمال باقی رہا اور وہ یہی کہتے چلے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ (روضۃ الاحباب محدث شیرازی، 23)

دوسرے دن مرکب رسالت کا شہر میں داخلہ تھا۔ ہر شخص نے فرد امسرت سے جاگ کر رات کاٹی۔ خدا کر کے صبح ہوئی۔ تمام اہل اسلام فریضہ سحری سے فارغ ہو کر درود پڑھتے ہوئے جناب رسول خداصلعم کے استقبال کے لیے بیرون شہر جمع ہوئے۔ بعض مشتاقین چاہ ابی عینہ تک ایک میل آگے بڑھ گئے۔ دن نکلتے نکلتے کوکبہ رسالت جنود اسلام کے ساتھ نمودار ہوا۔ جانبین سے نعرہائے تکبیر بلند ہوئے۔ جب لشکر اسلامی قریب آ گیا تو متقدمین فرداً فرداً قدم بوس رسالت ہوئے اور مجاہدین سے معانقہ و مصافے کے بعد آنحضرت صلعم کی رکاب میں داخل شہر ہوئے۔

یہاں بھی مسلمین مشتاقین کی وہی کثرت تھی ہر عقیدت مند شرف قدمبوسی سے شرف دارین حاصل کرتا جاتا تھا اور وہ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی قدر مراتب ہر شخص کے اظہار عقیدت کے جواب میں اپنی طرف سے ان کی تصدیق خلوص و عقیدت فرماتا جاتا تھا۔

تائیدِ غیبی کے چشم دید واقعات

اس اثنا میں دو چار صحابہؓ آپس میں مل کر وقوعات جنگ کا تفصیلی ذکر کرنے لگے ایک مجاہد اسلام نے اپنی سرگذشت بیان کر کے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں خود نہیں معلوم ہماری فتح کیوں کر ہوئی۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ فتح و کامیابی ہمارے زور و قوت یا سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ محض تائید غیبی تھی اور مشیت الٰہی کی تفویض تھی۔ ثبوت میں ہمارے مشاہدات عینی موجود ہیں اور وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں ہم اپنے مقابل پر جب حملہ آور ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ قبل اس کے کہ ہم اپنی تلوار سے اسے قتل کریں اس کو مقتول پاتے تھے اور اگر کوئی مقابل تاب مقابلہ نہ لا کر سامنے سے بھاگ جاتا تھا اور ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہوتا تھا تو ہمارے پہنچنے سے پہلے ہم اس کو زمین پر مردہ پاتے تھے حالانکہ نہ ہم مقابلہ والے معاملہ میں کسی مارنے والے کو دیکھتے تھے اور نہ تعاقب والے واقعہ میں دشمن کا کوئی قاتل ہمیں دکھلائی دیتا تھا۔ اسی طرح کفار کے قید کرتے وقت معاملات پیش آئے۔ جس مفرور کے پکڑنے کے لیے ہم دوڑتے تھے پہنچنے سے پہلے ہم اس کو وہاں دست و پا بستہ پاتے تھے اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے سے دونے اور سہ گونے پہلوانان قریش کو بلا تکلف مقید کر لیتے تھے جیسے کوئی ان کے قید کرنے میں ہماری معاونت اور مشارکت کر رہا ہے۔

ان لوگوں کے نقل و بیان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے تھے۔ آپ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے۔ وہ ملائکہ مقربین تھے جو تمہاری نصرت وحمایت کے لیے خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر نازل فرمائے گئے تھے۔

(طبری صفحہ 1335۔ ابن ہشام جلد دوم ص 23)

قرآن مجید ان مشاہدات کا اجمالاً خود ان الفاظ میں شاہد ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝۹

(انفال)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۱۲۳ (آل عمران)

جب تم اپنے خدا سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری سن لی (اور کہا) میں تمہاری مدد لگا تار ہزار فرشتوں سے کروں گا۔

یقیناً خدا نے بدر کے دن تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے تو خدا سے ڈرو تا کہ شکر گزار بن جاؤ۔

شبلی صاحب نے ان واقعات کو عمداً مرفوع القلم فرما دیا۔ کیوں یوروپین محققین کی تعریض کے خوف سے اور نیز اس خیال سے کہ ان واقعات کے لکھنے سے آپ کی تالیف فلسفہ تاریخی کے معیار سے نیچے اتر آئے گی۔

افسوس ایک اسلامی مؤلف عیسائی مؤلفین کی تعریض اور عیسائی تالیفات کی عدم تقلید کی دہشت سے کانپا جاتا ہے اور سلف صالحین کی تقلید و اتباع کا قلادہ اپنی گردن سے اتارے پھینکتا ہے اور اس بندۂ خدا کو ذرا خیال نہیں آتا کہ ان واقعات کے اسقاط و احذاف سے عیسائی مؤلفین اور ان کی تالیفات کی پوری تقلید تو ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تکذیب بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ نعوذ

باللہ

اور اگر یہ سب خاص نہیں ہے تو پھر باوجود اس کے کہ آپ کی تمام قدیم تاریخ، سیرت، حدیث، تفسیر کی کتابوں میں، یہ واقعات موجود ہیں اور آپ کا خدا بھی اپنے کلام پاک میں اس کی واقعیت اور حقیقت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ کا رسولؐ برحق بھی عین موقع پر ان واقعات و مشاہدات کے بیان کرنے والوں کی توثیق فرماتا ہے تو پھر آپ کے لیے ان واقعات کو بیان کرنے سے کون سی شے مانع آتی ہے؟ کیا آپ یا آپ کی طرف سے کوئی مرد مسلمان آپ کی اس فروگذاشت کے لیے کوئی وجہ معقول اور کوئی عذر قابل قبول پیش کرسکتا ہے۔

شبلی صاحب کی حیلۃ القلمی کی حقیقت کا ہم تمام ایسے مقامات پر پورا انکشاف کرتے جاتے ہیں اور یہاں بھی ہمیں وہی ضرورت لاحق ہے شبلی صاحب نے تو کمال احتیاط سے ان واقعات کو اصلی کتاب سے نکال پھینکا اور اشارتاً و کنایتاً بھی اس کا ذکر کہیں آنے نہ دیا اس لیے کہ روحانیات کے ذکر مذکور سے آپ کی فلسفانہ تالیف کی کسر شان ہوئی تھی۔ لیکن اسی روحانیت کی حقیقی قوت کا زبردست ہاتھ ایسا ہی قوی تھا کہ اس نے آپ ہی کے دست و قلم سے آپ کی اسی کتاب میں لکھوا ہی چھوڑا۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ 245 پر یہ سرخی قائم کی گئی ہے۔ غزوہ بدر کا بیان قرآن میں تمام آیات قرآنی جن میں بدر کے حالات مذکور ہیں لکھے گئے ہیں اور ان میں مرقومہ بالا دونوں آیتیں موجود ہیں۔ اس ترتیب سے کہ آیہ اول تو صفحہ 246 سطر 13 میں مرقوم ہے اور آیہ دوم صفحہ 2401 سطر 16 میں مسطور ہے۔

آپ قرآن مجید سے ان روحانی مفرت و حمایت کے شواہد تو نقل کرتے ہیں لیکن ان کو اپنے سلسلہ بیان میں لکھنا نہیں چاہتے گویا (نعوذ باللہ) ان کی اصلیت اور واقعیت آپ پر مشتبہ ہے۔ اس صورت حال کو مشاہدہ کرنے کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی سچے اور دیندار مسلمان مولف کی یہ شان تحریر ہے اور عنوان تالیف لاحول ولاقوۃ۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مقیدین قریش دو دو چار چار کرکے پہلے ہی مہاجر و انصار کی سپردگی و حراست میں دے دیئے گئے تھے۔ یہ صرف وقتی انتظام تھا۔ مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مقیدین کے خاطر خواہ انتظام کی طرف توجہ فرمائی گئی۔ ان سے صرف دو آدمی عقبہ بن معیط اور نضر بن الحارث داخلہ مدینہ سے پہلے ہی قتل کردیئے گئے تھے اور ان دونوں شریر نفسوں کی عملی سزا ان کی بداعمالیوں کی جزا کے مقابلہ میں کچھ نہیں تھیں ان کی مفسدہ انگیزیاں اتنی بڑھ گئیں تھیں کہ ان کی ناپاک آستیوں سے دنیا کو بہت جلد پاک و صاف کردینا ہی امن ملک اور امان قوم کے لیے مفید اور ضروری تھا۔

باقی اسیروں کے معاملہ میں صحابہ کا استمزاج لیا گیا۔ حضرت ابوبکر نے صلاح دی کہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا سب کے سب قتل کردیئے جائیں اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ عباس حمزہ اور عقیل کو علی اس طرح ایک عزیز اپنے دوسرے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے یہ ثابت کردے کہ حصول اسلام کے بعد کفار و مشرکین کے ساتھ پھر کوئی قرابت و خصوصیت کی رعایت قائم نہیں رہتی۔

حضرت عمر کی رائے استحصال کفر کی بنا پر چونکہ بہت شدید تھی اور اصول اخلاق و مروت سے بہت بعید اس سے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا گیا بلکہ بخلاف ان کے حضرت ابوبکرؓ کی صلاح کو پسند کرکے مقیدین کو فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جانے کا حکم دیدیا گیا۔

ملک وقوم کے قدیم دستور و آئین کے مطابق حکم پاتے ہی مقیدین اپنا فدیہ ادا کر کے بلا عذر و تامل رہا ہوتے گئے اور اپنے اپنے مقام و مسکن کو واپس ہوتے گئے۔ جن کے پاس رقم موجود نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے اعزہ سے رقم فدیہ طلب کیا اور ان کی آمد تک یہ لوگ ٹھہرے رہے۔ جو لوگ مقیدین میں بالکل نادار تھے اور کسی طریق سے رقم فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے لیکن پڑھنے لکھنے کی صنعت جانتے تھے ان لوگوں کے لیے یہ حکم خاص نافذ فرمایا گیا کہ یہ صحابہ کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے فن کتابت تعلیم کریں اور تعلیم کتابت پوری کر دینے کے بعد وہ رہا کر دیئے جائیں ان کی بھی خدمت ان کا فدیہ قرار دی جائے گی۔ اس تجویز سے بہت سے مہاجر و انصار نے تھوڑے دنوں میں ان لوگوں سے فن کتابت حاصل کر کے لکھنے پڑھنے میں پوری مہارت پیدا کر لی۔ زید بن ثابت وغیرہ انھیں لوگوں میں تھے۔

حضرت عباس کا قبول اسلام

انہیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ رؤسا بنی ہاشم میں جیسے خوشحال تھے وہ ہر شخص کو معلوم تھا ان سے فدیہ لینے کے لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ان سے بیکبار چار فدیے لیے جائیں ایک ان کا خاص، دوسرا ان کے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کا تیسرا ان کے دوسرے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا چوتھے ان کے حلیف عتبہ بن حجام کا۔ حضرت عباس اس حکم سے بے چین ہوئے اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا اس وقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انہیں کے ساتھ اسیر ہو کر آئے ہیں یہ سن کر حضرت عباس بولے میرے پاس اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیا تم اسے گوارا کرو گے کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگدستی کی موجودہ حالت میں ادائے فدیہ کے لیے دوسروں کے آگے دست سوال پھیلائے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ ولہ وسلم نے فرمایا۔ چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت اور کسی مقام میں نادار نہیں کیے جا سکتے۔ ابھی تو آپ کے پاس ایک رقم کثیر اس طلاء کی ہے جو مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کی تحویل میں یہ کہہ کر رکھوائی گئی تھی کہ اگر آپ لڑائی سے واپس نہ آئیں تو وہ ان کے اور ان کے چاروں بیٹوں میں تقسیم کر لی جائے گی۔

یہ سنتے ہی حضرت عباس کا چہرہ زرد ہو گیا اور اسی ہیبت وجلال کے خاص عالم میں کہنے لگے محمد (صلعم) خدا شاہد ہے کہ میرے اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں تھا یہ تمہیں کس نے خبر کر دی۔ یہ کہہ کر اسی جلال وسطوت روحانی کی عین حالت میں حضرت عباس بے اختیار پکار اٹھے اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا رسول اللہ ان کے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکبیر کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آوازوں سے سارا مدینہ گونج اٹھا۔

حضرت عباس کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباس نے ادائے فدیہ کے وقت چالیس اوقیہ (اوقیہ بمقدار ایک جو) طلا، جو مسلمانوں نے ان کی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا چاہا۔ مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا آپ نے حضرت عباس سے کہا کہ وہ رقم خدا کی طرف سے غنیمت میں

مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔نصاب وحساب فدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتی۔(طبری ص1345)

یہ ہیں رسالت کے عادلانہ اور غیر جانبدارانہ احکام جو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے اصول عدالت اور مساوات پر مبنی ہیں۔

ادائے فدیہ کا ایک دردانگیز واقعہ۔ابوالعاص کا اسلام

اس سے بڑھ کر فدیہ کا ایک اور دردانگیز واقعہ ہے او پر لکھا جا چکا گیا ہے کہ گرفتار شدگان میں ابوالعاص حضرت زینب کے شوہر بھی تھے۔جب ان کے جائزہ کی نوبت آئی تو ان کے پاس فدیہ دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔حضرت زینب مکہ میں تھیں۔آنحضرت صلعم نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ شوہر کے فدیہ کا انتظام کر کے بھیج دو کہ وہ رہا کر کے گھر واپس کر دیئے جائیں۔حضرت زینب کا بیاہ ہوا تھا تو حضرت خدیجہ نے ان کو ایک ہار جہیز میں دیا تھا۔غریب زینب نے وہی ہار بھیج دیا،جس وقت وہ ہار حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا آنحضرت صلعم نے فوراً پہچان لیا۔جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی صورت اور اس مجسم اخلاص و نیاز کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی اور اس محترمہ معظّمہ کو یاد کر کے بیساختہ چشم مبارک میں آنسو ڈبڈبا آئے۔اسی عالم خاص میں دردآمیز انداز سے صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا:اگر تم مناسب سمجھو تو بیٹی کو ماں کی دی ہوئی چیز واپس کر دو سب نے متفق اللفظ ہو کر عرض کی کہ ضرور واپس کر دی جائے اور ابوالعاص بھی رہا کر دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

الغرض ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیا۔اتفاق یہ کہ حمل سے تھیں ظالم قریش نے جانے میں مزاحمت کی راستہ میں سواری روک دی۔مبارزین بیسارایک ظالم نے ان کے محمل پر اس زور سے تیرہ مارا کہ ضرب کی دھمک سے ان کا حمل ساقط ہو گیا لیکن یہ غریب اسی حالت میں ظالمین سے جان بچا کر کسی نہ کسی طرح مدینہ میں پہنچ گئیں۔

ابوالعاص کاروباری آدمی تھے مکہ سے بغرض تجارت شام چلے گئے وہاں سے مال تجارت بیچ کر لوٹے تو راہ میں پھر مسلمانوں کے ایک دستہ نے گرفتار کر لیا اور ایک ایک کر کے ان کا سارا مال آپس میں تقسیم کر لیا۔ابوالعاص نے پھر مدینہ میں آ کر حضرت زینب کے پاس پناہ لی۔آنحضرت صلعم نے پھر صحابہ سے کہہ سن کر ان کا تمام مال واسباب انھیں واپس کرا دیا۔آنحضرت صلعم کے یہ متواتر اخلاق و اشفاق مراحمانہ ابوالعاص کے لیے تازیانہ ہو گئے۔

ابوالعاص مدینہ سے پھر مکہ میں آئے اور تجارت کے شرکاء کو حساب وکتاب سمجھا کر پھر مدینہ کو واپس ہوئے تو اب علی الاعلان قریش سے کہتے آئے میں اب کی بار مدینہ سے مکہ میں خاص کر اسی لیے آیا تھا کہ تمہارے حساب وکتاب تمہیں سمجھا دوں اور تمہارے مطالبات صاف کر دوں تاکہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہمارے روپیہ کے تقاضہ کے خوف سے ابوالعاص مدینہ میں جا کر مسلمان ہو گیا۔یہ کہہ کر مدینہ میں آئے اور حسب الاقرار مشرف باسلام ہو گئے۔طبری ص1348

جواز فدیہ کی معرکۃ الآرا بحث

حکیم فدیہ کے متعلق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے مشاورت اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی مخالفت

رائے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں علماء محدثین نے اوران کے دیکھا دیکھی مورخین اور سیرت کے مولفین نے بھی صرف شوریٰ کی اہمیت اور حضرت عمر کی اصابت رائے کی خصوصیت کے ثبوت وشہود قائم کیے جانے کی غرض خاص سے اس واقعہ کوخواہ مخواہ ایک معرکتہ الآرا مسئلہ بنا رکھا ہے اور چونکہ اس کے متعلق قرآن مجید میں دوآیتیں خطاب ہدایت انگیز کے انداز میں مرقوم ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام کواستحصال کفار کے مقابلہ میں جو عملی عقبی تھا حصول غنیمت اور وصل فدیہ کی طرف جس سے لوث دنیا طمع مال اغراض نفسانی مفہوم ہوتے ہیں۔ متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا پہلی آیت یہ ہے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

کسی نبیؐ کیلئے جائز نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کیے ہوئے لوگوں کو قیدی بنائے۔

دوسری آیت یہ ہے:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ (انفال)

اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ پس جو تم نے لوٹا ہے کھاؤ کہ تمہارے لیے حلال وطیب ہے۔

ان دونوں آیتوں کے آغاز مفہوم پرغور وتعمق سے نظر فرما کر اور آخر حکم جواز کے الفاظ ومعانی سے قطع نظر کر کے علماء ومحدثین نے عموماً اوران میں بھی صحاح کے حضرات مولفین نے خصوصاً اصول عقائد کی بنا پر امر شوریٰ کی عظمت اور صحابہ کی اصابت رائے کے اظہار واثبات کی غرض خاص سے بلا لحاظ وامتیاز شان رسالت اور اقتدار نبوت جیسے موضوعات میں دفتر کے دفتر سیاہ کیے ہیں وہ انہیں کی کتابوں میں دیکھنے کے قابل ہیں اور اپنے حد درجہ کی فکر وتامل، تخیل وتعقل اور ظن وقیاس مندرجہ بالا واقعات، شورے بالصحابہ اور اقوال وآرائے صحابہ (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) کو ان آیتوں کے الفاظ قرآنی سے تطبیق دی ہے۔ وہ حقیقت میں نگاہوں میں ایک مضحکہ انگیز سعی و کوشش سے زائد ثابت نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ ان موضوعات کی تفصیل ہمارے مقاصد تالیف سے بالکل علیحدہ ہے اس لیے اس کی تفصیل سے ہم یہاں بالکل مجبور ہیں لیکن چونکہ شبلی صاحب نے بھی تقلید اسلاف اور استحفاظ عقائد کے اصول پر اس مسئلہ کو اگرچہ بمقابلہ دیگر محدثین کے نہایت اعتدال واحتیاط سے لکھا ہے اس لیے ہمیں کسی قدر اس کے انکشاف کر دینے کی مجبوری ہوئی۔ ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت سیرۃ النبیؐ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد تنقیدانہ انکشاف حقیقت پیش کریں گے۔

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آ کر صحابہ سے مشورکیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز واقارب ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام

کے معاملہ میں دوست دشمن، عزیز و بیگانہ اور قریب و بعید کی تمیز نہ تھی اس لیے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور ہم میں ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیتہً اتری۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸ (انفال)

اگر فدیہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا۔

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور ہے اور احادیث میں بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے عرب کے عام دستور کے مطابق صحابہ غنیمت میں مصروف ہو گئے اسی پر عتاب آیا لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ

جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال وطیب ہے۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے ثابت ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں۔

جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب گریہ دریافت کیا آپ نے فرمایا:

ابکی الذی عرض علی اصحابك من اخذهم الفدآء

تمہارے بھائیوں نے جو فدیہ لے لیا اور اس پر جو خدا کی طرف سے پیش آیا اسی پر رو رہا ہوں۔

غلط فہمی سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ اسی پر عتاب آیا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ

کسی نبیؐ کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خون ریزی کے لوگوں کو قید کرائے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں، اس لیے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی قتل کیے جا سکتے ہیں۔ (سیرۃ النبی جلد اول از صفحہ 241-243)

شبلی صاحب نے اگر چہ بڑے حزم و احتیاط سے اس بحث کو لکھا ہے لیکن تقلید اسلاف حفظان عقائد اور حمایت صحاح سے مجبور تھے تمام اعتراضات مخالفانہ میں سے صرف ایک تعریض کا جواب جو زیادہ تر عیسائی معرضین سے متعلق ہے دے سکے اور وہ بھی اتنے طولانی استدلال کے بعد بھی بناء علی الاحتمال گیا اس لیے آپ کی اتنی خامہ فرمائی بالکل بیکار گئی۔

آپ کی اس تفصیل وتصریح سے نہ ان آیات کا اصلی مدعا نہ شان نزول ثابت ہوسکا، نہ عتاب خدا کی اصلی وجہ معلوم ہوسکی اور نہ یہ تحقیق ہوسکی کہ اگر یہ امر حقیقتاً عتاب تھا تو صرف عوام اہل اسلام جو جاہل مسئلہ تھے وہی تنہا مجرم وملزم تھے یا (نعوذ باللہ) رسول بھی۔ جو نزول آیہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ''روتا ہوا'' بیان کیے جاتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی ضرور داخل تھے۔ ورنہ اس گریہ بے سبب اور بیقراری وزاری بلاوجہ کیسی اور کس لیے؟

ہم سے سنیئے یہ تمام بیانات متعلق بگر یہ رسولؐ سراپا اتہام ہیں۔ پوچھیئے کیوں؟ اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اول تو اس آیہ وافی ہدایہ کو خواہ مخواہ خطاب عتاب سمجھنا ہی عقل کی خوبی ہے۔ آیہ اول میں صرف ہدایت کا خطاب ہے نہ عذاب ہے نہ عتاب ہے۔''

ارباب احادیث وتفاسیر یا اصحاب سیر وتاریخ تو ابھی اپنے اپنے مقام پر ہیں خود الفاظ قرآنی اس کے قطعی خطاب ہدایت ہونے کے شاہد ہیں اور لولا کتاب من اللہ کے الفاظ شرائط میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ فعل جو مجاہدین اسلام سے اس وقت عمل میں آیا ہے وہ پہلے ہی سے منجانب اللہ مقدر ہوچکا تھا۔ ہاں ایسی حالت میں کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ان کے لیے نہ مقدر ہوا ہوتا تو وہ البتہ سزاوار عتاب تھے۔ تواذا فات الشرط فات المشروط کے اصول عام کے موافق جب وہ شرط ہی باقی نہیں رہی تو مشروط بہ کا ذکر ہی کیا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ صورت حال تھی تو خدا نے اس کا کیوں ذکر کیا۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ خداوند کریم کو مال غنیمت کے متعلق دستور قدیم کی تنسیخ منظور تھی اور شریعت اسلام میں اموال غنیمت کی نسبت مدارج مستحقین اور نصاب تقسیم کے جداگانہ اصول وقواعد قائم کرنے تھے جن کی پوری تفصیل سورہ انفال میں جو بدر کے بعد ہی فوراً نازل ہوا موجود ہے۔ اس بنا پر رضائے الٰہی کا یہ مقصود کہ اہل اسلام تصرف اموال غنیمت میں نزول حکم الٰہی تک کا انتظار کرلیتے مگر وہ منشاء قدرت سے واقف نہیں تھے۔ اور نہ ان کو اس کی نسبت حکم امتناعی دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے دستور قدیم کے مطابق اس پر متصرف ہوگئے چنانچہ انکی اسی لاعلمی کی بنا پر ان کی اس فروگزاشتہ کی معافی بھی فرمادی گئی اور ان کے لیے اموال غنیمت کا تصرف بھی حلال وطیب فرمادیا گیا۔

چنانچہ امام ترمذی نے جو تصریح کی ہے اور شبلی صاحب نے نقل فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے ان سے مجھے صرف اتنا ہی اختلاف ہے کہ امام موصوف باوجود ان تصریحات معترفانہ کے بھی ابھی تک اس آیہ کو آیہ عتاب سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے الفاظ تصریحات سے اس کا صرف ارشاد ہدایت ہونا صاف صاف ثابت ہے۔

بہر حال الفاظ قرآنی اور امام ترمذی کی تصریحات (حدیث) دونوں سے ثابت ہوگیا کہ یہ آیہ وافی ہدایہ عام اس سے کہ عتاب کے معنوں میں شمار ہو یا صرف خطاب ہدایت سے تعبیر کیا جائے۔ اموال غنیمت کے تصرف میں بے احتیاطی اور عجلت کرنے کی وجہ سے

مسلمانوں کی صرف آ گاہی کے لیے نازل فرمایا گیا تھا۔

اس میں التصریح ترمذی صرف غنیمت کا ذکر ہے۔ فدیہ کا کہیں مذکور نہیں لیکن صحیح مسلم نے غنیمت کے ساتھ فدیہ لینے کو بھی باعث عتاب میں داخل کرلیا ہے اور سخت تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے محض تقلیداً اسلاف کی بنا پر ترمذی کے تصرف غنیمت اور مسلم کی وصولی فدیہ دونوں کو عتاب الٰہی کا باعث بتلایا ہے اور لکھا ہے "غرض ترمذی اور مسلم دونوں سے ثابت ہے صفحہ 242۔ حالانکہ ترمذی کے جو الفاظ نقل فرمائے گئے ان میں فدیہ کا ذکر نہیں ہے پھر آپ تصریح فدیہ کو ترمذی کی طرف منسوب کر کے مسلم و ترمذی کی متفقہ تحریر کیسے قرار دیتے ہیں۔ یہ مولف کے لیے کیسی شرمناک جسارت ہے۔

آپ مولفانہ تدوین کے کامل انداز میں صاف صاف لکھ دیتے جیسا اسی صفحہ 242 میں اوپر لکھ چکے تھے کہ امام ترمذی تصرف غنیمت کو آیہ عتاب کا باعث بتلاتے ہیں اور صحیح مسلم ایصال فدیہ کو یا غنیمت وفدیہ دونوں کو لیکن آپ کی تحریر نے دونوں محدثین مذکورین کی متفقہ رائے بتلائی ہے اور اس طرح اپنی تحریر کو خلط مبحث بنا دیا ہے جو الفاظ قرآنی کے بالکل معارض ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ بغیر حکم خدا اور رسول جس کے لیے صحاح کے دو محدثین (ترمذی و مسلم) بیان کر رہے ہیں کہ کوئی حکم ان امور کی تصریح کے لیے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ اسی ممانعت کی لاعلمی پر انہیں معافی کی بشارت دی گئی تو ایسی حالت میں اس وقت غنیمت کو فدیہ یا فدیہ کو غنیمت میں شمار کرنا محدثین کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جائے۔

ان طومار بیکار سے اصلی غرض تھی۔ شوریٰ کی اہمیت کی اور ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ بغیر حوالہ قرآن وحدیث کے اس کی بنیاد قائم ہو سکے۔ اس ضرورت سے ان دونوں آیتوں کو استنباط واستدلال کا ماخذ قرار دیا گیا۔ الفاظ میں تو تغیر ناممکن تھا۔ ہاں معانی میں البتہ سب کچھ ہو سکتا تھا۔ اس لئے معانی میں غنیمت کے ساتھ فدیہ کے معنی بھی پہنا دیے گئے۔ جس سے صرف یہ مقصود تھا کہ امر شوریٰ کی اہمیت اور صحابہ راشدین کی راؤں کی اصابت تو کسی طرح قائم ہو جائے۔

باقی رہی حدیث وہ گھر کی بات تھی۔ رواۃ کی کمی نہیں۔ محدثین کا قحط الرجال نہیں۔ جتنے منہ اتنی بات موید حدیث بھی تیار ہوگئی۔ پھر ایک نہیں متعدد، باعتبار تعداد کے اسی وقت یہ حدیثین متواترات کے درجہ تک بھی بڑھا دی گئیں (ملاحظہ ہو کتاب الفتن امام مدائنی، مکاتیب خوارزمی مطبوعہ مصر) انہیں موضوعات کا نمونہ صحیح مسلم کی روایت ہے جسے شبلی صاحب نے اپنا مختار بنا کر نقل فرمایا ہے کہ آیہ عتاب بھی اتروادی اور (نعوذ باللہ) رسولؐ کو رلوا بھی دیا اور اپنی اصابت رائے کے مشاہدے کی غرض خاص سے حضرت عمرؓ کو عین موقع پر پہنچا بھی دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ مہاجرین وانصار کے اتنے کثیر لوگوں میں سے کسی فرد واحد کو حضرت رسولؐ خدا کی نہ اشکباری کی خبر پہنچی اور نہ انکے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے گریہ وزاری کی اطلاع مگر صرف حضرت عمرؓ کو اطلاع بھی ہوگئی اور وہ عین وقت میں موقع پر پہنچ بھی گئے۔ گویا خدا نے انہیں بھیج کر دکھلا دیا اور خود مخبر صادق کی زبانی اقرار کروا دیا کہ تم اپنی رائے میں درست وصحیح تھے اور (نعوذ باللہ) ہم اور ہماری سب سے پہلی تصدیق کرنے والے صدیق اکبر بھی۔ غیر صحیح اور نادرست۔

افسوس ان موضوعات نے اقتدار رسالت ہی کو نہیں مٹایا بلکہ الفاظ ومعانی قرآن کو بھی بدل ڈالا آیہ مذکورہ بالا میں کسی لفظ سے

خاص ذات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ کوئی خطاب معلوم ہوتا ہے اور نہ اشارہ نہ تصریح ہے نہ تلمیح جو کچھ بھی ہے وہ مسلمانوں سے مال غنیمت کے حصول میں عجلت کرنے کی وجہ ہے اور یہی بالکل ظاہر ہے کہ نہ رسول اللہ حصول غنیمت میں شریک تھے اور نہ آپ نے اس کے لیے انہیں کوئی خاص حکم دیا تھا۔ پھر رسول اللہؐ کی یہ گریہ وزاری کیسی تھی اور اگر یہ امت کے ساتھ ہمدردی کا تقاضا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمرؓ سے یہ کہنا کہ تمہارے دوستوں نے جو فدیہ لیا۔ اسی پر عتاب اترا اور اسی پر رو رہا ہوں۔ عجیب مبہم ہے نعوذ باللہ۔ رسولؐ اتنا بیخبر ہے کہ نزول وحی کے صحیح اسباب بھی نہیں بتلا سکتا خدا صاف صاف **غنمتم** کے لفظ خاص میں صورت جرم بتلا رہا ہے اور معاذ اللہ رسولؐ اس کو اخذ فدیہ کا سبب بتلا رہا ہے۔

اچھا اگر یہی صحیح ہے تو صحابہ تو درکنار نعوذ باللہ خود ذات رسولؐ پر یہ اعتراض قائم ہو جاتا ہے کہ فدیہ لینے والوں کی (حضرت ابوبکرؓ) رائے اگر خطا پر تھی تو رسولؐ نے اس کو کیوں قبول کیا اور قبول کرنے کے بعد حکم عمل کیوں دیا؟ اس بات پر رائے دینے والے کا صرف ایک قصور اور (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کے دو قصور ظاہر ہوئے اس بنا پر اس خطاب عتاب میں عام امت کے ساتھ (نعوذ باللہ) رسولؐ بھی بدرجہ اولیٰ شامل ہے اس کو گریہ وزاری کی جگہ تو بہ و انابت کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آداب و شعار انبیائے مرسلین کے خلاف وہ توبہ و استغفار کی جگہ عام لوگوں کی طرح اضطرار کے عالم خاص میں صرف اشکبار ہو رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے استغفر اللہ ان لغویات کو حقیقت اور واقعیت سے کیا واسطہ یہ تو تمام تر اہمیت شورے اور اصابت رائے حضرت عمرؓ کے قائم کرنے کی ترکیبیں ایجاد کی گئیں تھیں۔ نہ قرآن سے ان موضوعات کی تطبیق ہوتی ہے اور نہ شعار و اوصاف رسالت سے ان کو کوئی واسطہ اور سروکار ہے۔

ان تمام خود غرضانہ اور ناعاقبت اندیشانہ خوش اعتقادیوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ امت اسلام میں تفریق ہوگئی۔ علمائے اسلام میں ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جو نبی کو مخطی اور رسول کو جائز الخطا یقین کرنے لگا اور عصمت انبیا سے قطعاً منکر ہو گیا۔ ان کے جواب میں ادھر بھی علما کے جوڑ تیار ہو گئے وہ ان مرویات ولغویات پر اتنا مصر ہو گئے کہ اسی آیہ کی شان نزول کی بنا پر وحی کو تمام تر حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اترنا ثابت کرنے لگے۔ رسالت تو رہی نہیں صحابیت ہی صحابیت کے خلاصہ پر اسلام کا دارومدار رہے گا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴿۱۵۶﴾

رئیس المتکلمین امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کو ان علماؤ حکمائے اسلام منکر عصمت انبیاء سے کلام و مناظرے میں جو جو دقتیں پیش آئیں وہ قدم قدم پر انچہ براست از ماست کی ناقابل عبور خلیج حائل کر دیتی تھیں جن حضرات نے ان کی تفسیر ان کی متعدد جلدوں میں ان مقامات کی سیر کی ہے وہ ان کی دشواریوں کو خوب سمجھتے ہوں گے۔ لیکن چونکہ منکرین کا استدلال محض قیاس پر مبنی تھا اور شہود و ثبوت بھی محض ظنی اور متوہمانہ تھے اس لیے اور رازی نے ان کے اقوال و استدلال کی معقول تردید فرمادی ہے۔ عجیب لطف یہ ہے کہ منکرین نے اسی آیہ غنیمت سے اپنی مخالفانہ بحث کی ابتدا کی ہے۔ ہم امام فخر الدین رازی کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

انه تعالیٰ امر النبی و جمیع قومه یوم بدر بقتل الکفار وهو قوله فاضر بوفوق لا عناق واضربوا منهم کل بنان مظاهر الا من للوجوب فلما لم یقتلوه بل اسروه

كان المعصية

والجواب

عن الرجه الذى ذكروه ثانيا ان نقول ان الظاهر من فولة تعالى فاضربوا فوق الاعناق ان هذا الخطاب انما كان مع الصحابه لا جماع المسلمين على انه ما كان مامور ان يباشر قتل الكفار بنفسه و اذا كان هذا الخطاب مختصا بالصحابه فهم لما تر كوا القتل واقدموا على الاسر كان الذنب صادراً عنهم لا عن الرسولﷺ و نقل ان الصحابه لما هزموا الكفار وقتلوا منهم جمعا عظيما والكفار فروا ذهب الصحابة خلفهم وتبا عدوا من الرسول واسروا اولئك الاقوام ولم يعلم الرسول باقدا مهم على الاسر فزال هذا لسوال فان قالوا هب ان الامكذلك كنهم لما حملوا الا سارى الى حضرت فلم يا مربقتلهم امتثالا لقوله فاضربوا فوق الاعناق قلنا ان قوله فاضربوا تكليف مختص بحال الحرب

(منکرین کہتے ہیں) کہ خدا نے رسولؐ اور تمام مسلمان کو بدر کے دن کفار کے قتل کا حکم دیا تھا اور الفاظ حکم یہ تھے کہ ان سب کی گردنیں بیکبار مار دو اور یہی حکم اس امر کے وجوب پر شاہد ہے کہ جب ان کو قتل نہیں کیا بلکہ قیدی بنا دیا۔ تو یہ فعل معصیت ہوا۔

جواب یہ ہے

خدا کے اس حکم آیہ فاضربوا۔ بالآخرہ کے ظاہری معنی سے جو مقصد اعتراض نکالا گیا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس آیہ کا اصل خطاب علی الخصوص صحابہ کی طرف ہے جو محطوی ہے تمام جماعت مسلمین پر جو بذات خاص قتل کفار کی خدمات پر ما مور تھے اور چونکہ یہ خطاب مختص صحابہ کی طرف تھا۔ جب انہوں نے قتل کفار چھوڑ دیا اور ان کی گرفتاری میں مصروف ہو گئے تو یہ گناہ ان سے صادر ہوا نہ رسولؐ سے اور جیسا کہ منقول ہوا ہے کہ کفار کو شکست ہوگئی اور ان کی ایک جماعت کثیر کو قتل بھی کر چکے تب صحابہ نے ان کفار کا تعاقب کیا جو گریز کرنے لگے اور اس تعاقب میں وہ رسولؐ (کے مقام) سے بہت دور جا پڑے اور ان لوگوں کو گرفتار

کر چکے اور رسول خداؐ کو ان کی اس گرفتاری کفار کا کوئی علم نہیں ہو سکا تو اس بنا پر (آنحضرت صلعم کی ذات سے) یہ اعتراض تو اسی مقام سے زائل ہو گیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ پھر جب وہ اسیروں کو گرفتار کر کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر لائے تو آپ نے اس وقت ان کے قتل کا کیوں حکم نہ دیا کہ فاضربوا فوق الاعناق کی حکم کی تعمیل ہو جاتی تو ہمارا جواب یہ ہے یہ آیہ اور اس کا حکم حالت مقابلہ و مقاتلہ ہی تک مخصوص رکھا گیا تھا۔

اب تو امام رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو گیا کہ بنیاد صحابیت رکھنے کی تمناوں میں اصل رسالت کی اساس بھی ہل گئی اور صحابہ تو ابھی پیچھے رہے پہلے رسول ہی معترضین کیے زور پر آ گیا۔ معترضین بھی کوئی مخالف قوم نہیں عیسائی نہیں یہود نہیں مسلمان ہی ہیں اور مسلمان بھی معمولی نہیں بڑے بڑے محدثین اور علمائے محققین۔ تو اس غلط کوشش نے کہ صحابہ کی عظمت ان کے مدارج سے زیادہ ان کے اقوال و آرائے کی اصابت تجویز رسول سے بڑھ کر دکھلائی جائے اور خواہ مخواہ موضوعات صحاح سے ثابت کی جائے۔ بالآخر وہ فساد برپا کیا کہ علمائے محدثین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور خواہ مخواہ رسول کی عصمت و تقدیس پر اعتراض ہونے لگے اور ایک فرقہ اسلامی میں رسولؐ جائز الخطا قرار دیا گیا۔

امام فخر الدینؒ رازی کی اسی عبارت سے یہ بھی صاف صاف ظاہر ہو گیا کہ اس عتاب کا خطاب مخصوص صحابہؓ سے ہے انہیں نے خلاف منشاء سے حکم اخذ کیا اور گناہگار ہوئے اور وہی اس عتاب کے مستحق و سزاوار تھے۔ اس عبارت سے صحابیت کی اصل مقدار کا اندازہ بخوبی ہو گیا جن کی اظہار عقیدت اور استقرار عظمت کے لیے یہ طومار تیار کیے گئے تھے۔

اب فدیہ کے متعلق بھی خطاب عقاب کی حقیقت امام رازی کے الفاظ میں ملاحظہ کر لی جائے، وہ یہ ہے:

الثلث ان النبی حکم باخذ الفدآء و کان اخذ الفدآء معصیة وبدل علیه وجهان الاول قوله تعالی تریدون غرض الدنیا والله یرید الاخرة و اجمع المفسرون علی ان المراد من عرض الدنیا ههنا هو اخذ الفدآء و الثانی قوله تعالی لولا کتب من الله سبق کمستکم فیما اخذ تم عذاب عظیم و اجمعن علی ان المراد بقوله اخدتم ذلك الفدآء

الجواب

عما ذکروہ ثالثا وهو قولهماة علیه السلام امر باخذ الفدآء و اخذ الفدآء محرم فقول لا نسلم ان باخذ الفدآء محرم و اما فوله یزیدون عرض الدنیا والله یرید

الاخرة هذا لابدل علی قولکم وبیانا من وجهین الاول ان المراد بهذاه الایة حصول العتاب علی الاسر بغرض اخذ الفدآء وذلك کایدل ان اخذا لفدیة محرم مطلقا الثانی انا بابکر قال الاے ان تاخذ الفدآء لیتفوق العسکریه علی الجها وذلك یدل علی انهم انما طلبوا ذلك الفدآء لتقوی به علی الذین وهذه الایة تدل علی ذم من طلب الفدآء لمحض غرض الدنیا ولا تعلق لا حد البا بین بالثانی وهذان الجوابان بنیهما هما الجواب ان من تمسکهم بقوله لولا کتاب من الله سبق کمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخذ فدیہ کا حکم دیا۔ حالانکہ فدیہ لینا معصیت تھا اس پر دو دلیلیں شاہد ہیں اول تو یہ قول خدا کہ تم حصول دنیا کا ارادہ کرتے تھے اور خدا حصول عقبی کا قصد رکھتا تھا۔ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ غرض دنیا سے مراد فدیہ لینا ہے۔ دوسرا قول الٰہی یہ ہے کہ اگر منجانب اللہ پہلے سے تمہارے لیے یہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو چیزیں تم نے لے لی ہیں ان کے لیے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے

معترضین کا یہ قول کہ آنحضرت صلعم نے فدیہ لینے کا حکم دیا اور فدیہ لینا حرام تھا۔ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ فدیہ لینا حرام تھا اور معترضین کی یہ دلیل کہ لوگ دنیا کی خواہش کرتے تھے اور خدا ان کے لیے ذخیرہ عقبی کا ارادہ کرتا تھا۔ معترضین کے دعوے سے مطابق نہیں ہوتا۔ مطابق نہ ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔ اول یہ ہے کہ اس آیۃ کے استدلال سے یہ غرض ہے کہ گرفتار کرنے والوں پر اخذ فدیہ کی وجہ سے عتاب خدا نازل ہونے والا تھا تو اس سے فدیہ لینا حرام کیسے ثابت ہوا۔ دوسری یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے میں پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس رقم فدیہ سے سامان لشکر درست کیے جائیں گے اور اس ذریعہ سے اسباب و ضروریات جہاد میں قوت پہنچائی جائے گی۔ یہ اس بات کی دلیل واضح ہے کہ یہ فدیہ لینا خاص دین میں قوت پہنچانے کی غرض سے تھا اور یہ (معترضین کی پیش کردہ) آیت تو ان لوگوں کی برائی ظاہر کرتی ہے جو لوگ امور دنیا کے لیے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ دونوں وجوہ کو جو (معترضین نے پیش

کیے دین کے لیے فدیہ لینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ہمارے بھی دونوں جواب ان کی (معترضین کی) پیش کردہ آیت لولا کتاب من اللہ کی غلط تطبیق کی تنقید وتردید کے لیے بھی کافی ہیں۔ تفسیر امام فخرالدین رازی جلد اول۔ جزو اول آیہ لولا کتاب الی آخرہ

امام فخرالدین رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے حسب ذیل تفصیل ذی امور معلوم ہوئے۔

(۱)۔ ان دونوں آیات میں خطاب اہل اسلام سے ہے اور بالخصوص ان لوگوں سے جنہوں نے بغرض دنیا مال غنیمت لوٹا اور فدیہ لیا۔

(۲)۔ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیہ کے خطاب سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

(۳)۔ فدیہ لینا کبھی حرام نہیں کیا گیا۔

(۴)۔ حرمت فدیہ کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں ہے۔

کیا ہماری اتنی طولانی بحث تنقیدی کے بعد اب بھی کسی محقق کو واقعہ فدیہ کی اصل حقیقت سمجھنے میں تامل باقی رہ جائے گا؟ اور کیا اب بھی کوئی شخص شبلی صاحب کی طرح حدیث مسلم یا دیگر محدثین کی مرویات پر اعتبار کر کے غنیمت وفدیہ جنگ بدر کو حرام اور حکم رسول خدا کو (نعوذ باللہ) خلاف حکم خدا اور باعث عتاب قرار دے گا؟

ان تمام واقعات اور ان دونوں آیات کے معانی ومطالب پر کامل غور وخوض کے بعد علمائے محققین اور محدثین مستندین نے جو حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے اور اسی کو اپنا نظریہ متفقہ ٹھہرایا ہے اسی کو ہم زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں:

روی الترمذی والنسآئی و ابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علی قال جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم بدر فقال خیر اصحابك فی الاسری ان شاء والقتل و ان شاء الفداء علی ان یقتل منهم عاما مقبلا مثلهم قالوا الفدآء و یقتل منا ص 533 ح اول

امام ترمذی، امام نسائی، ابن حبان اور امام حاکم سند صحیح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بدر کے دن حضرت جبرئیل نے آکر جناب رسول محمد صلعم سے کہا کہ آپ اپنے اصحاب کو اسیروں کے بارے میں مختار کر دیں چاہے وہ ان کو قتل کر دیں چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دیں لیکن اس طرز پر کہ جتنے قیدیوں کو وہ قتل کریں گے اسی تعداد میں وہ بھی سال آئندہ مارے جائیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے یہ اصحاب سے کہا تو انہوں نے فدیہ کو قبول کیا اور ہم میں اتنے (احد میں سال آئندہ) مارے گئے۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر صرف امام مسلم کی حدیث پر پڑی اور امام ترمذی اور امام نسائی اور امام حاکم اتنے محدثین میں

سے کسی کی مرویات پر نگاہ و توجہ نہ گئی اور نہ اس وقت جنگ بدر کے اصلی ہیرو اسد اللہ علی ابن ابی طالبؑ کے قول کو دیکھا گیا اور نہ اس پر اعتبار کیا گیا کہ زرقانی کی طرح آپ کو بھی حقیقت حاصل معلوم ہو جاتی۔

چاہے جتنی روایتیں بیان کی جائیں حقیقت اتنی ہی تھی جو ہم خود بیان کر چکے اور امام فخر الدین رازی کے مختار سے اس کی تصدیق و توثیق بھی کرا چکے اور وہ اس قدر ہے کہ مسلمانوں نے جنگ بدر کے حصول غنیمت میں عجلت اور بد احتیاطی ضرور کی۔ چونکہ شریعت اسلام میں بخلاف شرائع امم سابقہ نصاب غنیمت میں قدرت الٰہی کو ترمیم و اصلاح منظور تھی اور جو بالتفصیل سورہ انفال میں عنقریب نازل فرمائی گئی جس کے لیے مسلمانوں کو انتظار کرنا لازم تھا مگر وہ اس نظام مشیت سے ناواقف تھے اور ان کو پہلے سے اس کا حکم امتناعی بھی نہیں ملا تھا۔ صرف ہدایت آمیز الفاظ میں ان کے جرم کی صورت دکھلا دی گئی۔ پھر انہیں الفاظ چشم نمائی کے ساتھ ان کی لاعلمی کی بنا پر ان کو معافی کی بشارت بھی سنا دی گئی جیسا کہ الفاظ قرآنی سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب صرف واقعہ غنیمت سے متعلق تھا نہ فدیہ لینے کے مسئلہ سے۔ معاملات فدیہ کو اس آیہ کے اسباب نزول میں شامل کرنا صاف صاف معارض الفاظ و معانی قرآنی ہے اور مخالف اوصاف و شعار رسالت۔

تقسیم غنائم کے نصاب تفصیلی جو سورۂ انفال میں واقعہ بدر کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد نازل ہوئے اصلاً ان کی مبتداء وہی مرقومہ بالا آیہ قرآنی ہے جس کو خطاب ہدایت کے عوض فرمان عتاب بتلایا جاتا ہے اور آیات سورہ انفال اسی مبتدا کی خبریں سورہ انفال کی ان آیتوں کو غور سے پڑھا جائے اور ان کے مفہوم و معانی کو سمجھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تقسیم غنائم میں جو انصاف و مدارج شریعت اسلام میں فی الحال قائم فرمائے ہیں وہ مسلمانوں کے لیے ایسی لازوال اور ابدی نعمتیں ہیں جن کی مشت گزاری اور سپاس گزاری سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں گویا پورے سورۂ انفال کے اسباب نزول اور اس واقعہ (بدر) کے متعلق تمام آیات سورہ مذکورہ کی پوری تشریح ایک جداگانہ باب میں درج کی ہے اور جب غریب کو اپنے بیان کی تائید و تصدیق میں غالباً کسی رواۃ علمائے اسلام کے قول نہیں ملے تو مجبور ہو کر آئمہ اہلبیتؑ سے رجوع کیا اور حضرت امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل فرمائی۔

قال ابن اسحق حدثنی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم نصرت بالرعب و جعلت لی الارض مسجدا وطهورا و اعطیت جو امع الکلم واحلت لی العتائم و لم تحلل لنبی کان قبلی و اعطیت للشفاعة خمس لم یوتهن بنی قبلی ج2ص38

مجھ سے حضرت ابو جعفر محمد (باقر ابن علی بن الحسین نے فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنی سطوت خاص (نزول ملائکہ) سے میری مدد فرمائی اور میرے لیے تمام طبقہ زمین کو طاہر اور قابل عبادت قرار دیا اور مجھ کو ایسی کتاب جامع عنایت فرائی جو تمام کتابوں پر محیط ہے اور میری

امت کے لیے اموال غنیمت کو حلال فرمادیا اور اپنی عنایت خاص سے میرے قرابتداروں کے حقوق خمس
قائم فرمائے اور یہ وہ عطایا تھے جو میرے قبل کسی نبیؐ کو نہیں دیئے گئے تھے۔

اس حدیث کے جس فقرے میں حلیت غنیمت کا ذکر ہے وہ تو قطعاً اسی آیہ کریمہ **فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا** کے حکم سے مستنبط ہے اور وہ حکم اس حدیث میں عطائے الٰہی قرار دیا گیا ہے اور ابن ہشام نے اسی لیے اس کو حلت غنیمت اور عنایت الٰہی ہونے کے ثبوت میں بطور استدلال اپنا معیار تصدیق ٹھہرایا ہے تو پھر اس آیۃ کو حکم عتاب سے تعبیر کرنا عقل سے خلاف اور روایت و درایت دونوں کے مناقض ثابت ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غور کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اس حدیث میں بھی فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کیونکر ہوسکتا تھا کیونکہ جن الفاظ قرآنیہ سے یہ حدیث اصلا مستنبط ہے اس میں فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں پھر خواہ مخواہ حفظان عقائد، تقلید اسلاف اور مدعائے خاص کی بنا پر مسئلہ فدیہ کو بھی اس کے مفہوم میں داخل کر دینا مطالب و معانی قرآن میں صاف صاف تدلیس کرنا ہے حالانکہ اس کے بعد ہی والی آیت میں مدعائے ایصال فدیہ کی حقیقت اس کی علت اور اس کی مصلحت و مناسبت کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب اس آیہ حلیت فدیہ کو ان آیات قرآنی کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں جن کے نزول کو آپ نے موقع بدر میں بتلایا ہے ملاحظہ ہو سیرۃ النبی 249 صفحہ لیکن بحث فدیہ کے موقع پر اس پر دوبارہ نظر نہیں فرمائی جاتی۔ ہم سیرۃ النبی ہی سے اس آیت کو معہ ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (انفال)

اے پیغمبر تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھے گا تو
جو تم سے لیا گیا ہے اس کے بدلے وہ نیکی عطا کرے گا اور تمہیں معاف کر دے گا وہ بخشش والا مہربان ہے
اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں اسی لیے
تو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے خدا دانا اور باخبر ہے۔

اس آیہ وافی ہدایہ میں الفاظ **مما اخذ منکم** صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ان میں فدیہ اور غنیمت دونوں چیزیں شامل ہیں بخلاف آیہ سابقہ کے جس میں **غنمتم** کے لفظ سے صرف غنیمت کی تخصیص مذکور ہے۔ اب معاملات فدیہ کے متعلق عتاب خداوندی کی جیسی جیسی مہیب صورتیں خوش عقیدہ محدثین نے اپنی مصنوعی قلمکاریوں سے تیار کی ہیں وہ ان الفاظ الٰہیہ کے انداز خطاب سے مقابل کی جائیں تو ہر تحقیق کنندہ کو پورے طور سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کے مطالب و مقاصد کو ان احادیث موضوعہ کے مقاصد سے کوئی

مناسبت ہی نہیں ہے۔

خداوند عالم فدیہ لینے کی مصلحت کو خود فدیہ دینے والوں کے لیے مفید ہونے کا صاف صاف اظہار فرما رہا ہے کہ جو تم لوگوں سے اب تک لیا گیا ہے عام اس سے کہ غنیمت ہو یا فدیہ اس کے بدلہ میں وہ تم کو اپنی نیکیاں عطا فرمائے گا جو تمہارے ان اشیا سے کہیں زیادہ گراں قدر ہوں گی۔ لیکن اس شرط پر کہ اگر تم اب اس وقت سے خدا کے ساتھ اپنے معاملات خوش نیتی کے ساتھ قائم رکھو گے۔

یہ تو خوش نیتی قائم رکھنے کی حالت میں عطائے رحمت ونعمت کی شرط کی گئی لیکن خیانت و بد دیانتی کی حالت میں بھی ان کے ساتھ جو ہونے والا ہوگا اسی وقت یوں بتلا دیا گیا ہے کہ اے پیغمبرؐ ان کی خیانت اور بد نیتی کی حالت میں بھی تم ذرا بیدل نہ ہو۔ یہ تمہارے ساتھ کیا خدا کے ساتھ بھی پہلے ہی خیانت کر چکے ہیں۔ اسی لیے تو تمہارے قابو میں دے دیئے گئے ہیں۔

اس آیہ وافی ہدایہ کے الفاظ خطاب سے جو غنیمت فدیہ دونوں معاملات کے صدور حکم پر مشتمل ہے عتاب وعذاب کے کہاں معنی پیدا ہوئے تو پھر ایصال فدیہ کے متعلق خوف، اضطراب، یہاں تک کہ گریہ وزاری رسول اللہ صلعم اور اشکباری حضرت صدیق اکبر کی تفصیل وتصریح میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے اور سلف سے خلف تک برابر نقل ہوتے آئے۔ جو زیر بحث ہیں لیکن جب ان طومار پر حقیقت کی نظر ڈالی گئی تو اصلیت کچھ بھی نہ معلوم ہوئی۔ صرف اہمیت شوریٰ، اصابت رائے صحابہ کے اظہار کی غرض خاص سے جن پر خلافت کی بنیاد قائم کی گئی ہے اس آیہ کے خطابات ہدایات وچشم نمائی کو عذاب وعقوبت کے معنوں میں ان کے اسباب نزول کے متعلق طرح طرح کی مرویات موضوعہ بنا بنا کر تغیر وتبدل کیا گیا ہے۔ حالانکہ اہمیت شورے یا اصابت رائے صحابہ نہ جزو اسلام میں داخل ہیں اور نہ نصوص قرآن میں داخل۔

اصابت رائے صحابہ کی جگہ تو قرآن مجید میں متعدد اور متواتر مقامات پر اس کی نقیض اور مخالف تصریحات موجود ہیں جن کا بیان کرنا ہمارے موجودہ موضوع کتاب سے بالکل علیحدہ ہے لیکن اور نہیں تو اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ آپ اسی بحث میں ابھی ابھی امام فخر الدین رازی کا قول پڑھ چکے ہیں جو صاف صاف لفظوں میں ان آیات کے خطاب اور غرض دنیا سے غنیمت وفدیہ لینے کے حرکات کو مخصوص صحابہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی واقعہ بدر میں طبری حضرت عبدالرحمن بن عوف (عشرہ مبشرہ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ اسی 80 زرہیں اکیلے یہ لوٹ چکے تھے کہ امیہ بن خلف راس الکفر پر نظر پڑی اور فوراً زرہوں سمیت مسلمانوں سے اس کافر کے بچانے کو تیار ہو گئے اور اسے لے کر پہاڑ پر چلے گئے۔ مسلمانوں نے دیکھ لیا موقع پر پہنچ گئے انہوں نے لاکھ چاہا کہ وہ کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ جائے مگر مسلمانوں نے اسے مار ہی ڈالا۔ جس پر یہ ہمیشہ کہتے رہے کہ خدا بلال پر رحم کرے جن کی وجہ سے امیہ بھی گیا اور زرہیں بھی گئیں طبری ص 1324 ہم عرض کریں گے کہ مسلمانوں کے خلاف کافر کی امداد کرنے کا یہ نتیجہ ہے۔

شبلی صاحب کی غایت خوش عقیدگی نے عبدالرحمن بن عوف کی اس قابل اعتراض حرکت کو ایفائے وعدہ کے اخلاقی اصول پر اس وجہ سے قابل ستائش بتلایا ہے کہ مکہ میں امیہ اوران سے وعدہ ہو چکا تھا کہ امیہ کو مدینہ میں آ کر اگر کوئی مصیبت سے سامنا ہوگا تو یہ مدد کریں گے۔ یہ اسی کی تعمیل تھی لیکن تعجب ہے کہ حضرت عبدالرحمن کو صحابہ رسولؐ ہو کر اور شبلی صاحب کو شمس العلما ہو کر یہ یاد نہ آیا کہ اس

وقت عبدالرحمن کو اس کافر کے ساتھ والا وعدہ تو یاد رہا اور قابل تعمیل سمجھا گیا لیکن جہاد فی البدر میں جو خدا اور رسولؐ سے عہد و پیمان کیا گیا ہے وہ اور اس کی تعمیل کچھ بھی یاد نہ رہی۔ آپ کافر کے مارنے پر خدا اور رسولؐ سے عہد و پیمان کر کے میدان جنگ میں تشریف لائے ہیں اور جب وہ سامنے آتا ہے تو نہ خود اس کو مارتے ہیں اور نہ دوسرے مسلمانوں کو مارنے دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں سے چھپائے چھپائے پھرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کافر کو نہ مارنے پائیں۔ یہی خدا و رسول کے ساتھ آپ کی وعدہ وفائی ہے اور یہی آپ کے اقرار انا سلم لمن سالك و حارب لمن حاربك یارسول اللہ جس سے آپ صلح کریں گے ہم بھی کریں گے جس سے آپ لڑیں گے ہم بھی لڑیں گے۔ صحابہ میں ہم نے صرف ایک عبدالرحمن ابن عوف کی جو اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ کی اصابت رائے کی مثال نمونہ کے طور پر دکھلا دی ہے۔ اسی سے صحابیت اور صحابہ کی اصابت رائے کی مقدار حقیقت کا اندازہ کر لیا جائے۔

صحابہ کی اصابت رائے کی مثال حقیقت ہو چکی۔ اب رہی شوریٰ کی اہمیت تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شوریٰ اور اس کے جواز کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے لیکن وہ صرف تجویز و تدبیر انسانی کی حدود تک محدود ہے اور استمزاج و استظہار رائے و خیالات باہمہ کے مفہوم تک مقصود ہے۔ مقدارات ربانی اپنے نامحدود اور لا انتہا منشاء و اجراء تک بالکل مختار، آزاد اور قادر مطلق ہے۔ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کے سامنے مشورے کی بساط ''آیا س قدر خود بشاس'' سے آگے نہیں بڑھتی لوگ اپنی ضرورت اور خوش عقیدگی سے اس کو جتنا بڑھا لیں اسی مقدار حقیقت کی بنا پر علمائے متکلمین اور حکمائے محدثین نے شوریٰ کی مقدار اہمیت جتنی قائم کی ہے اور اس کی اصلیت جتنی بتلائی ہے وہ ان کے مفصلہ ذیل اقوال و مختار سے بالتفصیل ثابت ہے امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں:

قال قتادہ و مقاتل کانہ سادات العرب اذا لم یشاور وا فی الامر شق علیھم فامر اللہ تعالیٰ نبیہ علیہ الصلوۃ والسلام ان تشاور ھم فان ذلك اعطف لھم و اذھب لاضعا نھم و اطیب لنفوسھم

قتادہ اور مقاتل کہتے ہیں کہ سادات عرب کی یہ خاص عادت تھی کہ اگر کسی امر میں ان سے مشاورت نہیں لے جاتی تھی تو ان پر بہت گراں گزرتا تھا اس بنا پر خدا تعالی نے اپنے پیغمبر صلعم کو ان سے مشورہ کرنے کی اجازت دے دی اور خدا نے اس حکم سے خاص کر ان پر توجہ کی کہ اسلام کی طرف سے ان کے شکوک رفع ہو جائیں اور ان کے قلوب پاک و صاف ہو جائیں۔

یہاں تک تو حکم شوریٰ کی توجیہہ و ضرورت معلوم ہوئی۔ آگے مقدار اہمیت ملاحظہ ہو امام قسطلانی اپنی تحریر کے سلسلہ بالا میں لکھتے ہیں:

اخرج ابن عدی و انب بھقی فی شعب الایمان عن ابی عباس قال لما نزلت و شاور ھم فی الا مور قال رسول اللہ صلعم انا ان اللہ غینیان عنھا و لکن جعلھا اللہ

رحمة لامتي و عند الترمذی الحکم من حديث عائشه رفعة قال رسول الله صلعم ان الله امرنی بمداراة الناس کما باقامة الفرائض

ابن عدی اور ابن بیہقی متفقاً عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت شوریٰ نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلعم نے علانیہ فرمادیا کہ خدا اور اس کا رسول دنوں تمہارے مشوریٰ سے بالکل مستغنی ہیں (یعنی دونوں کو اس کی مطلق احتیاج نہیں) لیکن خدا نے اس حکم میں میری امت کے ساتھ ایک خاص رحمت رکھی ہے اور حکیم ترمذی نے حضرت عائشہ سے یہ قول مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے (امر شوریٰ سے) مجھ کو حکم دیگر صرف مدارت اور رعایات امت مقصود ہے۔ جس طرح کہ امت کے لیے فرائض میں بھی رعایت کرنے کا مجھے حکم ملا ہے۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

عن الحسن قد علم الله انه مابه اليهم

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ خوب واقف تھا کہ اس کو ان کے (صحابہ) کی مشاورت کی ضرورت نہیں لیکن اس کے حکم سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ کے بعد شوریٰ سنت قرار پاجائے (کیونکہ ذریعہ اطلاعات وحی منقطع ہوجائیں گے)۔

شوریٰ کی مقدار و حیثیت صرف اتنی ہے جو مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوئی۔ لیکن اس بیمقداری اور لاوجودی سے موضوعات ومصنوعات کے جتنے وافر تیار کیے گئے اور اہمیت شوریٰ اور اصابت رائے صحابہ کی بنا پر جیسے جیسے استدلال قائم کیے گئے ان سے آخر میں نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا اور اس کی تدبیر قدرت بیکار، رسولؐ اور اس کی تجویز رسالت معطل، کسی قسم کا نظام ہو دینی ہو یا دنیوی، بغیر مشورہ صحابہ ہو ہی نہیں سکتا گویا صحابہ کی مشاورت تدبیر قدرت اور تجویز رسالت دونوں پر حاوی ہے اور (نعوذ باللہ) خدا اور رسول دونوں اس کے متبع ہیں پھر دنیا کو ایسے دست بستہ خدا اور رسولؐ اور ایسے پاشکستہ مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بدر میں کفار کی شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح کے وجوہ واسباب

اسباب ظاہر کے تلاش کرنے والوں اور اصول معمول پر ہمیشہ نظر رکھنے والوں کی نگاہوں میں جنگ بدر کے موقع پر کفار قریش کی کامل شکست اور مسلمانوں کی نمایاں فتح بہت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی قلت تعداد، بے سروسامانی اور ناداری بطور ظاہر کبھی ان کی فتحیابی کی امید نہیں دلاتی تھی۔ بخلاف انکے قریش کی کثرت جمعیت سامان جنگ کی افراط ان کی خوشحالی اور دولتمندی، ان کی کامیابی وامید افزا قرائن تھے مگر نتیجہ برعکس ہوا پھر اظہر میں حضرات کو خلاف امید نتیجہ کے مشاہدے سے تعجب کیوں نہ ہو؟ لیکن عرض یہ ہے کہ ان حضرات کو تعجب کے ساتھ دریافت حقیقت کے لیے کچھ غور بھی کر لینا چاہیے اور فکر تعقل بھی۔ تھوڑے سے غور کے بعد ان کو اس کے حقیقی سبب کا پتا آپ لگ جائے گا۔

قریش کی شکست کا پہلا اور نمایاں سبب تو یہ تھا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے مسئلہ میں ان میں ابتدا ہی سے اختلاف تھا

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قافلہ ابوسفیان پر مسلمانوں کے متعلق لوٹ کا طوفان پھر خضرمی کے قصاص کا اشتعال دونوں ابوجہل کی چالیں تھیں جنہوں نے قریب قریب تمام عرب کے قوم وقبائل کو اسلام کے خلاف برانگیختہ کر دیا لیکن چونکہ ان دونوں مغویانہ ترکیبوں میں حقیقت کا نام تک نہ تھا اور جھوٹی پر جوشی کے عالم خاص کا یہ مقتضی ثابت ہوتا ہے کہ عین وقت پر اس کی اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں ہوتی۔ ہاں تھوڑے دنوں کے بعد البتہ اس کے حسن وقبح کے انداز معلوم ہونے لگتے ہیں۔

اس بنا پر ابوجہل کی ترکیبوں کا پردہ بھی چند دنوں میں فاش ہوگیا۔ پہلی تو مخالفت اسلام پر سب لوگ آمادہ ہوگئے مگر آگے چل کر جوں جوں حقیقت حال کا انکشاف ہوتا گیا ان کے دل ہٹتے گئے اور طبیعتیں رکتی گئیں۔ ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت یا خضرمی کے قصاص کے خیال سے جو کچھ بھی ابوجہل اتنا بڑا لشکر تیار کر کے مکہ سے مدینہ کی طرف چلا اور جحفہ تک پہنچ گیا چونکہ یہاں تک حقیقت حال کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی اس لیے باہم اتفاق واتحاد قائم تھا۔

یہاں (جحفہ) پہنچ کر جیسا کہ ابن ہشام اور طبری کی روایتیں بتلا رہی ہیں قریش میں اتفاق ویکجہتی جاتی رہی تھی اور نفاق و بیدلی پھیل گئی تھی اس لیے کہ ابوسفیان مسلمانوں کے خوف سے ایک غیر متعارف راہ سے مکہ میں مع اپنے قافلہ کے پہنچ گیا اور ابوجہل کی فوج کشی کی خبر سن کر اس نے مکہ سے آدمی دوڑایا اور کہلا بھیجا کہ واپس چلے آؤ۔ اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہی چنانچہ طبری میں لکھا ہے۔

ولما رای ابو سفیان انه قد احذر شیرہ ارسل الی قریش أنکم خرجتم لتمنعوا غیرکم و رجال لکم و اموالکم فقد نجاھا الله فارجعوا فقال ابوجھل و الله لا ترجع نردبدر ص 1307

جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو بچالایا تو اس نے قریش کے پاس (لشکر ابوجہل) کھلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ بخیر و عافیت پہنچ گیا اور خدا نے تمہارے قافلہ کو تمہارے لوگوں کو اور تمہارے مال ومتاع کو بچالیا ہے اس لیے تم واپس آؤ۔ ابوجہل نے یہ پیغام سن کر کہا ہم تو بغیر مقام بدر تک پہنچے ہوئے نہیں لوٹیں گے۔

ابوجہل اور ابوسفیان دو سرداران کفار کا باہمی اختلاف رائے تو یہیں سے ظاہر ہوگیا۔ ایک کہتا ہے فوج کو واپس لاؤ حریف سے جنگ ومقابلہ کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرے کو اصرار ہے کہ بغیر غنیم تک پہنچے ہوئے ہم لوٹنے کے نہیں۔ دو نمودار سرداروں کے اس اختلاف کا فوج اور دیگر قوم وقبائل شریکان لشکر پر کیا اثر پڑا اس کی حقیقت بھی طبری کے مرقومہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

فقال الا اخنس بن خریق الثقفی و کان حلیفا لبنی زھرہ

اس پیام وجواب کو سن کر اخنس بن خریق ثقفی جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور اس وقت منزل جحفہ میں تھے کہنے لگا اے بنو زہرہ خدا نے تمہارے مالوں اور لوگوں کو یعنی مخزومہ بن نوافل کو بچالیا اور یہ ظاہر ہے کہ تم انہیں لوگوں کی حفاظت کو نکلے تھے تمہارا مقصود مل گیا بس اب یہیں سے لوٹ چلو کیونکہ اب ہمیں مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یعنی ابوجہل کی باتوں میں نہ پڑو چنانچہ تمام بنو

زہرہ اخنس کے ساتھ یہیں سے واپس ہو گئے۔ طبری اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ ان دونوں قبائل بنو زہرہ اور ان کے حلیف بنی ثقیف میں سے کوئی فرد واحد بھی جنگ بدر میں شریک نہ ہوا۔ ص 1307

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ اختلاف حکیم بن حزام کے مصلحت والے واقعہ کے بعد عین میدان بدر میں واقع ہوا خیر کہیں بھی ہوا اس کے تصفیہ کا یہ مقام نہیں۔ غرض اتنی ہے کہ ابتدا ہی سے ان میں مسئلہ جنگ پر اتفاق قائم نہیں رہا تھا اور اسی کی بنا پر دو برابر کے قبیلے ٹوٹ کر فوج قریش سے علیحدہ ہو گئے۔

قریش کی یہ نا اتفاقی برابر آغاز جنگ تک قائم رہی بلکہ مقابلہ کے عین وقت تک اس کی بھی یہی صورت تھی اس کی حقیقت تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش میں عین مقابلہ کے وقت تک مسئلہ جنگ پر اتفاق نہیں تھا اور سوائے ابوجہل اور اس کے ہم خیال لوگوں کے دیگر قبائل قریش کو جنگ وقتال پر اصرار نہیں تھا بلکہ یہ لوگ معاملات کو صلح وتصفیہ پر تمام کرنا چاہتے تھے۔

بنی ہاشم کی مخالفت بالرائے کو قریش کی نا اتفاقی کے ثبوت میں اس وقت پیش کرنا میرے لیے استدلال کا قوی طریقہ نہیں ہے اس لیے کہ اسلام کی طرف ان کا میلان فطرتی تھا لیکن تاہم اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ دو چار بنی ہاشم جبر وکراہت یا مجبوری کی وجہ سے جتنے بھی اور جیسے بھی مشرکین کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب جنگ پر ذرا بھی آمادہ نہیں تھے۔

جب ایک امر عظیم کی تنظیم میں اتنے مخالف اجزا و عناصر موجود تھے تو اس کی کامیابی کی ترکیب وترتیب کیسے درست ہو سکتی تھی۔

شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ قریش نے صرف اپنی کثرت جمعیت کی ظاہری قوت پر پورا اعتبار کر لیا اور ترتیب وتنظیم فوج کی اندرونی تدبیروں سے نا عاقب اندیشانہ طریقہ پر غافل رہے۔ فوج کی صف بندی مورچوں کی درستی سوار و پیادوں کی ترتیب اور مقابلہ کرنے کے قواعد وآداب کی تعلیم وہدایت پر کوئی توجہ نہیں کی۔ یہ ان کا مغرورانہ شان کا تغافل تھا۔ جس کی صورت یہ دیکھنے میں آئی کہ ابوجہل کی ماتحتی قریشوں کی فوج کوئی باقاعدہ فوج تو نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ بقول اس کے بدر کے سالانہ میلہ کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔

بخلاف ان کے مسلمانوں کی طرف اگرچہ تعداد بالکل قلیل تھی مگر سب کے سب شروع سے آخر تک ایک امر ایک مدعا اور ایک غرض خاص پر مستعد اور آمادہ تھے اور ایک شخص واحد کے حکم واشارے پر جان نثاری کے لیے سر بکف استادہ تھے ان کی صفیں درست، حفاظت فوج کے مورچے مرتب اور مقابلہ کرنے والے ہمیشہ تیار تھے۔ ان میں سے ہر ایک آغاز محاربت سے لے کر اپنے وقوع شہادت تک بالکل خاموشی سے کام لیتا تھا اور اگر مقابل کو مار بھی لیتا تھا تاہم خاموشی یا پرجوشی کی وجہ سے نہ چلا اٹھتا تھا نہ کسی قسم کا شور وغمل کرتا تھا۔ کامل صبر وخاموشی سے مارتا تھا یا مر جاتا تھا۔ اس کامل انتظام کے سامنے وہ لوگ جو شمار وتعداد میں عام اس سے کہ مقابل سے کہیں زیادہ ہوں جنگ وجدال میں اپنی بدنظمیوں اور بے ترتیبیوں کے ساتھ اپنی کامیابی کی کیا امید کر سکتے تھے۔

قریش کا مغرورانہ تغافل اتنا بڑھا کہ میدان جنگ میں جائے مقابلہ کی مناسبت بھی پہلے سے کچھ خیال نہیں کیا گیا کثرت سے

پانی برس جانے کے باعث جس مقام پر پریش کو اپنا لشکر مقابلہ کے لیے لا کر کھڑا کرنا ہوا۔ وہ بالکل دلدل ہوگئی تھی اور کیچڑ سے بھر گئی تھی اور کسی طرح مقابلہ و مقاتلہ کے قابل نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ وہ اطمینان سے جارحانہ طریقہ پر مقابلہ کر سکے اور نہ مدافعانہ انداز سے۔

عین مقابلہ کے وقت جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ سے مروی ہے زور سے ہوا چلنے لگی جس کا رخ شامت کا تازیانہ بن کر بالکل قریش ہی کے لشکر کی طرف تھا (روضۃ الاحباب محدث شیرازی) ہوا کے جھونکوں نے قریش کے اور بھی ہوش وحواس اڑا دیئے اور وہ عاجز آ کر مقابلہ کا دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔

ان تمام موجودہ مخالف اسباب کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بیکبار اور بالکل خلاف قیاس وامید قتل کیے جانے سے تمام لشکر میں ایک غیر متحمل اضطرار وانتشار اس شدت کے ساتھ پھیل گیا کہ پھر آخر وقت تک نہ رفع ہو سکا کوئی سالار وسردار لشکر ایسا مطمئن الحواس نہیں تھا جو فوج کو اس انتشار کے عالم میں تسلی وتشفی دے کر پھر مطمئن اور تازہ دم کر لیتا۔ یہ اضطراب وانتشار بڑھتا ہی چلا گیا اور پھر ابوالبختری امیہ بن خلف اور ابوجہل کے آئندہ قتل کیے جانے سے اتنا بڑھا کہ آخر کار شکست کامل کی صورت میں نمایاں ہو کر ختم ہوگیا۔

یہ تو مسلمانوں کی فتح وفیروزی کے ظاہری اسباب تھے جن کو دیکھ کر ہر شخص آسانی سے فتح اسلامی کے اسباب کو سمجھ لے گا لیکن ہر امر پر حقیقت کی نظر ڈالنے والے ان اسباب فتح فیروزی ہندی کے فراہمی اور تجمیع کے ذرائع اور وسائل کی تلاش کرے گا اور مسلمانوں کی موجودہ قلت، ناداری اور بے سروسامانی کو پیش نظر رکھ کر جب طرفین کے معاملات میں موازنہ قائم کرے گا تو باوجود ان تمام ظاہری اسباب وعلل کے بھی اسلامی فتح کی نسبت کہہ دے گا کہ بدر میں مسلمانوں کی کامرانی محض تائید ربانی کا کام تھا اور اسی کے اس بیان کے ساتھ قرآن بھی ہمزبان ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۲۳ (ال عمران)

خدا نے ایسے وقت پر بدر میں تمہاری مدد کی کہ تم کمزور ہو رہے تھے۔ خدا سے تقویٰ اختیار کرو کہ تم شکر گزار (بندے) بن جاؤ۔

فتح بدر کے خوشگوار نتائج

جنگ بدر کی فتح اسلام کے ارتقاء ووسعت کا سنگ بنیاد تھا اس عظیم الشان فتح نے مدینہ سے لے کر مکہ تک عرب کے ان تمام قبائل واقوام کے دلوں میں جو چودہ پندرہ برس سے اسلام کے وجود کو محض لا وجود سمجھتے تھے اور اس کی ہستی کو مٹا دینا ہر وقت اپنے آگے چٹکیوں کا کام یقین کرتے تھے سطوت ورعب اسلامی کے اثر سے کپکپی ڈال دی۔ وہ مقابل ہو کر اور مقابلہ میں ان کی شجاعت وجگرداری ثبات و پاداری دیکھ کر مجاہدین اسلام کا لوہا مان گئے تھے وہ تمام شریر النفس اور مفسدہ انگیز سرداران مشرکین، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف ابوجہل، حنظلہ بن ابوسفیان اور نوافل ابن خویلد ین اسدو غیرہم جو اشاعت اسلام اور جان رسولؐ روحی لہ فداہ کے دشمن تھے ایک ایک

کر کے ختم ہو گئے۔ یوں مٹا نام کہ پھر نام ونشان تک نہ رہا۔ فتح بدر کے بعد عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے بھی رنگ بدلے اگرچہ وہ زندگی بھر اسلام کے حق میں مار آستین بنا رہا لیکن فی الحال بطور ظاہر اسلام کا مطیع ومتقاد بن گیا۔

فتح بدر کے ناگوار نتائج

ان نتائج خوشگوار کے ساتھ فتح بدر کے ناگوار نتائج بھی پیش آئے فتح بدر سے یہودیوں کو امن وامان اموال وجان حفاظت کار وبار اور حراست شہر و دیار کی طرف سے اطمینان کیا ہوگا۔ اسلام کی طرف سے ان کو حسد ونفاق نے گھیر لیا انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کی موجودہ کامیابی ہمارے اتنے بڑے قدیم اقتدار واثر کو جو مدینہ اور گردونواح کے تمام قبائل واقوام کے قلوب سے دھو ڈالا گیا اور پھر اس علاقہ بھر میں ہمیں کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا۔ جنگ بدر کے خاتمہ سے یہودیوں کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہود کی مخالفت عنقریب ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو جائے گی۔

مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم

بدر میں ابوجہل کے مارے جانے سے کفار قریش کی دستار امارت ابوسفیان بن حرب کے سر پر باندھی گئی اور ابوجہل کے بعد اب یہ استحصال اسلام کے داعی اور قتل حضرت سید الانام علیہ السلام کے ساعی بن کر تمام قوم وقبائل کو کامل چھ برس (جنگ بدر سے 2ھ سے لے کر فتح مکہ 8 ہجری) تک برانگیختہ کرتے رہے ابوجہل نے تو چودہ برس تک اسلام پر ہاتھ اٹھانے میں توقف کیا تھا لیکن یہ مخالفت اسلام میں اتنے پھرتیلے اور جوشیلے نکلے کہ دو مہینے بھی چین سے نہ بیٹھے اور مقام کدر تک اسلام کے خلاف چڑھ دوڑے اور پھر سال ہی بھر کے اندر احد کے میدان میں خوب دل کھول کھول کر مسلمانوں کے خون سے دریا بہا دیئے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے معلوم ہوگا۔

شکست بدر اور اس میں بیکبار 70 ستر جوانان ونموداران قریش کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو قریب قریب تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ آہ وزاری نالہ وبیقراری اور فغاں وفریاد سے تمام گھروں میں کہرام مچ گیا اور عرب کے دستور قدیم کے مطابق تمام قبائل کے مرد اور عورتیں صف ماتم بچھا کر اپنے مقتولین کو صبح وشام رونے لگے باقی ماندہ جوانان قریش نے اس شدت گریہ وبکا کو موقوف کرا دیا اس لیے کہ یہ رونا دھونا ان کے اظہار ضعف اور زوال قوم کا باعث ہوگا اور مسلمان سن کر حمایت کریں گے لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہ حکم بھی محض جاہلانہ اور سخت ظالمانہ تھا۔ انسان کے جذبات قلبی کے اظہار کو روکنا اصل جبر وظلم ہے۔

خیر رونے کی ممانعت کا حکم عام سن کر رونے والوں نے رونا موقوف کر دیا لیکن دل سے رونا اور قلب سے آنسو بہانا نہ گیا اور اسے کون روک سکتا تھا۔ طبری اور ابن ہشام نے اس کے متعلق ایک دردانگیز واقعہ بیان کیا ہے جس کو ہم شبلی صاحب کے الفاظ میں سیرۃ النبی سے نقل کرتے ہیں۔

لڑائی (جنگ بدر) میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل امڈتا آتا تھا۔ لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی (اسود) سمجھا کہ اب قریش نے رونے کی اجازت دے دی نوکر سے کہا دیکھنا

کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی؟ میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے جی کھول کر رولوں تو تسکین ہوجائے آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہوگیا ہے اس کے لیے رو رہی ہے اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے:

اتبکی ان تصیل لھا بعیر قبلی ان بکیت علی
عقیلی

تو ایک اونٹ کے گم ہوجانے پر کیا روتی ہے تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو

ویضنعھا من النوم السھود و بلی علی حارث
اسد　　الا　　سود

اور تجھ کو نیند نہیں آتی ہے حارث پر رو جو شیروں کے شیر تھے

ولا تبکی علی بکر ولکن علی بدر تقاصرت الجدود

تجھ کو بکر پر رونا نہیں آتا ہاں یہ سچ ہے کہ بدر میں قسمت نے کمی کی

بکر عقیل حارث تینوں اسود کے بیٹے تھے۔ اصل ابن ہشام ج2 صفحہ 26۔ سیرۃ النبی صفحہ 244

بدر کے خاتمہ کے ساتھ ابولہب کا خاتمہ

بدر کی شکست سے سب سے زیادہ ابولہب کا دل ٹوٹ گیا اور آخر کار یہی کوفت اس کا سبب موت قرار پایا۔ ابن ہشام اور طبری اس کے قلق واضطراب پیچ وتاب اور غصہ وعتاب کی تمام کیفیتوں کو جو اس بدبخت ترین قوم پر طاری ہوئیں تھیں ابورافع کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں۔

ابورافع حضرت عباس کے غلام بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عباس کے عیال کے ساتھ جنگ بدر کے موقع پر مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ جب بدر میں اسلام کی فتح اور کفار قریش کی ذلت وخواری کی خبر آئی تو اس سے ہم لوگوں (آل عباس یا بنی ہاشم) میں قوت و عظمت آئی۔ ابورافع بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک کبیر السن آدمی تھے اور اس وقت کعبہ کے مقام حجر میں بیٹھے ہوئے عمل اقداح کر رہے تھے اور میرے پاس حضرت عباس کی بی بی ام الفضل بیٹھی ہوئیں تھیں اور ہم لوگ چپکے چپکے اسی خبر کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں ابولہب آیا اور طناب حجر کے اوپر اس طریق سے بیٹھ گیا کہ اس کی پیٹھ میری پیٹھ سے مل گئی۔ اس اثنا میں کسی نے کہا کہ وہ ابوسفیان بن الحرث بن عبدالمطلب آرہے ہیں۔ یہ شرکاء بدر میں سے تھے جب وہ آئے تو ابولہب نے بیچین ہوکر کہا آؤ تمہیں سے تو تفصیلی حالات معلوم ہوں گے۔ یہ سن کر وہ بیٹھ گئے اور تمام لوگ سننے کے لیے کھڑے ہوگئے ابولہب نے کہا ہاں میرے بھتیجے بتاؤ تو کیا کیا ہوا؟ ابوسفیان جن کا نام مغیرہ تھا کہنے لگے چچا کیا کہیں طرفین سے مقابل ہوتے ہی گویا ہم پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے جس جس طرح چاہا ہمیں قتل کیا اور جس جس طرح چاہا ہمیں اسیر کیا اور خدا کی قسم مسلمانوں کی طرف عجیب وغریب قسم کے لوگ تھے سفید و

نورانی قدوقامت والے کثرت سے لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان ہمیں دکھائی دیتے تھے۔خدا کی قسم نہ کوئی ان تک پہنچ سکتا تھا اور نہ کوئی ان کو روک سکتا تھا یا ٹھہرا سکتا تھا۔

ابورافع کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں فوراً بول اٹھا کہ خدا کی قسم وہ ملائکہ تھے۔میرا اتنا کہنا تھا کہ ابولہب نے نہایت زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور پھر مجھ کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور مارنے لگا۔میں ایک کمزور اور بوڑھا آدمی تھا ابولہب کا کچھ نہ کرسکا۔یہ دیکھ کر ام الفضل سے ضبط نہ ہوسکا وہ فوراً اٹھیں اور حجرہ کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اٹھا کر ابولہب کے سر پر لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہنے لگیں کہ اس کا مالک یہاں موجود نہیں ہے اس لیے تم اس پر ظلم وستم کررہے ہو۔

ابورافع کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے ساتھ ہی چند ایک دانہ نکلنے کے مرض (زہرباد) میں ابولہب مرگیا۔خس کم جہان پاک۔ابن ہشام صفحہ 26 جلد دوم۔

عمیر بن وہب اور قتل رسولؐ کا اقرار

واقعہ بدر کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ صفوان بن امیہ جس کا باپ امیہ بن خلف بدر میں مارا گیا تھا اور عمیر ابن وہب جس کا ایک بیٹا ابھی تک مسلمانوں کے پاس مدینہ میں اسیر تھا بیرون مکہ تنہائی میں بیٹھ کر واقعہ بدر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

دونوں اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام کی طرف سے بھرے بیٹھے تھے۔عمیر کہنے لگا قریش قصاص بدر کے متعلق جو جو تدبیریں سوچیں اور جیسی جیسی ترکیبیں عمل میں لائیں وہ ان کا کام ہے لیکن میرا کام تو یہ ہے کہ اگر میں قرضہ داری اور عیال داری کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوتا تو ابھی مکہ سے اٹھتا، مدینہ پہنچتا اور محمد کا کام تمام کرآتا۔جھگڑا ہی مٹ جاتا پھر کسی کو قتل وقصاص کی ضرورت ہی نہ رہتی۔افسوس کہ یہ دونوں ضرورتیں میرے پاؤں کی زنجیریں بن گئی ہیں۔صفوان بولا یہ تو کوئی بات نہیں تم جاؤ اور باطمینان اپنا کام کرآؤ میں تمہاری قرضداری اور خرچ خانہ داری دونوں کا ذمہ دار ہوں عمیر کہنے لگا واہ تو اب مجھے کوئی دشواری نہیں ابھی ابھی میں جاتا ہوں اور اپنے ارادے کو خاطر خواہ پورا کرآتا ہوں۔اتنی گفتگو کے بعد دونوں گھر لوٹ آئے۔

دوسرے دن عمیر نے تیاری کردی۔گھر سے نکلا تلوار پر خوب تیز باڑھ رکھوائی پھر متواتر زہر میں بجھوائی ان تیاریوں کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوکر مدینہ کو روانہ ہوا اور بڑی سرعت کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچا جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے سات مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔دروازہ مسجد پر آکر عمیر نے اونٹ بٹھلایا خلقی عادت کے موافق بیٹھنے کے وقت اس کا اونٹ بولا تو صحابہ میں سب سے پہل حضرت عمرؓ اس کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو پہچانا کہ عمیر بن وہب ہے مسلمانوں میں اس کی شریر طبیعت سے کون واقف نہیں تھا۔حضرت عمرؓ نے فوراً خدمت رسول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم میں عرض کی کہ عمیر شمشیر برہنہ لے آرہا ہے۔آپ نے کامل استغناو متانت سے جواب دیا آتا ہے تو آنے دو اتنے میں عمیر شمشیر برہنہ لیے آہی گیا۔جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہو عمیر کیسے آئے۔عمیر بولا لڑکے کو دیکھنے چلا آیا۔ارشاد ہوا پھر یہ شمشیر برہنہ کیوں ہے عمیر نے کہا تو پھر کیا ہوا۔ہماری

اتنی تلواروں نے بدر میں آپ کا کیا کرلیا جو میری یہ ایک تلوار کرلے گی آپ نے پھر اصرار فرما کر استفسار کیا سچ کہو یہ شمشیر برہنہ کس قصدو ارادے سے ساتھ لائے ہو۔عمیر نے پھر اسی جواب کی تکرار کی۔

اب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم خود مجھ سے حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور کرتے ہو تو لو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ تم نے اورصفوان بن امیہ دونوں نے بیرون مکہ بیٹھ کر میرے قتل پر مشورہ کیا ہے اورصفوان نے تمہاری قرض داری اورعیال داری کی ذمہ داری لے کر تم کو میرے قتل کردینے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ سچ کہو عمیر یہ صحیح ہے یا غلط۔عمیر یہ بھی یقین کرلو تم میرا کچھ نہیں کرسکتے میرا پروردگار میرا محافظ ہے۔

یہ ارشاد سن کر عمیر اپنے آپ میں نہ تھا سکتے میں آ گیا۔خاموشی کے عالم میں سر جھکائے دیر تک سوچتا رہا سر اٹھایا تو عرض کی۔ اب مجھے یقین کامل ہو گیا کہ آپ بلاشبہ وشک نبیؐ برحق ہیں۔آسمانی بشارات والہامات اورنزول وحی کے ارشادو ہدایات کی نسبت آپ کو جھٹلا دینا میرے لیے آسان تھا لیکن ان معاملات خاص میں جن میں میں یقینا اور بذات خاص جانتا ہوں کہ سوائے میرے اورصفوان کے نہ کوئی اس واقعہ کو جانتا ہے اورنہ کوئی اس کے موقع پر اس میں شریک وحاضر تھا آپ کا پورا پورا انکشاف حقیقت فرما دینا کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے یہ کہہ کر عمیر نے فوراً کہا اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اوراسی وقت مشرف بہ اسلام ہوا۔

عمیر کیا کرنے آیا تھا کیا کر گیا۔یہی تصرفات قدرت ہیں۔معرفت قدرت ے حصول کا قوی ذریعہ انسان کے قصدو ارادے کی تنسیخ وتفسیح بھی ہے۔جناب علی مرتضی علیہ السلام کا قول ہے:

عرفت ربی بفسخ العزائم

میں نے اپنے پروردگار کو اپنے ارادوں کے نہ پورے ہونے سے پہنچانا ہے۔

عمیر کے جیسے مخالف اسلام کے اسلام لانے سے عموماً تمام مسلمانوں کو بہت بڑی مسرت ہوئی۔جناب رسول خدا صلعم نے اسی وقت صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے برادر ایمانی کو اپنے ہمراہ لے جاؤ۔اسلام کے ارکان اوراحکام قرآن تعلیم کرواوران کے بیٹے کو ان کے اسلام لانے کے عوض میں فوراً رہا کردو۔صحابہ نے اسی وقت حکم کی تعمیل فرمائی۔

عمیر نے چند دنوں کے بعد عرض کی کہ مجھے مکہ جانے کی اجازت دی جائے اس لیے کہ اب میرا عزم بالجزم یہ ہے کہ وہاں جا کر جس طرح میں اس وقت تک اہل اسلام کو ستایا کرتا تھا اورآزار پر آزار پہنچاتا رہتا تھا اسی طرح اب مشرکین قریش اورکفار مکہ کو ستاؤں اوران کو تبلیغ اسلام کے احکام پہنچاؤں۔آنحضرت صلعم نے شرط ثانی کی انجام دہی پر اس کو اجازت دیدی۔

صفوان ابن امیہ مکہ میں عمیر کی کاروائیوں کا دن رات منتظر رہا کرتا تھا اورقیش سے باتوں باتوں میں اکثر کہا کرتا تھا کہ دیکھنا وہی ایک روز میں مدینہ کے اندر کیا گل کھلتا ہے کہ نقصانات بدر کے داغ دل سے مٹ جائیں گے صفوان کو تدبیر مشیت کی کیا خبر۔دو ہی چاردنوں کے بعد عمیر کی تدبیر کا نتیجہ بالعکس ظاہر ہوا اوراس کے مسلمان ہوجانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو صفوان کے بدن میں خون نہیں تھا۔

اب عمیر بھی دو ہی چار دن میں کامل مسلمان بن کر اپنے بیٹے کو لیے ہوئے مکہ میں پہنچ گیا۔صفوان نے غم وغصہ کی حالت سے عمیر کی صورت دیکھی اور آئندہ اس کوکسی قسم کا فائدہ نہ پہنچانے کی قسم کھالی لیکن اب دولت ایمان کے آگے صفوان کی بیرخی اور ناتوجہی کی عمیر کو پرواہی کیا تھی وہ جو وعدہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرآیا تھا بڑے اطمینان وفراغت سے مکہ میں پورا کرتا رہا اور کثیر التعداد مشرکین کفار کو اپنی پند وموعظت سے ہمیشہ دائرہ اسلام میں لاتا رہا۔جزاہ اللہ احسن الجزاء ابن ہشام جلد دوم ص 32۔

غزوۃ الکدر یا غزوۃ السویق

(ذی قعدہ 2ہجری)

ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابوسفیان قصاص بدر کے لیے بے حد بے چین ہو رہا تھا۔اس نے عہد کرلیا تھا کہ جب تک کشتگان بدر کا انتقام نہ لے لے گا نہ غسل جنابت کرے گا نہ کپڑے بدلے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا اس کا اضطراب قصاص اس کو ایسا بدحواس کررہا تھا کہ شکست بدر کے مہینہ بھر کے بعد دوسو شتر سواروں کو ہمراہ لے کر قصاص بدر کے ارادے سے یہ مدینہ تک چڑھ دوڑا لیکن اب اسلام کے منہ پر ایک بار چڑھ دوڑ آنا آسان نہیں تھا۔بلکہ اب اس کے سامنے آنے میں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

اس بنا پر ابوسفیان مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر چاہ کدر (قرقرۃ الکدر) پر اتر پڑا۔اسلام کی طرف سے یہودیوں کی بیدلی اور بدنفسی کی خبر اس کو پہنچ چکی تھی اس لیے اس نے یہودیوں سے پہلے استفسار حالات اور نیز ان کو اپنا ہم خیال و ہم آہنگ بنا لینے کی ترکیب سوچی۔چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں چھپ کر مدینہ پہنچا۔سب سے پہلے حی ابن اخطب کے گھر آیا رات زیادہ ہوگئی تھی اس کے گھر کے کواڑے بند ہو چکے تھے نہ کھل سکے مجبور ہو کر سلام بن مشکم کے گھر گیا۔جو یہود ان بنی نضیر کا سردار اور تمام یہودیوں کے خزانوں کا امانتدار تھا۔دروازے پر دستک دی کنواڑ کھلے ابوسفیان اندر آیا۔سلام بن مشکم نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔بڑے اکرام واحترام سے مہمانی کی عمدہ کھانے پکوائے کھانے کے بعد رات بھر مادہ نوشی کی صحبت جمی رہی اور اس صحبت میں مشغلہ خاص کے ساتھ اصل مدعا پر گفتگو بھی ہوتی رہی۔سلام بن مشکم نے ابوسفیان کے تمام مستفسرات کا خاطر خواہ جواب دیا اور اسلام کے متعلق ہر جزئیات کی پوری اطلاع پہنچائی لیکن آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ ابھی مقابلہ ومقاتلہ کا وقت نہیں ہے تھوڑا توقف کرنا چاہیے۔ابوسفیان رات بھر سلام بن مشکم کا مہمان رہ کر علی الصباح مدینہ سے روانہ ہوا اور اپنی قیامگاہ پر پہنچ گیا عرب میں اپنے عہد کا پورا کرنا ایسا فرض تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت میں چھوڑا نہیں جاسکتا تھا ابوسفیان چونکہ قصاص بدر کا عہد کر کے چلا تھا اس کو جزوی یا کلی طور پر پورا کردینا اس کے لیے لازمی تھا اس بنا پر اس نے کدر سے ملے ہوئے مقام عریض پر حملہ کردیا۔عریض میں انصار کے چند قبائل آباد تھے۔ایک مرد انصاری سعد ابن عمر کو قتل کردیا اور

انصار کے چند مکانات کو بھی آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیئے۔ مویشیوں کے چاروں کے انبار میں بھی آگ لگا دی اور ان کو بھی بیکار وضائع کر دیا اور اس طریقہ سے جزوی طور پر اپنے عہد وقسم کو پورا کر دیا۔

شبلی صاحب نے صرف عمر بن سعد کا قتل لکھا ہے لیکن ابن ہشام، عمر بن سعد کے ساتھ اس کے حلیف کا قتل کیا جانا بھی بتلاتے ہیں۔ اس بنا پر ابوسفیان نے انصار کے دو آدمیوں کا خون ناحق کیا۔ ابن ہشام ج 2 ص 69

اس ظالمانہ اور بزدلانہ حملات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ ہی اس کو مسلمانوں کا خوف بھی دامنگیر تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے آنے کی خبر بھی لگ گئی جو واقعاً صحیح تھی۔ اس خبر کے پاتے ہی اس کے حواس جاتے رہے اور فوراً مکہ کی طرف اس تیزی سے جان بچا کر بھاگا کہ راہ میں بوجھ ہلکا کرنے کی غرض اور جلد مسافت طے کرنے کی ضرورت سے ہمراہی رسد کے سامان تمام راہ میں پھینکتا گیا۔ رسد کے سامان میں اس کے ساتھ صرف ستو بند تھے جس کو عربی میں سویق کہتے ہیں اسی کے تھیلے راستہ میں گراتا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابوسفیان کی تاخت کی خبر ملی تو آپ نے ابوالبابہ کو مدینہ میں نگران چھوڑ کر صحابہؓ کے ساتھ تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لائے لیکن آپؐ کی آمد سے پہلے ابوسفیان مکہ کو چل دیا تھا اس لیے آپ کو فوراً واپس ہونا پڑا۔ راستہ میں ابوسفیان کے پھینکے ہوئے تھیلے وہاں پڑے پائے گئے اور وہ مسلمانوں نے اٹھائے اس خصوصیت کی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ السویق مشہور ہوا۔

تزویج جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

ولم یخلق علی ما کان لفاطمۃ کفوا امام دیلمی

اگر علی نہ پیدا کیے جاتے تو فاطمہ کے لیے کوئی کفو نہ پیدا ہوتا۔

جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا سن مبارک تزویج کے قابل ہو چکا تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیاہ کی فکر تھی اول تو مدینہ میں تشریف لاتے ہی شب وروز کی تردد وتفکر سے اطمینان ودلجمعی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ دوسری وجہ تاخیر یہ تھی کہ آپ جناب سیدہ کے مسئلہ تزویج کو مشیت الٰہی کی تجویز پر موقوف رکھے ہوئے تھے اور ہمیشہ اس امر خاص میں حکم الٰہی کے منتظر رہتے تھے۔ اس اثنا میں اکثر حضرات نے پیام دیئے لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی خواستگار ہوئے لیکن آپ نے ان دونوں حضرات کے معروضات پر اعتنا نہ فرمائی۔

شبلی صاحب کے استخفاف واختصار کے تو یہ خاص مقامات ہیں اس وجہ سے اس واقعہ کی تفصیل میں آپ نے پہلے ہی سے قادیانا شروع کر دیا ہے۔ اول تو اس واقعہ کو مامور بامر الٰہی ہونا اشارتاً وکنایتاً ظاہر ہونے نہیں دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی روایت صرف ابن سعد کے حوالہ سے لکھ کر اس کا عدم صحت ثابت کرنا چاہا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ عوام حضرات شیخین کی خواستگاری والی روایت کو خاص ابن سعد یا زیادہ سے زیادہ اہل سیرت کا مختار سمجھیں اور اس کو مرویات احادیث نہ یقین کریں۔

ثبوت استدلال میں وجہ عدم صحت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علامہ ابن حجر نے تزویج جناب سیدہ کے متعلق اور سب مرویات لکھی ہیں، مگر اس کو نہیں لکھا۔

محققین آپ کے اس استدلال کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں اور آپ کی اس شان و عنوان اخفاف کو بھی پہچانتے ہیں۔ ابن حجر کس گنتی میں ہیں۔ تاریخ وسیرت کی کتابوں کو جانے دیجیے۔ حدیث کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں ان دونوں امور کی خاص طور پر تصریح موجود نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر وعمر کا خواستگار ہونا اور تزویج جناب سیدہ کا تجویز الٰہی پر موقوف ہونا، دونوں امور کی نسبت، مناقب امام احمد بن حنبل، ذخائر العقبیٰ امام طبری، معجم ثلاثہ امام طبرانی، تاریخ ابن عساکر، کتاب الموافقات ابن اسلمان، مواہب لدنیہ امام قسطلانی، مودۃ القربیٰ سید علی الهمدانی، فردوس الاخبار امام دیلمی، اسد الغابہ فی تمیز الصحابہ امام جزری، مناقب امام ابوبکر خوارزمی، ابن شاذان علامہ ابو الخیر قزوینی حاکمی۔ علامہ عبدالباقی الزرقانی، ینابیع المودۃ امام سلیمان بلخی القندوری، مناقب ابن مردویہ روضۃ الاحباب محدث شیرازی، مطالب اسئلول امام ابن طلحہ شافعی، کفایۃ الطالب علامہ ابن یوسف الگنجی الشافعی اور ارحج المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالتفصیل تمام لکھا ہے۔ (ہم نے یہ تفصیل زرقیانی جلد دوم ص 5 ینابیع المودۃ فی القربیٰ امام قندوری ص 140 مطبوعہ بمبئی اور ارحج المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری صفحہ 295 مطبوعہ لاہور سے نقل کی ہے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب کو ایسے متواتر اور کثیر الاسناد واقعہ کی تضعیف پر کیسے جرات ہوئی۔ یہ جرأت بھی اسی ضرورت و مجبوری پر مبنی ہے جو استخفاف حالات بنی ہاشم کے متعلق مدت قدیم سے آپ کے لاحق حال ہے اسی ضرورت نے یہاں بھی حقیقت حال بیان کرنے سے آپ کا قلم روک لیا۔

اتنا تنقیداً اور تمہیداً لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سوالوں کی نامنظوری کے بعد جناب علی مرتضیٰؑ نے خواستگاری کی اور وہ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ ہم ان واقعات کو اپنی کتاب الزہرا میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ صرف زرقانی نے جن مرویات کو صحیح الاسناد قرار دے کر اس واقعہ کے متعلق مندرج کیا ہے ہم اسی کو ذیل میں نقل کر دیتے ہیں:

فی حدیث انس رضی اللہ عنہ ابی الخیر الحاکمی و ابن عساکر و ابن شاذان خطبھا علی بعدان خطبھا ابوبکر رضی اللہ عنہ ثم عمر فقال له علیه السلام قد امرنی ربی بذلك قال انس ثم دعانی علیه الصلوۃ والسلام بعد ایام فقال ادع لی ابا بکر و عمر و عثمان و عبدالرحمان وعدہ من الانصار فلما اجتمعوا واخذو مجالسهم فقال صلی الله علیه وآله وسلم۔

الحمد لله المحمود نبعمته المعبود و بقدرته المطلاع المرهوب من عذابه و

سطوته النافذ امره فی سمائه و ارضه الذی خلق الخلق بقدرته و صبرهم باحکامه و اعزهم بدینه و اکرمهم بنبیه محمد صلی الله علیه وآله وسلم ان الله تبارك و تعالی اسمه و تعالت عظمته جعل المصاهره سبب لاحقاف اموا مفترضا اوشج الا رحام و اکرم به الا نام فقال عزمن قال و هو الذی خلق من المآء بشرا فجعله نسبا و صهرا فامر الله یجری الی قصائه و قضاوه یجری الی قدره و لك قضآء فلد ولكل قدرا اجل ولك اجل كتاب یمحو الله مایشاء و یثبت وعنده ام ا لکتاب۔

ان الله تعالی امرنی ان ازوج فاطمة من علی بن ابی طالب فاشهدوا انی قد زوجته علی اربعمائه مثقال فضة ان ارضی بذلك علی بن ابی طالب ثم دعا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بطبق یسر ثم قال انتهبوا فانتهبنا ودخل علی فتبسم النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی وجه ثم قال ان الله عزوجل امرنی ان ازوجك فاطمة علی اربعمائة متقال فضة ارضیت بذلك فقال رضیت بذلك یارسول اللهﷺ فقال علیه الصلوة والسلام جمع الله شملکما واعزجد کما و بارك علیکما و اخرج منکما کثیرا طیبا۔

علامہ ابولاخیر حاکمی ابن عساکر اور ابن شاذان انس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خواستگاری حضرت ابوبکر حضرت عمر کے بعد کی۔ آنحضرت صلعم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ خدا نے بھی مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے انس کہتے ہیں کہ پھر ایک دن آنحضرت صلعم نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور عبدالرحمن اور انہیں کی تعداد کے مطابق انصار میں سے لوگوں کو میرے پاس بلا لاؤ جب یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے ان کے ساتھ ایک مجلس ترتیب دی اور ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

جمیع حمد ثابت ہے اللہ کے واسطے جو محمود ہے اپنی نعمتوں کے سبب سے اور معبود ہے اپنی قدرت کے سبب سے قابل اطاعت ہے اپنی سطوت وہیبت کے باعث سے لوگ اس کی طرف اس کے عذاب کی وجہ سے

گریز کرتے ہیں وہ ایسا ہے جس نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اپنے احکام سے ان کو قوت تمیز دی ہے اور اپنے دین کے سبب سے ان کو عزت بخشی ہے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث سے ان کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ بتحقیق اللہ عزوجل نے سسرالی رشتہ کو نسب تازہ امر واجب، حکم عادل اور خیر جامع قرار دیا ہے اور اس کے سبب سے رحموں کو ملایا ہے اور تمام خلق پر اس کو لازم گردانا ہے اور فرمایا ہے (وہ اللہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پس اس کے واسطے نسب اور سسرالی رشتہ قرار دیئے اور میرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے) اور خدا کا حکم اس کی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اس کی قضا اس کی قدرت کی طرف جاری ہوتی ہے اور ہر قضا کے لیے ایک قدر ہے اور ہر قدر کے واسطے ایک وقت خاص ہے اور ہر وقت کے لیے ایک حکم خاص ہے خدا جس کو چاہے محو کردے جس کو چاہے قائم۔ اُسی کے پاس اصل کتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔

امابعد خدا سبحانہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ دوں بشرطیکہ علیؑ بھی اس پر راضی ہوں۔ پھر آپ نے ایک طبق چھوہارے کا بھرا ہوا طلب کیا اور ارشاد کیا کہ اس کو لوگوں میں بانٹ دو چنانچہ وہ تمام لوگوں میں بانٹ دیا گیا۔ اسی اثنا میں علیؑ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرما کر ان کی طرف دیکھا اور ان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ دوں۔ تمہیں منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کی منظور ہے۔ یہ سن کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم دونوں میں جمعیت عطا کرے۔ تمہاری معاشرت میں عزت دے اور تم دونوں کو برکت عنایت دے اور تم دونوں سے اولاد طاہرین خلق فرمادے۔

لیکن مناقب احمد بن حنبل اور مسند ابوحاتم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر فقرات دعا سے پہلے اور حضرت علیؑ کے ایجاب فرمانے کے بعد یہ فقرات لکھے ہیں:

ثم ان علیا خر ساجدا شکر اللہ تعالی

حضرت علی خدا کے سجدہ شکر میں جھک گئے۔

زرقانی نے بھی اس کو لکھا ہے مگر تھوڑے فصل کے بعد یہ تجمیع حدیث کے وقت تقدیم وتاخیر کی صرف سہو ترتیب ہے جو اکثر مولفین کو لاحق ہوجاتی ہے اور چنداں قابل لحاظ نہیں۔ زرقانی ج 2 ص 7

یہ تو جناب سیدہؑ کی تزویج کے خاص حالات تھے۔ ارباب سیر و تاریخ اور اصحاب احادیث نے سامان جہیز میں مفصلہ ذیل چیزیں لکھ کر بتلائی ہیں۔

ایک چار پائی جو (بان سے بنی ہوئی تھی) موٹی گرمی کی دو نہالیاں (ایک میں کھجور کی پتیاں بھری تھیں اور دوسری میں خنچہ خرما کی چھالیں) چار تکیے (دو میں کھجور کی پتیاں اور دو میں بھیڑ کے بال بھرے تھے) چاندی کے دو باز و بند، بردیمانی کی دو چادریں، ایک چادر سر سے پاؤں تک نہیں آتی تھی۔ ایک چکی ایک لوٹا ایک کٹورا، ایک مشک اور دو مٹی کے گھڑے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشا پڑھ کر حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حضرت ام ایمن کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر بھیج دیا۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کے گھر میں بضعتہ الرسول کے آنے کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے ان دونوں حضرات کے ساتھ گھر میں تشریف لا کر جو معاملات ظاہر کیے گئے ان کو علامہ زرقانی اور خود شبلی صاحب نعمانی ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت فاطمہؑ جب نئے گھر میں چلی گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے، ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازوں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئیں آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ سیرۃ النبی ص268 زرقانی ج3 ص7

واقعات متفرقہ ۲ ہجری

اسی سال رمضان کے روزے، عید کی نماز اور زکوۃ فطرہ کا حکم آیا اور اسی سال مسلمانوں نے نماز عید با جماعت پڑھی۔

شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ترتیبی

شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں محض اظہار جدت کے نقطہ نظر سے ترتیب واقعات میں یہاں سے فصل پیدا کر دیا ہے اور تعین اوقات میں تاخیر و تقدیم کا نقص، تزویج جناب فاطمہؑ کے بعد۔ تمام واقعات کو جو اسی سال کے اندر واقع ہوئے، مرفوع القلم فرما دیئے ہیں اور اپنا سلسلہ بیان اور ترتیب تالیف غزوہ احد کے عنوان سے بیکبار آغاز کیا ہے۔ حالانکہ تزویج جناب سیدہؑ سے لے کر آغاز جنگ تک کے ایام میں باتفاق ابن ہشام وطبری، غزوات، ذی امر یجران، غزوہ بنی قینقاع، سریہ زید بن حارثہ، سزائے کعب بن الاشرف وغیرہ کے ایسے چھوٹے بڑے واقعات گذشتہ دس مہینہ کے عرصہ میں برابر اور سلسلہ وار پیش آتے گئے جن کو متقدمین اور متاخرین مولفین نے آج تک اپنی تمام تصنیفات و تالیفات میں ان کی ترتیب وقوع کے موافق قلمبند فرمایا ہے لیکن شبلی صاحب نے نہیں۔

آپ نے جو ترتیب اختیار کی ہے یا تو وہ آپ کی ایجاد خاص ہے یا یورپین مصنفین کی تقلید اور تاسی۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے غزوات کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے۔ ایک سلسلہ میں وہ واقعات رکھے ہیں جو قریش سے پیش آئے اور دوسرے میں وہ غزوات جو یہودیوں کے ساتھ واقع ہوئے۔ ترتیب مضامین کی یہ تقسیم بظاہر تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ علی الاکثر یہی دونوں مخالف قومیں ہمیشہ اسلام سے مقابل ہوتی رہیں اور انہیں کے ساتھ لگاتار واقعات پیش آتے گئے۔ چنانچہ واقعات 2 ہجری میں خود تحریر فرمایا گیا ہے۔

ارباب سیر کے مطابق غزوہ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال میں ہونا چاہیے تھا لیکن اتصال وتسلسل واقعات کی بنا پر وہ آئندہ مذکور ہوگا۔ سیرۃ النبی ص369 ج10

لیکن عرض یہ ہے کہ اس تقسیم سے واقعات کی تعین میں بہت فاصلہ واقع ہوگیا۔ مثال کے لیے غزوہ بنی قینقاع ہی کے ذکر کو دیکھنا چاہیے کہ ارباب سیرت کی اسناد کے مطابق آپ تو خود اعتراف فرما چکے ہیں 2 ہجری میں واقع ہوا ہے لیکن آپ نے اسی ترتیب کی مجبوری سے 3 ہجری میں غزوہ احد اور 4 ہجری کے سلسلہ غزوات وسرایا کے بعد تفصیل کے بعد صفحہ 295 میں۔ اس عنوان کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔ 2 ہجری غزوہ بنی قینقاع۔

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ 3 و4 ہجری کے تمام واقعات وحالات بیان کر دیئے جانے کے بعد اب پھر یہ 2 ہجری کیسا؟ دوسرے تو آپ کی اس کو ایجاد ترتیب دیکھ کر ایک مہذبانہ تبسم کر کے رہ جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ آگے چل کر یہ ترتیب بھی قائم نہیں رکھی گئی۔ یہود کے معاملات کو باستثنائے خیبر ایک جگہ بیان کر کے پھر جنگ خندق آغاز کر دی گئی ہے جو قریش کے خاص معاملات تھے اور خندق کے بعد معاملات حدیبیہ تک مسلسل اور مفصل طور پر قریش کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان سب کے بعد غزوہ خیبر کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر تو وہی ارباب سیر کی قدیم ترتیب اختیار کر لی گئی اور اپنی وہ ترتیب خاص جس کو عدم بیان غزوہ بنی قینقاع کی وجہ میں یہ لکھ کر دکھلایا گیا تھا کہ اتصال وتسلسل واقعات میں فرق آتا ہے وہی ایک دو واقعات کی تحریر کے بعد متروک فرما دی گئی۔ حالانکہ اگر ترتیب واقعات میں تبدیلی منظور تھی تو وہ بآسانی یوں ہوسکتی تھی کہ 2 ہجری سے لے کر 11 ہجری تک قریش کے ساتھ جتنے واقعات پیش آئے تھے وہ ایک سلسلہ میں بیان کر دیئے جاتے۔ اس طرح 2 ہجری سے لے کر 11 ہجری تک یہودیوں کے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ وہ دوسرے سلسلہ میں قلمبند کر دیئے جاتے تو یہ ترتیب بھی ایک کمال تھی۔ افسوس تو یہ ہے کہ آپ دونوں ترتیبوں سے ایک ترتیب بھی قائم نہ رکھ سکے پہلے تو ارباب سیر کی نقل وتقلید سے اتصال وتسلسل واقعات میں فرق پڑنے کی وجہ دکھلا کر انکار فرما دیا گیا لیکن جب آگے چل کر واقعات کے سن وقوع کی تقدیم وتاخیر کے نقائص پر نظر پڑی تو اس ترتیب جدید کی خرابی کا یقین آیا اور فوراً متروک کر دی گئی اور انہیں سیرتوں کی ترتیبی صورتیں اختیار فرمائی گئیں۔ ان تمام بدترتیبیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی سیرۃ النبی میں نہ قدیم سیرتوں کی پوری ترتیب باقی رہی اور نہ آپ کی جدید ترکیب خاص باقی رہی۔

باقی رہے ہم اور ہماری موجودہ ترتیب تو وہی ہے جو تمام ارباب سیرۃ وتاریخ کی قدیم ترتیب ہے اس لئے کہ ہم سیرت کے موضوع پر تاریخی حالات وواقعات لکھ رہے ہیں۔ ہمارے استنباط واستخراج انہیں ماخذوں سے ہونے چاہئیں۔ ممکن تھا کہ ہم ان میں

کوئی ترتیب ایسی پیدا کر دیتے جیسی کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں جس سے تفصیل حالات واقعات اور ان کے تعین اوقات دونوں صحیح طور سے معلوم ہو جاتے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے ہمارے سلسلہ بیان میں سوائے ایک جدت یا نوعیت کے کوئی لطف خاص نہیں پیدا ہوتا اور ہمیں مجدد بننا منظور نہیں۔ اس لئے ہم نے سلف صالحین ہی کی تقلید کو اپنے لیے اور اپنی ترتیب کتاب کے لیے بہتر سمجھا اور اسی کو اپنی کتاب میں قائم رکھا۔

غزوہ بنی قینقاع

شوال 2 ہجری

اتنا تمہیداً عرض کر کے پھر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ ابن ہشام، غزوہ بنی سلیم یا غزوہ السویق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

ثم رجع صلعم الی المدینۃ و لم یلق کیدا فاقام بها باقیہ شوال و ذی العقدہ واقدی فی اقامة تلك حل الاساری من قریش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا (راہ میں) اور شوال و ذی قعدہ دو مہینے برابر مدینہ ہی میں مقیم رہے اور مقیدین قریش کو فدیہ لے کر رہا فرمانے کے معاملات میں مصروف رہے۔

مذکورہ بالا ایام قیام مدینہ میں یہودان بنی قینقاع کے مخالفانہ معاملات پیش ہوئے۔

یہودیوں کے مخرب اخلاق اور ظالمانہ عادات و اطوار

یہودیوں کی غداری، نااعتباری اور سودخواری اور اس کے ذریعے خاص سے عام مردم آزادی اس وقت تمام قوموں کا مسلمہ تھی۔ لیکن ان کا حد سے بڑھا ہوا تمول، ضرورت سے زائد خوشحالی، ایسی تھی کہ تمام قرب و جوار اور گرد و نواح کے اقوام و قبائل ہمہ وقت ان کے دست نگر تھے اور اس بنا پر ان کو تمام بلاد پر پورا اختیار و اقتدار حاصل تھا اور پھر اسی اقتدار کے ذریعہ سے انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنا لیے تھے۔ کثرت سے سامان حرب و ضرب بھی جمع کر رکھے تھے۔ وہ شمار و تعداد کے لحاظ سے ہر مقام پر بجائے خود ایک فوج کی فوج تھے اور اپنی ذی اختیاری کے باعث اپنی قوم و قبائل کے علاوہ دیگر قبائل و قوم کے سینکڑوں لوگوں کو ایک اشارے میں جمع کر سکتے تھے۔

مدینہ اوراس کا قرب وجوار اس وقت یہودیوں کی آبادی کا مرکز تھا۔ بنی قینقاع بنی نضیر، خاص مدینہ کے مشاہیر قبائل یہود تھے اور قبائل اسلام تو گویا مدینہ اور گردونواح تمام مقامات کے حاکم و مالک تھے۔اوس وخزرج قبائل انصار کچھ آپس کی جنگ وجدال اور زیادہ تر اپنی ناداری کی وجہ سے بالکل ان کے زیر اثر آچکے تھے اور گویا ان کے مطیع ومنقاد بن چکے تھے۔

دنیاوی اقتدار کے ساتھ یہودیوں نے انصار پر اپنے دینی اثر بھی جمائے تھے۔اس لیے کہ انصار بالکل جاہل قوم تھے اور عقائد میں بت پرست، یہودی پڑھے لکھے تھے اور اہل کتاب اس وجہ سے انصار اپنی جہالت کے باعث انکے مروجہ عقائد کے بھی جلد زیر اثر آ گئے اور اپنی عقیدت وخلوص کو ان کے ساتھ اس حد تک پہنچا دیا کہ ایک لاولد انصار منت ماننے لگا کہ اگر اس کے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو وہ یہود بنایا جائے گا۔

ایک واقعہ نگار کی حیثیت میں ہمارا فرض ہے کہ جب ہم یہودیوں کے اقتدار کی یہاں تک حالت دکھلا چکے ہیں تو ان ذی اقتدار اختیار لوگوں کے طور واطوار، طریق ومسالک کے جستہ جستہ حالات بھی بیان کردیں۔ہم اوپر ان کی دینی اور دنیاوی عظمت وثروت دکھلا چکے،ان کی اخلاقی صورت حال یہ ہے۔

اسلام اوراس کے پہلے تمام شریعتوں نے ضرورت سے زائد جمع اموال اوراس کے ذرائع افزائش خصوصاً سودخواری کے عالمگیر طریقہ مردم آزادی کو قطعاً ممنوع فرما دیا تھا۔اس لیے کہ اس سے اخلاق بگڑتے ہیں۔ ہمدردی کی جگہ بیدردی رحم ومروت کے بدلے سنگدلی اور شقاوت پیدا ہوتی ہے اور قومی وملکی اصلاح ودفاع اور امن وامان کے قیام کے لیے یہ دولت ثروت سفید کیا ہوگی۔سخت مضر،نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔یہودیوں کی دولت مندی اسی نقطہ انتہائی تک پہنچ چکی تھی۔

مدینہ کے یہود، لوگوں کی جائیداد، اموال، گھر بار زیورات، متاع واسباب غرض سب کچھ جب رہن رکھ چکے تو بال بچے اور عورت تک رہن کرنے پر آمادہ ہوگئے۔اب یہ لین دین اور کاروبار کا طریقہ نہیں رہا۔ بلکہ صاف صاف ملک وقوم کے تباہ وغارت کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ جیسا کہ بہت جلد محمدؐ بن مسلمہ اور ابوعمارہ کے ساتھ کعب بن الاشرف یہودی کی گفتگو سے آگے ظاہر ہوجائے گا۔ بچوں کو زیور پہنے ہوئے تنہائی میں اگر یہودی پالیتے تھے وہ ان کے زیوروں کی قلیل رقم کی لالچ میں پڑکر بیدردی سے مارڈالتے تھے اور زیور لے لیتے تھے۔

یہودیوں میں سودخواری سے زیادہ زناکاری کا عام رواج تھا اور یہ بدکاری ان کا قدیم شعار تھی اور یہ بدشعاری وبدکاری ان کی کثرت دولت کا نتیجہ تھی اور علی العموم دولتمند طبقہ کے لوگ اس فعل شنیع میں آلودہ ہوتے تھے اور ان کی دولت وثروت کی وجہ سے کسی فرد واحد کو ان کی سزا وتنبیہہ پر جرأت کیا ہوگی۔ان پر آنکھ اٹھانے یا اعتراض کرنے کی تو مجال ہی نہیں۔ایک بار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپ ان کی حرامکاریوں کی خبر سنتے سنتے عاجز آ گئے تو ایک یہود سے پوچھا کہ کیا توریت میں زنا کی سزا صرف درہ لگانا ہے۔ یہودی نے کہا نہیں حضور سنگساری زنا کی سزا لکھی ہے لیکن بات یہ ہے کہ یہ فعل بد ہمارے شرفاء اور امراء قوم کی عادت عام ہوگئی ہے۔اس لیے جب کوئی شریف یا امیر شخص مجرم ہوکر آیا چھوڑ دیا گیا۔عام طبقہ کے مجرمین کو تخفیفاً تازیانے لگا کر چھوڑ دیتے تھے۔آخرکار

یہی تخفیف وترمیم کی صورت حکم شریعت قرار پا گئی اور ہر شخص کے لیے خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو اسی نصاب کے مطابق سزا دینے کا عام دستور ہو گیا۔ سیرۃ النبی ص290 بحوالہ اسباب نزول واحدی

قرآن مجید نے صاف صاف الفاظ میں ان کے اخلاقی معائب کو جدا جدا بیان کر دیا ہے اور ہم ان کو شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ

وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔

پھر سورۂ مائدہ میں ارشاد کیا گیا ہے:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اور تم ان میں سے اکثروں کو دیکھا ہوگا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ

اور چونکہ یہ سود خواری کرتے ہیں حالانکہ ان کو سود خواری سے منع کر دیا گیا تھا اور چونکہ یہ غیروں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں۔ سیرۃ النبی ج 1 صفحہ 291

قرآن مجید کی ان تصریحات جب ان کی بدکاریوں کو یوں کھلے کھلے الفاظ میں بیان کر دیا تو یہودیوں کی مخالفت میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے انواع اقسام کی بدزبانیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ایذا پہنچانے لگے اور اہل اسلام کے قتل و غارت کی نئی نئی ترا کیبیں سوچنے لگے۔ ان کے ان جور وستم کے مشاہدات پر آنحضرت صلعم نے خود بھی صبر وسکوت سے کام لیا اور مسلمانوں کو بھی برابر خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی جو عین مدعائے حکم الٰہی تھا۔

شبلی صاحب حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے معمول بنا لیا تھا کہ آنحضرت صلعم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے اسلام علیکم کے اسام علیک کہتے تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو موت آئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ موجود تھیں، انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں کمبختو! تمہیں موت آئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہ نے کہا آپ نے سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیکم کہہ دیا۔ سیرۃ النبی ص291 بحوالہ صحیح بخاری۔

قرآن مجید نے بھی انکی بدزبانیوں کے عوض خاموشی اور سکوت اختیار فرمانے کی ایسے ہی ہدایت فرمائی ہے اور وہ آل عمران رکوع 19 کے مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اہل کتاب اور مشرکوں سے تم بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے اور اگر صبر کیے رہو گے اور پرہیز گاری پر قائم رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

اسلام دنیا میں رحمت عام کا پیغام لے کر آیا تھا۔ بادوستان بادشمنان مدارا۔ اس کا کام تھا اس بنا پر قرآن مجید نے انکی بدکاریوں کے اظہار سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کو ان کے ساتھ مساویانہ اور موافقانہ محاسن سلوک اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ذیل کے آیہ ہائے قرآنی سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

طَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمۡ ۖ

اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾

(بقرہ)

اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تمہیں دیں اور یہ کہ میں نے (کبھی) تم کو عالم پر فضیلت دے رکھی تھی۔

اسلام نے نہایت نرمی سے ان الفاظ میں تبلیغ کی آواز ان تک پہنچائی تھی۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾

کہہ دو آئے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم اور تم دونوں یکساں مانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے تو اگر وہ اپنا منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو اچھا تم گواہ رہو تم تو مسلمان ہو۔ سورۃ آل عمران رکوع 9

اسلام کی یہ رعایت مسالک مساوات اور موافقانہ تعلقات قائم رکھے جانے کے عوض میں یہودیوں نے اسلام کے ساتھ کیا برتاؤ رکھے ہیں۔ قرآن مجید کے مفصلہ ذیل الفاظ میں ان کی یوں تصریح ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورہ نسا)

اور (یہود) کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران)

اور اہل کتاب میں ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

یہ تو اسلام کے ساتھ تبلیغ اور دینی احکام و آئین کی تدوین کے متعلق یہودیوں کی مخالفت کی صورت حال تھی جو عرض کی گئی۔ اب بقائے اسلام اور مسلمانوں کی جان و مال کے قیام اور امن و آرام کی نسبت جو اس شریر الطبع قوم نے مفسدانہ طریقے اختیار کیے ان کی حقیقت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انصار مدینہ کا اسلام لانا اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں بلوانا، ان کی ذی اقتداری اور ذی اثری کے لیے ان کی سمجھ میں بہت ہی نقصان رساں ثابت ہوا۔ لیکن انہوں نے فوری مخاصمت کو خلاف مصلحت سمجھ کر بالکل سکوت اختیار کر لیا اور صرف سکوت ہی نہیں بلکہ اسلام کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو کر اس کی رفاقت و حمایت کو بھی قبول کر لیا اور جنگ بدر تک یہ زبانی رفاقت بنائی گئی۔ بدر میں بھی انکی شرکت دلیرانہ اور جان نثارانہ انداز سے نہیں تھی بلکہ محض تماشائیانہ اور مسافقانہ طریقہ سے اور اس نمائشی مشارکت کے پردے میں وہ اندر ہی اندر استحصال اسلام اور مسلمانوں کے قتل عام کی ترکیبیں کر رہے تھے۔ اپنی اس ترکیب کی کامیابی کے لیے انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ انصار کے دو بڑے اور مشہور قبائل اوس وخزرج میں نا اتفاقی پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے حامی اور مددگار یہی دو قبیلے ہیں اگر ان میں نا اتفاقی ہو گئی تو پھر اسلام یہیں مٹ کر ختم ہو جائے گا۔ عرب کی کینہ پرور طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ قدیم معرکہ ہائے جنگ کے افسانوں کو سن کر بہت جلد پر جوش ہو جاتے تھے۔

یہودیوں کی مخالفت اسلام

اس بنا پر یہ واقعہ ہوا کہ اوس وخزرج کے قبیلے کے بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے آپس میں ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ یہودی ایسے موقعوں کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ فوراً جا پہنچے اور انکی قدیم خانہ جنگیوں کا ذکر چھیڑ دیا اور ذکر میں خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ پچھلے واقعات کا سننا تھا کہ فریقین میں قدیم جوش پھر تازہ ہو گئے اور باتوں باتوں میں تکرار بڑھتے بڑھتے جانبین سے تلواریں کھینچ گئیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوراً موقع پر خبر پہنچ گئی۔ آپ تشریف لائے اور ان کو پند وموعظت فرمائی اور آتش فتنہ وفساد کو رد کر دیا۔

قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ۝۱۰۰ (آل عمران)

مسلمانوں اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

یہودیوں کی قریش کے ساتھ سازش کی حالت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔عبداللہ بن ابی سلول کے ساتھ مجالست و مکالمت کی کیفیت بھی بیان ہو چکی ہے۔ابھی ابھی ابوسفیان مقام کدر پر اپنا دستہ فوج چھوڑ کر اور راتوں رات چھپ کر مدینہ پہنچا اور اسلام بن مشکم رئیس یہود کے ساتھ رات بھر صلاح و مشاورت کر کے واپس جا چکا ہے اس کی حقیقت بھی اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔

اس مشاورت وصلاح سے پہلے قریش کی یہ دھمکی ان الفاظ میں یہودیوں کو پہنچ چکی تھی۔

انکم اھل الحلقه و الحصون وانکم تقاتلن صاجنا اولنفعلن کذاولا یحول بیننا وبین خدم نسآء کم شئی۔ سیرۃ النبیﷺ بحوالہ ابن داؤد

تم لوگوں کے پاس اسلحات جنگ اور قلعجات ہیں تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہمیں تمہاری عورتوں کے کپڑے تک پہنچنے میں نہ روک سکے گی۔

یہ تحریر صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش سے خط و کتابت برابر جاری تھی اور ایذائے اسلام کی غرض سے ریشہ دوانیاں ہمیشہ قائم تھیں۔اس اثنا میں بدر کی عظیم الشان فتح نے یہودیوں کے تمام رازہائے مخفی کا انکشاف کر دیا اور وہ اسلام کی مخالفت میں بالکل کھل پڑے۔ان میں سب سے پہلے قبیلہ بنی قینقاع کے یہود اسلام کے حریف بنکر سامنے آ گئے جیسا کہ تمام محدثین و مؤرخین بالاتفاق لکھتے ہیں۔

ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا ما بینهم و بین رسول الله صلعم و حاربوا بین بدر واحد

بنوقینقاع پہلے یہودی تھے جنہوں نے اس معاہدے کو جو ان میں اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھا توڑ ڈالا اور بدر و احد کے درمیان میں مسلمانوں سے لڑ پڑے۔

بنی قینقاع کی خصومتیں

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ بدر میں یہودیوں کی شرکت منافقانہ اور تماشائیانہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد بھی غزوہ بنی قینقاع کے ذکر میں میرے اس بیان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

فلما كانت وقعة بدر اظهر و البغى و الحسد و نبذ و العهد و المرة

واقعہ بدر ہی سے یہودیوں نے شورش اور حسد کا اظہار کر دیا اور معاہدہ کو توڑا۔

رسالت کی حقیقت بین نگاہ نے اسی وقت سے ان کا رخ پہچان لیا تھا اور معاودت بدر کے بعد سے ان کی طرف بڑے حزم و احتیاط اور ہوشیاری اختیار کی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو کہیں شہر میں آنے جانے سے پرہیز کر لیا تھا۔ رات کا آنا جانا بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ یہودیوں کی طرف سے وقعتاً حملے اور جان کے خطرے کا خوف تھا۔ صحابہ پر بھی احتیاط کی تاکید تھی اور صحابہ بھی ہمیشہ احتیاط کیا کرتے تھے اور ہوشیار رہا کرتے تھے۔ چونکہ ہر صحابی کو رسولؐ کی جان اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز تھی اس لیے طلحہ بن براء، انہیں ایام میں جب بیمار ہو کر قریب مرگ ہوئے تو انہوں نے اپنے اعزہ واحباب کو پاس بلا کر سب سے پہلے جو وصیت کی وہ نہ اہل وعیال کے متعلق تھی اور نہ اپنی جائیداد واموال کی نسبت تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے۔

خیال رکھو! اگر میں رات کے وقت مر جاؤں تو تم لوگ ہرگز ہرگز آنحضرت صلعم کو میرے مرنے کی اطلاع نہ کرنا۔ اس لیے کہ اگر ان کو اطلاع ہوئی اور آپ میری مشایعت جنازہ کی عزت بخشی کے قصد سے باہر نکلے تو مجھے یہودیوں کی طرف سے آپ پر وقوع ضرر کا خوف واندیشہ ہے۔ اس لیے مصلحت یہی ہے کہ انہیں اطلاع ہی نہ دی جائے اور تم سب مجھے مل کر دفن کر دو۔ سیرۃ النبی ص 295 بحوالہ اصابہ ابن حجر۔

بنی قینقاع کے خاص حالات

بنی قینقاع یہودیوں کا بہت ہی خوشحال قبیلہ تھا۔ یہ لوگ زیورات کے بہت بڑے کاریگر تھے اور چاندی سونے کے بہت بڑے دستکار اور اہل کاروبار تھے۔ ان کا بہت بڑا بازار مدینہ میں انہیں کے نام سے مشہور تھا اور سوق بنی قینقاع کہا جاتا تھا۔

بنی قینقاع نے مخالفت اسلام میں یوں پیشدستی کی کہ انصار کے قبیلہ کی ایک عورت اپنی ضرورت سے سوق بنی قینقاع میں ایک یہودی کی دوکان پر گئی یہودی نے اس کے ساتھ جاہلانہ مذاق کیا اور وہ یہ تھا کہ اس کی لاعلمی میں پیچھے سے آ کر اس کے پیراہن کا دامن اس طرح چاک کر دیا کہ جب وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر اٹھی تو بالکل برہنہ تھی۔ اس کے اٹھتے ہی یہودیوں میں قہقہے پڑ گئے اور سینکڑوں تالیاں بج گئیں یہ غریب مفت رسوا ہوگئی اور گویا شرم سے مرگئی بھرے بازار میں ننگی عورت کیسی شرمناک بات ہے اتفاق سے ایک مسلمان بھی بازار میں وہیں سودا لے رہا تھا اس کو یہودیوں کی اس حرکت ناشائستہ پر سخت طیش آ گیا اور اس نے اس شریر یہودی کو قتل کر ڈالا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ یہود کہیں دور تو تھے ہی نہیں فوراً جمع ہو گئے اور اس کا قیمہ قیمہ کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ معدودے چند اصحاب کے ساتھ صرف فہمائش کی غرض

خاص سے موقع پر تشریف لے گئے اور یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کو بھی بدر والوں کی طرح مصیبتیں پیش آئیں۔

اتنا سننا تھا کہ تمام یہودی چراغ پا ہو گئے اور آتش غیظ وغضب میں جل کر نہایت دریدہ دہنی سے ان الفاظ میں جواب دیئے۔

یا محمد انك ترى اناقوم لايغرنك انك لقيت قوما لاعلم لها بالحرب فاصبت منهم فرصة انا والله لئن حاربتاك لتعلمن انانحن الناس ابن هشام جلد دوم ص 70

اے محمدؐ (صلعم) کیا تم نے ہمیں بھی اپنی قوم کے لوگ سمجھا ہے اور اس امر پر تم مغرور نہ ہو کہ تم کو ایک ایسی قوم سے سامنا ہوا تھا جو فن جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ خدا کی قسم تمہیں ہم سے پالا پڑے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ مرد ہم لوگ ہیں۔

یہ یہودیوں کا صرف گستاخانہ جواب ہی نہ تھا بلکہ اسلام کے مقابلہ میں صاف صاف اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ ان مغرور شوخ چشموں نے وہ عہدنامہ جو مسلمانوں کے ساتھ لکھا تھا واپس کر دیا۔

رحمت العلمین نے واعرض عن الجاھلین جاہلوں سے نہ الجھو کے حکم محکم پر نظر رکھ کر قطعی سکوت اختیار فرمایا اور بالکل خاموشی کے ساتھ موقع سے واپس آئے۔ مراجعت کے بعد فوراً فوج اسلامی نے قبیلہ قینقاع کا محاصرہ کر لیا۔ اس لیے کہ ان کے روبرو زبانی اعلانِ جنگ کرنے اور آپس میں معاہدہ کے واپس دینے سے اصلاح ویکسوئی معاملات کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

محاصرہ کو پورے پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہودیوں کی تمام گرم جوشیاں ٹھنڈی ہو گئیں گو ان کے قلعے ابھی تک بند تھے لیکن ان کی ہمت وجرات کے بند کھل گئے تھے۔ آخر کار تصفیہ پر راضی ہوئے اور کہلا بھیجا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ آپ نے ان کے معاملہ میں خود فیصلہ فرمانے سے احتیاط کی اور عبداللہ بن ابی سلول کو جو ان کا قدیم حلیف تھا اور آغاز محاصرہ سے ان کے معاملات کو تصفیہ سے طے کر دیئے جانے کے لیے آنحضرت صلعم کی خدمت میں برابر آرزو و منت کیا کرتا تھا حکم مقرر کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے ان کے جلاء وطن کر دیئے جانے کا حکم سنایا۔ بنی قینقاع نے فیصلہ کا حکم منظور تو کر لیا مگر عبادہ بن الصامت کو بھیج کر تین دن کی مہلت مانگی جو منظور کر لی گئی۔ تین دن کے بعد یہ قبیلہ کا قبیلہ جو شمار میں سات سو آدمی تھے اور جن میں صرف تین سو جوانان زرہ پوش تھے۔ مدینہ کو خالی کر کے موضع ورعات میں جو علاقہ شام میں داخل ہے چلے گئے۔

جس قدر مال واسباب وہ لے جاسکے ہمراہ لے گئے جو چھوڑ گئے وہ مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوا۔ اموال غنیمت میں سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس جدا کر لی اور یہ پہلی رقم خمس تھی جو مال غنیمت سے علیحدہ کی گئی۔ اس کے بعد مال غنیمت تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ روضۃ الاحباب ص245

3ہجری

(قتل کعب بن الاشرف یہودی۔ ربیع الآخر 3ہجری)

کعب ابن اشرف یہودیوں میں یہ عجیب مایہ فساد تھا، شرارت کا پتلا، اسلام کی مخالفت کا پورا مجسمہ، اس شریر النفس کا عضو عضو فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی سے پر تھا۔ حقیقت نسبی اس کی یوں ہے کہ ایک عرب اشرف نامی جو قبیلہ طے سے تھا۔ اتفاقاً یہودان بنی نضیر کا حلیف بن گیا اور اس تعلق سے مدینہ میں اس کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہودیوں میں اس کا اتنا اعزاز و امتیاز بڑھ گیا کہ انہوں نے اس کو مستقل طور سے مدینہ میں بسا لیا۔ طرہ یہ ہوا کہ ابو رافع بن ابی حقیق نے جو یہودیوں کا مذہبی پیشوا اور تاجر الحجار تک لقب اضافی سے مشہور تھا۔ اپنی لڑکی بیاہ دی اب تو اشرف تمام اشراف یہود کا گویا تاجدار بن گیا۔ کعب اسی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا۔

کعب سن تمیز پر پہنچ کر اپنے باپ سے بھی حرفت، فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی میں نمبر لے گیا اور فن شاعری میں تو کامل نکلا۔ بہت بڑا سحر البیان اور فصیح اللسان مشہور ہوا۔ کعب نے اپنی شہرہ کی موجودہ ذریعوں سے سب سے بڑی بات اپنے مقاصد کی کامیابی میں یہ پیدا کر لی کہ اس نے یہودیوں کے ساتھ اپنے تعلقات وسیع اور پر اثر بناتے بناتے قریش کو بھی اپنے مراسم وارتباط سے اپنا مطیع ومنقاد بنالیا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کے استحصال کے خیال بھی اس کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔

کعب کی مخالفت اسلام

کعب یہودیوں کا مذہبی پیشوا تو تھا ہی اس نے مذہب یہود کی پوری تنظیم کی۔ مدینہ اور اس کے بیرونی مقاموں میں علمائے یہود کے ماہانہ وظیفے مقرر کیے۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور اسلام کا چاروں طرف چرچا ہوا تو ایک دفعہ علمائے یہود بیرونجات سے اس کے پاس مقررہ وظائف لینے آئے کعب نے ان سے آنحضرت صلعم کی نسبت دریافت کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہی نبی منتظر ہے۔ جس کی آمد کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اتنا سننا تھا کہ کعب جل اٹھا اور ان لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارے وظیفے بند۔ تم لوگ گھر لوٹ جاؤ۔ یہ علمائے یہود خالی اپنے گھر واپس آئے۔ پیٹ تو بڑی بری شے ہوتی ہے۔ آخر کار ناداری اور عسرت نے ایمان فروشی پر تیار کر دیا اور بغیر گذارے یا وظیفہ کے گزارا نہیں دیکھا تو پھر لوٹ کر کعب کے پاس آئے اور اس کے آگے ان ایمان فروشوں نے ان الفاظ کے ساتھ دست سوال بڑھائے۔ زرقانی لکھتے ہیں:

قالو اله انا عجلنا فيما اخبرناك به اولا ولما استبنا علمنا انا اغلطنا وليس هو المنتظر فرضى عنهم وصلهم كما قال ابن سعد۔ زرقانی

جلدی میں ہم نے آپ کو جواب دے دیا تھا۔ اب جب ہم نے اپنی کتابوں میں اپنے علم سے تحقیق کی تو

معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے غلط کہا یہ شخص نبی منتظر نہیں ہے۔ یہ سن کر کعب راضی ہو گیا اور ان کے وظائف ان کو دے دیئے جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

اس نے مخالفت اسلام میں اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ جب قریش کے پاس کشتگان بدر کی تعزیت کی غرض سے مکہ پہنچا تو ابوسفیان وغیرہ نے اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (صلعم) کا دین اور ان دونوں میں تمہارے نزدیک کون سا دین بہتر ہے اور ان میں سے کون سا دین حقیقت اور ہدایت سے قریب تر ہے۔ کعب نے کہا تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ یہی واقعہ آیہ الم ترا کیف الخ کے نزول کا باعث ہوا۔ جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہو گا۔ زرقانی ص12 ج2

یوں تو تمام یہودیوں میں بدر کی فتح نے عموماً آتش حسد بھڑکا دی تھی لیکن وہ ان کے دلوں کے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی لیکن خاص کر کعب کے جلتے انگارے ایسے ٹھہرے کہ آخر اسے باہر کھینچ لائے۔ کسی طرح گھر میں چین نہ لینے دیا اور مدینہ سے مکہ میں پہنچا دیا اور کشتگان بدر کا نوحہ خوان بنا کر صف ماتم پر بٹھلا دیا۔ شاعری میں کعب کی مضمون آفرینی تو مشہور تھی۔ اس نے کشتگان بدر کے خوب خوب مرثیے کہے اور ان میں مخالفت اسلام کے خوب اشتعال انگیز پہلو نکالے۔ ابن ہشام نے اس موقع پر اس کی مختلف نظمیں لکھیں ہیں لیکن ہم ان میں سے اس کی ایک نظم کے صرف دو چار اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں:

طحنت رحی بدر لمهلك اهلة
وبمثل بدر تستهلو تدمع
كم قداصيب به من ابيض ماجدا
ذی بهجة نأدی اليه الفيع
ليزور يثرب بألمجموع و انما
عجمی علی الحساب الكريم الا ورع

جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا۔ بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پیٹنا چاہیے۔ کتنے سفید، شریف اور بارونق چہرے۔ جن کے یہاں بہت سے اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے۔ اپنی فوج کے ساتھ مدینہ چلے چلو اور عالی خاندان صاحب ورع کی شان سے (اپنے مردوں کی) حمایت کرو۔ تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص72

کعب کے یہ نوحے ایسے پر درد نکلے اور تمام قریش کو اتنے دلپسند ہوئے کہ گھر گھر میں اسے بلا بلا کر نظمیں پڑھوائی گئیں۔ ایسے ہی تمام قریش کے مجمعوں میں کعب جاتا رہا اور مردگان بدر پر آپ بھی روتا رہا اور تمام مجمع کو رلاتا رہا۔

تاریخ الخمیس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنہا مکہ میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے چالیس رفقا کا پورا دستہ ماتم بنا کر ہمراہ لے گیا

تھا۔ ابوسفیان کا مہمان ہوا اور اس کو ساتھ لیکر حرم میں آیا اور سب نے حرم کا پردہ تھام کر قسم کھائی کہ کشتگان بدر کا مسلمانوں سے ضرور قصاص لیں گے۔ شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

کعب نے انہیں شرارتوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ قصہ کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرا دے۔ علامہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں بنونصیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں:

کعب بن الاشرف الیھودی الذی ارادان یمکر برسول اللہ صلعم

کعب بن الاشرف یہودی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر دینا چاہا تھا۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے (ذکر کعب بن اشرف میں) عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت (صلعم) کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو معین کر دیا جب آپ تشریف لائیں تو دھوکے سے آپ کو قتل کر دیں۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہیں تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔ ص298

مکہ میں جو اس نے اشتعال انگیزی کی اس کی تفصیلی حالت ہم اوپر لکھ کر دکھلا چکے ہیں۔ کعب مکہ سے مدینہ میں آیا تو پھر اسلام کی ہجو میں اشعار لکھنے کی مشق شروع کر دی اور اب کی بار جدت طبع کا یہ نمونہ دکھلایا کہ مسلمان عورتوں کی شان میں مختلف گیتیں تیار کیں اور ان میں جی بھر بھر کے انکی پردہ دری اور عیب جوئی سے کام لیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

ثم رجع الی کعب الی المدینه فسبب بنسآء المسلمین حتی اذاھم

کعب مدینہ میں آیا اور مسلمان عورتوں کی گیتیں تیار کیں اور یہاں تک کہ ان کو ایذا پہنچائی۔ ص73 جلد دوم

مکہ ہی سے اس کی زبان خواتین اسلامی کی طرف تیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ شکست بدر کی نظموں میں اس نے ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ محترمہ کی طرف خطاب کر کے یہ شعر کہا تھا۔

أي أحل انت لم ترحل بمنقه
وتارك انت ام الفضل بأحرم

اے موت تو بدر کے میدان (منقب میں کیوں بیٹھ رہی
اور تو نے ام الفضل کو حرم میں کیوں (زندہ) چھوڑ دیا

زرقانی ص10 جلد دوم باسناد روض الانف سہیلی

حقیقت میں کعب کے جرائم اب اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ کوئی قانون، خواہ اخلاقی ہوں یا قومی، تحمل و برداشت کی زیادہ اجازت نہیں دیتا بلکہ سزائے فوری کا حکم لگاتا۔ اس لیے کہ اب اس کی ناپاک ہستی سے دوسرے پاک نفوس کے امن و امان میں سخت نقصان پہنچنے کا پورا یقین ہو چکا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس شرارت، فتنہ انگیزی اور اشتعال طبعی کی حرکتوں کو دیکھ کر

عاجز آ گئے اور خدائے سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں یوں دعا فرمانے لگے۔

اللھم اکفنی ابن الاشرف بما ثیئت فی اعلانہ الثیر

پروردگار! اب تو ابن اشرف کے اظہار شر و فساد سے مجھے بچا لے۔

یہ مسلم ہے کہ جب انسان کی تمام امکانی قوتیں کسی امر میں عاجز رہ جاتی ہیں تب وہ اس امر کو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی ضرورت پیش آئی۔ مجیب الدعوات نے اسی وقت رسول اللہ صلعم کی اس دعا پر لبیک کہی اور ابن اشرف کے متعلق ان الفاظ قرآن میں سزائے کافی کی طرف اشارت فرمائی۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ باصحابہ وقد اخبرنی اللہ بذلك ثم قرآء علی روس المسلمین۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

اس آیہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلعم نے فوراً صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم کو اس معاملہ (معاملہ کعب) کے متعلق خدا کا حکم مل گیا اور اسی وقت آپ نے یہ آیت پوری تمام مسلمانوں کو بڑھ کر سنا دی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کو کتاب خدا کا کچھ حصہ ملا ہے کہ وہ جست و طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جو لوگ خدا پر اور اس کی راہ میں ایمان لائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت فرمائی اور جن پر خدا لعنت فرماتا ہے۔ ان کے لیے کوئی معین و مددگار نہیں ہے۔

نزول حکم کے وقت محمد بن مسلمہ، ایک خوش عقیدت صحابی حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں وہ مفسد ختم کر دیا جائے۔ تو میں اس خدمت کی انجام دہی کو حاضر ہوں اور اس بلائے بے درمان کو اسلام اور اہل اسلام کے سر سے ٹال دینے پر تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے لیکن اس امر میں عجلت نہ کرو۔ سعد بن معاذ سے مشورہ کر لو۔ چنانچہ سعد سے مشورہ کیا گیا۔ سعد نے کہا اس کے پاس غلہ وغیرہ قرض لینے کے حیلہ سے جاؤ۔ وہ قرض کا نام سنتے ہی اپنے قلعہ سے باہر آ جائے گا، تم اپنا کام کر لینا۔

محمد بن مسلمہ نے اپنے اس مشورے میں ابن نائلہ، عباد بن بشر، حارث بن اوس بن معاذ اور ابو عبیس بن جبیر، چار جوانان انصار کو شریک کر لیا تھا اور اس مہم کی انجام دہی میں ان کو اپنا رفیق بنا لیا تھا۔ مؤرخین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ پانچوں انصار تھے اور قبیلہ اس کی یادگاران میں سے کوئی بھی کسی دوسری قوم و قبیلہ کا آدمی نہیں تھا۔

محمد بن مسلمہ نے اس مہم کو کیوں اپنے ذمہ لیا تھا اس وجہ سے کہ واقدی کی روایت کے مطابق محمد کعب کا رضاعی بھائی تھا۔لیکن واقدی کے خلاف تمام مؤرخین واہل سیرت اور نیز علمائے محدثین نے ابونائلہ کو کعب کا رضاعی بھائی قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابو نائلہ اسلام لانے سے پہلے کعب کا ندیم خاص تھا۔اسلام کے بعد آپس میں جدائی ہوگئی۔

محمد بن مسلمہ نے پہلے دن کے وقت ابونائلہ کو کعب کے پاس اس کی دلجوئی کرنے اور استمزاج لینے کی غرض سے بھیجا۔ابونائلہ پہنچا،کعب نے بڑے خلوص سے اس کی خاطر و مدارات کی اور دیر تک آپس میں شعر جوئی ہوتی رہی پھر ابونائلہ نے اپنے مدعائے بیان کو اس عنوان سے شروع کیا۔

بھائی کیا کہیں اس شخص کا (رسول صلعم) آنا تو ہم لوگوں کے لیے بلائے جان ہوگیا۔تمام عرب ہمارے دشمن ہو کر ہم سے جنگ وقتال پر آمادہ اور مستعد ہوگئے اور ایک کمان سے ہم پر تیر چلانے لگے۔ہماری تجارت اور کاروبار کی تمام راہیں بند کردیں۔اس شخص (رسول اللہ صلعم) کا یہ حال ہے کہ ہمارے پاس تو خود کھانے کو نہیں ہے۔ہم ان کو دیں تو کہاں سے۔یہ ہیں کہ ہم سے ہمیشہ وصولی ہی کی فکر میں ہیں یہ سن کر کعب بولا ابھی کیا ہوا ہے۔اس سے بڑھ کر بلا و مصیبت میں پڑو گے مگر بھائی یہ بتلاؤ کہ ان مشاہدات مخالف کے بعد بھی مدینہ والوں کے خیال محمدؐ (صلعم) کی طرف سے کیسے ہیں؟ ابونائلہ نے کہا کہ ظن غالب یہ ہے کہ ان کی حمایت سے لوگ دست بردار ہوجائیں اور ان سے دوری اختیار کریں گے۔لیکن بات یہ ہے کہ ابھی ابھی ان سے عہد و پیمان کر چکے ہیں۔اس وجہ سے عجلت کرنا نہیں چاہتے۔یہ سنکر کعب بہت ہی مسرور ہوا۔ابونائلہ نے کہا محمد صلعم کی نسبت تمہیں میرے ذاتی خیالات تو معلوم ہو چکے ہیں اب تم کو یہ بھی سنائے دیتے ہیں اور یہ یقین ہے کہ تم اسے سنکر بہت خوش ہوگے کہ میں نے اپنے اس خیال میں اکثر لوگوں کو شریک کرلیا ہے۔چنانچہ محمدؐ بن مسلمہ،عباد بن بشر،حارث ابن اوس بن معاذ اور ابوعبیس یہ تمام لوگ میرے ہم خیال اور ہم رائے ہو چکے ہیں اور ہمیں اور ہمارے ان تمام دوستوں کو اپنی عسرت و ناداری کی موجودہ حالتوں میں تمہاری استعانت و مددگاری کی ضرورت پیش آگئی ہے اور ہم اس وقت اسی ضرورت کی وجہ سے تمہارے پاس حاضر ہوئے ہیں۔کعب نے کہا تم کو کیا ضرورت ہے اگر قرض لینا چاہتے ہو تو اپنی بی بیوں کو رہن رکھ دو۔ابونائلہ نے کہا ہمیں بی بیوں کے رہن میں صرف یہ تامل ہے کہ تم ماشاءاللہ جیسے صاحب حسن و جمال ہو وہ روشن ہے۔ہماری بیبیاں تمہارے حسن و جمال کے مقابلہ میں اپنی عصمت وفا پر قائم نہ رہ سکیں گی۔کعب بولا اچھا لڑکوں کو گروی رکھ دو۔ابونائلہ بولا آمین بھی شماتت دنیا کی وجہ سے تامل ہے۔دنیا کہے گی کہ جن بچوں کے واسطے قرض لینے گئے انہیں کو گروی رکھ کر آئے۔پھر قرض لیا بھی تو کس کے لیے۔ہاں ان دونوں چیزوں کی جگہ اگر تم ہمارے اسلحات کو رہن کرکے قرضہ دینے کا وعدہ کرو تو ہم لوگ رات کو اپنے اسلحات لے کر تمہارے پاس آئیں یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ آج چاروں طرف جنگ و قتال کی خیر گرما گرم مشہور ہونے سے انسان کو عموماً اسلحات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے یہ سن کر کعب نے کہا اچھا اپنے اپنے اسلحات لے کر تم لوگ رات کو آنا۔

ابونائلہ یہ قول و قرار لے کر کعب سے رخصت ہوا۔اپنے رفقاء سے ملا اور ساری سرگزشت سنا دی۔پھر یہ لوگ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور روئداد عرض کی۔آپ نے ارشاد فرمایا:

انطلقوا بسم اللہ اللھم اعنکم

خدا کا نام لے کر جاؤ، خدا تمہاری اعانت فرمائے۔

رات ہوئی تو یہ لوگ حصار کعب کی طرف روانہ ہوئے۔حسن اتفاق سے مہینہ کی چودھویں تاریخ تھی اور رات بھر کی چاندنی یہ لوگ چلے تو چاروں طرف میدان میں چاندی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ پانچوں جوانان انصار کعب کے دروازے پر پہنچے۔آواز دی کعب اس وقت عیش وعشرت کے عالم خاص میں غرق تھا اور دولہ بنا بیٹھا تھا۔حسین ترین عرب کی ایک دوشیزہ لڑکی سے اسی دن نکاح کیا تھا۔ وہ حسینہ تو عطریات اور دیگر خوشبویات میں ڈوبی ہوئی پوری عروس نو بہار بنی تھی اسی کے ساتھ یہ بھی کپڑوں اور بالوں میں عطریات وخوشبویات لگائے اس کے پہلو میں سراپا گلدستہ بنے بیٹھے تھے۔آواز سن کر فوراً چلنے لگے۔ بی بی نے منع کیا انہوں نے کہا جانے دو۔ ہمارے بھائی اور احباب بلاتے ہیں۔ وہ بولی کہتی ہوں نہ جاؤ مجھے ان کی آواز سے بوئے شرارت آتی ہے۔کعب نے کہا نہیں کوئی غیر نہیں سب اپنے ہیں۔ ان میں میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ بھی موجود ہے اور وہ اس قدر میرے آرام کا خواہاں ہے کہ اگر سخت ضرورت کے وقت بھی مجھے سوتا ہوا پائے تو کبھی نہ جگائے۔تو پھر ایسے لوگوں سے اندیشہ کیسا؟ بی بی بولی یہ سب صحیح ہے مگر میں کہتی ہوں تم نہ جاؤ، ضرور خطرہ ہے۔کعب نے کہا تم کیسا بے معنی اصرار کرتی ہو تم نہیں جانتی ہو ہم ان لوگوں سے وعدہ کر چکے ہیں اور شرفا کے لیے ایفائے وعدہ فرض اولین ہے۔ یہ کہا اور بی بی سے دامن چھڑا کر قلعہ کے نیچے اتر آیا۔

اس اثنا میں محمدؐ بن مسلمہ نے اپنے ہمراہیوں سے یہ ترکیب قتل کعب کی ٹھہرالی کہ میں اس کے لمبے بال پکڑ لوں گا اور اشارہ کروں گا تم تلوار لے کر ٹوٹ پڑنا۔

کعب نیچے آتے ہی ان لوگوں سے بلا تکلف ملا تھوڑی دیر تک باہمانہ مراسم تعظیم وتکریم ہوتے رہے اس اثنا میں ابو نائلہ نے کہا کعب کیا اچھی چاندنی ہے۔کیا تم شب ماہ کی طلف انگیزیوں کو سیر کرنا نہیں چاہتے؟ آؤ ٹہلتے ہوئے بیر عجوز (ایک قریب کے کنوئیں کا نام ہے) تک چلیں۔ چاندانی کا لطف اٹھائیں اور ایک دوسرے کی گفتگو سے لطف اندوز ہوں۔کعب نے کہا ہاں ہاں چلو غرض سب مل کر خراماں خراماں چلے۔

اس اثنا میں محمدؐ بن مسلمہ نے کہا،کعب حقیقت تو یہ ہے کہ تم سراپا عطر ہو رہے ہو اور ایسی خوشبو تم سے اس وقت آ رہی ہے کہ میں نے تو آج تک ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ لاؤ ذرا اپنے بال تو مجھے سونگھنے دو۔کعب نے بڑھائے۔محمدؐ نے خود بھی سونگھے اور ہمراہیوں کو بھی سنگھلائے۔ پھر چھوڑ دیئے اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔تھوڑی دیر کے بعد پھر محمدؐ نے بال سونگھنے کی خواہش کی۔کعب نے پھر کاکل بڑھا دیئے۔اب کی بار محمدؐ نے اس کے بالوں کو مضبوطی سے اپنی کلائی پر لپیٹ لیا اور رفقا کو اشارہ کیا۔ وہ تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اتفاق سے کوئی تلوار کام نہیں کرتی تھی۔ محمدؐ نے دیکھا دیر ہو رہی ہے فوراً فراولی نکالی اور اس کے پیٹ پر رکھ کر پوری نیچے اتار دی۔ کعب نے ایک ایسی چیخ ماری کہ آس پاس تمام یہودیوں کے قلعوں میں اس کی آواز پہنچ گئی۔

اس کی بی بی نے کھڑے ہو کر یا آل نضیر یا بنی قریظہ کے نعرے مار کر حمایت طلب کی۔ ادھر انصار کعب کا سر کاٹ کر چلتے

ہوئے جلدی میں حارث کو اپنی تلوار سے خود خفیف سا زخم لگ گیا تھا۔

یہودیوں نے انصار کا فوراً تعاقب کیا۔ مگر یہ لوگ راہ کاٹ کر دوسری راہ سے اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئے اور فوراً خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو کر کعب کا ناپاک سر پائے مطہر پر ڈال دیا۔ آپ نے تبسم فرما کر انصار کے چہروں کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا **افلحت الوجوہ** کیسے خوشحال اور بشاش چہرے ہیں۔ عقیدت مندوں نے فوراً عرض کی و جھک یارسول اللہؐ حضور کا چہرۂ مبارک بھی یارسول اللہؐ اس کے بعد آپ نے فوراً سجدہ شکر ادا فرمایا اور حارث کے موضع زخم پر لعاب دہن لگا دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

صبح کو کعب کے قبیلے والے دربار رسالت میں مستغیث بن کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ مستوجب القتل تھا۔ دین خدا کی اہانت کرتا تھا۔ مسلمان مرد و عورتوں کی ہجو کرتا تھا اور مسلمانوں کے قتل پر دوسری قوموں کو برانگیختہ کرتا تھا۔ یہودیوں کو بنی قینقاع کا نتیجہ پیش نظر آ گیا۔ ان کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح لکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے حضرت علیؑ سے یہ صلحنامہ لکھوا کر انہیں کے پاس رکھوا دیا۔ زرقانی جلد دوم ص 12 بحوالہ ابن سعد

شبلی صاحب کا اختصار

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو ضرورتاً اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور اختصار بھی ایسا جو بالکل واقعہ کی تلخیص ہے اور وہ بھی اس انداز سے تحریر فرمائی گئی ہے کہ گویا کعب کا قتل محمد بن مسلمہ وغیرہم کی اپنی رائے و تجویز کا مقتضا تھا۔ خدا یا رسول کا منشا نہیں تھا اسی وجہ سے آپ نے اس واقعہ کے متعلق اس آیہ قرآنی کو نہیں لکھا جس سے قتل کعب کا حکم مستنبط ہے اور جن کو ہم مفسرین و محدثین کے اسناد متفقہ سے اوپر لکھ آئے ہیں اور نزول حکم کے وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ و مطلع فرما دینا بھی نقل کر چکے ہیں اس شریر النفس یہودی کے جتنے جرائم تھے ان کو شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے اور ان سے زیادہ میں نے لکھ کر بتلا دیئے پھر ان تصریحات کے بعد آپ کا اس واقعہ کو اختصار و تلخیص کے ساتھ اس انداز سے لکھنا کہ رسولؐ اس کے حکم و عمل سے بال بال الگ دکھلائی دیں کس سبب سے ہے؟

سب خالص تو وہی معلوم ہوتا ہے کہ معترضین اور خصوصاً عیسائی مولفین کے اعتراض کا قدیم خوف پھر عائد حال ہو گیا کہ وہ کہیں گے کہ مسلمانوں نے حکم رسولؐ سے کعب کو ظلم و جبر اور حیلہ و عذر سے قتل کر ڈالا۔ اسی خوف کے خاموش اثر سے جس کو آپ ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تلمیحاً یہ عبارت لکھ دی ہے جس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمدؐ بن مسلمہ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہمیں کچھ کہنے کی اجازت دی جائے۔ ارباب سیر نے اس کے یہ معنی لگائے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ بات کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ **الحرب خدعہ** یعنی لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہے **اذن لنا فلنقل** یعنی ہمیں اجازت دیں کہ ہم گفتگو کریں۔ اس سے غلط گوئی کہاں نکلتی ہے۔ سیرۃ النبی ص 298

نشانہ ہوں گے ہمیں تیر جس کمان سے چلے۔

شبلی صاحب کے نزدیک تمام باتوں کے بگاڑنے والے اہل سیرت ثابت ہوتے ہیں لیکن میری تحقیق میں علی الاکثر حضرات محدثین ہی ان غلط فہمیوں کے پھیلانے کے باعث قرار پاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی کثیر التعداد کتابیں حدیثوں میں لکھی گئی ہیں اتنی سیرت میں نہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں شرح زرقانی صفحہ 11 و 12 پڑھ کر دیکھ لیے جائیں کہ الحزب خدعة کے مسلمہ کے تسلیم کرنے والے کتنے محدثین کرام ثابت ہوتے ہیں پھر تنہا اہل سیرت کو ملزم بنانا کیسا؟ اور الحزب خدعة کے مسلمہ صحیحہ سے آپ کو انکار کیوں ہے؟

یہ مسلمہ متفقہ صرف حکم شریعت ہی کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ قانون فطرت کے بالکل موافق، ہر قوم وملت کے آگے ثابت ہو چکا ہے اور ابتدائے عالم سے لے کر اس دم تک ہر قوم وملک اور ملت ومذہب میں اس پر عملدرآمد جاری ہے اگر آپ اس مسلمہ سے انکار کریں گے تو پھر آپ کو واقعہ ہجرت میں فرش خواب پر حضرت علی کو سلا دینے اور رسول اللہؐ کے یوں مخفی طور سے چلے جانے اور اس موقعہ پر خدا کے اس عملی حکم فرمانے

واذیکمربك الذین کفرو الیثوك او یقتلوك اویخرجوك و یمکرون ویمکر اللہ و اللہ خیر الما کرین

جس وقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تمہیں قید کر لیں، قتل کر ڈالیں یا خارج البلد کر دیں اور وہ مکر کرتے تھے اور خدا ان کے مکر کا جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ماکرین (مکر کرنے والوں کا۔ کے جواب معقول پیش کرنے کے لیے بھی تیار ہو جانا چاہیے۔

یہ سب توہمات ہیں جو شبہات وقیاسات سے بھی تخیلات انسانی کے دائرے میں فروتر ہیں۔ ہم نے اس واقعہ کے ذکر ونقل میں پہلے ہی سے آپ کے اس اختصار وتلخیص کے سبب اصلی کو پالیا ہے اور اسی وجہ خاص سے قتل کعب کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بالکل خدا اور رسولؐ کے مطابق ہونا، تمام اسناد صحیحہ وشہود وقویہ سے ثابت کر دیا ہے اور پوری توجیہ وتصریح کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا ہے کہ کعب کی مخالفت اسلام، ایذائے رسول انام، اشتعال قریش، ہتک ناموس مسلمانوں وغیرہ وغیرہ ایسے ناقابل عفو جرائم تھے جن کی سزا سوائے قتل کے دوسری نہیں ہو سکتی تھی اور وہی منشائے قدرت بھی تھی اور اسی کے مطابق تعمیل بھی کی گئی۔

باقی رہی تعمیل کی صورت جس پر شبلی صاحب کی نظر پڑی ہے اور دوسروں کی نظر پڑنے کا بھی خوف ہوا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کعب کے ساتھ لشکر تو تھا ہی نہیں، جس کے لیے بھر اہی لشکر مقابلہ کی ضرورت ہوتی اور سامان حرب وضرب درست کرنے پڑتے، صرف اس کی ایک ناپاک ہستی کو ختم کر دینا تھا کہ مفسدوں کے دروازے بند ہو جائیں۔ اس بنا پر اس کو صرف قتل کر دینا تھا اور جب اس کا اصل قتل حکم خدا اور رسولؐ سے متہم ہو چکا تھا تو اس کی صورت ظاہری اور اس کے اقسام واطراف کی جزئیات سے بحث کرنا محض بیکار ہے۔

قتل ابورافع سلام بن ابی الحقیق یہودی

کعب کی طرح ابورافع سلام بن ابی الحقیق یہودی بھی سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ جرم و مجرم کی حقیقت و مقدار جب یکساں تھی تو اصول مساوات کی بنا پر صورت سزا بھی مساوی ہونی چاہیے۔ لہٰذا ابورافع نے بھی جس کا نام سلام بن ابی الحقیق یہودی تھا، اپنے مثالم کے آخر نتیجے ویسے ہی دیکھے جیسے کعب بن اشرف نے تفصیل آگے آتی ہے۔

قتل ابورافع کے تعین وقت کی نسبت تنہا اہل تاریخ و سیرت ہی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ محدثین میں بھی۔

زرقانی جلد دوم ص190 میں یہ تمام اقوال جمع کر دیئے ہیں اور ان کی تحقیق سے جس زمانہ خاص کو مختار قرار دیا ہے وہ حافظ ابن حجر صاحب کے نظریہ کے موافق جمادی الاولیٰ (قتل کعب سے دو مہینے بعد) 3 ہجری ہوتا ہے اور اسی کو امام المؤرخین ابن جریر طبری اور رئیس المحدثین حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے بھی اپنا قول و مختار قرار دیا ہے۔ ہم اس کی تفصیل کو کتاب صحاح اور طبری کے ماخذ متفقہ سے ترجمہ کر کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

کعب کے واقعہ میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس کا قتل صرف قبیلہ اوس کے جوانان انصار شریک تھے اور کوئی دوسری قوم و قبیلے کے لوگ نہیں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ہمسر و ہم چشم قبیلہ خزرج کا ایک فرد واحد بھی شامل نہیں تھا۔ قبیلہ اوس کے اس مخصوص حسن خدمت کے مشاہدے سے قبیلہ خزرج کے انصار کو ایک گونہ مخلصانہ اور عقیدتمندانہ رشک پیدا ہوا اور وہ سمجھے کہ خدمت اسلام کے متعلق قبیلہ والے ہم سے سبقت لے گئے۔ اس بنا پر ابورافع کی مہم حاصل کرنے کی خصوصیت کے متمنی ہوئے۔

تاریخ و حدیث دونوں کے شواہد بتلا رہے ہیں کہ کعب اور سلام یہ دونوں سردارانِ یہود اسلام کے زبردست اور طاقتور دشمن تھے۔ صرف دشمن ہی نہیں بلکہ اپنی فساد انگیزیوں سے دوسری قوم و قبیلے کے لوگوں کو دشمن بنانے والے مخالفت اسلام اور ایذائے رسول انام علیہ السلام میں دونوں کے حرکات برابر تھے۔ کعب اگر تقریر سے دیگر اقوام و قبائل کو اسلام کا دشمن بناتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچاتا تھا تو ابورافع اپنی دولت کثیر سے مخالفت اسلام اور ایذائے رسولؐ کے مفاسد و مظالم برپا کرتا تھا۔ کعب کا تو خاتمہ ہو گیا تھا لیکن اس کی موجودگی سے ابھی ویسے ہی اندیشے لگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں رئیسان خزرج نے اس حسن خدمات کی انجام دہی کے لیے عرض خدمت کی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔

اجازت لے کر پانچ دلیر اور پرہمت جوان عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس، عبداللہ بن عتبہ ابوقتادہ اور ایک شخص جو خزرج کا حلیف تھا۔ اس مہم کی انجام دہی پر روانہ ہوئے۔ جس طرح محمد بن مسلمہ کعب کے واقعہ میں اپنے ہمراہیوں کا افسر تھا اسی طرح عبداللہ ابن عتیک اپنے ہمراہیوں کا موجودہ مہم میں حاکم مقرر ہوا۔ چنانچہ اہل تاریخ و سیرت نے کعب کے واقعہ کو سریہ محمدؐ بن مسلمہ کے نام سے اور ابورافع کے موجودہ واقعہ کو سریہ عبداللہ بن عتیک کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان دونوں واقعات میں ہر قرینہ سے پوری مماثلت ثابت ہوتی ہے لیکن موقع میں البتہ اختلاف پایا جاتا ہے کعب کا حصار

مدینہ سے بالکل قریب تھا اور ابورافع جو کنانہ بن ابی الحقیق (شوہر اول حضرت صفیہؓ) کا اپنا بھائی تھا، خیبر کے قریب جا بسا تھا اور عین قریش کے راستہ پر اس کا حصار واقع تھا اور وہیں اس کی تجارت کے مال خانے بھی تھے۔ یہ دونوں بھائی کنانہ اور ابورافع بڑے کثیر المایہ تجار تھے اور چونکہ تمام علاقہ حجاز کی تجارت اس کے ساتھ میں تھی اس لیے دونوں تجار حجاز کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ اس بنا پر جو لوگ کعب کے واقعہ میں شریک تھے ان کو مدینہ سے آگے جانے کی زحمت نہیں ہوئی۔ بخلاف ان کے ابورافع کی مہم والوں کو بہت دور جانے کی تکلیف اٹھانی ہوئی۔

لیکن یہ پر ہمت، ہمت مرداں مدد خدا، منزل مقصود تک پہنچ ہی گئے۔ عبداللہ بن عتیک خود بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ غروب آفتاب کے وقت حصار ابورافع کے نزدیک پہنچ گئے۔ ہم نے اپنے ہمراہیوں کو قلعہ کے قریب ایک علیحدہ گوشہ میں بیٹھا دیا اور ان سے کہا کہ میں قلعہ میں جانے کی فکر کرتا ہوں تم یہیں بیٹھے رہنا ضرورت کے وقت ہم تمہیں آواز دیں تو تم چلے آنا۔ یہ کہہ کر میں دروازہ قلعہ کے پاس آیا تو دیکھا دربار قلعہ کا دروازہ بند کرنے کو بالکل تیار ہے میں دروازے کے قریب قضائے حاجت کے حیلہ سے بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا اے بندۂ خدا اگر تجھے قلعہ میں آنے کی ضرورت ہو تو جلد آ ورنہ میں دروازے بند کر دوں گا تو پھر رات بھر آنا ممکن نہ ہوگا۔ یہ سن کر میں دروازے کے اندر چلا آیا اور ایک گوشہ میں چھپ رہا۔ دربان نے کواڑ بند کر دیئے اور مکانات قلعہ کی کنجیاں دیوار میں لٹکا دیں۔ میں اپنے مقام سے بیٹھا ہوا دیکھتا رہا جب وہ لیٹ کر غافل ہو گیا تو میں چپکے سے اٹھا اور کنجیوں کا گچھا لے کر چلتا ہوا قلعہ کے دروازے کے نیچے آیا کان لگائے تو مجھے ابورافع کی آواز قلعہ کے بالائی حصہ پر معلوم ہوئی اور ایسا معلوم ہوا جیسا کہ امرائے عرب کا دستور قدیم تھا کہ رات کو کھانے کے بعد ایک داستان گو سے داستانیں سنا کرتے تھے اور سنتے سنتے سو جاتے تھے۔ ابورافع بھی اس وقت اسی مشغلہ میں تھا۔ وہ اپنے بستر خواب پر جا چکا تھا اور ایک داستان گو اسے قصہ سنا کر گویا اسے سلا رہا تھا۔ میں وہیں منتظر کھڑا سنتا رہا۔ یہاں تک کہ داستان گو کی آواز موقوف ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ ابورافع سو گیا اور داستان ختم ہو گئی۔ میں نے مزید احتیاط کے خیال سے قصداً تھوڑا اور عرصہ لگایا اور جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اب قلع میں کوئی متنفس جاگتا نہیں ہے تو میں نے کنجیوں سے دروازے کھولنے شروع کر دیئے اور اسی طرح ایک کمرے کے بعد دوسرا کمرہ کھولتا ہوا اس خاص کمرہ میں پہنچا جہاں ابورافع سو رہا تھا میں دروازے پر کھڑا روشندانوں سے چاندنی کمرے میں تمام پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ تنہا نہیں سو رہا اس کے تمام بال بچے ارد گرد سو رہے ہیں۔ میں نے اس ننگ و عار کے خیال سے کہ سوتے میں مارنے کی وجہ سے عرب میں میری بڑی بدنامی ہوگی۔ اس لیے میں نے بڑی دلیری سے ابورافع کو آواز دی اور کہا ابورافع سنو! ابورافع فوراً جاگ پڑا لیکن اس کے سب بال بچے پڑے سوتے رہے ان میں سے ایک بھی بیدار نہ ہوا۔

ابورافع جونہی میرے پاس آیا۔ میں نے اس کو تلوار سے مار گرایا لیکن چونکہ قبل ہی سے میں خود خوف زدہ ہو رہا تھا اس لیے ضرب کاری نہ پڑی اور میں وہاں سے لوٹ پڑا۔ اس اثنا میں مجھے خود محسوس ہوا کہ اس کو پوری ضرب نہیں لگی، زخم اچھا ہے یہ تو میں نے کچھ نہ کیا، نہ اسی کا کام تمام ہوا اور نہ میرا یہ سوچ کر میں پھر لوٹا تو میں نے اس کو وہیں زمین پر پڑا پایا لیکن اس کی بی بی جاگ اٹھی تھی اور وہ

اسے بلا رہا تھا وہ کہتی تھی کہ میں نے بلانے والے کی آواز سن کر پہچان لیا ہے عبداللہ بن عتیک کی آواز تھی۔ ابورافع کہہ رہا تھا او بیوقوف عبداللہ بن عتیک اتنی دور سے رات کے وقت خصوصاً ایسی حالت میں جب قلعہ کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں یہاں کیسے چلا آ سکتا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اس کی بی بی اس کے پاس آنا ہی چاہتی تھی کہ میں پہنچ گیا اور پہنچنے کے ساتھ ہی اس کے پیٹ پر چھری رکھ کر نیچے تک اتار دی اور اس کو خون میں لوٹتا ہوا چھوڑ کر فوراً لوٹا اور بڑی تیزی سے بالائی حصہ سے اتر کر نیچے کے حصہ میں آیا۔ جلدی میں اوپر سے نیچے اترنے میں پاؤں چھوٹا پڑا اور میں گر پڑا پاؤں کی پِنڈلی میں سخت چوٹ آ گئی۔ نیچے آ کر میں نے جلدی سے اپنا عمامہ اتار کر ساق پا کو باندھا اور اپنی ایک ہی ٹانگ سے افتاں وخیزاں دروازہ قلعہ پر پہنچا۔ چپکے سے کواڑ کھولے اور اپنے رفقا سے مل گیا اور پھر ہم سب مل کر مدینہ کی طرف غیر متعارف راستہ سے روانہ ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، روئیداد عرض کر دی۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے موضع ضرب پر مس کر دیا اور میرا درد لنگ جاتا رہا۔

محدث شیرازی اس تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر فرما کر آخر میں یہ عبارت لکھتے ہیں:

این روایت در قتل ابو رافع در صحیح بخاری مسطور است وور اکثر کتب سیر۔ قتل وے بطریق دیگر مہردی گشتہ وانچہ درصحاح است اولی تراست بایرادروضۃ الاحباب ص25

اور رافع کے قتل کی بھی روایت صحیح بخاری میں لکھی ہے اکثر کتب سیرت میں دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے لیکن جو طریقہ کہ صحاح میں ہے اس کا استنباط کرنا مناسب تر ہے۔

قتل ابورافع کا قریب قریب ایسے ہی واقعہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن ہشام میں بھی لکھا ہے۔ طبری ص1375، ابن ہشام ص190ج2

غزوہ احد

(7شوال بروز جمعرات، 3ہجری)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

نہ افسردہ خاطر ہو نہ ملول ہو تم اونچے ہو کر رہو گے اگر تم لوگ ایمان والے ہو۔ (آل عمران)

شکست بدر سے غم والم اور مصیبت وماتم، کفار قریش میں جس شدت کے ساتھ برپا تھا اس کے تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ چکے

ہیں یہ قریش کے تمام قبائل اور انکے ساتھ بیرونجات کی قوموں کے وہ تمام لوگ جن کے اعزہ واقارب واقعہ بدر میں شریک ہوکر مقتول ہوئے تھے، تنہا گریہ کناں اور نوحہ خوان ہی نہیں تھے بلکہ شغل گریہ وزاری کے ساتھ وہ ہمہ دم مسلمانوں سے عوض وقصاص کے لینے کی تدبیروں میں اپنا آپ لہو پی رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے عرب کے جیسا ملک جہاں صرف ایک شخص واحد کے قتل کر دینے کے لیے حریف سے جنگ برپا ہوکر نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً سلسلہ محاربت قائم رکھا جائے وہاں بیکبار ستر آدمی کے قتل کیے جانے میں عوض وقصاص مقتولین کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی جائے کیسے ممکن ہے پھر مقتولین بھی کیسے جو ممتاز ین قوم تھے اور معزز قبائل۔

قریش میں نوحہ خوانی کے ساتھ قصاص کی سلسلہ جنبانی بھی جاری تھی۔ غزوہ السویق کے ذکر میں ابوسفیان قریشوں کی یہودیوں کے ساتھ مخالفت اسلام کی تدبیروں میں ریشہ دوانی اوپر بیان ہوچکی ہے اس بنا پر یقین کر لینا چاہیے کہ قریش ایک دم کے لیے بھی اپنے اس خیال وتدبیر سے غافل نہیں تھے لیکن ابوسفیان جو اس وقت تمام کفار عرب اور مشرکین قریش کا سردار تھا جن سامانوں سے آیندہ مقابلہ اسلام (احد) میں آیا ہے انہیں سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اس ساز وسامان اور اس خدم وحشم کی ترتیب وتزئین میں کتنا وقت اور کتنا سرمایہ صرف ہوا ہوگا۔

غزوہ السویق سے لوٹ آنے کے بعد ماتم نشینیاں قریش میں سے عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان کے پاس آئے اور قصاص بدر کے معاملہ میں عجلت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے لیے ایک طول وطویل زبانی درخواست کرنے کے بعد کہنے لگے کہ ہماری سب کی متفقاً یہ رائے قرار پائی ہے کہ قوم کے منافع کی رقم خاص جو آپ کی تحویل میں موجود ہے وہ کل کی کل اس فرض کی ادائیگی میں صرف کر دی جائے۔ اس کے علاوہ وہ سرمایہ بھی جو تمام قوم وقبائل سے اس ضرورت خاص کے لیے طلب کیا جائے گا اسی مہم میں اٹھایا جائے گا اور اس کی فراہمی کے لیے ہم لوگ خاص طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ابوسفیان نے انکی اس درخواست کو قبول کر لیا لیکن ابوسفیان اور اس کے تمام ہم خیال اور ہمزبان جانتے تھے صرف جاننا ہی نہیں بلکہ کامل طور سے اندازہ کر چکے تھے کہ اب اہل اسلام اپنی قوت اور جمعیت کے لحاظ سے وہ نادار نا پرساں بے یار ومددگار قوم نہیں رہے تھے بلکہ ایسے تھے اور اتنے ہو چکے تھے کہ ان کی مخالفت اور مقابلت کے لیے اب ایسے اور اتنے سامانوں کی ضرورت تھی جو بدر کے سامان گذشتہ سے کہیں زیادہ ہو۔

ابوسفیان نے کیا تمام قریش نے اس ضرورت کو ابتدا ہی سے مدنظر رکھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے بیرونی امداد کے لیے یہ انتظام کیا کہ مقتولین بدر کے اعزہ اور مشرکین مکہ کے عمائد ورؤسا کا ایک حلقہ ماتم مرتب کر کے جن میں عرب کے وہ فصیح اللسان اور سحر البیان شاعر عمر بن جمحی اور مسافع بھی شامل تھے، گرد ونواح کے ایک ایک قوم وقبیلہ کے پاس حاضر ہوا اور قصاص بدر کے ضروری اور واجب التعمیل مسئلہ کی نسبت ان کو برانگیختہ کیا اور امداد طلب کی اعزائے مقتولین کی نوحہ خوانی یا امرائے قریش کی حاضری یا موجودگی نے لوگوں کے قلوب پر اتنا اثر نہیں کیا جتنا شاعروں کی زبان نے تمام قوم وقبائل میں مخالفت اسلام کی آگ بھڑکا دی۔ ان دونوں شاعروں میں عمرو بن جمحی وہی احسان فراموش شخص تھا جو جنگ بدر میں گرفتار ہوچکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جس کے دانت توڑ وا دینے چاہے تھے لیکن رحمت

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص اخلاق واشفاق کے تقاضے سے رہا فرما دیا تھا۔اس احسان کی یہ منت گزاری تھی اوراس عنایت و رعایت کی یہ معاوضت،عکرمہ کو بہرحال اپنی موجودہ تحریک وتدبیر میں پوری کامیابی ہوئی اورلوگوں نے بڑے ایثار نفس کے ساتھ جان و مال سے اس مہم میں امداد کی۔

ابوسفیان کا سرمایہ جنگ

ابوسفیان نے ابوجہل سے کہیں زیادہ تجمیع وترتیب فوج میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا پچاس ہزار مثقال سونا جومنافع تجارت کا ان کی تحویل میں تھا۔انہیں سامانوں میں صرف کردیا،ابوسفیان کی اسی ایثار باطل کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیہ میں کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ فَسَیُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ؕ

وہ لوگ جوکافر ہیں اپنے مال کودین خدا کے روکنے میں خرچ کرتے ہیں انہیں لوگوں پر عاقبت میں حسرت آنے والی ہےاوریہی لوگ مغلوب ہونے والے ہیں۔

اتنی بڑی رقم کثیر کے صرف سے تین ہزار آہن پوش جوانوں کالشکر،اسلام کا نام مٹانے اورمسلمانوں کا خون بہانے کے لیے تیار ہوگیا۔راحلہ کا اتنا وافر انتظام کیا گیا کہ لشکر اور بار برداری کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد پانچ سو اونٹ اوردو سو گھوڑے کوتل رکھے گئے۔اس لیے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

کافرہ عورتوں کا بینڈ

ابوسفیان کے انتظاموں میں سوائے افراط و بہتات کے اورکوئی نوعیت ایسی نہیں تھی جو بیان کے قابل ہولیکن ہاں ایک نوعیت جوان کی جدت طبع کا خاص نمونہ تھی وہ البتہ قابل ذکر ہےاوراسی لیے تمام مورخین محدثین نے اس کوخصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ لشکر کی تمام تزئین وآرائش کے سامانوں کے ساتھ ابوسفیان نے ممتاز ین قریش کی بہت سی عورتیں بھی ہمراہ لے لی تھیں اس لیے کہ وہ اپنے جمال جہان آرا اورنغمہائے دلآویز ودلربا سے جوانان قریش کو پرجوش وتازہ دم بنایا کریں۔

بہرحال جوضرورت ہواس سے بحث نہیں لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے لشکر میں اس صنف نازک کا شمول، ابوسفیان کی کامیابیوں کے حصول کا ذریعہ ضرور ظاہر ہوا۔خصوصاً ہندہ،زوجۂ ابوسفیان کی مخفی کارروائیوں نے اسلام کو بظاہر بڑا نقصان پہنچایا۔تفصیل یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان کے باپ عتبہ بن ربیعہ کوحضرت حمزہؑ نے بدر میں قتل کیا تھا اورصیر بن مطعم کے چچا کوبھی آپ ہی نے قتل فرمایا تھا۔اس بنا پرحضرت حمزہ کا قتل ہندہ کو ہمیشہ مدنظر تھا۔روانگی سے پہلے ہندہ نے صیر بن مطعم کے غلام وحشی کو جو مکہ کا مشہور جنگجو تھا اورجس سے ان کوربط خاص تھا۔حضرت حمزہؑ کے قتل پرآمادہ کرلیا تھا۔چنانچہ وحشی نے اپنا وعدہ پورا کیا جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان

سے ظاہر ہوگا۔شبلی صاحب نے ان عورتوں کے یہ نام بتلائے ہیں۔

(۱) ہند۔عتبہ کی بیٹی معاویہ کی ماں

(۲) ام حکیم عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی

(۳) فاطمہ۔حضرت خالد (ابن ولید) کی بہن

(۴) برزہ مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی

(۵) ربط۔عمر عاص کی زوجہ

(۶) خناس۔حضرت مصعب ابن عمیر کی ماں

(سیرۃ النبی جلد اول ص 271)

مدینہ میں قریش کی جنگی تیاریوں کی خبر

جب لشکر قریش کی تیاری ہوچکی اور وہ مکہ سے مدینہ چلنے لگے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو قبول اسلام کے بعد مدینہ سے مکہ واپس چلے آئے تھے۔ایک قاصد تیز رفتار کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس عظیم فوج کشی کی خبر پہنچا دی اور قاصد کو تاکید کردی کہ تین دن کے اندر آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ میں پہنچ جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پانچویں شوال کو آنحضرت صلعم کو یہ خبر ملی۔آپ نے سن کر ارشاد فرمایا:

حسبنا اللہ نعم الوکیل اللھم بك احول وبك اصول

ہمارے لیے خدا کافی ہے۔پروردگار تجھی سے مجھ میں قوت ہے اور تجھی سے ابتدا ہے۔

اس کے بعد آپ نے دو مخبروں کو جو قبیلہ انصار سے تھے جن کے نام انیس ومونس تھے مکہ کی راہ میں آگاہی احوال کی غرض سے بھیج دیا۔دونوں مخبروں نے فوج غنیم کے مشاہدے کے بعد خدمت رسول میں عرض کی کہ مشرکین کا لشکر مقام عریض میں مقیم ہے اور قبائل انصار کو بالکل تباہ وبرباد کر چکا ہے۔آپ نے خباب بن منذر کو دوبارہ تصدیق حالات کے لیے بھیجا اور انہوں نے فوج غنیم کے تمام جزوی اور کلی حالات سے پورے طور پر مطلع کیا۔چونکہ قریش سے مدینہ پر فوری تاخت کا فوری اندیشہ تھا اس بنا پر آنحضرت نے شہر کے چاروں طرف پہرے بٹھلا دیئے اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ یہ دونوں سردارانِ انصار دن رات ہتھیار باندھے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے پہرہ دیتے تھے۔

مقابلہ کی تجویز اور صحابہ سے مشاورت

شہر کی حفاظت کا کامل انتظام فرما کر آنحضرت صلعم نے مقابلہ ومقاتلہ کی طرف توجہ فرمائی آپ کی تجویز یہ تھی کہ مدینہ کے اندر

رہ کر غنیم کی مدافعت کی جائے۔ اس امر خاص میں صحابہ کا استمزاج لیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول جو بظاہر اس وقت تک اسلام کا شریک ورفیق تھا اور اس موقع پر بھی حاضر تھا، کہنے لگا میں تو آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے قریش سے مقابلہ کریں۔ کیونکہ سالہا سال کے تجربہ سے مجھے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب ہم لوگوں نے مدینہ میں رہ کر دشمنوں سے مقابلہ کیا ہے ضرور فتحیاب وفیروزمند ہوئے ہیں اور اگر باہر جا کر ان سے مقابلہ کیا ہے ضرور ناکامیاب ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

وہ انصار جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ایک بار بول اٹھے کہ ہمیں اس رائے سے اختلاف ہے ہمیں بدر کے تجربہ نے بتلا دیا ہے کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر غنیم پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ہمیں قریش سے اس معرکہ میں بھی باہر ہی نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ اتفاق سے اکابریں صحابہ جن میں حضرت حمزہ، سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے گئے ہیں۔ اس تجویز و صلاح کے موید نکلے اور عرض کرنے لگے کہ مدینہ میں بیٹھ کر مقابلہ کرنے سے کفار کی ہمت و جرأت بڑھ جائے گی اور وہ سمجھنے لگیں گے کہ مسلمان ہماری کثرت اور سامان سے خائف ہو کر باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکے اور گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے مقابلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس اس وجہ سے یہ تجویز اسلام کی عزت اور شجاعان اسلام کی جرأت وہمت کے مخالف ہے۔

ان لوگوں نے اپنی موجودہ رائے ومختار پر اس قدر اصرار کیا کہ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کی رائے و تجویز کو اختیار کیا اور پھر آپ گھر میں تشریف لئے گئے اور سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ اس اثنا میں پھر انصار میں مسئلہ زیر بحث پر گفتگو ہوئی۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حصیر نے انصار سے مخاطب کر کے کہا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ کی تجویز سے مخالفت کی ہے، یہ اچھا نہیں کیا ہے۔ گو کہ غلبہ رائے ہماری ہی طرف ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اس غلبہ کے خلاف تھی ہمیں اس کا خیال کرنا چاہتا تھا۔ سب نے کہا اگر تمہاری رائے میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو تم اپنی رائے واپس لیتے ہیں۔

اس اثنا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ ولہ وسلم عصمت سرائے رسالت سے باہر تشریف لائے۔ سر پر دستار بندھی تھی جسم مبارک پر زرہ آراستہ تھی، ادہم یمنی کا کمر بند تھا، اس میں ترکش لگا تھا، پشت مبارک پر سپر، دوش اقدس پر کمان گلوئے اطہر میں شمشیر حمائل اور دست مطہر میں نیزہ خاراشکن تھا۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی حقیقی شان وشوکت کو دیکھ کر اخلاص مندان اسلام کی جوش عقیدت میں ایک غیر متحمل تحریک پیدا ہو گئی اور سب کے سب موجودہ سطوت وجلالت رسالت کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے اور سب نے دستہ بستہ عرض کی کہ ہم نے حضور کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی بیکار زحمت دی ہے۔ ہم اپنے اس معروضات کو واپس لیتے ہیں۔ جو تجویز ہو چکا ہے اسی پر عمل فرمایا جائے۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر کی خصوصیات میں داخل ہے کہ سلاح جنگ باندھ کر پھر قبل از نتیجہ جنگ کمر نہیں کھولتے۔ واللہ یفعل مایشاء ھو علی کل شی قدیر۔

جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لیے جمعہ کی نماز پڑھ کر آپ نے ایک طولانی خطبہ میں جہاد فی سبیل اللہ پر تقریر فرمائی اور موجودہ مقابلہ کفر واسلام کے متعلق آپ نے کھلے کھلے اور صاف صاف الفاظ میں تمام اہل اسلام کو بتلا دیا۔

ان لھم انصر ماصبر را وا ھم بالتھبوء لعدوھم

اس شرط پر تمہاری فتح ضرور ہے کہ تم صبر و تحمل سے کام لو اور بلا شرکت نفس اپنے دشمن سے مقابلہ کرو۔ زرقانی ص ۲۶، ج ۲

لشکر اسلامی اور اس کا جائزہ

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر موکب رسالت بیرون شہر خیمہ زن ہوا۔ لشکر ہمراہی کا جائزہ لیا گیا۔ عبداللہ بن ابی سلول کے تین سو ہمراہیوں کو لے کر مجموعاً ایک ہزار جان نثار رکاب میں حاضر پائے گئے۔ جن میں کل سو جوان زرہ پوش تھے۔ بدر کی طرح اس موقع پر بھی غیر مکلف مہاجر و انصار کے کمسن لڑکے فرد اخلاص وعقیدت سے مجاہد اسلام بننے کے شوق میں لشکر کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ مؤرخین و محدثین عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن غارب، اسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس، ابوسعید حذری، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کے نام لکھتے ہیں۔

جائزہ کے وقت ان پر جوش اور خوش عقیدہ بچوں کو غیر مکلف ہونے کی بنا پر سابق کی طرح مدینہ لوٹ جانے کا حکم صادر ہوا۔ ان میں آخر صاحب رافع بن خدیج نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔ جائزہ کے وقت اپنی بلند قامتی کے اظہار کی ضرورت سے یہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر کھڑے ہو گئے۔ اس لیے انتخاب میں آ گئے اور اسید بن حصیر نے ان کی سفارش کی اور عرض کی کہ تیر اندازی میں یہ مشاق ہو چکا ہے۔ ان تمام پر جوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو تو نہیں لیکن سمرہ بن جندب کو بڑا رشک ہوا۔ اس نے خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ رافع اگر منتخب ہوا تو اس سے قوت و طاقت میں میں کہیں زیادہ ہوں۔ میں بھی منتخب کر لیا جاؤں اور مشاہدے کے طور پر میرے اور رافع کا مقابلہ کرا لیا جائے جب میں انہیں گرا دوں تب میرا انتخاب کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم زیر لب فرما کر سمرہ کی درخواست قبول فرمالی۔ دونوں میں کشتی ہوئی اور سمرہ نے حسب الوعدہ رافع کو زمین پر گرا دیا۔ آنحضرت صلعم نے رافع کے ساتھ ان کو بھی منتخب کر لیا۔

ترتیب فوج اور حفاظت لشکر

جائزہ کے بعد لشکر کی ترتیب کی گئی۔ بدر کی طرح تین علم فوج آراستہ ہوئے۔ قبیلہ اوس کا علم اسید بن حصیر کو عنایت کیا گیا۔ خزرج کا، خباب بن منذر کو اور بعض روایت کے مطابق سعد بن عبادہ کو مہاجرین کے فوج کا علم خاص حضرت علی مرتضیٰؑ کو اور بروایتے مصعب ابن عمیر کو عنایت ہوا اور عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ کا نگرانِ کار بنا کر شہر میں بھیج دیا گیا اور لشکر اسلام اُحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ننگی تلواریں کھینچے مرکب رسالت کے آگے آگے جاتے تھے۔ اس دن قبیلہ بنی النجار تک پہنچ کر شام ہو گئی اور لشکر اسلام وہیں مقیم ہو گیا۔ لشکر میں نہایت بدتمیزانہ شور و شغب کی آواز آئی جو ناگوار طبع ہوئی۔ استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن ابی سلول کے ہمراہی شور و ہنگامہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا لاتستنصر وا باھل الشرك و علی اھل الشرك نہ اہل شرک کی مدد پہنچانی چاہیے اور نہ ان سے مدد لینی چاہیے۔ محمد بن مسلمہ کو پچاس جان نثاروں کے ساتھ رات کے وقت لشکر کی پہرہ داری کا حکم ہوا۔ یہاں سے لشکر قریش بالکل قریب تھا اور اتنا کہ ایک دوسرے کی جماعت کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو فوج کی پہرہ داری پر

تعینات کیا۔

خیمہ خاص کی حفاظت کے لیے آپ نے فرمایا میری حفاظت کون کرتا ہے۔ایک طرف سے آواز آئی ''میں''۔ارشاد ہوا تم کون ہو جواب آیا ذکوان۔آپ نے فرمایا: بیٹھے رہو۔پھر آپ نے فرمایا میری حفاظت کون کرتا ہے پھر آواز آئی میں۔استفسار ہوا کون۔جواب ملا ابن عبد قیس۔ارشاد ہوا اچھا تم بھی حاضر رہو۔تیسری مرتبہ پھر وہی سوال کیا گیا۔جواب ملا میں۔پوچھا گیا کون ہے۔جواب آیا ابو رافع۔تھوڑی دیر کے بعد آپ نے حکم دیا میرے تینوں محافظ کھڑے ہو جائیں۔اب کھڑے ہونے والوں میں تنہا ذکوان کھڑا ہو گیا۔آپ نے تعجب میں آ کر زکوان سے پوچھا کہ وہ تمہارے دونوں ہمراہی کہاں گئے۔اس نے عرض کی کہ تینوں بار میں ہی نے حکم پر لبیک کہی تھی۔پہلے بار میں نے اپنا نام بتلایا دوسرے بار اپنی ابنیت اور تیسرے بار اپنی کنیت۔میرا پورا نام زکوان ابو رافع ابن عبد قیس ہے آپ اس کی عقیدتمندانہ اور مخلصانہ ذہانت اور مطابیت سے بیحد مسرور ہوئے اور فرمایا **حفظك الله تعالىٰ**۔اچھا اب اٹھو اور اپنا کام کرو، خدا تمہیں محفوظ رکھے۔حکم پاتے ہی زکوان اٹھا، زرہ پہنی، سپر دوش سے لگائی اور رات بھر خیمہ رسول اللہ صلعم اور لشکر اسلام کی پہرہ داری کی۔زرقانی ص ۲۸۔روضۃ الاحباب ص ۲۵۶ لکھنؤ۔

چھٹی شوال کو نماز صبح جماعت سے پڑھ کر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ابو حثیمہ حارثی دلیل شکر تھے اور لشکر کو نشیب و فراز راہ سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔تھوڑی دیر میں لشکر اسلام فوج غنیم کے مقابل میں پہنچ گیا۔کوہ احد مدینہ منورہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔امام قسطلانی کی تحقیق میں عبداللہ بن ابی سلول اسی منزل سے اپنے ہمراہیوں کو لے کر واپس گیا۔اسی کے ساتھ عبداللہ بن عمر بن رام بھی چلتا ہوا، ہر چند اس کے ہمقدم و قبیلہ لوگوں نے سمجھایا کہ عین وقت پر دغا ہی شرافت کے خلاف ہے لیکن اس منافق نے ایک نہ سنی۔

عبداللہ بن ابی سلول کی لشکر اسلام سے علیحدگی

عبداللہ بن ابی سلول نے کہا کہ محمد صلعم نے میری صلاح سے کام نہ لیا اور نو جوانوں اور محض نا تجربہ کاروں کی مشاورت پر عمل پیرا ہوئے، اس لیے ہمیں ان کی شرکت و رفاقت منظور نہیں۔یہ کہا اور چلا گیا۔جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی دغا کی جب اطلاع ہوئی تو آپ نے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔**لا يلتفت اليه** (زرقانی ص ۳۱) اس کی حرکات پر کوئی التفات نہ فرمائی۔

فوج سے خلاف امید عین وقت پر تین سو جمعیت کے بیک بار نکل جانے سے فوج اسلامی میں ایک ہراس پیدا ہو گیا بعض خالص الایمانوں نے اسی وقت ان دغا بازوں کو تہ تیغ کر دینا چاہا اور بعضوں نے کچھ تعرض کرنا نہ چاہا۔زرقانی صحیح بخاری کی اسناد سے اس واقعہ کو اس صورت میں لکھتے ہیں:

عن عبدالله بن زيد لما خرج رسول صلى ا الله عليه وآله وسلم الى غزوه احد

رجع ماس ممن خرج منه وکان اصحابه صلعم فرقتین فرقة نقول تقاتلهم و فرقة نقول لاتقاتلهم منزل فمالکم فی المناقین لشکین والله ارکسهم بما کسبو اوقال انها طیبة ننفی الذنوب کما تنفی النار خبث الحدید وهذا هو الاصح فی سبب نزولها

عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد کے لیے چلے تو کچھ لوگ (عبداللہ بن ابی وغیرہم) جو آپ کے ساتھ نکلے تھے واپس گئے۔ اس وجہ سے طبقہ صحابہ میں دو قسم کے لوگ ہو گئے ایک کہتے تھے کہ ان واپس جانے والوں کو قتل کر دینا چاہیے، دوسرے کہتے تھے ان کو جانے دینا چاہیے اور تعرض نہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ آیہ وافی ہدایہ نازل فرمایا گیا۔ کہ منافقین کے بارے میں دو فرقے ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے عمل کی سزا میں بھی ان کو ان کی اصل حالت (کفر) کی طرف لوٹا دینا ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ آیت سنا کر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ اب تم اس طرح سے پاک وصاف کر دیئے گئے جس طرح آگ لوہے کو جلا کر میل سے پاک وصاف کر دیتی ہے۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ اس آیہ کے اسباب نزول میں سب سے زیادہ صحیح یہی واقعہ ہے۔

ترتیب لشکر اسلامی

اس قضیہ نا مرضیہ کے تصفیہ سے فارغ ہو کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ترتیب لشکر کی طرف توجہ فرمائی۔ تقسیم علم کے بعد آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ میمنہ لشکر پر عکاشیہ بن محصن الاسد مخرومی کو مقرر فرمایا۔ مقدمہ لشکر پر ابوعبیدہ بن الجراح اور سعد بن ابی وقاص کی تعیناتی ہوئی۔ ساقہ لشکر پر مقداد بن عمر مقرر ہوئے ان تمام انتظاموں سے زیادہ ضروری کوہ احد کے اس درہ کی محافظت کا انتظام تھا جسے عینین کہتے تھے۔ یہ مقام غنیم کی خاص کمین گاہ تھا اور خالد بن ولید اپنے جرار دستہ فوج کے ساتھ پہلے سے یہیں آ کر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کی محافظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیراندازوں کے ہمراہ اس کے دروازے پر مقرر فرما دیا گیا اور یہ تاکید شدید کر دی گئی کہ نتیجہ جنگ جو کچھ ہو خواہ جانبین میں اس کی بھی فتح وشکست ہو تم از آغاز تا بہ انجام جنگ اپنے مقام سے نہ ہٹنا نہ محاربت کے وقت ہماری امداد کرنا اور نہ شکست کے وقت پہنچ کر ہمارے سروں سے غنیم کے حملات کی مدافعت کرنا۔ ہماری فتح ہو جانے کی حالت میں بھی۔ مسلمانوں کو غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھ کر بھی تم شرکت کی طمع نہ کرنا بلکہ اپنے مقام پر مستقل رہنا۔ تمہارے حقوق ہمارے ساتھ ہیں۔ ترتیب وتنظیم لشکر کے بعد جناب رسول خدا صلعم قریش کی طرف سے پیش دستی کا انتظار فرمانے لگے۔

کفار قریش معرکہ بدر میں اپنی فوج کی بدترتیبی کے نتیجے اٹھا چکے تھے اور اس مرتبہ وہ پہلے ہی سے ہوشیار تھے ابوسفیان نے اس لیے میدان میں نکل کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ اپنے تین ہزار فوج کی ترتیب تھی۔ خالد بن ولید کو میمنہ کا سردار اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ کا افسر مقرر کیا۔ سواروں کے رسالہ کی کمان صفوان بن امیہ اور عمر عاص کو ملی اور سو تیراندازوں کے دستہ کا افسر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر

کیا۔ خالد موقع پا کرانہیں تیراندازوں کو ہمراہ لیکر اور ابن ربیعہ کو اپنی جگہ فوج میں چھوڑ کر اس درہ کوہ میں پہلے سے آچھپا تھا۔ طلحہ بن ابی طلحہ کو جو قریش کے قدیم خاندان بنی عبدالدار سے علمدار لشکر بنایا۔

جانبین سے مقابلہ کا آغاز ہوا کہ پہلے لشکر قریش سے ابو عامر پچاس تیراندازوں کے تیار دستہ کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسانے لگا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی دلیری سے جواب دیا اور اس تیز دستی سے ان پر تیر اور پتھر برسائے کہ ابو عامر کو آخر کار میدان سے بھاگنا ہی پڑا۔ انکی گریز پائی دیکھ کر مشرکین کی عورتوں کے بینڈ نے دف بجا بجا کر ان کو تازہ دم کرنا چاہا اور مبازر آں قریش کے دلوں میں اپنی دلکش آواز سے مذکورہ ذیل گیت گا کر بیحد پر جوشی پیدا کر دی۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق ان نقبلو

انعانق ونبط الفارق فراق غیر وامن

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں قالینوں پر چلنے والیاں لڑائی میں بڑھو گے تو گلے لگائیں گی پچھا دکھاؤ گے تو دور ہو جائیں گی ایسا کہ پھر کبھی تمہاری طرف نہ آئیں گی۔

ابو عامر کی گریز کے بعد بھی لشکر اسلام نے اپنی تیراندازی موقوف نہیں کی۔ اب ان لوگوں نے اپنی کمانیں سواران قریش کی طرف سیدھی کرلیں اور ان پر اتنے تیر برسائے کہ ان میں سے قبیلہ ہوازن کے سواروں نے عاجز آکر راہ گریز پکڑی اور سواروں کے دستہ سے علیحدہ ہو کر میدان میں منتشر ہو گئے۔

مبارزان اسلام کی شجاعت اور علمداران قریش کا خاتمہ

یہ حالت دیکھ کر طلحہ ابن ابی طلحہ علمدار کفار کو بڑی غیرت آئی اور جوش غیرت میں صف لشکر سے علیحدہ ہو کر لشکر اسلام سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ مؤرخین ومحدثین نے اس کی مبارز طلبی کے یہ الفاظ طعن آمیز لکھے ہیں:

یامعشر اصحاب محمد انکم تزعمون ان اللہ لیجلنا بسیوفکم الی النار ویعجلکم بسیفنا الی الجنۃ فھل منکم احد یعجلہ بسیفی الی الجنۃ و یعجلنی بسیفہٖ الی النار

اے اصحاب محمد صلعم تمہارا یہ یقین ہے کہ تم ہمیں قتل کرو گے تو خدا ہمیں دوزخ میں پہنچائے گا اور اگر ہم تمہیں مار دیں گے تو خدا تمہیں جنت میں لے جائے گا تو پھر تم سے کوئی جلد نکل آتا کہ ہم اس کو مار کر جلد بہشت میں پہنچا دیں یا وہ ہمیں مار کر دوزخ میں جلد پہنچا دے۔

یہ سن کر جناب علی مرتضیٰ نے فوراً جواب دیا:

فقام علی ابن ابی طالب علیه السلام فقال والذی نفسی بیده لا افارقك حتی اعجلك بسیفی الی النار و یعجلنی بسیفك الی الجنة

حضرت علیؑ نے (اس کے مقابلہ میں آ کر) فوراً جواب دیا کہ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تیرے مقابل ہونے پر آمادہ ہوں اور پھر اس وقت سے تیرے سامنے سے ہرگز جدا نہ ہوں گا جب تک تجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں نہ پہنچا لوں یا تو مجھے اپنی تلوار سے جنت میں نہ پہنچا دے۔

طبری ص 1396۔ ابن ہشام ص 81

جانبین کے لشکران دونوں مبارزان نبرد آزما کی سیر و جنگ کی غرض سے خاموش ہو گئے اور دونوں کے کمالات حرب وضرب دیکھنے لگے۔ حضرت علیؑ نے طلحہ کے سر پر پہنچتے ہی اپنی شمشیر آبدار کی ایسی ضرب شدید لگائی کہ مغز سر تک اتر آئی اور ایک دوسرے قول کے مطابق آپ کی یہ ضرب اس کے پاوں پر لگی۔ لیکن ایسی کاری تھی کہ کمر سے اس کا پاؤں جدا ہو گیا اور وہ فوراً زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ اس کے سر کاٹ لینے کی غرض سے اس کے پاس پہنچے دیکھا کہ وہ بالکل قریب مرگ ہے۔ اس نے خود آنکھیں کھول کر آپ کو دیکھا اور آپ کے قصد وارادہ کو بخوبی سمجھ گیا۔ بڑی منت وسماجت سے جان بخشی کی درخواست کی۔ آپ فوراً وہاں سے واپس آئے۔ مبارزان اسلام ان کیفیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ پوچھنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ گئے تھے تو سر کیوں نہ کاٹا ارشاد فرمایا کہ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اس کو ایسی حالتوں میں پایا کہ وہ یقیناً زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے خود چھوڑ دیئے جانے کی درخواست کی۔ اول تو یہ باعث تھا۔ پھر یہ سبب ہوا کہ میں اس کے قریب پہنچا تو اس کو بالکل برہنہ پایا۔ میری غیرت وحمیت نے کسی طرح تقاضہ نہیں کیا کہ میں اس کی ایسی بیدست و پائی کی حالت اور اس سے خودی کے عالم میں اس کا سر کاٹ کر اپنی شجاعت و دلیری کو شقاوت کے ساتھ بدنام کروں۔ (زرقانی صفحہ 30۔ ابن ہشام صفحہ 51 جلد دوم)

طبری لکھتے ہیں کہ طلحہ اول علمدار قریش کے قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کی آواز بلند فرمائی فکبر رسول اللہ صلعم صدائے مبارک کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نعرہائے تکبیر سے احد کا میدان گونج اٹھا۔

طلحہ کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ علم لے کر آیا۔ اس کو بھی حضرت علی مرتضیٰؑ نے اور بقولے سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا اس کے بعد مسافع ابن طلحہ علمدار بن کر آیا۔ اس کو عاصم نے دور ہی سے تیر لگا کر مار گرایا۔ پھر حرث ابن طلحہ آیا عاصمہ نے اس خطا کار کو بھی ایک ہی تیر میں ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد حلاس بن طلحہ نکلا۔ اس کو طلحہ بن عبیداللہ نے قتل کیا اب علم لے کر ارطاۃ بن شرحبیل آیا۔ حضرت علی اس سے مقابل ہوئے اور قتل فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا۔ ارطاۃ کے بعد شریح بن قارظ کو علمداری ملی، یہ بھی آئے تو مارے گئے مؤرخین ان کے قاتل کا نام نہیں لکھتے۔

اب قریش کے خاندان میں علمدار کوئی نہ بچا۔ ایک ایک کر کے سب مارے گئے تو بالآخر اس خاندان کے ایک غلام حبشی

صواب نے اس منصب کا اعزاز پایا لیکن منصب کی عزت کے ساتھ اس منصب کی نحوست بھی ساتھ لایا۔ میدان میں آتے ہی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

صواب کی وفاداری اور جگرداری ضرور ذکر کے قابل ہے۔ اس پر تلوار کی ایسی ضرب شدید پڑی کہ اس کے دونوں ہاتھ بیک بار کٹ کر گر پڑے تھے۔ ہاتھوں کے ساتھ علم بھی زمین پر گر پڑا لیکن صواب کو قومی علم کے گرنے کی اتنی غیرت آئی کہ علم کے گرتے ہی وہ بھی علم کے اوپر گر پڑا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ جو اس کے لیے ابدی بدنامی کا داغ لگادے اور اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض خدمت ادا کر دیا۔ دیر تک اس کی لاش کے نیچے قریش کا قومی علم دبا پڑا رہا۔

خاندان علمدار کی ایک دلیر خاتون جس کا نام علقمہ تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ رہی تھی، جوش غیرت سے بیتاب ہو کر نکل پڑی اور علم کو صواب کی لاش کے نیچے سے کھینچ کر فوراً بلند کیا۔ علم فوج کو بلند دیکھ کر قریش جو ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے پھر اکٹھا ہو گئے۔

علمداران لشکر کا مارا جانا دیکھ کر جیسا کہ طبری کا بیان ہے ابوسفیان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے بنی عبدالدار کے قبیلے والوں کو جمع کر کے ایک طولانی تقریر کی اوران کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اس کی زوجہ ہند بنت عتبہ نے دف بجا بجا کر یہ گیت گائے۔

ویہا یابنی عبداللّٰہ ویہا حمات الادبار ضرب لك تیار

ہاں اے بنی عبدالدار ہاں اے گذشتہ نسلوں کے حامی مددگار شدید اور قطع کر دینے والی ضربوں سے کام لو

علمداران قریش کا خاتمہ کر کے مبارزان اسلام کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ افواج غنیم پر ٹوٹ پڑے اور شدت سے بازار گیر ودوار گرم ہوا اس کی اجمالی کیفیت طبری یوں لکھتے ہیں:

وقاتل ابو دجانه حتی امعن فی الناس و حمزه بن عبدالمطلب و علی ابن ابی طالب فی رجال المسلمین فانزل الله عزوجل نصره و صدقهم وعده فحسوهم هالسیوف حتی کشفرهم وکانت الهزیمه لا شك فیها طبری ص ۱۴۰۰

ابو دجانہ فوج میں دھنس پڑے اور ایسے ہی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابی طالب مع اپنے ہمراہی مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی فتح کی شکل نمودار کر دی۔ ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں ابھی کفار کی نمایاں شکست تھی۔

شبلی صاحب میدان جنگ کی موجودہ کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے (بدنما ترکیب اردو) صاحبزادے حضرت حنظلہ اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار

اٹھائے۔ حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے۔ دفعتاً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور ان کو (حنظلہ کو) قتل کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علمداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور حضرت ابودجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی یہ دیکھ کر تیرانداز جو پس پشت مقرر کیے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ (سیرۃ النبی صفحہ 276)

تیراندازان اسلام کی لاعلاج غلطی

جنگ دوسرا دور۔ غالباً اس مسلمہ کی ابتدا جنگ احد ہی کے مشاہدات سے ہوئی ہے افسوس ہے کہ معرکہ بدر میں اسی حصول غنیمت کی عجلت کے متعلق خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو چشم نمائی کی ہدایتیں آ چکی تھیں اور وہ اپنے کانوں سے مخبر صادق علیہ السلام کی زبانی ایک بار نہیں کئی بار لفظ بلفظ اور حرف بحرف ان کو سن بھی چکے تھے۔ علاوہ بریں اس موقع پر بھی سرور عالم صلعم نے محض یاد دہانی کی غرض سے فرما دیا تھا کہ اگر تم صبر وتحمل سے کام لو گے تو خداوند عالم تمہیں ضرور فتح وفیروزی عطا فرمائے گا لیکن افسوس مسلمانوں نے کچھ بھی یاد نہ رکھا۔

ہزار ہا برس کی بگڑی ہوئی عادت سال دو سال کے عرصہ میں کیسے بدل جاتی۔ پھر ایسی طبیعت والے مسلمان بدر کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بری طرح حصول غنیمت کے پیچھے پڑ گئے۔ نہ خدا کی تاکید کا خیال کیا، نہ رسول کی تہدید کا خوف۔

شبلی صاحب کی تحریر سے نقل ہو چکا ہے کہ مسلمانوں نے یہ لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کا ماتحت تیراندازوں کا دستہ فوج جو خاص الخاص درہ کوہ احد کی محافظت پر تعینات تھا اور جن کو آغاز جنگ کے وقت ہی تاکید پر تاکید کر دی گئی تھی کہ خواہ ہماری فتح ہو یا شکست ہم لوٹتے ہوں یا لٹتے ہوں تم اپنے مقام سے نہ ہٹنا، جب تک کہ میدان جنگ غنیم کی جمعیت سے بالکل خالی نہ ہو جائے۔ دنیا بڑی بری شے ہے اور لالچ بڑی بری بلا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو لوٹ میں مصروف اور غنیم کی فوج کو گریزاں اور ان کی مغنیہ عورتوں کو دف اور دیگر آلات سرور وغنا وغیرہ پھینک کر اور چادروں کو لپیٹتے قمیصوں کو گھٹنوں تک اٹھائے کہ پیروں کی خلخالیں نمایاں تھیں پہاڑوں پر بدحواسی میں بھاگتے دیکھا (طبری 1401، ابن ہشام 23۔ روضۃ الاحباب 26) تو اب ان سے بھی تحمل نہ ہو سکا دل میں سوچنے گئے ہم غنیمت سے کیوں محروم رہیں، نہ معلوم پیچھے کچھ ملے یا نہ ملے۔ یہ سوچ کر درہ کوہ کو چھوڑا اور غنیمت پر جھک پڑے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے امیر دستہ عبداللہ ابن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ نہ رکے۔ نتیجہ جو ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت تک جو کچھ کامیابی حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہم کی جانبازیوں کی بدولت حاصل ہوئی تھی، وہ ایک بار ضائع ہو گئی۔ ان سرفروشان اسلام کو اپنی حاصل کردہ کامیابیوں کے ضائع جانے کا اتنا ملال نہیں ہوا لیکن اس کا نتیجہ آخر جو رسول اللہ صلعم کی جسمانی تکلیف وجراحت کی صورت میں نمایاں ہوا وہ ان کے دلوں کے لیے ایسا زخم کاری تھا جس کا اندازہ

ناممکن تھا، جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ان کے حرص دنیا میں مبتلا ہو جانے کے نتیجوں کا خلاصہ تھا مفصل اور مسلسل کیفیت شبلی صاحب نعمانی کی زبانی یہ ہے۔

تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد (یہاں شبلی صاحب نے خالد بن ولید کو حضرت کے لقب سے یاد نہیں کیا، کیوں؟) نے عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جاں نثاروں کے ساتھ جم کر لڑے۔ لیکن سب کے سب شہید ہوئے، اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ (مسلمان) لوٹ میں مصروف تھے دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ سیرۃ النبی صفحہ 476

حضرت حمزہ کی شہادت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قتل علمداران کے بعد ہی، حضرت حمزہ، حضرت علیؑ اور حضرت ابو دجانہؓ غنیم کی صفوں میں دھنس گئے تھے اور تلواروں سے ان کی گھنی صفوں کی صفائی کر رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ اپنی شجاعت و دلیری کی پرجوشی میں سب سے آگے بڑھ گئے اور شبلی صاحب کے بیان کے مطابق فوج کفار میں دونوں طرف دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آ گیا۔ پکارے کہ او ختانۃ اللنساء کے بچے کہاں جاتا ہے یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا۔ وحشی جو ایک غلام حبشی تھا اور جبیر بن مطعم، اس کے آقا نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ سیرۃ النبی صفحہ 274 باسناد صحیح بخاری باب قتل حمزہ 5843

ہند جگر خوارہ کے مظالم

شبلی صاحب نے وحشی کی اشتعال اور آمادگی میں صرف اس کے مالک جبیر ابن مطعم کا ذکر کیا ہے اور ہندہ بنت ربیعہ مادر معاویہ کے ذکر کو جو اس معاملہ میں شریک غالب تھیں اور جن کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل خاص وحشی کی زبانی میرے پیش نظر ہے اور محدث شیرازی نے اس کو تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ہم ہندہ کی شرکت اور اس کی تحریص و ترغیب کے حالات کو اس سے خلاصہ کر کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ علاوہ اس کے کہ مکہ میں ہندہ اور میرے درمیان قتل حمزہؓ کی نسبت وعدہ وعید ہو چکے تھے مکہ سے احد کی طرف آتے وقت راستہ میں جہاں جہاں مجھے ہندہ سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا وہ مجھ کو اس امر کا خیال دلاتی جاتی تھی اور تاکید کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ روز احد جب میں حمزہؓ کا کام تمام کر چکا تو انکی لاش سے کچھ دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بالکل ٹھنڈے ہو جائیں تو میں یہاں سے ہٹوں، اتنے میں کچھ مسلمان ان کی لاش کے پاس آ گئے اور انہوں نے ان کی کنیت سے ابو عمارہ کہہ کر پکارا۔ لیکن

وہ ختم ہو چکے تھے کچھ نہ بولے۔ میں دور سے دیکھ رہا تھا میں پکارنے پر بھی ان کے نہ بولنے سے سمجھ گیا کہ اب یہ بالکل ٹھنڈے ہو گئے۔ اس اثنا میں لوگ ان کی لاش کے پاس سے چلے گئے تو میں پھر پہنچا اور میں نے اپنا حربہ ناف چیر کر نکالا اور اس سے ان کے سینہ کو چاک کیا جگر کو نکالا اور وہ جگر خونچکاں لیے ہوئے سیدھا ہند کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا لے یہ تیرے باپ کے قاتل کا جگر خون آلود ہے۔ ہند کی خوشیوں کی حد نہ تھی، اس نے بڑے شوق سے اس جگر کو لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گئی۔ لیکن کافروں کی کالی مائی سے یہ خون ناحق ہضم نہ ہو سکا فوراً استفراغ ہوا اور وہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل آئے۔ اس شریر النفس نے ان کو اٹھا کر دھویا اور ہار بنا کر گلے میں پہن لیا۔

وحشی کا بیان ہے کہ ان وحشیانہ حرکت کے بعد ہند نے بڑی کشادہ دلی سے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس خدمت کے صلہ میں ایک جوڑا کپڑا اور اپنے زیور مجھے دیئے اور مزید وعدہ کیا کہ مکہ پہنچ کر دس ہزار دینار سرخ تجھے اور دوں گی لیکن اب میری غایت تمنا یہ ہے کہ تو مجھے حمزہ کی لاش پر لے چل تو جو کچھ آرزو دل میں باقی ہے وہ بھی نکال لوں۔ الغرض میں اس کو حضرت حمزہؓ کی لاش پر لے آیا۔ اس بے رحم نے آپ کے مردے کی ناک کاٹی اور پھر دونوں کان کاٹ لیے اور نہایت احتیاط سے ان کو اپنے ہمراہ میں مکہ لے گئی۔ روضۃ الاحباب صفحہ 280

شبلی صاحب نے ہندہ کی ان خونخواریوں کا خود بھی ذکر کیا ہے لیکن اصل موقع سے ہٹ کر اتنی امارت معاویہ کی رعایت ہے۔ لیکن ہم آپ کی اتنی ہی حقیقت نگاری کو طبری منت گزاری کے ساتھ میں درج کرتے ہیں۔

خاندان قریش نے انتقام خون کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کی ناک، کان کاٹے (ہند امیر معاویہ کی ماں) نے ان کو پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جگر خوارہ جو لکھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح وہ ایمان لائی عبرت خیز ہے۔ سیرۃ النبی ص280

مسلمانوں کے کردہ خویش آمدہ پیش کے مسلمہ نے معرکہ جنگ میں جو مشاہدات کے مناظر پیش کیے اس کی ابتدائی کیفیت کسی قدر اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اس کی باقی تفصیلی کیفیت شبلی صاحب کی زبانی یہ ہے۔

فوج اسلام کی گریز پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجروح ہونا

بدحواسی میں دونوں فوجیں (فوج مشرکین و مسلمین) اس طرح مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مصعب ابن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ تھے اور علمدار لشکر تھے۔ ابن قیمہ نے ان کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آ گئے اور

ان پر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ یہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون سنتا ہے غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجہ میں کہا مسلمانو! خدا تمہیں بخش دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو میں ہیں۔ جن میں حضرت علیؑ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص، زبیر ابن العوام، ابودجانہ اور طلحہ کا نام بالتخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رہ گئے تھے۔ سیرۃ النبی ص 277

شبلی صاحب خواہ مخواہ واقعات کے سلسلہ ترتیب کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنے قدیم دستور کے مطابق مبہم اور بالکل غیر مفصل طور پر کچھ کہیں کچھ کہیں لکھ مارتے ہیں۔ یہاں تک آپ کا لکھنا قریب صحت ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالت اضطراب تک مرقومہ بالا حضرات رسول اللہ صلعم کے ساتھ موجود ہوں لیکن جیسا کہ آپ خود 277 میں اس کے بعد ہی لکھتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہ وہیں گھر کر رہ گیا۔ آپ کے بتلائے ہوئے گھر کر رہ جانے والے جانبازوں میں حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت ابودجانہ انصاریؓ تھے۔ جو ابتدائے جنگ سے اس وقت تک شرط وفاداری اور عہد جان نثاری پر قائم رہ کر جہاد فی سبیل اللہ کے حقوق خدمات ادا کر رہے تھے۔ باقی رہے آپ کے گیارہ میں اور حضرت تو وہ لوگ جب ابن قیمہ اور عتبہ بن ابی وقاص کے حملات خاص رسول اللہؐ کے پیکر انوار پر ہوئے۔ ایک ایک کر کے سب کے سب رخصت ہو گئے اور یہ لوگ بھی اس ہنگامہ میں ادھر ادھر نکل گئے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

وانکشف المسلمون فاصاب فیھم العدوو کان یوم بلاء و تمحیص اکرم اللہ فیه من اکرم من المسلمین باشھادۃ حتے خلص العدوالی رسول اللہ صلعم خدث بالحجارۃ حتے وقع لشفته فاصیبت رباعیته و شج فی وجھه وکلمت شفته وکان الذی اصابه عتبه بن ابی وقاص قال ابن اسحق حدثنی حمید الطویل عن انس بن مالك قال کسر فیه رباعیة النبی صلعم یوم احد و شج فی وجھه فجعل الدم یسیل علی وجھه وجعل یمسح الدم وھو یقول کیف یفلح قوم خصوا اوجه نبیھم وھویدعوھم الی وبھم فانزل اللہ عزوجل فی ذلك لیس لك من الامرشی اویتوب علیھم او یعذ بھم فانھم ظلمون و ذکر ربیح بن عبدالرحمن عن ابی سعید الخذری عن ابیه عن ابی سعید الخدری ان عتبه بن ابی وقاص رمی رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم یومئذ فکسر رباعیة الیمنی السفلی وجرح شفته السفلی و ان عبداللہ بن الشھاب الزھری شجه فی جھته و ان ابن قیمه جرحوا جنة

فدخلت حلضاان من خلق المغفر فی وجهه ودفع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی حفرة من الحفرة التی عمل ابو عا مر لیقع فیها المسلمون وهم لا یعلمون فاخذ علی ابن ابی طالب بید رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ورفعه طلحه بن عبید الله حتی استوی قائما

ابن اسحاق حمید طویل سے اور وہ انس بن مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بروز احد شہید ہوئے تھے اور آپ کا چہرۂ اقدس بھی مجروح کیا گیا تھا اور زخم سے خون بہ بہ کر روے منور پر جاری تھا آپ اسے پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جو اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کرتی ہے اس کا جرم یہ ہے کہ انہیں خدا کی طرف بلاتا ہے خداوند عالم نے فوراً یہ آیہ نازل فرمایا کہ یا رسول تم کو ان امور مقدارات میں کوئی دخل نہیں ہے نہ تم ان کی توبہ قبول کرا سکتے ہو اور نہ ان پر عذاب نازل کرنے کی قدرت رکھتے ہو اور یہ لوگ تو بتحقیق ظالم (ثابت ہو چکے ہیں۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ابن ربیح عبدالرحمن ابی سعید الخذری سے اور وہ اپنے باپ ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے آنحضرت صلعم کو روز احد مجروح کیا۔ آپ کی سیدھی طرف والی نیچے کی دو ڈاڑھیں ٹوٹ گئیں اور نیچے کے منہ پر بھی زخم آیا اور عبداللہ بن شہاب الزہری نے چہرہ اقدس کو زخمی کیا اور ابن قیمیہ نے آپ کے مغفر پر ضرب شمشیر لگائی کہ مغفر آہنی کے دو حلقے آپ کے روئے مبارک میں پیوست ہو گئے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ سے اس ایک غار میں گر پڑے جن کو ابو عامر نے مسلمانوں کو لاعلمی میں گرا دینے کے لیے پہلے سے کھود رکھا تھا۔ غار میں گرتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور طلحہؓ بن عبید اللہ نے ہاتھ پکڑ کر اوپر کی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سطح زمین پر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص 84 مطبوعہ مصر

ابن ہشام کی یہ روایت لکھ کر ہمیں اس وقت کا صرف ہولناک منظر دکھلانا مقصود تھا جس کو آپ نے واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہی لکھ دیا ہے اور یہ سابقہ تحریر سے بالکل خلاف ہے۔

مفرورین احد

بہر حال یہی وہ قیامت خیز منظر جس کی ہلچل اور اضطراب میں بقول شبلی صاحب اکثروں نے ہمت ہار دی۔ صحیح بخاری کی تصریح آپ خود لکھ چکے ہیں کہ صرف دو شخص طلحہ اور سعد رسول اللہؐ کے ہمراہ رہ گئے۔ طلحہ کی موجودگی تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی اس لیے کہ انس بن نضر والی روایت جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور جو آگے لکھی جاتی ہے صاف صاف طلحہ کا نام ولدیت کے ساتھ مفرورین کی جماعت میں مشاہدہ عینی کے طریق سے بتلا رہی ہے جس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہے سعد بن ابی وقاص۔ ان کی شرکت اور حاضری بھی مخالف عقل و قیاس پائی جاتی ہے بلکہ ان کی موجودگی و حاضری کی وجہ سے ان کی جان نثاری و رفاقت کی جگہ ان کی سہل انکاری اور غفلت کے ثبوت معلوم ہوں گے اور وہ اس طرح کہ جب ان کی حاضری تسلیم کر لی جائے گی تو یہ بھی مان لینا پڑے گا کہ ان کی موجودگی میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے خاص بھائی عتبہ ابن ابی وقاص نے رسول اللہ صلعم کو ایسے سخت آزار جسمانی پہنچائے کہ دندان مبارک تک شہید ہو گئے اور یہ کھڑے منہ دیکھتے رہے۔ بھائی پر ہاتھ اٹھانا کیسا، اس کو ڈانٹا بھی نہ گیا۔ اس بنا پر ان کا آخر وقت تک خدمت رسول میں حاضر رہنا بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر مطابق واقع سمجھا جائے گا تو پھر سعد بن ابی وقاص ایسے صحابی کبیر کے ثبات ایمان میں لغزش پیدا ہو جانے کے شبہے قائم ہو جائیں گے۔ جو ان کی شان کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اس موقع پر موجود ہی نہیں تھے یا تو میدان میں مصروف جنگ تھے یا مصروف غنیمت یا مفرورین کے ساتھ نکل گئے تھے۔

قرینہ غالب مصروفیت غنیمت ہی کا ہے کیونکہ واقعہ بدر میں بھی آپ بہت قبل سے حصول غنیمت میں مصروف ہو گئے تھے اور متعدد زرہیں زرمگاہ سے اٹھا اٹھا کر جمع کر چکے تھے۔ اسی اثنا میں امیہ بن حلف مل گیا اور آپ اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں سے اس کو بچا لینے کی غرض سے پہاڑ پر چڑھا لے گئے اور ہر چند ان کے بچانے کی کدوکاوش کی لیکن مسلمانوں نے اسے ڈھونڈ کر قتل ہی کر ڈالا اور ان کی زرہیں بھی اٹھا لے گئے۔ آپ اس واقعہ کو یاد کر کے ہمیشہ کہا کرتے تھے خدا رحم کرے بلال پر اس نے مجھ سے امیہ بن حلف کو بھی لے لیا اور اسی کے ساتھ میری زرہیں بھی مفت چلی گئیں۔

واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ ابن قیمیہ کی ضرب کھا کر رسول اللہ صلعم غار میں گر پڑے تو ابن قیمہ نے قد قتل محمداً کا شور کیا اس کی آواز تمام لشکر میں ادھر سے ادھر تک پھیل گئی۔ اس آواز کے سنتے ہی اور نظر سے آنحضرت صلعم کے اوجھل ہوتے ہی جتنے صحابہ قریب دور تھے سب کے سب ایک بار علیحدہ ہو گئے اور لشکر اسلام میں چاروں طرف گریز گریز پڑ گئی۔ جدھر جسے راہ ملی وہ چلتا ہوا۔ رسول اللہ صلعم غار سے برآمد ہوئے اور مسلمانوں کی یہ بیدلی اور پشت ہمتی دیکھ کر سخت ملول ہوئے۔ آپ اپنی آنکھوں سے بھاگنے والوں کو مشاہدہ فرماتے تھے اور نام لے لے کر پکارتے تھے اور کوئی شنوانہ ہوتا تھا۔ قرآن مجید کے ذیل میں اس کی طرف یوں ارشارات فرمائے گئی ہے۔

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ (ال عمرن رکوع 7)

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم (بدحواس) بھاگے جاتے تھے (لیکن) تم پھر کر کسی طرف کو بھی نہ دیکھتے تھے باوجود یہ کہ رسول تمہارے پیچھے کھڑے تمہیں پکار رہے تھے۔

اس آیہ کی تفسیر میں امام واقدی اپنی تاریخ کامل کے صفحہ 234 میں لکھتے ہیں:

اذ قصعدون معنی فی جبل تهربون ولا تلون علی احد والرسول یدعوا کم فی اخرا کم کانوا یامرون منهزمین تصعدون الی الجبل و رسولهم بنا دیهم یا معشر المسلمین انا رسول الله الی این فلا یلوی علیه احد

جس وقت تم پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے اور چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے حالانکہ رسول خدا تم کو بلا رہے تھے تمہاری پچھلی جماعت میں تو وہ بھاگے جاتے تھے اور پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور رسول اللہ صلعم ان کو پکارے جاتے تھے کہ اے گروہ مسلمین میں رسول اللہ ہوں، میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ مگر ایک بھی نہ آتا تھا۔

یہ تو اس مقام پر آیہ مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اپنی تاریخ میں اس موقع کی جو عبارت خاص لکھی ہے وہ یہ ہے:

مسلمان، مشرکین کی ان سرگرمیوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بھاگنے پر آمادہ ہو گئے کسی نے پہاڑ کا راستہ کسی نے جنگل کی راہ لی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوج کی یہ حالت دیکھ کر سخت متردد ہو گئے اور ان پر سب پشت ہمتوں کو اطمینان دلانے کی غرض سے پکارنے لگے۔ الا یا فلاں۔ الا یا فلاں۔ انا رسول اللہ مگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی آواز کی طرف شنوا نہ ہوتا تھا۔ ترجمہ کامل واقدی ص 234 مطبوعہ نوک کشور لکھنؤ۔

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں اسی امر خاص کو کہ تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر لی ابھی اور صاف کریں گے۔ چنانچہ میرے اس بیان کی تصدیق پر آنحضرت صلعم کو سب نے تنہا چھوڑ دیا تھا اور کوئی صاحب بھی ساتھ نہ رہے، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، عجائب القرآن، تفسیر نیشاپوری، تفسیر درمنثور امام سیوطی، تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری، معارج النبوۃ ملا معین کشمیری، مدارج النبوۃ محدث دہلوی وغیرہم کی تحریریں شاہد ہیں۔

شاہ عبدالحق صاحب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

پش اشرار غلبه کردند و اخیار همه گریختند الی ان قال و بشومی و نافرمانی رسول خدا که از انجماعت صادر شت وطمع و میل حطام دنیاوی که بایشیاں راه یافت۔

شکست بلشکر اسلام افتاد

شریروں کا غلبہ ہوگیا، اخیار نیک بندے سب بھاگ گئے جیسا کہ کہا گیا ہے اور اپنی بدبختی اور حکم رسولؐ کی نافرمانی اور نیز طمع مال دنیوی کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں سمائی تھی فوج اسلام کو شکست پہنچا دی۔

پھر کئی صفحوں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

چون مسلمانان روبزیمت آوردند۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتنہا گذاشتند۔ حضرت درغضب آمدو عرق از پیشانی ہمایونس نہ متقاطر گشت

جب مسلمانوں نے ہزیمت اختیار کی اور حضرت رسول خداصلعم کو تنہا چھوڑ دیا حضرت کو غصہ آیا اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے۔

اب ان بیانات کے ساتھ حدیث وتاریخ کے یہ متفقہ بیانات جو انس بن النضر کی زبانی منقول ہیں اور ہم اس کو طبری، ابن ہشام اور تاریخ الخمیس سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ملا دیئے جائیں تو حقیقت حال پورے طور سے ظاہر ہوجاتی ہے۔

انتہے انس بن النضر عم انس بن مالك الى عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب و طلحه بن عبید الله فی رجال من المهاجرین و الانصار وقد القوا بایدیهم فقال و ایبسکم قالوا قتل رسول الله قال فما تضعون بالحیاة بعده قوموا فموتوا علی مامات رسول الله ثم استقبل القوم فقاتل حتے قتل

انس بن نضر انس بن مالک صحابی کے چچا بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس عالم رستخیز میں عمر بن الخطاب، طلحہ بن عبید کو جماعت مہاجرین وانصار کے ساتھ اس حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا کہ سب نے اپنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے تھے یہ دیکھ کر میں نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیسے بیٹھے ہو ان لوگوں نے کہا کیا کریں رسول اللہ تو مارے گئے میں نے کہا تو پھر ان کے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اٹھو جس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر گئے ہیں تم سب بھی مر جاؤ۔ یہ کہہ کر انس بن نضر فوج کفار پر جا پڑے اور لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ تاریخ طبری ص 1406، ابن ہشام ص 85 جلد دوم، تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 488 مصر

انس بن نضر کی ہدایت کی طرف ان حضرات نے ذرا بھی التفات نہ فرمائی اور افسوس جہاں بیٹھے تھے وہاں سے کوئی صاحب ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ تاریخ الخمیس کی ایک روایت سے ان حضرات کی جنبش نہ فرمانے کی وجہ خاص یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ

حضرات وہاں بیٹھ کر ایک امر خاص میں مشاورت فرما رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا پورا یقین کر کے اپنی عزیز جانوں کی صحت وسلامتی کا سامان کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس کی مفصلہ ذیل عبارت

قال بعض المسلمین لیت لنا رسولا الی عبداللہ بن ابی فیاخذلنا امانا من ابو سفیان جلد اول ص 489

بعض مسلمان کہتے تھے کاش ہمیں ایک قاصد مل جاتا کہ اس کو عبداللہ بن ابی (منافق) کے پاس بھیجتے کہ وہ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لیتا۔

نوبت بایں جار سید انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان مایوسین کی جماعت میں ہر شخص انس بن نضر کی طرح ایثار جان کے لیے تیار نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کی غیرت دلانے پر سب کے سب ان کے ہمراہ ہو جانے اور ان کی طرح اسلام کے نام پر اپنی جانیں فدا کر دیتے۔ لیکن بقول شبلی صاحب یہ وہی بزرگوار تھے جو ہمت ہار چکے تھے، ان کے ثبات واستقلال میں نہ اتنی پاداری تھی اور خود ان میں اتنی جگرداری باقی تھی کہ شجاعت ودلیری سے کار فرما ہوتے جان بڑی پیاری ہوتی ہے اور خصوصاً اس وقت اور اس تہلکہ کے خاص عالم میں ایسے قیامت ناک عالم میں ان کا نقطہ نظر جان کا صرف تحفظ تھا اور اس بدحواسی کی شدت کے ساتھ جیسا علامہ حسین دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس نے بیان کرتے ہیں کہ حفاظت جان کی غرض سے ابوسفیان کی امان طلب کرنے کی تجویزیں فرمانے لگے اور عبداللہ بن ابی ایسے منافق اور دشمن اسلام کو واسطہ امان بنانے پر تیار ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات کے لیے اور کون سی شرمناک بات ہو گی۔

مفرورین کی واپسی

گذشت انچہ گذشت۔ اب آئندہ حالات ملاحظہ فرمائے جائیں۔

خیریت ہوگئی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد کعب بن مالک کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک پر پڑی اور مغفر خون آلود میں صرف آپ کی آنکھوں کو پہچان کر اس نے یہ مسرت افزا نعرہ بلند کیا۔ ان ھذا رسول اللہ یا معشر المسلمین (اے مسلمانو! یہ رسول اللہ صحیح وسلامت کھڑے ہیں)۔ یہ مژدہ روافزا سن کر مسلمانوں میں جان آ گئی اور جو حضرات جتنے قریب تھے وہ دامن کشاں آپ کی طرف فوراً سمٹ آئے۔

پہلے آنے والوں میں محدث دہلوی چار بزرگواروں کے نام بتلاتے ہیں۔ ابو دجانہ، عاصم، سہل اور طلحہ اور صاحب تاریخ الخمیس پہلے لوٹنے والوں میں حضرت ابوبکرؓ کا نام لیتے ہیں اور خود ان کا قول نقل کرتے ہیں:

قال ابوبکر الغرف الناس یوم احد عن رسول اللہ صلعم فکنت اول من جآء

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ بروز احد رسول خدا صلعم کو سب چھوڑ کر بھاگ گئے تو وقت مراجعت میں

سب سے اول آیا۔ ص 431 مطبوعہ مصر

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب نے اجمالاً حضرات کے نام لکھ دیئے ہیں اور ان میں تفریق و تفصیل نہیں کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ یہ چاروں حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ابودجانہ اور سہل بن حنیف انصاری کا نام مفرورین میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ بالاتفاق یہ امر ثابت ہے کہ یہ دونوں حضرات کفار سے حرب وضرب میں مصروف تھے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ مالک کا مژدہ سنکر صف جنگ سے بغرض تصدیق خبر خدمت رسول اللہ میں حاضر ہو گئے ہوں گے۔

جناب شاہ صاحب کا بیان مبہم رہ گیا ہے جس سے ان دونوں بزرگواروں کا شمول بھی مفرورین میں ہوجاتا ہے حالانکہ قطعاً ثابت نہیں۔ باقی رہے عاصم ان کی حالت مشتبہ ہے۔ اس لیے کہ ابتدائے جنگ میں ان کے ثبات وجگرداری کے حالات علمدار ان قریش کے مقابلہ میں بیان ہو چکے ہیں اس کے بعد پھر ان کا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا۔ ممکن ہے کہ صف جنگ سے رسول اللہؐ کی زیارت کے لیے یہ بھی آ گئے ہوں اور اس معاودین میں شمار کر لیے گئے یا حقیقتاً آگے چل کر ان کے پائے ثبات بھی لغزش میں آ گئے ہوں اور یہ بھی فرار کر کے واپس آئے ہوں۔

باقی رہے طلحہ بن عبیداللہ تو ان کے نہ مفرورین ہونے میں کلام ہوسکتا ہے اور نہ معاودین میں کیونکر انس بن نضر والی روایت میں ان کا نام بالتخصیص قید ولدیت کے ساتھ مندرج ہے جس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہو چکا ہے۔

چونکہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حضرات کی مفارقت ومعاودت میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا اس لیے مؤرخین و محدثین نے اتنے عرصہ کو قابل لحاظ نہ سمجھ کر ان حضرات کو برابر قائمین میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ تاریخ الخمیس تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری، تفسیر درمنثور سیوطی، حبیب السیر، معارج النبوۃ اور مدارج النبوۃ کے مرقومہ بالا بیانات سے آنحضرتؐ صلعم کو تنہا چھوڑ کر سب کا چلا جانا ثابت ہو چکا ہے۔ پھر کسی صاحب کی حاضری یا موجودگی کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔

اگر محدثین ومؤرخین کی ان مرویات پر جن میں گیارہ حضرات کی حاضری بتلائی گئی ہے یا صحیح بخاری کے مطابق صرف دو شخصوں (سعد وطلحہ) کی موجودگی کی روایت پر اعتبار کیا جائے گا تو سعد کی تنہا حاضری سے ان گیارہ حضرات کی موجودگی اور زیادہ قابل الزام ثابت ہوگی۔ اس لیے کہ یہ گیارہ جان نثار عتبہ اور ابن قیمیہ صرف دو شخصوں کی ضرررسانی سے پیکر رسالت کی حفاظت نہ کر سکے۔ عبرت خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت یہ بزرگوار موجود ہی نہیں تھے۔ ورنہ ان کی عقیدت و جان نثاری کا مقتضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ مارتے یا مرجاتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم نورانی پر خراش نہ آنے دیتے۔

فرار حضرت عمر کی حقیقت پوشی کی طرف شبلی صاحب کی کوشش محض بیکار ہے آپ اپنے ہی دست وقلم سے اہل سیرت و تاریخ کے مختار اور پھر صحیح بخاری کی تصریحات لکھ کر باقی ماندگانِ ہمراہیان رسولؐ کے تمام نام بتلا چکے ہیں۔ ارباب سیر و تاریخ گیارہ لوگوں کے نام بتلاتے ہیں اور امام بخاری دو شخصوں کے نام لکھتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی میں حضرت عمر کا نام نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان حضرات سے پہلے ہی چلے گئے اور پھر ان بزرگواروں کے واپس آنے سے بھی پیچھے آئے۔ ان تصریحات کو خود لکھ کر اور انس بن نضر کی

مجلس مفرورین والی روایت کونقل کرنے کے بعد جس میں حضرت عمر کا نام مع ولدیت جماعت مفرورین میں موجود ہے،شبلی صاحب اصل کتاب کی عبارت میں تونہیں لیکن حاشیہ میں چپکے سے یہ عبارت لکھتے ہیں:

یہ عام روایت (انس بن نضر) والی ہے۔صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا نام نہیں یعنی مجلس مفرورین میں بخاری کے نزدیک گویا یہ نہیں تھے تواس سے کیا۔انہیں بخاری نے حاضرین میں بھی توان کا نام نہیں دیا تواب یہ حاضرین میں نہیں ہیں۔ بقول آپ کے مفرورین میں ہیں نہیں تو ہیں یہ کہاں یہ بھی تو غور کرلیا جائے۔

شبلی صاحب ہم بار بار آپ کی خدمت میں عرض کیے جاتے ہیں کہ حقیقت چھپ نہیں سکتی۔حقیقتاً حضرت عمر مرد میدان نہیں تھے، پرمجلس ضرور تھے،صاحب شمشیرنہیں تھے،اہل رائے وتدبیر ضرور تھے ہر کسی راہبر کارے ساختند کے اصول پرنظر کیجئے۔ایسے عالم رستخیز میں ثبات واستقلال ان کا کام نہیں تھا۔وہ دوسروں کے کلیجے تھے جن کا ذکر بہت جلد آپ کومعلوم ہوجائے گا۔

اس میرے بیان سے اگرشبلی صاحب اوران کے ہم خیال حضرات کی تسکین نہ ہوتوامام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیراورعلامہ نیشاپوری کی تفسیر عجائب القرآن میں بذیل آیہ

ان الذین تولوا منکم یوم التقے االجمعان

یہ لوگ جودونوں فوجوں کے مقابلے کے وقت پیچھے پھر گئے۔

یہ عبارت ملاحظہ فرمالی جائے

ان من المھز مین عمر و منھم ایضا عثمان

بھاگنے والوں میں حضرت عمر بھی تھےاورانہیں میں حضرت عثمان بھی تھے۔

اگرچہ اس سے بھی تشفی نہ ہوسکے تو اپنی احسن التفاسیر،تفسیر امام جریری طبری اورتفسیر درمنثورامام سیوطی میں خود حضرت عمر کا اقرار ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

عن عمر قال لما کان یوم احد ھزمنا و فررت حتے صعدت الجبل

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ یوم احد جب ہم لوگوں نے گریز کی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب اوران کے ہم خیال حضرات تمام توجہ وہمدردی حضرت عمروغیرہ صحابہ مخصوصین کے ساتھ دکھلاتے ہیں لیکن حضرت عثمانؓ کی طرف جوصحابہ کے اسی طبقہ عالیہ میں داخل اورخلافت راشدہ میں شامل ہیں کچھ بھی توجہ نہیں کرتے،یہ بھی نہیں پوچھتے کہ ان غریب کا کیا حال ہوا ان کی طول طویل فرار کی نسبت نہ کسی کو عذر و معذرت کی فکر ہے اورنہ توصیبہ وتنقیح کا خیال۔ان کے واقعات کی جب تحقیق کی جاتی ہے تو بخاری نے باب غزوہ احد میں ان کی نسبت ذیل کے مختصر پر اکتفا کی ہے۔

اذا سئل من عبداللہ بن عمر اتعلم ان عثمان بن عفان فر یوم احد قال نعم

عبداللہ بن عمر سے جب استفسار کیا گیا کہ حضرت عثمان بن عفان بھی بروز احد بھاگے تھے تو انہوں نے کہا ہاں۔

بخاری کی اس اختصار کی تفصیل طبری کے مفصلہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ کی جائے۔

وقد کان الناس اھر مواعن رسول اللہ صلعم حتے انتھے بعضھم الی المتقی دون الاعوص و فرعثمان بن عفان و عقبہ بن عثمان و سعد بن رجلان من الانصار حتی بلغو الحلیب بناحیۃ المدینۃ منابلی الاعوض فاقاموا بہ ثلثا ثم رجعوا الی رسول اللہ صلعم

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھاگ کر مقام متقی تک جو خوص کے قریب ہے چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفان دو شخص انصار عقبہ وسعد ابنائے عثمان کے ساتھ بھاگے تو مقام حلیب میں جا کر نواح مدنیہ ہے پناہ گزیں ہوئے اور تین دن کے بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایسے قیامت انگیز عالم رست خیز میں ان حضرات کے حالات کی تفصیل کی گئی ہے جو نہ اپنے دلہائے پر اضطراب کو ٹھہرا سکے، نہ پاہائے ثبات جما سکے اور نہ دشمن سے تاب مقاومت و مقابلت لا سکے۔ اب ہم ان اسلامی مجاہدین مخلصین اور مبارزین قائمین فی الجہاد کی دلیرانہ جان نثاریاں اور شجاعانہ ثبات اور جگر داریاں ذیل کے حالات و واقعات میں بیان کرتے ہیں، جن سے جانبین کے اختلافات طبائع اور خیالات وجذبات باہمانہ کے فرق مابہ الامتیاز پورے طور سے معلوم ہو جائیں گے۔

مبارزین اسلام اور قائمین فی الجہاد کی حسن خدمات

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن جبیر کے دستہ فوج کی سرکشانہ نافرمائی سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کی ایک گونہ جیت ہو چکی تھی اور فوج غنیم کے لوگ بھاگنے لگے تھے اور یہ حضرت حمزہ، جناب علی مرتضیٰؑ، حضرت ابودجانہ انصاری، مصعب ابن عمیر سہل ابن حنیف الانصاری، حنظلہ، سعد بن الربیع انصاری اور عمارہ بن زیاد کی بے نظر شجاعانہ حملات اور لا جواب دلیرانہ سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔ یہ حقیقی مجاہدان فی سبیل اللہ اور فدائیان رسول اللہ صلعم اپنی بے مثال ہمت و وفاداری اور استقامت و پاداری سے لشکر کفار کی گھنی صفوں میں گھس پڑے تھے اور اپنے حملات شمشیر سے لوٹ مچا رکھی تھی۔ ان دلاوران اسلامی میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سب سے زیادہ تیز قدمی اور پیشدستی سے کار فرما تھے اور تنہا بالنفس النفیس کفار کے ٹڈی دل کو چیرتے پھاڑتے اس انتہائے مقام تک پہنچ گئے تھے جو روز ازل سے آپ کی شہادت کا ''مقتل'' قرار پا چکا تھا۔

حضرت ابودجانہ انصاریؓ کے محاسن خدمات

حضرت ابودجانہ انصاریؓ کی دلیرانہ پیش قدمیوں کی بھی یہی کیفیت تھی سرکار رسالت سے ابتدائے جنگ ہی میں ان کو ایک شمشیر عنایت ہوئی تھی اور یہ اسی تلوار برق رفتار سے لشکر کفار میں خون برسا رہے تھے۔ زبیر بن العوام اس مجاہد کی شان کا راز یوں بیان کرتے ہیں:

عن الزبير خرج ابو دجانه بعد ما اخذ السيف واتبعته فجعل لا يمر بشی الا افراه و هنكه و فلق يدالمشركين و كان اذا كل شعحذه بالحجارة ثم يضرب يد العدوو كانه يفحل حتى انى نسوة فى سفح الجبل و معهن هندو هى تغنى تخر من المشركين فحمل عليها فنادت بالضحره فلم يحها احذفا نصرف عنها قلت كل سيفارايته فاعجبنى غيرانك لم تقتل المواة قال كرهت ان اضرب سيف رسول الله صلعم امراه لا نامرلها

زبیر بیان کرتے ہیں کہ ابودجانہؓ کو دربار رسالت سے سیف بران عنایت ہوئی تھی جسے یہ لے کر مشغول جنگ ہوئے اور یہ نوبت پہنچی کہ جس پر ان کی تلوار پڑتی تھی اس کو قطع کیے بغیر اور صف مشرکین کو شگافتہ کے بغیر نہیں چھوڑتی تھی اور جس پر پڑتی تھی بغیر زخمی ہوئے کوئی شخص نہیں بچتا تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ فوج کفار کی عورتیں پہاڑ پر بھاگنے لگیں ان میں ہندہ بھی تھی جو گا گا کر مشرکین کو جنگ پر پر جوش بناتی تھی۔ ابودجانے ہندہ پر تلوار سے حملہ کیا اور ہند نے گھبرا کر یا آل صخرہ کا نعرہ لگایا لیکن کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔ ابودجانہ نے ایک بار اپنا ہاتھ روک لیا اور اسے چھوڑ کر چلے آئے۔ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری تیغ آبدار کی کارروائی تو دیکھی لیکن تعجب ہے کہ اس وقت سے تم ایک عورت کو نہ قتل کر سکے۔ ابو دجانہ نے کہا مجھے خود غیرت آئی کہ میں رسول اللہؐ کی عنابت کردہ تلوار سے ایک عورت بے یار و مددگار کا کیا سر کاٹوں۔ زرقانی جلد دوم ص 33 بحوالہ صحیح مسلم

یہ بزرگ انصاری ابتدائے جنگ سے انتہا تک شرط جان نثاری اور وفاداری پر بکمال ثبات و پاداری قائم رہا۔ فوج اسلامی کی ہزیمت اور رسول اللہؐ کی خبر شہادت پا کر بھی یہ انہیں بزرگواروں میں ہیں جنہوں نے لڑ کر مر جانے اور خدا رسولؐ کے حکم پر مٹ جانے کو اپنا نصب العین قرار دے لیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح وسلامت رہنے کا مژدہ سن کر میدان جنگ سے زیارت کے لیے ضرور حاضر ہوئے تھے اور غالباً اسی وجہ سے محدث دہلوی نے ان کو بھی مفرورین میں سمجھ کر جلد لوٹ آنیوالوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ صریحاً خلاف واقع ہے۔

مصعب ابن عمیر کی محاسن حسنات

یہ بزرگوار ہاشمی النسل تھے سابقائے اسلام میں داخل اور نقبائے رسول میں شامل تھے۔ اکثر مؤرخین ومحدثین کے نظریہ کے مطابق جنگ احد میں علمدار لشکر تھے۔ آغاز جنگ سے اتمام تک مخالف کے مقابل ہو کر شجاعت ودلیری اور ہمت وجرأت کی لاجواب مثالیں قائم کر رہے تھے۔ صف کفار کو درہم وبرہم کر کے قلب لشکر میں دور تک بڑھ گئے تھے۔ وقت برابر ہو چکا تھا ابن قیمہ کی زد پر آ گئے، زخم کھا گئے اور شہید ہو گئے۔ آنحضرت صلعم سے مشابہ تھے، ابن قیمہ نے رسول اللہ سمجھ کر شہادت رسولؐ اللہ کی خبر مشہور کر دی۔ جناب رسول خدا صلعم ان کی خبر شہادت پا کر بے حد ملول ومخزون ہوئے اور آدمی بھیج کر جناب علی مرتضیٰؑ کے پاس کہلا بھیجا کہ لشکر کا علم لے کر آگے بڑھیں۔ ابن اشہام ص 81 جلد دوم مصر۔

حنظلہ بن ابو عامرؓ کی محاسن خدمات

حنظلہ بن ابو عامر بھی انہیں وفاداران اور پاداران اسلام میں تھے یہ بھی مساعی جہاد میں ابتدا سے انتہا تک بے نظیر جگر داریاں دکھلاتے رہے۔ ان کا باپ ابو عامر جب میدان میں آ کر مبارز طلبی کرنے لگا تو اس کے مقابلہ میں سب سے پہلے انہیں نے خدمت رسولؐ سے اجازت جنگ چاہی اور قصد کر لیا کہ دنیا کو کفر واسلام ظلمت ونور اور سعادت وشقاوت کا نمونہ دکھلا دیا جائے لیکن رحمت العلمین نے باپ بیٹے کے مقابلہ کو ناگوار سمجھ کر اجازت نہ دی۔

یہ دلیر مجاہد باپ کو چھوڑ کر دوسرے کافر سے مقابل ہوا اور بڑی دیر تک شجاعت ودلیری کے جوہر دکھاتا رہا۔ مقابل کا خاتمہ کر کے کفار کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو ضرب شمشیر سے الٹ پلٹ کرتا رہا۔ پھر ہمت وجگر داری سے بڑھتا ہوا قلب لشکر میں ابوسفیان، سردار لشکر کے سر پر جا پہنچا قریب تھا کہ ضرب شمشیر سے اس کا کام تمام کر کے جدال وقتال کا ایک بار فیصلہ کر دے کہ شداد بن الاسود جو پہلو میں چھپا کھڑا تھا ان کے وار کو روکا اور اپنے وار سے ان کو شہید کر ڈالا۔

سعد بن الربیع انصاریؓ کی محاسن خدمات

سعد بن الربیع جوانان انصار سے تھے۔ اسلام کے جان نثار کامل تھے اور وفادار خالص۔ آغاز جنگ سے اختتام تک شرط وفاداری اور فرض جان نثاری پر قائم رہ کر فائز بشہادت ہوئے اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کو نہ ان کی شہادت کی خبر ہوئی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ ان کا قاتل کون ہے۔ میدان جنگ سے قریش کے چلے جانے کے بعد جب شہدائے احد کی تلاش ہونے لگی تو ان کی بھی جستجو ہوئی تو

ایک مرد انصار کو یہ جانباز اسلام دم توڑتا ملا۔ طبری اور ابن ہشام اس خالص عقیدت مند اور وفادار کی آخری تقریر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

منظر فوجدہ اسعد ابن الربیع جریحا فی القتلے ویہ رمق قال فقلت لہ ان رسول اللہ صلعم امرنی ان انظرافی الاحیاء انت ام فی الاموات قال انا فی الاموات فابلغ رسول اللہ صلعم غنی السلام وقل لہ ان سعد بن الربیع یقول لك جزاك اللہ عنا خیرا اما جری فیتا عن امتہ فابلغ قومك عنی السلام و قل لھم ان سعد بن الربیع یقول لکم انہ عذر لکم عند اللہ ان اخلص علی نبیکم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منکم عین قطرن قال ثم لا ابرح حتے مات ص 9 جلد دوم ابن ھشام

وہ بزرگ انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے انہیں کشتوں میں پڑا پایا۔ رمق جان ان میں باقی تھی۔ میں نے پکار کر کہا اے سعد رسول خداؐ صلعم نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں تلاش کروں کہ تم زندوں میں ہو یا مردوں میں۔ سعد بولے میں تو مردوں میں ہوں لیکن مہربانی کر کے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں جا کر میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ خدا تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے نہ دی گئی ہو اور قوم کے لوگوں کو بھی میری طرف سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ سعد کہہ گیا ہے جب تم لوگوں میں ایک آنکھ بھی جھپکنے والی باقی ہے اس وقت تک اگر دشمن نبی صلعم تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔

اس کے آگے ابن ہشام لکھتے ہیں:

حدثنی ابوبکر الزبیری ان رجلا دخل علی ابوبکر الصدیق و بغت السعد بن الربیع جاریۃ صغیرۃ علی صدرہ برشفھا و یقبلھا فقال لہ الرجل من ھذہ قال ھذہ بنت رجل خیرمنی سعد بن الربیع کان من النقبآء و شھد بدرا و استشھد یوم احد ص 90

ابوبکر زبیری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابوبکر کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی

ان کے سینہ پر بیٹھی ہے اور وہ اسے پیار کر رہے ہیں اور اس کا منہ چوم رہے ہیں اس شخص نے پوچھا کہ یہ کس کی لڑکی ہے تو حضرت ابوبکر نے کہا یہ اس شخص کی لڑکی ہے جو مجھ سے بہتر تھا۔ جو بروز عقبہ بیعت سے مشرف ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کے نقبا میں تھا۔ شرکاء بدر میں داخل اور شہدائے احد میں شامل ہے۔

عمارہ ابن زیادؓ کی جان نثاری

عمارہ ابن زیاد کے نام میں اختلاف ہے۔ صاحب رحمۃ العلمین نے عمارہ بن زیاد لکھا ہے اور شبلی صاحب زیادہ بن السکن لکھتے ہیں۔ دونوں صاحبوں نے طبری سے لکھا ہے۔ طبری نے خود تحقیق نام نہیں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں زیاد بن عمارہ بن زیاد بن السکن (زیاد یا عمارہ بن زیاد بن السکن) ص 1403

بہرحال باپ بیٹوں میں سے جو صاحب ہوں وہ آغاز جنگ سے حصول شہادت تک ضرور قائم بالجہاد رہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے شفقت سے ان کی لاش حضور میں اٹھوا منگوائی۔ جب مسلمان ان کی لاش اٹھا لائے تو فرمایا قریب لاؤ۔ قریب لائے تو ارشاد فرمایا اور قریب لاؤ۔

فوسدہ قدمہ فمات وخدہ علی قدم رسول اللہ

یہاں تک کہ ان کی لاش آپ کے قدم سے مل گئی اور وہ اپنے رخسار قدم رسولؐ پر رکھ کر گیا۔

اس موقع پر شبلی صاحب نے مناسب حال کسی کا یہ شعر لکھا ہے۔ بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی۔ سیرۃ النبی ص 278 تاہم واقعیت کا ایک شوشہ رہ گیا ہے۔

صاحب رحمۃ العلمین نے مناسب مقام سمجھ کر اردو کی زبان قدیم کا یہ شعر لکھا ہے۔ زبان میں جو عذر ہو لیکن واقعیت اور تمثیلیت میں کوئی کلام نہیں۔ وہ یہ ہے:

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

سہل ابن حنیف انصاریؓ کی محاسن خدمات

سہل ابن حنیف انصاری کے دلآویز وفائے اسلام کی تصدیق اور ثبات فی الجہاد کی توثیق میں یہی کافی ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت سیدہ صلوۃ اللہ علیہا کو ذوالفقار اس غرض سے روز احد دی کہ وہ اسے کافروں کے خون سے پاک کر دیں تو ارشاد فرمایا:

اغسلی عن ھذا دمہ فو اللہ لقد صدقکنی الیوم

اس کا خون ڈالوں۔ بخدا میں نے آج اپنی خدمات کی تصدیق کرادی۔
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب تھے، سن کر ارشاد کیا۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدق معك سھل بن حنیف الانصاری و ابودجانه

تنہا تم نے خدمات جنگ کی تصدیق نہیں کرائی بلکہ تمہارے ساتھ سہل بن حنیف انصاری اور ابودجانہ نے بھی۔

مخبر صادق کے لفظ معیت میں اتنی کامل صداقت تھی کہ سہیل ابن حنیف الانصاری واقعات صفین تک حضرت علی مرتضیٰؑ کی معیت میں موجود رہے۔ امارت بصرہ کے وقت جوان کی ذلت وخواری کی گئی اس کا ذکرنا گفتہ بہ ہے اور بہت قبل از وقت۔

مجاہدین، قائمین بالجہاد کی فہرست میں شبلی صاحب زبیر العوام، طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے نام بھی بتلاتے ہیں اور وہ کیا تاریخ وحدیث کی مرویات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً طلحہ کی تصدیق خدمات خود رسول اللہؐ صلعم کی زبانی بھی جا بجا نقل فرمائی ہے لیکن چونکہ ہم انہیں تاریخ وحدیث سے ان بزرگوں کو منہزمین ومفرورین میں اوپر ثابت کرآئے ہیں اس لیے یہ حضرات ان بزرگواروں کے مقابلہ میں جن کا ذکر ابھی ابھی ہم لکھ چکے ہیں، معیار شجاعت وجگرداری اور مقیاس ثبات وپاداری میں مشکل سے کامل ہوا ترتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی جن خدمات کا ذکر کیا گیا ہے وہ اوائل جنگ میں یا قبل مجروحیت رسول صلعم ان سے عمل میں آئی ہو اور پھر لڑائی بگڑ جانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہوجانے اور نظروں سے پوشیدہ ہوجانے کے بعد ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش آ گئی ہو۔ یہی واقعیت ہے اور واقعیت کا انکار حقیقت کا انکار ہے۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی محاسن خدمات

انہیں قائمین فی الجہاد میں جن کا ذکر خیر اوپر بیان ہو چکا ہے ان کے سرحلقہ اور مقتدا حضرت علی مرتضیٰؑ ثابت ہوتے ہیں۔
جنگ احد کے قیامت خیز معرکہ میں جو حضرات از ابتدا تا انتہا ثابت قدم رہے ان کے نام اور تفصیلی خدمات اوپر بیان ہو چکی اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ان آٹھ وفاداران اور جگرداروں میں پانچ بزرگوار حضرت حمزہ، مصعب ابن عمیر، حنظلہ، سعد بن الربیع اور عمارہ بن زیاد شرائط وفا کے ساتھ فدائے اسلام ہو گئے۔ رضوان اللہ علیہم

تین وفادار، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابودجانہ انصاری اور حضرت سہل بن حنیف انصاری انتہا سے اختتامِ جنگ تک خدمات جان نثاری اور وفاداری پر ثابت قدم رہے اور ابن ہشام کے موافق مراجعت مدینہ تک ان کی خدمات کی زبان رسالت سے تصدیق فرمائی گئی۔

جناب علی مرتضیٰ کی اقامت فی الجہاد کی ابتدائی کیفیت اور علمداران قریش کو آپ کا قتل کرنا اوپر بیان ہو چکا ہے اور ان کے

مجموع علمداروں میں سے رحمۃ العلمین کے قول کے مطابق آٹھ علمداران قریش کو یکے بعد دیگرے تن تنہا آپ ہی نے قتل فرمایا تھا (ص 108) علمداران قریش کے قتل کے بعد آپ کی عدیم المثال مبارزت کی تفصیل وتصریح طبری میں یوں مرقوم ہے:

لما قتل علی ابن ابی طالب اصحاب الا لویه ابصر رسول الله صلعم جماعة من مشر کی قریش فقال لعلی احمل علیهم فحمل علیهم ففرق جما عتهم و قتل عمر بن عبدالله الجمجر قال ثم ابصر رسول الله صلعم جماعة من مشر کی قریش فقال لعلی احمل علیهم فحمل علیهم ففرق جماعتهم و قتل شیبه بن مالك احد بنی عامر بن لوی فقال جبریل یا رسول الله ان هذه للموا ساة فقال رسول اللهﷺ انه منی و انا منه فقال جبرئیل و انا منکما قال فسمعوا صوتا لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی طبری ص 1402 جرمن

ابورافع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰؑ علمداران قریش کوقتل کر چکے تو آنحضرت صلعم نے مشرکین کی ایک جماعت کو اپنی طرف آتے دیکھ کر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ ان پر حملہ کرو۔ حضرت علیؑ نے اس جماعت پر حملہ کیا اور اس کو متفرق کر دیا اور ان میں سے عبداللہ بن عمر جمجی کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد پھر جناب رسول خدا صلعم نے دوسری جماعت مشرکین کو اپنی طرف آتے دیکھا پھر فرمایا ان پر حملہ کرو۔ پھر حضرت علیؑ نے ان پر حملہ کر کے ان کو متفرق کر دیا اور ان میں شیبہ بن مالک جو بنی عامر کے قبیلہ کا ایک آدمی تھا قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریل نے خدمت رسول صلعم میں عرض کی کہ یہ تو منتہائے محبت دریافت ہے۔ جناب رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا اس لیے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ یہ سن کر حضرت جبرئیل نے کہا کہ میں تم دونوں میں شامل ہوں اس کے بعد یہ آواز آئی کہ کوئی کہتا ہے تلوار ذوالفقار کے جیسے نہیں اور کوئی جوان مرد علی کے جیسا نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہوا کہ دشمنوں کا مواسات میں حضرت جبرئیل صرف وعدہ کر کے رہ گئے ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہوا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ عملی صورت میں لایا گیا اور پورا فرمایا گیا۔ علامہ یوسف گنجی الشافی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

روی الحافظ محمد بن عبدالعزیز الجنا بذی فی کتاب معالم العترة النبوية موفوع الی قیس بن سعد عن ابیه انه سمع علیا یقول اصابنی یوم احد ست عشر

ضربۃ سقطت الی الارض فی اربع منھن فجآء نی رجل احسن الوجہ طیب الویح فاخذ بضبعی فاما متی ثم قال اقبل علیھم فانك فی طاعۃ اللہ و رسولہ و ھما عنك راضیان قال علی فاتیت النبی صلعم فاخبرتہ فقال یا علی اقر اللہ علینك وفانہ جبرئیل۔ سوانح عمری حضرت علی ص 216 لاھور

حافظ محمد بن عبدالعزیز الحنابذی اپنی کتاب معالم العرۃ النبویہ میں بطریق مرفوع قیس بن سعد سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جنگ احد کے دن مجھے سولہ زخم ایسے کاری لگے تھے کہ ان میں سے چار زخموں کے ساتھ میں زمین پر گرنے کے قریب پہنچ گیا تھا اور ہر بار ایک خوبصورت خوشبو میں ڈبایا ہوا آدمی میرے پاس آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور مجھ کو کھڑا کر دیتا تھا اور کہتا تھا بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر کہ تو خدا اور اس کی رسول کی اطاعت میں ہے اور وہ دونوں مجھ سے راضی ہیں۔ جناب علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں کہی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی خدا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک عطا فرمائے۔ وہ جبرئیل تھے۔

مرقومہ بالا مشاہدات غیب میرے بیان کے شاہد صادق ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یہ مبارزت اس وقت کی ہے کہ حکم رسول اللہ صلعم سے آپ لشکر کفار کی اس جماعت میں جو بار بار رسول اللہ صلعم کی ذات خاص پر ایذا رسانی کی غرض سے چڑھ چڑھ کر آتے تھے ہر بار آپ ان پر حکم رسولؐ سے حملہ آور ہوتے تھے اور ہر بار بڑی جگر داری سے لڑ کر ان کو پسپا کر دیتے تھے۔

شبلی صاحب نے حضرت علی کی ایسی بے نظیر شجاعت و مبارزت کو اول تو آنحضرت صلعم کے مجروح ہونے کے بعد لکھا ہے اور یوں اس کی واقعیت اور اصلیت کو بدل دیا ہے۔ دوسری یہ کہ ان محاسن خدمات کو صرف اتنا لکھ کر کہ ''دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا'' ص 277۔ اس کی حقیقت کو تمام کر دیا ہے۔ ہمیں آپ کی اس کوتاہ رقمی کی کوئی شکایت نہیں۔ اس لیے کہ ہمیں آپ کی خدمت میں عادت شناس اور مزاجدان ہونے کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ ہم خوب واقف ہیں کہ یہ موقع خاص آپ کے اختصار و اقتصار اور تلخیص و تلمیح کے مقامات ہیں۔

لشکر اسلام کی ہزیمت اور رسول اللہ صلعم کی شہادت کی خبر سن کر جو کیفیت حضرت علی مرتضیٰؑ کے قلب پر مستولی ہوئی وہ خود زبان مبارک سے یوں ارشاد فرماتے ہی۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں:

چون کفار بر مسلمانان غلبہ کردند حضرت علیہ الصلوۃ و السلام از نظر من غائب

شد درمیان کشتگان رفتم واحتیاط کردم سید عالم صلی اللّٰه علیه وآله وسلم راید ندم باخود گفتم دےازان قبیل نیست که از صف جنگ کافران برگزد درمیان قتلی نیست۔ گہان من انیست که حق تعالی بواسطه فعل بارما غضب کرده و پیغمبر خوبش باسمان بزده و باخود گفتم ہیچ بہتر ازان نیست که مقاتله تمایم تاکشته شوم شمشیرکشده وبرجوق مشرکان حمله بردم از ہم بپاشیدند۔

جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ میں آپ کو کشتوں میں ڈھونڈنے لگا اوران میں آپ کو نہ پایا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ رسول صلعم سے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جنگ کفار سے گریز فرمائیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ ہزیمت خدا کا غضب ہے جو ہمارے افعال کی سزا میں ہم پر اتارا گیا ہے اور خدا نے اپنے رسولؐ کو محفوظ اور مامون رکھ کر آسمان پر اٹھالیا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے دل سے کہا کہ اب میرے لیے اس سے بہتر کوئی صلاح عمل نہیں ہوسکتی کہ ہم بھی کفار سے لڑ کر مرجائیں۔ یہ قصد کر کے میں تلوار لے کر گردہ کفار پر ٹوٹ پڑا اور اتنی جگرداری سے لڑا کہ ان کو متفرق اور پریشان کر دیا۔ (روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص 262

ان خدمات کے صلہ میں جناب احدیت کی بارگاہ سے حضرت علی مرتضیٰ کو یہ کیا صلہ عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جماعت کفار کے متفرق کرنے کے بعد نظر مبارک اٹھاتے ہیں تو جمال رسالت سامنے ہے۔ صلوا علیہ وآلہ۔ محدث شیرازی اسی سلسلۂ بیان مرقومۂ بالا میں جناب علی مرتضیٰ کے زبانی نقل فرماتے ہیں۔

جمال حضرت رادیدم بسلامت دانستم که حق تعالیٰ و یرابملائکه کرام خود محافظت نموده

اس اثنا میں میری نظر آنحضرت صلعم کے جمال مبارک پر پڑی اور آپ صحیح وسلامت نظر آئے تو مجھے یقین آ گیا کہ خدا نے ملائکہ کرام کے ذریعے سے آپ کی محافظت فرمائی۔

فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اب باہمی مکالمت کی حقیقت بھی محدث شیرازی ومحدث دہلوی کی عبارت میں ملاحظہ ہو۔

آنحضرت صلعم نظر کرد۔ دیدکه علی بن ابی طالب پر پہلوے مبارکش استاده است۔ فرمود چون است که توبه برادرآن خود ملحق نگشتی۔ علی گفت اکفر بعد

الایمان انی بک اسوۃ ایا کافر شرم بعد از ایمان بدر ستکه مرابا تواقتداست یعنی مراشما کارست بایاران و برادرن که درپئے غنیمت افتادند ہزیمت نمودند چه کاردارم

آنحضرت صلعم نے نظر اٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالبؑ پہلو میں کھڑے ہیں ان سے استفسار فرمایا کہ تم کیوں کر اپنے بھائیوں سے جا کر نہ مل گئے حضرت علیؑ نے عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ مجھ کو آپ ہی کی اقتدا کافی ہے۔ یعنی مجھے آپ ہی سے صرف سروکار ہے مجھے اپنے ان یاروں اور بھائیوں سے کیا کام جو مال غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے اور بھاگ نکلے۔

زکوان کی استمداد واعانت

جناب علی مرتضیٰ کی عدیم المثال شجاعت خودغرض نہیں تھی۔ اس کا کوئی پہلو عالی ہمتی اور ہمدردی اور دوسروں کی مدد واعانت سے خالی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ صرف اپنی حفاظت کے لیے اپنی قوت وشجاعت صرف کرتے ہوں اور دوسرے رفیقوں کی مدد واستعانت سے پہلوتہی فرماتے ہوں واقعات بتلارہے ہیں کہ اسی احد کی لڑائی میں حضرت علیؑ نے بنی عبدالدار کے علمداروں کا خاتمہ کرکے فوراً حضرت حمزہ اور حضرت ابودجانہ کی حمایت فرمائی اور دیر تک ان کے شریک رہ کر لشکر کفار سے لڑتے رہے۔

حضرت حمزہ اور حضرت ابودجانہ ہی کی حمایت واستمداد پر منحصر نہیں۔ شاید آپ نے اپنے عم محترم کی اعانت کو فرض سمجھ لیا ہو تو ذکوان بن عبدالعیس کے قصہ سے آپ کی ہمت استعانت عام کے ثبوت خاص مل جاتی ہیں۔ ترجمہ مغازی الصادقہ کامل واقدی مطبوعہ نول کشور لکھنو میں اس واقعہ کی نسبت لکھا ہے۔

جناب علی مرتضیٰؑ نے محاصرہ کفار سے نکل کر ذکوان بن عبدالغیس کو جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے جو مجاہدین اسلامی میں داخل تھا۔ ابوالحکم ابن الاجنس ثقفی کے پنجہ میں گرفتار دیکھا۔ آپ کی ہمدردی اور غیرت اسلامی اس کی مقتضی نہ ہوئی کہ اس کی اعانت ودستگیری سے ناتوجہی کی جائے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر شہادت سن کر آپ حضور کی تلاش میں نہایت بیتاب تھے۔ اگر ایسے وقت نازک میں پہلوتہی بھی کی جاتی تو قابل الزام نہیں تھی۔ لیکن جناب علی مرتضیٰؑ کی حمیت اسلامی اس کو گوارا نہ فرما سکی۔ آپ یہ دیکھ کر فوراً موقع پر پہنچے۔ ابوالحکم کی تلوار اٹھ چکی تھی۔ غریب ذکوان کی گردن اس کے نیچے آ چکی تھی۔ موت ذکوان کے سامنے آ کھڑی تھی۔ سب سے زیادہ دشواری ذکوان کے لیے یہ تھی کہ پیدل تھے اور ابوالحکم گھوڑے پر سوار لیکن شہسوار لافتی نے ذکوان کی ان تمام دشواریوں کو طرفۃ العین میں رفع کر دیا۔ ابوالحکم کا ہاتھ ذکوان پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت علیؑ کی ذوالفقار کا تلا ہوا ہاتھ ابوالحکم کے سر پر ایسا کاری پڑا کہ اس کا سر کٹ کر ذکوان کے سامنے گر پڑا۔ ذکوان کی جان بچی۔ غریب نے اپنی راہ لی۔ ص 210

محدث شیرازی اور محدث دہلوی دونوں بزرگوں نے انہیں عدیم المثال مشاہدات شجاعت پر اعتبار کر کے تحریر فرمایا ہے۔
آ ئے رضی اللہ عنہ حق مبارزت ومحاربت وحلاوت وشجاعت بجا آورکہ فوق آن تصور نتوان کرد۔یعنی آپ نے ہر طرح سے جدال وقتال، دلیری وشجاعت کے ایسے حقوق ادا فرمائے کہ ان سے زیادہ تصور نہیں ہوسکتا۔
شاہ عبدالحق صاحب تو اپنی حد امکاں تک تعریف وتوصیف ہی کر کے رہ گئے۔لیکن امام للغازی ابن اسحٰق، امام المؤرخین ابن جریر طبری وابن ہشام بالاتفاق یہ لکھ کر فیصلہ کر چکے ہیں:

وكان الفتح يوم احد بصبر علی علی عنايت و تبانه وحمل بلائه

احد کے روز فتح حضرت علیؑ کی مصیبت پر صبر کرنے، ثبات حواس قائم رکھنے اور تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے (نمودار) ہوئی تھی۔

یہی رائے امام المحدثین ابو یوسف الگنجی الشافعی کی بھی ہے، جس کو انہوں نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں حضرت ابن عباس کی سند سے لکھا ہے۔

نضر ابن انس انصاریؓ کی جان نثاری

اپنے اس سلسلہ بیان میں ابھی ہمیں چند فدائیان انصار کی دلیرانہ جان نثاریوں اور وفاداریوں کا ذکر کر دینا بہت ہی ضروری ہے۔انس بن مالک کے چچا، انس بن نضر کی دلیرانہ سرفروشی اور جانبازی تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے اور بتلا چکے ہیں کہ یہ گروہ منہز مین اسلام کو جنگ کفار پر غیرت دلا کر فوج قریش کی گھنی صفوں میں شیرانہ شوکت وشان سے ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے فائز بشہادت ہوئے۔کفار نے ان کو زخموں سے اتنا چور کر دیا تھا کہ لاشوں کے جائزے کے وقت کوئی ان کی لاش کو نہ پہچان سکا بالآخر انکی مصیبت نصیب بہن نے ہاتھ کی انگوٹھی سے پہچانا۔

پانچ انصار کی بیکبار جان نثاری

عمارہ ابن زیاد اور زیاد بن السکن کے حالات بھی اوپر لکھے جا چکے ہیں۔زیاد اور عمارہ نے تنہا اپنی جانوں کو نثار نہیں کیا۔بلکہ اپنے تین اور رفقاء وعزیزں کو بھی فدائے اسلام کر دیا۔کیفیت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت وسلامتی کا مژدہ پا کر یہ پانچوں جان نثار بیکبار میدان جنگ سے حصول زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوئے اور کفار کی اس جمعیت سے جو آنحضرت صلعم کے قریب ایذا دہی کی غرض سے جمع تھی۔اذن رسول پا کر حملہ آور ہوئے اور پانچوں کے پانچوں شہید ہو گئے۔ایک بھی جانبر نہ ہوسکا۔ رضوان اللہ علیہم

ابوطلحہ الانصاری کی رفاقت

ابوطلحہ الانصاری کی خدمات بھی جو انس بن مالک مشہور صحابی کے علاقی باپ تھے۔قابل الذکر ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ تیر برساتے تھے تو یہ وفادار اور جگردار جان نثار چہرہ مبارک پر اپنی سپر روک لیتا تھا اور موذیوں کے تیروں کو آپ کے چہرے پر نہ آنے دیتا تھا اور اسی حالت میں تیراندازوں کی خطا کاری کا جواب بھی دیتا جاتا تھا۔ابوطلحہ نے اس موقع خاص پر اتنے تیر چلائے تھے کہ وہ تین کمانیں ان کے ہاتھوں میں ٹوٹ گئیں تھیں۔سیرۃ النبی ص278 بحوالہ بخاری

خواتین اسلام کی مردانہ ہمت ورفاقت

مردوں کی ایثار نفس اور جانبازی کو تفصیل سے دکھلانا اور خواتین اسلامی کی مردانہ وار رفاقت وایثار کا ذکر نہ کرنا واقعہ نگاری کی نامردی ہے اور سوانح نویس کی بیدردی۔اس لیے ہم اپنے سلسلہ بیان کو ان محترمات کے محاسن خدمات سے خالی رکھنا نہیں چاہتے۔ان میں سب سے پہلے ام عمارہ کا حال ذیل میں لکھتے ہیں۔

ام عمارہ صحابیہ کے محاسن خدمات

یہ عفیفہ محترمہ خود درخواست کر کے لشکر اسلامی کی خدمت کرنے کے لیے ہمراہ آئیں تھیں اور فن جراحی سے واقف تھیں۔
عین اس موقع پر جب فوج کفار کے موذی تیرانداز آنحضرت صلعم پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے تو یہ شیر دل خاتون انصاریہ آنحضرت کے آگے کھڑی ہو گئیں اور ان کے تیروں کو اپنے سینہ پر اڑانے لگی اور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ وتلوار لے کر آپ کا قصد کرتی تھی تو یہ خود تلوار پکڑ کر ان کے وار کو رد کرتی تھی اور انہیں برابر کا جواب دیتی تھی۔جب ابن قیمہ تلوار پکڑ کر آنحضرت صلعم کے بالکل قریب آ گیا تو ام عمارہ نے بڑھ کر بڑی دلیری کے ساتھ روکا اور اسی روو کد میں ان کے کندھے پر زخم لگا اور غار پڑ گیا۔مدتوں رہا،اس بہادر خاتون نے تلوار لگا کر ابن قیمہ کو اس کی ضرب کا جواب بھی دیا۔مگر وہ ظالم دوزرہیں تلے اوپر پہنے ہوئے تھا اس لیے ان کی تلوار کام نہ کر سکی۔ابن ہشام جلد دوم ص ۸۴ سیرۃ النبی ص281
نہیں معلوم کہ سیرت والوں کے گیارہ اور صحیح بخاری کے وہ دو جان نثار اس وقت کہاں تھے جو ام عمارہ کی دلیری کو بھی دیکھ کر ابن قیمہ کے مقابلہ پر جرات نہ کر سکے۔حقیقت وانصاف تو یہ بتلا رہے ہیں کہ اس خاتون انصاریہ کے خدمات بڑے بڑے مجاہدین اسلام کی کارگزاریوں سے زیادہ قابل قدر وعزت ہیں۔

دوسری خاتون انصاریہ کی جگرداری

قبیلہ انصار میں بنی دینار کی ایک عورت کے باپ بھائی اور شوہر سب کے سب کفار سے لڑ کر شہید ہو چکے تھے۔لیکن وہی

خاتون رسول اللہ صلعم کی خبر شہادت سن کر اس قدر بے چین اور مضطرب حال ہو رہی تھی کہ اس کو اپنے تین زخمہائے کامل اور صدمات متصل کی کوئی فکر نہیں تھی، وہ رسولؐ کی تلاش میں ادھر ادھر مجنونانہ وار پھر رہی تھی۔ جو دیکھتا تھا وہ اس سے اس کے باپ بھائی اور شوہر کی خبر پوچھتا تھا۔ لیکن وہ بے خود ہو کر ان سے پوچھتی تھی یہ تو کہو رسول اللہ تو صحیح وسلامت ہیں۔ لوگ کہتے تھے ہاں الحمدللہ آپ بخیریت ہیں۔ اسی حالت میں وہ افتاں وخیزاں جناب رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچی۔ نظر اٹھا کر جمال مبارک کی زیارت کی اور عرض کی **کل مصیبة بعدك جلل** یا رسول اللہ آپ موجود ہیں تو پھر تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔ شبلی صاحب نے اس موقعہ کے مناسب حال یہ شعر لکھا ہے کیا تعجب کہ طبع زاد ہو ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

سعد بن معاذ کی ماں اور عقیدت

رئیس الانصار سعد ابن معاذ کے اپنے بھائی عمر بن معاذ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ کو اپنے آپ برابر کے بھائی کا کوئی غم اور کوئی رنج والم رفاقت واطاعت رسول صلعم کے مقابلہ میں نہیں تھا یہ تو مرد تھے۔ ثبات و پاداری ان کا کام تھا ان کی مادر گرامی قدر کی جگرداری البتہ قابل ذکر ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب داخل مدینہ ہوئے تو آپ کے گھوڑے کی لگام سعد ابن معاذ تھامے ہوئے تھے آمد رسول کی خبر سن کر ان کی والدہ معظّمہ جن کا نام کبشہ بنت رافع تھا۔ شوق رسولؐ میں بیتاب ہو کر دوڑیں بیٹے کی نظر ماں پڑی تو چپکے سے خدمت رسولؐ میں عرض کی۔ کون شوق زیارت میں دوڑی آتی ہیں۔

آپ نے فرمایا مرحبا۔ اتنے میں وہ محترمہ آ ہی گئیں۔ جمال مبارک پر چشم عقیدت سے نظر کی اور فرط مسرت سے شگفتہ ہو گئیں اور خلوص سے عرض کی حضور کو زندہ وسلامت دیکھ کر تمام رنج وغم فراموش ہو گئے۔ آنحضرت صلعم غایت اخلاق سے ان کو ان کے فرزند شہید کی تعزیت دی اور ان کے فرزند شہید اور دیگر شہدائے انصار کے داخل جنت کیے جانے کی بشارت پہنچائی۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنو ص273

جراحت رسول سے لے کر خاتمہ جنگ تک کے حالات

جان نثاران اسلام میں ان تمام بزرگواروں کی خدمات جو حمایت اسلام اور رفاقت حضرت خیر الانام علیہ السلام کے متعلق جنگ احد میں واقعہ ہے وہ حدیث وتفسیر اور سیرت وتاریخ کے معتبر ماخذوں سے ایک سلسلہ میں بیان کر دیئے گئے۔ اس تفصیل کو تمام کر کے اب ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے اور منہزمین اسلام کے واپس آنے کے حالات سے لے کر خاتمہ جنگ تک کے باقی واقعات کو موجودہ سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار سے برآمد ہوئے۔ سرور عالمؐ کی خبر شہادت مدینہ تک پہنچ گئی تھی۔ جناب سیدہ اور دیگر خاتونان اسلامیہ جو شمار میں 14 محترمات تھیں، بیتاب ہو کر میدان جنگ تک چلی آئیں اور محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی نظر اپنے پدر بزرگوار کے چہرۂ خون آلود پر پڑی بیقرار ہو کر رونے لگیں، آنحضرتؐ نے اپنے پارۂ جگر کو سینہ سے لگا لیا اور دیر تک اشک بار رہے اس اثنا میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی پہنچ گئے وہ اپنی ڈھال میں پانی لائے اور حضرت فاطمہ زہراؑ نے دھونا شروع کیا۔ لیکن زخم سے خون نہیں بند ہوتا تھا تو بالآخر جناب سیدہؑ نے پارچہ حریر اور بروایت بخاری پارہ حصیر جلا کر لگایا تب خون بند ہوا۔ روضۃ الاحباب ص 270۔

رسالت کی صبر و شکیبائی اور نبوت کی رعایت و عفو فرمائی یہ ہے کہ ایسی شدید تکلیف اور درد و محن کی حالت خاص میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون پروردگار میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں۔ عجیب عالم رس خیز اور ہنگامہ قیامت خیز تھا۔ وہ اضطراب طاری تھا کہ دوست دشمن کی تمیز باقی نہیں تھی۔

شبلی صاحب نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ اس ہلچل اور کشمکش میں مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے اور تحقیق مزید سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہی واقعہ پیش ہونے والا تھا لیکن خیریت ہوگئی۔ طبری لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں قیامت کی ہلچل

وانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدعو الناس حتی انتھی انی اصحاب الصخرۃ فلما رائوہ وضع رجل سھما فی فوسہ فارادان یرمیہ فقال انا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقرحوا بذلك حین و جدوا رسول اللہ صلعم حیا و فرخ رسول اللہ صلعم حین ان فی اصحابہ من یمتنع بہ فلما اجتمعوا و فیھم رسول اللہ صلعم ذھب عنھم اخرن فاقیلوا یذکرون الفتح و مافاتھم منہ و یذکرون اصحابھم الذین قتلوا فقال اللہ عزوجل الذین قالوا ان محمد اقد قتل فارجعوا الی قومکم۔ و ما محمد الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل اوان مات اوقتل انقلبکم علی اعقابکم و من ینقلب وعلی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا و سیجزی اللہ الشاکرین

جناب رسول خدا صلعم لوگوں کو پکارتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ آپ پہاڑ پر جمع شدہ جماعت

صحابہ (طبری کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جماعت وہی تھی جس کا ذکر نصر بن انس والی روایت میں ہو چکا ہے۔ کیونکہ سیاق عبارت بھی اسی بنا پر شاہد ہے اور طبری نے اس روایت کے بعد ہی یہ واقعہ لکھا ہے) کے پاس پہنچ گئے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو ایک شخص نے اپنی کمان میں تیر رکھ کر آپ کو تیر مارنا چاہا (لاعلمی سے) وہ دیکھ کر آپ نے پکارا میں ہوں رسول اللہ صلعم یہ سننا تھا کہ وہ لوگ آپ کو زندہ پا کر مسرور و فرحناک ہوئے اور جناب رسولؐ خدا صلعم بھی اس تیر افگن شخص کو اپنے اصحاب میں داخل سمجھ کر بیحد خوش ہوئے۔ پھر سب کے سب رسول اللہ صلعم کے پاس جمع ہو گئے اور ان لوگوں کے دلوں سے تمام حزن و ملال جاتے رہے۔ پھر آپ کے ساتھ فتح حاصل شدہ کے گزرے ہوئے واقعات کا اور شہدائے احد کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے چلے خدائے سبحانہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ کہتے تھے آئے مسلمانوں اب دین اسلام سے پھر جاؤ اور اپنی قوم میں مل جاؤ کیونکہ محمدؐ تو مارے گئے یہ آیہ نازل فرمایا:

ترجمہ: (محمد صلعم) صرف ایک رسول ہیں جن کے جیسے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اگر وہ وفات پا جائیں تو کیا تم لوگ ان کے دین سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے تو جو لوگ الٹے پاؤں پھر جائیں گے ان سے خدائے تعالیٰ کو تو کوئی نقصان پہنچنے کا نہیں ہے خدائے تعالیٰ تو ان کو بدلہ دے گا جو اس کے شکر گزار بندے ہیں۔

طبری نے اگرچہ آیہ اس کے خطاب کو خاص ان کی طرف بتلایا ہے جو شہادت رسولؐ کے غلط خبر کے مشہور کرنے والے تھے۔ یہ طبری صاحب کی اسلامی منہزمین کی رعایت ہے۔ ورنہ عبارت و الفاظ قرآنی میں خاص انہیں حضرات سے مخاطب ہے۔

ابوسفیان میدان جنگ کے یہ نئے رنگ دیکھ کر بے حد مسرور ہوا۔ خوشی سے اچھلنے لگا اور اعلی ھل اقل ھبل ہبل تو اونچا وہ مضبل تو اونچارہ کے نعرے مارنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے صحابہ حاضرین نے جوابا آواز دی اللہ عزوجل خدا سب سے اونچا اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے پھر تیڑ لگائی لنا عزی و لا غری لکم ہمارے پاس عزی ہے تمہارے پاس نہیں صحابہ پکارے اللہ مولانا و لا مولی لکم خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے انہیں یادہ گوئیوں کے ساتھ خوشیاں منائیں اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اس عجلت کی وجہ صاف ہے اس نے دیکھ لیا کہ اہل اسلام اپنی غلطی پر تنبیہ ہو کر پھر کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔

اب کے مقابلہ کی نوبت آئی تو مشکل ہو جائے گی اس لیے جس قدر کامیابی اسلام کے مقابل ہو چکی ہے وہی غنیمت ہے۔ اس خیال سے وہ فورا چل کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو بار دیگر مقابلہ کا موقع نہ دیا۔

میدان جنگ سے قریش کی واپسی

آنحضرت صلعم نے دور سے کفار میں شور و ہنگامہ بر پا دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰ کو تحقیق حال کی غرض سے بھیجا۔طبری لکھتے ہیں:

بعث رسول الله صلعم علی فقال اخرج فی اثار القوم فانظر ماذایعنعون وماذایریدون فان کانوا اقد اجبوا الخیل امتطوا الابل فانهم یریدون مکة وان رکموا الخیل و ساقوا الابل فهم یریدون لاسیرن الیهم فیها ثم لاتأجز تهم قال علی فخر جت فی اثارهم انظر ماذا یضعون فلما اجتنبوا الخیل و امتطوا لابل توجهوا الی المکة ص 1419

جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو بلا کر حکم دیا کہ فوج کفار میں جا کر ان کی نقل وحرکت کی طرف دریافت کرو کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے اگر وہ اپنے انٹوں پر سوار ہوتے ہوں اور گھوڑوں کو پیدل رکھتے ہوں تو سمجھ لینا کہ مکہ کی طرف جاتے ہیں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوں اور اونٹوں کو خالی چھوڑتے ہوں تو سمجھ لینا کہ مدینہ کا قصد رکھتے ہیں تو پھر ہم لوگوں کو بھی فوراً کوچ کر کے ان سے مقابل ہونا ہوگا۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ہم ان کی لشکر گاہ میں پہنچے اور دیکھا کہ وہ گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹ پر سوار ہوتے ہیں اور مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔

کفار کے لشکر نے بہت جلد میدان جنگ خالی کر دیا۔رسول اللہ صلعم نے ان کے چلے جانے کے بعد اطمینان سے شہدائے احد کی تجہیز وتدفین کی طرف توجہ فرمائی۔

شہدائے احد کی تدفین حضرت حمزہؓ کی لاش

کفار کے چلے جانے کے بعد شہدائے احد کی لاشوں کی تلاش ہونے لگی۔سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کرنے کا حکم ہوا ایک مرد انصار تجسس میں نکلا اس کے ڈھونڈنے میں دیر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو بھیجا۔جب یہ حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عقیدت مند مرد انصاری اس جسم صد پارہ اور پیکر شگافتہ پر کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔عم محترم کی لاش مطہر کی یہ بے حرمتی دیکھ کر حضرت علی بھی دیر تک اشکبار رہے پھر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر روئیداد عرض کر دی۔جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حزن وملال کی کچھ انتہا نہیں تھی۔فوراً اٹھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش پر تشریف لے آئے۔مظلوم چچا کی میت پر دیر تک اشکباری فرماتے

رہے۔حضرت حمزہؓ چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔اس لیے آنحضرت صلعم کوان سے کمال انس تھا۔آپ نے چچا کی بے حرمتی دیکھ کرارشادفرمایا

ماوفقت موقفاقطا اعیظ لی من ھذا

مجھے آج تک کسی مقام کے مشاہدے نے ایسا غم آلودنہیں کیا جیسا کہ اس مقام نے ۔
مصلح قدرت نے فوراًپیام بھیجا۔

وان عاقبتم فعانیوا بمثل ما عوتبتم به ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین

تم بھی اگر ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی (تو برابری ہو جائے گی لیکن صبر کرلوتو صبر کر لینا صبر کرنے والوں کے لیے بہرحال بہتر ہے۔

آپ نے حکم الٰہی سن کرفوراًسمعاواطاعتاً کہا صبر فرمالیا اور 70 ستر باراپنے عم مرحوم کے لیے دعائے مغرفت کی۔حضرت صفیہ کو بھائی کی خبرشہادت مل چکی تھی۔ بھائی کے غم میں بے چین ہوکر دوڑی چلی آتی تھیں۔آنحضرت صلعم کی نظر پڑ گئی۔ زبیر ان کے صاحبزادے پاس کھڑے تھے،حکم دیا کہ ماں کو جاکے راہ میں روک لو۔ بھائی کی لاش کواس حالت خراب سے دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں گی۔ زبیرابن العوام دوڑے ماں کوروکنا چاہالیکن وہ نہ رک سکیں۔ بیٹے سے اتنا کہا کہ میں کچھ بھی نہ کروں گی۔صرف بھائی کوآخری بار دیکھ کر چلی آوں گی۔ چنانچہ یہ معظّمہ بھائی کی لاش پر آئیں اور جوکہا تھا وہی کیا۔ بھائی کی لاش صد چاک کونگاہ حسرت آلود سے دیکھا اورانا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کرہٹ آئیں، ہٹنا تھا کہ غم والم،صدمہ وملال کا دل پر ہجوم ہوا کہ دھاڑیں مار مار کررونے لگیں اوران کے ساتھ جناب سیدہؓ اور دیگر خواتین ہاشمیہ مل کرفریادوزاری کرنے لگیں۔اب رسول خدا صلعم سے بھی ضبط نہ ہوسکا۔اس نوحہ خوان گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صفیہ سے خطاب کر کے صدائے غم آلود کے ساتھ فرمانے لگے۔

یاعمتی لن اصابك بمثلك ھذا

اب آپ سے بڑھ کرکوئی دوسرا مصیبت زدہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے شان رسالت سے بار دیگر بیان فرمایا: اے صفیہ،اے فاطمہ،تم کو بشارت ہو کہ جبرئیل نے آ کر مجھے یہ مژدہ دیا ہے کہ ملائکہ اعلیٰ نے حمزہؓ کواسداللہ واسدرسولہ کے القاب خاص سے مشہورومرقوم کیا ہے۔روضۃ الاحباب ص 272۔

حضرت حمزہؓ کے دفن سے فراغت پاکر دوسرے شہدا کی تدفین میں مصروف ہوئے۔مصعب بن عمیر الھاشمی طویل القامت تھے۔کفن کی چادر چھوٹی تھی،سرچھپایا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے۔پاؤں چھپائے جاتے تھے توسرکھل جاتا تھا۔بالآخرسر سے چادر ڈال دی گئی۔پاؤں کھلے رہ گئے،ان کوگھاس سے چھپادیا۔

ستر مردوں کی علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا اور جدا جدا دفن کرنا آسان کام نہیں تھا،خودمسلمانوں کی جو حالت ہورہی تھی ظاہر تھی۔ان

میں شاید کوئی ایسا ہی ہو جو مجروح، حد سے زیادہ خستہ اور ملول و پریشان حال نہ ہو۔ جب علیحدہ علیحدہ مدفون کرنا امکان سے باہر دیکھا گیا تو شہدا کی لاشوں کو بے غسل و کفن مجروح و خون آلود اسی حالت سے ایک قبر میں دو دو کر کے مدفون کر دیا۔

فدیہ راہ خدا را حاجت کافور نیست

مسلمانوں کو اس بے بسی اور بے کسی کا عالم ہمیشہ یاد رہا۔ جب کبھی یاد آ جاتا تھا رو دیتے تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس دن کو یاد کر کے محزون و ملول ہوا کرتے تھے۔ واقعہ احد سے آٹھ برس بعد اور وفات سے دو برس پہلے آپ کا شہدائے احد کے مدفن کی طرف سے گزر ہوا۔ مقتل شہیدان دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہو گئی۔ صورتیں آنکھوں میں گھوم گئیں۔ بے اختیار ہو کر رو پڑے اور رونے میں وہ کلمات درد آمیز جاری فرمائے کہ جیسے کوئی اپنے عزیز کے مردے سے ابھی ابھی جدا ہوتا ہے رقت کم ہوئی۔ تو آپ نے اسی وقت صحابۂ حاضرین کو مخاطب کر کے ایک طولانی خطبہ ارشاد کیا اور اس کے آخر میں فرمایا کہ مسلمانو مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن ڈر یہ ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ صدقت یارسول اللہؐ (سیرۃ النبی بحوالہ بخاری)

مدینہ میں داخلہ شہدا کا ماتم

جملہ امور سے فراغت پا کر مدینہ میں تشریف لائے تو شہر بھر میں کہرام مچا تھا ہر گھر سے صدائے ماتم بلند تھی لیکن حضرت حمزہؑ پر کوئی رونے والا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی خاطر مبارک میں قیامت کا یہ پر حسرت خیال آیا کہ تمام گھروں سے تو شہیدوں کے عزیزوں کی صدائے ماتم آ رہی ہے لیکن حمزہؑ کا کون رونے والا ہے۔ اس خیال کا اظہار زبان مبارک سے ان الفاظ میں کیا گیا۔

اما حمزۃ فلا بوا کی له

لیکن حمزہؑ پر کوئی رونے والا نہیں۔

انصار حاضرین نے یہ الفاظ سنے تو بیتاب ہو گئے۔ گھروں کی طرف دوڑے اور اپنی نوحہ خوان عورتوں کو دولت سرائے رسالت کی طرف بھیج دیا کہ رسول خدا کے عم محترم کا ماتم کریں۔ خوش عقیدہ اور اخلاص مند خواتین انصار اپنے عزیزوں کی صف ماتم چھوڑ کر فوراً عصمت سرائے نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنے عزیزوں سے زیادہ حضرت حمزہؑ پر نوحہ و گریہ و زاری کرنے لگیں۔ ان کی زاریاں سن کر بالنفس النفیس آپ عصمت سرا کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے۔ خاتونان انصار کو خدمت ماتمداری کے لیے دعائے خیر سے یاد و شاد فرمایا اور اپنی طرف سے اظہار منت کیا۔ پھر ارشاد کیا صبر کرو مردوں پر زیادہ نوحہ و ماتم جائز نہیں۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ سے شروع کی جاتی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہؑ کی حقیقی محبت تھی۔ (سیرۃ النبی ص283 بحوالہ صبری ص1448)

جنگ احد پر رائے

قرآن مجید کے چوتھے پارہ سورہ آل عمران میں غزوہ احد کے حالات کی اجمالی تفصیل موجود ہے۔ مفسرین محدثین اورانہیں کی طرح ارباب سیرت اوراسلامی مؤرخین جنگ احد کے بن کر بگڑ جانے کے مختلف اسباب لکھتے ہیں۔ مگر سب کا نظریہ متفقہ یہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی صاف صاف خودکردہ غلطی تھی جس کے لیے کوئی علاج نہیں تھا اور وہ لاعلاج غلطی یہی تھی کہ طبع دنیا میں گر پڑے اور آگے پیچھے کوئی خبر نہیں رکھی۔ اگر مسلمان ذرا بھی عاقبت بین اور مآل اندیش ہوتے تو سمجھ لیتے کہ ہر چند جانبازان اسلام نے غنیم کے اس دستہ فوج کو پسپا کر دیا تھا جوان سے سامنے لڑ رہا تھا۔ لیکن ان کی پوری قوت نہیں ٹوٹی تھی ان کی جمعیت اتنی کثیر تھی کہ ان کا یہ حصہ لشکر پسپا ہو کر گریزاں ہو چکا تھا تو ابھی اس سے دو چند اور سہ چند جنگی دستے ان کے پاس موجود تھے۔ ابھی ان کے چند مقتولین کا خاتمہ ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؑ وغیرہم کی دلیرانہ تیز دستیوں سے قریش کے تمام علمداران لشکر کا اتنی عجلت کے ساتھ خاتمہ ہو جانے، اور میدان جنگ سے ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے اور وہ پہاڑوں پر ادھر ادھر منتشر ہونے لگے تھے اور بالکل قریب شکست ہو چکے تھے لیکن تاہم ان کی مغلوبیت شکست کامل کی حد تک نہیں پہنچی تھی اور اس قابل نہیں تھی کہ ان کے لوٹنے یا قید وگرفتار کرنے کی غرض خاص سے ان پر جارحانہ حملہ کیا جاتا اور مدافعانہ تدبیرات سے بالکل غفلت شعاری یا دست برداری اختیار کی جاتی۔

ناعاقبت اندیش مسلمانوں سے دونوں غلطیاں بیک وقت عمل میں آئیں۔ غنیم کی کمین گاہ کی راہ کھول دی جس کی حفاظت کے لیے ان پر ایسی اور اتنی تاکید کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد حصول غنیمت کے لیے ان پر جارحانہ طور پر ٹوٹ پڑے۔ درہ کوہ کی کمین گاہ سے دشمن نکل پڑے اور عقب سے آ کر ان کو دبا لیا۔ غنیمت والوں کو ابھی کچھ ملنے بھی نہ پایا تھا کہ غنیم نے پیچھے سے آ کر تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ یہ کیفیت جو قریش کی فوج نے دیکھی تو وہ بھی سنبھل کر واپس ہوئی۔ اس ترکیب سے مسلمان بیچ میں آ گئے اور دونوں جانب سے غنیم نے گھیر لیا اور ستر مسلمانوں کو شہید کر کے اپنی بگڑی لڑائی کو بنا لیا اور اتنی سی کامیابی کو غنیمت جان کر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔

غنیمت میں عجلت اور مدافعت وحفاظت سے غفلت، مسلمانوں کی صریح غلطیاں تھیں۔ بدر میں احکام غنیمت کی نسبت تو لاعلمی کا عذر بھی ہو سکتا تھا اور احد میں تو اس کے لیے بھی گنجائش نہیں تھی۔ خیر ایک طبقہ خاص کی غلطی کی وجہ سے تمام اہل اسلام پر جو مصیبتیں پیش آئیں ان کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

یہاں تک تو جنگ احد کے ناگوار نتائج تھے جو اہل اسلام کو پیش آئے لیکن تاہم کفار کا لشکر اہل اسلام کی شجاعت وجگر داری، استقامت و پاداری کی اثر پذیریوں سے خالی نہیں گیا۔ ان کو اسلامی نبرد آزما جانبازوں کے حملات نے ان کے جنگی کمالات اور شجاعت و دلیری کے خدمات کا پورا ثبوت دے دیا تھا۔ میدان جنگ سے یہ یقین کر کے واپس ہوئے تھے کہ اہل اسلام کا مقابلہ اہل عرب کے لیے سہل اور آسان امر نہیں ہے۔ جیسا اور جتنا کہ وہ سمجھے ہوئے ہیں اگر وہ اسلام کی طرف سے ان محسوسات یقینی کے دیر اثر نہ آئے ہوتے تو وہ آخر میں اپنی کامیابی کے بعد اتنا جلد واپس نہ آتے۔ بلکہ احد سے لے کر مدینہ تک تاخت وتاراج کر کے اہل اسلام کا استحصال کامل کر

دیتے جوان کا اصل مدعا تھا کیونکہ ان کی تین ہزار کی جمعیت ابھی بالکل ویسی کی ویسی تھی۔ ابھی کل پندرہ بیس آدمیوں کا نقصان ہوا تھا وہ دستہ فوج بھی، جو پہلے بیدل اور مضمحل ہو کر گریزاں ہوا تھا۔ تازہ دم ہو کر مقابلہ و مقاتلہ پر مستقل ہو گیا تھا پھر تین ہزار آدمیوں کے آگے پانچ سو یا حد چھ سو آدمیوں کا ختم کر دینا خصوصاً ایسی حالت میں جب وہ پسپا اور ہزیمت خروہ ہو چکے تھے کچھ دشوار نہیں تھا لیکن نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مبارزین اسلامی میں قلت و کثرت افراد پر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ ان میں روحانی استقلال اور پاداری ایمان اور شجاعت و جگرداری اتنی قوی ہے کہ ان کے آگے کثرت یا جمعیت کارگر نہیں ہو سکتی اس بنا پر واقعات کے تحقیق کرنے والے صاف طور پہ کہہ دیں گے کہ جنگ احد کے نتائج اگرچہ آخر میں خوشگوار نہیں گزرے لیکن وہ کفار قریش کے قلوب میں دلیران اسلام کی شجاعت و دلیری کے کامل اثر پہنچانے سے خالی بھی نہیں گئے اور یہی سبب تھا کہ غنیم کو دسترس پا جانے کے بعد بھی اپنے اصل مدعا کی تعمیل و تکمیل پر جرأت نہ ہو سکی اور یہی اسلام کی وہ علوئیت ہے جس کی طرف اس قصہ کے متعلق قرآن مجید میں اشرات ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

تم ملول و محزون نہ ہو تم ضرور بڑھ کر رہو گے۔

یہی جنگ احد کے وہ خوشگوار نتائج ہیں جو مدعائے اسلام کے مفید نمایاں ہوئے، جن کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔

غزوۂ حمراء الاسد

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو مخصوص طور پر لشکر کفار میں بھیج کر جب یہ دریافت فرمالیا کہ وہ میدان جنگ سے سیدھے مکہ کی طرف نکلے ہیں، تب آپ نے شہدائے احد وغیرہ کی تلاش اوران کی آخری خدمات کی طرف توجہ فرمائی لیکن تاہم آپ کفار کی مکارانہ فطرت کی طرف سے پورے مطمئن نہیں تھے جس عجلت سے شہدائے احد مدفون کیے گئے اس کی کیفیت اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ آپ کا یہ خیال اور کفار کی طرف سے یہ شبہ بالکل صحیح تھا۔

ابوسفیان نے احد سے نکل کر آٹھ میل پر قیام کیا۔ وہاں جا کر اس نے سوچا کہ احد میں ہماری کامیابی تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ پہلے وہ غالب رہے اور پیچھے ہم اور اسی پر احد کے معاملات تمام ہو گئے۔ اس سے تو مخاصمت ومخالفت کے معاملات یکسو نہ ہوئے۔ اصل مدعا استحصال اسلام کا تھا وہ نہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور نہ حاصل ہو سکا۔ حالانکہ اس میں کامیابی کا پورا موقع تھا۔

یہ خیال مشتق بعد از جنگ کی صورت میں پیچیدہ ہو کر ابوسفیان کے دماغ میں سمایا اور وہ منزل روحا سے جہاں خیمہ زن تھا۔ مدینہ پر از سر نو حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر لگی آپ نے پھر سلاح جنگ پہن لی اور فوراً لشکر اسلامی کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ مبارزین اسلام اسی وقت تیار ہو گئے۔

فوج اسلام کی روانگی سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد خزاعی احد کی خبر سن کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور مصائب اسلام کے واقعات سن کر اظہار تاسف وملال کر کے رخصت ہو چکا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ اس وقت تک اسلام نہ لایا تھا لیکن اسلام کا ہمدرد ضرور تھا۔ معبد آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا تو براہ راست ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے اپنا مدینہ پر قصد حملات بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تم ابھی بیٹھے ہوئے مدینہ کا قصد کر رہے ہو اور وہاں جناب رسول خدا صلعم مدینہ سے بڑے سامان کے ساتھ تمہارے سر پر کوئی دم میں پہنچنا ہی چاہتے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھے چلا آرہا ہوں کہ وہ اتنے بڑے سامان سے ادھر بڑھتے چلے آرہے ہیں کہ تمہارے موجودہ سامان اور جمعیت ان کے مقابلہ کے لیے کسی طرح کافی نہ ہوگی جو کچھ بھی کامیابی اس وقت تک تم کو ان کے مقابلہ میں حاصل ہو چکی ہے، دم کے دم میں ضائع ہو جائے گی۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ صفر میسر سامان تھے، مرد میدان تو تھے ہی نہیں ایسا گھبرایا کہ اسی وقت خیمہ گاہ سے اٹھ کر اور مکہ کی طرف چلتا ہوا۔ آنحضرت صلعم جب یہاں تشریف لائے تو کچھ بھی نہ تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید احتیاط کے لحاظ سے وہاں ایک ہفتہ قیام فرما کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

دوران قیام میں بنی عبدالقیس کے چند آدمی آپ کی خدمت میں ابوسفیان کا یہ پیام لائے کہ ہم لوگ پورا قصد کر چکے ہیں کہ ایک بار اور آپ سے مقابلہ کر کے اسلام کا استحصال کامل کر دیں گے۔ آپ کو خبر کر دی۔ آپ تیار رہیں یہ سن کر آنحضرت صلعم نے وہی الفاظ پھر ارشاد فرمائے جو اس سے پہلے احد کے پیغام آنے کے وقت فرمائے گئے تھے۔ حسبنا اللہ نعم الوکیل۔ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے

اور وہی بہتر مدد گار ہے۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیہ بشارت نازل فرمایا۔

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران)

وہ لوگ جو کثرت جمعیت سے ڈرائے جاتے ہیں۔اس ڈرائے جانے سے ان کے ایمان اور زیادہ ہوتے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کچھ بھی ہو ہماری مدد کے لیے تو خدا ہی کافی ہے۔

ابوغرہ شاعر کا قتل

ایام قیام میں حضرت عمار بن یاسر اور حارثہ ابن زید، ابوغرہ شاعر اور معاویہ ابن مغیرہ کو گرفتار کر کے لائے۔ابوغرہ سامنے لایا گیا تو آپ نے استفسار فرمایا کہ تجھ کو جنگ بدر میں بغیر کسی فدیہ کے صرف اسی لیے چھوڑ دیا تھا کہ تو پھر آئندہ ایسی شرارت نہ کرنا۔لیکن تو ابتک باوجود اقرار کے اپنے مفسدوں سے باز نہ آیا۔اس نے عرض کی کہ اب کی بار پھر جان بخشی فرما کر دیکھ لیا جائے۔ارشاد ہوا اب میں ایسا کروں تو اب کی بار مکہ میں جا کر یہ شیخیاں بگھاڑنے لگے گا کہ دو بار محمدؐ کو کیسا جل دے آیا۔اس لیے میں اب تجھے نہ چھوڑں گا۔یہ فرما کر بروایتے زبیر بن العوام اور بروایتے عاصم کو حکم دیا اور وہ موذی قتل کر دیا گیا۔

معویہ ابن مغیرہ کا قتل

معاویہ ابن مغیرہ کے قتل کا حکم ہوا تو حضرت عثمانؓ نے سفارش فرمائی۔منظور ہوئی مگر اس شرط پر کہ معاویہ تین دن کے اندر نواح مدینہ چھوڑ دے۔تین دن کے بعد اگر حدود مدینہ کے اندر پایا جائے گا تو مستوجب القتل معاویہ نے اقرار کیا اور چھوڑ دیا گیا لیکن وہ مفسدہ انگیز نواح مدینہ کیا، شہر مدینہ سے بھی باہر نہ گیا چھپا چھپا پھرتا رہا۔ایک دن کسی مسلمان نے دیکھ لیا اور خدمت رسول صلعم میں پھر پکڑ کر حاضر کر دیا اور وہ مفسد بدعہدی کے جرم میں قتل کروایا گیا۔ابن ہشام جلد دوم ص 94 مصر۔طبری ص 1448 جرمن

شبلی صاحب پانچ سطروں میں حمراء الاسد کے حالات بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیر واقعات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنالیا ہے اور حمراالاسد کا ایک نیا عنوان قائم کرلیا ہے۔ سیرۃ النبی ص 283

ہم کو معلوم ہے آپ غزوہ کے نام سے کانپ جاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ اسلامی واقعات کے سلسلہ میں اس کا بیان آجائے۔ اگر مجبوری ہو تو داستان کو طول نہ دیا جائے۔کیونکہ یورپ اس کو شوق سے سنتا ہے۔کہیں اس نے سن لیا تو قیامت کردے گا۔ہم آپ کی تشفی کیے دیتے ہیں۔نہ داستان طویل ہوگی نہ یورپ شوق سے سنے گا اور نہ انشاء اللہ کوئی واقعہ ذکر سے چھوٹے گا۔میری ذمہ داری ہے، آپ اطمینان رکھیں۔

ہم مولوی صاحب کو سمجھائے دیتے ہیں، یہ غزوہ نہیں ہے۔آپ غزوہ کو عموماً جنگ سمجھتے ہیں اور سوا اتفاق سے آپ نے غزوہ کو غزا سے ماخوذ سمجھ کر اس کو جنگ و قتل اور کشت وخون ہی کے تنہا معنیوں میں قرار دے لیا ہے۔یہ آپ کی غلط فہمی ہے جن امور و معاملات کے تصفیہ کے لیے اہل اسلام کی جماعت کو بیرونی مقامات میں جانے اور سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اس جماعت میں رسول اللہ صلعم بھی بذات خاص شریک ہوں تو محدثین مؤرخین کی اصطلاح متفقہ میں اسے غزوہ کہتے ہیں اور جس جماعت میں آپ موجود نہ ہوں اسے سریہ کہتے ہیں۔غزوہ یا سریہ کے لیے وقوع جنگ کا ہونا شرط نہیں۔

حمراء الاسد میں اور اسی کے جیسے اور غزوات، مثل ذوالعشیر ہ، ذی امر وغیرہ وغیرہ میں سے کسی ایک میں بھی تلوار نکالنے کی نوبت نہیں آئی لیکن وہ صرف رسول اللہ صلعم کی شرکت و موجودگی کی خصوصیت سے غزوہ کے نام سے مذکور ہوئے ہیں اور آپ نے بھی لکھے ہیں لیکن یہاں خواہ مخواہ غزوہ کو خاص جنگ کے معنوں میں قرار دے کر آپ نے مؤرخین پر تکثیر غزوات کا اعتراض قائم کر دیا اور پھر محدثین کو چھوڑ دیا۔حالانکہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں بھی یہ تمام واقعات غزوات ہی کے عنوان سے مرقوم ہیں۔تنقید سے پہلے مولانا شبلی صاحب کو توجیہہ کی تلاش ضروری تھی۔اس بنا پر مؤرخین و محدثین کا حمراء الاسد کو غزوہ کہنا بالکل صحیح ہے اور شبلی صاحب کا اعتراض غلط۔

واقعات متفرقہ 3 ہجری

اسی سال 15 رمضان المبارک 3 ہجری کو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی۔اسی سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت حضرت عمرؓ سے عقد فرمایا۔ان کے شوہر جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔

آغاز ۴ ہجری

سریہ ابوسلمہ محرم 4 ہجری

یہ مسلم ہے کہ تمام عرب اسلام کا دشمن تھا اور اسلام کا مخالف۔اسلام کا قصور بت پرستی کی بیخ کنی تھا۔اسلام کا جرم خدائے واحد کی پرستش، توحید خالص کی تعلیم و تبلیغ، عرب قدیم سے بت پرست تھا اور اپنی قدیم عقیدۂ جہالت سے سرمو جنبش کرنے کے لیے راضی تھا۔ اسلام کی تبلیغ ان کے جاہلانہ مراسم و آئین کی سدراہ تھی اس بنا پر تمام عرب اسلام کے استحصال پر ہمیشہ آمادہ اور تیار تھا۔

ان مخالفتوں کے اظہار میں سب سے پہلے محرم 4 ہجری میں طلحہ اور خویلد کی مدینہ پر حملہ آور ہونے کی پے درپے خبریں پہنچیں۔اس لیے آنحضرت صلعم نے ایک سو پچاس مہاجرین وانصار ماتحتی ابوسلمہ میں ان کی مدافعت میں روانہ فرمایا۔مسلمانوں کی آمد سے پہلے طلحہ اور خویلد کی جماعت مرعوب ہو کر ادھر ادھر منتشر ہوگئی۔مسلمان پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔بالآخر واپس مدینہ ہوئے۔

سریہ ابن انیس

چند ہی دنوں کے بعد سفیان بن خالد جو کوہستانی قبائل غرنۃ کا رئیس تھا مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا اس کی خبر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ ابن انیس کو ایک دستہ فوج کے ساتھ ان کی تنبیہہ کی غرض خاص سے روانہ کیا۔ ابن انیس نے کمال ہنرمندی سے سفیان کو قتل کر دیا اور اپنی ہمراہی جمعیت کو ساتھ لے کر مدینہ چلا آیا۔ ابن انیس کی بڑی جستجو کی گئی لیکن یہ نہ ملا۔ سردار کے قتل کے بعد جمعیت آپ ہی منتشر ہو کر ادھر ادھر چلی گئی۔

واقعہ ذات الرجیع 23 محرم 4ھ

عقیل اور قارۃ کے چند آدمیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ چونکہ ہمارا قبیلہ بہت کثیر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہاں چند مبلغین اسلام تھوڑے دنوں کے لیے اس غرض خاص سے بھیج دیئے جائیں کہ وہ ارکان اسلام اور احکام قرآن کی تعلیم دیں اور اسلام کے طریقہ عمل بتلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی استدعا کو قبول فرمایا اور دس صحابیوں کی ایک جماعت تیار کر کے ان کے ہمراہ کر دی، وہ صحابہ تھے۔

مرثد ابی مرثد، عاصم بن ثابت، خبیب ابن عدی، زید بن الدثنۃ، عبدالسد بن الطارق، خالد بن البسیر، معطب بن عبید اور تین صحابہ اور تھے جن کے نام بصراحت کتابوں میں نہیں ہیں۔

اس جماعت تبلیغی پر مرثد بن ابی مرثد اور بروایتی عاصم بن ثابت امیر مقرر ہوئے۔ یہ قافلہ اپنی میزبان جماعت بنی عقیل وقارۃ کے ہمراہ چلا۔ دن کو قیام کرتا تھا، رات کو چلتا تھا۔ صاف دل مسلمانوں نے اس کے طریقہ سفر پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس طرح وہ لے چلے، یہ چلا کیونکہ مسلمان اصول میزبانی اور تناسب وتعلق مہمانی کے اعتبار پر ان لوگوں سے کسی قسم کے خوف واندیشہ کا شبہ نہیں کرتے تھے لیکن مسلمان ہمہ وقت مسلح رہتے تھے اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی تاکید کر دی تھی۔ جماعت میزبان نے جو تعداد میں سات آدمی تھے اس کے متعلق ان سے کہا کہ آپ حضرات ہمیشہ سلاح جنگ کیوں پہنے رہتے ہیں۔ اس احتیاط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو نہ ہمارے اسلام پر اعتبار ہے اور نہ قول وکلام پر۔ آپ جس مقام پر جاتے ہیں اور جن لوگوں کے مہمان ہوتے ہیں، وہ آپ کے اخلاص مند ہم مذہب ہیں پھر اس احتیاط واستحفاظ کی کیا ضرورت ہے۔

مسلمانوں نے جواب دیا کہ سلاح جنگ کا پہنے رہنا بے اعتباری کے اصول پر نہیں ہے بلکہ حفاظت خود اختیاری کی بنا پر اور ہم اس طریق کو ترک نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ حکم رسول صلعم ہے۔

جب یہ قافلہ مقام رجیع پر پہنچا جو مکہ اور عسقان کے درمیان واقع ہے اور انہیں لوگوں کے علاقہ حکومت میں داخل ہوا تو اس مہمان کش قوم نے بدعہدی کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مقام رجیع پر بلا ضرورت مقیم ہو گئے اور قبیلہ بنی لحیان کے دوسو تیرانداز وں کو مسلمانوں کے قتل کر دینے کے لیے بلا لیا اور وہ شخص جو ایک منزل پہلے سے بھیج دیا گیا تھا واپس آ کر ان کا رہبر بنا اور وہ ان شکارانِ اجل کی

طرف قاتلوں کو لگا لایا۔ علی الصباح دشمن کا دستہ فوج نمودار ہوا۔ خالد بن البکیر نے دور سے اس شخص کو دیکھ کر پہچان لیا اور عاصم سے کہا کہ دیکھو ہمارے میزبانوں نے ہم سے ضرور دغا کیا۔ عاصم بولے تم بالکل سچ کہتے ہو لیکن دشمن سر پر آ گئے۔ اب باتوں کا وقت نہیں ہے، مقابلت پر آمادہ ہو جاؤ۔ مرو گے ضرور لیکن شریفانہ اور دلیرانہ موت مرو۔ خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں جانیں فدا کر دو۔ شکر کرو اور یقین رکھو کہ تمہارے لیے یہ موقع شہادت خدا کی عین عنایت ہے۔ یہ سن کر دس صحابیوں کی جماعت مقابلہ پر تیار ہو گئی۔ اتنے میں خطا کاروں کا دستہ بھی آ گیا۔ عاصم سے خطا کار کہنے لگے کہ ہم سے مقابلہ کا قصد نہ کرو، مٹھی بھر آدمی اتنی کثیر جمعیت کا کیا کر سکتے ہیں جانیں مفت ضائع نہ کرو۔ ہم لوگوں کو اپنی طرف سے خود امان دیئے دیتے ہیں۔ عاصم بولے ہمیں خدا کی راہ میں نہ جان کی پرواہ ہے اور نہ موت کا خوف اور نہ ہم تمہاری امان لے کر اپنے خلوص ایمان پر مشرکین کے احسان اور عفو جان کا بدنما داغ لگا سکتے ہیں جو ہم پر پیش دستی کرے گا۔ ہم مدافعانہ طریقہ کے ساتھ اس سے ضرور لڑیں گے، ماریں گے اور مریں گے۔

عاصم کا یہ دلیرانہ جواب سن کر مہمان کش جماعت بڑھی، دلیر مسلمانوں نے خطا کاروں کا تیروں سے جواب دیا ترکش خالی ہو گئے تو نیزوں سے لڑے، نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں لے کر دھنس پڑے۔ یہاں تک کہ سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف دو آدمی خبیب بن عدی اور زید بن الدشنہ جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے بچ گئے اور ان لوگوں نے مشرکین کی شرط امان قبول کر لی۔ پہاڑ سے نیچے اترے تو کفار نے ان سے بھی نقض عہد کیا اور ان کو گرفتار کر کے مکہ میں لے آئے۔

سلافہ کے انعام کے لالچ سے لوگوں نے عاصم کا سر کاٹنا چاہا لیکن قدرت خدا سے ان کی لاش پر شہد کی مکھیوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ کسی کو ان کے سر کاٹنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس کے بعد بروایت روضۃ الاحباب ایک پہاڑی سے چشمہ کی سیل آ جانے سے ان کی لاش اس مقام سے بہ گئی اور پھر کہیں نہ ملی۔ اس طرح خدا کی قدرت نے ان کی لاش کو ذلت و خواری سے بچا لیا۔

خبیب و زید پر کیا گزری حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ خبیب اور زید کو گرفتار کر کے مکہ میں لے گئے اور وہاں پہنچ کر دونوں بزرگوں کو کھڑے بازار بیچ ڈالا۔ خبیب کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خرید لیا۔ اس لیے کہ خبیب نے جنگ احد میں ان کے باپ حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ زید بن الدشنہ کو صفوان بن امیہ نے قتل کی نیت خالص سے خرید لیا۔

ہم ان دونوں فدائیان اسلام میں سب سے پہلے خبیب بن عدی کی مصیبتناک سرگذشت ذیل میں بیان کرتے ہیں:

خبیب بن عدی کی مصیبت ناک سرگذشت

حارث کے تینوں بیٹوں نے خبیب کے قتل کیے جانے کے بڑے انتظام کیے۔ اس لیے فراہمی سامان اور درستی انتظام تک ان کو اپنے گھر میں قید رکھا۔ ان کو گھر کے قید خانہ میں چند روز گزر رہے تھے کہ ایک دن یہ عامر کی نواسی کو گود میں لیے گھر کے غلاموں کی طرح کھلا رہے تھے۔ اتفاق وقت سے ان کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھوٹی سی چھری تھی۔ لڑکی کی ماں اتفاقاً ادھر سے آ نکلی، ان کی گود میں لڑکی

ہاتھ میں چھری کو دیکھ کر خوف واضطراب کے عالم میں زرد ہوگئی۔ خبیب اس کے چہرے سے اس کے محسوسات قلبی کو پہچان گئے۔ فوراً کہنے لگے تم ہر طرح خاطر جمع رکھو۔ مسلمان ایسے بیدرد نہیں ہیں کہ معصوم کو بے گناہ قتل کر دیں گے۔ یہ دینداران اسلام کا کام نہیں بلکہ خونخوار درندوں کا۔ لڑکی کی ماں کو قدرے اطمینان تو ہوا اس نے لڑکی کو فوراً ان کی گود سے لے لیا۔ پھر ان کی باتوں کو حیلۃ الوقتی پر محمول کر کے اپنے بھائیوں سے سارا واقعہ کہہ دیا۔ وہ بھی باپ کے قاتل ہونے کی وجہ سے ڈر گئے اور خبیب کو کچھ گھر ہی سے نہیں بلکہ حدودِ حرم سے باہر لے جا کر مقام تنعیم میں جا کر قید کر دیا۔

دو چار روز کے بعد تمام عمائد اور اکابر قریش اور دیگر قبائل کے اشراف وسرداروں کو دعوت دی گئی اور یہ انبوہ کثیر غریب خبیب کا صلیب پر تماشہ دیکھنے کے لیے بڑے شوق سے جمع ہوا۔ صفیر بلگرامی مرحوم

تیغ وہ کھینچے ہوئے ہیں اپنے بیگانے ہیں جمع
آج مقتل میں ہمارا امتحان ہونے کو ہے

خبیب کے لیے سولی پہلے ہی سے تیار ہو چکی تھی۔ جب یہ کشاں کشاں صلیب تک لائے گئے تو انہوں نے استقلال و پاداری سے کہا کہ ہمیں صرف دو رکعت نماز پڑھ لینے دو، اجازت ملی، انہوں نے نماز پڑھ لی۔ نماز پڑھ کر کہا جی تو چاہتا تھا کہ نماز آخر تجمیع خاطر کے ساتھ دیر تک پڑھوں لیکن ہمیں صرف یہ خیال آیا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ موت کے خوف سے ڈرتا ہے اس لیے نماز میں دیر لگاتا ہے۔ یہ کہہ کر بکمال استقلال مرنے پر تیار ہو گئے۔ سولی پر چڑھ گئے اور یہ اشعار زبان پر جاری کیے

وما ان ابالی حین اقتل مسلما
جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جا رہا ہوں تو

علی ای شق کان اللہ مصرع
مجھ کو یہ پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا

وذلك فی ذات الالہ و ان یشآء
یہ جو کچھ ہے خالص خدا کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم

یبارك علی اوصال شلو ممزع
کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا

افسوس ہے شبلی صاحب نے اس کامل الایمان بزرگ کے صرف دو شعر لکھ کر اپنی اختصار پسندی کی داد لینی چاہی ہے۔ حالانکہ ان کی یہ نظم طویل ہے اور منظر شہادت، ثبات ایمان و پاداری، استقلال فی الاسلام اور وفاداری کی پوری تفصیل ہے۔ اس کو رحمت العالمین سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

لقد جمع الا خراب حولی و البواء

انبوہ کدر انبوہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے ہیں

قبائلهم و اسجمعوا کل مجمع

اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا یا ہے

وکلهم مبدی العداوۃ جاهد

سب کے سب میرے دشمن اور عداوت کا اظہار کرنے والے ہیں

علی لانی فی وثاق بمضیع

اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں

وقد بمعوا ابنآء هم و نسآء هم

قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا لیا ہے

وقربت من جزع طویل ممتنع

اور مجھے ایک مضبوط اور طویل لکڑی میں باندھا ہے

وقد خیرونی الکفروالموت

انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے آزادی مل سکتی ہے

دونه وقد هلمت عینای من غیر مجزع

اس سے تو موت میرے لیے آسان تر ہے میری آنکھوں سے لگا تار آنسو جاری ہیں مگر میں بے صبر نہیں ہوں

فلت بمید للعدوو تخنشعا

میں دشمن سے نہ عاجزی کروں گا اور نہ چلاؤں گا

ولالا جزعا انی الی الله مرجعی

اس لیے کہ میں جانتا ہوں میں خدا کی طرف جا تا ہوں

ومالی حذر الموت انی لمیت

موت سے مجھے ڈر اس لیے نہیں ہے کہ میں تو مر جاؤں گا

ولكن حذر رائى جحم نار ملفع

لیکن میں تو لپٹ جانے والی آگ سے ڈرتا ہوں

فذوالعرش صبرنى على مايرادنى

اس عرش کے مالک نے کچھ خدمت مجھ سے لینی چاہی ہے

فقد يضعون يحمى وقد يأس مطمعى

اور مجھے صبر کے لیے فرمایا ہے اب انہوں نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ ڈالا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے

الى الله اشكوا غربتى ثم كربتى

میں اپنی بے کسی اور بے وطنی کی فریاد اور دشمنوں کی

وما ارصد الاحزاب لى عند مصرعى

ان آرزوؤں کی فریاد جو میری جان لینے کے بعد کہتے رہیں خدا سے کرتا ہوں

فوالله ما ارجواذامت مسلما

بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں

على اى جنب كان فى الله مصرعى

یہ پروا نہیں کرتا کہ میں کس پہلو پر گر کر جان دیتا ہوں

وذلك فى ذات الا له و ان يشاء

خدا کی ذات سے امید لگی ہے اگر وہ چاہے

يبارك على اوصال سلوا ممنوع

تو میرے ہر پیارہ گوشت کو برکت عطا فرمائے

ان اشعار کو پڑھ کر اس اہل وفا اور کامل الولا نے بارگاہ خدا میں ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کی۔

اللهم بلغنا رسالت رسولك فبينه ما تضع بنا

پروردگار ہم نے تیرے رسول کی رسالت ادا کر دی تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے آگاہ کر دے۔

دعا کے بعد یہ فدائی اسلام سولی پر کھڑا رہا۔ چالیس جوان نیزہ دار نیزوں کی نوکوں سے ان کے بدن کو کونچنے لگے ان کی ہر ضرب پر ان کا جسم زارا دھر سے ادھر ہو جاتا تھا لیکن یہ کامل الایمان ہر بار اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر کر فرماتا تھا:

الحمدللہ الذی جعل وجھی نحو قبلۃ التی رضی لنفسہ ولنبیہ وللمومنین

اس خدا کا شکر ہے جس نے میرے منہ کو قبلہ کی طرف پھیر دیا اور میں اپنی ذات سے، اپنے نبیؐ سے اور مومنین سے راضی جاتا ہوں۔

اس اثنا میں ایک بیدرد نے ایسا نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور مظلوم خبیب اقرار توحید و رسالت کر کے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

محدثین کا اتفاق ہے کہ اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا کہ مقتول قاتل سے دو رکعت نماز کی اجازت لے کر نماز پڑھ لیتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے۔ اس امر پر بھی تمام محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ خبیب بن عدی کے مرقومہ بالا اشعار و دعا نے حاضرین مقتل کے قلوب پر ایسا پر ہیبت اثر پہنچایا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور تماشائیان قتل میں سے چند لوگوں کے حال روضۃ الاحباب سے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

معاویہ ابن ابوسفیان گوید من دراین واقعہ حاضر بودم پدر من مرا بر زمین بخوابانید ہ از خوف و ہیبت دعائے دے و درمیان عرب چنان شہرت داشت کہ چون بر کسی دعائے بد کنند اگر مدعو علیہ بر زمین اضطجاع کند دعا را ور حقدے اثرے بنا شد۔

امیر معاویہ کا بیان ہے کہ میں اس واقعہ میں موجود تھا اور میرے باپ ابوسفیان نے مجھے خبیب کی دعا کی ہیبت و خوف سے اوندھا زمین پر لٹا دیا تھا کیونکہ عرب میں یہ مشہور تھا اگر کوئی شخص کسی کے حق میں دعائے بد کرے تو جس پر دعائے بد کی جاتی ہے وہ شخص زمین پر اوندھا لیٹ جائے تو دعا کا اثر جاتا رہتا ہے۔

از خویطب بن عبدالعزیٰ منقول است کہ گفت من ہر دو انگشت خود در اور گوشہائے خود نہادم واز انجا بگیر ختم از ترس دعوت او...... روضۃ الاحباب ص

فویطب بن عبدالعزیٰ کہتے ہیں کہ خبیب کی ہیبت دعا سے میں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور وہاں سے مارے خوف کے بھاگ آیا۔

حکیم بن حزام گفت من درپس درختے متوازی ساختم از ہیبت دعائے او۔ روضتہ الاحباب

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں ان کی دعا کی ہیبت سے بھاگ کر اک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔

عمر بن الخطابؓ سعید بن عامر رادر زمان خلافت خویش امیر حمص کگردانیدہ بود اوراگاہ غشی حاصل می شد۔ عمر ازدے پرسید کہ ترا مگر سودائی

وربودگی ہست گفت یا امیر المومنین مرا سود اور بودگی نیست و لیکن من در روز قتل خبیب حاضر بودم ددعا دیرا شنیدم۔ ہرگاہ کہ نجاطرم خطور می کند بے خود می شوم۔

حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں سعید بن عمر امیر حمص تھا ان کو کبھی کبھی بے ہوشی ہوجایا کرتی تھی۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہیں جنون و بے ہوشی کی بیماری ہے انہوں نے کہا یا امیر المومنین نہ مجھے جنون ہے نہ بے ہوشی کا مرض۔ بات یہ ہے کہ میں قتل خبیب کے موقع پر حاضر تھا جب میں اس خوفناک منظر اور ان کی دعا کو یاد کرتا ہوں بے خود ہوجایا کرتا ہوں۔ روضہ الاحباب ورحمتہ العلمین ص 113-114

زید بن الدشنہ کا عبرت ناک قتل

زید بن الدشنہ کا قتل بھی تماشہ کی غرض سے مناظر عام میں بڑی تیاریوں کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔ حاضرین میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب یہ اجل نصیب تلوار کے نیچے بیٹھ چکے تو ابوسفیان تعریضاً زید سے پوچھنے لگا کہو زید اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد (صلعم) ہوتے تو کیا تم اس کو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟ یہ کامل الولا فوراً بول اٹھا۔ رب کعبہ میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلعم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ ان غریب کے قتل میں بھی ذلت کا ایک خاص شعبہ لگا دیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ کسی قریش نے ان کی گردن نہیں ماری، بلکہ صفوان بن امیہ نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا اور اس بیدرد نے ان کا سر قلم کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون طبری ص 1435

ان شہیدان راہ خدا کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر اب مہمان کش سفیان بن خالد کی محرومی قسمت کی کیفیت لکھتے ہیں۔

صاحب روضۃ الاحباب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں فدائیان اسلام کے قتل کے بعد سفیان سلافہ بنت سعد کے پاس سو اونٹ موعودہ انعام جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، لینے گیا۔ اس عورت نے جواب دیا کہ ہم سے عاصم کے سر لانے کا وعدہ تھا۔ جو ہمارے بچے کا قاتل تھا۔ تم تو ان لوگوں کے سر لائے ہو، جن میں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا قاتل نہیں ہے اس بنا پر میں تمہیں کچھ نہیں دوں گی۔ سفیان اپنا منہ لے کر واپس آیا۔ ص 284

واقعہ بیر معونہ۔ صفر 4 ہجری

بئر معونہ کا واقعہ صفر 4 ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ مشرکین عقیل وقارۃ کی مکارانہ مفسدہ انگیزیوں کی طرح قبائل نجد، عصیہ، عل اور ذکوان بھی استحصال اسلام پر اکٹھے ہو گئے تفصیل یہ ہے۔

ابوالبرآء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ میری

تمام قوم اسلام لانے کے لیے تیار ہے۔ چند مبلغین اسلام ہمارے قبیلہ میں بھیج دیئے جائیں کہ وہ ان کو دین اسلام کے احکام وارکان کی تعلیم دیں۔قبیلہ کلاب اتنا بڑا تھا کہ علاقہ نجد تک پھیلا ہوا تھا اور نجد کے قبائل عصیہ اور ذکوان سب اس کے زیر سایہ وزیر اثر تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی درخواست کے جواب میں فرمایا۔

انی اخشی علیهم اهل النجد

مجھ کو مسلمانوں کی نسبت اہل نجد کی طرف سے خوف ہے۔

آنحضرت صلعم کا یہ جواب بے سبب نہیں تھا۔قبائل نجد کے امیر، عامر بن الطفیل نے ایک بار آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا کہ اگر آپ میرے شرائط کو قبول کرلیں تو میں اسی وقت سے اسلام کا رفیق بن جاتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ عرب کے جتنے صحرا و بادیہ ہیں ان کی ملکیت خاص الخاص آپ کے تعلق رہے۔ دوسری یہ کہ عرب میں جتنی بستیاں اور آبادیاں ہیں ان کا مالک ومتصرف میں بنایا جاؤں، تیسری یہ کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا قائم مقام مقرر کر جائیں۔ اگر یہ شرائط منظور ہیں تو میں خدمت ورفاقت کو حاضر ہوں، ورنہ قبیلہ عطفان کو لے کر مدینہ کا محاصرہ کرلوں گا۔ اس وقت آپ کو مشکل ہو جائے گی۔ آنحضرت صلعم نے اس کے مجنونانہ اور مغرورانہ شرائط کو مسترد فرما دیا اور قاصد کو واپس کر دیا۔اس وقت نجدیوں سے بھی خوف تھا۔

ابوالبراء نے گزارش کی۔ آپ مطمئن رہیں، میں جماعت مبلغین کی حفاظت جان کا ضامن ہوں۔ ابوالبراء کی ضمانت قبول کر لی گئی اور 70 ستر انصار ساتھ کر دیئے گئے۔ چونکہ ابوالبراء پر پورا اعتبار تھا اور کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں تھا اور ضرورت بھی صرف تبلیغ وتعلیم دین کی تھی۔ اس لیے موجودہ جماعت مبلغین میں کوئی بزرگ نبرد آزما اور جنگی خدمات کے قابل نہیں تھے۔ قریب قریب تمام بزرگوار صاحبان تقویٰ وعبادت تھے۔ اکثر صاحب صفہ تھے جو بالکل درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

معلمین دین کی یہ جماعت بئر معونہ پر پہنچ کر مقیم ہوئی اور حرام بن ملحان کو جناب رسول خدا صلعم کا کرامت نامہ دے کر قبائل کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا۔ عامر بن طفیل کو حرام نے جب نامہ رسولؐ دیا تو عامر نے خط لے کر حرام کو قتل کر دیا اور قبائل عصیہ رعل اور ذکوان کو جمع کر کے مبلغین اسلام کی جماعت پر چڑھ آیا۔ صحابہؓ مبلغین حرام کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے، جب امید سے زیادہ دیر ہوئی تو یہ سب کے سب خود چل پڑے راستہ ہی میں تھے کہ فوج مخالف سے مقابلہ ہو گیا۔ وہ جنگجو جماعت الآت حرب وضرب سے تیار تھی اور ان فقراء وصلحائے اسلام کے پاس سوائے مصلا وعصا کے کچھ بھی نہ تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب راہ خدا میں وہیں شہید کر دیئے گئے۔ صرف عمر بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مان لی ہے اس لیے میں تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کے سر کے آگے والے بال کاٹ لیے اور نشان غلامی بنا کر چھوڑ دیا۔ عمر بن امیہ بڑی مشکل سے دن کو چھپتے راتوں کو چلتے چلتے مدینہ میں پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بلا ومصیبت کی روئداد عرض کر دی۔ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کا ایسا صدمہ ہوا کہ ایسا غم والم آپ کو کبھی نہ ہوا تھا۔ مہینہ بھر کامل صبح کی نماز میں ان قبائل پر بددعا فرماتے رہے۔

عمر بن امیہ الضمیری نے رستہ میں دو آدمیوں کو بنی عامر کے قبیلہ سے سمجھ کر قتل کر ڈالا تھا۔ حالانکہ وہ عامر کے قبیلہ کے آدمی نہیں

تھے۔ان کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نا گوار ہوا۔آپ نے دونوں مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ان کے ورثا کے پاس بھجوا دی۔زرقانی جلد دوم ص80 طبری میں 1441۔

غزوۂ بنی نضیر

(ربیع الاولیٰ 4 ہجری)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن امیہ الضمیری نے غلط فہمی سے دو آدمیوں کو جو بنی عامر کے قبیلہ سے نہیں تھے۔لیکن ان کے علاقہ کے تھے،قتل کر ڈالا تھا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مبادرت نا گوار ہوئی تھی اور آپ ان کی دیت ادا ہونے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ چونکہ یہود ان بنی نضیر بظاہر اس وقت تک اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ تھے اس بنا پر دیت کا ایک حصہ ان کے ذمہ بھی واجب الادا تھا۔ اسی کی وصولی کے لیے،آپ چند ممتاز ین صحابہ کو جن میں حضرت علی مرتضیٰؑ،حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت عثمان،زبیر بن العوام،سعد بن ابی وقاص،سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے جاتے ہیں۔ہمراہ لے کر بنی نضیر کے محلہ میں جو مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھا،تشریف لے گئے۔

بدر کے بعد ہی سے یہودیوں کے خیال میں اسلام کی طرف سے جو انقلاب عظیم پیدا ہوا تھا وہ اوپر تمام بیان ہوتا آیا ہے۔ایک تو اسلام کی طرف سے ان کا فطرتی بغض وعناد۔دوسری قریش سے ساز باز اور اتحاد۔ان کی رگ و پے میں اسلام کے استحصال کے لیے اشتعال دے رہا تھا۔ان اسباب کے علاوہ ان کا انتہا درجہ کا تمول،کثرت سے مال ودولت،فروغ یافتہ،تجارت،عالمگیر کاروبار،بڑے بڑے مضبوط اور سنگین قلعےضرورت سے زائد اسلحات وآلات جنگ۔ان سب کے ساتھ،فوج کی فوج،حشم خدم،نوکر،چاکر،ہر دم موجود اور ان کے پیش نظر تھے اتنی ذی اقتداری اور خود اختیاری کی حالت شباب میں پھر وہ کس کی سننے والے تھے۔ان تمام اسباب نے ان کے دماغوں میں نخوت وغرور کی یہ کیفیت پہنچا رکھی تھی کہ وہ اپنے آگے بڑے بڑے ملوک وسرداران عرب کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے تھے۔لیکن بااین ہمہ ساز وسامان۔ان سے مقابلہ ومقاتلہ کے معاملات بتلا رہے ہیں کہ یہ منہ کے کڑوے تھے،مگر دل کے بڑے بودے،تن وتوش کے بھاری،لیکن طبیعت کے بالکل ہلکے،جوڑ توڑ،ساز باز اور مکرو دغا سے پر تھے مگر شجاعت ودلیری سے علی الاکثر خالی تھے۔

قتل رسول کی مکارانہ ترکیب

چنانچہ اس موقعہ پر بھی جرأت وہمت پر تو کاربند نہ کرسکے،کرنے بھی چلے تو وہی مکاری،دغابازی اور غداری۔تفصیل یہ ہے:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے محلہ میں آئے،تو ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ کر یہودیوں سے ادائے دیت کے متعلق گفتگو فرمانے لگے۔یہودیوں کے تمام عمائد واکابر،اسلام ابن شکم،سلام بن ابی الحقیق،کنانہ بن ربیع اور حی بن اخطب وغیرہ سب موجود تھے۔آپ کی تجویز کی نسبت یہ مکار اپنی رضا مندی اور اتفاق کا اظہار بھی کر رہے تھے اور ادھر عیاری اور مکاری کی چھپی چھپی

چشمکیں بھی چل رہی تھی اور مخفی طور پر اس پر اتفاق کرلیا گیا تھا کہ اب اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ ہم میں سے ایک آدمی مکان کی چھت پر جاکر ایک بڑا بھاری پتھر آپ کے سر پر چپکے سے گرا دے، سب قصہ تمام ہے۔ پہلے اس تجویز میں کچھ اختلاف ہوا لیکن پھر فوراً اتفاق بھی ہوگیا اور عمر بن خحاش تعمیل کے لیے پتھر لے کر مکان کی چھت پر چڑھ بھی گیا۔

ادھر حافظ حقیقی نے خبر کردی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً وہاں سے اٹھے اور بخیر و عافیت مدینہ چلے آئے۔ درج ذیل آیت میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔

یا ایها الذین امنوا ذکر و انعمة الله علیکم اذهم قوم ان یلسطوا الیکم ایدیهم

اے ایمان والو! یاد کرو خدا کی نعمت کو اس دن جس دن ایک قوم نے تم پر اپنے دست (غداری) بڑھانے چاہے تھے آخر آیہ (روضۃ الاحباب)

یہودیوں کی یہ غداری اگر چل جاتی تو کیا قیامت ہوتی۔ اسی وقت اسلام کا خاتمہ تھا۔ یہی واقعہ بنونضیر کی اہمیت جرم کے ثبوت میں کافی ہے۔

بنی نضیر کا محاصرہ

جناب رسول خدا صلعم نے بنی نضیر کی تنبیہہ کی طرف سے ایک لحظہ کے لیے بھی توقف کو مصلحت نہ سمجھا۔ محمدؐ بن مسلمہ کی معرفت ان کے پاس بیک لفظ کہلا بھیجا کہ تم لوگ اپنے اس مکارانہ اور غدارانہ قصد و حرکات کی پاداش میں ایک بار جوار مدینہ کو چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔

ادھر یہ پیام گیا۔ اُدھر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے جو ہر وقت پہلو کا دشمن بنا اپنا آدمی بھیج کر بنونضیر سے کہلا بھیجا کہ تم ہرگز جلاوطن ہونے پر راضی نہ ہونا۔ ہم دو ہزار آدمیوں کی جماعت سے تمہاری حمایت پر تیار بیٹھے ہیں اور یہود ان بنی قریظہ بھی تمہاری استمداد و استعانت کو فوراً پہنچ جائیں گے۔ قرآن مجید میں اس منافق کی فتنہ انگزی کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَلَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ ؕ

(حشر آیت 11)

تم نے دیکھا، منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اگر کوئی تم سے لڑا تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔

عبداللہ بن ابی کی اس بھڑکی نے بنی نضیر کے غرور و نخوت کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ محمد بن مسلمہ وہیں موجود تھے۔ جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا ابھی کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ یہودیوں میں ابھی تک کھچڑی پک رہی تھی کیا جواب دیا جائے اس اثنا میں عبداللہ بن ابی کا پیام سن کر یہودی سب کے سب پھر تن گئے۔ حی بن الخطب رئیس بنونضیر نے محمد بن مسلمہ سفیر اسلام سے کہہ دیا کہ جا کر محمد (صلعم) سے کہہ دو، ہم اپنے مقام سے کہیں جنبش نہیں کرنے والے ان کا جو جی میں آئے وہ کریں دیکھا جائے گا۔

محمد بن مسلمہ نے واپس آ کر یہودیوں کا یہ مغرورانہ جواب خدمت رسول صلعم میں عرض کر دیا اور ان کے محاصرہ کا حکم فرمایا ان اسباب کے ساتھ شبلی صاحب نے سنن ابوداؤد کے حوالے سے ان واقعات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ آپ کی عبارت داخلی یہ ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنی نضیر سے کہا بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دو۔ ورنہ ہم خود آ کر تمہارا بھی استحصال کر دیں گے۔ بنونضیر پہلے ہی سے اسلام کے دشمن تھے۔قریش کے پیام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ بنونضیر نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے اگر ہمارے احبار (علمائے یہود) آپ کی تصدیق کریں گے تو ہمیں بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے آپ نے کہلا بھیجا کہ جب تک ایک معاہدہ نہ لکھ دیں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ یہود ان بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ انہوں نے تعمیل کی بنونضیر کے لیے یہ نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھ دیا ہے،لیکن وہ کس طرح معاہدہ لکھنے پر راضی نہ ہوئے بالآخر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں ہم بھی تین آدمی لے کر آتے ہیں۔ یہ علما اگر آپ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے۔ آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ یہود تلواریں، باندھ کر آمادہ ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔ سیرۃ النبی ص 300

شبلی صاحب نے انہیں واقعات کو اصلی سبب قرار دے کر اپنا مختار بنایا ہے۔ چنانچہ حاشیہ میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے:

یہ تفصیل سنن ابوداؤد میں ہے، تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں۔ پھر حاشیہ نمبر 2 کی یہ عبارت فتح الباری، واقعہ غزوہ بنی نضیر جلد سابع صفحہ 255 میں یہ روایت ابن مرویہ سے نقل کی ہو اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنونضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں ترجمہ الباب یہ ہے۔ باب حدیث بنی انضیر و مخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من افدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حقیقت حال کی طرف جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ارباب حدیث پر اعتبار کر کے اپنا یہ مختار قائم کیا ہے اور جس روایت کو معاملات بنی نضیر کا اصلی سبب قرار دیا ہے وہ خود ارباب سیرت کیا اصحاب حدیث کے نزدیک بھی ثابت نہیں۔ افسوس ہے کہ فتح الباری کی عبارت پر غور کی نظر کی گئی اور نہ اس کی پوری عبارت لکھی گئی۔ اس میں تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ اس کی صحت و اعتبار کی حقیقت کا اسی وقت پورا انکشاف ہو جاتا۔ تعجب تو یہ ہے کہ زرقانی جو ہر وقت پیش نظر ہے۔ اس میں بھی اس کی قرار واقعی تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی۔

زرقانی جلد دوم ص 92 میں اسباب واقعات بنی نضیر کے متعلق ابن حجر صاحب فتح الباری کا یہ قول مرقوم ہے:

واذا ثبلت ان سبب جلاء بنی النضیر هم لهم بالفتك به وهو انما وقع عند ماجاء الیهم یستعین فی دیة قتلی عمر

جلا بنی نضیر کا سبب وہی ثابت ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ بنی نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ دغا کا ارادہ کیا تھا جب آپ ان سے کشتگان عمر کی وصولی دیت کے خواستگار ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے جس عبارت فتح الباری سے اس کی صحت ثابت کی ہے وہ یہ ہے ابن مرودیہ کی روایت لکھ کر ابن حجر لکھتے ہیں:

وفی هذا رد علی زعم ابن التین انه لیس فی هذه القصة حدیث باسناد۔ فهذا اقوی مما ذکر ابن اسحاق ان سبب غزوه بنی نضیر طلبه صلی الله علیه وآله وسلم یعینوه فی دیة الرجلین لکن واقفه جل اهل المغازی زرقانی ص 94

اس روایت میں علامہ ابن التین کا ضال کی رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ بنی نضیر کے قصہ میں (سوائے دیت کے واقعہ کے) اور کوئی حدیث ہی نہیں ہے اور یہ قوی ہے۔اس سے جو ابن اسحاق نے جلا بنی نضیر کے سبب میں لکھی ہے کہ غزوہ بنی نضیر کا سبب دونوں مقتولین کی دیت تھی لیکن (اس کو کیا کیا جائے گا) کہ اسی حدیث پر تمام اکابر اہل مغازی کا اتفاق ہو چکا ہے۔

یہی حال ہے صحیح بخاری کی سند کا۔شبلی صاحب عبارت عنوان میں عذر کا لفظ دیکھ کر اپنے دعوے کی تصدیق فرماتے ہیں۔ حالانکہ دیت رجلین کے صاف الفاظ موجود ہیں۔جو بتلاتے ہیں کہ سبب اصلی وہی رجلین کا معاملہ ہے اور لفظ عذر سے بھی وہی پتھر گرا کر مارڈالنے والی غداری مقصود ہے۔نہ آپ کے مرقومہ اسباب مناظرہ وکلام اور حملات بالسیف جس کو آپ سنن ابوداؤد کے حوالے سے لکھ کر ارباب سیر وتاریخ کو چیلنج دے رہے ہیں۔بخاری کا ایک لفظ بھی آپ کے دعویٰ کا موئد نہیں ہے بلکہ صریح مخالف ہے۔

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو شبلی صاحب کے غلط مختار اور تحمکانہ اصرار سے ہمارے سلسلہ بیان میں خواہ مخواہ حائل ہو گیا۔ ہم مجبور ہیں شبلی صاحب علی الاکثر اپنے مختارات اور اجتہادات سے دوسروں کو مرعوب بنا لینا چاہتے ہیں۔جو حقیقت کے صریح مخالف ثابت ہوتا ہے۔اس بنا پر ان کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے۔ورنہ حقیقت سے عدم فہمی رہ جائے گی۔

ہم اس بحث کو تمام کر کے اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔

یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ بنی نضیر کا اعلان فرمادیا۔فدائیان اسلام لبیک گویاں تیار ہو گئے۔سلاحین پہن کر ہتھیار لگا کر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہو گئے۔آنحضرت صلعم نے جائزہ فوج لے کر،علم فوج

حضرت علی مرتضیٰ کوعنایت فرمایا اور محلہ بنی نضیر کی طرف جمعیت اسلامی کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کی آبادی مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھی۔دم کے دم میں فوج اسلامی نے پہنچ کر ان کے تمام محلہ کا محاصرہ کر لیا۔یہودیوں کے اتنے کلیجے کہاں تھے کہ میدان پکڑ کر فوج اسلام کے مقابل ہوں۔سب کے سب قلعہ بند ہو کر عبداللہ بن ابی کی دو ہزار والی جمعیت موعودہ کا انتظار کرنے لگے اور اسی کے ساتھ بنی قریظہ کی کمک کی بھی امید لگائے رہے۔پندرہ روز اسی انتظار میں گزر گئے اور کوئی کہیں سے نہ آیا۔اوپر لکھا چکا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔اس لیے کہ اگر وہ آ جاتا تو پھر خود اس کے نفاق کا راز سربستہ کھل جاتا اور اس کے اظہار کفر کے چشم دید واقعہ کو دیکھ کر مسلمان کیا، خود اس کے قبیلہ والے دیندار انصار، اس کو قتل کر ڈالتے لیکن اس کا کام تھا، زبانی طمطراق، سازباز اور فساد و نفاق، وہ اس نے کر دکھلایا۔

باقی رہے بنو قریظہ۔ان کی یہ حالت تھی کہ وہ بنی نضیر کے ہم قدم وہم مذہب تو ضرور تھے لیکن دو روز پیشتر اسلام سے معاہدہ صلح کی تجدید کر چکے تھے۔اس سے خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے۔اس لیے وہ بھی مجبور تھے۔اب یہودیوں کی محرومی کی حد نہ تھی۔

بنو نضیر اور شبخون کا ارادہ

ہر طرف سے مایوس ہو کر اب بنو نضیر کے پاس سوائے مکاری اور غداری کے کچھ اور نہ تھا اور اس میں یہ مدت سے مشاق تھے۔ محدث دہلوی اور صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ حی ابن اخطب سردار یہود نے اپنے فطری بزدلی تقاضہ سے لشکر اسلامی پر شبخون کی تدبیر نکالی اور خود تو جرأت نہ کر سکا۔عروبن انیس ایک شریر النفس یہودکو اس مہم پر تعینات کر دیا۔دریافت احوال کی غرض سے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے۔مسلمانوں نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہ گئے۔ان کی خاموشی ان کی غفلت کی علامت سمجھی گئی۔دوسرے دن یہودی قوی دل ہو کر شبخون پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

شام ہوئی تو حسب المعمول صحابہ نماز مغرب پڑھ کر خدمت رسول میں بیٹھ گئے۔خلاف معمول حضرت علیؑ کو نہ پایا کچھ دیر تک انتظار کیا، وہ نہ آئے تو چونکہ دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ تھا، اس لیے صحابہ کو ان کی طرف سے تشویش ہوئی۔بالآخر آنحضرت صلعم سے دریافت کیا۔آپ نے فرمایا: ان کے لیے تردد نہ کرو۔ان کی غیر حاضری مصلحت سے خالی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کے ان مکارانہ قصد و ارادہ کی خبر لگ گئی تھی اور آپ حضرت علی مرتضیٰؑ کو اس کے تدارک کے لیے مقرر فرما چکے تھے۔اس بنا پر حضرت علی شام ہوتے ہی دشمن کی غداریوں کے سراغ میں مصروف تھے اور انکے آنے والے راستہ میں جا بیٹھے تھے۔ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے یہاں تک کہ تین گھاٹی رات گزر گئی۔کچھ رات رہے عزوہ بن انیس اپنے چند رفقاء کے ساتھ آتا ہوا معلوم ہوا۔حضرت علیؑ نے اپنے مقام سے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور اس کو وہیں قتل کر دیا۔اس کے رفقا اس کی اعانت کو پہنچے مگر اب کیا کر سکتے تھے۔حضرت علیؑ شیرانہ حملوں سے ان کے منہ بھی پھر گئے۔اس اثنا میں شور و غل سن کر حضرت ابودجانہ انصاری اور سہل ابن حنیف بھی پہنچ گئے۔یہودی مجبور ہو کر بھاگ گئے۔رسیدہ بود بلائے وبے بخیر گذشت۔

جناب علیؑ مرتضیٰؑ عروہ کا سر لے کر خدمت رسول صلعم میں حاضر ہوئے۔ نماز صبح کے بعد آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلعم نے نظر مبارک اٹھائی تو سامنے علی مرتضیٰؑ کھڑے تھے اور پائے مبارک کے قریب عروہ ابن انیس کا سر کٹا پڑا تھا۔ صحابہ سے ارشاد ہوا کہ شام سے علیؑ اس کام میں تھے۔ ترجمہ مدارج النبوہ جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنوص 317۔ روضۃ الصفا جلد دوم تاریخ الانبیا جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ ص215

محاصرے کو جتنا طول ہوتا جاتا تھا، بنونضیر کی مایوسی بڑھتی جاتی تھی۔ شبخون کی ناکامیابیوں نے ان کی امیدوں کا اور بھی خون کر دیا۔ یہود ان بنی قنیقاع کے نتیجے پیش نظر تھے وہ اور دل ہلائے دیتے تھے۔ اصول جنگ و محاصرہ کے مطابق، جتنا عرصہ ہوتا تھا محصورین کی طرف سے وقوع جنگ کے قرائن قوی ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم نے مقابلہ کے احتمال سے قلعہ بنی نضیر کے سامنے والے نخلستان صاف کرا دیئے۔ تا کہ میدان صاف ہو جائے اور غنیم ان سے کمین گاہ کا فائدہ نہ اٹھائیں۔ خاص کر وہی درخت کٹوائے گئے تھے جو محض معمولی اور جنگلی پھل لاتے تھے اور جو عمدہ درخت تھے وہ چھوڑ دئے گئے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (حشر)

تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر درخت قائم رہنے دیئے وہ سب خدا کے حکم سے ہے تا کہ خدا فاسقوں کو رسوا اور خوار کرے۔

لینہ جنگلی کھجوروں کو کہتے ہیں جو اہل عرب کی خورش میں نہیں ہے۔

بالآخر بنی نضیر کے لیے اب کوئی چارہ نہیں رہا تو انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شرائط پر صلح منظور کر لی کہ بنونضیر مال واسباب اونٹوں پر جتنا لے جاسکیں لے جائیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں یہود کو جانوں کی پڑی تھی۔ فوراً راضی ہو گئے، صلحنامہ لکھا گیا اور سب نے دستخط کر دیئے۔

یہود کی مدینہ سے شاندار جلاوطنی

روسا، بنی نضیر، سلام بن ابی الحقیق، کنانۃ بن الربیع اور حی بن اخطب وغیرہ مدینہ سے نکل کر خیبر چلے گئے۔ وہاں ان کا اتنا اعزاز و اکرم کیا گیا کہ رئیس خیبر تسلیم کر لیے گئے ان کی جلاوطنی اور خارج البدری بڑی شاندار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ شبلی صاحب طبری کی عبارت سے ترجمہ فرما کر لکھتے ہیں:

بنونضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے تھے لیکن اس شان سے نکلے تھے کہ جشن (روان) کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ عروہ بن ابورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید کر لیا تھا اور وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری ان کی نظر پہلے سے نہیں گزری تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص302

بنونضیر جو لے جاسکے لے گئے، جو بچ گیا وہ خدا ورسول صلعم کا عین المال قرار پایا۔غیر منقولات میں مکانات اور قلعہ جات تھے۔ جن میں اکثر کو وہ اپنے ہاتھوں سے مسمار کر گئے تھے اور نخلستان اور قطعات اراضی تھے، منقولات میں پچاس زرہیں۔ پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

قرآن مجید میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② (حشر)

وہ خدا ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا اور یہ ان کی تقدیر کا پہلا حشر تھا جس کے لیے نکالے گئے۔ (مسلمانو) تم کو تو وہم (وگمان بھی نہ تھا کہ (وہ اپنے گھر سے) نکلیں گے اور وہ اس خیال میں (مست) تھے کہ ان کے قلعہ ان کو (خدا کی) پکڑ سے بچالیں گے تو جدھر سے ان کو گمان بھی نہ تھا خدا کے لشکر نے ان کو آلیا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔ان کا یہ واقعہ صاحبان بصیرت کے لیے باعث عبرت ہے۔

انصار کا مہاجرین کے ساتھ بے مثال ایثار

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے مدینہ میں مہاجرین کے ذکر میں تو انصار کے محاسن سلوک رعایات، مدارات، غرض تمام احسانات کا بالاختصار ذکر فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ انصار کے اس عظیم الشان ایثار کا بھی وہیں اشارہ کر دیا ہے۔خیر وہ تو عنوان تھا اور تمہیدی بیان۔ اس میں اس کی تفصیل قبل از وقت کا نقص پیدا کر دیتی لیکن یہ مقام تو اس ایثار کا خاص تھا یہاں کیوں نہ بیان کیا گیا۔وجہ یہی ہے کہ انصار کی تفصیل خدمات کی طرف ابتدا ہی سے نظر توجہ بہت کم رہتی ہے۔تمہیداً اتنا عرض کر کے ہم اس کی تفصیل کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ جس قدر جائداد منقولہ وغیر منقولہ بنی نضیر چھوڑ گئے تھے، وہ سب خدا ورسولؐ کا عین المال تھا۔قرآن مجید میں اس کا حکم صریح یوں ہے:

مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦

(جو مال) اللہ اپنے رسولؐ کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو (وہ) اللہ کا (حق) ہے اور رسول کا اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (اے توشہ) مسافروں کا (یہ حکم) اس لیے (دیا گیا) جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ (مال) ان ہی میں دائرنہ رہے (مسلمانو جو چیز پیغمبر تم کو دے وہ تو لے لیا کرو اور جس کے لیے سے) تم کو منع کرے اس سے دست کش رہو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ خدا کی مار بڑی سخت ہے۔ (ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب ص872

پھر وجہ اختصار حقوق خدا اور رسولؐ میں ارشاد ہوتا ہے:

وما افآء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط و رسلہ علی من یشآء

جو مال خدا نے اپنے رسول کو (بے لڑے) منت دلوا دیا تو مسلمانو تم نے اس کے لیے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں اور نہ انوٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے مسلط کر دے۔

اب فے اور غنیمت میں یہ فرق ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے:

ما یوجف علیہ المسلمون بالخیل و الرکاب وفتح بالحرب... و اما مایحصل بالحرب والقتال و ھو غنیمۃ

جو مال مسلمانوں نے بغیر کوشش جنگ وجدال لڑائی کے حاصل کیا وہ فے ہے اور جو لڑائی سے ملا وہ غنیمت ہے۔

بہرحال اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے مہاجرین کے انصار کو کچھ نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عطا فرمانے پر بھی انصار نے کچھ نہ لیا اور اپنے عدیم المثال ایثار کی یادابدالآباد تک قائم رہے گی۔ ہم اس کی پوری کیفیت مفصلہ ذیل عبارت میں شرح زرقانی سے نقل کرتے ہیں:

لماھا جروا (الھاجرین) واواخی بینھم صلعم فذھب کل انصاری بالمھاجری الذی واخی بینہ و بنیبیہ صلعم الی منزلہ و کفاۃ المونہ ثم تنا فسواحتی ال امرھم الی فرعۃ فای انصاری تخرج القوعۃ باسمہ یذھب بالمھاجری فبلغت مواساتھم الغایۃ القصوی۔ فلم غنم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی النضیر دعا ثابت بن قیس بن شماس فقال ادع الی قومك قال ثابت الخرج فقال صلی اللہ علیہ

وآله وسلم الانصار لكلها فدعاله لاوس و الخرج محد عليه واثنى عليه بما هواهله ثم ذكر الانصار و ماضعوا بالمهاجرين وانزالهم اياهم فى مناذلهم واموالهم واء ثرهم على انفسهم ثم قال ان اجبتم اعطيتهم وخرجوا من دور كم فقال سعد بن عباده و سعد بن معاذ يارسول الله صلعم بل تقسيم بين المهاجرين و يكونون فى دورنا كما كانوا فقالت الانصار و قسم ماافاء الله واعطى المهاجرين ولم يعط احد من الانصار و ذكر البلاذرى انه صلى الله عليه وآله وسلم قال للانصار ليست لاخوانكم من المهجرين اموال فان شئتم قسمت هذه ولموالكم بينكم و بينهم جميعا وان شبتم امسكتم اموالكم و قسمت هذه خاصة قالو ابل اقسم هذه فيهم واقسم لهم من اموالنا ماشئت فنزلت ويوثرون على انفسهم ولو كان لهم خصاصة

جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ میں آئے اور جناب رسول خدا صلعم نے مہاجر وانصار میں اخوت قائم کر دی تو مرد انصاری اس مہاجر کو جواس کا بھائی تھا اپنے گھر لے گیا اور ہر طریقہ سے اس کی کفالت کرتا رہا۔ پھر انصار نے آپس میں قرعہ ڈالا (غالباً ان فقرائے مہاجرین کے لیے جو کسی کے بھائی نہ بنے تھے یا جو واقعہ اخوت سے پیچھے آئے تھے) اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ اس کو اپنے گھر لے جا کر اس کی کفالت کرتا اور یہ اس کی مفرط درجہ کی محبت وشفقت تھی یہاں تک کہ اموال بنی نضیر آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آئے۔ تو آپ نے ثابت بن قیس کو بلا کر فرمایا کہ انصار کو بلا لاؤ۔ ثابت بولے کیا قبیلہ خزرج کے انصار کو حاضر کروں ارشاد ہوا نہیں تمام انصار کو بلا لاؤ قیس نے اوس وخزرج دونوں قبیلوں کو اکٹھا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ میں حمد وثنا الٰہی کما حقہ ادا کر کے قبیلہ انصار کے ان تمام احسانات وعنایات کو جوانہوں نے مہاجرین کے ساتھ ان کی مہمان نوازی امداد مال اور نصرت وحمایت کے متعلق کی تھی مفصل طور پر بیان فرمائی۔ پھر انصار کی طرف مخاطب ہو کر استفسار فرمایا کہ اگر تم لوگ قبول کرو تو یہ تمام مال ہم تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیں اور غریب مہاجرین جس طرح تمہارے اموال پر بسر کرتے ہیں ویسی ہی گزران کریں اور اگر تم پسند کرو تو یہ سب مال انہیں کو دے دیا جائے اور آج سے تم انکی کفالت سے

سبکدوش ہو جاؤ۔ یہ سن کر سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ دونوں قبائل انصار کے سردار اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلعم تمام مال انہیں کو دے دیا جائے اور یہ لوگ جس طرح سے ہمارے گھروں میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں، رہنے دیئے جائیں۔ اپنے اپنے سردار قبیلہ کا حکم سن کر تمام انصار کہنے لگے۔ یارسول اللہ ہم راضی ہیں اور ہم سب کو قبول و منظور ہے ان کی آوازوں سے تمام مسجد گونج اٹھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اس عدیم المثال ایثار کو سنکر کہنے لگے پروردگار تو قبائل انصار پر رحمت نازل کر اسکے بعد آپ نے مال صرف مہاجرین پر تقسیم فرما دیا (تفصیل آگے آتی ہے) اور انصار میں (سوائے ابودجانہ اور سہل بن حنیف کے) کسی کو کچھ نہ دیا۔ علامہ باذری اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے انصار سے یوں ارشاد کیا کہ تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس کچھ مال نہیں ہے اگر تم قبول کرو تو میں تمہارے اور ان کے دونوں حصوں کا مال انہیں کو دے دوں اگر تم چاہو تو اپنے حصہ کا مال لے لو اور میں ان کا ان کو دے دوں۔ انصار نے عرض کی ان کا حصہ تو انہیں دے دیجیے بلکہ ہمارے حصے بھی انہیں میں تقسیم فرما دیجیے۔ اسی واقعہ ایثار انصار کے متعلق یہ آیۃً نازل ہوئی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسوں پر ترجیح دے کر (اپنے اوپر تنگی سہہ کر) اپنے بھائیوں پر، ان چیزوں کا جو انکی خاص ہوتی ہیں ایثار کر دیتے ہیں۔ زرقانی جلد دوم ص 99 مصر

تفصیل تقسیم

یہ تقسیم اس طرح فرمائی گئی کہ جو زمین خراج پر پہلے سے بندوبست تھیں وہ ویسی ہی قائم رکھی گئیں۔ ان کا خراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص نہ تھا اور آپ اس کو حکم خدا کے موافق اپنے اہل وعیال اپنے ذوالقربی کے مصارف کے بعد، فقرا دمحاتجنی، مساکین، یتیمی اور مسافرین کے مصارف میں صرف فرماتے تھے اور جو بچتا تھا وہ تیاری لشکر اور فراہمی اسلحات وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔

نخلستان یہود اور مکانات مع ان کے اسباب تعمیر وغیرہ، مہاجرین کو کلھم دے دیئے گئے۔ نخلستان کے متعلق ان کی ملکیت و مقابضت پھلوں اور لکڑیوں تک محدود تھی۔ اراضی سے ان کو کوئی واسطہ نہیں تھا جیسا اوپر لکھا گیا ہے۔ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف انصاری کو اس میں سے کچھ عطا فرمایا گیا اس لیے کہ یہ دونوں بزرگوار از حد تنگدست و نادار تھے۔

تین سو چالیس تلواروں میں سے ایک تلوار جو ابن ابی الحقیق رئیس بنی نضیر کی خاص تھی اور بہت مشہور تھی۔ خاص طور پر سعد بن معاذ کو عنایت ہوئی۔

علمائے سواد اعظم میں اختلاف ہے کہ اموال بنی نضیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس نکالی تھی یا نہیں امام اعظم ابو

حنیفہ کوئی تو قطعی انکار کرتے ہیں اور خمس کو جائز نہیں جانتے لیکن امام شافعی ان سے پورا اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اموال بنی نضیر سے رقم خمس نکالی گئی اور فی میں خمس کی ادائیگی جائز ہے۔ زرقانی جلد دوم ص 95 روضۃ الاحباب ص 293

واقعات متفرقہ

اسی سال تیسری شعبان کو حضرت خامس آل عبا شہید کربلا جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے عقد فرمایا۔ اسی سال حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ گرامی قدر حضرت فاطمہ بنت اسد نے رحلت فرمائی۔ اسد الغابہ ی معرفۃ الصحابہ میں ہے۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کی رحلت

عن انس بن مالك قال لما مانت فاطمة بنت اسد بن هاشم أم على فدخل عليها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وجلس عندراسها وقال رحمك الله يا امى كنت امى بعد امى لجوعين و تشبعنى و تعرين قرلبسنى و تمنعينى نفسك طيب الطعام و لطعمنى و كريد بن بذلك وجه الله والدار الاخرة وقال انس يغسلها فلما بلغ المآء الذى فيه الكافور اسكبه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بيده و البسها قميصه وامر عمر او اسامة بن زيد و ابو ايوب الانصارى يحفر قبرها فلما حفروا و بلغوا الحدا حضر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بيده واخرج ترابه ثم اضعجع فيه وادخل فيه هو ثم دعا بهذه الدعآء اللهم اغفرلامى فاطمة بنت اسد و القنها حجتها و وسع عليها مدخلها بحق نبيك محمد والانبيآء من قبلے انت ارحم الراحمين و روى عن ابن عباس نحوذلك وزادفقالوا مارأيتك صنعت باحدما صنعت بهذه قال انه لم يكن بعد ابى طالب ابن منها البستها قميصى لتكسى من حلل الجنة و اضطجعت فى قبرها ليهون عليها عذاب القبرورد ى ايضا عن على باختلاف ايسير منقول ازارجح المطالب مطبوعہ لاہور جلد اول ص 279

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب فاطمہؑ بنت اسد بن ہاشم جناب علیؑ کی مادر مہربان نے انتقال فرمایا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کی میت کے پاس گئے، سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے میری ماں خدا تم پر رحم کرے تو میری ماں تھی میری ماں کے بعد تو آپ بھوکی رہتی تھیں اور مجھ کو کھلایا کرتی تھی تو آپ ننگی رہتی تھی اور مجھے پہنایا کرتی تھی تو اپنی جان کو اچھے کھانے سے باز رکھتی تھی اور مجھے کھلاتی تھی تو خاص خدا کے

لیے اور آخرت کے لیے حسن سلوک مجھ سے کرتی تھی۔ انس کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے غسل کا حکم دیا۔ جب اس پانی سے غسل دینے کی نوبت پہنچی جس میں کافور ملا ہوا تھا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ان پر پانی ڈالا اور حضرت عمر، اسامہ بن زید اور ابو ایوب انصاری نے مل کر قبر کھودی۔ جب قبر کھود کر لحد تک پہنچی تو آپ نے اپنے دست مطہر سے قبر کھودنی شروع کردی اور اس کی مٹی نکالی پھر خود اس میں لیٹ گئے۔ پھر ان کو خود آپ نے قبر میں اتارا۔ پھر آپ نے ان کے لیے یہ دعا کی پروردگار میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اس کی دلیل اس کو تلقین فرما اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ فرما بطفیل اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے جو مجھ سے قبل گزرے ہیں، حضرت ابن عباس سے بھی ایسے ہی مروی ہے انہوں نے اتنا اضافہ اپنی روایت میں کیا ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ان کے ساتھ جو معاملات کیے وہ آج تک کسی کے ساتھ بھی نہیں کیے تھے۔ آپ نے ارشاد کیا بعد حضرت ابی طالب کے میرے ساتھ نیکی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس لیے اپنا پیرہن ان کو دیا کہ وہ جنت کی پوشاکیں پہنیں اور ان کی قبر میں اس لیے لیٹ گیا کہ ان پر عذاب قبر آسان ہوجائے۔ جناب امیر نے بھی اس روایت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

5 سنہ ہجری

(ذات الرقاع)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کی کاوش اور یہود کی سازش نے مخالفت اسلام کو مکہ سے لے کر مدینہ تک عرب کی تمام اقوام وقبائل کو اسلام کے استحصال پر آمادہ کردیا تھا۔ آئے دن چھوٹے بڑے قبیلہ خود یا دو تین آپس میں مل کر مدینہ پر فوج کشی کرنے پر مستعد ہوجایا کرتے تھے۔ ذات الرجیع، بئر معونہ وغیرہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی جزئیات ہیں جو اپنے اپنے مقام پر اوپر بیان ہو چکے۔ محرم 5 ہجری میں قبائل انما وثعلبہ نے مدینہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ فوجیں جمع کرنے لگے۔ مقابلہ کے سامان درست ہونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ چار سو صحابہ کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے۔ تشریف آوری کی خبر پاتے ہی غنیم دلاوری بھول گئے اور بزدل بن کر پہاڑوں پر بھاگ کر چھپ گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع الخیر ایک ہفتہ کے بعد مدینہ میں واپس آئے۔

غزوہ دومتہ الجندل ربیع الاول 5 ہجری

ایک مہینہ کے بعد ربیع الاول کے مہینہ میں دومتہ الجندل سے پھر ایک جمعیت کثیر کے جمع ہونے کی خبر آئی، ان کا مقصد بھی وہی تھا، مدینہ پر چڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مہاجرین وانصار کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن لشکر اسلام کی آمد سے پہلے ہی مخالفین خائف ہو کر منتشر ہو چکے تھے۔ وہاں پہنچ کر کسی کو بھی نہ پایا۔ اس لیے لشکر اسلام واپس آیا۔

غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ بنی مریسیع 2 شعبان 5 ہجری

خزاعہ، عرب کا مشہور زور آور اور نامور قبیلہ تھا۔ زور آور اس لیے کہ ان کی تعداد بہت کثیر تھی۔ نامور اس لیے کہ وہ قریش کی اصل شاخ تھے۔ جو عرب میں احمس کے لقب سے مشہور تھے۔ احمس کیا ہے؟ قریش نے اپنی قدامت، تولیت کعبہ اور امارت کے اعزاز کے اعتبار پر اقوام عرب میں اپنا فرق امتیازی قائم کرنے کے لیے کچھ خصوصیات اختیار کر لیں تھیں۔ اس لیے ایام حج میں عام عرب کی طرح عرفات میں قیام کرنے کی جگہ قریش نے مزدلفہ میں، جو حدود حرم کے اندر داخل تھا، اپنے لیے قیام کرنا اختیار کر لیا۔ ایسے ہی خود اختیارانہ طریقہ سے اور بھی امتیازی خصوصیات قائم کر لیں تھیں۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر اپنا لقب خاص بھی احمس قرار دے لیا تھا۔ لیکن پھر ان کا یہ اعزاز چند دنوں کے بعد مرتبہ تخصیص سے اتر کر حدود تعمیم تک پہنچ گیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ عام عرب میں جو ان خصوصیات کو اختیار کرنے لگے وہ بھی احمس کہلانے لگے اور قریش نے جس قبیلہ عرب سے قرابتداری اور رشتہ مندی قائم کی، وہ بھی احمس کہلانے لگا۔ قبیلہ خزاعہ بھی اسی جہت سے احمس مشہور تھا۔ خزاعہ ہی کی ایک شاخ بنو المصطلق کہلاتی تھی۔ مدینہ سے 9 میل پر مقام مریسیع پر آبادی تھی۔ اس قبیلہ کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سامانوں کی خبر لگی تو آپ نے ان کی تنبیہہ سے پہلے اس خبر کی تفتیش و تحقیق کی تجویز فرمائی۔ یزید بن خصیب انصاری کو پہلے دریافت حقیقت کی غرض سے بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر تصدیق کی۔ دومتہ الجندل سے ربیع الاول کے آخر میں واپس آ کر چار مہینوں سے آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ رجب کے مہینہ سے بنی المصطلق کی مخالفت کی خبریں پہنچنے لگی تھیں۔ اس لیے 2 شعبان کو آپ نے لشکر السلام کے ساتھ مریسیع کی طرف کوچ فرمایا لیکن یہاں پہنچ کر بھی غنیم کی وہی صورت نمایاں ہوئی، جو اس سے پہلے دو مقاموں میں ظاہر ہو چکی تھی۔

حارث بن ابی ضرار اور دیگر اکابر و عمائد قبائل، فوج اسلامی کی آمد سنتے ہی پہاڑوں پر جا کر روپوش ہو گئے اور قوم کو بے پشت و پناہ چھوڑ گئے۔ سرداروں سے اچھی جرأت و ہمت تو بے سر کے فوج والوں نے دکھلائی اور لشکر اسلام سے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔

ان کی جرأت بے جا کو دیکھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ تم لوگ کلمہ طیب لا الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو، تم سب کو امان ہے۔ لیکن وہ جاہل نہ مانے اور اس فرمان رحمت کے مقابلہ میں مقابلت پر آمادہ ہوئے۔ فوج اسلام پر تیر بارانی شروع کر دی۔ لیکن اسلام کے مبارزین نے جب جواب دینا شروع کیا تو یہ فوراً میدان

سے بھاگ نکلے۔ان کے دس آدمی مقتول ہوئے چھ سو آدمی مقید ہوئے۔غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں دستیاب ہوئیں۔ ابن سعد مغازی ص45

شبلی صاحب سے خاص غرض

یہ تو عام اہل سیرت و تاریخ کی اور خاص کر ابن سعد کی روایت ہے۔لیکن صحیح بخاری و مسلم کی مرویات نے اس غزوہ کو ایسے قابل اعتراض طریقہ بیان سے نقل کیا ہے کہ بالآخر شبلی صاحب کو بھی مرویات صحیحین کی تنقید اور (خدا کی شان) صحیحین کی مرویات پر سیرت و تاریخ کی مرویات کو ترجیح دینے کی مجبوری ہوئی۔ چنانچہ سیرت النبی میں تحریر ہے۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوالمصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے اور اپنی مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ابن سعد نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن لکھ دیا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہوسکتی۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی یہ روایت بھی اصول کی رو سے قابل حجت نہیں کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا ایک طرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا۔اس لیے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع ہے۔ص304

کیا شبلی صاحب اپنی اس عبارت تنقیدی کی تحریر کے بعد بھی اس غلط دعویٰ کے لکھنے پر جرأت کریں گے جس کو وہ یوں دیباچہ میں لکھ چکے ہیں۔

حدیث میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں جیسے بخاری و مسلم، دیباچہ حاشیہ ص5

ابن حجر نے تو تحکمانہ طریقہ پر صحیحین کی مرویات کو بمقابلہ سیرت و تاریخ کے ترجیح دینی چاہی تھی اور تقلید اسلاف کے اصول کی تعمیت کرنی چاہی تھی اور آپ نے بھی دیباچہ میں اسی اصول موضوعہ کو اپنا معیار مختار بنانے کا اقرار فرمایا تھا۔لیکن یہاں پہنچ کر آپ کو ان اصول کی خود تنقید کرنی پڑی۔

آخر یہ کیوں؟ وہی معترضین یورپ کا خوف، وہ غفلت کی حالت میں بنی المصطلق پر حملہ کیے جانے کا ذکر مرویات صحیحین میں دیکھ کر آپ پر الٹ پڑیں گے۔چونکہ یہ روایتیں سوا اتفاق سے صحیحین کے دونوں دفتروں میں موجود ہیں اس لیے کوئی تاویل ممکن ہی نہیں تھی۔ سوائے اس تحکمانہ اصول کے جس کو ابن حجر نے اپنا نظریہ بنا کر لکھا تھا۔آپ کو بھی وہی لکھ کر صحیحین کی فروگذاشت سے کف لسان کر لینا چاہیے تھا مگر آپ نے ان مرویات کے مقطوع السناد ہونے کی بحث نکال دی اور نافع کی عدم شرکت کی بنا پر ان کے غیر صحیح ہونے کا اعلان کر دیا۔اگر آپ اب بھی اس اصول پر قائم رہیں تو اس کی ایسی کتنی مرویات صحیحین کی تردید اور ان کے رواۃ غیر حاضرین موقع کی تصدیق

کرنی پڑے گی۔ جن میں سے صرف چند مرویات کا ذکر ہم اپنے دیباچہ میں بھی کر آئے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی ہمارے شبلی صاحب کو صحاح کے ذخائر یا صرف صحیحین کے دفاتر میں مقطوع الاسناد اور ناقابل اعتماد مرویات کے نقل و اندراج سے انکار ہوسکتا ہے؟ اگر ہوتو بدیہات سے انکار ہوگا۔ ہم شبلی صاحب کی شان بیان سے مجبور ہیں جس کی وجہ خاص سے ہمارے سلسلہ بیان میں یہ جملات معترضہ حائل ہوجاتے ہیں اور ہمیں ان کی حقیقت کا انکشاف ضروری ہوجاتا ہے۔ اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی

غزوہ مریسیع باعتبار جنگ کے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن اس کے گردوپیش تاریخوں میں اتنے قابل الذکر واقعات ظہور پذیر ہوئے جو اس کی شہرت کے خاص باعث ہوئے ہیں۔ اس غزوہ میں حصول غنیمت کی خاص لالچ سے بہت سے منافقین بھی لشکر اسلامی کے ساتھ ہوگئے تھے اور بے غیرت عبداللہ بن ابی بھی ان کے ساتھ تھا جو غزوہ احد میں عین موقع سے اپنی جمعیت کے ساتھ واپس گیا تھا۔ اس کو اعانت تو منظور نہیں تھی شرارت اور فتنہ انگیزی ضرور مقصود تھی۔ چنانچہ محاصرہ مریسیع کے زمانہ میں ایک دن پانی لینے کی نسبت قبائل مہاجر و انصار میں حجت ہوگئی۔ بات بڑھ گئی، انصار نے باللانصار کی صدا بلند کی، تمام انصار جمع ہوگئے۔ مہاجرین نے بھی ایسا ہی کیا فوراً سب مہاجر وہیں تھے، اب فیما بین نزاع لفظی اتنی بڑھی کہ دست بقضبہ ہونے کی نوبت آ گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا جمع میں کھڑا ہوگیا اور قوم انصار کو غیرت دلانے والے لہجہ میں پکار کر کہا، یہ بلا تو تم نے خود اپنے سر لی ہے، تمہیں نے ان وطن آواروں کو بلا کر اور گھر میں بٹھا کر آج اس قابل کر دیا کہ اب وہی تم سے مساوات کے دعوے کرتے ہیں اب بھی آنکھیں کھول لو، ہوشیار ہوجاؤ، وقت ہاتھ سے ابھی تک نہیں گیا ہے، تم نے ان کی کفالت سے ہاتھ اٹھائے اور انہوں نے پیٹھ پھیری۔ اس تقریر نے اور آگ بھڑکا دی۔ خیریت ہوگئی کہ اس اثنا میں جانبین کے کچھ فہمیدہ اور سنجیدہ حضرات موقع پر پہنچ گئے اور آتش فتنہ و فساد کو فوراً فرو کر دیا اور تمام لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔

دربار رسالت میں جب اس واقعہ کا ذکر آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے سننے سے رنج و ملال تو ضرور ہوا لیکن آپ نے بالکل سکوت و خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عمر کہاں چپ رہ جانے والے آدمی، فوراً غصہ سے بیتاب ہوگئے۔ یہی موقع آپ کے عتاب کے خاص ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ کسی سے عہد لیا جائے کہ اس منافق کی گردن قلم کر دے۔ ارشاد ہوا، اے عمر تم یہ مشہور کرانا چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ہمراہیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ صحیح بخاری باب غزوہ المریسیع ص ۷۲۸

حضرت عمر کی اس مشورت پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی ناراضی

اچھوں کے اچھے تو ہوتے ہیں مگر کبھی بروں کے بھی اچھے نکل آتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی جیسے دشمن اسلام تھا ظاہر ہے لیکن اس کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، اسلام کا بڑا جان نثار تھا اور کامل دیندار، حضرت عمر کے مشورے کی بنا پر منافقین نے یہ افواہ اڑا دی کہ دربار رسالت سے عبداللہ بن ابی سلول کے قتل کا حکم صادر ہونے والا ہے، یہ سن کر عبداللہ (ابن عبداللہ بن ابی) خدمت رسول میں حاضر ہوا اور

نہایت مخلصانہ اور عقیدتمندانہ طریقہ سے عرض خدمت کرنے لگا کہ علی العموم ہر شخص جانتا ہے کہ میں اسلام کا صدق دل سے مطیع ہوں۔ فرمانبردار ہوں اور جان نثار لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ تمام لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود کفر وضلالت کے میں اس وقت تک اپنے باپ کا تابعدار رہوں اور خدمت گزار۔

حالانکہ میں اس کے طریقہ وملت سے بالکل بیزار ہوں۔ اگر حضور کی یہ مرضی ہے جیسا کہ سنا جاتا ہے تو باپ کے قتل کی خدمت مجھی کو دی جائے۔ میں حکم خدا اور رسول کی متابعت میں بڑی خوشی سے خود قتل کر ڈالوں گا اور اس کی موت کی عزت کو بچالوں گا اور اگر وہ کسی غیر سے قتل کرایا گیا تو شاید میری غیرت میں اشتعال پیدا ہو جائے اور میں باپ کے قاتل کو قتل کر دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عبداللہ کیسی باتیں کرتے ہو، تم سے کس نے اس کے قتل کی خبر کہی ہے۔ کیسا قتل؟ میں تو قتل کی جگہ اس پر خاص شفقت کرنے والا ہوں۔ عبداللہ کو اطمینان ہو گیا۔ خدمت بابرکت سے واپس آئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وعدہ کو یوں پورا کیا کہ عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے اپنی خاص قمیص مبارک کا خلعت پہنایا، جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عمر کو پھر اس موقع پر حرارت آئی اور نہ رہا گیا۔ بقول شبلی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی یہ کیا کیا جاتا ہے، منافق کے مردے پر نماز پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن شبلی صاحب لکھتے ہیں: ''دریائے کرم کے بہاؤ کو کون روک سکتا ہے۔'' لیکن ہمارا یہ قول ہے:

واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

خدا اپنی ودیعت رسالت کے مقام کا سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

حضرت عمر اسرار رسالت کی حقیقت سمجھنے سے ابھی بہت دور تھے۔

حضرت جویریہ کا قصہ

حضرت جویریہ، بنی المصطلق کے سردار قوم، حارث بن ابی ضرار کی لڑکی تھیں، حسن و جمال میں مشہور تھیں، قید ہو کر آئیں، ثابت بن قیس صحابی کے حصہ میں پڑی۔ جویریہ کو یہ تناسب نہایت ناموزوں معلوم ہوا اور دستور عرب کے موافق انہوں نے مکاتبت کے قاعدے سے روپیہ دے کر ثابت سے اپنی فارغ خطی کرانی چاہی۔ ثابت جب مکاتبت پر راضی ہو گئے تو جویریہ کو روپیہ کی فکر ہوئی۔ پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ بیرونی امداد کی ضرورت ہوئی۔

حفظ مراتب کی ضرورت اس قدر شدید تھی کہ اس نے اس دست نگری کے اقدام پر جرأت دلائی۔ یہ بلا قید قوم وقبیلہ ہر شخص سے طالب اور ادا ہوئیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر خواہانِ امداد ہوئیں۔ حضرت عائشہ موجود تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ ان کی صورت کی پاکیزگی دیکھ کر میرے دل میں کراہت سی ہوئی کہ یہ کیوں آئیں، میں یہ سمجھی کہ ان کے حسن و جمال کا اثر قلب مبارک رسول پر بھی ویسا ہی موثر نہ ہو جیسا مجھ پر ہے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یقیناً یہ ابن اسحق کی ذاتی رائے ہے۔لیکن ابن ہشام ابن اسحق کا یہ قول ہم نے دیکھ لیا ہے سیاق عبارت سے ابن اسحق کا خاص قول یا ان کی ذاتی رائے ذرا بھی معلوم نہیں ہوتی۔ص170

یہ فطرت نسوانی کا مقتضٰی ہے۔اور اس سے اس صنف نازک کی براءت دشوار ہے۔

بہر حال جویریہ کی درخواست پر ارشاد ہوا کہ اس سے بھی اچھی تجویز تمہیں بتلاؤں اگر تم قبول کرو۔جویریہ نے عرض کی بتلائی جائے۔کیوں نہیں قبول کروں گی۔ارشاد ہوا میں تمہاری مکاتبت کا کل روپیہ ادا کر دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم مجھ سے عقد کرلو۔جویریہ راضی ہو گئیں۔روپیہ ادا کر دیا گیا اور ان سے عقد کر لیا گیا۔

یہ روایت ابن اسحق کی ہے مؤرخین میں ابن ہشام نے اور محدثین میں ابوداؤد صاحب سنن نے اسی کو لکھا ہے لیکن شبلی صاحب امام مندہ کے استاد سے ایک روایت لکھتے ہیں جو اس سے زیادہ واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہے۔امام مندہ کی یہ روایت وہ حفظ ابن حجر کی فتح الباری سے نقل کرتے ہیں جو صحت واعتبار کے لحاظ سے بھی زیادہ قابل اعتبار ہے۔وہ یہ ہے۔

اصلی واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ کا باپ حارث (پھر وہی اردو کی غلط ترکیب؟) رئیس عرب تھا۔حضرت جویریہ جب گرفتار ہو کر آئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔میری شان اس سے بالاتر ہے۔آپ نے فرمایا کہ یہ بہتر نہ ہوگا کیا خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تیری مرضی پر رکھا۔دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔یہ وہ حدیث ہے جو حافظ ابن حجر نے ابن مندہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد نے ان کا زرفدیہ ادا کر دیا اور جب یہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔سیرۃ النبی ص307

حضرت جویریہ سے نکاح فرمالینے کی یہ برکت ہوئی کہ تمام مسلمانوں نے اسیران بنی المصطلق کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ جس قبیلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قرابت قائم کی ہم ان کو اپنا خادم و مملوک بنانا ترک ادب سمجھتے ہیں۔مسلمانوں کا یہ شاندار ایثار ان کی عقیدت کا آج تک یادگار ہے۔

حضرت عائشہ پر غلط اتہام یا قصہ افک

حضرت عائشہ کے افک کا بھی یہی موقع ہے۔جس کی طوالت کو اس موقع بیان سے مناسبت نہیں۔وہ حضرت عائشہ کے خاص حالات میں بیان ہوگا۔لیکن اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ ان پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ بالکل غلط اور بے اصل نکلا۔

غزوہ خندق یا جنگ احزاب

(23 ذی قعدہ سن 5 ہجری)

واقعہ بدر ہی کے بعد سے مخالفت اسلام اور استحصال اہل اسلام کی تمام قبائل عرب میں جیسی جیسی سازشیں ہورہی تھیں اور واقعہ احد سے مدینہ پر حملہ آوریوں کی مختلف اقوام وقبائل میں جو جو تیاریاں تجویز ہورہی تھیں وہ انفرادی قالب بدل کر مجموعی پیکر میں جلوہ گر ہو گئیں۔ اور مختلف مقامات میں جلوہ آراء ہونے کی جگہ خاص مدینہ کی زمین پر ایک عظیم الشان اور طول طویل محاصرہ کی صورت میں واقع ہوئیں۔ جو اسلامی اور غیر اسلامی کتابوں میں آج تک غزوۂ خندق یا جنگ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ عرب کے تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استحصال کے لیے آمادہ ہوکر آئیں تھیں۔ غزوہ خندق اس وجہ سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کفار سے مدافعانہ مقابلہ فرمایا تھا جیسا کہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

کفار عرب کی استحصال اسلام کے لیے یہ عظیم الشان سازش تھی۔ اور مشرکین قریش مکہ کا مقابلہ اسلام میں آخری کوشش اس عظیم الشان سازش میں قریش و یہود کے عناصر غالب تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مہم بالشان سازش کے اصل مہتمم وہی تھے جنہوں نے صرف اسلام کی عام مخالفت اور استحصال پر عرب کے تمام قبائل واقوام کی چوبیس ہزار جمعیت ایک مقام پر جمع کردی تھی۔ اس عظیم الشان سازش کی تفصیل یہ ہے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی نے ان کی قدیم ہستی کو یثرب کے علاقہ میں گویا فنا کردیا تھا۔ اس کا انہیں جتنا قلق ہوگا وہ بیان کا محتاج نہیں۔ ان غیر متحمل صدمات سے بے حد متاثر ہوکر رؤساء بنی نضیر سلام بن ابی الحقیق۔ حی بن اخطب اور کنانہ بن الہب وغیرہ اکٹھا ہوکر مکہ میں ابوسفیان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اگر قریش استحصال اسلام میں ہمارے ہم دوش ہوجائیں تو ابھی ہم اسلام کو مٹادیں۔

ابوسفیان کے لیے اس سے بڑھ کر مژدہ جاں فزا اور کیا ہوسکتا تھا۔ اس نے فوراً قبول کرلیا۔ تمام عمائد قریش رفتہ رفتہ جمع ہوگئے۔ اور خانہ کعبہ میں بیٹھ کر عہد وقسم اور حلف و پیمان کے ساتھ فی ما بین معاہدہ ہوگیا۔ مکہ سے اٹھ کر رئیسان یہود قبیلہ غطفان میں پہنچے۔ وہ بھی گویا تیار بیٹھے تھے۔ اس پر ان لوگوں (یہودان بنی نضیر) کے اس وعدہ نے کہ اگر وہ ان کے شریک ہوجائیں گے تو علاقہ خیبر کا نصف خراج ان کو برابر ملتا رہے گا۔ اور بھی بنی غطفان کو مستعد کردیا۔ غطفان جب اس سازش میں خود شریک ہوگئے۔ تو انہوں نے اپنے حلیف قبیلہ بنی اسد کو بھی اپنی طرف خود سمیت لیا۔ اور وہ اپنی امدادی جمعیت کے ساتھ آکر ان سے مل گئے۔

بنوسعد کا کثیر التعداد قبیلہ یہودیوں کا خاص حلیف تھا۔ یہودیوں نے ان کو بھی بلا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہود کی طرح قریش نے بھی اپنے متفرق اجزا کی شیرازہ بندی کرلی۔ قبیلہ بنوسلیم کے تمام لوگوں کو دعوت دے کر بلالیا اور اپنی جمعیت میں ملا لیا۔ اور اسی طرح مخالفت اسلام کا یہ مجموعہ تیار کیا گیا جس کی تعداد چوبیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔

بنوقریظہ سے شکایت

اتنے کثیر سامان پر بھی اطمینان نہ ہوا تو بنی قریظہ سے ریشہ دوانیاں شروع کیں ۔ بنی قریظہ اس وقت تک غیر جانبدار تھے اور ابھی چند دن پیشتر وہ اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح میں داخل ہو چکے تھے۔اس بنا پر وہ خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے اس دشواری کے دفع کرنے کے لیے حی بن اخطب خود کعب بن اسد کے پاس گیا جو قریظہ کا رئیس تھا۔کعب نے پہلے تو اتنی احتیاط برتی کی حی بن اخطب کے ملنے سے بھی انکار کر دیا اور جب طوعاً و کرہاً ملا بھی تو کہہ دیا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے آج تک کوئی خلاف وعدگی یا نقص پیمانی نہیں مشاہدہ کی ۔ ایسی حالت میں اپنی طرف بدعہدی نامردی ہے۔'' آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ پھر حی بن اخطب کی سحر بیانی سے یہودیوں کی طرف سے موم اور مسلمانوں کی طرف سے پتھر ہو گیا۔اور مخالفت اسلام پر تیار ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی قریظہ کی بدعہدی کی خبر ملی ۔ تو آپ نے تحقیق احوال کی غرض سے سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا اور تاکید فرمادی کہ ان کے نقض عہد کی خبر لے کر بھی جب ہمارے پاس آنا تو اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے۔اس لئے کہ قریظہ کی علیحدگی کی خبر پا کر فوج اسلامی میں انتشار نہ بڑھے اور بے دلی نہ پیدا ہو جائے۔

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ جب کعب بن اسد کے پاس پہنچے تو اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔اسلام کی طرف سے گویا بہرا بیٹھا ہوا تھا۔اور مخالفت کے جنون میں دارفتہ ہو رہا تھا۔ان لوگوں کے ذرا سے استفسا پر فوراً برس پڑا اور کھلے کھلے الفاظ میں کہنے لگا۔ہم نہیں جانتے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کون ہیں؟ اور ان کا معاہدہ کیا چیز ہے؟

دربارِ رسالت کے دونوں ایلچی اس کا جواب صاف سن کر واپس آئے۔اور بڑے حزم و احتیاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے حقیقت حال عرض کر دی۔

بنی قریظہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اپنی کثیر التعداد جمعیت سے مل گئے۔تو اب گویا تمام عرب کی 24 ہزار سے زیادہ جمعیت کا متحدہ لشکر سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا۔اور عالمگیر سیلاب کی طرح چشم زدن میں مدینہ طیبہ کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گیا۔اس کی آمد سے سارا شہر دہل گیا۔قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر آیا ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۝

(سورہ احزاب)

جب دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف آ پڑے اور جب آنکھیں ڈگ گئیں اور کلیجے منہ میں لگ گئے۔اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آ گیا۔اور وہ

سب کے سب زور زور سے لرزنے لگے۔

لرزنے کی بات ہی تھی۔ مسلمانوں میں سب ہی تو شیر دل اور قوی ہمت نہیں تھے۔ وقت ہی ایسا تھا۔ موجودہ حالات بھی ایسے ہی تھے۔ جو اضطراب قلبی کو بڑھا رہے تھے۔ مٹھی بھر مسلمانوں پر سارا رعب ٹوٹ پڑا تھا۔ تمام معین و مددگار غایت و استعانت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور چوبیس ہزار سے زائد جمعیت والی فوج گراں کا مقابلہ تھا۔ اگر پہلی تیاریوں میں نہیں تو اب کی بار خود مسلمانوں کی نگاہوں میں استحصال کے خطرے دکھلائی دے رہے تھے۔ لیکن ہر شخص

وَاللّٰہُ یَضْمَلُ مَا یَشَآءُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔

جو اللہ چاہے گا کرے گا وہی سب چیزوں پر قادر ہے۔

پر تکیہ کر کے خاموش تھا۔

قریش کا لشکر عظیم تین حصوں پر منقسم تھا۔ قبیلہ غطفان، عینیہ بن حصین فرازی کے ماتحت رکھا گیا۔ قبلیہ غطفان میں بنو اسد وغیرہ کا رئیس تھا۔ قریش اور ان کے تمام قبائل وعشائر اور ہم معاہدہ قوموں کا سردار عثمان ابن طلحہ بن ابی طلحہ تھا اور ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار کل یا کمانڈر ان چیف تھا۔

خندق کھودنے کی تجویز اور حضرت سلمان کے محاسن خدمات

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جب اس لشکر عظیم کی خبر مدینہ میں ملی تو آپ نے ایک مجلس خاص میں صحابہ سے مشاورت فرمائی۔ حضرت سلمان الفارسی ایرانی نژاد تھے۔ اپنے ملک وقوم کی بڑی بڑی لڑائیاں۔ طرز جنگ اور طریق مقابلہ دیکھے ہوئے اور خندق کھود کر غنیم سے لڑنے کی ترکیبوں سے خوب واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے ملک کے دستور کے موافق عرض کی کہ اپنی قلت اور غنیم کی کثرت کے موقع پر ملوک ایران خندق کھود کر مقابلہ کرتے ہیں اور اس ترکیب وتدبیر سے اپنے کثیر التعداد غنیم کے مقابلہ میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

صلاح نیک تھی اور تجویز مناسب۔ بلا اختلاف منظور کر لی گئی۔ مسلمانوں کی تمام وکمال جمعیت تین ہزار سے زائد نہیں تھی۔ سب کے سب ایک جگہ جمع ہوئے اور بلا امتیاز واختصاص ہر شخص مزدور بن گیا پھاوڑا لے کر خندق کھودنے لگا اور مٹی پھینکنے لگا۔ سرور کائنات بھی انہیں مزدوروں میں تھے۔ چونکہ شہر کے تین طرف مکانات اور نخلستان ایسے کثیر اور عظیم الشان تھے۔ جو شہر پناہ کی ضرورت کا کام دیتے تھے۔ شہر کا اکیلا شامی رخ بالکل کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی طرف خندق کھودی جانے کا حکم دیا۔ اور کام شروع ہو گیا۔

خندق کھودنے کا انتظام یوں کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق تیار کرنے کے لیے زمین تقسیم کر دی گئی۔ یہ تمام جماعتیں بڑی مستعدی اور کامل تہذیبی سے کام کرنے لگیں۔ انہیں جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص

ذات اقدس بھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے تھے اور برابر پھینکتے جاتے تھے۔ اتفاقاً کسی حصہ زمین پر ایک پتھر کی چٹان نکل آئی۔ سارے مسلمانوں نے ہزار زور لگایا۔ لیکن وہ پتھر نہ ٹوٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ اپنا کام چھوڑ کر پھاوڑا لئے آئے اور ایک ضرب اس پتھر پر لگائی کہ وہ چور چور تھا۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں یہ زور رسالت تھا۔ ہم ان کو یاد دلاتے ہیں جسمانیت سے کیا واسطہ۔ یہ روحانیت کی قوت تھی جس کے ذکر مخصوصہ کو آپ برابر قلم انداز کرتے آتے ہیں۔

رسالت کی مزدورانہ شان آج نئی نہیں تھی۔ اس سے قبل مسجد نبوی کی تیاری کے وقت بھی پیکر رسالت اسی شان خاص میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ تمام صحابہ ومہاجر وانصار بلا خیال مراتب مٹی کھودتے جاتے تھے اور اپنے فرائض کی ادا کاریوں کی خوشی میں ہم آواز ہو کر کہتے جاتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا علی الاسلام ما بقینا ابدا

ہم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت اسلام کی ہے اور ہم ہمیشہ اس پر قائم رہیں گے۔

ان خوش آئند نغمہ ہائے عقیدت کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسی ہیئت وشان سے کہ گرد وغبار سے عبائے رسالت آلودہ تھی۔ یوں رجز خوان تھے۔

والله لو لا الله ما اهتدانا ولا تصدقنا ولا صلينا فانزلنا سكينة علينا وثبت الاقدام ان لاقينا ان الاولی قدبغوا علینا اذا ارادوا فئة ابینا

اگر خدا نے ہمیں ہدایت خاص نہ عطا فرمائی ہوتی تو ہمیں صدقہ دینے کی اور نہ نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی۔ خدا نے ہم لوگوں پر سکینہ الٰہی نازل فرمایا۔ اور اس نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی کہ ہم اس کی لقائے قدرت سے مشرف ہوں وہی ہمارا سب سے بہتر مددگار ہے اور ان کی مخالفت کے موقع پر جنھوں نے ہم سے بغاوت کی۔ ہم پر حملہ کا قصد کیا اور ہمارے دین سے انکار کیا۔

تمام مؤرخین ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ انبیا پر پہنچ کر آپ آواز کو بلند فرمادیتے تھے۔ اور اسی لفظ کو باتکرار کہتے تھے۔ سیرۃ النبی بحوالہ البخاری

اسی رجز کے ساتھ مہاجر وانصار کے لیے دعائے خیر بھی فرماتے جاتے ہیں۔

اللّٰھم انہ لاخیر الاخیر الآخرہ فبارك فی الانصار والمهاجرین

پروردگار! کوئی خیر عاقبت کی خیر سے بہتر نہیں ہے تو انصار اور مہاجرین کے امور میں برکت عطا فرما۔

یاد ہوگا کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں سب سے زیادہ حضرت عمار بن یاسر کے کام کرنے کی خصوصیت لکھی گئی ہے۔ اسی طرح خندق

کھودنے میں حضرت سلیمان الفارسی کی محنت شاقہ خصوصیت سے لکھی گئی ہے۔ جناب سلمان روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر تیار کرتے تھے۔ اور ہر شخص ان کی اس محبت اور اس عجلت سے کام تمام کرنے پر تعجب کرتا تھا۔ چونکہ اس فن خاص میں یہ مہارت کامل رکھتے تھے۔ اس لئے ہر شخص انہیں کی ہدایت خاص سے کام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مہاجرین نے کہنا شروع کیا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ انصار نے سنا تو کہا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ سلمان سن کر خاموش تھے۔ لیکن حقیقتاً جس کے تھے۔ جب اس نے سنا تو ارشاد فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ۔ سلمان تو ہمارے اہل بیت کے ایک فرد خاص میں ہیں۔ طبری ص1486 روضۃ الاحباب ص316

مدبر قدرت ایک طرف تو اہل ایمان کی حمایت و نصرت کا سامان کرتے تھے۔ دوسری طرف ابتلا و مصیبت میں ان کی جگر داری و پاداری کا امتحان بھی لیتے جاتے تھے تفصیل یہ ہے۔

منافقین کی علیحدگی

مدینہ میں مہینوں پہلے سے قحط تھا۔ خرمے کی پوری فصل ماری گئی تھی۔ اس لئے خوراک کی کمی تھی۔ عرب کی فوجوں کی ہلچل کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی بالکل منقطع تھا۔ تمام عسرت تنگی اور فقر و فاقہ تھا۔ اس پر مزید دن رات تند و تیز ہوا اور ابر و باران کئی کئی دن کا فاقہ دن بھر پتھریلی زمین کا کھودنا۔ ایسا سخت اور دشوار گزار کام تھا کہ بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ہلے جاتے تھے۔ جی چھوڑے جاتے تھے۔

مسلمانوں کے ساتھ ابھی تک فوج منافقین بھی شمار میں داخل تھی۔ سب سے پہلے وہ ان تکلیفوں سے عاجز آ کر پہلو بچھا نکنے لگے اور کھلے کھلے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کہنے لگے کہ ہم تو شہر میں واپس جائیں گے ہمارے گھر اور بال بچے محفوظ نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے حیلوں کا یہ ذکر ہے۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ (احزاب)

کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں۔ وہ کھلے تو نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو خود بھاگ جانا مقصود ہے۔

رحمت عالم کے پاس ان کی مکارانہ درخواست پر۔ سوائے ایجاب و منظوری اور کیا تھا۔ شہر میں لوٹ جانے کی اجازت مل گئی اور وہ سب کے سب ایک بار چلے گئے۔ لشکر اسلام کے موجودہ مجموعہ میں اور کمی آ گئی۔ پھر کیسے نازک موقع پر دشمن کے لشکر گران کی آمد کا یہ عالم تھا کہ اب آیا اور اب آیا۔

ان کا چلا جانا کوئی نئی بات تو تھی ہی نہیں۔ غزوہ احد میں بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ ان کے چلے جانے سے بظاہر تو مسلمانوں کا کچھ بگاڑا نہیں لیکن اکثر اہل اسلام ان کی تفریق کے اثر سے خالی بھی نہیں رہے۔ اکثر نرم دل مسلمان کچھ تو بالطبع خائف ہو کر اور کچھ بھوک، پیاس شدت کی سردی اور رات دن کی ہوائے تند سے عاجز آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ اور بھوک کی شدت رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے۔ تصدیق بیانات کے لیے اپنے پیٹ کھول کر دکھلائے۔ جو پیٹھ سے لگ کر تختہ ہو رہے تھے۔ اور بھوک کی شدت روکنے کے لیے غریبوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ بھوک کی شدت روکنے اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اس وقت یہی کیا تھا۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کی یہ حالت زار دیکھ کر بے حد ملول ہوئے۔ لیکن آپ نے جب ان کے سامنے اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر اپنا شکم مبارک دکھلایا تو ان کے دیدہائے حقیقت کھل گئے۔ دیکھا کہ رسول کے پیٹ پر ایک کی جگہ دو دو پتھر بندھے ہیں۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی؟ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب نادم ہو کر عرض خدمت کرنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور ہم سے زیادہ بھوکے ہیں۔ تو ہم کبھی مدعا کے اظہار کی جرأت نہ کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ہر حالت میں ہمیں اور تمہیں خدا کے حکم پر قائم اور اس عنایت و کرم پر متوکل رہنا چاہیے۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تیسرا فاقہ تھا۔ اس لئے کہ تین دن سے اس قدر مشغولیت بڑھی ہوئی تھی کہ دولت سرا تک جانے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اور عسرت و تنگی کی وجہ سے ازواج مطہرات بھی کوئی سامان نہ کر سکیں۔ اس کی خبر جناب فاطمۃ الزہراؐ کو ملی تو بے تاب ہو کر ایک پارہ نان جو گھر میں موجود تھا لے کر حاضر خدمت ہوئیں۔ امام الحرمین علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبیٰ میں لکھتے ہیں:

عن علی قال کُنّا مع النبی صلی اللہ عیلہ وآلہ وسلم فی حفر الخندق اذ جاء تہ فاطمۃ بکرۃ من خبز وقالت اخبزت لا بنی جئتک منہ ھذہ الکرۃ فقال بینۃ انہا لاول الطّعام دخل فی فم ابیك منذ ثلاثۃ ایام۔

حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہؑ آئیں ان کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرنے لگیں کہ میں نے اپنے دونوں بچوں کے لیے روٹی پکائی تھی۔ اس میں سے یہ ٹکڑا آپ کے لیے لائی ہوں۔ تناول فرمایا جائے۔ آپ نے وہ پارۂ نان لے کر ارشاد فرمایا: بیٹی! یقین جان کہ تین دن کے فاقہ کے بعد یہ پہلی خوراک ہے جو تیرے باپ کے منہ میں پڑی ہے۔ بحوالہ ینابیع المودہ امام سلیمان القندوزی مطبوعہ حی ص 145

مقابلہ قریش کا انتظام

الغرض خندق کھد کر تیار ہو گئی۔ قریش کا ٹڈی دل لشکر بھی آ گیا۔ اور انہوں نے مدینہ کو نگینہ کی طرح بیچ میں لے لیا۔ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اپنے اور صحابہ کے عیال کو قلعہ میں بھیج دیا اور حسان بن ثابت کو ان کی حفاظت پر تعینات کیا۔تمام لشکر خندق کے پاس پار جمع ہوا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جبل سلیع کی جو بالکل متصل تھا۔پشت پر لے کر صف آرائی کی لشکر اسلامی تین حصوں پر تقسیم کیا گیا۔اور خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا۔

ایام محاصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتی تکلیفیں

محاصرہ کی مدت کے ساتھ شدت بھی بڑھتی جاتی تھی۔دن کی ہوائے تند کے بعد رات کی سردی قیامت برپا کردیتی تھی۔اس پر پانی پڑنے لگتا تھا تو تکلیف ومصائب میں اور اضافہ ہوجاتا تھا۔ایک بار رات کو ایسے ہی پانی برستا تھا اور زوروں سے ہوا چلتی تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے حملہ کا اندیشہ ہوا تو آپ نے تحقیق کرنی چاہی۔خیمہ کے اندر ہی سے آواز دی۔سب اپنے اپنے خیموں میں سردی کی وجہ سے لٹے پڑے تھے۔کوئی نہ بولا۔زبیر بن العوام جاگ رہے تھے۔لبیک کہتے ہوئے دوڑے۔آپ نے ان کو تحقیق حال کے لیے حکم دیا۔یہ گئے اور واپس ہوکر عرض کی کہ غنیم کی جمعیت میں چاروں طرف بالکل سناٹا ہے۔کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔امام بخاری لکھتے ہیں کہ اس خدمت کے عوض میں آپ نے زبیر بن العوام کو حواری کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔

محاصرہ کو تین ہفتے گزر چکے تھے۔کفار کی بے شمار فوج چاروں طرف سے شہر کو گھیرے تھی۔مدینہ بتیس 32 دانتوں میں ایک زبان کی طرح گرفتار تھا۔تمام شہری طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھے۔جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات رات بھر عالم اضطراب میں بے دار رہتے تھے۔نظر اقدس ہمیشہ غنیم کی نقل وحرکت پر رہتی تھی۔جہاں سے اندیشہ ہوا وہیں فوری حفاظت ومدافعت کا انتظام کردیا گیا۔

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں اکثر غزوات،ترسیع،خندق،خیبر،حدیبیہ،فتح مکہ اور حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ تھی۔لیکن کسی غزوہ میں آپ کو ایسی تکلیف اور اتنا اضطراب نہیں ہوا تھا جتنا خندق میں۔رات بھر جاگتے کٹ جاتی تھی۔ہمیشہ باہر نکل نکل کر ہر مورچے پر خود تشریف لے جاتے تھے اور نگہبانوں اور پاسبانوں کو خود دیکھ آتے اور ہوشیار کرآتے تھے۔

عباد بن بشر کی خدمات

کفار دن سے زیادہ رات کو ستاتے تھے۔خندق کے کنارے پر تاریکی میں پتھر اور تیر اس زور سے برساتے تھے کہ آدمی کو راہ چلنا دشوار تھا۔ان کے پتھر خیمہ اقدس تک آ آ کر گرتے تھے۔ایک رات کو صبح کے قریب خندق پر زور سے شور وغوغا ہونے لگا۔اس دن رات کو خیمہ اقدس کی پاسبانی عباد بن بشر کے متعلق تھی۔اور وہ اپنے ماتحت دستہ فوج کے ساتھ پہرہ پر تھے۔شور وغوغا سن کر آپ نے عباد کو آواز دی۔وہ حاضر ہوئے حکم ہوا خبر لاؤ۔وہ اپنے رفقا کے ساتھ گئے اور آپ مضطرب ہوکر خیمہ کے دروازے پر عباد کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔یہاں تک کہ عباد آئے اور بیان کرنے لگے کہ ابوسفیان اپنے چند رفقا کو ساتھ لے کر شبخون کے ارادہ سے خندق کے پار ہونا چاہتا تھا۔لیکن مسلمانوں نے دیکھ لیا اور وہیں روک دیا۔اس اثنا میں خادم بھی اپنی جمعیت کے ساتھ پہنچ گئے اور ابوسفیان کی جماعت کو

اپنے تیروں کے نیچے رکھ لیا۔ اور اس قدر تیر برسائے کہ آخر اس موذی کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔ اور وہ ناکام رہ کر لوٹ گیا اور اب کوئی اندیشہ نہ رہا۔ حضورؐ اطمینان سے آرام فرمائیں۔ یہ روئداد سن کر آپ نے ارشاد فرمایا اللّٰھم ارحم عباد بن بشر۔ خدایا عباد بن بشر پر رحمت نازل فرما۔ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ اسی کے بعد آپ تھوڑی دیر کے لیے آرام فرما گئے۔ پھر بلال نے اذان دی تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خیمہ سے باہر نکل کر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی۔ صلو علیہ وآلہ روضۃ الاحباب ص223)

انصار کا کمال استقلال

محاصرے کے طول سے تمام مسلمان گھبرا گئے تھے۔ رسد کی قلت، بھوک کی شدت، ہوا، پانی اور سردی کی تیزی اور سختی نے ان کے ہوش وحواس پریشان کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے جاگیرداروں کے کلیجے پانی ہوئے جاتے تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم لشکر کی حالت ابتر دیکھ کر سخت متردد تھے۔ قبیلہ غطفان سے جن کو یہود خیبر کے نصف محاصل کی شرط پر اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس شرط پر مصالحت کی سلسلہ جنبانی کی گئی کہ وہ خیبر کی جگہ مدینہ کی نصف پیداوار لے لیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ راضی ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے رؤسائے انصار سعد بن معاذ وسعد بن عبادہ سے اس امر خاص میں مشاورت فرمائی۔ دونوں نے مقتضا سے اخلاص مندی اور انتہائے غیرت سے عرض کی کہ یہ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے ایام جہالت میں تو اس ذلیل قبیلہ کو ایک کوڑی خراج میں دی نہیں۔ اب ایسی حالت میں کہ خدا کے فضل وکرم اور اسلام کے فیض قدم کی بدولت ہم ان سے ہر طرح خوشحال ہیں طاقتور ہیں۔ صاحب اقتدار واختیار ہیں۔ تو اب ان کو خراج دے کر کیونکر اس بے عزتی کا داغ لگا سکتے ہیں۔ اگر یہ مصالحت خدا کے حکم سے کی جاتی ہے تو ہمیں کوئی عذر نہیں۔ اور اگر کسی کی تحریک سے یہ تجویز تو ہمیں منظور نہیں۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو تمہاری نشانیوں اور غیر اطمینانیوں کو جلد رفع کر دینے کے خیال سے یہ تدبیر نکالی تھی۔ تم جب خود مطمئن ہو تو اب تم سے زیادہ مجھے اطمینان ہے۔ اس کے بعد معاہدہ کا کاغذ سعد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کی لکھی ہوئی عبارت مٹادی۔ طبری ص1474

حضرت صفیہ کی مردانہ وار جرأت ودلیری

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک قلعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے عیال اور صحابہ کے عیال کو رکھ کر حسان بن ثابت کو ان کی حفاظت ونگرانی پر مقرر فرمادیا تھا محاصرہ ومقابلے والے دن بنی قریظہ نے مستورات کے قلعہ پر جو ان کی جائے سکونت سے متصل تھا۔ نامردانہ وار حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک یہود قرقلی اس غرض سے چل کر قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اور قلعہ میں اندر جانے اور حملہ کرنے کے موقع ڈھونڈنے لگا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب آپ کی پھوپھی نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت پر حسان بن ثابت تعینات تھے۔ ان سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے دے گا۔ حسان شاعر بالطبع میدان خیال کے مرد تھے۔ نہ میدان قتال کے، اس کے علاوہ بقول شبلی صاحب ان کو ایک عارضہ ہو گیا تھا۔ جس نے انہیں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے حضرت صفیہ سے اپنی مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا۔

یہ سن کر حضرت صفیہ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور قلعہ سے اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔حضرت صفیہ قلعہ پر چلی آئیں اور حسان سے کہنے لگیں کہ اس کے ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔حسان بولے جانے دیجئے۔ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔حضرت صفیہ نے کہا: اچھا اس کا سر کاٹ لاؤ۔اور قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی ہوئی۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے۔اس خیال سے پھر کسی نے حملہ کی جرأت نہ کی۔سیرۃ النبی ص315 بحوالہ زرقانی باسناد طبرانی ابویعلی بسند صحیح جلد دوم ص129۔

محاصرے میں یہود کی شرارت

محاصرے میں کفار بڑی شدت کرنے قوت دکھلانے اور مسلمانوں کو ستانے اور مرغوب بنانے کی غرض سے خاص سے انواع اقسام کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔خندق ایسی حائل تھی کہ اس پار آنے سے تو مجبور تھے۔لیکن تاہم اس پار خندق کے کنارے روزانہ کھڑے ہو کر مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برساتے تھے۔بعض دریدہ دہن، بزدل سخت کلاسیوں اور بدزبانیوں سے اپنے دل کے بخار نکالتے تھے۔لیکن مسلمان بھی باوجود اتنے مصائب کے بھی ان کے ہمیشہ کلمہ کلہ جواب دیتے تھے۔قرآن مجید میں اس کی طرف ان الفاظ کے ساتھ ارشادات فرمائے گئے ہیں۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝۲۲ (احزاب)

جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے تھے اور اس نے ان کے یقین و اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

باہمی مقابلہ اور عمر بن عبدود کی آمد،فوج اسلام پر اس کا رعب وسطوت

محاصرے کی سختی اور طول سے اکیلے محصورین اسلام ہی نہیں گھبرا گئے تھے۔مشرکین عرب بھی تکلیف سفر، دیارغیر، اور روزانہ ناکامیابیوں سے خستہ اور بے دل ہو رہے تھے۔ایک مخالفت اسلام دل سے ایسی لگی تھی جو رہ رہ کے ان کو تازہ دم کر دیتی تھی۔آخر کار کفار نے روز روز کی کشمکش کو یکسو کر دینے کی یہ ترکیب نکالی کہ تیئس 23 محرم سن 5 ہجری کو عمر بن عبدود کو جو عرب کا مشہور رستم دستان تھا۔ایک دستہ فوج کے ساتھ فوج اسلامی سے خاتمہ کن جنگ کرنے کے لیے صبح ہی سے بھیج دیا۔ یہ دستہ فوج عرب کے انتخابی نبرد آزمایوں کا لشکر تھا۔ جس میں عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور مرداس الحارابی وغیرہم شامل تھے اور پہلوانوں کا یہ دستہ دو مشہور شجاعان عرب ضرار بن الخطاب (حضرت عمر کے بھائی) اور نوفل بن عبداللہ کے زیر کمان تھے۔

کفار کا یہ جرار دستہ بڑی دلیری کے ساتھ بڑھتا ہوا لشکر اسلامی کے سامنے اس مقام پر آ کھڑا ہوا جہاں خندق کا عرض نہایت کم تھا

اور اپنے جوش ہمیت میں خندق کے اس پار ہو جانے کا پورا ارادہ کرلیا۔ سوء اتفاق سے لشکر اسلام عمر بن عبدود کی صورت دیکھتے ہی اپنی طرف سے ایسی مرعوبیت، خوف اور بے دلی کا اظہار کیا کہ کوئی بھی اس بڑھتی ہوئی سیل کو نہ روک سکا۔ عمر بن عبدود معرکہائے جنگ کا تجربہ کار تھا۔ سمجھ گیا کہ مقابل پر ہماری سطوت کے سکے جم گئے۔ پھر کیا تھا گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ خندق کے اس پار تھا۔

خندق کے اس پار آ کر جس کے لئے تیئیس 23 دنوں سے روزانہ کوششیں کی جاتی تھیں۔ عمرو بن عبدود نے یقین کرلیا کہ اب کیا ہے۔ جنگ کا میدان لے لیا۔ اور اس کا میابی کی پر جوشی میں آواز بلند سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ پہلے ہم عمر بن عبدود کے مختصر حالات شبلی صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے رعب وخوف سے لشکر اسلام میں جو عالم اضطراب طاری ہوا تھا بیان کریں گے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمر بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس کی تھی۔ سیرۃ النبی ص 113

عمر بن عبدود کی سطوت آج ہی سے نہیں بلکہ سالہا سال سے اہل عرب کے دلوں پر جمائے تھی۔ یہ تو ان کا اتفاقی مسئلہ تھا کہ وہ تنہا ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ پھر ہزار کے مقابلہ میں لشکر اسلامی میں بھلا کون ایسا کلیجہ والا تھا جو اس کے مقابلہ کو اکیلا نکلتا۔ سب کے دلوں میں پنکھے لگے تھے۔ دلوں میں کپکپی پڑی تھی۔ فوج کے اس طرف سے اس طرف خوشی کا ایک عالم تھا۔ ہر شخص سر سے پاؤں تک جان کے خوف میں مبتلا تھا۔ محدث شیرازی ان کے عام اضطراب کو ان چند الفاظ میں لکھ کر دکھلاتے ہیں۔

یاران رسول ہمه ایستاده بودند و ہیچ نمی گفتند کانما علی روسهم الطیر چه دلاوری و شجاعت عمر بن عبدود رامی دانستند

تمام اصحاب رسول کھڑے تھے۔ اور کچھ نہ بولتے تھے۔ جیسے ان کے سروں پر جانور بیٹھا ہو۔ کیونکہ وہ عمر بن عبدود کی دلا آوری وشجاعت کو جانتے تھے۔

معارج النبوۃ اور حبیب السیر وغیرہ کی مرویات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کی آواز کو پہچان کر کہا یہ تو عمر بن عبدود ہے مجھے اس دیو عرب کی بینظیر شجاعت ودلیری کا خود تجربہ ہو چکا ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ ایک بار سفر میں میرا اس کا ساتھ ہو گیا۔ اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا۔ اثنائے مقابلہ میں اس کی سپر ٹوٹ گئی۔ تو فوراً ایک اونٹ کے بچے کی ٹانگ تھام کر اس کو اپنی سپر بنا لیا اور قزاقوں کے وار روکتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام قزاقوں کو اسی ایک نے مار بھگایا۔ میں اس کی عظیم طاقت وشجاعت دیکھ کر حیران ہو گیا۔

ایک تو تمام فوج اسلام پر یونہی خوف طاری تھا۔ اس چشم دید واقعہ کی نقل نے اور حواس باختہ کردیئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی بینظیر مبادرت اور عمر بن عبدود سے مبازرت

تمام محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ لشکر اسلامی نے خوف وبیم، اضطراب والتہاب، خاموشی و پست ہمتی کے خلاف حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ؑ نے عمر بن عبدود کی آواز سنتے ہی خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں عرض کی میں اس سے مقابلہ کروں گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن شبلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

عمر بن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا کہ میں ہوں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے روکا۔ اور کہا کہ یہ عمر بن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک نبرد آزما اور تجربہ کار مرد میدان ہے اور تم تو مشق دلیر۔ برابر کا جوڑ نہیں۔

تھوڑی دیر اور مقابل کا انتظار کر کے عمر بن عبدود نے پھر بڑے زوروں سے مبارز طلبی کی۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلامؑ نے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ سرور کائنات کا پھر وہی جواب تھا۔

عمر بن عبدود نے پھر کچھ انتظار کر کے تیسری بار ایک گرج دار آواز میں پکارا۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ؑ نے پھر یوں سے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں اجازت حرب کی درخواست کی پھر ارشاد ہوا کہ یہ عمر بن عبدود ہے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے جواب میں عرض کی کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ یہ عمر بن عبدود ہے۔ غرض آپ نے اجازت دے دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا ص313۔

شبلی صاحب کی اختصار پسندی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ آپ کی کوتاہ رقمی اس سے زیادہ تفصیل کی مجوز نہیں تھی۔ اس لئے اتنی ہی پر اکتفا کی گئی۔ لیکن امام ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب مطائب السؤل میں امام الحرمین علامہ طبری الشافعی کتاب ذخائر العقبیٰ میں محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارح النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدود نے تیسری بار ھَلْ مِنْ مبَارِزٍ کا نعرہ مار کر اشعار رجز پڑھے۔

ولقد لحجت من النداء
لجمعکم هل من مبارز
ووقفت اذ حیب اشجاع
بموقف البطل المناجز
و کذلك انی لم ازل
متسرعا نحو الهزاهر
اَنَّ اشجاعة فی الفتی

والجود من خير الغرائز

ترجمہ: تحقیق کہ میری آواز تم لوگوں کوھل من مبارز پکارتے پکارتے تھک گئی۔ جب بہادر نامردی کرتے تھے میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں اسی طرح لوگوں کی طرف دوڑتا تھا کیونکہ جوانمرد کے لیے سخاوت اورشجاعت بہت اچھی صفت ہے۔ارجح المطلب لاہور جلد اول ص218

خدمت رسول سے حضرت علی علیہ السلام کی رخصت

حافظ جمال الدین فضل اللہ محدث شیرازی، خدمت رسول سے حضرت علیؑ کی رخصت ہونے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

پس حضرت خود ذوالفقار رابوے داد وزره خودرا دروے پوشانیدو دستر خود رابر سروے نهد و رواتے آنکه عمامه از برائے وے بست و گفت اللّٰهُمَّ اَعنّه عیله۔ بار خدایا علی رایاری وه برعمر بن عبدود و رجانے آنکه دستهاے خود رابردشت بسوئے آسمان و گفت الٰهی عبید رادرروز بدر از من گرفتی و حمزه اوربوز احداز من جداساختی واین علی ست برادرمن وپسر عم من فَلَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی تلوار خاص ذوالفقار حضرت علیؑ کو عنایت کی اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔ اپنی دستار مبارک ان کے سر پر رکھی۔ اور ایک روایت کے موافق ان کے سر پر دست مبارک سے عمامہ باندھا اور کہا یا خدایا! تو عمر کے مقابلہ میں علیؑ کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا کہ الٰہی تو نے عبیدہ کو بدر کے دن لے لیا اور حمزہ کو احد کے دن مجھ سے جدا کرلیا۔ علی میرا بھائی اور ابن عم ہے تو مجھے تنہا نہ فرما حالانکہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

امام ابن طلحہ الشافعی مطالب السؤل میں لکھتے ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ اس شان سے رخصت ہو کر عمر بن عبدود کے مقابلہ میں اس کی رجز کے جواب میں اپنے یہ اشعار پڑھتا ہوا چلا۔

يا عمرو ويحك قد اتاك
مجيب صوتك غير عاجز
ذونية وبعيرة
والحق منجى كل فائز

انی لا رجوا ان اقیم
علیك النّائحۃ العجآئز
من ضربۃ تفنی و یبقی
ذکرھا عند الھزاھز

ترجمہ: اے عمر! تجھ پر افسوس ہے تیرے پاس وہ آرہا ہے جو تیری آواز کے جواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور صاحب ارادۂ وبصیرت ہے۔ اور سچ ہے کہ ایک فیروز مند کو تجارت دینے والا ہے۔ میں بے شک امید رکھتا ہوں کہ میں بوڑھی عورتوں کے بین تجھ پر جاری کراؤں گا۔ ایک ایسی ضرب سے کہ تو فنا ہو جائے گا اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہ جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام سے عمر بن عبدود سے مقابلہ کے وقت مکالمہ

شبلی صاحب نے بلا رسم معرفت جانبین کے وقت مقابلت مکالمت شروع کر دی ہے۔ حالانکہ یہ عرب کے دستور جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ جسے آپ جنگ بدر میں کفار قریش اور انصار مدینہ کے متعلق خود تفصیل سے اوپر لکھ کر بتلا چکے ہیں۔ چنانچہ اماما ابن طلحہ الشافعی مطالب السّؤل میں مکالمت کی ابتدا معرفت سے یوں کرتے ہیں۔

جب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام عمر بن عبدود کے پاس پہنچے تو اس نے آداب جنگ کے مطابق آپ سے آپ کا حسب ونسب دریافت کیا تو حضرت علیؑ نے کہا میں علی بن ابی طالبؑ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی اور داماد۔ عمر متعجب ہو کر کہنے لگا تم ابی طالب کے بیٹے ہو۔ ابی طالب تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے۔ تم لوٹ جاؤ مجھے یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ میرا نیزہ تم کو زخمی کرے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اے عمر! یہ باتیں چھوڑ دے۔ جو میں کہتا ہوں سن۔ اگر تیرا جی چاہے تو میری بات کو مان لے ورنہ نہیں۔ عمر بولا: کہو کیا کہتے ہو۔ آپ نے کہا: تم عرب میں مشہور ہو کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اس کی درخواست کرنے کے وقت قبول کر لیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں۔ ان میں جو تجھے پسند ہو اس کے مطابق عمل کر۔ عمر بن عبدود بولا کہو۔

پھر جانبین سے یوں مکالمت شروع ہوئی۔

حضرت علی: میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تو دین اسلام کو قبول کر لے اور مرنے کے وقت یہ ہدیہ خدا کے دربار میں اپنے ہمراہ لیتا جا۔

عمر بن عبدود: یہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہے۔

حضرت علی: تو اچھا، جنگ میں قریش کا ساتھ نہ دے اور گھر لوٹ جا۔

عمر بن عبدود: یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مرد ہو کر مکہ کی عورتوں کا طعنہ کون سنے گا؟

حضرت علی: پھر مقابلہ کرلے اور لڑلے۔

غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اپنی بے نظیر شجاعت و طاقت کے غرور میں چور ہو کر جہالت کا سب سے پہلا کام جو عمر بن عبدود نے کیا وہ یہ تھا کہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھلانے کی غرض سے تلوار کا ایک ہاتھ بے زبان اور بے گناہ جانور پر ایسا لگایا کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں اور وہ فوراً گر کر مر گیا۔

اس وحشیانہ حرکت سے عمر کی خاص غرض یہ تھی کہ حضرت علیؑ خصوصاً اور تمام فوج اسلامی اس کی تیز دستی دیکھ کر مرعوب ہو جائے۔ یہ لڑائی کے وہ چٹکلے ہیں جو عمر بن عبدود کے ایسے مشاق اور تجربہ کار نبرد آزما۔ اپنے مقابل پر دھاک جمانے کی غرض سے ضرورت کے وقت عمل میں لاتے ہیں اور انہیں چٹکیوں میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن عمر کا یہ جادو کارگر نہ ہوا۔

بخلاف اس کے کرشمہ قدرت نے اس کا برعکس نتیجہ یوں دکھلایا کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلامؑ کو اس کے مقابلہ میں پہلے سے زیادہ سہولیت اور آسانی ہوگئی۔ کیونکہ عمر پہلے گھوڑ پر سوار تھا اور اب پیدل ہو گیا۔ وہ طویل القامت بھی تھا۔ اور حضرت علیؑ ابتدا ہی سے پیدل تھے اور اس سے قصیر القامت۔ لیکن گھوڑے سے اتر آنے پر اب یہ دشواری جاتی رہی اور مقابلہ برابر کا ہو گیا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

عمر بن عبدود کا قتل

عمر بن عبدود اس مغرورانہ خیالوں میں سرشار تھا کہ مقابل محض ایک کمسن جوان ہے عرب کا کوئی اتنا مشہور اور کٹھن مشق جنگ آزما بھی نہیں۔ برابر کا جوڑ نہیں۔ اس کا مارلینا کوئی بڑی بات نہیں۔ تعجب نہیں کہ اس کے مارلینے سے نیک نامی تو نہ ہو۔ بدنامی ہوان تو ہمات کی بنا پر عمر نے آپ کا جلد خاتمہ کر دینا چاہا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی تلوار کا وار حضرت علیؑ کے سر پر اس شدت سے لگایا کہ گو آپ نے سپر روکا۔ لیکن تاہم اس کی تلوار سپر کو کاٹتی ہوئی آپ کے جبین اقدس پر زخم لگا گئی۔ اور یہ نشان مہر شجاعت بن کر ہمیشہ کے لیے پیشانی نورانی پر قائم رہا۔

ذوالقرنین حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہوا

حضرت علیؑ کے کثیر التعداد القاب میں ایک لقب ذوالقرنین بھی ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلامؑ کو ذوالقرنین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کی پیشانی پر دو تلواروں کی ضربتوں کے نشان تھے۔ پہلا نشان تو یہی تھا۔ دوسرا ابن ملجم کی تلوار کا۔

عمر بن عبدود نے جونہی اپنی تلوار اٹھائی۔ ویسے ہی حضرت علی مرتضیٰؑ نے وہ تلا ہوا ہاتھ لگایا کہ ذوالفقار آبدار شانہ کاٹتی ہوئی پہلو تک اتر آئی اور عمر بن عبدود لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔

زرقانی حضرت علیؑ کی ضربت کی یوں تفصیل کرتے ہیں۔

وطعنه فی ترقوته حتی اخرجها من مراقه فسقط ثم اقبل نحوه صلی الله علیه وآله وسلم وهو متهلل فقال عمر بن الخطاب هلا سلبته درعه فانه لیس فی العرب درع خیر منها فقال انه حین ضربته استقبلنی بسوأته فاستحییت

حضرت علیؑ نے اس کو نیزہ لگایا اور وہ ایسا کاری تھا کہ گردن میں پیوست ہو کر پیٹ سے نکل آیا۔ اور عمر گر پڑا اور آپ اسی طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں لا الہ الا اللہ کی صدا بلند فرماتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ آپ نے اس کی زرہ کیوں نہ اتار لی۔ اس کی زرہ سے اچھی عرب میں کوئی زرہ نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا جب میں اس کے قریب گیا تو یہ برہنہ تھا۔ مجھے حیا آ گئی۔

عمر بن عبدود کے گرتے ہی حضرت علیؑ نے تکبیر کا پرزور نعرہ بلند فرمایا۔ نعرہ تکبیر نہ تھا بلکہ شادیانہ فتح تھا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔

حضرت عمر اور بھائی سے مقابلہ

عمر بن عبدود کے بعد اس کے دو ہمراہیوں، ضرار بن الخطاب اور جبیرہ نے حضرت علیؑ پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلامؑ نے اپنے متواتر حملات سے دونوں کو مار بھگایا۔ حضرت عمر اپنی اظہار شجاعت کے موقعوں کو خوب پہچانتے تھے۔ اپنے بھائی ضرار کو بھاگتے دیکھ کر لپکے۔ اس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو بھائی چلے آرہے ہیں۔ وہیں سے نیزہ سیدھا کیا اور بڑی سختی سے وار کیا۔ لیکن پھر ہاتھ روک لیا۔ اور یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ (سیرۃ النبی ص 313)

نوفل کا قتل

نوفل بھی کمین گاہ چھپا کھڑا تھا۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ بھاگا۔ لیکن اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے موقع پا کر اوپر سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ وہ چلایا میں حقیرانہ موت مرنا نہیں چاہتا بلکہ مردانہ طریقہ سے مرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؑ سن رہے تھے۔ فوراً خندق میں کود پڑے اور کہا۔ لے تجھے میں شریفانہ طریقے سے ختم کئے دیتا ہوں۔ یہ کہا اور نوفل کا سر ذوالفقار سے کاٹ لیا۔ اور مسلمانوں کی جمعیت میں پھینک دیا۔

نوفل کی قیمت لاش لینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا انکار

نوفل قریش کو اتنا عزیز تھا کہ مسلمانوں کو اس کی لاش کی قیمت میں دس ہزار دینار دیتے تھے۔ اور مسلمان راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس پہنچا دیا آپ نے فرمایا لاش دے دو اور کہہ دو ہمیں تمہارے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

عمر بن عبدود کی بہن نے بھائی کی لاش کو محفوظ دیکھ کر قاتل کی تعریف کی

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلامؑ نے عمر بن عبدود کا صرف سر کاٹ لیا تھا اور اس کے ہتھیار اور کپڑے وغیرہ سب ویسے ہی کے ویسے چھوڑ دیئے تھے آپ کے اس مردانہ استغناء مروت کے متعلق امام بن طلحہ الشافی لکھتے ہیں:

عن ابی الحسن مدائنی قال لما قتل علی عمر بن عبدود رفعی الیه اخته فقالت من ذا الذی اجتری علیه فقالوا علی بن ابی طالب فقالت کانت سنیة علی یذ کفو کریمھا سمعت یافخر من ھذا یابنی عامر نانشات

لو کان قاتل ھو غیر قاتله　　لکنت ابکی علیه خر الابد

لکن قاتله لا یعاب به۔　　من کان یدعی قدیما بیضة البلد

ابوالحسن مدائنی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے عمر بن عبدود کو مارا تو اس کی بہن اس کی لاش پر رونے کو آئی اس کی لاش کو محفوظ وسالم دیکھ کر لوگوں سے پوچھنے لگی اس کی موت اس کے بزرگ بھائی بند کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ سن کر اس نے یہ اشعار پڑھے۔ اگر عمر کا قاتل اس قاتل کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ اس پر رویا کرتی۔ لیکن اس کا قاتل ایسا ہی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے اور وہ ہمیشہ سے شہر کا سردار پکارا جاتا ہے۔ ارجح المطالب جلد اول ص 219

زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مبارزت علیؑ کی اہمیت

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس عالم اضطراب میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو رخصت فرمایا تھا اور عمر کی ضرب سے محفوظ رہنے کے خیال سے اسلحات و آلات جنگ سے اپنے مکان کے مطابق ان کی حفاظت کے پورے سامان کر دیئے تھے۔ وہ سب بیان ہو چکا ہے لیکن تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اطمینان نہ تھا۔ در خیمہ پر استادہ تھے۔ جانبین کا مقابلہ پیش نظر تھا۔ ارشاد فرماتے تھے:

برز الایمان کله الی الکفر کله

آج پورے ایمان کے ساتھ پورے کفر کا مقابلہ ہے۔

اس اثناء میں حضرت علیؑ نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔ سر لے کر رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پائے اقدس پر عمر کا سر ڈال دیا جناب رسول خدا علیہ السلام اور تمام اہل اسلام کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی۔ امام حاکم مستدرک میں، امام دیلمی فردوس الاخبار میں، محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عمر بن عبدود کا سر دیکھ کر ارشاد فرمایا:

المبارزۃ علی لعمر بن عبدود ذالیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیمۃ۔

خندق کے روز عمر بن عبدود کے ساتھ علی کی لڑائی میری امت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک بجالائیں گے بہتر ہے۔ روضۃ الاحباب ص 327

ابن طلحہ الشافی مطالب السول میں لکھتے ہیں:

زبان خدا سے مبازرت علی کی مدح

عن عبداللہ بن مسعود قال کان یقرء و کفی باللہ المومنین القتال بعنی و کان اللہ قویاعزیزا۔

عبداللہ بن مسعود اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علیؑ کے سبب سے مدد کی۔ اور اللہ غالب ہے اور مہربان ہے۔ ارجح المطالب ص 219، مطبوعہ لاہور

ابن مردویہ، ابن ابی حاتم، ابن عساکر اور امام سیوطی نے بھی آیہ کفی اللہ المومنین الخ کے اسباب نزول میں یہی لکھا ہے۔ پھر اسی مطالب السول میں مرقوم ہے۔ اور زرقانی بھی علامہ عطاردی اور یحییٰ بن آدم کے قول سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ ص ۱۳۳ ج ۲

عن جابر بن عبداللہ قال فما شبھت قتل علی عمر الا بما فض اللہ تعالیٰ من قصۃ داؤد علیہ السلام وجالوت حیث قال عزو جل فھزموھم بأذن اللہ وقتل داؤد جالوت۔

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا عمر کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت کے قصہ سے مشابہ ہے۔ جس کا ذکر خدا نے اس طرح کیا ہے کہ وہ خدا کے حکم سے بھاگ گئے اور حضرت داؤد

علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ ارجح المطالب ص 219

امام سلیمان القندوزی البلخی ینابیع المودۃ مین آیہ کفی اللہ المومنین کے اسباب نزول میں وہی واقعہ لکھ کر جو اوپر لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں:

قال الشیخ العطار فی کتابہ مظہر الصفات کنت عند شیخی و سندی الشیخ نجم الدین کبری قدس فحدثنی ھذا الحدیث فغلب علیہ الحال القوی فبکیت معہ فحقرت الدنیا فی اعیننا وقعلنا حب الدنیا عن قلوبنا ۔ یجیی ص 77

شیخ فریدالدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں ناقل ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے پیرومرشد شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت اس حدیث خندق کو سنایا۔ شیخ پر سنتے ہی عالم قوی حال طاری ہوا۔ اور میں ان کے ساتھ مل کر رونے لگا اس وقت سے ہم دونوں نے دنیا کی محبت کو اپنے قلوب سے نکال پھینکا۔

میدان جنگ سے دشمن کا فرار

ابوسفیان کا اتنا کلیجہ کہاں کہ عمر بن عبدود کے جیسے رستم دستان کے مارے جانے کے بعد وہ ایک لحظہ کے لیے بھی میدان کارزار میں ٹھہر سکے۔ عمر بن عبدود، نوفل، جبیرہ، ضرار کے نتیجہ کارنے اس کے حواس کو اور باختہ کر دیا اور ابوسفیان پہلو بچا کر چل دینے کو تیار ہو گیا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

قریش کی اسلام کے خلاف یہ آخری مقابلت ومحاربت تھی۔ جو بالکل ہی ختم ہوگئی۔ اور ایسی کہ پھر قریش آج سے اسلام کی مخالفت پر نہ بڑھ سکے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے توجہ خاص سے نہیں بلکہ ضرورت خاص سے بحث وقوع بدر میں ایک مقام پر حضرت علیؑ کو جنگ بدر کا ہیرو تسلیم کیا ہے۔ بدر میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی مواداریوں میں تو حضرت حمزہ، عبیداللہ اور دیگر حضرات بھی شریک بتلائے جا سکتے ہیں لیکن خندق کے محاسن خدمات میں تو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے سوا، مہاجرین وانصار کی تین ہزار موجودہ جمعیت میں کسی صاحب کو بھی قدم بڑھانے کی اور دشمن پر ہاتھ اٹھانے کی زحمت نہ ہوئی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اتنی بڑی جنگ عظیم کا جس میں 24 ہزار شجاعان جرار شریک تھے خاتمہ کر دیا۔ شبلی صاحب نے اس معرکہ کی تفصیل میں کہیں بھی ان کے ہیرو ہونے کا ذکر نہ فرمایا۔ خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر بن عبدود کے قتل ہوتے ہی جنگ خندق کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کے دل کے دل پرے کے پرے ٹوٹے، ٹوٹ کر میدانوں اور پہاڑوں پر منتشر ہونے لگے۔ کوئی کدھر گیا۔ کوئی کدھر نصف شب تک مدینہ کا مطلع صاف ہو گیا۔

سعد ابن معاذ کا زخمی ہو کر شہید ہونا

اسلام کو اس جنگ میں عظیم الشان کامیابی کے ساتھ بہت بڑا نقصان بھی ہوا۔ وہ سعد بن معاذ کے جیسے جلیل القدر اور وفادار صحابی کی شہادت تھی۔ اگر چہ وہ عین معرکہ میں شہید نہ ہوئے لیکن تیر سے ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ شبلی صاحب نے ان کی شہادت کی یہ تفصیل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزیں تھیں اس میں سعد بن معاذ کی ماں بھی تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مرد کو دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جاتے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

كبث قليلا تدرك الهيجا جمل

لا باس بالموت اذا الموت نزل

ذرا ٹھہر جانا لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے وقت آ گیا تو موت سے کیا ڈرنا ہے

سعد کی ماں نے سنا تو کہا بیٹا دوڑ کے جا۔ تو نے دیر لگا دی۔ سعد کی زرہ اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے سعد کی ماں سے کہا کہ کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق کہ ابن العرفہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کھل گئی۔ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخم کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ان کا خیمہ مسجد رسول میں خندق کے غزوہ کے بعد کھڑا کر دیا گیا اور یہ خاتون سعد کا علاج کرنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود دست مبارک سے مشقیں لے کر داغا۔ لیکن پھر دم آ گیا۔ دوبارہ داغا۔ لیکن پھر فائدہ نہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنی قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔ سیرۃ النبی ص 318

قریش کے جلد فرار کے اسباب

بایں شوراشوری وبایں بے نمکی۔ قریش تو ایسے ساز و سامان اور اتنی تیاریوں سے مدینہ میں مسلمانوں کا استحصال کرنے آئے تھے۔ کہاں صرف دو یا تین آدمیوں کے قتل کے بعد ایسا ہراسان اور حواس باختہ ہو گئے۔ کہ اس وقت مدینہ سے محاصرہ اٹھا یا خیمے اکھاڑے اور یہ چل وہ چل۔ آخر اس عجلت کی کوئی وجہ بھی ہے۔ اس اضطراب کے کچھ اسباب بھی ہیں؟ اصلی سبب تو وہی ہے جو اوپر ہو چکا ہے کہ عمر بن عبدود کے جیسے ہزار کے برابر والے پہلوان اور رستم داستان کے مارے جانے سے۔ جو قریش کی تمام امیدوں کا مرکز تھا فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ اور ان کے تمام ارادے پست کر دیئے۔ اس لئے وہ فوراً میدان جنگ خالی کر کے لشکر گاہ واپس گئے۔

لشکر گاہ میں پہنچے تو دو مصیبتوں کا پے در پے سامنا ہوا۔ ایک بنی قریظہ کی مفارقت۔ دوسرے ہوائے تند کی آفت پہلے ہم بنی قریظہ کی مفارقت کے تفصیلی حالات لکھتے ہیں۔

بنی قریظہ نے قریش کا ساتھ چھوڑ دیا

اس کے متعلق شبلی صاحب رقم طراز ہیں:

نعیم ابن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے۔قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے۔وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہیں تھا۔انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کی جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ابن اسحق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے جھوٹی باتیں کہیں اس بنا پر کہتے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علہ وسلم نے الحرب خدعۃ کی تعلیم کی تھی۔لیکن ابن اسحق نے روایت کی سند نہیں نقل کی۔اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ محض ان کی سند سے قبول کر لیا جائے اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فرقوں کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے۔ابن اسحق کی روایت میں اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔تمہارا اور مسلمانوں کا ہم وطنی کا ساتھ ہے۔اس لئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لیے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اسی پر آمادہ ہو۔تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر چلا جانا چاہیں تو تم ان لوگوں کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنی قریظہ اول اول نقض عہد پر راضی نہ تھے۔اور کہتے تھے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے معاہدہ کیوں توڑیں لیکن حیی بن اخطب نے اس شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے۔جب انہوں نے انکار کیا ہوگا تو خود ان میں پھوٹ پڑ گئی ہوگی۔اس لئے ایک صحابی کو دروغگوئی کے داغ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔

شبلی صاحب کی اس دروغ گوئی قائم کرنے کی حقیقت اس کی صحت اور جواز ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں اور پھر اس موقع خاص کی دروغ گوئی کی صحت وحقیقت بھی اکابر محدثین خصوصاً شارحین صحیحین کے اسناد سے حاشیہ میں لکھ دیئے ہیں۔اس لئے کہ اس کو اصل کتاب میں مندرج کرنا سلسلۂ بیان میں فصل پیدا کر دیتا۔

فرار کفار کی دوسری وجہ

لشکر کفار کے جلد نکل جانے کی وجہ اول تو ہم بیان کر چکے۔اب ہم دوسری وجہ بھی شبلی ہی صاحب کی زبانی لکھ کر بتاتے ہیں۔ موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات لغزش میں آ گئے تھے۔ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ہو چکی۔موسم کا یہ حال ہے یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔اب محاصرہ بیکار ہے۔یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا۔غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق 20-23 دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔سیرۃ النبی ص317

حذیفہ بن یمان کی محاسن خدمات

شبلی صاحب نے اشاروں میں بات کردی اور الگ ہوگئے۔ تفصیلی کیفیت یہ ہے محدث شیرازی لکھتے ہیں:

یہ مسلم ہے کہ مقابلہ والے دین بلکہ اس کی ایک رات پہلے ہی سے دن رات لگا تار طوفانی ہوا چل رہی تھی اور سردی بھی برابر بڑی شدت کے ساتھ قائم تھی۔ کفار کی ہزیمت کے بعد شام ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کچھ رات گئے نماز پڑھی اور اصحاب کو یہ کہہ کر پکارا کہ جو کوئی شخص اس وقت لشکرِ مخالف میں جا کر ان کے جانے کی خبر لائے وہ بہشت میں حضرت ابراہیمؑ کا رفیق ہوگا۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ دوسری بار آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی فوج کفار ان کے احوال دریافت کر آئے وہ بہشت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس پر بھی کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے میرا خاص نام لے کر پکارا۔ تو میں سردی سے کانپتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تم نے میری آواز سنی تھی۔ میں نے عرض کی ہاں سنی تھی۔ لیکن بھوک اور سردی کی شدت سے حاضر نہ ہوسکا۔ یہ سن کر آپ نے دست اقدس میرے سر پر مس فرمایا اور ارشاد کیا کہ براہ راست یہاں سے لشکرگاہ کفار میں چلے جاؤ اور دیکھ آؤ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب ان کا کیا ارادہ ہے لیکن ان پر ہاتھ نہ اٹھانا اور نہ کسی کو قتل کرنا۔ میں نے عرض کی کہیں وہ مجھے قید نہ کرلیں۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ تمہیں اسیر نہیں کر سکتے۔ یہ کہہ کر آپ نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اللهم احفظه من بين يديه ومن خلفه وعن يمينه وعن شماله ومن فوقه ومن تحته

پروردگار! تو اس کی سامنے سے، پشت سے، داہنے سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔ اور محفوظ رکھ۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد پھر مجھے سردی اور بھوک کی شدت محسوس نہ ہوئی۔ اور نہ خوف و دہشت معلوم ہوئی۔ میں نے سلاح جنگ پہنے اور لشکر قریش میں جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر ہوا کی تیزی یہاں سے اور زیادہ معلوم ہوئی۔ اور ایسی کہ خیمہ کی طنابیں اکھاڑے پھینکے دیتی تھی اور چولہوں سے پتیلی اور دیگچے الٹ دیتی تھی۔ ابوسفیان کا یہ عالم تھا کہ بار بار خیمہ سے کانپتا ہوا باہر آتا تھا۔ اور آگ کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر تک گرم ہوتا تھا اور پھر خیمہ میں جا کر پڑا رہتا تھا۔ پھر نکلتا تھا اور ایسا ہی کرتا تھا۔ تاہم سردی سے تسکین نہ ہوتی تھی۔ تمام فوج آگ کے پاس جمع تھی گویا تمام عرب بت پرست سے آتش پرست ہوگیا تھا۔ لیکن بااین ہمہ کسی کی جان میں جان نہ تھی۔ ابوسفیان نے خیمہ سے نکل کر حکم دیا کہ ہر شخص اپنے رفیق کو باہم لپٹا کر آگ کے پاس بیٹھے کہ بدن کی اور آگ کی گرمی مل کر خوب گرم ہوجائے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں بھی یہ حکم سن کر جماعت میں مل کر بیٹھ رہا۔ اور جو شخص میرے پہلو میں تھا اور اس کو لپٹا لیا نام ونسب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں قبیلہ ہوازن سے ہوں۔ میں نے اپنے دل میں قصد کیا کہ ابوسفیان کو تیر لگا کر ٹھنڈا کردوں لیکن مجھے آنحضرت صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کے حکم امتناعی کا خیال آ گیا اور میں اپنے قصد سے باز رہا۔ ابوسفیان کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی اور فوج کو سردی سے تسکین نہ ہوئی بلکہ جوں جوں رات بڑھتی گئی سردی بھی بڑھتی گئی۔ اور سردی کے ساتھ ہوا بھی تیز وتند ہوتی گئی۔ اب تو یہ نوبت پہنچ گئی کہ سانس کا لینا اور منہ سے بولنا دشوار ہو گیا۔ بالآخر ابوسفیان نے دیگر سرداران لشکر سے باہم مشاورت کر کے لشکر میں اعلان کر دیا کہ اب یہاں ٹھہرنا محض بے کار ہے۔ ٹھہرنے میں انسان اور جانور دونوں کی جانوں کا نقصان ہے۔ اگر تھوڑی دیر یہاں اور مقیم رہے تو سب کے سب یہیں ڈھیر ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لئے فوراً بار کر کے کوچ کر دو۔ اب ٹھہر کر کیا کرو گے۔ یہودیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ بنی قریظہ اپنے اپنے گھر بیٹھ رہے۔ اس حکم کے سنتے ہی لشکر میں کوچ کا شور برپا ہو گیا۔ اور نصف شب جاتے جاتے کفار کے لشکر نے میدان جنگ کو خالی کر دیا۔

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے قصد سے واپس چلا راستہ میں مجھے کچھ لوگ سفید عمامے باندھے ملے۔ اور ان لوگوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ خداوند عالم نے دشمنوں سے تمہاری مدد فرمائی۔ اور تم کو محفوظ رکھا۔ حذیفہ کہتے ہیں جس وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو میں نے مژدہ سنایا۔ یہ مژدہ مسرت افزا سن کر آپ خندان ہوئے اور اتنا کہ میں نے آپ کے دندان مبارک کی زیارت کر لی۔ ارشاد ہوا کہ رستہ میں جن لوگوں نے تمہیں بشارت دی تھی وہ خدا کے فرشتے تھے جو نصرت اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے۔ روضۃ الاحباب ص 331

قرآن مجید میں یوں تفصیل مندرج ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱذْكُرُوا نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ (احزاب)

مسلمانوں! خدا کے احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

غزوہ بنی قریظہ

24 ذی الحج سن 5 ہجری

محدث شیرازی حضرت ابن عباس کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ 23 ذی قعدہ کو خندق کی فتح ہوئی۔ 24 کو آپ مع الخیر مدینہ میں واپس آ کر حسب معمول حضرت فاطمہؑ کے دیکھنے کو تشریف لے گئے۔ سلاح جنگ اتاری اور جناب

سیدہ اپنے پدر عالی مقدار کے چہرے اور پوشاک سے گرد وغبار پاک کرنے لگیں۔
ابھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم منہ ہاتھ دھو کر فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنو قریظہ کی تنبیہ و تادیب کا حکم نازل ہوا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی کہ آپ نے سلاح جنگ اتاردی۔حالانکہ ملائکہ کی فوج ابھی ویسے ہی مسلح ہے (زرقانی و بخاری) یہ حکم سنتے ہی آپ نے پھر سلاح جنگ آراستہ کر لی اور ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے اور تمام اہل اسلام کو حکم دیا خیل اللہ، اے لشکر خدا کے لوگو سوار ہو جاؤ۔

جناب علی علیہ السلام اور یہودکی سخت کلامی

حکم کی دیر تھی۔مجاہدین اسلام پھر کمریں کس کر طیار ہو گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو علمدار و سردار لشکر بنا کر فوج اسلامی کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔اور بقیہ فوج اسلامی لے کر آپ عقب سے روانہ ہوئے۔
حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے بنی قریظہ کے قلعوں کے سامنے آ کر اسلام کا علم نصب کر دیا۔یہ دیکھ کر یہود قلعہ کی فصیلوں پر نکل آئے۔اور فوج اسلامی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں کلمات ناسزا کہنے لگے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام ان کی زبان درازیوں کو سنتے تھے۔لیکن جہاد کا اذن تو تھا ہی نہیں۔بالکل خاموش تھے۔مگر جب تحمل کی طاقت نہ رہی تو آپ وہاں سے اذن جہاد لینے کے لیے واپس ہوئے راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔طبری میں ہے:

فسار علياً حتیٰ اذا ادنا من الحضون سمع بها مقالة قبيحة لرسول الله صلى الله عليه واله وسلم مهم فرجع حتیٰ لقيه بألطريق فقال يا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لا عليك لا تدنوا من هولاء الا خباث قال لم اظنك سمعت منهم لی اذی قال نعم يا رسول الله فقال لو ارد نی لم يقولوا من ذلك شيئاً ابن ہشام ص ۱۴۶ و طبری ص 1468

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جب ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے کلمات قبیح آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں کہے۔حضرت علی سے تحمل نہ ہوسکا تو آپ وہاں سے لوٹے۔راستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم مل گئے۔حضرت علیؑ نے عرض کی کہ مصلحت وقت یہی ہے کہ آپ اس خبیث قوم کے پاس خود تشریف نہ لے جائیں۔آپ نے فرمایا کیوں؟ کیا ان لوگوں سے تم نے میری نسبت کچھ کلمات بد سنے ہیں۔حضرت علیؑ بولے۔جی ہاں! ارشاد ہوا کہ جب میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوں گا تو پھر وہ ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے۔
الغرض لشکر اسلامی نے بڑی استحکامی سے حصار بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔اور ان کی فراہمی ضروریات کی تمام راہیں مسدود کر

دیں۔ایک مہینہ کے قریب تک محاصرہ قائم رہا۔اس درمیان میں بنی قریظہ نے بیرونی امداد کے حصول کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور حیی بن اخطب جو اس وقت تک بنی قریظہ کے ہمراہ تھا۔وہ بھی اپنے کا غذی گھوڑے ادھر ادھر برابر دوڑاتا رہا۔لیکن کچھ مفید کارنہ ہوا اسلام کی مخالفت میں کسی قوم وقبیلہ کا تیار ہوجانا اب بہت دشوار تھا۔ان خراب حالتوں پر بھی پہنچ کر بنی قریظہ اپنی فطرتی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ایک دن ان کی ایک شریر عورت نے ایک مسلمان انصار خداش نامی کے سر پر تاک کر بھاری پتھر گرادیا کہ وہ غریب وہیں کچل کر رہ گیا۔لیکن رحمت عالم نے ان مظالم پر صبر فرمایا اور کسی فوری تنبیہ وتادیب کا قصد نہیں کیا۔

اسلام نے یہودان بنی قریظہ کے ساتھ ابتداہی سے خاص رعایت ملحوظ رکھی تھی۔جس طرح بنی نضیر آل ہارون ہونے کے دعویدار تھے اسی طرح بنی قریظہ اپنا نسب نامہ حضرت شعیب سے ملاتے تھے۔اس لئے باعتبار قومیت کے وہ بنی نضیر سے زیادہ قدیم تھے۔لیکن باوجود دعویٰ شرافت کے ان لوگوں سے کوئی شریفانہ عمل نظر نہیں آئے۔بلکہ بجائے اس کے وہ بدعہد، بدخلق، بدکار اور محسن کش قوم ثابت ہوئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ میں ظہور اسلام کے وقت ہی تمام یہودیوں نے مل کر اسلام کے ساتھ معاہدے لکھ دیئے تھے کہ بلاخیال اختلاف مذہب مسلمان اور یہود ایک قوم واحد کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک ومددگار رہا کریں گے۔اس بنا پر اسلام نے ان کے ساتھ آزاد قوم کے جیسے معاملات قائم رکھے۔اور ان کو مراسم مذہبی کی لواکاریوں میں پوری آزادی عطا فرمائی۔لیکن بنی قریظہ نے بدرہی سے خلاف عہدی شروع کردی اور سلاح جنگ سے قریش کی مدد کی تھی اور یہ بات جنگ بدر کے بعد فوراً کھل بھی گئی تھی۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے حسن اخلاق سے کبھی اس کا ذکر بھی نہ کیا۔جنگ بدر کے بعد ہی سے یہودیوں کے خیالات میں اسلام کی طرف سے اتفاق واتحاد کی جگہ نفاق وفساد اور محبت ومساوات کے عوض رشک وحسد پیدا ہوگیا۔پھر قریش نے ان لوگوں پر سازش کے جال پھیلائے اور یہ سب کے سب ان کے دام فریب میں آگئے۔اور استحصال اسلام پر تیار ہوگئے۔

بنی قینقاع کی سزاوتنبیہ کے بعد جب بنی نضیر کی سزادہی کی نوبت پہنچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہلے انہیں سے ابتدا کی سعد بن معاذ ان کے معاملات میں خاص طور پر ساعی بنے۔اس لئے کہ وہ بنی قریظہ کے حلیف تھے۔کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ جہالت کے اس وقت سے جب انصار میں خانہ جنگیاں جاری تھیں۔اور اس وقت سے بنوقریظہ کا جانبدار تھا۔عرب میں حلف ہونے کا تعلق نسبی تعلقات سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔اس بنا پر سعد بن معاذ نے ان کے معاملات میں پیش پس ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کے معاملات میں مصالحت پر رضامند کرلیا۔اور ان سب نے بکمال رضا ورغبت تجدید معاہدہ کردی۔چنانچہ صحیح مسلم میں تحریر ہے۔

ناجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بنی النّضیر و اقرّ قریظۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنی نضیر کو جلاوطن فرمادیا اور بنی قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان خاص کیا۔

اس احسان کا یہ جواب تھا کہ حیی بن اخطب کی ذراسی بھڑکی میں آکر قریش کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔اور یہ نہ سوچا کہ صلحنامہ جدید پر دستخط کئے ابھی کتنے دن ہوئے ہیں۔غزوہ خندق سے شکست کھا کر لوٹے تو حیی بن اخطب جیسے سخت ترین دشمن اسلام کو

اپنا مہمان بنا کر گھر لینے آئے۔ اور اس کے ذریعہ سے چار طرف استحصال اسلام کے لیے ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ اتنے ناقابل عفو جرائم پر بھی اسلام نے صرف ان کے محاصرے سے انکی تنبیہ کی ابتدا کی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر وہ مرعوب ہو کر پھر معاہدہ سابقہ پر آجائیں گے تو اسلام کو پھر ان سے کوئی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ اور جنگ خندق سے ان کی ناکامی یقین بھی ایسا ہی دلاتی تھی۔ اور اگر اپنی شامت سے مقابلہ پر ہی آمادہ ہو گئے تو پھر مقابلہ بھی کیا جائے گا اور مقاتلہ بھی۔ لیکن آغاز محاصرہ ہی سے ان کے رنگ بے رنگ نظر آتے ہیں۔ وہ شکست کھا کر مخاصمت سے خالی کیا ہوں گے۔ عداوت و شقاوت سے بھر گئے۔ اور فوج اسلامی کے آتے ہی زبان درازیوں سے کام لینے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم صرف اس انتظار میں تاخیر فرماتے رہے اور محاصرہ میں طوالت ہوگئی۔ کہ شاید بدبخت اب بھی اسلام کے ساتھ یکسوئی کی راہ پر آجائیں۔ لیکن وہ راہ پر کیا آئیں گے اور گمراہ ہوتے چلے گئے۔ خداش کے شہید کر دیئے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ تو بالآخر آئین جنگ کے مطابق محاصرے میں سختی سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے تصفیہ کے خواہاں ہوئے۔ آپ ان غداروں کی مفسد طبیعتوں سے خوب واقف ہو چکے تھے اور ان کی فتنہ انگیز حرکتوں کا متواتر تجربہ اٹھا چکے تھے۔ اس بنا پر خود تصفیہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میں تصفیہ کرنے پر راضی تو ضرور ہوں۔ لیکن میں خود تصفیہ نہیں کروں گا۔ تم اپنی طرف سے کسی کو حکم کر دو۔ جو تصفیہ کر دے جس پر ہم اور تم دونوں راضی ہو جائیں۔ بنی قریظہ نے قبول کر لیا۔ اور اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی سعد کی تحکیم کو منظور فرمالیا۔

سعد بن معاذ کی تحکیم

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں تیر سے سخت زخمی ہو گئے تھے۔ اس لئے اس وقت لشکر اسلام میں موجود نہ تھے۔ قبیلہ اوس کے چند آدمی خود ان کے لانے کے لیے مدینہ گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے ان کو اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ بنی قریظہ کے ہوا خواہ مدینہ تک دوڑ گئے۔ اور خود بھی اور قبیلہ اوس کے چند لوگوں کو اپنا ہم زبان بنا کر سعد سے روابط سابقہ کی بنا پر فیصلہ میں رعایت و نرمی کے لیے عرض و معروض کرنے لگے۔ لیکن ان کے متواتر اصرار کے مقابلہ میں سعد کا ایک ہی جواب تھا۔ زرقانی لکھتے ہیں:

فلما کثروا علیه قال لقد ان لسعد ان لّا تاخذہ فی اللہ لومة لائم ص155ج2

جب کثرت سے ان لوگوں نے ان کو گھیر لیا تو سعد بولے کہ سعد کے لیے وہ وقت آ گیا ہے کہ وہ راہ خدا میں کسی طعن زن کی طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرے۔

ایسے صاف اور بے لوث جواب سے سائلین کو مایوسی ہوگئی۔ پھر کسی کو آئندہ عرض و معروض کی جرأت نہ ہوئی۔ لشکر گاہ اسلامی کچھ دور نہ تھی۔ سعد آرام و اطمینان سے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ قریظہ کے نمائندگان جو معاملات کے طے

کرنے کے لئے حاضر دربار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے کہا قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ الغرض سعد کو لوگ ہاتھوں ہاتھ سواری سے اتار کر آہستہ آہستہ آنخضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس لائے۔ اور آپ نے نمائندگان بنی قریظہ کے سامنے صورت حال ارشاد کی بنی قریظہ کے نمائندے لفظاً لفظاً آپ کی تقریر کو سنتے رہے۔ مزید احتیاط کے خیال سے پھر قریظہ کے لوگوں سے پوچھ لیا کہ تم لوگ سعد کو اپنا حکم مقرر کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ ہاں ہمیں ان کا حکم قبول ومنظور ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اسلام کی طرف سے سعد کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جب تک کسی امر میں قرآن مجید کا حکم خاص نازل نہیں ہوتا تھا۔ اس میں احکام تورات کے مطابق حکم نافذ ہوتا تھا۔ اس بنا پر سعد نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ بالکل حکم توریت تھا۔ اور یہ وہ تھا کہ سعد نے تھوڑے غور وخوض کے بعد طرفین کے مقابلہ میں یہ حکم سنایا کہ یہودان قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں۔ ان کے اہل وعیال اسیر ہوں۔ اور متاع و مال غنیمت میں لے لئے جائیں۔ توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاح 20 آیت میں ہے۔

جب وہ کسی شہر میں حملہ کرنے کے لیے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں۔ تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے۔ تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔

جانبین کو فیصلہ حکم کے ایجاب وتعمیل میں غدر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تعمیل کی گئی اور چار سو یہودان قریظہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ ان کی غداری اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ تھے۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور لب نہ ہلا سکتے تھے۔

یہود کی ایک دلیر عورت

عورتیں فیصلہ کے مطابق قتل سے مستثنیٰ تھیں۔ لیکن وہ عورت جس نے خداش کو پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا۔ مقتول کے قصاص میں واجب القتل تھی۔ یہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اپنے حکم کو مقتضائے عدالت سمجھ کر اپنے قتل سے ذرا بھی ہراساں نہیں تھی۔ شبلی صاحب حضرت عائشہ کی زبانی اس کی داستان قتل یوں لکھتے ہیں:

ایک عورت تھی اور وہ قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خداش) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت ودلیری سے جان دی۔ سنن ابوداؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا بھی نام ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا۔ اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی۔ لیکن وہ بے تکلف حجرت عائشہ سے باتیں کرتی جاتی تھی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعتہ قاتل نے اس کا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا۔ اس کی سزا

اٹھانے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ سیرۃ النبی ص322

اس فیصلہ کے عادلانہ ہونے کی نسبت یہودیوں کی تصدیق

تمام محدثین و مؤرخین کا اس کی نسبت اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سعد کی زبانی یہ فیصلہ سن کر اسی وقت یہ فرما دیا تھا کہ یہ فیصلہ آسمانی حکم کے موافق ہے۔ اس ارشاد میں اسی حکم کی طرف اشارت ہے جو اوپر لکھ دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر منحصر نہیں۔ خود یہودیوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے جو کلمات ان کے منہ سے نکلے وہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اس حکم کو حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حیی بن اخطب جس کی فتنہ انگیزیوں نے قریظہ کو یہ برے دن دکھلائے تھے قتل گاہ میں لایا گیا تو اس کی زبان پر فقرے جاری تھے۔

اما واللہ ما لمت نفسی فی عداوتك ولكنّه من يخذل اللہ يخذل

ہاں خدا کی قسم! تم کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے تیرے ساتھ کیوں عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے۔ خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

ايّها النّاس انّه لا باس بامر اللہ كتاب وقدر وملحمة كتبها اللہ علی بنی اسرائيل

لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ لکھا ہوا تھا یہ ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل کے لیے پہلے ہی لکھ دی تھی۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حیی بن اخطب کو قانون فطرت کے مطابق موت کے وقت بنی قریظہ کے افعال ذمیمہ کے ساتھ اپنے کرتوت بھی تو پیش نظر تھے۔ اور وہ یہ تھے کہ واقعہ بنی نضیر میں خارج البلد ہونے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے خاص طور پر معاہدہ کر چکا تھا کہ آج سے وہ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم وقبیلہ کی حمایت نہیں کرے گا۔ اس اقرار پر وہ خدا کو ضامن دے چکا تھا۔ لیکن اس کے خلاف اس وقت تک جو جو اس نے کیا تھا۔ جنگ خندق میں قریش سے جاملا۔ بنی قریظہ سے اسلام کا معاہدۂ صلح تڑوانا۔ اور خود شریک جنگ رہنا یہ سب اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اور حقیقت حال اس کی زبان سے کھلوا رہا تھا۔

لیکن وہ رے! عیسائیوں کی متعصّبانہ بے بصیرتی اور مغویانہ کوتاہ فہمی، بقولیکہ مدعی سست گواہ چست یہودیوں کو تو اپنی سزا کی نسبت کوئی عذر وکلام نہ ہوا۔ اور وہ اس کو عدالت خداوندی کا مقتضا سمجھے۔ لیکن عیسائی تعصب ونفسیانیت کی بنا پر سزائے بنی قریظہ کو اسلام کا سخت ظلم وجور قرار دے کر خواہ مخواہ چیخ اٹھے۔ اور اپنے مغویانہ طریقہ بیان سے اس میں اعتراض کے نئے نئے پہلو نکالے عیسائیوں کے قدیم اعتراضات کا تو ہزاروں بار جواب ہو چکا ہے اور آج تک دیا جاتا ہے۔ لیکن زمانہ حال کے جدید عیسائی محقق مسٹر مارگیولوس کو اس کے متعلق اعتراض میں کوئی جدت کا پہلو نہ ملا تو کہنے لگے کہ سعد بن معاذ کو جنگ خندق میں ایک یہودقرظی نے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ ایسا سخت

حکم اسی کا قصاص تھا۔ باوجود اتنا دعویٰ عربی دانی اور کتب اسلامی کی ورق گردانی کے ابھی تک مسٹر مارگیولوس کو اتنا نہ معلوم ہوسکا کہ سعد کا قاتل قرظی تھا یا قرشی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تصریح نام کے ساتھ تصریح قومیت بھی درج ہے وھا ابن العرقة القرشی وہ ابن عرقہ قریشی تھا۔ سعد کے قاتل کا نام ابن عرقہ قریشی تھا۔

سزائے قریظہ اصول قصاص کے مطابق تھی

عیسائی معترضین اگر حقیقتاً انصاف پسند ہوتے تو حکم سزا کو سخت قرار دینے سے پہلے مجرمین کی فرد جرم پڑھ لیتے۔ اور ان کی جرائم کی اہمیت پر غور کر لیتے۔ تب کچھ لکھنے کی جرأت کرتے۔ شبلی صاحب نے مجرمان بنی قریظہ کی جو فرد جرم بنائی ہے وہ ان کے تمام نا قابل عفو جرائم کی مکمل اور مفصل فہرست ہے۔ اور حقیقتاً اس سے اچھی فہرست مرتب ہونا دشوار ہے۔ ہم اسی کی نقل کو کافی سمجھ کر حسب ذیل درج کرتے ہیں۔

۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ میں آ کر ان کے (قریظہ کے) ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں ان کو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو وہ اس کو صرف آدھا خون بہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنی قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔ (بحوالہ ابوداؤد احکام دیت)

۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

۴) باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

۵) ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیج دی گئیں تھیں۔ ان پر جا کر حملہ کرنا چاہا۔

۶) حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کی تھی۔ اس کو اپنے ساتھ لائے۔ جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔ ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔ سیرۃ النبی ص 321

افسوس ہے، کہ عیسائی متعصبین حکم سزا کے ساتھ مجرمین کے فرد جرم کا مطالعہ نہیں کر لیتے۔ کیا یورپ میں ان کے انصاف پسندی کے یہی اصول قائم کئے گئے ہیں کہ صرف حکم کے الفاظ سے بحث کی جائے اور توجیہات حکم پر نظر نہ ڈالی جائے۔ اگر ہم ان کے اسی یک چشمانہ اور محض مغویانہ قول کو بنو قریظہ کے معاملہ میں ض اسلام نے بڑی سختی سے کام لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال اگر مان بھی لیں تو اس کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ اسلام کا یہ فیصلہ حکم توریت کے بالکل مطابق تھا۔ وہ یہودی تھے۔ ان کی الہامی کتاب تورات تھی۔ جن جرائم کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔ ان کی سزا تورات میں وہی تھی جو ان کو دی گئی۔ اور اسی لئے مجرمین نے اس میں کوئی عذر کلام نہیں

کیا۔ جیسا کہ ان کے اصل قول واعتراف سے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔

اگر اس سے بھی متعصبین یورپ کی تشفی نہ ہو تو ہم ان کو یاد دلاتے ہیں کہ بنو قریظہ حضرت شعیب نبی اللہ کی اولاد تھے۔ جو حضرت موسیٰ کے خسر تھے۔ ارباب سیر و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب کی اولاد عرب کے علاقہ مدین میں آباد تھی۔ اور مدیان کے نام سے تورات میں تمام مذکور ہے۔ یہ امور پہلے ذہن نشین کر لینا چاہئے تب دیکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود اتنی قرابت کے ان کے ساتھ کیا سلوک قائم کئے۔ تورات، کتاب الاعداد، باب 131 زآیت 6 تا 35 میں ہے۔

بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا۔ ان کے مویشی، بھیڑ بکری اور مال اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے تمام قلعوں کو پھونک دیا۔ موسیٰ ان پر غصہ ہوا۔ کہ کیا تم نے ان کی سب عورتوں کو زندہ رکھا۔ ان کے تمام بچوں کو جو نادان ہیں قتل کر ڈالو۔ اسی طرح ایسی ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے۔ قتل کر ڈالو، لیکن وہ لڑکیاں جو مردوں کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں، ان کو اپنے لئے زندہ رکھو۔

محققین یورپ تورات کھول کر دیکھ لیں کہ حضرت موسیٰؑ خود اپنے وقت میں بنی قریظہ کے اسلاف کے ساتھ کیا کر چکے ہیں اور ان کو ان کی غداری اور کفر کرداری کی کیا سزا دے چکے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کے حکم کو حضرت محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مقابلہ کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰؑ کے حکم کے مقابلہ میں رحمۃ للعالمین اور اشرف المرسلین کا حکم زیادہ نرم اور ملائم تھا۔ رحمت عالم کے حکم میں قتل وقصاص سے عورتیں اور بچے بالکل مستثنیٰ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے حکم میں تاکید تھی کہ بیاہی عورتیں اور نادان بچے ضرور قتل کر دیئے جائیں۔ کیا ان احکام تورات کے معانی کے بعد بھی عیسائی متعصبین کو اپنی مغویانہ عالم فریبیوں پر اصرار رہے گا۔ اگر حقیقتاً رہے گا تو یہ ان کی کورچشمی اور سیاہ قلبی کا روشن ثبوت ہوگا۔

آخر بحث میں ہمیں یہ بھی لکھ کر بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے حکم سابق میں مجرمین کی جماعت میں کسی کے استثنا کا حکم نہیں تھا۔ اسی طرح سعد کے فیصلہ حال نے بھی حکم سزا میں کسی فرد واحد کو مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔ لیکن تاہم اس خلق مجسم اور رحمت عالم روحی فداہ نے اپنے خلق عظیم سے زبیر یہودی کی مع اس کے اہل وعیال کی جان بخشی کا حکم دیا۔ اور رفاعہ بن شمویل کو اپنی مرحمت خاص سے رہا فرما دیا۔ صلوا علیہ وآلہ

ریحانہ کا غلط واقعہ

ریحانہ کو بعض مؤرخین بنی نضیر کی عورت بتلاتے ہیں۔ اور بعض قریش۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ بنی نضیر کے قبیلہ یہود سے تھی اور بنی قریظہ میں ایک شخص یہود، حکیم قرظی نامی سے بیاہی تھی۔ اس کا شوہر قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اسیر ہو کر لشکر اسلام میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے عقد کر لیا۔ زرقانی میں اس کی پوری کیفیت ان الفاظ میں درج ہے۔

فتزوّجها بعد ان اسلمت اصدقها اثنی عشرة اوقیه واعرس بها فی المحرم سنه

ست فی بیت سلمی بنت قیس النجّاریّۃ وضرب علیھا الحجاب فغارت علیہ غیرۃ شدیدۃ فطلّقھا تطلیقۃ فشق علیھا وا کثرت النکاح فرا جعھا ولم تزل عندہ حتیٰ ماتت راجعۃ من حجۃ الوداع سنۃ عشر و دفنھا بالبقیع ذکرہ الواقدی وابن سعد وغیرھما۔ جلد دوم ص158

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ریحانہ کے ساتھ اس کے اسلام لانے کے بعد نکاح کر لیا۔ اور بارہ اوقیہ (چاندی) اس کے مہر میں دیا اور محرم سن 6 ہجری میں شرف قربت سے اس کو شرف فرمایا اور سلمیٰ بنت قیس نجاریہ انصاریہ کے گھر میں اس کو پردہ کے ساتھ رکھا۔ ریحانہ کو پردہ میں رہنے سے بڑی غیرت آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کی آزادی ناگوار خاطر ہوئی۔ آپ نے طلاق رجعی دے دی۔ طلاق پا کر ریحانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی گریہ وزاری پر رحم کر کے پھر اسے زوجیت میں لے لیا۔ پھر اس وقت سے ریحانہ برابر آپ کی خدمت میں حاضر رہیں۔ یہاں تک کہ 10 سن ہجری میں حجۃ الوداع سے جب آپ واپس آئے تو ریحانہ نے انتقال کیا۔ اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اس واقعہ کو واقدی اور ابن سعد وغیرہما نے نقل کیا ہے۔

زرقانی نے مؤرخین ومحدثین کی اس روایت کو بھی لکھا ہے جس میں ریحانہ پر باقاعدہ سب یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصرف ہونا لکھا ہے اور عیسائی معترضین کا یہی آلہ اعتراض ہے۔ شبلی صاحب اس کی نسبت ایک زبان دراز عیسائی کے حسب ذیل الفاظ اعتراض نقل کر کے یوں تنقید فرماتے ہیں۔

بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آ کر تفریح طبع کے لیے...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ ریحانہ کی حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں واقدی اور ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں۔ لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی سے جو روایت نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

فاعتقنی و تزوّ ج لی

مجھ کو آزاد کر دیا اور پھر مجھ سے بیاہ کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے روایت نقل کی ہے۔

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسکنہ

ریحانہ قرطیہ جوآنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ تھیں اس مکان میں رہتی تھیں۔

حافظ ابن مندہ جن کی کتاب طبقات الصحابہ تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے۔اس میں یہ الفاظ ہیں۔

واسری ریحانة من نبی قریطة ثم اعتقها فلحقت باهلها واحتجبت وھے عند اهلها

ریحانہ کوگرفتار کیا، پھرآزادکردیا تووہ اپنے خاندان میں وہیں پردہ نشین ہوکررہیں۔

حافظ ابن حجراس روایت کونقل کرکے لکھتے ہیں۔

وهذه فائدة جليلة اغفلها ابن الاثير

یہ بڑی مفید تحقیق ہے۔جس سے ابن اثیر نے غفلت کی ہے۔

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کوآزادکردیا تھا۔اوروہ اپنے گھر میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہوکررہیں۔ ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے۔اوراگرمان بھی لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی قطعاًوہ منکوحات میں داخل تھیں کنیز نہ تھیں۔سیرۃ النبی ص323

ہمیں شبلی صاحب کی مرقومہٗ بالاتنقید سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پورااتفاق ہے۔ریحانہ کی زوجیت کے متعلق جومختار قائم کیا گیاوہی ہمارا بھی مختار ہےاورحقیقت یہی ہے کہ ریحانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منکوحات میں تھیں نہ مملوکات میں۔لیکن حافظ بن مندہ کی روایت سے جس میں یہ تصریح ہے کہ ریحانہ گرفتارکرکے آزادکردی گئیں اوروہ اپنے خاندان میں واپس جا کر پردہ نشین ہوکر بیٹھ رہیں۔ مجھے اتفاق نہیں ہے۔اس لئے کہ اس سے زوجیت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔مبہم طریقہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غایت شفقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں آزادکردیا اوروہ گھر چلی گئیں۔یہ روایت آپ کی پہلی روایتوں کے صریح معارض بھی واقع ہوتی ہے۔جن کوآپ طبقات ابن سعداورابن حضر کے اصابہ سے باسناد تاریخ مدینہ محمد بن الحسن لکھ کرریحانہ کا زوجہ ہونا بیان کرچکے ہیں۔

مشکل یہ ہے آپ نے ابن حضر کی عبارت سے حافظ ابن مندہ کی صرف روایت نقل کردی ہے اوراس کے رواۃ کی کوئی تفصیل نہیں کی۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول حدیث کے مطابق یہ روایت کیسی ہے؟ ریحانہ کا اسیر ہوکرآزادکردیا جانا توآنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے محاسن ارفاق اورمکارم اخلاق سے مستبعد نہیں۔لیکن ریحانہ کا گھر جا کراور ہمیشہ پردہ میں بیٹھ کراپنی عمرتمام کردینا خلاف واقع معلوم ہوتا ہےاس لئے کہ رسم حجاب کا یہودکی معاشرت میں داخل ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔اس بناپرجوروایت کہ زرقانی سے اوپر لکھی گئی ہےاس میں بکمال تصریح بیان ہے کہ پردہ میں نہ رہنے کی وجہ سے ایک بارریحانہ کوطلاق رجعی دی گئی تھی۔لیکن طلاق کے بعد انہوں نے بڑی آہ وفریادکی توپھرزوجیت میں لے لی گئیں۔اس بناپرمحض آزادی کے بعدخلاف فطرت ومعاشرت ان کا پردہ میں رہنا۔

خصوصاً ایسی حالت میں کہ زوجیت سے واسطہ بھی نہیں ہوا کس قدر لغو اور بے اصل ہے۔

اس لئے شبلی صاحب نے ریحانہ کے آزاد کر دیئے جانے اور گھر جا کر پردے میں بیٹھ رہنے کی جو روایتیں لکھی ہیں وہ اول تو مبہم ہیں۔ اصل ماخذ کے مختصر اقتباسات ہیں۔ دوسرے یہ کہ باخود باہم متعارض ہیں۔ اس لئے قابل احتجاج نہیں۔ زرقانی کی وہ روایت جس پر ہم نے اپنا نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور مفصل۔ ریحانہ سے باقاعدہ شرعیہ بعد مسلمہ ہونے کے عقد فرمایا گیا۔ مہر دیا گیا۔ ازواج مطہرات کی طرح پردہ میں رہنے کی تاکید کی گئی۔ چونکہ حجاب ان کی معاشرت کے خلاف تھا۔ انہیں پسند نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ان کی ناپسندیدگی ناگوار گزری۔ اس لئے طلاق رجعی دی گئی۔ پھر انہوں نے انتہائی عاجزی کی۔ معاف کی گئیں اور زوجیت میں لے لی گئیں۔ اس دن سے موت کے دن تک سائر ازواج مطہرات کی طرح خدمت میں حاضر رہیں۔ حجۃ الوداع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو ریحانہ نے انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ زرقانی نے بھی تاریخوں کی غیر مقید روایتوں کا ذکر کر کے لکھ دیا ہے۔

قال الواقدی بعد ان اخرج من عدۃ طرق انہ تزوّجھا و ضرب علیھا الحجاب ھذا اثبت عند اھل العلم واقتصر علیہ ابن الاثیر۔ ص 158 جلد دوم

واقدی نے اس روایت کو متعدد طریقوں سے بیان کر کے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ریحانہ سے عقد کر لیا تھا۔ اور اس کو پردے میں رکھا تھا۔ اور یہی روایت صاحبان علم کے نزدیک ثابت ترین روایت ہے۔ لیکن ابن اثیر نے اسے نہیں دیکھا اور تقصیر کی۔

شبلی صاحب نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ مگر درجۂ دوم میں رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی وہ قطعاً منکوحات میں تھیں کنیز نہ تھیں۔

حقیقت وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ریحانہ مشکوے رسالت میں داخل ہوئیں اور علامہ زرقانی کے مطابق پانچ برس کے بعد ۱۰ سن ہجری میں قضائے الٰہی کو لبیک کہہ کر انتقال فرما گئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ایسے صاف اور واضح مشاہدات تاریخی سے بھی اگر عیسائی متعصبین کا اطمینان نہ ہو۔ تو بفرض محال ریحانہ کی کنیز کے غلط واقعہ کو تسلیم کر کے ہم دکھلائیں گے کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود دعوے قرابت کے زنانِ خاندانِ حضرت شعیب سے جو سلوک کیا اس سے کہیں زیادہ پیغمبر اسلام کے سلوک مترحمانہ اور عادلانہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے وقت میں غلبہ پا کر ان کی شہر والیوں کو بالکل قتل کر ڈالا۔ اور کنواری لڑکیوں کو فوج کے معمولی سپاہیوں کی گرم آغوشیوں کے لیے وقف کر دیا۔ یہاں ان سے کیا کیا گیا؟ بلا امتیاز شوہر دار و غیر شوہر دار ان کی تمام عورتیں قتل و خون سے محفوظ رکھی گئیں اور آئین جنگ کے موافق مقید کر لی گئیں۔ ان میں سے ایک عفیفہ کو جو بیوہ ہو گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زوجیت کا شرف عنایت فرمایا۔ تو اب اس باہمی تقابل و توازن کو غور سے دیکھ کر عدالت پسند اور

منصف مزاج حضرات کہہ دیں کہ دونوں طریق سے سلوک میں کون سا طریقہ بدسلوکی، بے دردی پر مبنی ثابت ہوتا ہے۔ اور کون سا حسن سلوک اور ہمدردی کے ثبوت دیتا ہے۔ نہیں معلوم عیسائی متعصبین کیسے غیرت دار ہیں۔ جو اپنی کتب الہامیہ میں ایسے جابرانہ سلوک کو گود میں دبا کر اسلام کے ایسے ہمدردانہ محاسن سلوک سے آنکھیں ملاتے ہیں۔

حضرت زینب سے نکاح

اسلام اور عیسائیت کا یہ بھی ایک بہت بڑا اور قدیم معرکہ آرا مسئلہ ہے۔ جس پر ایک بار نہیں بے شمار بار عیسائیت کی طرف سے اعتراض ہو چکا۔ اور ہر بار اسلام کی طرف سے دندان شکن اور مسکت جواب دیئے جا چکے گئے۔ لیکن متعصبین یورپ ابھی وہی راگ گائے جا رہے ہیں۔

یہ مسلم ہے کہ اسلام تمام شریعتوں کا متمم اور مصحح بن کر نازل ہوا تھا۔ اس لئے کہ آخر شریعت تھی اور اس کے بعد ابواب رسالت بند ہونے والے تھے۔ یہ بھی مسلم ہے کہ ادیان گزشتہ کے جیسا، اسلام کی تعلیم دینیات اور اس کی تبلیغ الٰہیّات ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ وہ دین کا معلم بھی تھا اور دنیا کا حاکم بھی۔ ملک کا معاون بھی تھا اور قوم کا مصلح و محسن بھی۔ تمام جاہلانہ مراسم اور آئین کی بیخ کنی اس کا فرض اولین تھا۔ طبقات قومی و ذاتی مفاخرت کو اٹھا کر اصول مساوات کا قائم کرنا اس کے واجبات ضرورت میں داخل تھا۔

عربِ جہالت میں اس وقت ذی مفاخرت باہمانہ کا قدیم دستور بڑے زوروں سے جاری تھا اور اس کثرت وقوت سے کہ ایک شخص دوسرے کو مشکل سے اپنے برابر سمجھنے پر راضی ہو سکتا تھا۔ آپس کی مساویانہ ہم نسبی اور ہم خاندانی کے معاملات میں اسی مفاخرت کی بنا پر مختلف اقوام و قبائل میں مشاجرت شروع ہو کر نسلوں کی نسلیں برباد کر دیتی تھیں۔ مخدومان ملک تو ان مشاجرت میں مبتلا تھے۔ طبقہ خاندان و غلامان کی کیا حالت ہوگی۔ اسی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اسلام اس دین کی نعمت ہمراہ لایا تھا۔ جس کے اقرار و اختیار کے بعد خادم و مخدوم اور حاکم محکوم اور مالک مملوک سب برابر تھے۔ اور ایک صف و قطار میں بلا امتیاز و اختصاص کھڑے ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے پہلو میں زانو توڑ کر بیٹھتے تھے۔ جب خدا کی عبادت میں اسلام نے باہمی مساوات کی یہ صورت قائم کی ہو۔ تب قومی اور دیگر ضروریات میں وہ مساوات و یکجہتی کی ایسی ہی شان دکھلائے تو اس کے آئین انصاف اور اصول اخلاق دونوں کے خلاف ہوگا۔

جناب زینب کے ساتھ نکاح کا واقعہ پہلے تو اسی تعلیم و تبلیغ اسلامی کا آئینہ ہے۔ پھر ان کے موجودہ واقعہ نکاح سے ایک دوسرے دستور قومی کی بھی اصلاح مقصود تھی اور وہ یہ تھی کہ عرب میں اس وقت تک متبنیٰ کی جاہلانہ رسم بڑی شدت سے جاری تھی۔ باپ کا پروردہ لڑکا۔ صلبی لڑکے کا حکم رکھتا تھا۔ نسب و وریث، حقوق دینی اور معاملات دنیاوی میں مشارکت، غرض کسی امر میں متبنیٰ اور صلبی فرزند میں کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں تھی۔ اور یہ قانون فطرت کے اعتبار سے صلبی فرزند کی بڑی حق تلفی کا باعث تھی۔ اور قاعدہ وراثت کے لحاظ سے اگر

صلبی اولاد نہ ہوتو دوسرے قریبی عزیز واقارب کے حقوق کی بھی صریح پامالی تھی۔حضرت زینب کے اس ایک واقعہ سے ان دونوں جاہلانہ اور جابرانہ دستور و مراسم کی تنبیہ منظور ہوئی۔

یہ واقعہ اگر عقل سلیم ،نظر انصاف اور خوش نیتی سے دیکھا جائے تو بیک وقت دو خراب رسموں کی اصلاح خاص پر مشتمل تھا۔اس بنا پر اس کو موجودہ تہذیب و روشنی زمانہ میں لائق تعریف ہونا چاہتا تھا۔نہ قابل تشنیع و تعریض۔لیکن اس کو کیا کیا جائے گا۔کہ تعصب اور نفسانیت والے دونوں آنکھیں رکھ کر بھی ہر امر کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔چشم بدبیں کا خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر امر کے سمت بد پر پڑتی ہے اور محاسن کی طرف مشاہدے سے ہمیشہ خیرگی کرتی ہے گویا دیکھ ہی نہیں سکتی اگر اس واقعہ میں اس کے محاسن وافادات پر تھوڑی دیر کے لیے نگاہ کی جائے تو تحسین و آفرین کے سوا اعتراض کی آواز نہیں نکالی جاسکتی۔لیکن چونکہ طبیعت کی بدی اسی کی عادی ہوگئی ہو اس لئے رسوائی اور سیہ قلبی سے برابر کام لیا جاتا ہے اور حقیقت کی روشنی کی طرف آنکھ اٹھائی نہیں جاتی۔

اسلام نے عرب میں چشم رحمت کھولی تو غلاموں کے ساتھ ظلم و جور کا خونی منظر پیش نظر تھا۔جو ہرگز نہ مدعائے قدرت ربانی تھا اور نہ مقتضائے فطرت انسانی معلم اسلام علیہ السلام کو اپنے طریقۂ عمل سے اس کی اصلاح ضروری تھی۔اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق سے ملک وقوم کو مالک و مملوک کی درمیان اصول مساوات قائم رکھ کر اپنے اسوۂ حسنہ کی تعلیم دے۔

حضرت زید ابن حارثہ

زید بن حارثہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ملکیت میں آئے آپ کی خدمت میں تربیت پا کر جوان ہوئے ابتدا ہی سے ان کے ساتھ ایسے مربیانہ اور مساویانہ محاسن اشفاق قائم کئے گئے کہ تمام قریش اپنے دستور جہالت کے موافق زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا متبنی کہنے لگے۔اولاد ذکور کے نہ باقی رہنے کی وجہ سے ان کا یہ قیاس بطور ظاہر صحیح بھی معلوم ہونے لگا تھا۔حالانکہ اس میں جتنی اہمیت اور حقیقت تھی اس کو خدا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم خوب جانتا تھا۔اس عام خیال نے آئندہ اس سے بھی زیادہ اور قوت پکڑ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زینب بنت امیمہ بنت حضرت عبدالمطلب، اپنی خاص پھوپھی بہن کا نکاح زید ابن حارثہ سے کردیا۔

حضرت زینب نے پہلے اسی نقص غلامی کے لحاظ سے انکار کیا۔

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارادان تزوجّھا زید بن حارثہ مولاہ فکرھت ذلک فتح الباری شرح صحیح بخاری باسناد زید بن ارقم

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کردینا چاہا تو انہوں نے ناپسند کیا۔فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

لیکن چونکہ زینب بنت امیمہ بھی آپ ہی کی دامن تربیت میں پلی تھیں اور مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں اس لئے جب آپ نے

ان کو اسلام میں مملوکیت کی شان اعزاز و اکرام بتلائے تو یہ راضی ہو گئیں اور زید سے نکاح ہو گیا لیکن غلامی کا داغ ایسا نہیں تھا جو اسلام کی فوری شست وشو سے دھل جاتا۔ اس بنا پر نکاح ہو جانے کے بعد بھی حضرت زینب کے دل میں اس کی خلش باقی رہی۔ جس نے زن و شوہر کے باہمانہ تعلقات میں ناگوار صورت اختیار کی۔ فریقین میں سال بھر سے زیادہ اتفاق قائم نہ رہ سکا۔ زید برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں زینب کی تندمزاجی اور ترش روئی کی شکایت کرتے تھے اور آپ برابر انہیں سمجھا کر راضی کر دیتے تھے۔ لیکن زینب کے مزاج کی برہمی کبھی کم نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار آپس میں ایسی بگڑی کہ زید ان کے طلاق دینے پر پوری طرح تیار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں اطلاع و اجازت کی غرض خاص سے حاضر ہوئے۔ ساری روئداد عرض کی۔ اور کہا کہ اب مجھے صبر و تحمل کی طاقت نہیں۔ فتح الباری میں ہے:

جاء زید بن حارثه فقال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ان زینب اشتدَّ علیَّ لسانها وانا ارید ان اُطلّقها

زید آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بار بھی ان کو سمجھا بجھا کر طلاق دینے سے باز رکھا۔ قرآن مجید میں ان الفاظ میں اس کی تصدیق کرتا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (احزاب)

اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں لئے رہو۔ اور خدا سے خوف کرو۔

جانبین سے تاہم صفائی قلوب نہ ہوئی۔ اور آپس کی معاشرت روزانہ مشاجرت کی صورت پکڑتی گئی۔ تو بالآخر زید بن حارثہ نے زینب بنت امیمہ کو طلاق دے دی اور وہ زید کے عقد نکاح سے نکل کر آزاد ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم حالت نکاح میں زینب کو شوہر کی اطاعت کرنے اور راضی رکھنے کے لیے جیسی تاکید فرماتے تھے۔ ویسے ہی ان کے آزاد ہو جانے پر ان کی دلجوئی، تسکین اور تفقد احوال کی طرف متوجہ ہوئے یہ بالکل فی الواقع اور صحیح ہے کہ مدینہ میں، زینب کا اس وقت خبرگیران اور تفقد احوال کرنے والا سوائے ذات اقدس کے اور کون تھا؟ اس بنا پر آپ نے زینب کو اپنے حبالۂ نکاح میں لے لینا چاہا لیکن زید کی تبنیت کے خیال موہمہ کی وجہ جہال کی طعن و تشنیع کا اندیشہ تھا اور اسی وجہ سے آپ نے چند سے تامل فرمایا۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جو خدا ظاہر کر دینے والا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے

چاہیئے۔

افسوس ہے شبلی صاحب کی اختصار پسندی اقتباسات قرآنی میں بھی ابہام پیدا کرتی ہے کوتاہ رقمی کے قدیم اصول کے مطابق اس کی نقل واستنباط میں بھی صرف مبتدا سے تعلق رکھا گیا ہے اورخبر سے واسطہ نہیں جو اصلی مدعا سے بحث تھا یعنی مسئلہ تبنیت کی عدم اصیلت جو اسی آیہ کے آخری فقرات ہیں میری دانست میں آپ کے موجودہ مختصرات سے نہ معتقدین امت کا اطمینان ہوسکتا ہے نہ معترضین عیسائیت کی تشفی۔ اس لئے ہم اس پوری آیہ مبارکہ کو ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں جس کے مطالب و مقاصد سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے۔

وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ۝ مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنۡ حَرَجٍ فِیۡمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ ؕ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَۨا ۝ الَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخۡشَوۡنَہٗ وَ لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ۝ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ۝

اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بات کو یاد کرو جب تم اس شخص کو سمجھاتے تھے یعنی زید بن حارثہ کو جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا کہ اس کو اسلام کی توفیق دی اور تم بھی اس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈراور اس کو چھوڑ نہیں۔ اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو آخر کار اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور خدا اس سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زید اس عورت سے بے تعلق کر چکا یعنی طلاق دی اور مدت عدت تمام ہو چکی تو ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ عام مسلمانوں کے لے پالک جب اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں۔ تو مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کسی طرح کی تنگی نہ ہے اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے۔ اللہ نے پیغمبر کے لیے جو بات ٹھہرا دی ہو اس کے کرنے میں پہنچانے کے لیے کچھ مضائقہ کی بات نہیں جو پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں۔ ان میں یہی عادت الٰہی جاری ہوتی رہی ہے کہ ان پر خدا نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی۔ اور خدا کے جتنے کام ہیں ہر ایک امر تقدیری سے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ اگلے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم (اس صفت کے تھے کہ) خدا کے پیغام (لوگوں کو) پہنچاتے تھے۔ اور خوف خدا کرتے تھے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ (تو اے پیغمبر! تم کیوں ڈرو) اور حساب (اعمال) کے لیے اللہ ہی بس ہے وہ سب سے سمجھ لے گا۔ لوگو! محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ (تو زید کے کیوں ہوں؟) وہ تو اللہ کے رسول ہیں (اور خطوں کی مہر کی

طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں اور اللہ تمام چیزوں کے (حال) سے واقف ہے۔ترجمہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد ص ٦٧٦
اس آیہ قرآنی میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔تمبیت کی۔بے حقیقتی ،زینب وزید کی سومزاجی زید کی شکایت پر آپ برابر کی طرف سے ان کی تشفی دلجوئی۔زید کے طلاق دینے اور زینب کے آزاد ہو جانے کے بعد خدا کے حکم سے ان کے ساتھ آپ کا نکاح کر لینا۔متبنی کا اسلام میں لاشے ہونا۔اور متبنی کی عورت کا آزاد ہو جانے کے بعد تمام عورتوں کی طرح ہر مسلمان کے ساتھ جائز النکاح ہونا۔واضح طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔

معترضین اگر دیدۂ بینا رکھتے ہیں تو وہ اس آیت سے حقیقت حال پورے طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔لیکن تعصب اور نفسانیت کی گھٹا ٹوپ میں حقیقت کی روشنی کا معلوم ہونے میں ہر مذہب اپنے اصول کا پابند ہے۔اور اسلام میں بھی یہ تمام دنیا کا کلیہ مسلمہ ہے۔اور اسلام کا بھی،اس بنا پر جو واقعات اسلامی کلام الٰہیہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں۔وہ اہل اسلام کے لیے قابل تسلیم ہیں اور لائق اعتبار اور جو نہیں ہیں۔وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ قابل احتجاج ہیں نہ لائق اعتبار۔اس لئے وہ مرویات اسلامی جو معارض کلام الٰہی اور مخالف شان وبیان رسالت پناہی میں وہ کسی طریق سے مسلمانوں کے لیے حجت نہیں ہو سکتے۔

یہی حالت طبری کی اس روایت کا ہے جو عیسائی معترضین کی سرمایہ ناز ہے۔جس کی تنقید کے لیے شبلی صاحب کی یہ عبارت کافی ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم زید سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے۔زید نہ تھے۔زینب کپڑے پہن رہی تھیں۔اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب۔

پاک ہے۔خدائے برتر۔پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

زید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر زینب آپ کو پسند آگئی،ہوں تو میں ان کو طلاق دے دوں۔

میں نے یہ بے ہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے۔نقل کفر کفر نباشد۔یہی روایت ہے جو عیسائیوں کی ماریہ استناد ہے۔لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم ہوا کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے مورخ طبری نے واقدی کے ذریعہ سے نقل کیا ہے۔جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بے ہودہ روایتوں سے صرف یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لیے سند ہاتھ آئے۔طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بے ہودہ روایتیں نقل کی ہیں۔لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہ سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے۔حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں۔تاہم فتح الباری سورۃ احزاب کی تفسیر حبان اس واقعہ سی بحث کی ہی لکھتی ہیں۔

رودت اثار اخرىٰ اخرجها ابن ابى حاتم و طبرى ونقلها كثير من المفسرين لا ينبغى لتشاغل منها

اور بہت سی روایتیں آئی ہیں جن کو ابو حاتم اور طبری نے لکھا ہے اور اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے ان روایتوں میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں۔ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ذکر ابن حاتم وابن جریر ھھنا اثارا عن بعض السلف رضی اللہ عنھم اجبنا ان نضرب عنھم صفحا العدم صحتھا فلا نوردھا وقد روی الامام احمد ھھنا ایضا من روایت حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ غیر انہ توکنا میاقۃ ایضاً

ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض اسلاف سے روایتیں نقل کی ہیں جن کو ہم نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ غلط ہیں اور امام احمد نے جو روایت با اسناد حماد بن ثابت کی زبانی انس سے منقول ہے۔ ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے ہم نے اس کا بھی ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ بھی غریب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک منافقوں کا بڑا زور تھا۔ حضرت عائشہ کی تہمت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے تھے۔ جن کو شریعت کے مطابق سزائے قذف دی گئی۔ یہی وہ روایتیں ہیں جو بچی کچی محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں۔ لیکن وہ محدثین جن کا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں۔ مثلاً امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ۔ ان کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۳۲۷ ۔

اسلام کے ساتھ عیسائیوں کی عیب جوئی اور غلط گوئی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مبلغین شریعت ہمیشہ ہدف ملامت بنتے چلے آئے ہیں۔ مخالفین اپنی فطرتی کج فہمی سے ان کے محاسن کو بھی بدنما صورتوں میں دکھلاتے آئے ہیں۔ جناب زینب کا واقعہ بھی اسی کی مثال ہے۔ اس واقعہ میں منشائے قدرت۔ مدعا سے رسالت اور مقتضائے عدالت تو وہی تھا۔ جو بالتفصیل اوپر بیان ہو چکا ہے۔ معترضین کو اس کے اصلی مدعا سے تو کوئی غرض ہی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے محاسن سے کوئی واسطہ، ہاں، جاہل مشرکین اور مفسد منافقین کے ہم زبان بن کر اس پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ ان سے ہزار برس پہلے کرتے آئے ہیں۔ ان کی ان تعریضات میں سوائے نفسانیت کے نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ حقیقت جیسا کہ تفصیل سے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

واقعات متفرقہ

۱) عورتوں کو پردے میں رکھنے کا اسی سال حکم ہوا۔
۲) عورتوں کو نقاب پوش ہو کر باہر نکلنے کی اجازت ملی۔
۳) جہالت کی رسم تبنّیت کی کامل تنسیخ فرمائی گئی۔

۴) متبنی لڑکے کی منکوحہ سے۔اس کے آزاد ہو جانے اور مدعت عدت پوری ہو جانے کے بعد۔نکاح کرنے کی اجازت عام دے دی گئی۔

۵) پرائی عورت پر غلط تہمت لگانے کے لیے حد قذف کا حکم ہوا۔

۶) زن وشوہر کے درمیان لعان کے طریقہ مفارق کا بھی اسی سال حکم دیا گیا۔لعان قسم حلفی کو کہتے ہیں۔جانبین کے بیان پر جب شاہد صادق موجود نہ ہوں تو جانبین اپنے اپنے دعوے کی صداقت کی نسبت قسم شرعی کھائیں اور اس کے بعد دونوں میں تفرقہ کر دیا جائے۔

۷) دستور جہالت کے مطابق عرب میں ظہار بھی ایک قسم کی طلاق تھی۔اسلام کی شان انصاف اور مقدار عدالت نے جانبین کی اس اتفاقی شکر رنجی اور نزاع لفظی کو طلاق شرعی کی اہمیت نہیں دی۔اور صرف کفارہ (حقیقتاً غیظ وغضب کا بدل) کی ادا کاری کی حد تک رکھا۔اس کفارہ کے نزول حکم کا بھی یہی سال محقق ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ تمام تر سال حقوق نسواں میں مساوات وسہولیات کے قائم ہونے کا مبارک عنوان ثابت ہوتا ہے۔بُرا ہو ان بدبین نگاہوں کا جو ان واقعات کو دیکھ کر بھی اسلام کو صنف نسواں کی نسبت شدت وجبر کا ملزم ٹھہرالیا۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنر دیگران

۸) اسی سال پانی نہ ملنے کی حالتوں میں تیمم کا بھی حکم نازل ہوا۔

۹) نماز خوف کا بھی اسی سال حکم ہوا۔

صلح حدیبیہ

۔ صلح حدیبیہ، ذیقعدہ 6 ہجری

6 ہجری میں اقامت حج وعمرہ کا حکم آیا۔ جناب رسالتمابؐ نے بنظر سہولت وآسانی پہلے عمرہ کے ارکان مختصرہ سے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا قصد فرمایا اس لئے کہ ارکان حج وسیع وطویل تھے ان کی ادائیگی کیلئے مکہ میں کامل تین چار دن تک قیام کی ضرورت تھی۔ حج سے عمرہ کی ترکیب تعمیل مختصر تھی اور آسان۔ اور دن بھر کی مدت قلیل میں بخوبی انجام ہو سکتی تھی۔

اس تجویز میں جناب رسولخداؐ کی نظر کفّارِ قریش کی عداوت اور مشرکین مکہ کی خصومت پر زیادہ تھی جن سے حج تو کیا؟ عمرہ کے ارکان مختصرہ کے بجالانے کی بھی اجازت ملنے کی اُمید نہیں تھی۔ اس وجہ سے آپ نے قریش کے پاس صاف لفظوں میں کہلا بھیجا کہ ہم خلاف موسم حج صرف عمرہ کے قصد سے مکہ آئیں گے اور بلا قصد وخیال محاربت ومقاتلت۔ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوکر مدینہ واپس آجائیں گے۔

یوں تو عموماً تمام عرب نسل ابراہیمی میں داخل ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور انکے موطن ومسکن میں اس معبد ابراہیمی کا موجود ہونا۔ گویا ان کے دعوی کے لیے کافی تھا۔ ایک ایسا عام استحقاق تھا جس میں قبائل عدنانی کے ساتھ عرب قحطانی بھی شامل تھے جنکا سلسلہ ابراہیمی سے وابستہ ہونا ابھی تک مشکوک ہے۔ بہرحال تمام عرب میں یہ استحقاق تعمیم کی صورت رکھتا تھا۔ لیکن قریش، بنواسمعیل ہونے کے اعتبار سے اسکو تخصیص خاص کا معیار قرار دیتے تھے۔ اور اس معبد ابراہیمی کی مجاورت کو عرب کے تمام قبائل واقوام پر اپنی مفاخرت کا اصلی اور حقیقی باعث یقین کرتے تھے۔ قریش کے اس استحقاق مخصوص میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو ان پر ترجیح حاصل تھی اور اسی ترتیب وسلسلہ سے بنی ہاشم وعبدالمطلب کے موجودہ طبقہ میں اس معبد مذبح اسمعیلی کی مجاورت وتولیت کا اصلی حقدار اور حقیقی دعویدار اس وقت وہ بزرگوار تھا جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا مایہ افتخار اور تمام انبیاو مرسلین کا سیّد وسردار تھا۔

صَلّوا عَلَیہِ واٰلہ۔ اسی استحقاق اصلی اور دعویٰ حقیقی کی بنا پر اس کی شریعت ملّت ابراہیمی (مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرَاھِیۡمَ) کے نام سے موسوم کی گئی۔ اور اس کی امّت (کان ابراھیم حنیفا مسلما) کی مناسبت سے خاص طور پر مسلم کہلائی۔ اس دعوئے حقیقی رکھنے پر ذریت ابراہیمی کا وہ مایہ افتخار اور شریعت خلیل الہٰی کا حقیقی دعویدار اپنے خاندانی شعائر آثار اور مفاخر کو اغیار عرب اور کفار مکہ کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوتے ہوئے کامل تیرہ 13 برس تک دیکھ چکا تھا۔

اتنے دنوں تک وقتی مصلحت اور خدا کی اجازت کا منتظر بن کر خاموش رہنے اور صبر کرنے پر مجبور تھا لیکن منعم حقیقی نے اب حالت بدل دی تھی۔ داعی اسلام کے معاملات میں ضعف واضمحلال کی جگہ قوت واستقلال آچکا تھا۔ اور خود حریف مقابل متعدد معرکوں میں اس کے موجودہ قوت واقتدار سے متواتر شکست اٹھا کر اس کی طاقت واستقامت کا اعتراف کر چکا تھا۔ اب کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اتنی قوت و

استطاعت کی موجودگی میں بھی اپنے شعائر و آثر خاندانی کی زیارت سے محروم رکھا جائے۔اس بناپر مصلحت ایزدی نے اَقِیۡمُوۡا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَۃَ نازل فرما کر اس کوحج و زیارت حرم محترم کے لیے ماذون فرمادیا۔اوراس مصلح عالم نے بھی مصلحت وقتی پر نظر فرما کر اس فریضہ الٰہی کی ادائیگی سے پہلے ارکانِ عمرہ کی سہل اور آسان ترکیب کی تعمیل سے شروع فرمائی۔

تیرہ13 برس کامل کی خاموش اور صبر وسکوت کے بعد زیارت کعبہ کا حکم بالنفس النفیس جناب خیرالانام اور مہاجرین اسلام کو کتنا غنیمت اور عزیز معلوم ہوا ہوگا۔اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔یہ صحیح ہے کہ مہاجرین اسلام کا موطن ومسکن ان کے لیے مقتل تھا۔اور ان کے اعزّہ واقارب ان کے قاتل لیکن تاہم جب وطن دیار ومسکن یاد احباب واقارب کے جذبات ان کے قلوب مہجور میں نشتر زن تھے۔اور اس تمنا وحسرت کا لاانتہا شوق برابر دامن کش دل بے تاب تھے حالانکہ برادران وطن کے ہاتھوں سے جتنے مظالم ومصائب یہ اٹھا چکے تھے وہ ان جذبات کے زائل کرنے کے لیے کافی تھے لیکن یہ حب وطن کے دلدادہ ہمیشہ مہربانان وطن کی لذت ایذا اور لطف جفا اٹھانے کے لیے تیار تھے۔

ان شیدایان وطن کے طبقہ میں ممتازین کے جذبات وشوق کے اظہار سے قطع نظر کر کے بلال حبشی جو نہ اصل میں عربی تھے اور نہ نسباً قریشی۔صرف مکہ میں پرورش پانے اور مدت تک ہجانے کی وجہ سے شیدایان وطن میں داخل ہو گئے تھے۔اس شدت سے شوق وطن میں بے تاب و بے قرار تھے کہ اپنے موجودہ جذبات شوق میں اپنے گزشتہ ایذا و جفا کا جو اہل وطن کے ہاتھوں پانچ برس پہلے اٹھا چکے تھے ۔کبھی خیال بھی نہیں کرتے تھے مدینہ میں مکہ کو یاد کر کے بے اختیار روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اَلَا لَیۡتَ شِعۡرِیۡ هَلۡ اَبِیۡتَنَّ لَیۡلَۃً بِوَادٍ وَحَوۡلِیۡ اِذۡخِرٌ وَجَلِیۡلٌ وَهَلۡ اَرِدَنَّ یَوۡماً مِیَاهَ مُجَنَّۃٍ وَهَلۡ یَبۡدُوَنۡ لِیۡ شَامَۃٌ وَطَفِیۡلٌ

آہ۔کیا وہ دن بھی کبھی ہوگا کہ میں وادی مکہ میں ایک رات بسر کروں اور میرے گردو پیش اذخر اور جلیل کے خوشبو دار درخت روئیدہ ہوں آہ کیا کروں وہ دن بھی کبھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمے پر اتروں اور شامہ وطفیل کو دیکھ سکوں۔

ان جذبات کے علاوہ تعمیل حج وعمرہ کا لاانتہا خلوص عقائد اہل اسلام کی پر جوشی اور مسرت کے لئے کیا کم تھے۔اور وہ اس حکم خداوندی کے بعد متمنیان زیارت کعبہ کو مدینہ میں چین نہیں لینے دیتے تھے۔اس کے خلوص وعقیدت کے اندازہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے جیسا کہ علمائے محققین ومحدثین نے لکھا ہے کہ اس حکم ایزدی سے حج وعمرہ کی صرف اہمیت مراد تھی۔فرضیت کیونکہ اگر فرضیت مراد ہوتی تو آنحضرت ﷺ اسی سال فرائض حج بجالاتے۔حالانکہ فرضیت حج کا حکم ۹ ہجری میں نازل ہوا۔اور اسی سال آیات عشرہ کا اعلان عام فرما کر تمام اہل اسلام کو حج کرایا گیا اور سال آئندہ خود بھی حج فرمایا گیا۔روضہ الاحباب صفحہ 339

عمرہ ہو یا حج۔اہل اسلام کو حکم خداوندی کی تعمیل کا شوق۔زیارت حرم۔طواف کعبہ کی تمنا۔اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ ابھی سے

اسکی اہمیت کوفریضہ سمجھے تھے۔اسی خاص عالم اخلاص و اعتقاد میں براویت زرقانی جناب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رویائے صادقہ کے خاص مناظر میں مشاہدہ فرمایا۔

اِنَّهٗ دَخَلَ الْبَيْتَ هُوَوَاَصْحَابُهٗ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُوسَهُمْ اَوْمُقَصِّرِيْنَ

آپ بیت اللہ میں داخل ہوے ہیں اور آپ کے صحابہ بال منڈوائے یا کتروائے صحیح وسالم ہیں۔

آپ نے اس بشارت ایزدی سے تمام اہل اسلام کوخبر کی توان کے جذبات مسرت وفرحت کی حد نہیں تھی۔اسی وقت سے آپ نے عمرہ بجالانے کا قصد فرمالیا۔

سفر حدیبیہ بالکل دوستانہ تھا

مدبر رسالت کے ادائے عمرہ کے عزم باعزم کے ساتھ انتہا درجہ کے حزم واحتیاط کوبھی ابتدا ہی سے نظر رکھا۔یہ صحیح ہے کہ اسلام سے مختلف معرکوں میں قریش کا زور بالکل ٹوٹ گیا تھا،قوت گھٹ گئی تھی۔حوصلے پست ہوگئے تھے۔یہ سب کچھ تھا مگر تاہم اسلام سے نفرت اہل اسلام سے قلبی عداوت میں ذرا بھی خم نہیں آیا تھا۔اور ابھی تک وہ استحصال اسلام کی فکروں سے غافل نہیں تھے۔اس بنا پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل اسلام کی جمعیت کثیر لے کر سومکہ چلے جانا مصلحت کے خلاف سمجھا۔رزقانی لکھتے ہیں۔

قال الزھری لا یرید قتالاً قال ابن اسحٰق استنفر العرب من البوادی و من حوله الا عراب لیخر جوامنه و بخشی من قریش ان یتعر ضواله بحرب اویصد وہ عن البیت وابطا علیه کثیر من الاعراب فخرج ممن معه من المهاجرین والا نصار و من العرب و ساق معه الهدی واحرم بالعمرۃ لیا من الناس حزبی ولیعلمو انه انما خرج زائر اللبیت و معظماله:

امام زہری کا قول ہے کہ آپ کا اس سفر میں مطلق ارادہ جنگ نہیں تھااور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ چاروں طرف سے اور گردونواح سے اہل عرب بغرض رفاقت حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کو قریش کی طرف سے اندیشہ لگا تھا کہ وہ امادہ، پیکار نہ ہوں اور زیارت حرم محترم سے باز رکھنے کے لیے سدّ راہ نہ ہوں بہت سے اہل عرب آپ کے ہمراہ ہوگئے۔پس آپ مہاجرین وانصار اور ال اعراب کے ہمراہ جو آپ سے ملحق ہوگئے تھے مدینہ سے باہر نکلے۔قربانی کے اونٹ ہمراہ لیے عمرہ کا احرام باندھ لیا اس لیے کہ اس سامان ولباس سے دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کی آپ صرف حرم محترم کی زیارت وتعظیم بیت اللہ کے قصد سے تشریف لائے ہیں۔

شبلی صاحب اس میں اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں۔

کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظّمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی احتمال نہ ہو عمرہ کا احرام باندھا قربانی کے اونٹ ساتھ لیے یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی ہے، پاس رکھ لی جائے اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو۔ سیرۃ النبی ص329

اس حزم و احتیاط کے ساتھ موکت رسالت یکم ذی قعدہ 6 ہجری کو مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی زیارت کو روانہ ہوا۔ چودہ سو معتدین کی جماعت رکاب میں حاضر تھی۔ ذو الحلیفہ میں پہنچ کر جو مدینہ کی منزل میقات تھی۔ تمام اونٹوں کی گردنوں میں قربانی کی نشانیاں لٹکا دی گئیں۔ یہ نشانیاں کیا تھیں؟ چھوٹے چھوٹے لوہے کے ٹکڑے تھے۔ جو دھاگوں میں باندھ کر اونٹوں کے گلوں میں لٹکا دیئے گئے۔ اور یہی ہدی کے اونٹ ہونے کی علامت خاص تھی یہ اونٹ اگر گم ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اگر کسی دوسی جگہ یا کسی دوسرے شخص کے پاس چلا جاتا تھا۔ تو وہ شخص علامت قربانی دیکھ کر اس کو اپنے کسی مصرف میں نہیں لاتا تھا۔ نہ کھاتا تھا۔ نہ سواری میں لاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے مزید احتیاط کے خیال نے قبیلہ خزامہ کے ایک جاسوس کو قریش کے قصد و ارادہ کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ ذو الحلیفہ سے اٹھ کر لشکر اسلام چشمہ اشقاط پر جو حدیبیہ سے قریب اور مقابل میں واقع تھا۔ خیمہ زن ہوا۔ بنی خزاعہ کا جاسوس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ قریش نے تمام قبائل عرب کو سازش میں لا کر اس امر پر اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں۔

یہ خبر بالکل صحیح تھی اور فی الواقع۔ قریش آنحضرت ﷺ کے ارادہ کی خبر پاتے ہی جمعیت عظیم کے ساتھ جنگ و پیکار پر تیار تھے۔ اور ایک جمعیت کو خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی ماتحتی میں مقدمہ الجیش بنا کر طلیعہ کے طور پر لشکر اسلام کی سراغ رسانی کی غرض سے بھیج چکے تھے۔ قریش کی یہ جمعیت غمیم تک پہنچ چکی تھی۔ اور خاص لشکر قریش کی چھاؤنی مقام ملاح میں قائم تھی۔

مقام حدیبیہ میں نزول رسالت اور صحابہ سے مشاورت

جناب رسالت مآب ﷺ کو قریش کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ایک غیر متعارف راہ سے کترا کر مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔ یہاں صرف ایک کنواں تھا۔ جو چودہ سو آدمیوں کی جمعیت کو صرف ایک بار سے زیادہ پانی پلا سکا۔ خالد بن ولید نے مقام غمیم سے پوشیدہ آ کر قریش کو مکہ میں آنحضرت صلعم کے حدیبیہ اترنے کی خبر پہنچا دی۔ کمال عاقبت بینی اور مآل اندیشی کے خیال سے آپ نے حدیبیہ سے آگے بڑھنے کا قصد نہ فرمایا۔ صحابہ سے مشاورت فرمائی۔ مواہب لدنیۃ کی عبارت سے الفاظ استفسار یہ تھا۔

اشیرو اعلی ۔ایھا الناس اتر ون ان امیل الی عیالھم و ذراریھم ھولآ ءالذین یریدون ان یصدونا عن البیت و فیہ

لوگو! اب تمہاری کیا رائے ہوتی ہے کیا تم لوگ اپنے بال بچوں کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو اس لیے کہ یہ

لوگ تمہیں بیت محترم میں جانے سے ضرور روکیں گے۔
مجمع میں حضرت ابوبکر بول اٹھے:

یا رسول اللہ خرجت عامدا لھذا البیت لا ترید قتل احد و لا حرب احد
فتوجہ لہ فمن صدناہ

یا رسول اللہ صلعم ہم تو زیارت بیت محترم کے قصد سے باہر نکلے ہیں نہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہے اور نہ کسی سے لڑنے کا قصد ہے۔ آپ خانہ کعبہ کی طرف چلے جائیں جو ہماری راہ روکے گا ہم اس سے لڑائی کریں گے۔

انکے بعد جماعت انصار کی طرف سے مقداد بن عمر جو ابوالا سود کی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں اٹھ کر اظہار عقیدت کرنے لگے۔ انھوں نے اس موقع پر بھی اپنی اسی تقریر کا اعادہ کیا جس کو وہ جنگ بدر کے موقع پر عرض کر چکے تھے جس کو ہم پہلی جلد میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

بدیل بن ورقا۔ رئیس خزاعہ کی معرفت قریش کے پاس پیغام صلح

جان نثاران اسلام کی موجودہ شان جان نثاری و وفاداری دیکھ کر بھی کمال احتیاط کے خیال سے فوری پیش قدمی کا قصد نہ فرمایا گیا اور حدیبیہ کے آگے قدم نہ بڑھایا گیا۔ قبیلہ خزاعہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا۔ لیکن قدیم الایام سے یہ قبیلہ مکہ کے نواح میں آباد تھا اور اپنی آبادی کے وقت سے قبیلہ بنی ہاشم کا حلیف تھا۔ (زرقانی ص 215) وہی مراسم و روابط ابھی تک قائم تھے اور اسی بنا پر برابر قریش کی حرکات و سکنات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا کرتے تھے۔ حسن اتفاق سے ان کا رئیس القبیلہ۔ بدیل بن ورقا۔ یہ خبر پا کر کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آبادی سے قریب میں مقیم ہیں۔ بقصد زیارت خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کا قصد و ارادہ سن کر عرض کرنے لگا کہ کفار قریش کا لشکر عظیم مخالفت پر تیار ہے۔ وہ آپ کو مکہ جانے نہیں دے گا۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ تم میری طرف سے بطور سفارت قریش کے پاس جاؤ اور کہہ دو کہ ہم صرف زیارت کعبہ کے قصد سے آئے ہیں۔ ہم کو تم سے جنگ و پیکار کرنا ذرا بھی منظور نہیں ہے۔ اگر تم لوگ اپنی موجودہ حالتوں کے متعلق جنگ و پیکار کے موجودہ سامان و ارادہ سے قطع نظر کر کے میری تجویز و صلاح سے کام لینا چاہو۔ تو میں تم کو یہی رائے دوں گا کہ مختلف معرکہائے جنگ میں متواتر شکست کھانے اور ہزیمت اٹھانے سے تمہاری حالتیں اس قابل نہیں رہی ہیں کہ تم کسی فوری جنگ کا ارادہ کر سکو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم ایک مدت مقرر تک میرے ساتھ مصالحت قائم کرلو۔ اور عرب کے دیگر قوم وقبائل کو چھوڑ دو۔ ہم اور وہ آپس میں تصفیہ کرلیں گے۔ اگر قریش میری اس صلاح سے اتفاق نہ کریں گے اور ان شرائط پر راضی نہ ہوں گے۔ تو خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ جان لیں اور سمجھ رکھیں کہ جب تک میری گردن پر میرا سر باقی رہے گا میں ان سے لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم کو ہمارے اور ان کے درمیان جو فیصلہ کرنا منظور ہوگا وہ کر دے گا۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔

پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما کیونکہ تو ہی سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بدیل خدمت رسالت سے یہ پیغام مصالحت لے کر قریش کے پاس آیا۔اتفاق سے تمام اعمائدو اکابر قریش حرم میں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔بدیل نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں اگر آپ لوگ سننا چاہیں تو میں سنادوں۔یہ سن کر چند شریر الطبع اور فتنہ جو بول اٹھے کہ ہم کو ان کے کسی نامہ و پیام سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔لیکن اکثر معتدل امزاج مبتین۔مشرکین کہنے لگے۔کچھ مضائقہ نہیں۔بدیل کہو۔کیا پیام لائے ہو۔بدیل نے لفظاً آنحضرت صلعم کا پیام کہہ سنایا۔عروی ابن مسعود ثقفی۔جو امرائے قریش میں اس وقت سب سے زیادہ کبیر السن اور تجربہ کار تھا۔پیام مبارک اور شرائط صلح کو سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔اور قریش کے تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ کیا تم لوگ سن و سال اور تجربہ و کمال کے لحاظ سے میرے بچوں کے برابر نہیں ہو۔اور میں تمہارے باپ کے ہمسر نہیں ہوں۔سب نے کہا ہاں۔ہم میں سے کسی کو تمہاری عظمت و بزرگی اور عقل و دانشمندی میں عذر نہیں۔عروہ بولا۔تم کو میری طرف سے کسی سازش یا کسی قسم کی اثر پذیری وغیرہ کا گمان تو نہیں۔سب نے کہا کبھی نہیں۔عروہ نے کہا۔تو میں تم سے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شرطیں پیش کی ہیں وہ سب معقول ہیں۔اچھا تو بدیل کی طرح اپنا پیامبر بنا کر تم لوگ مجھ کو ان کے پاس بھیج دو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر بالمشافہ تمام امور طے کراتا ہوں۔تمام قریش نے اس کی سفارت کو قبول کرلیا۔

بارگاہِ رسالت میں عروہ۔سفیر قریش کی گفتگو

عروہ ابن مسعود ثقفی مکہ سے حدیبیہ میں آیا۔اور بارگاہ رسالت میں باریاب ہو کر عرض کرنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے ہم اس کو مان لیتے ہیں کہ تم نے تمام افناد قریش کا کامل استحصال کر دیا۔لیکن یاد رکھو اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ مثال بھی تمہارے ساتھ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی کہ تم نے اپنی قوم و قبیلہ کو اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ و برباد کر ڈالا۔اور اگر جنگ دوسر دار۔اس کے خلاف نتیجہ معرض ظہور میں آیا تو یہ چند اوباش جو تمہارے گرد و پیش جمع ہیں آناً فاناً۔ذرہائے ریگ کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے۔زرقانی کی زبانی عروہ کے یہ آخر الفاظ تھے:

وانی لا ری اشوابا یعنی اخلاطا من الناس خلیفا ان یفروا عنك ویدعوك ویروی اوباشا بتقدیم الواو علی الباء الموحدۃ۔اشوابا الاخلاط من انواع شتی والا و باش الاخلاط من السفه

میں آپ کے اشواب یعنی ہر قسم کے آدمیوں کا مخلوط گروہ و انبوہ دیکھتا ہوں۔یہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور آپ نہیں بلاتے رہ جائیں گے۔اور ایک روایت میں ہے کہ اشواب کی جگہ اوباش کہا تھا۔اشواب قسم قسم کے لوگوں کے خلط ملط کو کہتے ہیں اور اوباش چھوٹے درجہ کے لوگوں کو کہتے ہیں۔

عروہ کا یہ کلام سن کر حضرت ابو بکر کو سخت غصہ آ گیا ۔ یہاں تک کہ عروہ کو بے نقط سنائی۔شبلی صاحب لکھتے ہیں عروہ نے آحضرت ﷺ سے پوچھا یہ کون ہے آپ نے فرمایا۔ابو بکر عروہ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا۔لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے۔جس کا بدلہ میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا۔سیرۃ النبی جلد اول ص 331

عروہ پوری آزادی اور بے تکلفی سے مقابل بیٹھا آنحضرت ﷺ سے باتیں کر رہا تھا اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق کہ متکلم باتیں کرتے وقت مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتا ہے۔ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا مغیرہ ابن شعبہ آنحضرت ﷺ کی پشت پر ہتھیار باندھے کھڑا تھا۔اور وہ ان حرکات کو آداب رسالت کے خلاف سمجھ کر کہنے لگا ۔عروہ اپنا ہاتھ ریش مبارک سے ہٹا لے ۔ورنہ۔اس بار تیرا ہاتھ لوٹ کر نہ جائے گا۔عروہ نے مغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔اے مکار۔کیا تیری موجودہ مکاری کی حالت میں بھی میں تیرا کام نہیں چلا رہا ہوں۔

عروہ۔سفیر قریش کی واپسی اور قریش سے گفتگو

حضرت ابو بکر اور مغیرہ کے اظہار عقیدت کے علاوہ عروہ۔اثنائے گفتگو میں تمام صحابہ کی شان وفاداری اور انداز جان نثاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔اور آداب رسالت اور محاسن عقیدت کے تعجب انگیز اور حیرت خیز اثر لے کر رسول اللہ صلعم کی خدمت اور مسلمانوں کی جماعت سے رخصت ہوا۔مکہ میں قریش کے پاس آیا۔اور بڑی آزادی سے صاف صاف لفظوں میں تمام صنادید قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے شاہاں روم ۔کجکلاہان فارس اور ملوک حبشہ کے بڑے بڑے دربار دیکھے ہیں ۔ان کی تہذیب ،تمدن، اخلاق، معاشرت، اور عقیدت کو متعدد اور متواتر بار مشاہدہ کیا ہے۔لیکن تم یقین جانو۔میں اس وقت اس صحبت اور اس بارگاہ سے چلا آ رہا ہوں۔جس کی تہذیب، شائستگی اور حسن عقیدت کی مثال سے سلاطین کے دربار بالکل خالی ہیں۔محمد ﷺ باتیں کرنے لگتے ہیں ۔تو سب کے سب ہمہ تن تصویر بن کر چپ سنا کرتے ہیں ۔کچھ عرض کرنے لگتے ہیں تو افراط ادب سے سلسلہ کلام میں کبھی اپنی صدا کو آنحضرت کی آواز سے بلند ہوتے نہیں دیتے۔کوئی شخص ان سے نظر اٹھا کر یا آنکھیں ملا کر باتیں کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ایک کو حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے سو ٹوٹ پڑتے ہیں ۔وضو کرتے ہیں تو پانی کا قطرہ قطرہ تبرک بن کر رفقا میں تقسیم ہو جاتا ہے۔بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت مند ہاتھوں ہاتھ لے کر روی و محاسن کی غذہ بنا لیتے ہیں ۔اس لیے میری صلاح یہی ہے کہ جو شرائط وہ پیش کریں ۔ان سے مصالحت کر لی جائے۔ملک و قوم کی اسی میں بھلائی ہے ورنہ جس لشکر کو میں ان کے ساتھ دیکھ آیا ہوں وہ ایسا ہی ہے کہ جنگ و مقابلہ سے کبھی منہ نہ پھیریں گے ۔تا وقت یہ کہ سب اپنے گلے نہ کٹوا لیں ۔یا تمہارے گلے کاٹ کر تم پر غالب نہ آ جائیں ۔زرقانی جلد دوم ص 222 مطبوعہ مصر روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ 353

عروہ کی تقریر کا جلیس رئیس قبیلہ حبشہ پر اثر اور اس کی دربار رسالت میں سفارت:

عروہ بن مسعود ثقفی کی یہ تقریر سن کر قریش کے مجمع میں سناٹا ہو گیا۔ عروہ کے مشاہدات کے خلاف کسی کی زبان نہ کھلی۔ عروہ کی تقریر نے جلیس جو قبیلہ احابیش (حبشیوں) کا رئیس تھا۔ اور اس وقت قریش کی طلبی پر اپنی فوج کثیر لے کر مکہ میں مقیم تھا۔ بڑی تاثیر کی وہ ایک بار اٹھ کھڑا ہوا اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ عروہ تو دیکھ آئے۔ اب آپ لوگ ہمیں بھی دیکھ آنے دیں۔ سب نے حلبیس کو اجازت دے دی۔ جلیس وہاں سے چلا جب قافلہ اسلام کے پاس پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو دور سے آتے دیکھ کر صحابہ سے ارشاد کیا کہ اس وقت ہماری طرف اس قوم کا آدمی آ رہا ہے جو مراسم قربانی کو بڑی تعظیم کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ امام قسطلانی لکھتے ہیں۔

قال رسول الله هذا فلان وهو من قوم يعظون البدن فا بعثو ها لى ليعتبر يروه و يحقق انهم لم يريد واحر با فيعينهمعلى دخول مكه لنسكهم واستقبله الناس يلبسون:

جناب رسول خدا ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے (نام لے کر) اور اس قوم کا آدمی ہے جو اشیائے قربانی کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ پس ان پر اثر ڈالو۔ یہ سن کر تمام لوگوں نے قربانی کے اونٹوں کو یکجا کھڑا کر دیا تا کہ وہ دیکھ لے اور تحقیق کر لے کہ جماعت اسلام کا امادہ مکہ کے داخلہ سے سوائے مناسکات قربانی بجالاے کے کچھ اور نہیں ہے۔ پھر سب نے مل کر اس کا استقبال کیا اور لبیک کہی۔

جماعت مسلمان کے یہ سامان اور عنوان دیکھ کر وہ متحیر ہو گیا۔ اور مسلمانوں کی سلیقہ شعاری اور دینداری سے موثر ہو کر آبدیدہ ہوا اور بیساختہ پکار اٹھا۔

هَلَكَتْ قُرَيْشُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ:

خدائے کعبہ کی قسم۔ قوم قریش ہلاک ہو گئی۔

جلیس کی واپسی اور قریش پر اس کی تقریر کا اثر

یہ کہہ کر اس نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا کہ یہ لوگ (مسلمان) تو سوائے عمرہ وزیارت کعبہ کے اور کسی قصد وارادے سے نہیں آئے ہیں۔ امام قسطلانی نے اس کی تقریر کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

رأيت البدن قد قلدن واسعرت بما ارى ان تصدّوا عن البيت

میں تو ان لوگوں کی قربانی کے جانور اور ان میں علامات قربانی لٹکی ہوئی دیکھ آیا۔ ایسی حالت میں تم انھیں

بیت الٰہی میں داخل ہونے سے کیسے روک سکتے ہو؟
قریش نے اس سے مغرورانہ لہجہ میں ڈانٹ کر کہا:

اجلس فانما انت اعرابی لا علم له:

بیٹھ جا۔ تو صحرائی عرب سے ہے تو کیا جانے۔
جلیس بھی آخر عرب تھا یہ تحقیرانہ ڈانٹ سن کر چراغ پا ہو گیا۔ قریش کے بھرے مجمع کو مخاطب کر کے با آواز بلند کہنے لگا۔

یامعشر قریش والله ماعلی حالفنا کم و لاعلی هذاعاهدنا کم ولا ابصدعن بیت الله من جاء معظماله والذی نفس الجلیس بیده لخلن نتك بین محمد وبین ماجاء له والانفرن بالانفرة رجل واحد فقالواله اکفف عنایاجلیس حتی تاخذلانفسا ماترضی به

اے گروہ قریش میں نے اس امر پر تم سے عہد و پیمان نہیں کیا اور نہ اس لیے تھا اور نہ اس لیے ساتھ دیا تھا کہ جو شخص زیارت خانہ کعبہ کے قصد سے آئے اسے آنے سے منع کیا جائے۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں جلیس کی جان ہے۔ اگر تم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے رفقا کے ساتھ اجازت نہ دی کہ وہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں تو میں ابھی ابھی ایک ایک کر کے افراد قوم احابیش کو لے کر چلا جاؤں گا۔
یہ سن کر قریش سمجھ گئے برا ہوا۔ منت و سماجت کر کے اس کی کسی نہ کسی طرح تشفی و تسکین کر دی۔ اور سمجھا دیا کہ اس معاملہ کو ہمارے استصواب رائے پر چھوڑ دو۔ ہم خود اپنی تجویز و اصلاح سے ان کے ساتھ صلح کر لیں گے۔
تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے یہ واقعہ کا واقعہ چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کیا مصلحت سمجھی گئی۔

قریش کے پاس اسلام کا بار دیگر پیام صلح

چونکہ عروہ کے آنے کا کوئی نتیجہ اب تک معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے جناب رسالت آب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خراش بن امیہ کو اپنا خاص اونٹ ثعلب نامی دے کر اپنی طرف سے بغرض استفسار قریش کے پاس بھیجا۔ کوئی حالت۔ کوئی طریقہ اور انداز نہ اختیار کیا جائے۔ قریش کی شقاوت اسلام کی طرف سے کم ہونے والی نہیں تھی۔ خراش کے پہنچتے ہی قریش ایک بار اس پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے اس کے اونٹ کو ٹکڑے بوٹی کر ڈالا اور قریب تھا کی خراش کے بھی پرزے اڑا دیجاتے۔ لیکن قوم احابیش نے بیچ بچاؤ کر کے بچا لیا اور یہ غریب اپنی جان لے کر بھاگ گیا۔

کفرو اسلام کے اخلاق کی بے نظیر مثال

قریش نے ان ظالمانہ حرکتوں سے اہل اسلام کو مرعوب کرنا چاہا تھا۔مدعا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپکے رفقا خائف ہو کرنا کامیاب ہوکر واپس جائیں۔لیکن اب یہ محال تھا۔اہل اسلام کو قریش پر غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔قریش کو شکست دے کر متعدد معرکوں میں ان کی تاب وطاقت کو آزما چکے تھے۔پھر اب سے کیا ڈرتے اور کب دیتے۔

مزید شقاوت اور دہشت انگیزی کے قصد سے قریش نے خفیہ طور پر پچاس تیرانداز جوانوں کا ایک دستہ قافلہ اسلام پر تیر بارانی کے لیے بھیج دیا۔لیکن اتفاقاً سب کے سب گرفتار کر لیے۔رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کئے گئے۔اگر چہ ان خطا کاروں کی خطا و جرم بالکل کھلے تھے اور صاف۔اور ایسے تھے کہ کسی طرح عفو کے قابل نہیں تھے۔لیکن رحمت عالم اور خلق مجسم نے قبل از ارتکاب جرم مجرمین کی سزادہی کو انصاف رسالت کے خلاف اور مصلحت وقت کے منافی سمجھا۔اور سب کو چھوڑ دیا۔خدا کی قدرت جو لوگ خائف ہوکر جدھر سے آئے تھے ادھر واپس گئے۔قرآن مجید میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ

وہ وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔

قریش کے پاس تیسری بار پیام صلح حضرت عمر کے اغماض پر حضرت عثمان کا ارسال

نہ عروہ کے معاملہ کا نتیجہ نکلا اور نہ جلیس کے مشاہدہ کا فائدہ۔خراش ابن امیہ کا ارسال بھی مفید کار نہ ہوا۔بالآخر جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت عمر کو قریش کے پاس تصحیح حالات کی غرض سے بھیجنا چاہا مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ابن ہشام لکھتے ہیں۔

دعا عمر ابن الخطاب لیبعثه الی مکه فیلغ عنه اشراف قریش ما جاء له فقال یا رسول الله انی اخاف قریشا علی نفسی و لیس بمکهة من بنی عدی بن کعب احدا یعنی وقد عرفت قریش عدوانی ایا ھا رغلظتی علیھا ولکن ادلك علی رجل اعزبھا منی عثمان بن عفان:

جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت عمر الخطاب کو اس لیے بلایا کہ ان کو اشراف قریش کے پاس بھیجیں اور پیام صلح دیں حضرت عمر بولے۔یا رسول اللہ ﷺ۔مجھ کو قریش کی طرف آہنی جان کا خوف ہے اور اس

وقت میرے قبیلہ عدی بن کعب کا کوئی آدمی مکہ میں نہیں ہے۔جو میری اعانت کرے۔قریش کے ساتھ میری سختی وعداوت بھی ظاہر ہے لیکن اپنے سے زیادہ معزز آدمی اس کام کے لیے آپ کو بتلائے دیتا ہوں ۔وہ عثمان بن عفان ہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اغماض کا کیا جواب دیتے۔خاموش رہ گئے۔ان کے کہنے کے مطابق حضرت عثمان بلائے گئے۔سب امور کہہ کر وہ بھیجے گئے۔یہ بھی اپنے عزیز خاندان ایان بن سعید کی حمایت وضمانت میں ہو کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان وغیرہم سے مل کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

حضرت عثمان اور قریش سے گفتگو:

تاریخ ابن الوردی میں ہے

ثم دعا رسول الله ليبعثه الى قريش يعلمهم انه لم يات بحرب و انما جا ء زآئر لبيت الله عمر فبعث صلعم عثمان بن عفان الى ابو سفيان وا شرا ف قريش تعرفهم ذلك فقالو ان احيست امنك تطوف تطف فقال ما كنت لا فعله حتى يطوف رسول الله قتل فقال لا فبره حتى تنا جز القوم و دعا صلعم الى بيعة الر ضوان تحت الشجرة۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم جا کر قریش کو مطلع کر دو کہ ہم لوگ لڑنے کے قصد سے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے آئے ہیں۔حضرت عمر قریش سے خائف ہوئے۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو ابوسفیان وغیرہ کے پاس بھیجا۔چنانچہ حضرت عثمان نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔انھوں نے کہا کہ اگر تم خود طواف کرنا چاہتے ہو تو کر لو حضرت عثمان نے کہا میں بغیر رسول اللہ صلعم کے ایسا نہیں کر سکتا۔یہ سن کر کفار قریش نے ان کو قید کر لیا۔یہاں تک کہ رسول اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اب ہم اس قوم سے مقابلہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔پس آنحضرت صلعم نے سب لوگوں کو زیر درخت بیعت رضوان کے لیے طلب فرمایا۔

بیعت رضوان

تاریخ طبری میں ہے:

بیعت تحت الشجرۃ،عن سلمه ابن الا کوع

قال نادی منادی النبی ﷺ ایها الناس لبیعته البیعة نزل روح القدس فثر نا الی رسول الله صلعم وهو تحت شجرۃ سمرۃ فبا یعنا

سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں کہ منادی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ندا کی کہ ایہاالناس حکم خدا آیا ہے کہ بیعت کے لیے حاضر ہوں یہ سن کر ہم لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آنحضرت صلعم درخت سمرہ کے نیچے تشریف فرما تھے۔ہم سب نے بیعت نبوی کا شرف حاصل کیا۔

تاریخ ابن ہشام میں ہے:

حدثنی عبد الله بن ابو بکر ان رسول الله ﷺ قال حین بلغه ان عثمان قد قتل لا نبر ح تنا جز القوم فدعا رسول الله صلعم الی البیعة فکا نت بیعة الر ضوا ن تحت الشجرۃ فکان النا س یقو لو ن با یعهم رسو ل الله صلعم لم با یعنا علی المیت ولکن با یعنا علی ان لا تفر فبا یع رسول الله صلعم النان ولم یحلف جابر ابن عبد الله یقول الله لکانی انظر الیه لا صقا طا ئط ناقته صبیا ء الیها تشیزها من النا س ثم انی رسول الله صلعم ان الذے ذکر من عثمان باطل:

عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ میں عثمان کے خون کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس کے بعد آپ نے تمام لوگوں کو بیعت کے لیے ایک درخت کے نیچے بلایا۔اورلوگوں نے آپ سے مرجانے کی شرط پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس شرط پر بیعت کی تھی۔کہ لڑائی سے نہیں بھاگیں گے۔چنانچہ سوائے جد بن قیس کے موجودہ مسلمانوں میں سے کوئی فردواحد بھی آنحضرت کی ان شرط بیعت سے روگردان نہیں ہوا۔جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔کہ وہ جد بن قیس رو ابغل میں دابے اپنے اس ناقہ سے اترا۔جس کے دونوں لب پکے ہوئے تھے۔لوگوں سے چھپ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ قتل عثمان کی خبر غلط ہے۔

شبلی صاحب بیعت رضوان کے متعلق فرماتے ہیں۔
آپؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔تمام صحابہ نے جن میں زن و مرد شامل تھے۔ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا۔یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔
سورہ فتح میں اس بیعت اور واقعہ کا ذکر ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾

خدا مسلمانوں کی قوموں سے راضی تھا۔جبکہ وہ تیرے ہاتھوں درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔سو خدا نے جان لیا جو ان لوگوں کے دلوں میں تھا تو خدا نے ان پر تسلی نازل فرمائی اور عاجلانہ فتح دی۔
لیکن بعد کو معلوم ہوا وہ خبر صحیح نہیں تھی۔ص 333 سیرۃ النبی۔
شبلی صاحب نے اس واقعہ کو مہتم بالشان واقعہ اسلام بتلایا ہے۔اور حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی۔لیکن اس وقت کے جیسا ولولہ انگیز جوش مسلمانوں میں ہمیشہ بنا رہتا تو البتہ اس کی مستقبل اہمیت پر ہمیشہ افتخار کیا جا سکتا تھا۔واقعات تو بتلا رہے ہیں کہ یہ جوش و خروش بالکل وقتی تھا۔صحیح بخاری کی مفصلہ ذیل حدیث سے اس پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

عن العلاء بن المسيب عن ابيه قال لقيت البراء بن عازب فقلت طوبى لك صحبت النبى صلعم وبايعت تحت الشجر فقال يابن اخى انك لا تدرى ما احدثناه بعده:

علاابن مسیب اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے براءابن عازب سے ملاقات کی اور کہا کہ خوشا حال تمہارا کہ تم نے رسول مقبول کی صحبت اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔برا نے کہا۔اے بھتیجے یہ بھی جانتے ہو کہ ہم لوگوں نے آنحضرت صلعم کے برابر کیا احداث کیا۔بحوالہ تاریخ احمدی ملبوعہ لکھنو 35

بارگاہ رسالت میں سہیل بن عمر سفیر قریش کی آمد اور گفتگوئے صلح

بیعت رضوان بھی ہو چکی۔اور مسلمانوں کے خلوص و عقیدت کا امتحان بھی جب اس بیعت کی خبر مکہ میں پھیلی تو قریش کو بھی تشویش دامنگیر ہوئی مکرز بن حفص۔ایک خلق شریر الطبع اور مفسد شخص بیعت رضوان کی حقیقت دریافت کرنیکی غرض سے جمعیت اسلام کی طرف چلا۔مواہب الدنیہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا ترجمہ: یہ مکرز مرد فاجر ہے اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے کہہ دیا کہ یہ دغا باز شخص ہے۔اس سے کوئی بات نہ کرے میں خود ان سے گفتگو کروں گا۔لیکن قبل اس کے کہ وہ آنحضرت

ﷺ کے پاس پہنچ کر ہمکلام ہوتا سہیل بن عمر آ گیا اور جناب رسول خدا صلعم اس سے مخاطب ہوئے۔

قریش نے سہیل بن عمر کو خاص طور پر منتخب کر کے سفارت کے لیے بیٹھا تھا۔ اور احتیاطاً حولطیب بن عبدالعزیٰ کو اس کے ہمراہ کر دیا تھا۔ سہیل بڑا فصیح و بلیغ مشہور تھا۔ اور زرقانی کے قول کے مطابق خطیب عرب کہا جاتا تھا۔ ص423۔ قریش نے رخصت کرتے وقت کہہ دیا تھا کہ شرائط صلح اسی امر پر منظور کیے جائیں گے کہ آنحضرت ﷺ بغیر عمرہ کیے واپس جائیں۔

سہیل بن عمر کو آتا دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ کہ اس شخص کے بھیجنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ قریش کو ہمارے ساتھ صلح منظور ہے اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ نے سہیل کو آتے ہی پہچان لیا اور فرمایا ترجمہ: ہمارے کام سہل ہو گئے۔ زرقانی نے بھی ان کلمات کو ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے اسناد سے لکھا ہے۔

قریش کے پیش کردہ شرائط صلح اور آنحضرت صلعم کی منظوری

سہیل حاضر خدمت ہوا۔ آنحضرت صلعم کی پشت مبارک پر اس وقت سعد بن عبادہ اور بسر بن عبادہ انصاری بنظر استحفاظ ہتھیار باندھے کھڑے تھے۔ سہیل نے قریش کی طرف سے گفتگوئے صلح شروع کی۔ اور بیان کیا کہ آپ دس مہینوں تک حج وعمرہ کا قصد نہ کریں ان کے درمیان مصالحت ممکن ہے۔ ورنہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسے منظور کر لیا۔

اس کے بعد سہیل بن عمر اور آنحضرت صلعم کے درمیان دیر تک شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جملہ شرائط ان کے درمیان طے ہو گئے۔ صرف کتابت رہ گئی۔ مسلمانوں میں عمر اس صلح کے سخت مخالف نکلے۔ تفصیل یہ ہے۔

حضرت عمر اور صلح حدیبیہ سے مخالفت:

ابن ہشام لکھتے ہیں۔

فلما انتهی سهیل ابن عمر الی رسول ﷺ تکلم فا طال کلام و تراجعا ثم جری بینهما الصلح فلما تتم الا مر و لم یبق الا الکتاب وثب عمر بن الخطاب فاتی ابو بکر فقال یا ابا بکر الیس رسول الله قال بلی قال اولسنا با لمسلمین قال بلی قال او لیسو ابا المشرکین قال بلی قال فعلام نعطی الدینه فی دیننا قال ابو بکر یا عمر الزم عز زه فانی اشهد انه رسول الله قال نعم انا اشهد انه رسول الله ثم اتی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله الست بر سول الله قال بلی قال أولسنا المسلمین قا بلی قال قال اولیسوا بالمشرکین قال بلی قال فعلا م نعطی لدیثه فی دیننا قال انا عبد الله ورسوله ان اخلف امره وان یضینی قال فکان عمر یقول ما زالت ا تصدق و

اصوم و ا صلی واعتق من الذی صنعت یومئذ عن مخا فیه کلا می الذی تکلمت به حتی رجوت ان نکون خیرا ۔

سہیل بن عمر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچ گیا اور باتیں شروع کیں اور ان کے درمیان دیر تک باتین رہیں یہاں تک کہ آپس میں اتفاق رائے اور شرائط صلح بھی تجویز ہو گئے ۔اور جملہ امور طے ہو گئے ۔صرف ان کا قلم بند ہونا باقی رہ گیا۔اس اثنا میں حضرت عمر بن الخطاب حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو بکر کیا یہ رسول اللہ نہیں ہیں ۔حضرت ابو بکر نے کہا ہاں ہیں حضرت عمر نے پوچھا ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں ۔حضرت ابو بکر نے کہا ہاں ہیں ۔حضرت عمر بولے کہ وہ لوگ مشرک نہیں ہیں ۔حضرت ابو بکر بولے ہاں ہیں ۔حضرت عمر نے کہا ہم کیوں اس وقت اپنے دین میں خبست اور نقص گوارا کریں ۔حضرت ابو بکر نے کہا۔یہ اعتراض نہ کرو میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں حضرت عمر بولے کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں پھر حضرت عمر خود جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ رسول خدا نہیں ہیں ؟ارشاد ہوا۔ہاں حضرت عمر بولے کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ارشاد ہوا۔ہاں ہیں ۔حضرت عمر نے کہا کہ پھر کیوں اپنے دین میں خبست ونقص گوارا کریں؟ آپنے ارشاد فرمایا۔سنو عمر!میں خدا کا رسول بھی ہوں اور اس کا بندہ بھی اگر میں اس کے خلاف کروں تو وہ مجھ پر عذاب نازل کرے گا ۔حضرت عمر کا بیان ہے کہ آپ اس گستاخانہ کلام کے کفارہ میں ہمیشہ صدقہ دیتے رہے۔نمازیں پڑھتے رہے۔زکوۃ دیتے رہے روزے رکھتے رہے اور غلام آزاد کراتے رہے۔یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ عمل خیر تھا۔

صحیح بخاری میں بھی حضرت عمر کی یہ گفتگو درج ہے۔لیکن حضرت ابو بکر سے استفسار کا ذکر نہیں ہے بخاری کی عبارت یہ ہے:

قال عمر بن الخطاب فاتیت النبی فقلت الست نبی الله حقا قال بلی قال قلت ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت فلم نعطی الد نیته فی دیننا قاله انی رسول الله ولست اعصینه وھو نأصری:

حضرت عمر نے فرمایا کہ بروز صلح حدیبیہ میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے کہا کہ آپ نبی برحق نہیں ہیں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔بے شک ہوں ۔میں نے کہا ہم حق پر اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں

آنحضرت نے فرمایا۔ بے شک ہیں۔ تو میں نے کہا تو پھر ہم کیوں اس وقت اپنے دین میں خبست اور نقص گوارا کریں؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سنو میں خدا کا رسول ہوں اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا ۔وہی میرا مددگار رہے۔ بحوالہ تاریخ احمدی 54

حدیبیہ کے مسئلہ صلح میں حضرت عمر کی مخالفت۔ شک فی النبوۃ کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ جس کا اعتراف خود حضرت عمران الفاظ میں فرماتے ہیں؛

والله اشككت منذ اسلمت الا يومسئذٍ فاتيت النبی صلعم فقلت الست نبی الله حقا قال بلی قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت الیس قتلانا فی الجنه و قتلا هم فی النا ر قال بلی قلت فلم نعطی الدینته فی دیننا قال انی رسول الله ولست اعصیه وهو ناصری:

آج کے دن کے سوا۔ اسلام لانے کے دن سے آج تک مجھے کبھی السا شک نہیں ہوا تھا۔ میں آنحضرت کی خدمت میں گیا۔ اور کہا کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہاں، ہوں۔ پھر میں نے کہا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں اور کیا ہمارے مقتول جنت اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر دین میں نقص اور خبست کیا معنی (یعنی آپ کیوں صلح کرتے ہیں) آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہ میرا معین ومددگار ہے۔ بحوالہ تاریخ احمدی 55

شبلی صاحب نے خدا جانے کس مصلحت سے حضرت عمرؓ کے اختلاف رائے کے واقعہ کو تحریر صلح نامہ کے بعد لکھا ہے۔ حالانکہ تاریخ وسیرت کیا۔ تمام کتب حدیث کی ترتیب بیان کے بھی خلاف ہے۔

حضرت عمر کی اس بے وقت مخالفت اور بے جا تعریض نے صحابہ پر بہت برا اثر ڈالا جیسا کہ جلد معلوم ہوتا ہے۔

ابن ہشام اور طبری لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی اس تقریر کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو بلا کر صلح نامہ لکھوایا۔ تحریر صلح نامہ کے حالات تاریخ کامل ابن اثیر کی مفصلہ

عمرابن خطاب رضی الله عنه از جاے خویش برجست وباابوجندل می رفت ومیگفت صبر کن وایشان مشرکانند وخون ایشان خون سگ است وقبضه شمشیرخودراپیش اوفرامی داشت دااور ابرسهیل تعریض میکرربرآتکه

جناب رسولخداؐ اور ابوجندل کو صبر و تحمل کی ہدایت:

حضرت عمر کی مخالفت والے جملہ معترضہ کو تمام کر کے پھر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ اتنا معلوم ہو چکا ہے کہ ابوجندل کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ترمیمیں پیش کیں ان میں سے ایک کو بھی سُہیل نے منظور نہیں کیا۔ باپ کا بیٹے کی طرف سے ایسا دل پتھر کر لینا صرف مخالفت اسلام کی وجہ سے تھا۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ کفار قریش کے دل میں کس قدر عصبیت اور شقاوت کے ساتھ اسلام کی مخالفت جاگزیں تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالآخر مجبور ہو کر نگاہ حسرت آلود سے ابوجندل کی طرف دیکھا اور راضی برضائے آلٰہی رہنے کے لیے اس کو ذیل کے الفاظ میں تعلیم و ہدایت فرمائی۔

یااباجندل اصبرواحتسب فان اللہ جاعل لك ولمن معك من المستضعفین فرجاومخرجاانا قدعقدناصلحاوانالانغدربھم (ابن ھشام ص30)

اے ابوجندل ضبط و صبر سے کام لو خدا تمہارے لیے اور نیز ان مظلوموں کے لیے جو تمہارے ہمراہ ہیں سہولت اور مخلصی کی راہ ضرور نکالے گا ہم چونکہ اُن لوگوں سے صلح کر چکے اس لیے خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔
صلح نامہ پر جانبین سے دستخط ہو گئے اور سہیل صلحنامہ لیکر مکہ کی طرف واپس گیا۔

حضرت عمر کی مخالفت رائے کا اثر حکم رسولؐ سے صحابہ کی سرتابی:

ان تمام امور سے فراغت ہو چکی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل اسلام کو مخاطب کر کے حکم عام دیا۔

قوموافانحرواثم احلقو قال(الراوی) فواللہ ماقاماہ منھم رجل حتی قال ذلك ثلاث مرّات فلما لم یقم منھم احدفدخل علی ام سلمۃ فذکرلھا مالقی من الناس فقالت لہ ام سلمہ یانبی اللہ اتحب ذلك اخرج لاتکلم احدامنھم کلمۃ حتی تحربدنتك وتدعوحالقك فیحلقك فقام فخرج فلم تکلم احدمنھم کلمۃ حتی فعل ذلك نحربہ نتہ ودعا حالقہ فحلقہ فلماراء وذلك قامو فنحرواوجعل بعضھم یحلق حتی کادبعضھم یقتل بعضاما۔ (طبری ص1550)

سب کھڑے ہو جاؤ اپنی اپنی قربانیاں بیان کرو پھر منڈ، راوی حدیث کا بیان ہے کہ مسلمانوں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے حکم کو تین مرتبہ دوہرایا لیکن تاہم کوئی شخص تعمیل حکم کے لیے باہر نہ نکلا یہ دیکھ کر آپ حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے تو حضرت ام سلمہ نے عرض کی اے نبی

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے ایک لفظ بھی اسکے متعلق نہ کہیں یہاں تک کہ آپ خود اپنی قربانی کے اونٹ کونحر نہ کرلیں، سر نہ منڈالیں یہ سن کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً باہر تشریف لائے اور اپنے شتران قربانی کو ذبح فرمایا۔ حجام کو بلا کر اصلاح فرمائی جب مسلمانوں نے آپ کو قربانی کرتے دیکھ لیا تو اپنی قربانیاں بھی کیں اور بعض نے سر بھی منڈوائے۔

صحابہ کی یہ سرتابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت بری معلوم ہوئی۔ اور آپ بہت رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ ملا معین لاہوری ماعرج النبوۃ لکھتے ہیں۔

حضرت عمر سے عتاب آمیز خطاب:

بعدازان رولعمبرآوروگفت شمارا فراموش شدکه درروزاحد راه گریزپیش گرفته بودیدومن شمارامیخواندم وہیچ یک رازشمابمن مجالِ التقات بنوفراموش کردیدروز احراب راکه دشمنان ازاعلیٰ واسفل متوجهه بودندوآنچه وعدۂ حق تعالیٰ بودبایجاز پیوسته وبعدازانِ یک یک واقعه الطاف آلہی وایجاز وعدبود۔ بیاد یاران آوروہمه اورامقام انصاف گفتندہرچه خداورسولاً وفرمایدراست ص 196

(سلسلہ گفتگو میں پھر) آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوکر ارشاد کیا کہ کیا تم لوگ وہ دن بھول گئے کہ جنگ احد میں تمہیں اپنے پاس بُلاتا تھا اور تم میں سے کوئی میرے پاس نہیں آتا تھا اس طرح تم جنگ خندق کے دن کو بھی بھول گئے کہ دشمن مدینہ کے بالائی اور زیرین حصہ سے تم پر ٹوٹ پڑے تھے اور خدائے تعالیٰ نے اس دن بھی اپنے ان وعدوں کو جو تم سے کیا تھا پورا کر دیا اس طرح آپ نے ایک ایک کر کے ان تمام واقعات کو یاد دلایا جنہیں خداوند عالم نے مسلمانوں کے ساتھ عطایائے الطاف اور ایفائے وعدفرمائے تھے تمام صحابہ نے حقیقت حال سن کر بطریق انصاف جواب دیا کہ جو کچھ خدا اور رسولؐ نے ارشاد کیا وہ سب صحیح درست ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی اور رنجیدگی کی یہی حالت روانگی کے وقت تک قائم رہی طبری میں ہے۔

عن ابن عباس قال حلق رجال یوم الحدیبیة وقصر اٌخروت فقال رسول یرحم اللہ المحلقین قالو اوالمقصرین یارسول اللہ قال یرحم اللہ المحلقین قالوا والمقصرین

یارسول اللہﷺ قال اوالمقصرین قالو یارسول اللہ فلم ظاھرت الترحم للمحلقین دون المقصرین قال لانھم لولیتکوا ص155۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ حدیبیہ میں پہلے لوگوں نے سرمنڈوایا۔ پیچھے لوگوں نے بال کتر وائے آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا پروردگار تو سرمنڈوانے والوں پر رحم فرمالوگوں نے پوچھا اور بال کتروانیوالوں پر آپ نے فرمایا، سرمنڈوانیولوں پر خدا رحم فرمالوگوں نے پوچھا اور بال کتروانیوالوں پر آپ نے فرمایا بال کتروانیوالوں پر بھی پھر لوگوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ آپ نے سرمنڈوانیوالوں کو بال کتروانے والوں پر ترجیح دی فرمایا اس لیے کہ انہوں نے شک نہیں کیا۔

اس کے بعد آپ نے حدیبیہ سے جمعیت مسلمین کے ہمراہ مدینہ کی طرف مزاجعت فرمائی۔

نزول آیہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا۔ ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔ تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھے ہوئے تھے خدا نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرتﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا فتح ہے ارشاد ہوا کہ ہاں صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر کو تسکین ہوگئی۔ اور مطمئن ہوگئے نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی 336۔

شبلی صاحب نے اپنے خاص طریقۂ اختصار کی شان میں مناسبت موضع کے اعتبار سے اس واقعہ کو زیب قلم فرمایا ہے لیکن اکثر محدثین نے اسکی حقیقت کو پوری تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ہم محدث شیرازی کی عبارت ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

بصحت پیوستہ کو چون پیغمبرﷺ از حدیبیہ مراجعت نمود شبے از شبہا درراہ منزل خنجان عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باحضرت رسالت پناہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہمراہ شدوزد سے نوبت چیزے پر سید ہیچ ضﷺ نشنید مرویست از عمرؓ کہ گفت باخود خطاب کردم کہ ثکلتک الامک مبالغہ نمودی سہ بارورسول اللہﷺ جواب تو نداد پس شتر خودرا تیز راندم وپیش پیش لشکرمی رفتم وترسان بودم کہ مباد اور شان من قرآن نازل شود بعدازلخطہ شنیدم کہ شخصے فریاد میکردومرامیخواندکہ ترارسول خداؐ میطلبد۔ آن ترس برمن زیادہ شد پس بتردانسرور رفتم وسلام کردم جواب من دادگفت بامن سخن کردی و

جوابت ندادم زیرا که بسمع وحی مشغول بودم انیست برمن سورۂ نازل شده که دوستر میدارازبچه آفتاب برآن طالع میشود۔ بعد ازان سورۂ کریمه انافتحنالک فتحاً مبیناً بخواندویاران را تنیت گفت واصحاب نیز اور امبارک باد گفتند ونزد مفسران مراداز فتح مبین صلح حدیبیه است ص 361

روایت صحیحہ میں ہے کہ جب پیغمبر خدا صلعم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو واپسی میں منزل ضجنان میں شب کے وقت حضرت عمر آپ کے ہمراہ ہو لیے تین بار متواتر اور انہوں نے کسی شے کی نسبت جناب رسول ﷺ سے سوال کیا۔ لیکن تینوں بار کوئی جواب نہ پایا۔ حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو جواب نہ ملنے سے اس قدر صدمہ ہوا کہ میں نے اپنے نفس کو۔ یوں مخاطب کر کے کہ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے کہا کہ میں نے مبالغہ تمام رسول اللہ ﷺ کے حضور میں عرض مدعا کیا اور کوئی جواب پایا۔ یہ کہہ کر حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو تازیانہ مار کر تیز کیا اور تمام لشکر کے آگے کر لیا۔ اور سب سے آگے آگے چلا۔ اور اپنے بارے میں برابر یہی خوف کرتا جاتا تھا کہ مبادا کوئی حکم قرآن میرے خلاف میں نازل ہوگا اس اثنا میں کسی شخص نے پیچھے سے مجھے یہ کہہ کر پکارا آ لہ عمر تمہیں جناب رسول خدا صلعم بلاتے ہیں۔ یہ آواز سن کر میں فوراً لوٹا۔ اور میرا خوف زیادہ ہو گیا آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچا۔ سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب سلام دیکر مجھے ارشاد فرمایا کہ اے عمر تم نے تین بار ایک بات مجھ سے پوچھی لیکن میں نے تمہیں کوئی جواب نہ دیا اس لیے کہ میں وحی الٰہی کی سمات میں ہمہ تن مصروف تھا آج رات کو ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ان تمام چیزوں سے جن پر آفتاب روشن ہوتا ہے۔ عزیز ہے اس کے بعد آپ نے آیہ کریمہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا تلاوت فرمایا اور تمام صحابہ کو بلا تہنیت دی اور صحابہ نے بھی آپ کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور مفسرین کے نزدیک فتح مبین سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔

ہم نے ان تمام واقعات کو اس تفصیل سے اس لیے لکھ دیا ہے کہ انہیں واقعات وحالات سے تدبیر ربانی اور تجویز وقیاس انسانی کے امتیاز معلوم ہوتے ہیں جمعیت اسلام میں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت عمر ہی نے صرف معاملات کی صورت ظاہری پر اعتبار کر کے اپنی سوقیاسی اور حقیقت ناشناسی سے مُدعائے مشیت اور منشائے رسالت کے خلاف تصوّر فرمایا۔ خود جناب رسالتماب صلعم اور حضرت ابوبکرؓ سے استفسار بھی فرما چکے اور جواب بھی پا چکے۔ لیکن تاہم آپ کے شکوک وشبہات کا ازالہ نہیں ہوا۔ ان کے ایک شبہ نے جیسا کہ ہم واقعات مرقومہ بالا سے اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ قریب قریب تمام لشکر اسلام کی عقیدت کو متزلزل کر دیا۔ اور

اس شدت کے ساتھ کہ صدور حکم قربانی وغیرہ کے وقت تقریباً سب لوگ سرتابی اور عدول حکمی پر آمادہ ہو گئے۔ اور بالآخر جناب ام سلمہؓ کی صلاح سے حضرت رسولخداؐ کو کمال غیظ وغضب میں تنہا اپنے قربانی کے اونٹوں کو نحر فرمانے۔ اپنے سر مبارک کی اصلاح بنوانے کی مثال قائم فرمائی ہوئی۔ خدا خدا کر کے تب جا کر مسلمانوں کو اتنی توفیق ہوئی کہ انہوں نے رسول صلعم کو قربانی کرتا ہوا دیکھ کر اپنی اپنی قربانیاں تو کر دیں مگر سر منڈوانے کے وقت کتنوں نے صرف بال کتر والیے یہ تخفیف حکم بھی طبع رسالت کے ناگوار ہوئی۔ اور بار بار کے اصرار پر بھی آپ نے دعائے رحمت میں مقصرین کو شامل فرمایا۔ اور تیسری بار کی الحاح وزاری کے بعد اوالمقصرین کو دعائے مبارک میں شامل فرمایا تو یہ یاد دلا کر اور بتلا کر کہ محلقین (سرمنڈوانے والے) الزام شک سے بری ہیں اور مقصرین (بال کتروانے والے) شک وشبہہ کے ارتکاب جرم میں داخل ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے تمام اہل اسلام کو عموماً اور حضرت عمر کو خصوصاً مخاطب کر کے۔ خدائے کے سبحان تعالیٰ کے وہ تمام احسانات وتفصیلات یاد دلائے جوان پر سخت سے سخت آفت ومصیبت کے مختلف اور متواتر موقعوں پر خاص کر دکھلا کر ان کو سخت عبرت وغیرت دلائی گئی جس پر تمام اہل اسلام کے مجمع نے آپکی خدمت بابرکت میں اپنے قصور کا اعتراف کر کے اپنی طرف سے ندامت ومعذرت کا اقرار کیا جیسا کہ معارج النبوۃ کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا۔ ان واقعات سے علوم رسالت کے یقینا اور عقول صحابیت کے قیاسات وظنیات کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے جسکی ابتدا حضرت عمر کے ایسے تیز طبع اور سریع الفہم صحابہ سے ہوتی ہے۔

عورتیں شرائط معاہدہ سے مستثنیٰ فرمائی گئیں

شرائط صلح نامہ بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص قریش میں سے مسلمانوں کے پاس چلا جائے وہ واپس دیدیا جائے بخلاف اسکے جو شخص قریش کے پاس مسلمانوں کا چلا جائے وہ واپس نہ دیا جائے۔ عورتیں اس شرط سے بالکل مستثنیٰ تھیں۔ اس صنف نازک کی نسبت جو حکم منصوص طور پر نازل ہوا وہ یہ ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم اُن کو جانچ لو۔ خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ حقیقتاً مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ کرو۔ نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر ان عورتوں کے قابل ہیں۔ اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم ان کو دے دو۔ اور تم اُن سے خود شادی کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے مرد کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے عقد

نکاح میں کبھی نہ رکھو سیرۃ النبی جلد اول۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد ام کلثوم بنت عقبہ ابن معیط کا واقعہ پیش آیا۔ یہ پہلے سے اسلام لا چکی تھیں صلح کے بعد مکہ سے مدینہ چلی آئیں۔ ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید۔ ان کی واپسی کی غرض سے مدینہ پہنچے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے شرط صلحنامہ کے مطابق واپس نہ دیا۔ اسی طرح جن صحابہ کی عورتیں ابھی تک مکہ میں مقیم تھیں اور وہ اسلام سے محروم تھیں صحابہ نے انہیں طلاق دے کر ان سے دائمی مفارقت اختیار کر لی۔

صلح حدیبیہ کے مفیدانہ اور فاتحانہ نتائج

خدا کی بات خدا کی قسم خدا جانے۔ ابھی صلح نامہ کی تحریر کے کئی دن گزرے تھے تحریر صلح نامہ تعین شرائط کے وقت۔ کفار قریش کی مخالفانہ شدت۔ مخاصمانہ عصبیت۔ اسلام سے قطعی نفرت تحکمانہ اظہار زر و قوت نے کیسے خوفناک اور دہشت انگیز منظر پیش کئے تھے۔ اور ان کے اس وقت کے انداز سے کوئی ظاہر میں یہ رائے قائم نہیں کر سکتا تھا کہ یہ سرکش اور مغرور قوم اسلام کے آگے کبھی اپنا سر نیچا کرے گی۔ یا ایسے اور اتنے سخت شرائط صلح لکھوانیکے بعد بھی کسی وقت وموقع پر مشرکین مکہ اور متمردین قریش کو اہل اسلام کے پاس ملتجی بن کر جانے کی ضرورت اور مجبوری ہوگی ان حق فراموشوں نے تو اپنے انسانی غور وخوض۔ فکر وتامل اور تفہیم وتعقل کی امکانی قوت کے مطابق ایسی شرطیں لکھوائی تھیں کہ ان تمام معاملات میں ان کو مسلمانوں پر قابو اور دسترس حاصل رہے اور ان کے مقابلہ میں اہل اسلام مغلوب ضعیف اور اُن کے زیر اثر و دست نگر بنے رہیں۔

لیکن بالآخر تھیں تو یہ تمام انسانی تدبیریں جو زیادہ سے زیادہ انسانی تخیلات وتصورات کے دائروں تک محدود تھیں۔ پھر انکے استقرار و استمرار کا اعتبار کیا۔ ان کوتاہ بینوں کو تقدیر ربانی اور اسرار روحانی کی کیا خبر تھی کہ خدا کا نظام جبروت اس میں کیا انقلاب پیدا کرے گا۔ صلحنامہ کے چند ہی روز دن کے بعد مغروران قریش کی سرکوبی۔ تنبیہ خجالت اور پشمانی کے جو اسباب بارگاہ مسبب الاسباب سے فراہم ہوئے ان کی تفصیل ذیل میں قلمبند ہے۔

ابوجندل کی مصیبت ناک داستان اوپر بیان ہو چکی ہے۔ محدث شیرازی اس میں اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسالتمآب ﷺ نے معاہدہ صلح سے مجبور ہو کر اور ہدایت ضبط وصبر فرما کر اس کو بے درد باپ کے حوالے کر دیا تو وہ شفیق القلب اسکو لیکر اٹھا سامنے والے ببول کی ایک شاخ توڑ لی اور اسی خاردار شاخ سے بیٹے کو مارتا ہوا مکہ لے گیا۔ روضۃ الاحباب ص358۔

ابوجندل کی تبلیغ دین اور مخلصی

مدبر قدرت نے اس مظلوم اور مجبور مسلمان قیدی (ابوجندل) سے تبلیغ وتعلیم اسلام کا جس آسانی سے کام لیا اور جس سہولیت سے اُسکی (ابوجندل) کی نجات ومخلصی کا سامان فراہم فرمایا۔ وہ اسکی تدبیر قدرت کی خاص مثال ثابت ہوتا ہے صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہیں۔ ابوجندل نے قید خانہ مکہ میں پہنچ کر دین حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ جو کوئی اسکی نگرانی پر مامور ہوتا وہ اسے توحید کی خوبیاں سناتا۔ اللہ

کی عظمت وجلالت بیان کرکے ایمان کی ہدایت کرتا۔ خدا کی قدرت کہ ابوجندل اپنے سچے ارادے اورعزم میں کامیاب ہوجاتا تھا اور وہ شخص (نگران مجلس) مسلمان ہوجاتا تھا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کوبھی قید کردیتے اب یہ مل کر تبلیغ کا کام اسی قید خانہ میں کرتے۔ الغرض اسی طرح ایک ابوجندل کے قید ہوکر مکہ پہنچ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے اندر تین سو اشخاص ایمان لائے۔ رحمۃ العالمین ص240۔

عتبہ ابن اسید کا واقعہ

ابوجندل کے جیسے اکثر بے یار ومددگار مسلمان مکہ میں گرفتار تھے۔ اور شب ورز ظالمان قریش کے ہاتھوں ناقابل برداشت مصائب اٹھا رہے تھے۔ آخر صبر وتحمل کی تاب وطاقت کہاں تک وقت اور موقع پا کر اُن میں اکثر ادھر اُدھر نکلا جاتے تھے۔ اُن میں عتبہ ابن اسید جن کی کنیت ابونصیر بتلائی گئی ہے اور بارگاہ رسالت سے فوراً واپس جانے کا حکم ہوا۔ (ان هذا رسول صادق امین) عتبہ نے عرض کی حضور ہمیں کافر بنالیں ارشاد ہوا خدائے مسبب الاسباب تمہاری نجات ومخلصی کا راستہ نکال دیگا۔ ابونصیر مجبور ہوکر اپنے دونوں کافر رفیقوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ واپس ہوئے۔ منزل ذوالحلیفہ میں پہنچ کر اپنے دونوں محافظوں سے ایک کوموقع پا کر مار ڈالا۔ دوسرا شخص جو بچ رہا تھا۔ اس نے مدینہ میں جاکر جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں روئداد عرض کردی۔ اس کے پیچھے ابونصیر بھی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اورعرض کی کہ حضورؐ نے اپنے عہد کو پورا کردیا۔ آپ بری الذمہ ہیں اب جوالزام ہے وہ مجھ پر میں مدینہ میں بھی نہیں رہوں گا۔ یہ کہا اوراسی وقت مدینہ سے چلے گئے۔ اور مقام عیص میں جو سمندر کے ساحل پر زومرّہ کے قریب ہے۔ سکونت اختیار کی۔

اب سنیئے جب عیص میں ابوبصیر کی سکونت کی خبر معلوم ہوئی تو باقیماندہ مقیدین اسلام جو مکہ میں پڑے کفار قریش کی مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ ایک ایک کرکے موقع اور وقت سے بھاگ کر انکے پاس پناہ گزین ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس تھوڑے ہی دنوں میں ایک متعدبہ جماعت ہوگئی۔ اور پھر تو رفتہ رفتہ اور انہیں اتنی قوت آگئی کہ مکہ سے آنے والے قافلہائے تجارت کو سرراہ روک لینے لگے۔ اوراس رودکد میں اسباب قافلہ بھی اُن کو جو کچھ دستیاب ہوجاتا تھا وہی ان کے آزوقہ اور مدد معاش کے لیے کافی ہوتا تھا۔ قریش ساحل کے مقامات وحالات سے واقف بھی نہیں تھے جو اُن کے معاملات کی کوئی انسداد واصلاح کی فکر کرتے۔

بالآخر قریش نے عاجز اور تنگ ہوکر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے آدمی بھیجے اور بڑی منت وعاجزی سے گذارش کی کہ صلحنامہ کے شرائط سے یہ شرط خارج کردی جائے اور اب جو مسلمان چاہے مکہ سے بلاخوف وہراس اور بغیر عذر وکلام مدینہ میں جاکر مقیم ہو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا عذر تھا۔ فوراً منظور ہوگیا۔

مسلم مقیدین قریش اور محصورین مکہ کی رہائی ابوبصیر کی آخری سرگزشت

اس وقت تمام مسلم مقیدین کو مدینہ میں واپسی کا حکم عام لکھ کر بھیج دیا گیا۔ ابوبصیر کو بھی اطلاع دیدی گئی محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جس وقت یہ نامہ مبارک عیص میں پہنچا۔ غریب ابوبصیر پر عالم نزع طاری تھا۔ ابوجندل جو مکہ سے آکر انہیں کے پاس مقیم تھے۔

سرہانے تیمارداری کر رہے تھے۔ابوبصیر کے کان میں چلا کر نامہ مقدس کی آمد کی بشارت دی ابوبصیر نے یہ مژدہ جانفزا سنکر آنکھیں کھول دیں اور ابوجندل کے ہاتھ سے نامہ مبارک لیکر اپنے سینہ پر رکھ لیا اور روح عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی ابوجندل کا بیان ہے کہ ہم سب نے مل کر ابوبصیر کو دفن کر دیا اور ایک مسجد وہاں تعمیر کر دی۔پھر وہاں سے ہم لوگ مدینہ منورہ میں چلے آئے۔روضۃ الاحباب ص ۳۶۳۔

جب اتنے مشاہدات متواتر مسلمانوں کی چشم ظاہر سے گزر چکے تب جا کر ان کو صلح حدیبیہ کے فوائد مخفیہ کی حقیقت کا تعین ہوا۔اور اس وقت سمجھے کہ حقیقت میں وہ جس صلح کو اپنی شکست سمجھے تھے۔وہ حقیقت میں ان کی وہی فتح مبین تھی جس کو خود خدائے سبحانہ تعالیٰ وحی بھیج کر بتلا چکا تھا۔صدق اللہ ورسولہ۔

وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم واللہ اعلم ان کنتم لاتعلمون۔

جو چیزیں تم مکروہ سمجھتے ہو وہ تمہارے حق میں بہتر نکلتی ہیں اور خدا ان چیزوں کو جنکو تم نہیں جانتے تم سے بہتر جانتا ہے۔

فتح مبین کی تفسیر میں محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

مراد از صلح است وآنچه دربعضی از اخبار وارد شده کی اصحاب از حضرت پر سید أفتح هو (حضرت عمر کا کلمه مستفسره ہے) مرموه نعم مویداین سخن است وصلح حدیبه رافع خواند۔ زیراکه مقدسه فتوح بسیار وبواسطه این صلح جمعی ازمومنان که ورمکه ابوندوایمان خود دامخفی می دشتند سرگزار شدندومسلمانِ باکفار برسبیل مجاهره ومناظره می نمودندوقرآن برایشان می خواندندوبآن سبب بیسارے ازکفار مسلمان شدند۔

فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے بعض اخبار میں وارد ہوا ہے کہ صحابہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا یہ واقعی فتح ہے (حضرت عمر کا کلمہ مستفسرہ ہے) فرمایا آپ کا قول مبارک اسکا موئد ہے آپ نے صلح حدیبیہ کو اس لیے فتح کہا کہ یہ صلح بہت سے فتوحات کی مقدار تھی اور اس کے ذریعہ سے بہت سے مسلمان جو اس وقت مکہ میں مقید تھے اور اپنے ایمان کو چھپاتے تھے بالکل آزاد ہو گئے اور مسلمان کفار کے ساتھ مجاہرہ اور مناظرہ کرنے پر پورے طور سے آزاد ہو گئے اور قرآن مجید ان کو سنانے لگے۔اور اس سبب سے بہت سے کفار مسلمان ہو گئے۔

آخر میں محدث شیرازی تحریر فرماتے ہیں۔

دربعضے ازتفاسیر وکتب اہل بھر ہیت کہ درآن دوسال کہ صلح میان ایشان باقی پود چندان ازکفار مسلمان گشتند کہ موازی بود برآنکہ قبل از صلح یا اسلام آمدہ بودند۔

بعض کتب وسیرت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسال صلح کے زمانہ میں اس تعداد میں قریش (کفار) اتنے مسلمان ہوئے جتنے اب تک صلح سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔

شبلی صاحب بھی انہیں مضامین کو ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب تک مسلمان اور کفار باہم ملتے جلتے نہ تھے۔اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی۔خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے۔مہینوں قیام کرتے اور مسلمان اخلاص حسن عمل نیکوکاری پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا۔جو مسلمان مکہ جاتے تھے۔مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر لوگ کثرت سے اسلام لائے کہ کبھی نہ لائے تھے حضرت خالد (فاتح شام) اور عمرا بن عاص اس نے (حضرت مالک اشتر کو قتل کروا کر مصر کو فتح کیا تھا)۔۔اللہ اکبر۔۔(یہ مسلمانوں کی تحقیق ہے) اوران جیسوں کو عزت وتکریم دیتے ہیں (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کا یادگار ہے۔سیرۃ النبی 337۔صاحب رحمۃ العلمین اس کو زیادہ دلیل وتفصیل کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں۔

صلح کا حقیقی فائدہ امام زہری نے معاہدہ کی دفعہ اول کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ جانبین سے آمدورفت کی روک ٹوک اٹھ جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے۔اور اس طرح ان کو اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کے ذریعے ملے اور اسی وجہ سے اس سال اتنے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے بیشتر کسی سال اتنے مسلمان نہیں ہوئے۔معاہدہ حدیبیہ کی شرط دوم کی رو سے مسلمان اس سال مکہ پہنچ کر عمرہ کرنے کا حق رکھتے تھے۔اسی لیے اللہ کا رسولؐ دو ہزار صحابہ کو لیے مکہ میں پہنچا۔مکہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں آنے سے تو نہ روکا لیکن خود گھروں میں قفل لگا کر کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر جس کے نیچے مکہ آباد ہے چلے گئے۔پہاڑ پر سے مسلمانوں کے حال کو دیکھتے رہے خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک عمرہ کے لیے مکہ میں ٹھہرا رہا۔اور پھر ساری جمعیت کے ساتھ مدینہ کو واپس گیا۔ان منکروں پر مسلمانوں کے سچے جوش۔سادہ اور سچے موثر طریق عبادت کا اور انکی اعلیٰ دیانت وامانت کا (کہ خالی شدہ شہر میں کسی کا ایک پائی بھی نقصان نہیں ہوا) جس نے سینکڑوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا ص ۲۴۱۔

ان مفید اور خوشگوار نتائج صلح کو دیکھ کر اب تمام اہل اسلام کو یقین ہو گیا کہ وہ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کی تفہیم سے کتنے دور تھے۔معاملہ صلح کی صرف صورت ظاہری پر اعتبار کر کے جو شکوک اُن کے دلوں میں خطور کر رہے تھے اور جن پر وہ کسی قدر عمل پیرا بھی ہو گئے تھے۔وہ حالت حاضرہ میں اُن کے لیے کس ندامت وخجالت کے باعث ثابت ہوئے۔اور آیہ دافی ہدایہ۔

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶ (بقرہ)

کے خطاب کے اصلی مخاطب بھی قرار پا گئے۔

اکثر ایسی چیزیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو۔تمہارے حق میں اچھی آتی ہیں۔اور اکثر ایسی ہوتی ہیں جنہیں تم پسند کرتے ہو مگر وہ تمہارے لیے بُری ہو جاتی ہیں اور خدا ان کو جنہیں تم نہیں جانتے تم سے بہتر جانتا ہے۔

سلاطین ملک اور رئیسان قبائل کے نام تبلیغ اسلام کے خطوط

صلح حدیبیہ کے ان تمام منافع وفوائد کے علاوہ جو کامل تفصیل وتشریح سے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس مصالحت کے ہوتے ہی اشاعت اسلام کے لیے جس طرح ملک کے اندرونی مقامات میں فتح الباب ہوگیا۔اُسی طرح تمام بیرونی ممالک میں اسکی اشاعت واعلان کے راستے کُھل گئے۔

قریش کی مخالفت۔خفیہ سازشیں اور پوشیدہ ریشہ دوانیاں ابتک توسیع اسلام کی سدراہ ہو رہی تھیں۔اب اسلام بالکل آزاد تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وما ارسلناك الا كافة علی النّاس۔(اے رسولؐ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے)کے حکم برحق کے موافق بیرونی ممالک کے غیر مسلم سلاطین امراقبائل کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھوائے اور صحابہ معتدین بزرگوار کو خطوط دیگر غیر اسلامی سلاطین وامرائے قبائل کے دربار میں عہدہ سفارت پر روزانہ فرمایا۔

۱۔وحیہ کلبی	قیصر روم		۴۔عمر بن اُمیہ الضمیری	نجاشی بادشاہ حبش
۲۔عبداللہ بن خداز سہمی	خسرو پرویز(کجکلاہ ایران)		۵۔سلیط بن عمر بن عبدالشمس	رؤسائے یمامہ
۳۔حاطب بن بلتہ	عزیز مصر		۶۔شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدود شام

صحابہ موصوفین تعمیل حکم کے لیے بسروچشم حاضر تھے۔ان تمام سفرائے اسلام کو رخصت کرتے وقت جو ہدایت فرمائی گئی۔وہ شبلی صاحب کے الفاظ میں یہ تھی۔

ایہا النّاس، خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔دیکھو حواریون عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔جاؤ اور میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔

شبلی صاحب پھر اشاروں میں بات کر گئے۔آپ کی کتاب دیکھنے والوں کو یہ نہ معلوم ہوا کہ حواریوں عیسیٰؑ نے کیا اختلاف کیا تھا جس سے بچنے اور احتیاط کرنے کے لیے آپ اپنے اصحاب کو خاص طور پر ہدایت فرماتے ہیں نہیں معلوم اس کے بیان کر دینے میں کیا دشواری تھی۔حالانکہ آپ طبری کی جس عبارت سے اس مضمون کو نقل کر رہے ہیں اس عبارت کے سلسلہ میں اسکی توجیہ بھی لکھی ہوئی ہے اگر آپ چاہتے تو اُسے لکھ کر اپنے کلام کے موجودہ ابہام کو بہت آسانی سے رفع کر سکتے تھے۔مگر آپ نے نہیں کیا اور یہ کام مجھے دیا۔

طبری اسی سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں۔

قالوا یارسول اللہ صلعم و کیف کان اختلافھم قال دعا الی مثل مادعوتکم الیہ فامّا من قرب بہ فاحب وسلم واما من بعلا بہ فکرہ وابی فشکاذلك منھم عیسی الی اللہ عزوجل فصیحو امن لیلتم تلك وکل رجل منھم بلغۃ القوم الذین بعث الیھم فقال عیسی القوم الذین بعث الیھم فقال عیسی ھذا امرفقہ ۔۔اللہ لکم علیہ بامضوا۔

صحابہ نے عرض کی کہ وہ کیا اختلاف تھا جواُن سے سرزدہوا ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان کو بھی ویسی ہی دعوت دینی دی تھی۔جیسی میں نے تم لوگوں کو دی ہے۔لیکن جب تک وہ لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس رہے اور اسکے ساتھ خلوص ومحبت بھی رکھا کیے اور اطاعت بھی کی۔لیکن جب ان سے عیسیٰ علیہ السلام دور چلے گئے۔اس سے نفرت کرنے لگے اور انکار کرنے لگے۔ان کے ناموں کی شکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کی۔پھر اُسی کی صبح کو ان میں سے ہر شخص اس قوم کی زبان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کلام کرنے لگا جس قوم کی طرف وہ بھیجے گئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ جیسا ان کے لیے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا۔ بالآخر ویسا ہی ہوکر رہا۔

اس عبارت نے حواریون عیسیٰ علیہ السلام کے اختلاف کا انکشاف کر دیا اور بتلا دیا کہ حواریوں کے اس اختلاف کی مثال دکھلا کر آنحضرت صلعم نے صحابہ کو ثبات دینی اور غیر قوموں کی اثر پذیری سے بچنے اور احتیاط قائم رکھنے کی تعلیم دی تھی اور تاکید کی تھی۔

دعوت اسلام کا خط قیصر روم کے نام:

شاہان روم وفارس کی موجودہ اقتدار وعظمت کے اعتبار سے تمہیداً اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ چند سال پیشتر ایرانیوں نے رومیوں کو شکست سخت پہنچائی تھی۔جسکا اشارہ قرآن مجید میں **اذغلبت الروم** میں موجود ہے۔ ہرقل موجودہ قیصر روم نے بعد چندے ایرانیوں کو ہزیمت کامل پہنچا کر اپنے تمام نقصانات کا پورا معاوضہ لے لیا۔ان ایام میں کہ فرمان مبارک ہرقل کے نام صادر ہوا وہ اپنے اس موجودہ فتح کی اور اسی کے شکرانہ کے لیے بیت المقدس میں جا کر مقیم تھا کہ وحیہ کلبیؓ نامہ مقدس لیکر حارث غستانی کے پاس جو قیصر کی طرف سے علاقہ شام کا گورنر تھا اور بصرے میں جو آج کل حواران کے نام سے مشہور ہے۔اور اس وقت علاقہ شام کا دارالسلطنت تھا مقیم تھا حارث نے وہ نامہ مبارک۔وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر اپنے ایک معتمد خاص کی معرفت ہرقل قیصر روم کے پاس بیت المقدس میں بھیجوا دیا۔ہرقل کو جب نامہ مقدس ملا تو اس نے بڑا شاندار دربار کیا۔اور اپنے ہر طبقہ کے ملازمین اور رعایا کو جمع کیا۔خود لباس شاہی پہن کر تخت پر جلوس کیا۔اور تمام مسیحی پیشوایان مذہب اور عالمان دین کو حاضر رہنے کا حکم دیا۔جب تم تمام لوگ جمع ہو چکے تو اس نے حکم

دیا کہ اگر کوئی عرب بیت المقدس میں موجود ہو تو اس کو خدمت ترجمانی کے لیے حاضر کرو حسن اتفاق سے ابوسفیان تجار قریش کے ساتھ اور ندنون بیت المقدس میں مقیم تھا۔لوگ ابوسفیان کو دربار میں بلالائے۔نامہ مبارک کھولا گیا تو اُسکی عبارت یہ تھی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الرّوم السّلام على من اتبع الهدى امّا بعد

اسلم تسلم واسلم لربّك الله اجرك مرّتين وان تتول فان اثم الاكادين عليك۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہرقل بادشاہ روم کے نام! سلامتی ان لوگوں کے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔تم اسلام قبول کرو اگر تم نے اسلام قبول کرلیا تو تمہارا پروردگار تمہیں دو بڑے ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم نے ناتوجہی کی تو تم سے عذاب منکر کا مواخذہ لیا جائیگا۔

صحیح بخاری میں نامہ مقدس کی آخر عبارت کے بعد یہ آیہ قرانی تحریر تھی۔

يااهل الكتاب تعالوا الى كلمةٍ سوآءٍ بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا تشرك به شياءولا يتخذ بعضنا بعضاً آرباباًمن دُون الله فَان تولوا فاشهدبانا مسلمون۔

اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آ ؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو خدا نہ بنائے۔اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔

قیصر کے دربار میں نامہ مقدس

اس نامہ مبارک کی صاف وبےلوث عبارت موعظت کو سن کر تمام مجمع حیرت میں آ گیا عیسائی پیشوایان مذہب اور عالمان دین نے طیش میں آ کر سخت اظہار نفرت کیا۔لیکن قیصر پر انکی متعصّبانہ مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا اس نے خط مبارک کو تخت پر رکھ لیا اور ابوسفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات دریافت کرنے لگا ان کے درمیان یوں گفتگو شروع ہوئی۔

قیصر: مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے۔

ابوسفیان۔شریف ہے۔

قیصر۔اُن کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان۔نہیں

قیصر۔جن لوگوں نے اُن کا دین اختیار کیا ہے وہ غریب ومسکین ہیں یا صاحب اثر ومقتدر۔

ابوسفیان۔ وہ سب مساکین وغربائے قوم ہیں۔
قیصر۔ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔
ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں۔
قیصر۔کبھی تم لوگوں کو اس مدعی نبوت پر جھوٹ بولنے کا بھی علم وتجربہ ہوا ہے۔
ابوسفیان۔کبھی نہیں
قیصر۔کبھی انہوں نے تم سے بدعہدی اور پیمان شکنی کی ہے۔
ابوسفیان۔نہیں کبھی نہیں لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح (حدیبیہ) ہوا ہے۔آئیں دیکھیں وہ قائم رہتا ہے یا نہیں۔
قیصر۔تم لوگوں نے کبھی ان سے جنگ کی ہے۔
ابوسفیان۔ ہاں کی ہے۔
قیصر۔نتیجہ جنگ کیا رہا ہے۔
ابوسفیان۔کبھی ہم غالب آئے کبھی وہ۔
قیصر۔اس کی تعلیم کیا ہے۔
ابوسفیان۔کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔نماز پڑھو۔پاکدامنی اختیار کرو سچ بولو صلہ رحمی کرو۔(سیرۃ النبیؐ)

شبلی صاحب۔اس مکالمہ کی شرح وتفصیل میں لکھتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اُسکو شریف النسب بتلایا۔پیغمبرؐ ہمیشہ اچھے خاندانوں سے ہوتے ہیں تو نے کہا کہ اسکے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔اگر ہوتا تو میں سمجھتا اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔تم مانتے ہو اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو شخص کسی آدمی سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے تم کہتے کہ کمزوروں نے اُسکی پیروی کی ہے۔پیغمبروں کے ابتدائی پیرو غریب ہی لوگ ہوتے ہیں تم نے تسلیم کیا ہے کہ اُس کا مذہب بڑھتا جاتا ہے۔سچے مذہب کا یہی حال ہوتا ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہیں کیا پیغمبر لوگ فریب نہیں کرتے۔تم کہتے ہو کہ وہ نماز تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اُسکا قبضہ ہوجائے گا۔مجھ کو یہ خیال تھا کہ ایک پیغمبر ضرور آنے والا ہے۔لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔میں اگر وہاں جاتا تو خود اسکے پاؤں دھوتا۔

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہوئے تھے۔یہ دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے ہٹوا دیا اور گو اُس کے دل میں نور اسلام آچکا تھا۔لیکن تاج تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔سیرۃ النبی ص ۳۴۶۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ اسی روز سے میرے دل میں اپنی ذلت کا نقش اور آنحضرت ﷺ کی عظمت کا یقین ہو گیا۔ رحمۃ ۱۷۰۔

خسرو پرویز شاہ ایران کے نام خط مبارک

عبداللہ بن خدافۃ سہمی خسرو پرویز کے نام جو نامہ مقدس لے گئے تھے اسکی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس السلام علی من اتبع الھدیٰ وامن باللہ ورسلہ واشھدان لاالہ الااللہ وفی رسول اللہ الیٰ الناس کافۃ لینذرمن کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیك اثم المجوس۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد پیغمبر خدا کی طرف سے۔ کسریٰ شاہ فارس کے نام۔ سلامی ہے اس شخص کے لیے جو ہدایت کا پیرو اور خدا' پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کر خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھے تمام لوگوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تا کہ وہ ہر زندہ شخص کو خوف دلائے۔ تو اسلام قبول کر تو سلامت رہیگا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر رہیگا خسرو پرویز۔

موجودہ فرمانروائے فارس نہایت عظمت وشان کا تاجدار تھا۔ عجم کا ہمیشہ سے دستور تھا کہ ہر خط کے عنوان پر نام بادشاہ وقت کا عظمت کے خیال سے لکھا کرتے تھے۔ نامہ مقدس میں ان کے دستور کا فرانہ کے خلاف عنوان خدا اور خدا کے رسولؐ کے نام سے شروع ہو گیا تھا۔ اور خسرو کا نام سب سے آخر میں رکھا گیا تھا فرمان رسالت میں اسی ایک بات کو دیکھ کر خسرو غیظ وغضب کی شدت میں آگ کا پتلا بن گیا اور نامہ مبارک کو چاک چاک کر ڈالا اور اپنے غزور شاہی میں آ کر کہنے لگا کہ میری رعایا اور میرے غلام اپنی تحریر میں میرے مراتب خاندانی اور مدارج سلطانی کی یوں تحقیر کریں۔

آنحضرتؐ کی گرفتاری کا حکم اور اس کا نتیجہ:

پھر اس نے باذان کو جو اسکی طرف سے علاقہ یمن کا عامل تھا کہ محمد صلعم کو (نعوذ باللہ) پازنجیر کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمیوں کو اس خدمت پر تعینات کیا۔ ایک کا نام بانو یہ تھا۔ دوسرے کا خرخسرو۔ اُن دونوں نے۔ مدینہ میں آ کر شہنشاہِ رسالت کی خدمت میں عرض کی کہ کسریٰ خسرو پرویز نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اگر آپ اس کے حکم کو نہ مانیں گے تو وہ آپ کے تمام ملک انتظام کو تباہ وسیاہ کر دیگا آپ نے جواب دیا کہ کل اس کے متعلق کہوں گا۔ دوسرے دن وہ جواب لینے آئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خسرو تو خود چلا گیا۔ اب کس کے پاس جاؤں کل رات کو اسکے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر ڈالا یہ دونوں ایرانی افسر یمن میں واپس آئے تو وہاں ان کے آنے سے پہلے خسرو کے قتل کی خبر پہنچ چکی تھی۔

عبداللہ بن خذافۃ السہمی نے مدینہ منورہ میں واپس آ کر اپنی سفارت کی جب ساری روئداد بیان کی اور نامہ مبارک کے چاک کر دیئے جانے کا حال عرض کیا تو اسی وقت ارشاد کیا گیا تھا کہ یو نہی سلطنت عجم کے پرزے پرزے اڑ جائیں گے۔

حاطب ابن بلتہ اور عزیز مصر کے دربار میں سفارت:

حاطب ابن بلتعہ عزیز مصر کے دربار میں سفارت کے عہدے پر مامور ہو کر بھیجے گئے تھے۔ سکندریہ ملک مصر کا دارالسلطنۃ تھا۔ جریح بن متیٰ جس کا لقب مقوقس تھا۔ مصر کا موجودہ فرمانبردار تھا۔ حاطب نے عزیز مصر کو فرمان رسالت سنانے سے پہلے ان میں موعظت فرمائی۔ اور اسلام کی حقیقت بتلائی۔

ایہا الملك آپ سے پہلے تخت مصر پر ایک فرمانبردار ایسا بھی گزرا ہے جو انا ربکم الاعلیٰ کا جھوٹا دعویٰ کرتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی کے سوا اس کو کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ دریا کی تہہ میں ایسا سمایا کہ پھر نہ ابھرا نزول عذاب کے وقت نہ اسکی دولت اسکے کام آئی نہ فوج وسلطنت اسے جال ومثال سے بچا سکی عبرت پذیری اختیار کریں۔

مقوقس نے جواب دیا یہ صحیح ہے لیکن فرعون تو کافر تھا۔ اور کوئی مذہب نہیں رکھتا تھا میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں اور میں اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتا جب تک بہتر کوئی دوسرا مذہب مجھے تحقیق نہ ہولے۔

حاطب نے کہا اسی لیے تو میں آپ کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں جو تمام دنیا کے مذاہب پر حاوی (ان کے لیے کافی) ہے۔ ہمارے پیغمبر خاتم المرسلین صلعم نے اکیلے قریش ہی کو تھوڑے اسلام کی دعوت دی ہے وہ تمام دنیا کو اس دین کی دعوت دینے آئے ہیں قریش نے ان سے مخالفت کی اور اسی طرح یہود بھی ان کے دشمن بن گئے مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ بخلاف ان مذاہب واقوام کے مذہب مسیحی اور قوم نصاریٰ اسلام سے قریب تر ہے خدا کی قسم جس طرح موسیٰؑ نے عیسیٰؑ کی بشارت دی ہے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی خوشخبری دی ہے قرآن مجید کی طرف ہم آپ کو بھی اس وقت ویسے ہی دعوت دیتے ہیں جیسے قوم یہود اور توریت والوں کو انجیل مقدس والے دعوت دیتے ہیں۔

انبیائے سابقین اور امم ماضیۃ کے احوال پر غور کیجئے۔ دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ نبی جس قوم کے زمانہ میں مبعوث ہوتا ہے وہی قوم اسکی امت کہلاتے ہیں اس دستور قدیم کے مطابق آپ نے ہمارے پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام کا زمانہ پایا اس لیے آپ اس کی اُمت کہلاتے ہیں اس کے پیرو اور اسکی شریعت کے معین مددگار بن جائیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ہم آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کی طرف گویا دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس نے کہا۔ میں نے ابھی تمہارے پیغمبر آخرالزمان کی طرف غور نہیں کیا ہے۔ اس لیے ان کے دین کی طرف ابھی میرا میلان خاطر نہیں ہے۔ اگرچہ جہاں تک مجھے علم واطلاع ہے انکا مذہب مجھے کسی شئے مطلوب ومحبوب سے نہیں روکتا اور یہ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا پیغمبر آخرالزمان نہ ساحر رسان ہے نہ کاہن کذاب البیان۔ اور اس میں جو علامتیں اور تعریفیں ہیں وہ سب صفات نبوت

ہی کے متعلق ہیں مگر بات یہ ہے کہ میں اس مسئلہ خاص میں مزید غور کرنا چاہتا ہوں۔
یہ کہہ کر مقوقس نے ایک فیل داندان کی نفیس و بیش بہا ٹپیر میں نامہ مبارک رکھوایا اور اُس پر اپنی مہر لگا کر خزانہ شاہی میں رکھوا دیا۔ اس کے بعد ان الفاظ میں نامہ مقدس کا جواب لکھا۔

الی محمد بن عبدالله من المقوقس عظیم القبط سلام علیك اما بعد فقد قرات کتابك وفهمت ما ذکرت وماتدعوالیه وقد علمت ان نبیا بقی رکت اظن انه یخرج بالشا وقد اکرمت رسولك وبعث الیك بجاریتین لهما مکان فی القبط عظیم وبکسوة واهدیت الیك بغلة لترکبها و السلام علیك۔

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قوم قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپکا خط پڑھا اور اس کے مضمون و مطلب کو سمجھا مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ ملک شام میں ظہور فرمائیں گے میں نے آپکے قاصد کی عزت کی۔ اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن میں قبطیوں (مصر کی قوم) بڑی عزت کی جاتی ہے۔ اور میں آپ کے لیے ملبوس بھی بھیجتا ہوں اور ایک خچر بھی روانہ کرتا ہوں کہ آپ اس پر سوار ہوں آپ پر میرا سلام ہو۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا۔ دو لڑکیاں بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسان کے ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دُلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آیا ہے۔ جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سرین حقیقی بہنیں تھیں۔ اور حاطب بن بلتعہ جنکو آنحضرت ﷺ مقوقس کے پاس خط دیکر بھیجا تھا۔ ان کی تعلیم سے دونو خاتون خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ماریہ سے نکاح کیا ہوگا۔ نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔

پھر حاشیہ کی عبارت میں لفظ جاریہ کے متعلق شبلی صاحب نے لکھ کر یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے۔ اس لیے کہ عربی میں جاریہ لڑکی کو کہتے ہیں۔ اور لونڈی کو بھی ارباب سیرۃ ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہیں۔ لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے۔ یعنی کہ مصریوں میں اُنکی بڑی عزت ہے۔ یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جاسکتے۔ 346۔

مجھ کو شبلی صاحب کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے لیکن صرف اتنی گذارش ہے کہ اس معاملہ میں بھی آپ نے صرف سیرت والوں ہی کو مجرم قرار دیا۔ اور محدثین کو صاف نکال دیا۔ حالانکہ صحاح و اسانید سے لیکر سُنن و تفاسیر کی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں چھوٹی ہے جن میں علمائے محدثین نے ماریہ قبطیہ کو کنیز لکھ کر اقرار نہ کیا ہو۔ ان حضرات کے خلاف آپ نے خود بھی اس مسئلہ خاص کے متعلق جو کچھ اطلاع و حقیقت پائی ہے وہ صرف طبری ہی کی مرویات سے جو اگر سیرت و تاریخ والوں کے نام لکھنا حقیقت سے کتنا دور ہے۔

عمرابن امیۃ الضمیری اور نجاشی شاہ حبشہ کے نام نامہ مقدس

عمرابن امیۃ الضمیری کو جونامہ مقدس بخاشی۔بادشاہ حبشہ کے نام دیا گیا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى النجاشى اضجم ملك الحبشة۔ سلام انت وانى احمد اليك الله الملك القدوس السلام المومن المهيمن واشهدان عيسى ابن مريم روح الله وكلمةً الله القاها الى المريم البتول الطيبئه الحصينه فحملت بعيسى فخلقه الله من روحيه نفخئه كما خلق اٰدم بيده ونفخه وانى ادعوك الى الله وحدهٗ لاشريك له والو لاة على طاعته وان تتبعنى وتؤمن بالذى جاء فى فانى رسول الله وقد بعثت اليك ابن عمى جعفرا ونفراً معه من المسلمين فاذا جاؤك فاقرهم ودع التجبّر وانى ادعوك وجنودك الى الله فقد بلغت ونصحت فاقبلوا انصحى والسلام على من اتبع الهدى۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی ضجم۔بادشاہ حبشہ کے نام تجھے سلامتی ہو۔تصرف سب سے پہلے اللہ کی تعریف کرتا ہوں تیری اور پنی طرف سے جو مالک ہے۔قدوس ہے۔مومن ہے اور مہیمن ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ عیسٰی ابن مریم خدا کی روح اور کلمہ بین جو مریم دوشیزہ طیبہ اور عفیفہ کی جانب بھیجے گئے اور اُنہیں عیسٰی کا حمل ٹھہر گیا۔خدا نے عیسٰی کو اپنی روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدمؑ کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا اب میری دعوت یہ ہے کہ تو خدا پر جو اکیلا اور بالکل لاشریک ہے ایمان لے آ۔اور ہمیشہ اسی کی فرمان برداری میں رہا کر اور میری اتباع کر۔اور تیری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر۔کیونکہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں میں قبل ازایں اپنے برادر عم حضرت جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت سے بھیج چکا ہوں تم اسے بھی آرام سے ٹھہرانا۔تکبر چھوڑ دو۔کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے اہل دربار کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا۔اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے طبری 1569۔

نجاشی کا اسلام اور بارگاہ رسالت میں اس کا عقیدت نامہ:

تمام مورخین عرب کا اِس پر اتفاق ہے کہ اس نامہ مقدس کی عبارت پڑھتے ہی نجاشی مسلمان ہوگیا نامہ مبارک کے جواب جو عقیدت نامہ اس نے بارگاہ رسالت میں لکھا اس کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الی محمد رسول اللہ من النجاشی الاضجم بن الجر سلام علیك یانبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نبی اللہ الزی ھدانی الی السلام اما بعد فقد بلغنی کتابك یارسول اللہ فی ماذکرت من امری عیسی فورب السمّا۔ والارض ان عیسی مایزید علی ماذکرت وقد عرفنا مابعثت بہ الیسنا وقد قربنا ابن عمك واصحابہ فاشھد انك رسول اللہ صادقا مصدّقا وقد بایعتك وبایعت ابن عمك واسلمت علی یدیہ اللہ رب العلمین وقد بعث الیك ابنی ارحا بن الاضجم بن الجر فانیّ لا املك الا نفسی وان شئت ان اتیك فعلت سیا رسول اللہ صلعم فانی اشھد ان ماتقول حق السلام علیك یارسول اللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی۔ اَضجم بن الجر کی طرف سے اے نبی اللہؐ آپ پر اللہ کی سلامتی۔ رحمت اور برکت ہو۔ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔ اب عرض یہ ہے کہ حضور کا فرمان میرے پاس پہنچا عیسیٰؑ کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا۔ خدائے آسمان وزمین کی قسم۔ وہ اس سے ذرہ برابر بڑھ کر نہیں ہے۔ انکی حیثیت اتنی ہی ہے جو آپ تحریر فرمائی ہے۔ میں نے آپ کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپ کے ابن عم اور مسلمان میرے پاس بار آم تمام ہیں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سچے ہیں۔ راست بازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں میں آپ سے (مزید) بیعت کرتا ہوں میں نے آپ کے ابن عم کے ہاتھ پر آپ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا ہے اور میں حضور کے خلاف میں اپنے فرزند ارحا کو روانہ کرتا ہوں میں تو اپنے نفس کا مالک ہوں۔ اگر حضور کا منشا یہ ہو کہ میں حاضر خدمت ہوجاؤں تو میں ضرور حاضر ہوں گا۔ کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے

ہیں۔ وہ سب سچ ہے آپ پر یا رسول اللہؐ میرا سلام ہو۔

نجاشی نے حسب الوعدہ اپنے بیٹے کو مع اس کے رفقاء کے بھیجا۔ لیکن افسوس ہے کہ قضائے الٰہی سے وہ باریاب خدمت نہ ہوسکا۔ طبری میں اُسکی یہ کیفیت لکھی ہے۔

قال ابن اسحاق ان النجاشی بعث ابنه فی ستین من الحبشه فی سفینه فاذا کانوا فی وسط من البحر عرقت الهم سفینتهم فهلکوا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے لڑکے کو ساٹھ اہل حبش کی جماعت ساتھ آنحضرتﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ لیکن حکم الٰہی سے کشتی بیچ سمندر پہنچ کر ڈوب گئی اور سب کے سب مر گئے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ سے عقد

مہاجرین حبشہ میں اکثر لوگ ابھی تک حبشہ ہی میں مقیم تھے۔ انہیں میں اُم حبیبہ بنت ابوسفیان، معاویہ کی بہن بھی تھیں جو اپنے شوہر کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھیں۔ قضائے الٰہی سے اُنکے شوہر وہیں انتقال کر گئے۔ آنحضرتﷺ نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ میری طرف سے ام حبیبہ کی خواستگاری کرو۔ نجاشی نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور سعید بن العاص کی وساطت سے آنحضرت صلعم کا عقد کر دیا۔ اور رقم مہر ادا کر کے ام المومنین ام حبیبہ کو کوئی عذر نہ تھا۔ نجاشی نے چار سو اشرفیوں کے مہر پر آنحضرتﷺ کا عقد کر دیا اور رقم مہر ادا کر کے ام المومنین ام حبیبہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بآرام بھیج دیا۔ طبری ص1570۔

سردار قبائل کے نام خطوط حاکم بحرین کے نام نامہ مبارک:

ملوک سلاطین کے علاوہ سرداران قبائل کے نام بھی لکھے گئے تھے۔ انہیں سے حاکم بحرین۔ منذر بن ساوی کے نام بھی نامہ مقدس لکھا گیا۔ اور علا بن الحضر صحابی فرمان رسالت لے کر اس کے پاس گئے۔ منذر شاہان فارس کا ماتحت تھا۔ اس نے آپ کے فرمان کو پڑھا۔ اور فوراً مسلمان ہوگیا اور (اُسکی رعایا کے بعض نے تو اسلام کو بہت ہی پسند کیا۔ لیکن بعض لوگ کراہت کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے محروم القسمت بھی ہیں جو مخالفت کا ارادہ رکھتے ہیں میرے علاقے میں یہودی اور مجوسی بھی کثرت سے آباد ہیں۔ ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔)

منذر کی عرضی کا جواب:

جناب رسول خداﷺ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

من بنصیح انما ینصح من اقام علی یهودیة او مجوسیئة الجزیه۔

جونصیحت پذیر ہوتا ہے وہ صرف اپنی ذات واحد کے لیے۔ جو مذہب یہود و مجوسی پر قائم رہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔

رئیس یمامہ کے نام خط:

ھوذہ بن علی کو بھی شقہ نبوت لکھا گیا تھا۔ جو سلیط بن عمر کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ ہوذہ بن علی نے جواباً لکھا۔ آپ نے جو باتیں لکھی ہیں۔ وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں بھی تمہاری اقتداء کے لیے تیار ہوں۔''اسلام ہوس ملک کے لیے نہیں آیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔''ص ۳۴۶ سیرۃ النبی۔

حاکم عمان کے نام فرمان:

حاکم عمان کے نام خط عمر عاص لیکر گئے تھے۔ حاکم عمان۔ دو بھائی تھے جیفر۔ عبد طبری عباد لکھتے ہیں۔ اُن کے باپ کا جلندی لکھا ہے۔ عمر عاص عمان پہنچا تو پہلے ان کو عبد ملا جو اصلاً سردار ملک تھا۔ اور اخلاق و سیرت میں اپنے بھائی سے بھی زیادہ خلیق و کریم مشہور تھا۔ عمر عاص نے اپنی آپ معرفی کرائی۔ اور بتلایا کہ میں خاتم النبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر ہوں۔ رسول اللہ صلعم کی طرف سے دعوت اسلام کا تحفہ تمہارے اور تمہارے بھائی کے لیے لایا ہوں پھر فیما بین یوں مکالمت ہوئی۔

عبد: میرا بھائی جیفر۔ مجھ سے عمر میں بڑا ہے اور ملک کا وہی مالک ہے میں تمہیں اس کی خدمت میں پہنچا دوں گا لیکن یہ تو بتلاؤ تمہاری دعوت کیا ہے۔

عمر عاص: اس خدائے واحد کی معرفت اور پرستش کرنا جسکا کوئی شریک نہیں اور ہمارے رسول محمد بن عبداللہؐ کی نبوت کا اقرار کرنا۔

عبد۔ تم تو عمائد قریش میں خود ایک رئیس قوم کے بیٹے ہو۔ پہلے یہ تو کہو کہ اس معاملہ میں تمہارے باپ نے کیا روش اختیار کی ہے ہم چاہتے ہیں اس امر میں ہم انہیں کی تقلید کریں۔

عمر عاص: میرا باپ تو ہمارے رسولؐ کی شہادت دینے اور انکی نبوت قبول کرنے سے پہلے مر گیا۔ میری دلی تمنا تھی کہ وہ آنحضرت صلعم پر ایمان لاتا۔ اس سے پہلے میں بھی اپنے باپ کی راہ پر تھا۔ یہاں تک کہ خدا کی توفیق ہوئی اور امین اسلام سے شرف ہوا

عبد۔ تم کب سے اسلام لائے۔

عمر عاص۔ تھوڑے دن سے۔

عبد۔ کہاں۔

عمر عاص۔ نجاشی کے دربار میں اور نجاشی بھی مسلمان ہوگیا۔

عبد۔ نجاشی کی رعایا نجاشی کے ساتھ اس کے اسلام لانے کے بعد کیسے پیش آئی۔

عمر عاص۔ نجاشی نے سابق دستور اپنا حاکم اور فرمانروا برقرار رکھا۔ اور طبقہ رعایا میں بھی اکثر نے اسلام قبول کیا۔

عبد۔ (تعجب سے) کیا پیشوا اور پادریوں نے بھی۔

عمر عاص۔ ہاں

عبد۔ عمر! خوب غور کرلو۔ سوچ لو سمجھ لو جو کچھ کہہ رہے ہو یاد رکھو۔ جھوٹ بولنے سے زیادہ کوئی شے آدمی کو رسوا کرنے والی نہیں ہے۔

عمر عاص۔ میں نے ایک حرف بھی جھوٹ نہیں کہا اور نہ جھوٹ بولنا اسلام میں درست ہے۔

عبد۔ ہرقل نے کیا کیا۔ کیا اسے نجاشی کے اسلام لانے کا حال معلوم ہے۔

عمر عاص۔ ہاں معلوم ہے۔

عبد۔ تم کیسے ایسا کہتے ہو۔

عمر عاص۔ اسلام لانے سے پہلے نجاشی ہرقل کو خراج دیتا تھا۔ لیکن اب اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ آج سے ایک درہم بھی ہرقل کو نہ دوں گا۔

تمہیں حقیقت معلوم نہیں۔ ہرقل تک یہ خبر پہنچ بھی گئی۔ اس کے بھائی نباق نے پہنچائی کہ نجاشی سلطنت روم کا باجگذار۔ غلام اور تابعدار ہو کر اتنا شوخ گستاخ اور خود مختار ہو گیا کہ خراج دینے سے انکار کرتا ہے۔ اور قیصر کے دین وملّت کو چھوڑ کر اس نے اپنے لیے نیا مذہب اختیار کرلیا ہے۔ ہرقل نے بھائی کو جواب دیا۔ تو پھر میں کیا کروں اسے اختیار ہے جو مذہب چاہے اختیار کرے۔ بھائی اگر مجھے اپنے تخت وتاج کی ہوس گلوگیر نہ ہوتی تو نجاشی سے قبل میں نے وہ دین قبول کرلیا ہوتا۔

عبد۔ (پھر تعجب سے) عمر عاص یہ کیا یاوہ گوئی کر رہے ہو۔

عمر عاص۔ خدا کی قسم۔ بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد۔ اچھا بتلاؤ۔ تمہارا نبیؐ کن کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور کن کن چیزوں کے ارتکاب سے منع کرتا ہے۔

عمر عاص۔ خدائے واحد کی عبادت واطاعت کا حکم دیتا ہے۔ معصیت ونافرمانی سے منع کرتا ہے۔ ارتکاب زنا، استعمال شراب پتھر اور صلیب کی پرستش سے قطعاً ممانعت فرماتا ہے۔

عبد۔ کیسے اچھے کام ہیں۔ جس کی تعلیم ودعوت وہ دیتا ہے میری دلی تمنا ہے کہ میرا بھائی بھی اُنکی دعوت قبول کرے اور ہم دونوں بھائی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوں۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اسکے برعکس اگر میرا بھائی دنیا طلبی میں مبتلا رہا اور اسلام کی موجودہ دعوت کو اس نے رد کردیا تو یہ امر اسکی سلطنت کے لیے بھی مضر ہوگا۔

عمر عاص۔ اگر تمہارے بھائی نے اسلام قبول کرلیا تو آنحضرت صلعم بھی اُسے اس ملک کا فرمانروا تسلیم کرلیں گے ہاں صرف اتنا

کرینگے کہ یہاں کے مالدار اور دولتمند لوگوں سے رقم صدقہ وصول کریں گے۔ اور یہیں کے غربا کو تقسیم کر دینگے۔

عبد۔ بات تو اچھی ہے مگر صدقہ سے مراد کیا ہے۔

عمر عاص۔ (زکوٰۃ وصدقات کے مسائل بتلا کر) اونٹ میں بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

عبد۔ تو پھر ہم کو اپنے مویشیوں میں سے بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ ان کی زکوٰۃ کیسی وہ تو خود جنگل کا گھاس۔ درختوں کے پتے اور دریا کا پانی پی لیتے ہیں۔

عمر عاص۔ جو کچھ بھی ہو۔ اونٹوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

عبد۔ مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میری قوم کے کثیر التعداد لوگ جو دور دراز مقامات میں پھیلے ہوئے۔ کیسے اس حکم کی تعمیل کر سکیں گے۔

عمر عاص عبد کے پاس انتظام جواب میں مقیم رہے۔ عبد روز کی خبر اپنے بھائی جیفر کو لکھ کر بھیج دیا کرتا تھا ایک دن بادشاہ (جیفر) نے عمر عاص کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ یہ چلے۔ دربار کے دروازے پر پہنچے تو جوبداروں نے ان کے بازو تھامے اور بادشاہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ بادشاہ نے کہا آیئے انہوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے۔ عمر عاص نے نامہ مبارک پیش کیا اور جیفر سے یہ گفتگو ہوئی۔

جیفر۔ قریش کا کیا حال ہے۔

عمر عاص۔ تمام قریش نے طوعاً کروھاً اسلام کو قبول کر لیا ہے۔

جیفر۔ نے مہر توڑ کر نامہ مقدس کر پڑھا۔ پھر عبد کو دیا۔ اُس نے بھی پڑھا۔ عمر عاص نے انداز سے اُسی وقت سمجھ لیا کہ بھائی سے زیادہ نرم دل ہے۔ پھر عمر عاص اور جیفر سے یہ گفتگو ہوئی۔

جیفر۔ اُسکے رفقا کون لوگ ہیں۔

عمر عاص وہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ گھر بار تمام کاروبار سے دست بردار ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ اور کامل خوض وغور۔ فکر وتعمق اور تحقیق وتفتیش حالات کے بعد آپکی متابعت کو اختیار کر چکے ہیں۔

جیفر۔ اچھا تم کل پھر ہم سے ملنا۔

عمر عاص عبد سے ملا۔ وہ کہنے لگا۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر ہمارے ملک کو کوئی صدمہ نہ پہنچے تو بادشاہ مسلمان ہو جائیگا۔ عمر عاص جب دوسرے دن بادشاہ سے ملا تو جیفر سے کہا کہ تم نے ہماری دعوت کے معاملہ پر غور نہیں کیا۔ جیفر نے کہا میں نے تمہارے معاملہ پر غور کیا۔ میں انکی اگر اطاعت قبول کرتا ہوں تو ہم سے اتنی مسافت بعید پر ہیں کہ ان کی فوج وقت پر مجھے مدد نہیں پہنچا سکتی۔ اس لیے مجھے تمام عرب میں کمزور ہو کر رہنا پڑے گا۔ حالانکہ اگر انکی فوج اس ملک میں آئے۔ تو میں ایسی سخت لڑائی لڑوں گا کہ کبھی تمہیں سابقہ نہ پڑا ہو۔ عمر عاص نے کہا کہ اچھا تو میں پھر کل واپس جاؤں۔ جیفر نے کہا کل تک اور ٹھہر جاؤ۔

دوسرے دن جیفر نے پھر عمر عاص کو آدمی بھیج کر بلایا اور وہ دونوں بھائی بغیر کسی عذر وکلام کے مسلمان ہوگئے۔ اور مُلکی رعایا

کا بھی اکثر حصہ مسلمان ہو گیا۔ بحوالہ زاد المعاد ابن القیم۔ ص ۵۳۲

سردار قبیلہ غسان کے نام خط:

حارث نامی قبیلہ غسان کا سردار۔ جو حدود شام کا رئیس تھا اور قیصر رومی کا باجگذار۔ اُس کو جب نامہ مقدس پہنچا تو بخلاف ہرقل قیصر روم کے نامہ مبارک پڑھ کر کھڑا ہوا اور پھر ایسا کہ فوج کو فوراً تیاری کا حکم دے دیا اور سال ترتیب فوج کرتا رہا۔ مسلمان یہ خبر پا کر ہمیشہ اسکے حملہ کے منتظر تھے جنگ موتہ اور غزوہ تبوک اسی مبتدیٰ کی خبریں تھیں۔

خالد بن ولید اور عمر عاص کا اسلام:

اسلام کی قدرت نما تاثیر کا خاص انداز ہے کہ اسکا احساس زیادہ انہیں لوگوں پر بہت جلد اور گہرا ہوتا ہے۔ جو اُس کے شدید مخالف بلکہ دشمن جان ہوتے ہیں۔ خالد ابن ولید اور عمر عاص کی مخالفت اسلام ابتدا سے لے کر اس وقت تک اتنی عام اور علی الاعلان تھی کہ محتاج بیان نہیں، صلح حدیبیہ کے محاسن نتائج کا بہت بڑا اثر تازیانہ بن کر تمام کفار قریش میں سب سے پہلے انہیں دو شخصوں پر پڑا۔ اور پھر اس شدت سے کہ اس کے جذبات کو پھرا یکدم کے لیے بھی یہ لوگ روک نہ سکے۔

قدرت کے عجیب نئے رنگ ہیں۔ کل یوم ھو فی شان یہی حضرات ہیں جو چھ برس تک بار بار سخت جذبات کے ساتھ مدینہ میں استحصال اسلام کے لیے مضطربانہ طور پر جایا کرتے تھے۔ آج بھی یہ وہی لوگ ہیں جو محسوسات وجذبات قلبی کے ساتھ اسی اسلام کے قدموں پر اپنی متابعت وفرماں برداری کے سر جھکانے کے لیے دوڑے جاتے ہیں شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے۔ لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی۔ اسلام کو اپنی اشاعت کے لیے امن درکار تھا اور وہ اسی صلح سے حاصل ہو گیا۔ اس صلح کو دشمن بھی فتح سمجھتے تھے۔ قریش اور مسلمانوں میں جو معرکے ہوئے۔ فوجی حیثیت سے قریش کی صف سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد ابن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے جاہلیت میں رسالہ کہ افسری انہیں کی سپرد تھی۔ احد میں مشرکین کے اکھڑے ہوئے پاؤں انہیں کی کوشش سے سنبھلے تھے حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا اطلایہ کے بعد حضرت خالد نے مکہ سے مل کر مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمر عاص ملے پوچھا کدھر کا قصد ہے۔ بولے اسلام لانے جاتا ہوں عمر عاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں صاحب ایکبار بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا۔

اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔ سیرۃ النبیؐ ۳۴۷۔

لیکن آپ کے مختار اور ابن حجر کے قول کے خلاف جس کی سند پر آپ نے خالد کا اسلام صلح حدیبیہ کے بعد بتلایا ہے امام عبدالبر۔ ابن ایثر اور علامہ ابن وردی کے مختار و اقوال سے بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔

آغاز سال سنہ ہجری

غزوہ خیبر محرم ۷ ہجری:

خیبر۔عبرانی لفظ خبر سے ماخوذ ہے۔ اصلاً قلعوں کے معنوں میں آیا ہے مدینہ منورہ سے آٹھ منزل کی مسافت پر واقع ہے سیاحین یورپ مسٹر ڈاوٹی (Mr. Diotie) نے 1877ء میں مہینوں خیبر کی سیر کی ہے۔اور نگاہ تحقیق سے خیبر کے تمام مقامات کا کامل مشاہدہ کیا ہے۔ڈاوٹی کا بیان ہے کہ نخلستان خیبر کی زمین بڑی زرخیز ہے۔قوم یہود کے یہاں بڑے بڑے مضبوط اور مستحکم قلعہ بنے ہوئے تھے۔ان میں سے چند قلعوں کے آثار ابتک زندہ ہیں۔

جلد اول میں یہودیوں کی جلاء وطنی اور مقام خیبر میں انکی سکونت پذیری کے مفصل حالات بیان ہو چکے ہیں سمجھ لینے کے لیے مجملا یہی کافی ہے کہ مدینہ منورہ اور اسکے گردونواح سے یہودیوں کے قبائل اکھڑتے گئے اور گردوپیش بستے گئے مال ودولت کی کثرت سے یہاں بھی ان کی عالی شان عمارتیں بن گئیں اور مضبوط اور مستحکم قلعے تیار ہو گئے۔ کاروبار کی بڑی بڑی منڈیاں کھل گئیں اور اطراف وجوانب میں دور دور تک ان کی ثروت واقتدار کے سکے جم گئے واقعات میں توصل وتسلسل قائم رکھنے کی ضرورت سے ہم کو پھر بالا اختصار یہودان مدینہ کی جلاء وطنی سے لے کر خیبر میں سکونت اختیار کرنے کے موجودہ وقت حالات دُہرانے کی ضرورت ومجبوری ہے۔

اس سے قبل یہاں تک معلوم ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کے یہودی مدینہ سے اکھڑے تو خیبر میں جم گئے۔اور اپنی فطرتی خونخواری اور غداری کے تقاضوں سے یہاں بھی مخالفت اسلام کو نیش زنی سے باز نہ آئے۔اطراف وجوانب کے تمام قبائل کو استحصال اسلام پر آمادہ وتیار کر کے مدینہ پر چڑھالائے اور جنگ احزاب برپا کی۔ پھر جنگ قریظہ کی بناڈالی۔لیکن یہودیوں کا سردار حی ابن اخطب خود ہی قتل ہو گیا۔حی ابن اخطب کے بعد ابورافع اُس کا جانشین ہوا۔اس کا پورا نام سلام ابن الحقیق تھا یہ عرب کا ملک التجار تھا۔اور بڑا اعظم الشان صاحب دربار۔عطفان کی آبادی خیبر سے بالکل ملی ہوئی تھی۔یہ لوگ یہودان خیبر کے ساتھ قدیم الایام سے معاہدہ میں شریک تھے۔اور ہر صورت سے انکے معین ورفیق۔6 ہجری میں سلام ابن الحقیق نے جسکی کنیت ابورافع ہے۔خود اُن کے پاس جا کر سب لوگوں کو اسلام کے استحصال پر برانگیختہ کیا۔ابن سعد طبقات جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

ان ابورافع ابن ابی الحقیق قد جلب فی غطفان ومن حوله میں مشر کی العرب وجعل لهم الحفل العظیم الحرب رسول الله صعلم ۔26۔

ابورافع نے عطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر ترغیب دیکر اور آنحضرت صلعم سے جنگ کرنے کی ضرورت دکھلا کر اُن لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ جمع کی تھی۔

جب مدینہ پر اس حملہ کی تیاریاں معلوم ہوئیں تو عبداللہ بن نہیک انصاری نے آنحضرت ﷺ کے اذن سے سلام بن ابی الحقیق کو اس کے قلعہ کے اندر ہی مار ڈالا۔ سلام کے بعد یہودیوں نے اسیر بن زرام کو اپنا امیر بنایا۔ اسکی فتنہ انگیزی کی کیفیت شبلی صاحب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

یہود کی غداری:

اسیر نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ میرے مشیروں نے محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں جو تدبیریں کیں وہ غلط تھیں صحیح تدبیر یہ ہے کہ محمدؐ کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔ اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا۔ اور ایک فوج گراں تیار کی۔

آنحضرتؐ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے اس افواہ پر اعتبار نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لیکر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اسکی تدبیریں اور مشورے سن لیے۔ یہ حالات آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیے آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمی دیکر خیبر کو روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اسیر سے کہا کہ آنحضرتؐ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائیگی۔ چنانچہ وہ تیس آدمی لیکر خیبر سے نکلا اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے۔ جن میں ایک یہودی ایک مسلمان ہوتا تھا۔ قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوگئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر عبداللہ ابن انیس سے تلوار چھیننی چاہی۔ انہوں نے کہا او دشمن خدا بدعہدی کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اسیر زد پر آ گیا تو تلوار ماری کہ اسکی ران کٹ گئی گرتے گرتے عبداللہ کو بھی زخمی کیا۔ اب مسلمان پیشقدمی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے نتیجہ جنگ یہ تھا کہ یہود ایک کے سوا کوئی نہیں بچا۔ یہ آخر 6 ہجری یا محرم 7 ہجری کا واقعہ ہے۔

قوم یہود کی تمام فتنہ انگیزیاں ایک ایک کر کے اس سے پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ یہی یہود تھے۔ جو قریش کے ہمزبان ہو کر قبائل عرب کو مخالفت اسلام پر آمادہ اور طیار کرتے تھے۔ ان مخالفانہ تدبیروں اور معاندانہ ترکیبوں کا نتیجہ۔ جنگ احزاب تھی جس میں شکست کامل اٹھا کر ان کے دل بیٹھ گئے لیکن اب بھی ان کی غدارانہ فطرت چین سے نہیں بیٹھی۔ کفار قریش سے بھی معاملات بنی قریظہ میں ان بن ہوگئی۔ اور ایسی کہ آئندہ رفاقت وحمایت کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ طبعی ناہمواری اور خلقی خونخواری سے فتنہ انگیز طبیعت والوں کا بچنا محال ہے۔ کوئی حالت بھی ہو۔ وہ اپنی نیش زنی اور بیخکنی سے باز نہیں آتے۔

قبائل گرد و پیش کے ساتھ یہود کی سازش:

جب قریش اور اہل حجاز سے کوئی امید باقی نہیں رہی تو یہودیوں نے خیبر اور اس کے آس پاس کے تمام قبائل واقوام کو اسلام کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ ابن ابی الحقیق یہود ان بنی نضیر کا رئیس۔ مدینے سے آ کر خیبر میں آباد ہوا تھا۔ اس نے یہاں کے مشہور ومعروف قلعہ القموص پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلام ابن ابی الحقیق جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس قلعہ کا سردار تھا۔ اس کے قتل کے بعد اُس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع

بن ابی الحقیق سردار قبیلہ نامزد ہوا مخالفت اسلام یہودیوں کی خاندانی وصیت تھی جس کی تعمیل باپ کے بعد بیٹے پر واجب ہو جاتی تھی۔سلام بن ابی الحقیق کی سازشوں کے بعد کنانہ نے بھی۔باپ دادا کی طرح مخالفت اسلام میں بڑی سرگرمی دکھلائی۔عظفان سے لے کر بنوفرازہ تک کی تمام قوموں کو اسلام کا دشمن بنا دیا۔کنانہ کی اس تجویز و تدبیر میں خیبر کے تمام یہود شریک تھے۔اس لیے کہ وہ اس کو اپنی قومی پستی کا اصل ذریعہ قرار دیتے تھے۔یہود ادھر یہ سامان کرتے تھے ادھر منافقین مدینہ دربار رسالت کی روزانہ خبریں پہنچاتے تھے اور مسلمانوں کی قلت اعداد عُسرت اور کمی سامان کی بنا پر یہود ان کو ان کی کامیابیوں کا یقین دلاتے تھے۔

منافقین کی فتنہ انگیز تحریر

جناب رسالت ماب ﷺ کو بھی ان شورشوں کی خبر پہنچتی تھی۔لیکن آپ برابر سکوت فرماتے تھے۔سبب خاموشی یہ تھا کہ آپ معاملات کو صلح و آتشی کے ساتھ طے فرمادینا چاہتے تھے۔چنانچہ آپ نے ایکبار پھر اسی طرح کوشش فرمائی جس طرح اسیر بن زرام کے وقت میں تجویز فرمائی تھی اسی تجویز کی بنا پر پھر عبداللہ بن رواحہ کو آپ نے اہل خیبر کے پاس پیام صلح دیکر بھیجا۔سفیر رسالت نے نامہ مقدس دیا۔

جواب کا منتظر تھا کہ وقعتاً راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کا قاصد یہ خبر لایا کہ آنحضرتؐ خیبر پر عنقریب لشکر گران لیکر حملہ کرنے والے ہیں۔ہوشیا ہو جاؤ۔لیکن اسی کے ساتھ کوئی خوف وہراس دل میں نہ لاؤ۔مسلمانوں کی قلیل جماعت تمہاری کثیر جمعیت کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی تمہارے مقابلے میں ان کو سوائے نقصان کے نفع کی کوئی امید نہیں ہے۔''

یہود ایک تو فطرتاً غدار اور خونخوار تھے اب عبداللہ بن ابی سلول کا یہ اشتعال آمیز اور فساد انگیز خط پا کر اور بھی آمادہ فساد ہو گئے۔عبداللہ بن رواحہ رنگ بے رنگ دیکھ کر مدینہ واپس آئے۔خط پاتے ہی کنانہ بن ابی الربیع اور یہود بن قیس قبیلہ عظفان کے امیر کے پاس چلے گئے۔

بنی غطفان سے سازش:

رئیس عظفان سے سب حالات کہہ سن کر اس کو نخلستان خیبر کی نصف پیداوار دیئے جانے کی شرط پر اپنے ساتھ معاہدہ میں شریک کر لیا۔عظفان کا ایک قوت دار اور نمودار قبیلہ بنوفرازہ بھی تھا۔اس کے سردار بھی خیبر میں بلائے گئے کہ شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑیں۔

بنوفرازہ کے پاس آنحضرتؐ کا پیام صلح:

جناب رسول خدا ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنوفرازہ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ اگر یہود کی اعانت سے باز رہو تو ہم وہی شرط تمہارے ساتھ کرنے پر آمادہ ہیں۔معجم البلدان میں باسناد مغازی موسیٰ بن عقبہ تحریر ہے۔

عن ابن شهاب قال كانت بنوفرازه ممن قدم على اهل خيبر ليعينواهم

فارسلھم رسول اللہ ان لایعینواھم وسئالھم ان یخرجواھم۔
ابن شہاب سے منقول ہے کہ جب بنی فرازہ اہل خیبر کے پاس انکی حمایت میں آئے تو آنخضرت صلعم نے ان کولکھ بھیجا کہ تم ان لوگوں کی حمایت نہ کرو بلکہ ان سے درخواست کی کہ اہل خیبر کے معاہدہ وشرائط سے نکل آؤ۔''
لیکن بنوفرازہ۔ بنی عطفان کے اغوا اور اہل خیبر کے سطوت وثروت کی وجہ سے اسلام کے پیام کی طرف شنوا نہیں ہوئے۔

ذی قرد۔محرم 7 ہجری:

واقعہ ذی قرد جنگ خیبر کا دیباچہ یا بنی عطفان کی شرکت جنگ کا عنوان ہے۔ جناب رسالتمآب ﷺ کی ایک خاص چراگاہ ذی قرد میں واقع تھی جس میں آپ کی اونٹنیاں ہمیشہ سے چرا کرتی تھیں۔ بنی عطفان کے ایک دستہ فوج نے اپنے سردار عبدالرحمن بن عینیہ کی ماتحتی میں حملہ کیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اونٹنیوں کے محافظ تھے۔ ان کی والدہ گرامی قدر بھی ہمراہ تھیں۔ قزاقانِ عطفان سے مزاحم ہوئے خونخوار دشمنوں نے انہیں وہیں قتل کرڈالا گلہ سے 120 اونٹنیاں ہانک لے گئے۔ اورانہیں کے ساتھ حضرت ابوذر غفاریؓ کی سن رسیدہ زوجہ محترمہ کوبھی گرفتار کر لے گئے۔ قریب میں مسلمانوں کا بھی ایک دستہ فوج تھا۔ اس کوخبر ہوئی توفوراً لیٹرون کے تعاقب میں پہنچ گیا۔ وہ لوگ دوڑ کر پہاڑ کے ایک درہ میں چھپ گئے چونکہ پہلے سے انتظام کر چکے تھے۔ اس لیے عنیبہ بن حصین جوقبیلہ عطفان کا سردار تھا۔ ان کی کمک کو پہلے سے تیار تھا۔ اہل اسلام کی موجودہ جمعیت میں سلمہ بن الاکواع بہت بڑے تیرانداز تھے۔ وہ اصباہ کا نعرہ مار کر ایک معتبہ جمعیت اسلامی کے ساتھ مقابل ہوئے۔ اور دشمن کی جماعت کوعین اُسی حالت میں کہ وہ اپنے اُونٹوں کو پانی پلا رہے تھے اپنے تیروں کے نیچے رکھ لیا۔ دشمنوں نے تھوڑی دیر تک مقابلہ میں استقامت دکھلائی لیکن پھر سب کے سب بھاگ نکلے مسلمانوں نے اپنی سب اونٹنیاں چھڑالیں اور جناب ابوذرؓ کی بی بی کوبھی آزاد کرالیا۔
اور مدینہ میں آ کر جناب رسول خدا ﷺ سے سارا واقعہ بیان کر کے عرض کی کہ عطفان سے انتقام کا یہی تو پورا موقع ہے۔ اجازت دیجائے تودم کے دم میں سب کے سب وہیں ڈھیر کردئے جائیں۔
رحمت عالم نے ارشاد فرمایا۔ اذا ملکت فاسجح۔ جب دشمن پر قابو پاجاؤ توعفو سے کام لو۔
طبری نے اس واقعہ کوخیبر سے کل تین دن پہلے بتلایا ہے۔ خیبر کے یہی اسباب وقوع تھے جو تفصیل سے بیان کردیئے گئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ غزوات اسلامی میں غزوہ خیبر اپنی اہمیت کے اعتبار سے امتیاز خاص رکھتا ہے۔
اس لیے کہ اس سے پہلے جو معارک اسلامی پیش آئے وہ بھی گو اپنی اپنی مقدار اہمیت سے خاص خاص امتیاز ضرور رکھتے تھے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تومعلوم ہوجائیگا کہ ان میں صرف جنگی اور دفاعی نظم امتیاز تھے۔ اور اس میں دفاعی نظام کے ساتھ اسلام کے نظام تسلط وتصّرف کے امتیازی اقتدار قائم ہوتے ہیں جنکی مثال سے اورغزوات وفتوحات کے کارنامے خالی ہیں۔

اب تک جولڑائیاں وقوع میں آئیں وہ محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ ودعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدراہ نہ ہوتو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے نہ اُس کو رعایا بنانے کی ضرورت ہے صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر آمادہ ہواور اس کو مٹادینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے۔ اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا غزوہ ہے سیرۃ النبی ص 352۔

غزوہ خیبر جنگ دفاعی تھی:

شبلی صاحب نے اس غزوہ کی آخری صورت حال تو بالکل سچی اور صحیح بیان کی ہے لیکن افسوس ہے کہ عنوان بیان اور آغاز داستان ہی میں ابہام پیدا کردیا ہے۔ آپ کے تمہیدی الفاظ یہ ہیں۔ اب تک جولڑائیاں وقوع میں آئیں وہ محض دفاعی تھیں یہ پہلا غزوہ جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے۔ اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔

اس سے پہلے تو یہ معلوم ہوا کہ سابق غزوات اسلامی کی طرح یہ غزوہ دفاعی نہیں تھا۔ دوم یہ کہ ضرورت مدافعت کے برخلاف ملک گیری کی خواہش اور حکمرانی کی داغ بیل قائم کرنے کی غرض وغایت سے یہ غزوہ اختیار کیا گیا تھا۔

جہاں تک تاریخ وسیر احادیث وتفاسیر سے تلاش واقعات کی گئی ہے معلوم ہوا ہے کہ یہ صرف شبلی صاحب کی طباع کا نمونہ ہے۔ جو اصول مسلمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے اسلام میں جو جنگ بلاضرورت مدافعت اور حکم شریعت اختیار کی جائے گی وہ جہاد نہ کہلائے گی۔ بلکہ عام ملک گیر سمجھی جائیگی۔ اسی بنا پر معتقدات کا یہ مسلمہ ہے کہ جناب رسالتمابؐ کے تمام غزوات اصول مدافعت کے موافق جہاد دفاعی کی صورت عینی رکھتے تھے اور اسی خصوصیت سے جہاد کہلاتے تھے۔ اور اسی لیے غزوہ خیبر کو پہلے جہاد کی تعریف پھر دفاعی ہونیکی خصوصیت امتیازی سے نکال ڈالا حالانکہ اسباب وقوع کی تفصیل میں یہود اور انکے حلیف بنی عطفان کے خونخوارنہ مظالم جو مسلمانوں کی جانوں اور مالوں پرٹوٹے خود بیان فرماچکے ہیں۔ اور یہ بھی آپ ہی تحریر کرچکے ہیں کہ ان کے اقدام حملات سے پہلے آنحضرتؐ نے ان کے پاس صلح وآتشی کے خود پیغام بھیجے تھے۔ اور انکے قطعی انکاری جواب پانے پر بھی آپ نے سوائے سکوت وخاموشی کے اور کچھ نہیں کیا۔ اور اس کے بعد تاوقتیکہ وہ لوگ خود سبقت کرکے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انکی جان ومال کا نقصان نہ کرچکے۔ آپ نے پیشقدمی نہیں کہ ربیعہ بن کنانہ اور ابورافع وغیرہ کی فتنہ انگیزیوں سے جسے آپ خود لکھ چکے ہیں۔ قطع نظر کرکے۔ ذی قرد کا پورا واقعہ جس کو آپ اسانید اور دلائل معتبرہ سے خیبر سے کل تین دن پہلے کا واقعہ ثابت فرماچکے ہیں۔ آپ کی کتاب میں پوری تفصیل سے قلمبند ہے کہ اس واقعہ میں حضرت ابوذر غفاری کے صاحبزادے کا خون ناحق۔ انکی والدہ ماجدہ کی گرفتاری ناقہائے رسول اللہؐ کا سرقہ یہود اور انکے حلیف بنی عطفان کا پیشدستانہ اور جارحانہ حملہ نہیں تھا۔ کیا ان مظالم ومفاسد کی حیثیت ومصدار آپ کے نزدیک نصاب قصاص ونظام دفاع قائم کرنے کے لیے کامل نہیں تھی؟ اور کیا آپ کے نزدیک یہود کی اتنی بڑی عظیم الشان تیاری عطفان

اور بنوفرازہ کی مشارکت حمایت و مدد گاری کے کثیر التعداد اور سامان کی مدافعت و مقابلت اسلام کے لیے ضروری نہیں تھی؟ کیا ان کی اتنی اور ایسی تیار ریاں کار دگلو کی حدود تک پہنچ کر ضرورت دفاع پیدا کرنے کے قابل نہیں تھیں۔؟ جب ان تمام مظالم میں یہود اور شرکائے یہود کی سبقت خود آپ کی تفصیل وتحریر سے ثابت ہے تو پھر غزوہ خیبر کو جنگ دفاعی کی تعریف تخصیص سے مرفوع القلم فرمانا آپ کی خوش فہمی کے سوا اور کیا سمجھا جائے۔

حالانکہ ارباب سیر و تاریخ وقوع اسباب نہ لکھنے پر تبصرہ فرماتے ہوئے خود لکھتے ہیں خیبر کا آغاز۔ اور غزوات کی نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اگر چہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے۔ تاہم اس واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور انکی زبان سے بلاقصد نکل گئے ہیں۔ سب سے مقدم یہ ہے کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلان عام کر دیا۔ لا تخرجن منا الا راغب فی الجھاد (ابن سعد) ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں سیرۃ النبی 252۔

جنگ خیبر کے جہاد ہونیکا اس سے بہتر اور کون ثبوت ہوسکتا ہے۔ جو خاص قول رسالت سے ثابت ہے۔ اب اسکے ساتھ مظالم یہود کے واقعات و اسباب جو اوپر بیان ہو چکے ہیں ملا لیے جاویں تو پھر اس غزوہ کے جہاد دفاعی ثابت ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

شبلی صاحب کے اس بیان تمہیدی کی تنقید اس وجہ سے مجھ کو ضروری معلوم ہوئی کہ آپ کے اس مبہم بیان سے مخالفین اسلام کو اس تعریض کا موقع مل جاتا ہے کہ خیبر کی جنگ مملوکات و مقبوضات یہود پر قابض ہونے کی غرض خاص سے اختیار فرمائی گئی تھی اور اس میں تبلیغ دین اور حفاظت خود اختیاری کی کوئی وجہ قائم نہیں کی جاسکتی۔ اسلام نے بلاضرورت سبقت کر کے یہود کو ان کے مقبوضات سے بے دخل کر دیا اور مملوکات سے نکال دیا۔ کوتہ میں مخالفین کی عجیب جونگا ہیں آپ کے اس ابہام فی البیان سے متنفع ہو کر غزوہ خیبر کے اصلی مقاصد کو مختلف تعریضات و تشنیعات کا اسی طرح ہدف بنالیتیں شبلی صاحب کے محتاط قلم سے ایسی بد احتیاطی سخت افسوسناک ہے۔

اسی طرح شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ اس قاعدے (تبلیغ اسلام) کے مطابق خیبر اسلام کا پہلا ملک تھا۔ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ باعتبار اراضی۔ آبادی پیداوار اور آمدنی کے علاقہ خیبر کو ملک کی مبالغہ آمیز تعریف کے اندر لائیں۔ تو کسی قدر جائز ہوسکتا ہے۔ اس لیے پہلا ملک ہونیکی جگہ یہ کسی طرح اسلام کا پہلا ملک نہیں قرار پاسکتا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے یہود ان بنی قنیقاع۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے مقبوضات مثل ارضیات زراعت ونخلستان و مکانات مسکونہ اسلام کی تملیک و تصرف میں آ کے چکے تھے۔ اور بحکم رسالت و بقاعدہ شریعت عام مسلمانوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔

مضامین تمہید کے آخر میں لکھا گیا ہے کہ غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث تفصیل آئیگی کہ ایک مدت تک لوگ جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے مطابق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ اس لڑائی (خیبر) تک یہی غلط فہمی قائم رہی یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لیے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور علائے کلمۃ اللہ ہو۔ سیرۃ النبی ص352۔

آپ کے اس مختصرہ سے صحابہ دنیا پسندی سے بری نہیں ہوتے بلکہ اس مظاہرہ سے تو شیوع اسلام سے لے کر خیبر کے موجودہ

زمانہ تک تو طمع دنیاوی من ان کا انہاک ثابت ہوتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار کے تجربے اور مشاہدے کے بعد صحابہ کو ایک بار اس قصد وخیال سے باز رہنے کے لیے نہایت سختی کے ساتھ ہدایت وموعظت فرمائی۔ مگر افسوس کہ اتنی تاکید وتہدید کے بعد بھی صحابہ میں خاص مجاہدین بہت ہی کم نکلے۔ چنانچہ مسند امام ابن حنبل کی یہ روایت شائد ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لما کان یوم خیبر اقبل نفر من اصحاب رسول صلعم فقالو افلان شہید فقال رسول اللہ صلعم کلا انی رأیتہ فی النار ثم قال رسول اللہ صلعم یاابن الخطاب ذھب فنادی فی الناس انہ لایدخل الجنة الاالمومنون قال فخرجت فنادیت انہ لایدخل الجنة الاالمومنون۔

حضرت عمر سے مروی ہے کہ بروز جنگ خیبر چند اصحاب رسولؐ نے آکر ذکر کیا کہ فلاں شخص شہید ہوا۔ اسی طرح پھر دوسرے شخص کی نسبت کہا فلاں شخص شہید ہوا یہ سن کر جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کہو۔ میں نے اس شخص کو نار جہنم میں دیکھا ہے۔ بعدازاں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جاکر لوگوں میں منادی کردو کہ اس وقت مومنین کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں پس میں نے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم کے موافق اس بات کا اعلان کردیا کہ مومنین کے سوا جنت میں کوئی نہ داخل ہوگا بحوالہ تاریخ احمدی 61۔

اگر اس ہدایت کا اثر تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے تو وہ صحابہ کے طبقہ میں ہرگز دیر پا نہ رہو اس لیے کہ دولت اندوزی کی بنا پر یہی جہاد۔ وفات رسولؐ کے بعد تمام عرب میں تنہا ذریعہ معاش بنالیا گیا اور تمام مشاغل قدیم تجارت وفلاحت موقوف ومتروک کردیئے گئے۔ اور ان تمام جہادوں کے مقاصد تبلیغ دینی اور اعلائے کلمہ اللہ کے اصل حقیقی سے علیحدہ ہوکر صاف صاف ملک گیری اور کھلی کھلی کشورستانی وجہانبانی کے دستور قدیم پر قائم ہوگئے۔ جیسا کہ ہم جلد اول کے تبصرہ میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرآئے ہیں۔

اپنے موجودہ مضامین تنقیدی کو ختم کرکے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعات غزوہ خیبر کے اصلی اسباب وقوع کے سلسلہ میں یہودیوں کی قدیم مخالفت اور معاندت ثابت ہوتی ہے۔ جس کا خونیں منظر پہلے ذی قرد میں مسلمانوں کے خون ناحق کا محضر پیش کرچکا ہے۔ خیبر کی جنگ اسلام کی انہیں مخالفانہ حملات کی مدافعت تھی جس کے سامان وہ سالہا سال سے فراہم کررہے تھے اور خود تو غیر جانبدارانہ قوموں کو بھی اپنی طرف سے اسلام کی مخالفت پر آمادہ اور تیار کررہے تھے۔

واقعات مندرجہ بالا سے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے ان تمام مفسدوں کی خبر پاکر بھی اپنی طرف سے کسی مخالفانہ کاروائی

کا قصد فرمایا۔ بلکہ ایک بار نہیں کئی بار خود اپنی طرف سے قاصد بھیج کر اور صلح آشتی کے خطوط لکھ لکھ کر انکے معاملات کو بمصالحت ومباہلت طے فرمایا دیا لیکن یہود کی ناشنوا قوم شنوانہ ہوئی اور ان کی تجاویز رسالت کی اخلاقی خوبیوں کو قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھا۔ اور صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مایوس ہو کر خیبر کی جنگ مدافعانہ کا اعلان فرمادیا۔

یہاں ایک امر ضرور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ بخلاف جنگ احد وخندق وغیرہ کے اس جنگ میں مخالف کی حملہ آوری معلوم نہیں ہوتی بلکہ خود آنحضرتؐ کا مدینہ سے آٹھ میل۔ خیبر تک لشکر لے جانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر یہ جنگ دفاعی کیسے کہی جائیگی۔ اسی شبہ نے غالباً شبلی صاحب کے قلم کو بھی دھوکہ دیئے کر روک دیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جنگ احد خندق کی مشکلات نے بتلا دیا تھا کہ دارالاسلام مدینہ پہنچ کر دشمنوں کے حملات کتنے شدید۔ تکلیف وہ اور ضرر رساں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے آئندہ ایسے موقعوں پر مخالف کو اپنے قریب آنے کی مہلت دینی بالکل نامناسب اور خلاف مصلحت سمجھ لیا تھا۔ ذی قرو کے خونخوارانہ حملہ نے جو جنگ خیبر سے کل تین روز پہلے واقع ہوا تھا۔ آپ کی اس تجویز کو حقیقت اور مصلحت کے بالکل مطابق ثابت کر دیا۔ یوں تو یہودیوں کے حملہ کی خبر مدت سے گرم تھی۔

لیکن ذی قرد کے خونین مناظر نے ان کا مشاہدہ عینی کرا دیا تھا۔ اسی وجہ سے جنگ خیبر میں آپ نے غنیم کو اتنا وقت نہیں دیا کہ وہ مدینہ منورہ پر چڑھ آئیں اور شہر کا محاصرہ کر کے اہل اسلام کو محصور و مجبور کر لیں۔ بلکہ غزوہ بدر کی طرح ابوجہل کے لشکر کی آمد سنتے ہی آپ نے مدینہ سے میل آگے بڑھ کر چشمہ بدر پر روک دیا اور بڑی ہمت واستقلال سے اس کو ہزیمت کامل پہنچائی بالکل یہی صورت جنگ خیبر کی تھی۔ وہ غزوہ (بدر) مشرکان مکہ کے حملات مخلصانہ کی مدافعت کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ اور یہ یہودان خیبر کی غدارانہ مفسد، انگیزی کی تنبیہ و تادیب کی ضرورت سے اختیار فرمایا گیا۔ مدّعائے دفاع دونوں میں مشترک تھا۔ اس لیے خیبر کی جنگ بھی جہاد دفاعی ضرور تھی۔

خیبر کی طرف روانگی:

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محرم 7 ہجری میں چودہ سو مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ خیبر کا قصد فرمایا منزل صہبا میں پہنچ کر راہ بہت ہی پر پیچ اور کج مج پائی گئی۔ زمین تو ناہموار تھی ہی۔ اور صحرائی درختوں سے اور جنگلی جھاڑیوں سے بالکل پُر خار۔ اگرچہ متفرق رات سے معلوم ہوتے تھے۔ مگر یہ معلوم ہونا دشوار تھا کہ براہ راست خیبر کو کس راستہ سے جانا چاہیے۔ اس لیے دلیل کی ضرورت ہوئی۔

دوسری ضرورت یہ تھی کہ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت یہ تھی کہ لشکر اسلام ایک ایسے قریب اور سہل اور جلد پہنچا دینے والے راستہ سے خیبر میں پہنچ جائے کہ عطفان کا قبیلہ یہودان قبیلہ وان خیبر کے پاس جمع نہ ہونے پائے اور فوج اسلام پہلے پہنچ جائے۔ انہیں ضرورتوں کی وجہ سے دلیل بلایا گیا۔ حُسَیل نامی ایک دلیل پیش کیا گیا اور وہ اجرت پر ہمراہ لیا گیا۔ وہ ایک ایسے مقام پر لے آیا جہاں سے مختلف راہیں مختلف مقامات پر جاتی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان راستوں کے نام مجھ کو بتلاؤ میں جس راستہ کو پسند کروں جس راہ سے جانا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے بتلایا دوسرے راستہ کا نام شاش ہے۔ ارشاد ہوا یہ بھی نہیں پھر اس نے کہا تیسری راہ کا نان حاطب ہے۔ آپ نے

فرمایا یہ بھی میری راہ نہیں ہے اور نہ اس راہ سے جانا مجھے منظور ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا تھا۔ کہ وہ شخص (دلیل) جو نام لینا تھا۔ وہ حضور کے نزدیک قبیح نکلتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ اس راہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اب ایک ہی راہ باقی تھی۔ دلیل نے عرض کی اس راہ کا نام مرحسب ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اسی راہ سے لے چلو۔ کہ مجھے اسی سے کام ہے۔ حضرت عمرؓ نے خفا ہو کر دلیل سے کہا کہ تو نے پہلے ہی کیوں نہ اس راہ کا نام لے لیا اور اتنی دیر تک الجھا رہا۔

منزل صہبا سے کوچ:

مرکب رسالت منزل صہبا سے اٹھ کر اسی راستہ سے خیبر کی طرف چلا۔ رات کو سفر کیا جاتا تھا۔ اور دن کے وقت لشکر کو آرام لینے کے لیے دہرا دیا جاتا تھا۔ راہ کٹنے کے لیے صحابہ مجاہدین اور تمام اسلامی مبارزین بلکہ ان کے شتربان تک ہدی خوانیاں (رجز خوانیاں) کرتے جاتے تھے۔ جو سننے والوں کی لطافت اور نیز سہولیت مسافت ومسافرت کا باعث ہوتا تھا۔ جناب رسولخدا ﷺ خود بھی ان اشعار سے محظوظ خاطر ہوتے تھے۔ انہی خوانوں میں عامر بن الاکوع بہت مشہور تھا۔ اس کے اشعار یہ تھے۔

اللّٰهم لو انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا فاغفر فداء لك ما اتقينا والقين سكينة علينا انا اذا صيح بنا اتينا وثبت الاقدام ان كاقينا وبالصباح علوا علينا۔

اے خدا اگر تو ہدایت ہمیں نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ خیرات کرتے اور نہ روزہ نماز ادا کرتے ہم تجھ پر فدا ہوں ہم جو تیرے احکام بجا نہیں لاتے تو ان کو معاف فرمادے اور ہم پر تسلی نازل فرما ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں۔ تو پہنچ جاتے ہیں اور جب مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔ لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔

یہ اشعار صحیح بخاری میں نقل کئے ہیں۔ مسند بن حنبل میں یہ اشعار زیادہ ہیں۔

ان الذين قد بغوا علينا ارادو فتنه ابينا ونحن عن فضلكما ما استغينا۔

جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے۔ جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم ان سے دبتے نہیں ہیں۔ اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز ہیں۔ سیرۃ النبی 253۔

جناب رسالت ماب ﷺ نے عباد بن بشیر انصاری کو طلیعہ فوج اسلامی بنا کر روانہ کیا۔ اور مخالف کی خبر رسانی کے لیے تاکید فرمادی۔ حسن اتفاق سے عباد بن بشیر انصاری کو آگے جا کر تھوڑی دور پر خیبریوں کا ایک جاسوس مل گیا جسے عباد نے فوراً گرفتار کر لیا۔ اس سے استفسار حال کیا تو اس مکار نے پہلے حقیقت حال پر پردہ ڈالا۔ اور کہا۔ میرا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کو تلاش کر رہا ہوں۔ عباد بن بشیر

انصاری نے بہت سی ایسی حرکتیں دیکھی تھیں۔اس کی حیلۃ الوقتی پر کوئی اعتنا نہ کی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تنبیہ وتادیب پر مستعدی دکھلائی اور اس سے پوچھا کہ خیبریوں کی کیا خبر ہے۔

اس نے کہا کہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہودا بن قیس نے کنانہ ابن ابی الحقیق کو بنی عطفان کے پاس بھیج کر حمایت کے لیے بلایا ہے۔وعینیہ بن بدر سلاح پوش جوانوں کی معتدبہ جماعت کے ساتھ خیبر میں پہنچ گیا ہے۔سب ملا کر خیبر میں اس وقت دس ہزار فوج مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے طیار ہے۔

عباد تو پہلے ہی جان گئے تھے کہ یہ خیبریوں کا جاسوس ہے۔مگر وہ خوفِ جان سے اظہار حال نہ کر سکا۔عباد نے چشم نمائی کی تو اس نے صاف صاف لفظوں میں پھر کہا کہ میری جان بخشی کر دی جائے تو میں حقیقت حال عرض کروں۔عباد بن بشیر انصاری نے اس کی استدعا قبول کر لی۔اس نے سب سے پہلے اپنے جاسوس ہونے کا اقرار کیا پھر کہا کہ باجود دس ہزار سلاح پوش جوانوں کے موجود ہونے کے بھی۔یہودان خیبر و بنی قریظہ کے معاملات کو پیش نظر رکھا اہل اسلام سے سخت ہراسان ہو رہے ہیں۔اگر چہ مدینہ کے منافقین نے ان کے پاس کہلا بھیجا ہے اور بہت کچھ اطمینان دلایا ہے کہ تم کو مسلمانوں سے ذرا بھی ڈرنا نہیں چاہیے۔تمہاری جمعیت کثیر کے سامنے انکے مٹھی بھر آدمی کچھ کام نہیں کر سکتے۔تمہارے پاس لشکر اور سامان جنگ بھی افراط سے ہے۔ان کے پاس تو لڑنے کو ہتھیار بھی کافی نہیں ہیں۔پھر تم کیوں دبنے لگے؟ اس اطمینان وسامان سے بھی خیبر والوں کو تسکین نہیں سب کے سب ویسے ہی خوف زدہ ہیں۔دلوں میں مارے خوف کے پنکھے لگے ہیں۔اب خیبر والوں نے مجھے خاص کر مسلمانوں کی تعداد لشکر دریافت کرنے کو بھیجا ہے۔یہ حال سن کر بشیر ابن عباد مجھ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔

بارگاہ رسالت میں غنیم کا جاسوس:

جاسوس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔بشیر ابن عباد نے روئداد عرض کی۔حضرت عمر نے واقعہ سن کر عرض کی کہ اسکی گردن اتار لی جائے۔بشیر ابن عباد بولے یہ نہیں ہوسکتا۔میں اسے امان دے کر آیا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشیر ابن عباد سے ارشاد فرمایا کہ اسکو با آرام تمام اس وقت تک اپنی حراست وحفاظت میں رکھو۔جب تک کہ اس کے بیان کی صداقت نہ ہو جائے۔چنانچہ جب آپ خیبر میں پہنچ گئے تو وہ خود مسلمان ہوگیا۔روضۃ الاحباب ۳۸۰۔افسوس ہے کہ حضرت عمر کی عجلت ومداخلت علیٰ الاکثر قبل ز وقت کام کرنا چاہتے تھے اور آیہ وافی ہدایہ واللہ اعلم ان کنتم لا تعلمون۔کے مفاد پر جناب کی توجہ بہت کم رہتی تھی۔

میدان جنگ کی تبدیلی حباب ابن منذر کا سفید مشورہ:

مرکب رسالت وادی حرضہ کی راہ سے خیبر کی طرف بڑھا اور قریب خیبر پہنچ کر ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔تو حباب بن منذر جو معارک جنگ کے بڑے تجربہ کار بزرگ تھے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر حکم خدا کی رو سے یہاں قیام فرمایا گیا ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں اور اگر یونہی قیام کیا گیا ہے تو مجھے کچھ عرض کرنیکی اجازت دی جائے۔آپ نے ارشاد فرمایا۔نہیں میں نے خدا کے

حکم سے یہاں قیام نہیں کیا۔ بلکہ یونہی اتر پڑا ہوں۔ حباب نے عرض کی یہ مقام یہود کے قلعہ نطاۃ سے اتنا قریب ہے کہ ہماری آوازیں ان کی سماعت تک پہنچ سکتی ہیں لیکن ہم ان کی باتوں کو نہیں سن سکتے۔ اسی دوران ان کے پتھر بلامزاحمت ہم تک آ سکتے ہیں لیکن ہمارے پتھر ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ ہم پر ان کا ہر بہ استعمال ہوسکتا ہے۔ اور ہمارا ان پر نہیں۔ اس کے علاوہ یہ غدار اور خونخوار قوم جس طرح شبخون کی عادی اور مشتاق ہے وہ معلوم ہے۔ اس لیے ان کی اس خونخواری کی طرف سے بھی خاص اندیشے لگے ہیں۔ ان تمام باتوں سے بھی قطع نظر کی جائے تاہم یہ مقام بالکل نشیب میں واقع نظر آتا ہے۔ اور چاروں طرف سالہا سال کی غلاظت اور عفونت سے بھرا پڑا ہے۔

مناسب نہیں کہ مجاہدین اسلام یہاں قیام کریں اور یہیں قائم رہ جائے۔ حباب کی اس مفید تجویز سے آنحضرت صلعم نے اتفاق فرمایا۔ اور محمد بن مسلمہ نے حباب بن منذر کی ہدایت کے مطابق مقام رجیع کو جو وہاں سے قریب تھا۔ پسند کیا چنانچہ لشکر اسلام وہاں سے اٹھ کر مقام رجیع میں خیمہ زن ہوا۔ روضۃ الاحباب۔ 382۔

شبلی صاحب سیرت نبیؐ میں لکھتے ہیں۔

چونکہ معلوم تھا کہ بنی عطفان خیبریوں کی مدد کو ضرور آئیں گے آنحضرتؐ نے مقام رجیع میں فوجیں اتاریں جو عطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ اسباب باربرداری خیمہ گاہ اور مستورات یہیں چھوڑ دی گئیں اور فوجین خیبر کی طرف بڑھیں غطفان یہ سن کر اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہیں ہتھیار لیکر نکلےلیکن آگے بڑھ کر ان کو معلوم ہوا کہ خود انکا گھر خطرہ میں ہے تو واپس چلے گئے طبری میں ہے۔

ان عطفان لما اسمعت بمنزل رسول الله صلعم من خیبر جمعو اله ثم خرجو الیظاهر وایهود علیه حتی اذاساروا منقلة خلفهم فی اموالهم واه لیهم خسراناً وظنواالقوم قد خالفو الیهم فرجعوا الی اعقالبم فقاموانی اهالیهم واموالهم وخلوبین رسول اللہ بین خیبر 1575۔

جب جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کی خبر عطفان کو پہنچی تو سلامی جنگ پہنچ کر یہودیوں کی حمایت میں نکلے۔ لیکن پھر ان کو اپنے مال اور اہل وعیال کی تباہی وبربادی کا خیال آیا اور یہ بھی سوچنے لگے کہ قوم یہود ان کے خلاف معاہدہ نہ کرے۔ اس بنا پر وہ واپس جا کر اپنے بال بچوں میں بیٹھ رہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل خیبر کے اہم مقابلے کے لیے راہ خالی کردی۔

رایت خیبر میں حضرت عائشہ کی چادر کا پھریرا:

عرب میں اظہار مفاخرت وسابقت ہمیشہ سے ہر قبیلہ اور عشیرہ کا نصب العین تھا اور مذہبی۔قومی اور سیاسی امور میں اس کا اجر وذکر ضروری سمجھا جاتا تھا۔قدیم الایام سے عرب کی تمام اقوام وقبائل نے ان امور کے اظہار کے لیے ایک خاص شعار اور نشان مقرر کر لیا تھا۔ان کی انہیں تخصیصی علامات وقانون میں بھی سب سے زیادہ ضروری تھا۔عرب کے جلیل القدر عہدوں میں لواء کا بھی ایک خاص امتیازی منصب تھا۔اور صاحب اللوا قافلہ میں معزز اور ممتاز عہدہ دار شمار ہوتا تھا۔لواء قومی کی ترتیب بھی سردار قوم کے مخصوص ہاتھوں سے ہوتی تھی۔اور لوائے قومی ایک خاص عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔چنانچہ قبیلہ قریش کے لوائے قوم کی ترتیب سوائے بنی ہاشم کے کوئی دوسرا نہیں کرسکتا تھا ہم اس منصب خاص کی تفصیل قصی کے زمانہ سے لیکر حضرت عبدالمطلب کے وقت تک جلد اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔

اس منصب کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ واقعہ احد میں علمداران کفار سے ایک ایک کر کے جب سب کا خاتمہ ہو گیا تو آخر خاندان بنی عبدالدار کے ایک غلام نے صرف اس خاندان کے غلام ہونے کی عزت کے باعث قریش کی علمداری کا منصب پایا لیکن جب حضرت علی مرتضیٰؑ کی تیغ ابدار نے اس کو بھی قتل کر ڈالا تو علقمہ نامی خاندان بنی عبدالدار کی ایک عورت نے وہ علم اٹھالیا۔اور اس صنف نازک کی یہ قوت وجگرداری دیکھ کر جوانان قریش کی پرجوشیوں میں ایک نیا ہیجان پیدا ہو گیا۔

ان واقعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عرب میں علم ورایت ایک قومی علامت امتیاز ہے۔اور علمبردار افراد قوم کا ممتاز ممبر ہے۔ لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ یہ عظمت وافتخار اس علم والوں کے ساتھ مخصوص ہے جو معرکہائے جنگ میں آراستہ کیا جاتا ہے۔عام تجارتی کاروان یا دیگر قومی اور ملکی قافلوں کے ساتھ جو علم ہوتے تھے وہ نہ اس قدر معزز خیال کئے جاتے تھے اور نہ ان کے علمدار اتنے ممتاز عرب کے خاص محاورے میں ایسے علموں کو رایات کہتے تھے۔لیکن وہ علم جو غنیم سے مقابلہ کے وقت اعزاز قوم کا نشان امتیاز بنا کر ساتھ لیا جاتا تھا وہ لواء کہلاتا تھا۔اور مجازاً اراایت بھی بولا جاتا تھا چنانچہ زرقانی لکھتے ہیں۔

قد صرح جماعه من لغويين يترادف الراية واللواء وهو العلم الذى يحمل فى الحرب لكن مروى احمد وترمذى عن ابن عباس وطبرانى عن بريده وابن عدى عن ابى هريره قالوا كانت رايت رسول اللهﷺ سوداء والوء بيض۔ صفحه 256۔

اہل لغت رایت اور لواء کو باہم مترادف ٹھہراتے ہیں۔اور اس علم کا نام بتلاتے ہیں جو موقع جنگ پر آراستہ کیا جاتا ہے۔لیکن امام احمد۔ترمذی حضرت ابن عباس سے اور طبری بریدہ سے اور ابن عدی ابوہریرہ کے اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے رایت کا رنگ سیاہ تھا اور لواء کا سفید۔

شبلی صاحب کی موقع شناسی اور وقت رسی البتہ قابل تعریف ہے اپنے مطلب کا ایک شوشہ ملنا چاہیے دم کے دم میں مسلسل مضمون

تیار۔ چونکہ اس غزوہ میں منصب علمداری کی تفویض ایک شرف خاص اور امتیاز تخصیص رکھتی ہے۔ اور وہ حسن اتفاق سے ایک ایسے ذی قسمت بزرگوار کی خوش تقدیری کا حصہ ٹھہری ہے۔ جو آپ کی طبع نفیس کے نزدیک مطبوع وممدوح نہیں۔ اس لیے ابتدا ہی سے اس تخصیص کو بھی محض معمولی واقعات کے نقل کا پردہ ڈال کر تقسیم ومعمول کے عام تمثیلی صورت میں دکھلانے کی کوشش فرمائی گئی ہے۔ اگر ان نقش ونگار مصنوعی پر تعینیات قیاس بھی کرلیا جائے۔ تاہم آپ کے مفید مطلب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جس علم مخصوص کو امتیاز خاص تھا وہ آپ ہی کے اقراری الفاظ سے ایک فرد جداگانہ ثابت ہوتا ہے آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

غرض آپ عظفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لیے مدینہ سے محرم ۷ء میں سباع بن عرفطہ انصاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ فوج کی تعداد 1600 تھی 200 سوار اور باقی پیدل تھے اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ آپ نے تین علم تیار کرائے۔ دو حباب ابن منذر اور سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبویؐ جس کا پھریرا حضرت عائشہ کی چادر سے تیار ہوا تھا۔ جناب امیرؑ کو مرحمت ہوا۔ سیرۃ ص 352۔

شبلی صاحب کے مندرجہ بالا طلسم الفاظی کے پہلے قلعہ کشائی کر لی جائے تو اس کے بعد حقیقت کی جلوہ نمائی کی جائے گی آپ فرماتے ہیں اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا دستور نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ چھوٹے بڑے سے بحث نہیں۔ آپ کے پہلے فقرہ عبارت کے بعد دوسرے ہی فقرہ سے ثابت ہے کہ لڑائیوں میں علم کا رواج ودستور قدیم تھا۔ افسوس ہے کہ آپ اپنے غلط دعویٰ کی شان بیان میں واقعیت کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتے۔

اگر آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا۔ تو بتلایا جائے کہ امارت مکہ اور خدمات کعبہ کے ذکر میں منصب لواء۔ جو قریش کے منصبہائے عظیم وقدیم کی فہرست میں ایک خاص جدول کے اندر سیرۃ النبی جلد اول ص 155۔ پر لگایا گیا ہے اور اس کو خاندان امیہ کا عموماً اور ابوسفیان کا خصوصاً التمغہ بنایا گیا ہے۔ کیا شے بتلایا جائیگا۔ شاید ان سے وہی چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں مراد ہوں۔ تب بھی تو قوم وملک میں علم دستور ثابت ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ ایک بڑے نشان کی صورت میں ہو۔ ہاتھ بھر کی جھنڈی کی قدوقامت میں۔

اگر معرکہائے جنگ میں اسکی عدم موجودگی مخصوص ہے تو آپ خود ظہور اسلام سے سابق زمانہ میں۔ حزب الفجار کے سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں۔

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں تیار کی تھیں۔ آل ہاشم کے لیے علمبردار زبیر ابن عبدالمطلب تھے۔ جب لڑائیوں میں علم کا دستور ہی نہیں تھا تو یہ علم اور علمدار کہاں سے نکل آئے۔ سیرۃ النبی ص 122۔

پھر ظہور اسلام کے خاص ایام میں اور مخصوص غزوات میں غزوہ خیبر سے پہلے جناب رسول الخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے دست مبارک

سے متعدد علم آراستہ فرما کر مختلف ممتازین اسلام کو عنایت کرنا تمام حدیث و تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے جنگ احد کے اسلامی علمداروں کے نام امام قسطلانی نے یہ بتلائے ہیں۔

وعقد علیه الصلوة والسلام ثلاثه الویه لو اء لاوس بیدا اسید ابن لخضیر ولواء للهاجرین بید علی ابن ابیطالب وقیل بید مصعب ابن عمیر والوء للخزرج بید الحباب بن صنذر وقیل بید سعد بن عبادہ۔ (زرقانی جلد دوم ص 28)۔

جنگ احد میں آنحضرت صلعم نے علم تیار فرمائے قبیلہ اوس کا علم اسید بن خضیر کو اور مہاجرین کا حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور بعض کہتے ہیں مصعب ابن عمیر کو۔ اور قبیلہ خزوج کا علم خباب بن منذر کو اور بعض کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ کو عنایت فرمایا۔

اب تو شبلی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ انعقاد علم کا رواج عرب میں ایام جہالت سے لے کر اسلام کی اشاعت تک برابر جاری رہا۔ تو پھر آپ کے یہ دونوں دعویٰ کہ اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا اور یہ (خیبر) پہلی مرتبہ ہے کہ آپ نے تین علم تیار کرائے۔ کس قدر واقفیت اور حقیقت کے خلاف ہو کر لغو ثابت ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا اور دکھلانا باقی رہ گیا ہے کہ شبلی صاحب کو ایسی لغو خامہ فرسائی کی کیا ضرورت واقع ہوئی۔ ضرورت تو وہی ثابت ہوتی ہے جسکی طرف ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے خیبر کے علم میں بمقابلہ دیگر علمائے معارک اسلامی کے ایک خاص شرف اعزاز اور شان امتیاز تھی۔ اور وہ حقیقت وواقعیت کے اعتبار سے ایک ایسے بزرگوار کا خاص طور پر معیار فضیلت ثابت ہوتی ہے جس کو آپ کسی امتیازی اور اختصاصی نگاہ نہ خود دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو دکھلانا چاہتے ہیں اسی وجہ خاص سے پہلے منصب لواء کو انکاری پھر استخفافی الفاظ میں مٹانا اور گھٹانا چاہا۔ اول تو معارک جنگ میں سرے سے اس کے وجود ہی سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ اس وقت تک لڑائیوں میں اسکا دستور ہی نہ تھا لیکن فوراً اسکی قدامت اور مرویات میں اس کے ذکر متواتر ومتکاثر کا خیال ثانی آ گیا تو اس کی عظمت اور اہمیت کو استخفاف کے درجہ تک گھٹا کر ان لفظوں میں بیان کیا کہ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ ان تمام لفظی قلعہ بندیوں کا مدعائے خاص یہ تھا کہ لوآے جنگ اور صاحب لواء (خصوصاً صاحبؑ لوائے خیبر) کی روحانی عظمت واقتدار کو تعمیم کے اصول معمول سے بڑھا کر خصوصیت کے مرتبہ تک نہ لیجائیں کیونکہ ایسا یقین واعتقاد آپ کے اس مدعائے حقیقی اور منشا اصلی کے بالکل خلاف ثابت ہوگا جس کی بنا پر مجلدات سیرۃ النبی کی تصنیف کی ضرورت آپ کو واقع ہوئی ہے۔

شبلی صاحب کے دونوں بیان دعویوں کی لغویت ثابت کر دی گئی۔ اب آپ کی ایک نئی قلکاری ملاحظہ کی جائے۔ سابق عبارت کے آگے لکھتے ہیں۔ دو علم حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ کی چادر کا تیار کیا ہوا تھا۔ جناب امیر کو مرحمت ہوا۔

چونکہ اس غزوہ میں تفویض علم سے جناب امیر علیہ السلام کا خاص اعزاز امتیاز ثابت ہوتا ہے۔اس لیے شبلی صاحب کی طبع نازک پر انکی یہ شان اعزاز ناگوار گذری لیکن چونکہ یہ واقعات اعزاز اور امتیاز خاص متواتر اثرات کے درجوں سے بڑھ کر تعینات تک پہنچے ہوئے تھے۔اس لیے ان سے انکار تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ہاں قلمکاری ہوسکتی تھی۔اور وہ اس طرح کی گئی کہ جناب امیر علیہ السلام کے اس نشان اعزاز خصاص میں ردائے حضرت عائشہ کی شرکت کا پیوند لگا دیا گیا۔یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے دامن فضائل مخصوصہ پر شرکت وتعمیم کا ہلکا سا رنگ آجائے۔

ہر رنگ یہ کہ خوہی جامہ پوش من انداز قدموزوں شناسم

پہلے تو اس روایت کی حقیقت اور شبلی صاحب کے اصول نقل واستنباط کے نئے رنگ ملاحظہ ہوں۔یہ روایت مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی نے علامہ ومیاطی کی سیرۃ ومیاطی کے حوالہ سے نقل کی ہے امام قسطلانی کا شمار محدثین میں ہے اور دمیاطی کا صاحبان سیرۃ میں سوائے۔اس ایک محدث اور اس ایک اہل سیرۃ کے نہ کسی اور محدث نے ردائے حضرت عائشہؓ کی تصریح کی ہے نہ کسی اور اہل سیرۃ نے طبری ابن ہشام ابن سعد۔ابن اثیر۔ابوالفدا دغیرہم سیرت وتاریخ کی اتنی کتابیں بخاری مسلم ترمذی۔نسائی مسند امام احمد ابن حنبل۔ مشکوات وغیرہم احادیث کی اتنی کتابیں موجود ہیں۔کسی میں تو اس تصریح کا نشان نہیں معلوم۔میاطی کو یہ تصریح کسی حوالہ سے پہنچی ضرور ہے۔کہ خبر منفرد وموضوع عہد معاویہ کی موضوعات کے حواشی میں داخل ہو۔ورنہ کیا معنی کہ تفاسیر۔احادیث سیرت اور تاریخ اسلامی کے اتنے بڑے بڑے خوش عقیدہ مولفین ومصنین حضرت ام المومنین کی ایسی فضیلت خاص کے اسنظار رواستشہار سے سعادت اندوز نہ ہوتے۔

اسی لیے شبلی صاحب کے مقرر کردہ معیار واصول نقل واستنباط کے موافق تو یہ روایت کبھی نقل وذکر کے قابل ہی نہیں تھی کیونکہ صاحبان حدیث سے فروتر رکھا گیا۔پھر شبلی صاحب نے اپنے اصول مقررہ کے خلاف اس روایت کی نقل واستنباط پر کیسے جرات کی۔جو نہ کسی صحیح میں ہے نہ کسی مسند میں مواہب لدنیہ میں سیرۃ ومیاطی سے نقل کی گئی ہی اور آپ خود ان دونوں کتابوں کی مجہولیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

مواہب لدنیہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے اسکے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں دیباچہ 27۔کیا عجب کہ یہ تصریح بھی انہیں موضوعات میں ہو۔

سیرۃ ومیاطی کے متعلق تحریر ہے کہ مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور جب احادیث کی چھان بین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ ان کی (ومیاطی) کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیث کے خلاف درج ہوگئی ہیں۔لیکن چونکہ انکی تصنیف پھیل چکی تھی اس لیے اصلاح نہ ہوسکی۔حافظ ابن حجر ایک موقع پر ومیاطی کا ایک قول نقل کرکے لکھتے ہیں۔

ودل هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السيرة وخالفت الاحاديث الصحية وان ذلك كان منه قبل تضعية منها والخروج نسخ كتابه

انتشارہ لم یتمکن بین تغیرہ۔

یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اکثر واقعات جن میں وسیاطی نے اہل سیر کی موافقت اور صحیح حدثیوں کی مخالفت کی تھی۔ اپنی سے رجوع کیا لیکن چونکہ اُنکی کتاب کے نسخے تمام پھیل گئے تھے اس لیے ان کی اصلاح نہ کر سکے۔ سیرۃ النبی دیباچہ 41۔

باوجود اتنی مذکورہ بالا خامہ فرسائی کے پھر آپ نے انہیں دونوں ناقابل استناد کتابوں کے حوالوں پر اعتبار کیا عجب یہ ہے کہ آپ انکے حوالے دیتے وقت صحیحین بخاری و مسلم کی ساتھ خوش اعتقادی اور ذی اعتمادی کا بھی خیال نہ آیا۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ استخفاف فضیلت علیؑ اور اظہار فضیلت عائشہ کی ضرورت پیش تھی اور یہ دونوں ضرورتیں ایسی شدید و ناگزیر تھیں کہ اُنکی نقل و تحریر کے آگے اگر چہ اپنے معیار مقررہ سے اختلاف ہوا قرار رقم کردہ سے انحراف ہو کچھ بھی ہو اغراض و تغافل اور تسامح و تساہل ممکن نہیں تھا سبق آموزی بخاری کا یہ پہلا قاعدہ ہے۔

بہر حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آپ کی یہ قلمکاری بھی آپ کے مفید مطلب نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس علم کو آپ نے علم نبوی لکھ کر تمام مسلمانوں کو خیبر کے لوائے بیشتر ہ پر گمان کرنے کا دھوکا دیا ہے وہ اصل میں وہی رایت تھا جو قافلہ اور لشکر کی جمعیت عام میں امتیاز قوم وقبائل کی ضرورت سے ہمراہ لیا جاتا ہے۔ نہ حقیقتاً وہ علم مبارک اور وہ لوآئے مقدس تھا۔ خیبر میں جس کے اشتیاق حصول میں تمام ممتازین صحابہ کو شب بھر سخت اضطراب و بیقراری اور اختر شماری میں کٹ گئی۔ علامہ زرقانی کی مرقومہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

روی احمد والترمذی عن ابن عباس و الطبرانی عن بریدۃ وابن عدی عن ابوھریرۃ قالو کانت رایۃ رسول اللہ صلعم سوداء ولواء ابیض وزاد ابوھریۃ مکتوب فیہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ وھو ظاھر فی التغایر فلعل التفرقۃ بینھما عرفیۃ قالہ الحافظ و فی المصابح لواء الجیش علمہ وھودون الرایۃ وقال الدمیاطی و کالت شئا نف فی جواب سوال نشامن ذکر الرایا ھوسم کانت ریتہ فقال کانت رایۃ النبی صلعم السّوداء من کرد العائشہ رضی اللہ عنہ والا سوداء بالتنکیر۔ زرقانی جلد دوم صفحہ 256 صر

امام احمد اور ترمذی نے ابن عباس سے اور طبرانی نے بریدہ سے اور ابن عدی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کے رایات سیاہ تھے اور لوائے فوج آپ کا سفید تھا۔ اور ابو ہریرہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس پر لاالہ الا اللہ و محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ یہ قول ابن حجر کا ہے۔ اور مصباح میں منقول ہے کہ لوائے فوج آپ کا علم کہلاتا تھا۔ اور وہ آپ کے رایات سے علیٰحدہ تھا میاطی نے ان لوگوں

کے سوال کے جواب میں کہا ہے جو آنحضرت صلعم کے روایات کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ (رایت) سیاہ تھا اور حضرت عائشہؓ کی چادر سے بنا تھا۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا ہونا بالتنکیر یعنی بالعموم ہے اس لیے کہ آپ کے تمام رایات سیاہ ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ تین صحابہ کے اقوال سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس رایت کو مقدم نہیں کیا۔ اور یہ علم وہ تھا جس کا نام عقاب تھا۔

مگر شبلی صاحب ہیں کہ بخلاف اتباع صحابہ کرام ذکر رایات کو مقدم کرتے ہیں صرف اس لے کہ فضیلت حضرت عائشہ الم نشرح ہو اور آپ کی چادر کے نیچے علمبر دار خیبرؑ کے فضائل مخصوصہ چھپ جائیں۔ یا کم سے کم حضرت علیؑ کی فضیلت مخصوصہ میں جناب عائشہ بھی شریک ہو جائیں۔ اول تو علامہ رزقانی کی شرح ومعانی سے جس علم کی تفویض نے جناب امیر علیہ السلام کو شرف مخصوص بخشا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سیاہ علموں سے بالکل جدا تھا اور وہ سفید تھا۔ اور وہ معارک جنگ کے لیے مخصوص تھا اور اس کا نام عقاب تھا اس علم خاص کے علاوہ جو سیاہ رنگ والے علم تھے وہ رایات کہے جاتے تھے اور قوم وقبیلہ کی تمیز وشناخت کے لیے ہمراہ لیے جاتے تھے۔ انہیں رایات میں سے جو جمعیت خیبر کے موقع پر ساتھ لیے گئے تھے ممکن ہے کہ ایک میں حضرت عائشہؓ کی ردا پھریرا کی جگہ لگا دی گئی ہو۔ اگر چہ بالکل خلاف قیاس اور خلاف واقع ہے اس لیے کہ زرقانی نے اس کو بھی لکھ کر صاف کر دیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے رایات بالعموم سیاہ ہوتے تھے۔ تو اگر صرف سیاہ رنگ کی وجہ سے ردائے حضرت عائشہؓ کا قیاس کیا جاتا ہے تو پھر یہ مان لینا ہوگا کہ آپ کے تمام رایات سیاہ میں حضرت عائشہ کی چادریں لگی تھیں۔ یہ محال ہے کہ اتنی ردائیں حضرت عائشہ کے پاس موجود ہوں۔ کیونکہ آپ خود فرماتی ہیں کہ ازواج پیغمبر میں کسی کے پاس کبھی ایک جوڑے سے زیادہ پہننے کو نہیں رہتا تھا۔ اس بنا پر حضرت عائشہ کی چادر سے رایات کی آراستگی موضوعات کے حواشی ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

اگر بفرض محال ہم اسکو تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیں تب بھی تو شبلی صاحب کا مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ ان رایات میں جو کچھ عظمت وبرکت تھی۔ وہ جناب رسول خدا ﷺ کی مقدس نسبت سے تھی۔ نہ اس وجہ سے کہ یہ حضرت عائشہ کی ردا کا بنا تھا یا کسی صحابہ کے دامن عبا کا نہ اس رعایت سے کہ سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا یا حباب ابن منذر کے کاندھے پر ان وجوہ واسباب کی بنا پر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ رایات یا لوایات جنگ کی عظمت واہمیت جناب رسول الخدا صلعم کی نسبت اور یمن وبرکت کی بدولت تھی نہ کسی دوسرے کی نسبت ورعایت مخصوص سے۔

اسی طرح اگر شبلی صاحب کا یہ بیان مدینہ سے روانگی لشکر کے وقت رایات بنا کر دو سعد حباب کو اور ایک جناب امیر علیہ السلام کو مرحمت ہوا۔ صحیح بھی مان لیا جاوے تو حقیقت اور واقعیت صرف اتنی ثابت ہوگی کہ جناب امیر کے دست اقدس میں جناب رسول الخدا صلعم کا رایت مبارک تھا۔ جو آپ کے امیر المومنین اور رئیس المہاجرین ہونے کا معیار کامل تھا۔ پھر چند دنوں کے بعد جب غزوہ خیبر کا لوائے دعوہ مخصوص زینت دوش مطہر ہوا تو اس رایت برداری وعلمبرداری کی شان والا دوبالا ہوگئی۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

تعجب ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے جیسا محقق مورخ اور محدث ہو کر ایسی ایسی موضوع اور غیر مقید مرویات سے استدال فضائل کی

بنیاد قائم کرے اور خاص کر ایسی حالت میں وہ ذاتی طور پر خود جانتا ہو کر جناب امیر علیہ السلام کے جیسا بزرگوار جو بالنفس النفیس اصحاب کساء میں داخل۔ آل عبا میں شامل ہوا اور جسکی تصدیق فضائل میں آیہ تطہیر نازل ہو چکا ہو وہ کسی کی چادر کا کیونکر منت کش ٹھہر یا جا سکتا ہے۔

خیبر میں داخلہ:

شبلی صاحب کی تمہید مفید کی مرقومہ بالا تنقید کو ختم کر کے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منزل صہبا سے رجیع میں قیام کی جگہ بدل دی گئی۔ یہاں ٹھہر کر فوج میں رسد تقسیم کی گئی۔ جو صرف پسے ہوئے ستو تھے یہی خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی آگے رکھا گیا۔ آپ بطیب خاطر پانی میں گھول کر اسے نوش فرمایا لیا اور شکر خدا ادا کیا۔ خیبر وہاں سے متصل تھا رجیع سے کوچ فرما کر مغرب کے بعد مرکب رسالت خیبر میں داخل ہو گیا ہمیشہ سے شہنشاہ رسالتؐ کا دستور تھا۔ کہ جب کسی مقام شہر قریہ آبادی میں داخل ہوتے تھے تو مرقومہ ذیل دعائے داخلہ پڑھ لیتے تھے۔

اللھم انا نسئلك خیر ھذا القریة و خیر اھلھا وخیر مافیھا ونعوذبك من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا۔

اے خدا ہم تجھ سے اس قصبہ اور اس قصبہ کے رہنے والوں اور قصبہ کی تمام داخلی چیزوں کی بھلائی چاہتے اور قصبہ میں رہنے والوں کی داخلی چیزوں کی برائی کے لیے تجھ سے پناہ مانگتے ہیں زرقانی جلد دوم ابن ہشام جلد دوم 158۔

خیبر کے قلعوں کی تفصیل

یہ دعا فرما کر تمام لشکر کو حکم ہوا کہ بسم اللہ کہہ کر آگے بڑھیں خیبر میں کامل خاموشی اور سکوت سے قیام کیا گیا۔ چونکہ رات کو غنیم پر حملہ کرنا۔ فرمان نبوت کے مطابق بالکل ممنوع ہو چکا تھا۔ اس لیے لشکر اسلام نے رات بھر پورے اطمینان سے آرام کیا۔

خیبر میں چھوٹے بڑے ملا کر چھ قلعے تھے جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر یکے بعد دیگرے واقع تھے۔ مورخ یعقوبی نے ان قلعوں کے یہ نام بتلائے ہیں سالم۔ نطاۃ۔ قصارہ۔ شق۔ حریطہ۔ اور القموص ان قلعوں میں یہود کی مجموعاً بیس ہزار فوج موجود تھی۔

ان تمام قلعوں میں قموص نہایت مستحکم محفوظ اور مضبوط مشہور تھا۔ مرحب جس کو یعقوبی یہود کا رستم داستان اور ہزار جوانوں کے برابر ایک جوان تسلیم کرتا ہے۔ اسی قلعہ کا قلعہ دار یہاں کی فوج کا سردار تھا۔ ابن ابی حقیق کا خاندان جو مدینہ منورہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر پر قابض ہو گیا تھا۔ اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ یہود پہلے ہی سے ہوشیار تھے۔ استحفاظ و مدافعت کے انتظام قبل ہی سے درست کر چکے تھے۔ اپنی مستورات کو ان قلعوں سے ہٹا کر ایک محفوظ جگہ میں بھجوا دیا۔ اور رسد وغلہ کا ذخیرہ قلعہ ناعم میں رکھوا دیا۔ اور فوجیں قلعہائے نطاۃ وقموص میں جمع کرا دیں۔ اس نظام کے اعتبار سے صرف قلعہ قموص اور نطاۃ مقابلہ جنگ کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ اور باقی قلعوں کو

دوسرے کاموں کے لیے۔

مقابلہ ومقاتلہ پر یہود کی تیاری اور اسلام کی احتیاط:

اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کے استحصال پر وہ اس قدر آمادہ تھے کہ باوجود سخت بیمار۔ لاغر و ناتواں ہونے کے بھی سلام بن مشکم نصیری نے قلعہ نطاۃ کی قلعہ داری اپنے ذمہ لی اور وہاں کی فوجیں اسکی ماتحتی میں جُنود اسلامی کے مقابلہ کا انتظار کرنے لگیں۔ اتنے متواتر اور عینی واقعات کی موجودگی میں بھی جو ہمہ دم آنحضرت ﷺ کے پیش نظر تھے اب تک آپ کا ارادہ کشت وخون کا نہیں تھا۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں۔ آغاز معاملات طے ہوجائیں۔ لیکن یہود کی طرف سے یہ خونخوار نہ تیاریاں دیکھ کر آپ کو انکے معاملات کی طرف سے مایوسی ہوگئی تو چارو ناچار جناب رسول خدا ﷺ نے لشکر اسلامی کو تیاری کا حکم دیا۔

علامہ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس میں لکھتے ہیں۔

ولما تیقن النبی صلعم ان الھیود ولتحارب وعظ ونصحھم وھو صموا علی الجھاد۔

آنحضرت صلعم کو جب اسکا یقین ہوگیا کہ یہود ہم سے ضرور لڑیں گے تو آپ نے تمام مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کی۔ شرائط ونصاب جہاد بتلائے اور جہاد پر آمادہ کیا۔

چند عورتیں بھی اس غزوہ میں خدمت مجاہدین کرتی تھیں:

جائزہ لشکر کے وقت چند خواتین اسلامی کو ہمراہ لشکر دیکھ کر فرمایا گیا کہ تمہارا آنا کس غرض سے ہے۔ محرمات نے عرض کی مجاہدین کی خدمت کے لیے ہم اپنی امکانی کو بروئے کار لائیں گی۔ دوران قتال بہادران' مجروحین کی خدمت کریں گی ان کے زخموں کی مرہم پٹی کریں گی ہمارے ساتھ دوائیں بھی ہیں۔ ان سے علاج کرینگے ۔

جناب رسول اکرم ﷺ ان پر ہمت خواتین کے مردانہ وار جواب سن کر بیحد متاثر ہوئے اور ان کو ہمراہی لشکر کی اجازت دی چنانچہ فتح خیبر کے بعد تقسیم غنیمت میں ان عورتوں کو مردوں کے برابر حصہ دیا گیا۔ یہ مال غنیمت نہ روپے تھے۔ نہ اشرفیاں نہ موتی تھے نہ جواہر۔ بلکہ صرف خشک کھجوریں تھیں جو سرفروش ووفادار مبارزین کو بھی ملیں اور ان خدمت گزار خواتین کو بھی۔

احکام وآداب لشکر

ہم اس سے قبل تمام غزوات اسلامی کی خصوصیات میں لکھ کر دکھلاتے آئے ہیں کہ آداب وتہذیب فوج کی طرف آنحضرت ہمیشہ خاص توجہ رکھتے تھے۔ اور عرب کے عام دستور جنگ کے مطابق شوروغوغا کے خلاف سکوت وخاموشی اختیار کرنے کی لشکر اسلامی کو سخت تاکید فرمائی گئی۔ غزوہ میں ایک موقع پر مبارزین اسلام نے مل کر زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اصول خاموشی کے اعتبار سے ہدایتاً ارشاد ہوا کہ آہستہ آہستہ تکبیر کہو۔ سمجھ لو جیسے تم پکارتے ہو وہ گران گوش نہیں اور نہ تمہاری نگاہوں سے اتنا دور ہے کہ تمہیں چلا کر

پکارنے کی ضرورت ہو۔ وہ تو تم سے بالکل قریب ہے پھر اتنے زور سے پکارنا کیا۔

قلعہ ناعم (سالم) کا محاصرہ محمود بن مسلمہ کی شہادت:

شبلی صاحب نے بھی یہ دونوں واقعے بخاری باب غزوہ خیبر اور سنن ابوداؤد کے اسناد سے۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول 353۔ میں تحریر فرمائے ہیں ترتیب فوج سے فراغت پا کر آنحضرت ﷺ مخالف کی طرف سے آغاز جنگ کا انتظار کرنے لگے۔ اس اثناء میں یہود کی طرف سے قلعہ ناعم کی فوج نے لشکر اسلام پر تیر بارانی شروع کی محمود بن مسلمہ نے لشکر اسلام سے بڑھ کر مخالف کے حملات کو روکا اور بڑی ہمت ودلیری سے ان کے خونخوارنہ محاربات کا جواب دیا۔ یہاں تک کہ تکان جنگ سے تھک کر دیوار قلعہ کے نیچے دم لینے کے لیے بیٹھ گئے مکاری اور غداری یہودیوں کی فطرت تھی۔ وہ ایسا موقع کب چھوڑنے والے تھے۔ کنانہ بن الربیع نے موقع پا کر اور نامردانگی دکھا کر فصیل قلعہ سے چکی کا پاٹ ایسا تاک کر گرایا جو محمود بن مسلمہ کے وسط سر پر گرا اور وہ غریب نادانستہ اس کے نیچے دب کر شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ لیکن اہل اسلام نے قلعہ کو بھی بہت جلد خالی کرا لیا۔

شبلی صاحب لکھتے تو تاریخ ہیں اور سیرت نبویؐ کی ترتیب دیتے ہیں لیکن نہیں معلوم کہ نقل وتحریر واقعات میں اتنی عجلت کو کس مصلحت سے اختیار فرماتے ہیں کہ واقعات کے واقعات جن سے اسلام کے محاسن تافیر اور اس کی تبلیغ وتعلیم کے روحانی فیوض ثابت ہوتے تھے قلم انداز فرماتے جاتے ہیں۔ حالانکہ حدیث سیرت کے بحث عنوان میں مسلّم ہو چکا ہے کہ سیرت وتاریخ واقعات وحالات کے ذخائر کا نام ہے اور احادیث وفقہ احکام ونصابات شرعیہ کے مرتب دفاتر میں باوجود ان اعتراضات کے واقعات ضروری کے بیان تاریخ وسیرت میں تغافل وتساہل کرنا موقف کی شان اور تالیف کے طریق وعنوان سے بالکل مخالف ہے۔

اکثر علمائے محدثین قلعہ نطاۃ کو اسلام کی اول فتوحات میں شمار کرتے ہیں لیکن امام الغازی ابن اسحٰق قلعہ ناعم کو فتح اسلام کا دور دراز قرار دیتے ہیں۔ اہل سیر وتاریخ نے زیادہ تر قول ابن اسحاق کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ اور اسی لیے ہم نے حصونِ خیبر کی فتوحات کا فتح ناعم ہی سے فتح الباب کیا ہے۔

قلعہ نطاۃ کی فتح:

قلعہ ناعم کو فتح کر کے لشکر اسلام نے قلعہ نطاۃ ووشق جو بالکل ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ محاصرہ لشکر اسلام کی خبر گرم تھی۔ وہ سویرے سے بھیڑوں کے گلوں کو لیکر صحرا میں نکل گیا تھا شام کو حسب العمول جب واپس آیا تو تمام اہل قلعہ کو مسلح اور آمادہ جنگ دیکھا۔ اپنے آقا عامر سے پوچھا کہ آج یہ کیسی تیاری ہے۔ عامر نے جواب دیا۔ کہ ہمارا ارادہ ہے کہ اس شخص سے جس نے چند دنوں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جنگ کریں۔

یہودی گلہ بان کا قبول ایمان:

اس غلام حبشی پر یہ جواب سن کر ایک خاص حالت طاری ہوگئی لیکن وہ خاموش رہ گیا۔ جب لشکر اسلام قلعہ کے مقابل آ گیا تو وہ حسب المعمول اپنی بھیڑوں کے گلے کو لیکر باہر نکلا۔ اور اپنی بھیڑوں سمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلا تکلف آپ کے سامنے زمین پر دوزانو بیٹھ گیا۔ اور عرض کرنے لگا آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا اسلام کی اور وہ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی تصدیق ہے اس نے کہا کہ اگر میں آپ کی دعوت کی تصدیق کروں تو اسکے معاوضہ میں مجھے کیا ملے گا۔ ارشاد ہوا بہشت بشیر طیکہ اصول اسلام پر تم مستقل رہ سکو۔ یہ سنتے ہی وہ غلام حبشی فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور عرض کرنے لگا میرے پاس یہ بھیڑیاں پان امانت ہیں انہیں واپس دیکر فوراً حاضر ہوتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر حصار کے اندر جاؤ گے۔ تو یہود تمہارا مسلمان ہوجانا سن کر تمہیں فوراً قتل کر ڈالیں گے مصلحت وقت یہ ہے کہ حصار کے قریب جا کر اپنے مالک کو آواز دو کہ اپنی بھیڑیاں آ کر لے جاوے تم بھیڑیاں دیکر چلے آؤ۔

حسب الحکم اس غلام حبشی نے ایسا ہی کیا قلعہ کے نیچے جا کر آواز دی اور کہا کہ اپنی بھیڑیاں اندر کرلو۔ عامر فوراً پہچان گیا۔ حبشی بھیڑیں واپس دیکر مبارزین اسلام کی صف میں چلا آیا۔ اور شبان سے آناً فاناً شیر میدان بن گیا اور شریک جنگ ہوکر یہودیوں سے خوب لڑا۔ یہانتک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ لوگ اس کو میدان جنگ سے اٹھا لائے اور ایک خیمہ میں رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے خاتمہ احوال کی اطلاع کی آپ نے ارشاد فرمایا عمل قلیل واجر کثیر۔ کام تو کم ہیں لیکن اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

ایک روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اس کے خاتمہ کی خبر آپ کو پہنچائی گئی تو آپ اس خیمہ میں تشریف لائے جہاں اس کی لاش کو دیکھ کر فرمایا۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے یقینا اپنے اس بندہ پر عنایت ورحمت فرمائی اور اس کو بہشت میں درجات عالی عطا فرمائے۔ روضۃ الاحباب ص 383۔

دستور جنگ کے مطابق ایام محاصرہ میں دن بھر لڑائی ہوتی تھی۔ رات کو جانبین کے لشکر اپنے اپنے مقامات پر واپس آجاتے تھے۔ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انتظام کر رکھا تھا۔ کہ ہر روز شب کے وقت ایک شخص محافظت لشکر کی خدمت پر خاص طور پر مقرر ہوتا تھا۔ اور وہ اپنے رفقا کے ساتھ لشکر گاہ کی حفاظت کرتا تھا۔ ایکبار حضرت عمرؓ کی باری کی رات تھی۔ یہ پہرا داری میں مشغول تھے انکے رفقا ایک مرد یہود کو پکڑ کر انکے پاس لے آئے۔ انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہود نے حکم سن کر عرض کی کہ مجھے قتل نہ کیا جائے بلکہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں لے جایا جائے۔

مجھے خدمت رسالت میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں اور میں اسی غرض سے شب کے وقت قلعہ سے چھپ کر نکل آیا ہوں حضرت عمر نے اس کی استدعا قبول کی اور اس کو خدمت رسول صلعم میں حاضر کیا۔ یہودی نے آتے ہی سلام عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا خبر لائے ہو عرض کی کہ اگر میری جان بخشی ہو تو صحیح خبریں عرض کروں ارشاد ہوا تمہاری امان کا حکم ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں یہودان

قلعہ کو ابھی ابھی اس حالت میں چھوڑے آتا ہوں کہ اس وقت تک ان میں کسی قسم کا نظم درست نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہ لشکر اسلام کی ہیبت سے سب کے ہوش وحواس زائل ہو گئے ہیں اور اس شدت سے خوف و ہراس طاری ہے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ جائینگے۔ اور نطاۃ سے نکل کر قلعہ شق میں کیونکہ شق میں نطاۃ سے زیادہ فوج بھی ہے۔ اور سامان واسلحات جنگ بھی۔ میں صبح کو آپ قلعہ نطاۃ بے خوف وہراس چلیں گے تو میں آپکو وہاں کے ذرہ ذرہ سے آگاہ کردوں گا حضرتؐ نے فرمایا انشاءاللہ۔ اس یہودی نے بھی کہا انشاءاللہ چنانچہ صبح کو ایک خفیف سی لڑائی کے بعد قلعہ نطاۃ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

قلعہ شق کی فتح:

نطاۃ کے بعد لشکر اسلامی قلعہ شق پر جا پڑا۔ اور دم دم میں وہ بھی فتح ہو گیا مسلمانوں نے اس پر بھی قبضہ کرلیا۔

قلعہ صب کی فتح

یونہی اور چھوٹے چھوٹے قلعے فتح ہوتے گئے۔ اور اہل اسلام پر تصرف ہوتے گئے یہاں تک کہ قلعہ صعب کا محاصرہ ہوا۔ یہ قلعہ مضبوطی اور استحکام میں اور قلعوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھا۔ یہود نے لشکر اسلام میں رسد قبل ہی سے روک دی تھی مسلمانوں کے پاس جو کچھ ذخیرہ تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے فوج اسلام میں فاقوں کی نوبت تھی۔ متسب بن قشیر اسلمی کا بیان ہے کہ ہم نے ان تکلیفوں سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض حال کی تو آپ نے فرمایا تھوڑا صبر وتحمل اور کرو انشاءاللہ تمہارے رزق میں بہت جلد وسعت عطا کی جاتی ہے۔

دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حباب ابن منذر کی ماتحتی سے قلعہ صب بھی آسانی سے فتح کرلیا قلعہ میں داخل ہوئے تو اُمید سے زائد زرومال اور کھانے پینے کی چیزیں دستیاب ہوئیں۔

ایک صحابی کی شرابخواری:

لطیف تر یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے زیادہ شراب کا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ وہ منظر میری آنکھوں سے نہیں ہٹتا کہ شراب کو قلعہ سے باہر لا کر زمین پر پانی کی طرح بہایا جاتا۔ یہاں تک کہ یہود کا یہ سالہا سال کا ذخیرہ دم کے دم میں تباہ و برباد ہو گیا۔ عبداللہ خمار مسلمان ہو چکا تھا۔ وہ بھی تھوڑی سامنہ کا مزہ بدلنے کے لیے ضبط نہ کرسکا تھوڑی سی اٹھا کر پی لی۔ یاروں نے دیکھ لیا آنحضرتؐ کی خدمت میں پکڑ لائے آپ کو بھی اس کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی نعلین مبارک سے اس شرابخوار صحابی کی خود بھی تنبیہ کی اور حاضرین صحابہ کو بھی اسی طریقہ سے اس کی تادیب کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام نے بھی حسب الحکم انکی پوری مرمت فرمائی حضرت عمر کی

زورِ غضبی تاب نہ لاسکی فرمانے لگے۔ اللهم لعنه۔ خدا اس پر لعنت کرے بار بار اس شخص سے کہا جاتا ہے تاہم یہ اپنی عادت سے باز نہیں آتا آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اے عمرؓ اسے برا کہو۔ تاہم یہ شخص خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔ روضۃ الاحباب ص385۔

اسی طرح ایک ایک کر کے یہود کے تمام قلعے فتح ہوتے گئے۔ صرف قلعہ القموس رہ گیا۔ اور اسی پر یہود کی قسمت کا آخری فیصلہ موقوف تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مورخین ومحدثین کے متفقہ بیان کے مطابق قموس یہود کے تمام قلعوں سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا زرقانی لکھتے ہیں وهو اعظم حصون۔ سب قلعوں سے عظیم ترین تھا۔ ص263 ج ۲ شبلی صاحب قموص کی قلعہ کشائی کے متعلق رقمطراز ہیں۔

ناعم کے بعد اور قلعے باآسانی فتح ہو گئے۔ لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھیجا۔ لیکن دونوں ناکام واپس آئے۔ طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت بھی یہی شکایت کی۔

اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے راوی عوف ہیں ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ لکھا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے وہ رافضی اور شیطان تھا۔ یہ لفظ نہایت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے۔ اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ ان کی جو روائتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ سیرۃ النبیؐ ص356۔

شبلی صاحب کی خدمت میں گذارش:

شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت میں پہلے تو ہم نے آپ کا وہی انداز اختیار دکھلانا ہے جو ایسے خاص مقامات پر آپ کی تحریر کا معیار خاص ثابت ہوتا ہے۔ اس بنا پر آپ نے صرف اتنا لکھ کر کہ اس مہم پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر وحضرت عمر کو بھیجا۔ لیکن دونوں ناکام واپس آئے گویا یہاں واقعہ کو ختم کر دیا۔ حالانکہ آپ کے اس مختصر مبہم بیان نے اصل واقعیت ہی کو خبط و بے ربط کر دیا سطحی علم واطلاع رکھنے والے مسلمان یہ سمجھیں گے کہ گویا یہ واقعہ بیک روز و بیک وقت گذر گیا پہلے حضرت ابوبکر گئے پھر حضرت عمر گئے۔ لوٹ آتے اور تھوڑی تھوڑی سی لڑائیوں کے بعد محض اتفاقی طور پر ان دونوں صاحبوں کو کامیابی نہ ہوئی۔

شبلی صاحب آپ نے اپنے مفہوم میں جو مطلب پیدا کرنا چاہا ہے وہ تو واقعیت نہیں ہے۔ اور نہ آپ کی تحریر صحیح واقعہ کی اطلاع دیتی ہے۔ واقعیت یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر قلعہ کشائی کے لیے بھیجے گئے۔ اور دن بھر اُنھوں نے حتیٰ الامکان کوشش کی مگر کشورکار نہ ہوئی۔ ہزیمت اٹھا کر واپس آئے۔ دوسرے دن حضرت عمر خیبر کے نیچے آئے اور آپ نے بھی دن بھر ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن کچھ مفید کار نہ ہوا اس سے زیادہ آج کے روز مسلمانوں کو بلا ومصیبت اٹھانی ہوئی ملاحظہ ہو امام نسائی خصائص میں لکھتے ہیں۔

عن ابی بریدہ قال حاصرنا خیبر فاخذ فانصرف ولم یفتح لہ واصاب شدّۃ وجھد

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں نے قلعہ خیبر کا محاصرہ کیا۔تو حضرت ابوبکر علم لے کر نکلے۔مگر بغیر فتح کیے واپس آئے دوسرے دن حضرت عمر علم لے کر وہ بھی بے نیل مرہم واپس آئے۔اور شدید محنت وتکلیف اٹھائی ہوئی ہم خوب جانتے ہیں شبلی صاحب کے ٹھہرنے کا یہ میدان نہیں ہے۔آپ ان مقامات سے بہت جلد نکل جایا کرتے ہیں اور اپنی اختصار نویسی کے پردے میں اصل حقیقت اور نفس واقعیت کو چھپا ڈالتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ آپ کے ممدوحین کی لغزشیں طشت از بام اور مشہور عام نہ ہوں۔

علمبرداران خیبر کی گریز کا انکشاف:

شبلی صاحب کو طبری کے اس لکھ دینے پر کہ یجبینہ اصحابہ ویجبنہم۔ہمراہیان حضرت عمر حضرت عمرؓ پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور حضرت عمر کو ان پر سخت طیش آ گیا ہے اور اس کے عقلی ونقلی دونوں طریقہ تنقید پر تیار ہو گئے ہیں لیکن حقیقت یہ بتلا رہی ہے کہ آپ اپنے دونوں طریقہ تنقیدی میں سے کسی ایک میں بھی کامیاب نہ ہوئے تفصیل یہ ہے۔

اول اعتراض یہ ہے کہ اس روایت طبری کا ایک راوی شیعہ ہے اس وجہ سے گویا قابل اعتبار نہیں لیکن یہ دلیل تنقیدی جیسی ضعیف تھی۔وہ شبلی صاحب کو خود معلوم تھی۔اس لیے ایک طرف اسکی مجہولیت کا اظہار بھی مقصود تھا اور دوسری طرف اس کی تائید بھی منظور تھی۔اس لیے گویا اجتماع ضدین کے غیر امکان وعنوان پر تحریر لکھی گئی اس کی مجہولیت کے خود آپ کے الفاظ عبارت شاہد ہیں اور وہ یہ ہیں۔

ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا۔یہ لفظ نہایت سخت ہے لیکن اُن کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گویا شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جاوے شیعہ کی زبان سے اُس کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے۔

شبلی صاحب کو یہ عبارت اجتماع ضدان اور مولف کی زوجہتی کے مزے دے رہی ہے یعنی شیعہ ہونا آپ کے نزدیک دلیل بے اعتباری بھی نہیں۔پھر آپ اُسی بے اعتباری کی بنا پر عوف کی روایت کو مانتے بھی نہیں اور بندار کے قول منفرد ورائے واحد کے مطابق لکھتے ہیں کہ جس روایتِ میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جاوے شیعہ کی زبان سے اس کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے۔یعنی وہ بیان قابلِ اعتبار نہیں رہتا۔

اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے ان دونوں متناقص اور متخالف بیان نے آپ کے موجودہ استدلال کا کیا رتبہ باقی رکھا جو کسی کے آگے قابل تسلیم مانا جائے۔آپ خود لکھ کر اعتراف کر چکے ہیں کہ عوف کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے وہ رافضی تھا اس سے معلوم ہوا کہ عوف کو غیر ثقہ سوائے بندار کے کسی اور نے نہیں کہا۔ورنہ بندار کے ساتھ آپ اس کا نام بھی ضرور لکھ دیتے۔آپ کی دلیل کے اس ضعف کو دیکھ کر اہل تحقیق وانصاف خود یقین کر لینگے کہ آپ ایک گروہ کثیر کے قول متفقہ کو چھوڑ کر جو عوف کو ثقہ ہونے کے بارے میں منقول ہیں صرف بندار کے قول واحد پر اعتبار کرتے ہیں اور قول منفرد سے

قول کثیر کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔ جو عقلاً ممنوع ہے اور اصول تنقید وتحقیق کے بالکل منافی ہے۔اس لیے کوئی بھی اسے قبول نہیں کرسکتا۔ اب بندار کی حیثیت خاص بھی ملاحظہ فرمالی جائے کہ وہ کس پایہ ومایہ اور کس اہلیت وصلاحیت کے بزرگ ثابت ہوتے ہیں۔جن کے قول کو آپ اتنی ہمیت دیتے ہیں۔ کہ ان کے قول واحد کے مقابلہ میں اپنے علمائے کثیر کے اقوال شفقہ کو فضول وبیکار اور ساقط از اعتبار کیے دیتے ہیں۔ان کی تفصیل شخصیت یہ ہے۔

آپ کا اصلی نام محمد بن بشار ہے اور بندار کے لقب سے مشہور ہیں۔ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی ان کی نسبت لکھتے ہیں کذبہ القلاش قلاش نے ان کی تکذیب کی ہے پھر اسی میزان الاعتدال کی جلد دوم ص 352 میں ان کی نسبت تحریر ہے۔

قال عبداللہ بن الدورتی کناعندیحیی بن معین یجری کر بندار فرأیت یحیی لایعنابہ ولیتفعہ

عبداللہ بن الدورتی کا بیان ہے کہ ہم لوگ یحییٰ بن معین کی صحبت میں تھے کہ بندار کا ذکر آیا تو میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ تضعیف کی۔

یہ تو میزان الاعتدال کی عبارت سے بندار کی حقیقت معلوم ہوئی۔اب تہذیب التہذیب کے الفاظ میں ان کی تفصیلی حقیقت ملاحظہ ہو۔

قال اسحاق ابن ابراھیم الغرازی کنا عند بندار اقال فی حدیث عن عائشہ قال قالت رسول اللہ فقال لہ رجل یسخومنہ اعندك باللہ ما افضحك فقال اذ خرجنا من عندروح دخلنا الی ابی عبدہ فقال قد بان ذلك علیك وقال عبداللہ بن اسمعیل بن یسار سمعت عمر بن علی یحلف ان بندار یکذب فیا یرو عن یحیی وقال علی ابن مدینی سمعت ابی وصالہ عن حدیث رواہ بندار قال یسحرو افان فی السّحور برکۃ فقال ھذا کذب وانکرہ اشدّ الانکاروقال حدثنی ابوداؤد موقوفا وقال روایت القواریری لایرضاہ وقال کان صاحب الحمام صفحہ 76 جلد 9

بندار پر شبلی صاحب کی دلیل تنقیدی کا دارومدار تھا۔وہ خود ہی ناقدین فن حدیث کے نزدیک قابل اعتماد اور ساقط الاستناد ثابت ہوئے یحییٰ بن معین انہیں ناقابل توجہ سمجھ کر ان کی تضعیف کرتے ہیں۔ قلاشی اسے سرے سے کاذب بتلاتے ہیں عمر بن علی ضعیف الاسناد ٹھہراتے ہیں ابن سیار عمر بن علی کا قول حلفی لکھ کر ان کی تائید مزید فرماتے ہیں۔ابن مدینی استاد امام بخاری کاذب اور منکر الحدیث دونوں بتاتے ہیں ابوداؤد اس

سے روایت کرنے میں احتیاط فرماتے ہیں۔تو ریزی اس کوخفیف الحرکات اور کبوتر بازی کے لہولعب میں مبتلا بتلاتے ہیں۔تو پھر ایسے مجہول الحال شخص کے قول کے قول منفرد سے استدلال کرنا کس قدر مضحکہ انگیز ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ کو بندار کے تلاش حال کی کوئی ضرورت نہ تھی۔اس لیے کہ آپ کا مدعا تو اس روایت کی تضعیف تھی خواہ وہ کیسی ہی ضعیف وصلاحیت کے پہنچانے والے اور بھی بہت سے ہیں جو انکی بے اعتباری اور آپ کی قلمکاری کی حقیقت کھول دے سکتے ہیں۔اس بنا پر آپ کا ثبوت استدلال جو اس روایت مندرجہ کی تنقید میں آپ نے پیش کیا ہے بالکل لغو ثابت ہوا۔اورعوف کی نا اعتباری ثابت ہونے کی جگہ خود بندار ہی کی تکذیب ثابت ہوگی۔

باقی رہا آپ کا یہ فقرہ کہ عوف کی شیعیت سب کو تسلیم ہے ایک سفویانہ چکمہ سے زائد نہیں سب کا یہ لفظ عام کس جماعت کی طرف راجع ہے۔آپ کے علم کلام کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں خصوصاً آپ کے امام متکلمین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اس ترکیب خاص کے بہت بڑے باکمال مشاق گذرے ہیں۔

اگر بفرض محال عوف شیعہ ہی تھا۔جیسا کہ آپ لکھ کر بتلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی کے اقراری قول کے موافق اُسکی شیعیت اُسکی بے اعتباری کی کیونکر دلیل ہوسکتی ہے چنانچہ اس اصول کو آپ خود متعدد جگہوں پر لکھ چکے ہیں۔اور بتلا چکے ہیں کہ رواۃ شیعہ قابل الاستناد ہیں چنانچہ دیباچہ صفحہ 44 میں بذکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی المتوفی 212 ہجری مرقوم ہے۔

ثقافت محدثین میں انکا شمار ہے۔مزاج میں کس قدر تضیع تھا۔ابن معین کہتے ہیں کہ عبدالرزاق اگر مرتد بھی ہوجائے۔تب بھی ہم ان سے حدیث ترک نہیں کرسکتے۔"

آپ خود اس عبارت شیعہ رواۃ کی ذی اعتمادی اور قوی الاسنادی کا اسقدر پایہ بلند کرچکے۔اب اُن کو گرانا تو گویا خود گرنا ہے۔پھر اُسی دیباچہ کے صفحہ 19 میں انہیں امام طبری کی تصدیق وتوثیق میں جن کی روایت کی یہاں ضرورتاً تنقید کی جاتی ہے۔یہ عبارت لکھی گئی ہے۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال تفقیہ (ثقافت) اور وسعت علم کے معترف ہیں۔

ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ 310 میں وفات پائی۔

نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی کے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

هذا ارجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمة الاسلام المعتمدین۔

یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔

اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن ایثر ابن خلدون ابوالفدا وغیرہ انہیں کی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

اب اہل تحقیق خود انصاف کرلیں کہ شبلی صاحب کو ان اقرار و اعترافات کے مقابلہ میں شیعہ رواۃ کی بے اعتباری عموماً اور امام طبری کی روایت کی خصوصاً بے اعتمادی کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ امام طبری کی تاریخ و تفسیر پر کیا موقوف و منحصر ہے صحیحین مسلم و بخاری کے رواۃ پر نظر غور فرمایئے۔ تو جس طرح بخاری میں خوارج رواۃ کا ذخیرہ پایا جائے گا اُسی طرح مسلم میں شیعہ رواۃ کی کثرت دکھلائی دے گی۔ اگر شیعہ رواۃ کی تکذیب و تغلظ پر آئندہ جرات کی جائے گی تو صحیح مسلم کی صحت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس بنا پر یہ لکھ کر بتلا دینا بہت ضروری ہے کہ شبلی صاحب پر ان کے اس اعتراض سے پہلے تناقض فی الکلام اور انحراف عن الاعتراف کے دو چار بیک وقت قائم ہو جاتے ہیں۔

اب شبلی صاحب کا آخر والا فقرہ کہ۔ یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمر کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایت کا کیا رتبہ رہ جاتا ہے۔

بالکل خلاف اصول اور فضول اعتراض ہے اور ایسا مضحکہ خیز کہ شبلی صاحب کی اس طفلانہ ضد پر بچے بھی ہنس پڑیں گے جناب والا اگر یہی وجہ اعتراض ہے تو ہر شیعہ یہ کہنے کا مستحق ہے کہ فضائل خلفاء میں جتنی روایتیں اہلسنت کی زبان و قلم سے نکلی ہیں اُنکی کیا وقعت باقی رہ جائے گی اسی کے ساتھ نحن معاشر الانبیا والی روایت احاد و منفرد کی کیا حقیقت رہ جائے گی۔ اس کو ابھی سے سوچ لیا جاوے فافہم فتدبر۔

شبلی صاحب اپنی خود غرضی کی پر جوشی میں ایسے وارفتہ ہو گئے کہ عوف اور طبری کو تو جانے دیجئے صحابہ اور تابعین کی بھی بے اعتباری ثابت کرنے لگے۔ چنانچہ اسی کے آخر میں عبداللہ بن بریدہ پر بھی بے اعتباری کا چرکہ دے گئے۔ ایک چھری اور لگاتے گئے جاتے جاتے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ ان کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں۔

حالانکہ خود امام بخاری اپنی صحیح میں اور انکے شیخ الشیعیؒ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں انہیں عبداللہ بن بریدہ سے بلا عذر و تامل روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری وسط مغازی میں بذیل ذکر محاصرہ میں وقصہ کنیز سلسلہ رواۃ میں ہی محمد بن بشار کہتے ہیں کہ مجھ سے روح عبادہ نے حدیث کی ان سے علی بن سوید ابن منجوق نے حدیث کی اُسے عبداللہ بن بریدہ نے اپنے باپ کی زبانی حدیث کی

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن بریدہ داخل ہیں اور اپنے باپ بریدہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہی وہ سلسلہ ہے جس کو شبلی صاحب محدثین کے نزدیک مشتبہ بتلاتے ہیں محدثین کے نام بھی نہیں لکھتے۔ اور اگر لکھتے بھی تو انکے حکم و مختار کا امام بخاری کے آگے کیا اعتبار ہوتا۔

اب اس میں یہ نکتہ بھی خاص طور پر لحاظ و غور کے قابل ہے کہ بخاری نے اس روایت کو پہلے محمد بن بشار ملقب بندار ہی سے نقل کیا

ہے جو شبلی صاحب کے نزدیک نہایت معتبر اور معتمد ثابت ہوئے اور انہیں کے قول سے طبری کی روایت کی تردید فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بندار اور امام بخاری دونوں کے نزدیک عبداللہ بن بریدہ کی وہ مرویات جو وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں صحیح الاسناد اور قابل الاستناد ہیں پھر شبلی صاحب گمنام محدثین کے قیاس سے عبداللہ بن بریدہ کی تضعیف کیسے قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے۔

یہ تو امام بخاری کے سلسلہ رواۃ کی سند نقل تھی اب امام احمد بن حنبل کا سلسلہ ملاحظہ ہو۔

حدثنا یحییٰ بن سعید حدثنا عبدالجلیل قال انتھیت ابی حلقه فیھا ابو مجلز وابنا بریدہ فقال عبداللہ بن بریدہ۔

یحییٰ بن سعید نے ہم لوگوں سے حدیث کی۔ اُن سے عبدالجلیل اور عبدالجلیل نے (سلسلہ رواۃ) ابی حلقہ پر تمام کیا جس میں ابو مجلز اور بریدہ کے دونوں بیٹے داخل ہیں عبداللہ بن بریدہ نے کہا۔

اس میں بھی وہی عبداللہ بن بریدہ داخل ہیں اور امام احمد بن حنبل نے بلا تامل اُن سے روایت کی ہے آخر حدیث میں عبداللہ بن بریدہ کے خاص الفاظ اس حدیث کی تصدیق وصحت میں یوں مرقوم ہیں۔

قال عبداللہ فوالذی لاالہ لاغیرہ مابینی وبین رسول اللہ صلعم فی ھذا الحدیث غیر ابی بریدہ۔

قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں کہ اس حدیث میں میرے اور رسول اللہ صلعم کے درمیان سوائے میرے باپ کے اور کوئی دوسرا واسطہ نہیں۔

اگر اتنے مشاہد کے بعد بھی شبلی صاحب کو عبداللہ بن بریدہ کی تضعیف پر اصرار قائم رہے تو نہایت حیرت انگیز ہے۔

شبلی صاحب نے اپنی حلیۃ القلمی سے اصل واقعات پر جو پردہ ڈالا تھا اُس کو چاک کر کے باقی حالات خیبر کی مفصلہ ذیل بیان میں شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔

علم خیبر کی گرانمایہ عطاء

ہم برابر لکھتے آتے ہیں کہ حقیقت کسی حال میں نہ چھپی ہے اور نہ چھپ سکتی ہے۔ شبلی صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؑ کے فضائل مخصوص چھپانے اور گھٹانے میں تو ابتدا ہی سے کوشش بلیغ فرمائی تھی اور مرقومہ بالا مقام پر تو گویا حضرت عمر کی جنبہ داری پر آستین چڑھا کر تل گئے تھے جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہو چکا ہے مگر خیریت ہوگئی کہ چند ہی سطور کے بعد وہ پر جوشی بالکل دھیمی پڑ گئی۔ صرف اس لیے کہ وہ حقیقت تھی چھپ نہ سکی چنانچہ مرقومہ بالا عبارت میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ تاہم اس قدر صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔

جب مہم میں دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں علم اُس شخص کو دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا۔۔ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اُسے چاہتے ہیں۔
یہ رات نہایت اُمید اور اغطار کی رات تھی صحابہ نے تمام رات اسی بیقراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کو ہاتھ آتا ہے۔
حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلندی نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؑ میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔
شبلی صاحب نے اس واقعہ میں عطائے لواء کے متعلق جو حدیث لکھی ہے اس میں سے تین لفظوں والا کلمہ بالکل نکال ڈالا۔ اس لیے کہ ان کلمات رسالت سے آپ کے ان مرقومہ واقعات کا پورا انکشاف ہوجاتا تھا۔ جس کو آپ نے چھپایا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی حقیقت کی بڑی زوروں سے تضعیف و تردید فرمائی تھی۔ ہم آپ کے ترجمہ حدیث کی اصل عبارت کو امام احمد بن حنبل اور امام نسائی کے خاص الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن ابیه انه قال لعلیؑ وکان یسیر معه ان الناس قدتکرہ امنك انك تخرج فی البرد فی البلاء و تخرج فی الحرّ فی الحشو والثواب الغلیظ قال اولم تکن معنا بخیبر قال فان رسول اللهﷺ بعث ابوبکر وعقدله الرایة فخرج فبعث عمرا وعقدله الرایة فخرج فبعث عمرا وعقدالہ الرایة فرجع بألناس فقال رسول اللهﷺ لاعطین الرایة غدارجلا یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله کرار غیر فرار۔

عبدالرحمن بن ابی لیلی اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ وہ سفر میں جناب امیر علیہ السلام کے ہمرکاب تھے جناب امیرؑ سے کہنے لگے لوگ آپ کی اس بات کو برا جانتے ہیں کہ آپ جاڑے میں باریک کپڑا اور گرمی کے دنوں میں گندہ اور موٹا کپڑا پہنتے ہیں جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کیا تم لوگوں کے ساتھ خیبر میں نہیں تھے کہ جناب رسول خداﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا اور علم اُنکے ہاتھ میں دیا اور وہ لوٹ آئے۔ پھر حضرت عمرؓ کو بھیجا اور علم ان کے ہمراہ کیا وہ بھی لوگوں کے ساتھ واپس آئے پھر رسول خداﷺ نے فرمایا تھا کہ کل علم اس مرد کو دوں گا جو خدا اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے۔ حضرت رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔ ضربوں پر ضرب لگانے والا ہے۔ اور بھاگنے والا نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو بہ تغیر الفاظ ابورافع اور ابوسعید خدری سے بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام

قسطنطنیہ امام سلیمان البلخی القندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں لکھتے ہیں۔

عن ابورافع وابو سعید خدری ان النبی صلعم اخذ الرایة وهزها ثلاثا ثم قال من یاخذها بحقها فجاء فلان فقال انا فقال النبیﷺ والذی کرم وجه محمدﷺ لا عطینها رجلا لا یفر هناك یاعلی خذ هذه فانطلق بها حتیٰ فتح الله خیبر(اخرجه احمد) ینابیع المودۃ صفحه173 مطبوعه لبمعنی۔

ابورافع اور ابوسعید خدری ناقل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم آراستہ کیا۔ جسکو تین آدمیوں نے اُٹھایا۔ پھر آپ نے کہا کون شخص ہے جو اس علم کو اس کے حق کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ اٹھائے فلاں شخص (راوی حدیث نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا) اٹھا اور کہنے لگا میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے کہا خدا کی قسم جس نے جمال محمدیؐ کو انوارکرامت عطا فرمایا ہے علم ایسے شخص کو دوں گا جو اتنے ایسا بھاگ نہ آئے گا۔ یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اے علیؑ اسکو لو اور چلے جاؤ چنانچہ حضرت علیؑ اس کو لیکر چلے اور خداوند عالم نے خیبر کو آپ کے دست مبارک سے فتح کرایا۔

امام المغازی بن اسحٰق اپنی سیرۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن سلمه (بن الاکوع) قال بعث رسول اللهﷺ ابابکر الصدیق بالرایة الی بعض حصون خیبر فقال ولم تکن فتح له وقد جهد ثم بعث غدا عمر بن الخطاب فقال ثم رجع ولم تکن له فتح وقد جهد فقال رسول الله صلعم لاعطین الرایة غدا رجلا یحب الله و رسوله وحبه الله ورسوله یفتح الله علی یدیه کرار لیس بفرار۔

سلمہ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے ابوبکر الصدیق کو خیبر کے بعض قلعوں کی طرف روانہ کیا۔ وہ لڑے بہت کوشش کی مگر فتح نہ ہوئی دوسرے دن حضرت عمر کو بھیجا وہ بھی لڑے بڑی کوشش کی مگر فتح نہ ہوئی تو آنحضرت صلعم نے کہا کہ کل میں علم ایسے شخص کو دونگا جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں اور اُسی کے ہاتھ سے اللہ فتح دلوائے گا۔ وہ حملہ کرنے والا ہے اور بھاگنے والا نہیں ہے (منقول از حج الطالب جلد اول ص560۔ مطبوعہ لاہور)

محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں مرقوم فرماتے ہیں۔

دراحادیث صحیحه به ثبوت پیوسته که یک روز ابوبکر علم رسولؐ برداشت دپا سے قلعه آمد ومقاتله شدید نمود وفتح ناکرده باز گشت روز دیگر عمر علم برداشت و مقابله کرد اشد از مقابله روز سابق زور نیز فتح نشد وردواتیے آنکه روز اول عمر جناب کردو دوزدیگر ابوبکر رضی الله عنه وروز سوم باز عمر بینگ رفت وحصن مفتونگشت ہنگام شب حضرت رسالتﷺ فرموده لا عطین الرایة غدارجلا کرار غیر فراریحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله یفتح الله علی یدیه ص 385۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر علم رسول صلعم لے کر قلعہ کے پاس آئے سخت جنگ کرتے رہے اور بغیر فتح واپس آ گئے۔ دوسرے دن حضرت عمر علم لیکر نکلے پہلے دن سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ لڑے لیکن کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اول روز حضرت عمر جنگ کے لیے نکلے اور دوسرے روز حضرت ابوبکر لڑنے کو نکلے۔ اور تیسرے دن پھر حضرت عمرؓ مقابلہ کو گئے لیکن قلعہ فتح نہ ہوا تو رات کے وقت جناب رسالتمآب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کل صبح کو علم میں ایک ایسے شخص کو دونگا جو ضربوں پر ضربیں لگانے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے۔ اور خدائے سبحان تعالیٰ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

محبت علی کی حقیقت اس کی تاکید شدید:

چنانچہ علامہ زرقانی بھی ان الفاظ کو باسناد ابن اسحق داخل حدیث لواء قرار دیتے ہیں اور محبت علیؑ کی تاکید کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

قال الحافظ فی المناقب وارادوجود حقیقه المحبّة والا فکلّ مسلم یشترك مع علیؑ فی مطلق هذا الصفة وفیه تلمیح بقوله قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله فکانه اشارة الی ان علیا تام الا تباع له صلعم حتیٰ وصفه بصفة علامه النفاق ففی مسلم عن علی والذی فسق الجیة وبراللسمة انه لعهد النبی صلعم ان لایحبك الا مومن ولا یبغضك الا منافق وله شاهد من حدیث ام سلم عند احمد۔ مطبوعہ مصر 257 جلد دوم

حافظ ابن حجر، مناقب میں لکھتے ہیں کہ اس قول میں وجود محبت مراد ہے ورنہ تمام اہل اسلام حضرت علیؑ کے

ساتھ اس صفت میں شریک ہوجاتے اور اس قول رسول صلعم میں اشارہ جو آیہ قل ان کنتم تحبون اللہ فتبعونی یحببکم اللہ کی طرف اور یہ اشارہ اس امر کی طرف حضرت علیؑ کو اتباع رسول ؐ میں کمال تام حاصل تھا۔ اس لیے جناب رسول خدا نے حضرت علی کو محب اللہ کی صفت خاص سے موصوف بتلایا اور اسی صفت خاص کے باعث حضرت علیؑ کی محبت ایمان کی علامت اور ان کے ساتھ بغض نفاق کی علامت قرار دی گئی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ قسم ہے اس خالق کی جو دانہ کو شگافتہ کرتا ہے اور ہوا کو چلاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے یہ عہد کیا ہے کہ مجھ سے نہیں محبت کرے گا سوائے مومن کے اور نہیں بغض رکھے سوائے منافق کے اور اتنی متعدد اور متواتر حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ اس ارشاد نبوی میں کرار غیر فرار کے الفاظ بھی ضرور تھے۔ جن سے سابقین مجاہدین کی پست ہمتی اور کمی جرات کی حقیقت فاش ہوئی تھی اور حضرت علیؑ کی شجاعت و دلیری کے کمال ظاہر ہوتے تھے۔ اگرچہ شبلی صاحب نے اسکا قرار کیا ہے۔ مگر اقرار میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے سابقین مجاہدین کی پست ہمتی اور کمی اور جرات کی حقیقت فاش ہوتی تھی اور حضرت علیؑ شجاعت و دلیری کے کمال ظاہر ہوتے تھے۔ اگرچہ شبلی صاحب نے اقرار کیا ہے۔ مگر اقرار میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے سابقین مبارزین کی گریز پائی کی واقعیت ظاہر نہ ہونے پائے۔ یہ اہتمام صرف اس لیے تھا کہ صحابہ کبار کی سبکی نہ ہو ہم بار بار اور خاص کر غزوہ خندق کے ذکر میں لکھ کر بتلا آئے ہیں کہ یہ حضرات میر سامان ضرور تھے۔ مرد میدان ہرگز نہیں پھر اپنے ذاتی مدعا کے لیے خود غرضانہ طور سے حقیقت حال کو پوشیدہ کرنا۔ نہ محققانہ طرز تالیف کہا جا سکتا ہے اور نہ مصنفانہ طریقہ تحریر۔ اس کے آگے تحریر ہے۔

حضرت علی اور اور خیبر کی عطا

صبح کو یہ آواز کان میں آئی علی کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو مار کر مسلمان بناؤں۔ ارشاد ہوا کہ سب سے پہلے ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لایا تو سو سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے۔ سیرۃ النبی ص357 بحوالہ بخاری۔

شبلی صاحب بہت بڑے موقع شناس ہیں آپ نے موجودہ زمانہ کی ایسی افسانہ نویسی کی شان میں اس عظیم الشان اور حرکتہ

الآراواقعہ کے بیان کوکل تین چار سطروں میں تمام کردیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ حضرت علی مرتضیٰؑ کے اظہار فضائل ومناقب کے خاص مقامات تھے۔ اور آپ کو بخاری صاحب کی طرح اس راہ دشوار گذار سے بہت جلد گزر جانا۔ منظور رہے بہر حال اب ہم اس واقعہ کی تفصیل شرح زرقانی سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اور دکھلاتے ہیں کہ آپ کے اور آپ کے محدثین کے بیانات میں کتنا فرق ہے۔

وفی البخاری عن سلمه کان علی بن ابی طالب رضی الله عنه تخلف عن النبی ﷺ فی خیبر وکان رمدًا ولا بن ابی شیبه عن علی ارمد والطبرانی عن جابر ارسد شدید الرمد وابونعیم عن ابن عمر ارمد کمالا یبصر فقال انا اتخلف عن النبی ﷺ قال الحافظ کانه انکر علی نفسه تاخر ہ عنه فقال ذلك فلحق زاد الکشمهینی به یحتمل قبل وصوله الیٰ خیبر ویحتمل بعد وصوله الیها ۔

بخاری میں سلمہ سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ خیبر میں آنحضرت صلعم کی ہمراہی سے پیچھے رہ گئے تھے اس لیے کہ آپ کو آشوب چشم لاحق تھا اور ابن ابی شیبہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو آشوب چشم تھا۔ اور طبرانی میں جابر کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ کو نہایت سخت آشوب چشم عارض تھا اور ابو نعیم بن عمر یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس دن آپ کو ایسا آشوب چشم تھا کہ آپ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؑ کہتے تھے کہ میں آنحضرت صلعم سے کیوں پیچھے رہ گیا۔ حافظ بن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمانا شرکت اُٹھے اور لشکر سے مل گئے کشمینی کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے یہ بھی کہ آپ اس وقت مدینہ سے خیبر میں آئے اور یہ بھی کہ آپ پہلے سے خیبر میں آ گئے تھے۔ لیکن بوجہ او رشریک جنگ نہیں ہوئے تھے۔

اس کے آگے زرقانی اپنے سلسلہ بیان میں لکھتے ہیں۔

فلمّا اصبح الناس غدُوا اتواصبا حاعلی رسول الله کلهم یرجون ان یعطاها ای الرایة وفی مسلم عن ابی هریرہ ان عمر قال ماحببت الا مارۃ الا یومئذ وفی حدیث بریدہ فما منا رجل له منزلة عند رسول الله الا وهو یرجوان یکون ذلك الرجل حتیٰ تطاولت آمال کلها فقال علیه السلام این علی ابن ابیطالب فقالوا یا رسول الله صلعم هو یشتکی عینه قال ارسلو الیه قال سهل ای الصحابه الی علی وهو بخیبر لم یقدر علی مبارۃ القتال لرمدہ ولمسلم عن سلمه فارسلنی الی

علی علیہ السلام فجئت به اقوّده ارمده۔ص 257 جلد دوم۔

جب صبح ہوئی تو تمام لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حصول علم موجودہ کی اُمید لگا کر حاضر ہوئے۔ اور مسلم میں حضرت عمر کا یہ قول ابو ہریرہ کی زبانی لکھا ہے کہ مجھ کو کبھی ایسا شوق امارت نہیں ہوا تھا۔ جیسا آج کے دن۔ بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جسکو آنحضرت صلعم کے ہاں رسوخ ومنزلت نہ ہو اور وہ یہ نہ چاہتا ہو کہ وہ شخص (صاحب علم میں ہی بنایا جاؤں۔) یہاں تک کہ لوگوں کی اُمیدوں کو طول ہوگیا تو اسی اثنا میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کی اُن کو آنکھوں کی شکایت ہے آپ نے فرمایا ان کو بلا بھیجو۔ سہل (بن حفیف انصاری) کا بیان ہے کہ اس حکم سے یہ مراد تھی کہ کوئی صحابی ان کو جا کر بلا لائے کیونکہ وہ خیبر میں آچکے تھے۔ لیکن آشوب چشم کی وجہ سے شریک جنگ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور صحیح مسلم میں سلمہ سے منقول ہے کہ میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ اسلام کے بلانے کے لیے گیا تھا۔ اور میں آپ کو درد چشم کی شدت کی وجہ سے ہاتھ پکڑ اکر خدمت رسالت میں لے آیا تھا۔

علیؑ کی آنکھوں کا علاج اور اسکی معجزانہ تاثیر

فیصق فی عینیه عند الحاکم عن علی فوضع راسی فی حجره ثم مرزق الیه راحته فذاللاه لها عینی معه عاله فقال اللهم اذهب عند الحر والبردو القرعینا حتیٰ کان لم یکن به وجع من 258

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اور امام حاکم حضرت علیؑ کی زبانی اس علاج کی یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے میرا سر اپنی گود میں لے لیا اور اپنا لعاب دہن اپنی ہتھیلی پر لیکر میری آنکھوں میں لگا دیا اور میرے لیے یہ دعا فرمائی کہ بارالٰہا علیؑ سے حرارت اور برودت کی مضرت کو دور فرما اس وقت سے میرا درد چشم زائل ہوگیا۔

اب اس اجمال کا خلاصہ محدث شیرازی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

سہیل بن ساعد الساعدی رضی اللّٰہ عنه گوید چون حضرت این سخن بزبان راندان شب یاران ورشورش بودند که آیا فردارایت بکدام ایک انشیان خواہد واوبردیده

بن الخصب گو ید که ہیچکس ازمایان نبود که نزول رسول منزلیتے داشت الاکه رویتی آنکه جمعے از قریش بایکدیگر میگفشد که مراد علی پسرالی طالب نخواہد بود۔ زیرا که دیرا چشم دردمیگند بحدے که پیش پائے خود نمی بیند ومنقول است که چوں امیر المومنین این خبر شنید که آنحضرت صلعم آن سخن فرموده۔ گفت۔اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطلی لما منعت او راگویند جناب ولایت مآب بواسطه دردچشم ازان سفر تخلف نموده اور مدینه مانده بود ودروئے بغایت صعبراشت چنانچه ہیچ چیز نمی دید باخویشتن گفت تخلف کردن من از رسول اللّٰہ خوب نیست، کارسادی کرده زمدینه بیرون آمد دوراثناء راه یابعداو وصول بخیبر صلعم ملحق گشت ایاس بن سلمه بن الاکوع ازپدر خویش سلمه روایت می کند که چون بامدار شدیاران ہمه بدرخیمه حضرت آمد ند ومتوقع ہر یک آن بود که ہان دولت فائز آید۔ ازسعدبن وقاص منقول است که گفت دربرابرچشم رسول بزانوآمدم وبرخاستم وباستادم بامید انکه نه انکس من باشم وابوہریره از عمر بن خطاب نقل میکند که گفت ہرگزامارت رادوست نداشتم الاآن روزالقصه حجرت از خیمه بیرون آمد وفزوعلی ابن ابی طالب علیہ السلامکجا است گفتند چشمش ورومی کند فرمودے رابیار ید سلمه بن الاکوع ووست زیرا می کشیدومی آوردما بنزد پیغمبررسانندراز امیرعلیہ السلاممنقول است که چون بخدمت آنحضرت رسیدم سرمراور کنار خویش نہاد وآب دہن درچشمان ہن ریخیت وبرو اتیے آب دہن خوردادرکف خویش انداخت اوراچشمان من مالید ببرکت لعاب دہن آنحضرت فی الحال درداز چشم من زائل گشت وشفائے کلی یافتم ۔وازان دربار یدگر درچشم دوروسر نه کشیدیم وروایتے آنکه علی گفت حضرت علیہ السلام ورشان من دعائے خیر بتقدلم ارسانیدوفرموداللھم اذھب عنه الرّوالقر امیرعلیہ السلامگوید بعدازان دیگر بارہرگزسرماد گرمانیافتم روضۃ الاحباب ص368۔

سہل بن ساعدی کہتے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے یہ کلمات بشارت ارشاد فرمائے تو صحابہ میں اُس رات کو عام طور سے بے چینی پھیل گئی کہ دیکھیں علم موجودہ کل کس شخص کو عنایت ہوتا ہے۔ بریدہ بن الحصیب کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص جس کی منزلت آنحضرتؐ کے نزدیک تھی نہیں باقی رہا تھا۔جس کو یہ تمنا نہ ہو کہ وہ شخص (صاحب علم) میں ہوتا۔اور ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ قریش کی ایک جماعت کہنے لگی کہ اس اشارت سے کون ہے کہ قریش کی ایک جماعت کہنے لگی کہ اس اشارت سے ہوں نہ ہوں علی ابن ابیطالب مراد ہیں۔مگر وہ تو درد چشم میں، ایسے مبتلا ہیں کہ آگے کی کوئی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے۔منقول ہے کہ جب امیر المومنین علیہ السلام کو اسکی خبر ہوئی اور آپ نے آنحضرتؐ کے قول کو سنا تو فرمایا۔پروردگار تو جس کو کوئی چیز عطا فرمائے کوئی شخص اُسے منع نہیں کرسکتا اور جو چیز کہ تو کسی کو نہ عطا فرمائے کوئی شخص اُسے دے نہیں سکتا۔منقول ہے کہ جناب ولایت مابؑ درد چشم کی وجہ سے مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔اور آپ کو ایسا سخت آشوب چشم لاحق تھا کہ آپ کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔اس حالت میں آپ نے دل میں سوچا کہ ایسے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ترک رفاقت میرے لیے بہتر نہیں ہے یہ سوچ کر آپ کسی تدبیر سے مدینہ سے روانہ ہوئے اثنائے راہ میں تھے یا خیبر میں پہنچ گئے تھے کہ آپ کو اس ارشاد رسول (حدیث لوائ) کی خبر ملی اس کے بعد آپ لشکر سے ملحق ہوگئے۔ایاس سلمہ بن الاکوع اپنے باپ سلمہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تمام صحابہ خیمہ رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص اسکا متوقع تھا کہ حصول دولت علم پر وہی فائز ہوگا۔سعد ابی وقاص خود اپنی حالت یوں بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر دوزانوز میں پر بیٹھ گیا اور پھر بیٹھ کر کھڑا ہوگیا۔کھڑے ہوکر بیٹھ گیا۔اس امید میں کہ وہ شخص (صاحب علم) میں ہی ثابت ہوں اور ابو ہریرہ حضرت عمر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو اتنا شوق امارت کسی دن نہیں ہوا تھا۔جتنا آج کے دن۔

القصہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ سے برآمد ہوئے اور فرمایا علی ابن ابیطالبؑ کہاں ہیں لوگوں نے عرض کی کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس بلالاؤ سلمہ بن الاکوع گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدمت مبارک میں لے آئے۔جناب امیرؑ سے منقول ہے کہ میں جب آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرا سر گود میں لے لیا۔اور اپنا لعاب دہن میری آنکھوں میں لگایا اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن اپنی ہتھیلی پر لیا اور میری آنکھوں میں لگا دیا۔اس وجہ سے میری آنکھوں کا درد زائل ہوگیا۔اور مجھ کو شفائے کلی حاصل ہوگئی۔پھر مجھے کبھی نہ درد چشم عارض ہوا اور نہ کبھی درد سر لاحق ہوا اور ایک روایت

میں یوں وارد ہوا کہ آنحضرتؐ نے پھر میرے لیے یہ دعا فرمائی کہ پروردگار تو ان سے سردی اور گرمی کی مضرت کو دور فرما دے۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دعا فرمانے کے بعد مجھ کو گرمی اور سردی کی شدت کبھی معلوم نہ ہوئی۔

عطائے لواء ایسے خیبر کے یہ تفصیلی واقعات ہیں جن کو شبلی صاحب نے اپنی مجبوری کی خاص مدعایت سے قلم انداز فرمایا آپ کو جو مجبوری عارض تھی وہ صرف فضائل علی کے اظہار کی وجہ سے تھی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

اب اس سلسلہ میں شبلی صاحب آگے بیان فرماتے ہیں۔

مرحب سے مقابلہ:

مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا باہر نکلا۔

دلیر ہوں تجربہ کار ہوں سلاح پوش ہوں، مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر ا اور اس پر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول پتھر خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ رجز پڑھا۔

کلیث غابات کریۃ المنظرۃ

میں غیر میستان کی طرح کریہ المنظر ہوں۔ (سرۃ النبی ص 357)

مندرجہ بالا مضامین میں لوائے خیبر ہونے کے واقعہ سے لیکر حضرت علیؑ کے روانہ ہونے تک کے حالات شبلی صاحب کی عبارت کتاب سے نقل ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد شبلی صاحب نے مندرجہ بالا اشعار رجز لکھ کر جانبین کے مقابلہ کی کیفیت شروع کر دی ہے اور حضرت علیؑ کی آمد اور آپ کی ہیبت وجلالت کا اثر جو یہودیوں پر پڑا۔ وہ بالکل قلم انداز فرما دیا گیا اس لیے کہ اس میں وہی فضائل علیؑ کے اظہار کا نقص واقع تھا۔ اب دیکھئے کہ آپ کے علماء اسکے کیا لکھتے ہیں۔ علامہ زرقانی اور ابن ہشام تحریر فرماتے ہیں۔

قال سلمه فخرج علی والله بهرول وانا بخلفه نتبع اثره حتّٰی رکز رایته فی رضم من جارة تحت الحصين فاطلع عليه يهودی من راس الحصين فقال من انت قال علی ابن ابی طالب قال غلبتم بموسیٰ انزل علی موسیٰ۔

سلمہ (ابن الاکوع) کا بیان ہے کہ حضرت علی خیبر میں بطریق ہراول لشکر کے آگے آگے چلے اور ہم لوگ انکے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے یہاں تک کہ قلعہ کے پاس پہنچے تو حضرت علیؑ نے اس علم کو پتھر کی ایک چٹان پر قلعہ کے نیچے گاڑ دیا قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے آپ کی اس بنظر قوت کو دیکھ کر پوچھا تم کون ہو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا میں علی ابن ابی طالب ہوں یہ جواب سن کر وہ اپنی قوم کو چلایا اور کہنے لگا کہ قسم موسیٰؑ کی اور جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے کہ تم سب کے سب مغلوب ہو گئے۔

محدث شیرازی بھی بلفظہ وبحرفہ اس واقعہ کو روضۃ الاحباب میں اس عبارت کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔

پس علی مرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہ علم برگرفتہ روان شد بپا حصار قموص درآمد علم رابرکودے از سنگریزہ کہ درانجابودبرزدیہوداز بلائے حصار خود رانبوددروازے پر سید توکیستی جواب داد منم علی ابن ابی طالب یہودی فریاد سے برآور کہ اے اہل خیبر مغلوب شدید اپتے آنکہ یہودی گفت بحق آن خداموسیٰ کہ توریت بموسیٰ علیہ السلام فرستادہ کہ این مروفتح، ناکردہ باز نخواہد گشت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم لے کر روانہ ہوئے۔ جب قلعہ قموص کے نزدیک پہنچے تو علم کو ایک پتھر کی چٹان پر جو وہاں پڑا تھا گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے سر نکال کر پوچھا تم کون ہو ارشاد ہوا علی ابن ابی طالبؑ یہ سن کر اس نے فریاد بلند کی اور یہودیوں سے چلا کر کہا کہ آئے اہل خیبر تم سب کے سب مغلوب ہو گئے اور ایک روایت کے مطابق اس نے کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمایا ہے کہ یہ بغیر قلعہ فتح کیے کبھی واپس نہ جائے گا۔

شبلی صاحب نے مقابلہ سے پہلے کے اس واقعہ کو اگر اظہار فضائل علیؑ کے سبب سے متروک فرما دیا تھا تو لشکر اسلام کی فوج یہود پر ہیبت وجلالت کے غیر متحمل افرید پیدا کرنے کے ثبوت میں تو اس کو لکھ کر دکھلا دیا ہوتا اس میں تو حضرت علیؑ کے شبلی صاحب اور انکے اکثر محدثین نے جن میں اصحاب بھی شامل ہیں۔ مرحب کے مقابلہ سے خیبر کے جنگ کا آغاز کیا ہے اور اس کے خاتمہ پر اس عظیم الشان غروہ کا خاتمہ کر دیا ہے جس سے ہر شخص عموماً یہ سمجھ سکتا ہے کہ مرحب کے تنہا مقابلہ اور اسکے قتل ہو جانے کے بعد ہی خیبر کی مہم سر ہو گئی۔ اور یہودیوں کا اتنا بڑا مستحکم اور مشہور ومعروف قلعہ قموص فتح ہو گیا۔ حالانکہ یہ واقعیت کی تفصیل کے خلاف ہے۔ اگر تفصیل واقعیت مدنظر رکھی جائے اور تحقیق سے کام لیا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ مرحب کے مقابلہ سے قبل اور اُسکے قتل کے بعد بھی معرکہ کارزار اور میدان گیرودار بڑی دیر تک گرم رہا۔ اور یہود نے مرحب کے مارے جانے کے بعد بھی قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہونے دیا۔ جب تک کہ اُن کے تمام نبرد آزما۔ اور شجاع روزگار سردار ایک ایک کر کے ذوالفقار آبدار سے مقتول نہ ہو چکے۔ محدثین نے عموماً اور موفقین صحاح نے خصوصاً اسکی تفصیل وتصریح کو کیوں قلم انداز فرمایا۔ اس لیے کہ ان کے موضوع تالیف سے زائد تھا۔ اس بنا پر محدثین نے کم اور تاریخ وسیر نے علے الاکثر ان واقعات کو مسلسل اور مفصل طریقہ سے قلمبند فرمایا ہے۔ کیا شبلی صاحب اب بھی حدیث وتاریخ کے فرق مابہ الامتیاز کو نہ سمجھیں گے کیا اب بھی آپ کو اسلامی سیرتوں کی تدوین تاریخ وسیر کی جگہ مرویات نقل کرنے پر اصرار قائم رہے گا۔

ان واقعات کے قلم انداز کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی خاص طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ان کی تفصیل سے حضرت علی مرتضیٰؑ کی خدمات تفصیل ثابت ہوتی تھی۔ اور یہ ان حضرات کے لئے بالکل ناگوار خاطر تھا۔ اور ان کے اثبات عقائد کے لیے بالکل مضر اس وجہ

سے واقعات کی تفصیل کو قلم انداز ہی کر دینا بہتر اور مناسب تھا۔ ارباب سیرۃ و تاریخ کو استحفاظ عقائد سے زیادہ استحفاظ وقائع کی ضرورت مدنظر رہتی ہے۔ وہ ہر واقعہ کو اسکی واقعیت اور اصلیت کی اسی تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں جس انداز طریقہ سے وہ عملی طور پر وقوع پذیر ہوئے ہیں یہی اصلی اسباب ہیں جن کی بنا پر ارباب نے لکھا اور اصحاب حدیث نے نہ لکھا۔

تمہیداً اتنا عرض کر کے ہم میدان کارزار میں حضرت علیؑ کی آمد سے لیکر خاتمہ جنگ تک کے تمام حالات اور واقعات اُسی تفصیل وتشریح سے لکھتے ہیں جس طرح ارباب تاریخ وسیر نے لکھا ہے بلکہ ان کے علاوہ اکثر علمائے محدثین نے بھی قلمبند اپنی کامل التواریخ میں علامہ حسین ویار بکری تاریخ الخمیس میں حبیب السیتر اور روضہ الصفا میں مرقوم ہے۔ اس عالم یہود کے مندرجہ بالا اعلان اور فریاد وفغان کے بعد اول شخص جو حضرت علی مرتضیٰؑ کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ وہ حارث مرحب کا بھائی تھا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے بعض اس کو حارث لکھتے ہیں بعض یاسر اور بعض عنتر کہتے ہیں یہ شخص یہود کا وہی چابکدست اور دلیر پہلوان ہے جس نے تین دن متواتر لشکر اسلامی کو شکست پر شکست پہنچائی تھی۔ اور اپنے متواتر حملات سے ان کو پسپا کر رکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنی کامیابیوں کی پرجوشیوں میں آمادہ پیکار ہو کر قلعہ سے نکل پڑا۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

عنتر کا قتل۔

اول کسے کہ از حصار بیرون آمد۔ حارث یہودی بود برادر مرحب کو سنان نیزہ دسے سہ من بود۔ وبجنگ پیوست۔ وچند نفرراازاہل اسلام شہید ساخت پس علی مرتضیٰ علیہ السلام برسرو ماندو بیک ضرب ویرابدوزخ فرستاد۔

پہلا شخص جو قلعہ سے باہر آیا وہ حارث یہودی مرحب کا بھائی تھا۔ اس کے نیزے کی انی تین من کی وزنی تھی۔ وہ میدان میں آ کر مشغول کارزار ہوا۔ اور اہل اسلام کے چند نفر مسلمانوں کو فوراً شہید کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ مرتضیٰؑ نے اس پر حملہ کر کے اس کو واصل جہنم فرمایا۔

محدث شیرازی کے بھی یہی الفاظ ہیں لیکن شہدائے اسلام میں وہ صرف دو شہدا کی تصریح خاص کرتے ہیں۔

مرحب کا قتل:

بھائی کا خون دیکھ کر مرحب لال ہو گیا۔ بیتاب ہو کر قلعہ سے باہر نکل پڑا محدث دہلوی تفصیلاً لکھتے ہیں۔

مرحب چون قتل بردار واقف شد باجماعت اوشجاعان خیبر اسلحہ پوشیدہ درصدوانتقام برون آمد گونید کہ وے درمیان خیبریان مبارز مے بود بغاست دلاور۔ بلند بالاو تناور ورشجاعت ومبارزت بطلال این اہل بطلان ہمتاز اشت

وآنروزدوزره پوشیده۔ دوشمشیر حمائل گرده دوعمامه برسربسته وخودئے بربالا سے آن نهاده درخرگویان درمعرکه جنگ درآمد۔ وہیچ کس رازاہل اسلام طاقت نشدکه بازائے معارضه نماید روراميدان قتال بيامدپس علی مرتضیٰ رضوان اللّٰہ علیه نیز رجزے خواند ومقابل او شد۔ مرحب پیشدستی نموده خواست که تیفے برسر علیؑ بزند پس امیر کبیر سبقت جسته ذوانفقار برسآن ملعون غدار فردآورده چنانچه از سرخود دستارش گذشته تابه حلق وبروآئتے آنکه تابر انهاد برواتیے ابقابوس زین اور سید وورنیم ساخت پس اہل اسلام باحضرت امیرؑ درمیدان آمده به قتل یووان دست دردکردند نه باقی ایشن ہزیمت نمود روتعلبه آورزند وے رضی اللّٰہ عنه رعقب ایشان می رفت۔ درین حالت یکے ازمخالفان ضربے برداست مبارک دے زوچنانکه سپرازوست برزمین افتاد یہودی دیگرسپررار بوده بگر یخت حضرت امیرؑ اور غضب درآمد ویک حاہتے ازعالم قدرت روحانی واردشد که اوخندق جسے نموده بردروازه حصار افتادیک درآہنسی حصار رابرکندوسپرخودساخت وبه جنگ پیوست۔

مرحب کواپنے بھائی کے قتل کی اطلاع ہوئی تو وہ سپاہ خیبر سے مسلح ہوکر بھائی کا انتقام لینے کوقلعہ سے باہر آیا۔ کہتے ہیں کہ مرحب تمام خیبریوں میں ایک ایسا بلند قامت قدآور بہادر تھا کہ تمام دلیروں میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ دوتلواریں لٹکائے ہوئے تھا دوعمامے سر پر باندھے تھا ان عماموں پر خود رکھے تھا۔ رجز پڑھتا ہوا معرکہ جنگ میں آیا اہل اسلام میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اس سے جنگ کو نکلے۔ حضرت علیؑ رجز پڑھتے ہوئے اس سے مقابل ہوئے پیش دستی کر کے چاہا کہ تلوار کا وار کرے مگر حضرت علیؑ نے اس کو موقع نہ دیا۔ اور ذوالفقار کی ایسی ضرب اس ملعون غدار کے سر پر لگائی کہ اس کے خود عماموں کو کاٹتی ہوئی حلق تک اور برواتیے دانتوں تک اور برواتیے قابوس زین تک اتر آئی اور مرحب دوٹکرے ہوکر واصل جہنم ہوگیا۔ اہل اسلام نے برفاقت حضرت علی مرتضیٰؑ میدان جنگ میں پہنچ کر یہود کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور حضرت علیؑ نے یہودیوں کے سات فوجی سرداروں کو جو بہادر رئیس سمجھے جاتے تھے قتل کیا جن کے قتل ہوتے ہی

باقیماندہ اشخاص قلعہ کی طرف بھاگ گئے اور حضرت علیؑ نے ان کا تعاقب کیا اسی حالت میں ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر ایسی ضرب لگائی کہ سپر ہاتھ سے زمین پر گر پڑی اور ایک دوسرا یہودی اسے اٹھا کر بھاگ گیا حضرت امیرؑ غصہ میں آئے اور ایک حالت قدرت ربانی اور قوت روحانی کی آپ پر طاری ہوگئی کہ ایک بارجست فرما کر باب قلعہ پر پہنچ گئے اور اسی حالت میں آپ نے اس کے آہنی پھاٹک کا ایک پلہ نکال کر بجائے سپر ہاتھ میں لے لیا اور بدستور جنگ میں مصروف ہو گئے۔

محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب ص383 میں یہی مضامین لکھے ہیں۔

قوت روحانی اور بطاقت انسانی کی آزمائش

تاریخ کامل ابن اثیر اور تاریخ ابوالفدا میں مرقوم ہے۔

عن ابی رافع مولی رسول اللهﷺ قال خرجنا مع علی ابن ابی طالب رضی الله عنه حین بعثه رسول الله صلعم برایة فلما دانامن الحصین خرج الیه اهله فقاتلهم فضرب رجل من یهود فطرح ترسه من یده فتناول علی علیه السلام باباکان عند الحصین فترس به عن نفسه فلم یزل فی یده وهو یقاتل حتیٰ فتح الله علیه ثم القاه من یده حتی فرغ فلقدرائیتینی فی نفر سبعة معی اناثامنهم تجهدعلی ان تقلب ذلك الباب فما تقلبة۔

ابورافع غلام رسولؐ اللہ سے مروی ہے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو علم دیکر خیبریوں سے جنگ کے لیے بھیجا تو ہم بھی ان کی معیت میں تھے بس جب حضرت علیؑ قتال کرتے ہوئے قریب قلعہ پہنچے تو ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے فوراً ایک دروازہ باب خیبر کا کھینچ لیا۔ اور اُسی کو بجائے سپر ہاتھ میں لے لیا۔ اور قتال کرنے لگے یہاں تک کہ خدا نے آپ کو فتح نمایاں عطا فرمائی۔ پھر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دروازہ قلعہ کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ اور وہ اس قدر بھاری تھا کہ ہم آٹھ آدمی مل کر بھی اس کو نہ اُلٹ سکے۔

درِ خیبر کا اکھاڑنا غلط ہے:

اب دیکھئے شبلی صاحب کی قلمکاریاں اسکی حاشیہ نگاریوں میں کیا اگلا جاتا ہے تحریر ہوتا ہے۔ مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی۔ (بحوالہ طبری 1579) معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ گئی آپ نے قلعہ کا در جو سرتا پا سنگ تھا اُکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایتیں ابن اسحٰق اور حاکم نے کی ہیں۔ علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کہ یہ سب لغوایتیں ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی ابن احمد فروح کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوٹ گیا ہے اور دوسری میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک روای ہے جس کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ (بحوالہ میزان اعتدال۔ ترجمہ بریدہ بن سفیان)

غلط بتلانا ہی غلط ہے:

ہم نے تو اسی لیے اپنی تمہید میں پہلے ہی لکھدیا ہے کہ ان واقعات کی تصریح اول تو محدثین کی تالیفات کا موضوع ہی نہیں۔ دوسرے فضائل علی کی تفصیل ہونے کے باعث ان کو مطبوع بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اسکو محدثین کے اقوال و اسناد سے لکھا ہی نہیں۔ صرف اصحاب سیر و تواریخ کی اسناد سے اس کو قلمبند کیا اس لیے کہ اُن کا خاص موضوع تھا۔ لیکن خدا بھلا کرے شبلی صاحب کا کہ انہوں نے ان تفصیلات کو امام حاکم صاحب المستدرک امام بیہقی۔ صاحب سنن کا بھی مختار ثابت کر دیا۔ مزید تحقیقات سے علی ابن برہان الدین شافعی محدث صاحب سیرۃ السان العیون فی سیرۃ الامین المامون۔ صاحب سیرۃ الحلبیۃ محدث۔ حافظ جمال الدین شیرازی محدث۔ صاحب روضۃ الاحباب اور شاہ عبدالحق صاحب دہلوی محدث۔ صاحب مدارج النبوۃ۔ علامہ ابن اثیر جزری اور علامہ طبری کا بھی یہی مختار متفقہ ثابت ہوتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ شبلی صاحب اپنے طرز بیان میں اپنے قول کی آپ رد فرماتے ہیں اور انحراف عن الاعتراف کے نقص وعیب سے ذرا بھی نہیں شرماتے۔ یہ ذرجہتی کی شان اچھی نہیں۔ اور تدوین مولفانہ کے بالکل خلاف ہے۔

یہی مرویات جن کو لکھ کر آپ غلط بتلاتے ہیں اگر حقیقتاً آپ کے نزدیک سخاوی اور ذہبی کے اقوال سے غلط ثابت ہوئی تھیں تو ان کے لکھنے ہی کی کیا ضرورت تھی مگر نہیں آپ تو اسلاف کی تقلید اور بخاری کی تائید کے دلدادہ ہیں استخفاف ممکن نہیں تھا تو خیر ان کا استرداد ہی سہی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہ آپ کے قلم میں اتنی قوت ہے۔ اور نہ اتنی طاقت کہ ان واقعات کو آپ بالکل مرفوع القلم فرمادیں اور نہ آپ کے استدلال میں اتنا زور ہے کہ اس کو قوی دلیلوں سے رد باطل اور قطعی طور پر مستاصل کر دیں۔ اس لیے مجبوراً ذوجہتی کی وہی قدیم لکیر پیٹی گئی لکھا بھی گیا اور گویا مٹا بھی دیا گیا۔

بہرحال آپ کے استدلال کا دارومدار سخاوی کے قول منفرد پر ہے۔ جو ان تفصیلات کو وہی بتلاتے ہیں۔ لیکن خیریت ہے کہ

آپ سوائے سخاوی کے کسی اور محدث کا قول ان کے وہی ہونے کے ثبوت میں پیش نہیں کرتے تو ارباب تحقیق خود سمجھ لینگے کہ آپ کے اس طریقۂ استدلال اور اسکی اسناد میں محض ایک ایسے شخص کے قول سے جو محدثین کے طبقہ متقدمین بھی نہیں ہے۔امام حاکم۔امام بہقی۔محدث ابن جرری علامہ طبی محدث شیرازی اور محدث دہلوی۔اتنے محدثین کی پھر امام المغازی ابن اسحٰق۔ابن جریرطبری۔ابن شیر اور ابوالفدا۔وغیرہم اتنے مورخین۔کی تردید اور تغلیط فرماتے ہیں۔کوئی سمجھ والا اسے قبول کرے گا۔

دوسرا طریقہ استدلال تنقیدی آپ کا یہ ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کو روایت منکر بتلایا ہے۔آپ کو صرف اپنے مطلب کی لکھ کر رہ گئے۔اور سمجھ گئے کہ ذہبی کی تفصیلی عبارت کون دیکھتا ہے۔یہ آپ کی صریح مغالطہ دہی علامہ ذہبی نے اس کے اس حصہ روایت کو صرف منکر بتلایا ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دروازے کو گرادینے کے بعد واپس ۴۰ آدمی نہ اٹھا سکے۔علامہ زرقانی نے اس واقعہ کو پوری تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ملاحظہ ہواُنکی مفصلہ ذیل عبارت۔

کالحافظ الذہبی فانہ بعد ان ذکر روایۃ الاربعین قال ھذا امنکر ص 265جلد دوم۔

کہ یہ منکر ہے۔زرقانی کی اس تصریح قول ذہبی سے ثابت ہوگیا کہ صرف چالیس آدمیوں کے ناکامیاب رہ جانے والی روایت ذہبی کے نزدیک کے نامعتبر جو اس قول سے ذہبی کے نہ اصل واقعہ میں کوئی نقص واقع ہوا اور نہ سات یا آٹھ آدمیوں والی روایت غلط ٹھہری۔جس کو محدثین کے علاوہ مورخین ابن اسحٰق طبری اور ابن !شیر نے حضرت ابورافع کی اسناد سے آنحضرت ﷺ کے خاص صحابی کے واقعہ کے خاص شریک ہیں نقل کی ہے اور جس کو ہم اپنے سلسلۂ بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں۔جو بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں۔جب ذہبی کے انکار کی یہ صورت حقیقت سے معلوم ہوئی تو اصل واقعہ اور سات یا آٹھ آدمیوں والی روایت کی تردید کہاں ہوئی۔بلکہ ایک دوسرے طریقہ سے ان کی توثیق ہوگئی کیوں کہ جب ذہبی کا انکار روایت اربعین تک محدود ہو چکا اور روایت سبعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ذہبی کو انکی صحت میں کوئی کلام نہیں ہاں اگر سخاوی کی طرح ذہبی کلھا منکرۃ لکھ دیتے تو البتہ آپ ذہبی کا یہ قول اپنے استدلال میں پیش کرتے لیکن وہ صاف صاف ھذا امنکر لکھ کر جیسا زرقائی بتلاتے ہیں صرف روایت اربعین کی تخصیص کر دیتے ہیں یہی تو شبلی صاحب کا طریقہ استدلال ہے اور اسی پر دنیا سے داد طلبی کا سوال ہے۔

اب آپ کے دوسرے طریقہ استدلال کی حقیقت حال ملاحظہ ہو۔پہلا اعتراض یہ ہے کہ مورخ ابن ہشام نے اس روایت کے دونوں طریقوں میں بیچ کا ایک راوی چھوڑ دیا ہے۔دوسرا یہ کہ اس کا ایک راوی بریدہ بن سفیان ہے جسکو امام بخاری ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

آپ کا یہ حصہ عبارت اور دوسرے حصہ میں اس مشترک نقص کے ساتھ کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں سلسلہ رواۃ میں بیچ کا ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔مگر جب اصل کتاب کی عبارت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو آپ کا دعویٰ مشترک محض غلط ثابت ہوتا ہے تاریخ ابن ہشام میں جس کے صفحہ کا نشان شاید عمداً چھوڑ دیا گیا ہے ان دونوں روایتوں کے مفصلہ ذیل سلسلہ رواۃ درج ہیں پہلی رواۃ کا سلسلہ

یہ ہے۔

حدثنی بریدہ بن سفیان بن قروۃ الاسلمی عن ابیه سفیان من سلمه بن عمر بن الاکوع۔

بریدہ بن سفیان بن قروۃ الاسلمی اپنے باپ سفیان سے اور سفیان سلمہ بن عمر بن اکوع سے روایت کرتے ہیں۔

اب آنکھ والے بتلا دیں کہ اس سلسلے میں کون راوی بیچ کا چھوٹ گیا ہے صاف صاف بریدہ اپنے باپ سفیان سے روایت کرتا ہے۔ اور سفیان سلمہ کی زبانی بیان کرتا ہے اور سلمہ وہ بزرگ صحابی ہیں جو خود شریک واقعہ ہیں افسوس شبلی صاحب کے ایسا محقق اور ایسا مغالطہ وہ طریقہ استدلال۔

ابن ہشام کا دوسرا سلسلہ ملاحظہ ہو۔

حدثنی عبداللہ بن الحسن عن بعض اھله عن ابورافع۔

عبد بن حسنؑ نے اپنے لوگوں میں سے بعض کی زبانی اور اُس نے ابورافع کی زبانی اس روایت میں عبداللہ بن حسن نے اپنے اس عزیز کا نام جس سے اُنہوں نے یہ بیان سنا تھا۔ سہو فرمایا ہے لیکن اس سہو سے سلسلہ رواۃ میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ روایت اس وقت مقطوع البتہ کہلاتی۔ جب عبداللہ بن حسن بیچ کے راوی کا ذکر نہ فرماتے حقیقتاً نہ یہ انقطاع روایت ہے نہ اسقاط نام راوی۔ بلکہ ایک سہو ذہنی ہے جس سے کوئی انسان خالی نہیں اور یہ ایک ایسا عام امر ہے کہ دفاتر صحاح بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ بخاری میں لیلۃ القدر والی روایت والی روایت موجود ہے۔ جس کو امام صاحب نے بغیر کسی سند کے عن سفیان بن عنیبہ کے عنوان سے شروع کیا ہے۔ بھلا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بخاری نے کبھی سفیان بن عینیہ کو دیکھا بھی تھا۔ کہاں آپ کا وقت کہاں سفیان کا زمانہ۔ پھر یہ عن کیسا؟۔

جب خود امام بخاری کی مقطوع الاسنادی کی یہ کیفیت ہے تب حدیث میں کسی راوی کی نسبت اُن کی بے اعتمادی کب قابل اعتماد ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں بخاری صاحب نے راہب بحیرہ کے واقعات میں اسمٰعیل بن اویس ایسے منکر الحدیث شخص سے خود روایت کی ہے۔ اور اسی طرح آغاز نزول وحی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخوف ہوجانا۔ بخاری صاحب نے امام زہری کے بلاغات (اسنادہ منفردہ) سے نقل فرمایا ہے جس کا سلسلہ رواۃ صرف امام زہری تک پہنچ کر تمام ہوجاتا ہے۔ اور پھر رسول اللہؐ تک ایک روای کا نام نہیں۔ طرفہ تر تو یہ ہے کہ شبلی صاحب نے ان مقامات پر بخاری کی تردید کی ہے اور ان کے مختار مرویات کی تنقید لکھی ہے۔ اور اب خدا کی شان وہی شبلی صاحب اُنہیں بخاری صاحب کے اسناد سے دوسروں کی بے اعتمادی پر استدلال کرتے ہیں جو جمع الفاسد علی الفاسد کے اصول سے خود وہی ہے اور سراپا غلط۔

ہم ان افزایات کو شبلی صاحب کے طبعزاد بھی نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ مخالفت علیؑ کا مواد بہت قدیم ہے جو پہلے استحکام اصول

عقائد کا ضروری عنصر اور پھر استقرار سلطنت وحکومت کا قوی جوہر۔ اور اس بنا پر مخالفین علیؑ نے آپ کی تخصیص کو تعمیم کی صورت میں بدل دینے کے لیے انواع اقسام کے موضوعات ومصنوعات سے کام لیا۔ اگر چہ مخالفت علی کی بنا زمانہ رسولؐ ہی میں پڑ چکی تھی دیکھو بریدہ اسلمی اور مقابلہ کنیز متعلقہ فتح یمن) لیکن پوشیدہ رہی۔ زمانہ خلافت میں کھل پڑی اور دورہ معاویہ یا خلافت پنجم میں تو یہ اپنے تمام اقسام کے ساتھ عام ہوگئی اور معاویہ کے ایک خاص تاکیدی فرمان شاہی کے مطابق اس کا عام دستور تمام ممالک اسلامی میں قائم ہوگیا۔ معاویہ کا فرمان شاہی اور اس کے تاکیدی الفاظ یہ ہیں۔

ثم کنب الی عماله ان الحدیث فی عثمان قد کثروو فشافی کل مصروفی کل وجه وناحیة وفاذآجاء کم کتابی هذا فادعوالناس الی الروية فی فضائل الصحابة والخلفاء الاوّلین ولا یترکو اخیرا برویه احد امنالمسلمین فی ابی حواب الا وتوفی بمناقض له فی الصحابه فان هذا احب الی وقر العینی۔ عقات الانوار جلد5

معاویہ نے پھر اپنے احوال ملکی کو لکھ بھیجا کہ حدیثیں فضائل عثمان میں کثرت سے ہوگئیں اور وہ تمام شہر واطراف میں شائع بھی ہوگئیں پس جب تم لوگوں کو میرا فرمان پہنچے تو تم محدثین اخبار کو فضائل صحابہ وخلفائے راشدین کی ترتیب کی طرف دعوت دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ لوگ کوئی حدیث فضیلت علیؑ کی ایسی باقی نہ چھوڑیں جس کی نقیض صحابہ کے لیے نہ تیار کرلیں۔ کیونکہ یہ امر میرے لیے محبوب ترین ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے عبقات الانوار جلد پنجم 5 بحوالہ کتاب الاحداث امام مدائنی ص 23 مطبوعہ لکھنو۔

اسی فرمان کی ہدایت اور اس کے جلد میں حکومت کے وظیفے اور مالی اعانت نے حضرت علیؑ کے تخصیصی واقعات وخدمات کے مقابل ومماثل مرویات تیار کرالیں اور پھر اس ترتیب وتفصیل سے کہ آپ کی تخصیص کسی زمانہ میں ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کی مماثل ومقابل شکل کا ہیولا نہ قائم کرلیا گیا تحقیق سے کام لینے والے اور ہر امر کا تفحص فرمانے والے جانتے ہیں کہ اس صنف خاص میں ولادت کعبہ سے حضرت علی کی خصوصیات کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں مصعب بن زبیر نے غالباً حکومت کی فرمائش یا باشتعال طبع خاص حکیم بن خرام کو کعبہ کا مولود اول قرار دیا۔ بالآخر امام حاکم کو بایں الفاظ مصعب کی تکذیب کرنی پڑی۔

وهم مصعب ابن عبدالله فی الحرف الاخیر فقد تواترك الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علی بن ابیطالب کرم الله وجهه(مستدرك)

مصعب ابن عبداللہ کو اس حدیث آخر میں وہم ہوگیا ہے اس لیے کہ اخبار متواترہ میں وارد ہوا ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو کعبے کے اندر پیدا کیا۔

چونکہ قلعہ خیبر کی فتح بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی خدمات مخصوص میں داخل ہے۔اس لیے اس میں نکتہ لگایا گیا ہم اس کو شبلی صاحب ہی کی زبانی سنوانا اور سننا چاہتے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

ابن اسحاق موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا۔مسند امام حنبل اور صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح بخاری میں حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر بتلایا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔

خیریت ہوئی کہ بخاری صاحب نے لکھ فرمایا نہیں تو شبلی صاحب شیخین بخاری و مسلم کے آگے کب کسی کی سنتے اور وہ ضرور ابن اسحق اور موسیٰ ابن عقبہ کی تقلید کرتے مگر اب بخاری نے لکھ دیا تو پھر آپ سے اب انکار کہاں ممکن ہوسکتا ہے لیکن اس کے ساتھ بھی ملحوظ رہے کہ مسلم کی توثیق رخصت ہوگئی اس لیے کہ (وہ موسیٰ ابن عقبہ کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔حالانکہ شبلی صاحب خود دیباچہ میں صحیحین بخاری و مسلم کی بایں الفاظ تصدیق کر چکے ہیں کہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں مثلاً صحیح بخاری و مسلم۔اب اُسی مسلم کی اس روایت کے متعلق جس کی آپ خود اس موقع پر تکذیب فرمارہے ہیں کیا ارشاد فرمائیں گے ۔اس تنقید کے بعد بھی کیا آپ کو صحیح مسلم کی نسبت یہ اعتقاد اور اصرار قائم رہے گا کہ مسلم میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ضعیف کیسی بالکل غلط حدیث یہ کہاں سے نکل آئی۔؟ اسکا جواب شبلی صاحب کے ذمہ قیامت تک باقی رہ گیا۔

شبلی صاحب تو ہمیشہ اشارات سے کام لیتے ہیں اور تاریخی مضامین میں شاعرانہ استعارات سے عمل پیرا ہوتے ہیں آپ نے اہل سیر کے چند نام لکھ کر موضوعات کا الزام صرف انہیں کے سر لگا کر ختم کر دیا ہے اور محدثین کو بال بال بچا لیا تحقیق کی جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام مفاسد کے باعث تو استاد المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل ہیں جنھوں نے اس حدیث میں اپنی غلط تاویلوں کے بے تکے جوڑ لگائے ہیں جو بالآخر نقادان فن کو ٹانکوں سے ادھیڑ نے پڑے ملاحظہ ہو شرح زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت۔

وخالف فی ذلك اهل السير فجزم ابن اسحاق و ابن عقبه والواقدی بأن الذی قتل مرحبا هو محمد بن مسلمه و كذاروی احمد باسناد حسن عن جابر وقيل ان مسلمه كان بارزه قطع رجليه فاجز علی عليه وقيل هو الخراث اخو رحب فأشتبه علی بعض الرواة فان يكن كذلك والا فعا فی الصحيح مقدم علی ماستراه والا سيما قد جآء عن بريده ايضا عند احمد والنسائی وابن حبان الحاكم وقال ابن عبدالبر انه القحيح وابن الايير الصحيح الذی عليه اهل السير والحديث ان عليا قاتله وقال الشامی مافی سلم مقدم عليه من وجهين احدهما انه اصح الاسناد الثانی ان جابر رضی اللہ عنہ لم يشهد خيبر كما ذكر ابن اسحٰق والواقدی وغيره هما وقد شهدها سلمه وبريده وابورافع فهم اعلم ومن لم يشهدها وما قبيل ان ابن سلمة

قطع ساقی مرحب ولم یجھز علیھپ ومربہ علی علیہ السلام فاجھز علیہ فایاہ حدیث سلمہ وابورافع۔ زرقانی جلد دوم 259 مطبوعہ مصر۔

اس واقعہ قتل مرحب پر سب اہل سیر نے اختلاف کیا ہے اور ابن اسحق اور موسیٰ عقبہ اور واقدی نے اپنی اسناد سے لکھا ہے کہ جس شخص نے مرحب کو قتل کیا وہ محمد بن مسلمہ ہیں اور امام احمد ابن حنبل) نے بھی اسناد حسن کے ساتھ جابر کی سند سے لکھا ہے اور تفصیل بیان کی ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب سے مقابلہ کر کے اسکے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے۔ حضرت علیؑ نے اس کے بعد اس پر حملہ کر کے اس کو مار ڈالا اور بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے تو حارث مرحب کے بھائی کو قتل کیا تھا بعض راویوں کو اس واقعہ کو اس طرح سمجھنے میں شبہ ہو گیا ہے ورنہ جو صحیح میں ہے وہ مقدم ہے ان واقعات پر جو صحیح کے خلاف بیان ہوتے ہیں خصوصاً وہ مرویات صحیحہ جو یریدہ کی زبانی انہیں امام احمد امام نسائی ابن حبان اور امام حاکم نے مرقوم کی ہیں اور انہیں کی نسبت یہی صحیح ہیں۔ اور ابن اثیر کہتے ہیں کہ صحیح وہی واقعات ہیں جن کو ارباب سیر احادیث دونوں نے لکھا ہے اور واقعی مرحب کو علیؑ نے قتل کیا اور ابن کثیر شامی کہتے ہیں کہ جو روایت مسلم نے پہلے لکھی ہے وہی صحیح تر ہے۔ دو ایک وجہ تو یہی کہ اُس کے اسناد زیادہ ترصحیح ہیں اور دوسری یہ ہے کہ جابر جو ان مرویات اختلافی کے راوی ہیں خیبر میں شریک ہی نہیں تھے جیسا کہ خود ابن اسحق اور وقدی وغیرہ ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے بمقابلہ انکے (جابرؓ) جو شریک جنگ نہ ہوئے ان واقعات کے زیادہ جاننے والے تھے اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے تھے اس کو مارا نہیں تھا علی نے حملہ کر کے اس کو مار ڈالا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ مسلمہ اور ابورافع دونوں (حاضرین واقعہ) اس بیان سے انکار کرتے ہیں۔

تنقیص خصائص حضرت علیؑ کی بنا پر اس موضوع ومصنوع واقعہ کی یہ حقیقت حال تھی جس کی تصیح صحیح موجودہ استدلال تنقیدی میں کر دی گئی اس ایسے موضوعات کے بیشمار انبار لگے ہیں لیکن تاہم یہ بہت بڑی شکر گذاری کا موقع ہے کہ جن حضرات نے ان مفتریات کی تدوین کی انہیں کے محققین ومنقدین نے انکے ان برسوں کے ریاض پر سیاہی کا قلم پھیر دیا۔ یہ اُنکی دیانت وصداقت کہی جائے یا اصل واقعہ کی حقیقت جو آخر نہ چھپ سکی۔

مرحب کے بعد رئیسان یہود سے مقابلہ ومقالمہ:

شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ حضرت علیؑ کی خدمات کی تفصیل کریں مرحب قتل ہوا خیبر فتح ہو گیا قصہ ختم شد کیونکر خیبر کشائی وغیرہ کے حالات مابعد کو تو کلھا واھیۃ کہہ کر غلط بتلا ہی دیا لکھنے والے گذر گئے ہیں۔ان حضرات میں ایک تو آپ کے علامہ حسین میبذی صاحب فواتح میبذی ہیں جن کے فیوض سے آپ درسیات ہی کے وقت سے بہرہ مند ہونے لگتے ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب فواتح میں مرحب کے قتل کے بعد رئیسان یہود سے حضرت علی کا مقابلہ کرنا اوران کو قتل کرنا پوری تفصیل کے ساتھ نام بنام تحریر فرمایا ہے محدث شیرازی بھی روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

امیرالمومنین آنروز ہفت کس از روساد شجاعان راتقبل آورو۔ص ۳۸۷۔

امیرالمومنینؑ نے اس وقت یہودیوں کے سات رئیسوں اور دلیروں کو قتل فرمایا۔

ہم نے ان واقعات کی پوری تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خاص کتاب سیرۃ سراج المبین جلد اول میں میں ۱۰۶ سے لیکر ہفتہ الاتک کردی ہے۔ہم بخوف طوالت اس تفصیل کو یہاں باردیگر بیان کرنا نہیں چاہتے صرف ان دلیران ورئیسان یہود کے نام لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں جو مرحب کے قتل کے بعد سے لرکر آخروقت فتح تک یکے بادیگرے قلعہ سے نکل نکل کر حضرت علیؑ سے مقابل ہوتے گئے۔اور ضرب ذوالفقار سے مقتول ہوتے گئے فواتح میبذی کے اسناد سے مفصلہ ذیل یہودان مقتول کے نام معلوم کر لیے جائیں۔

(۱) داؤد بن قابوس (قوانح ص ۴۱۷) ربیع ابن الحقیق (قوانح ص (۴۱۸) عتر خیبری (فوانح میبذ صفحہ ۲۴۰)۔

(۴) مرۃ بن مروان (فوائح ص ۱۱۹) (۵) یاسر خیبری (فوائح ص ۲۴۰) (۶) صحیح خیبری (فواتح میبذی صفحہ ۲۴۰)

درگاہ رسالت سے فتح خیبر کے صامین حضرت علی کو بشارات:

انہیں واقعات کے ایسا شبلی صاحب نے یہ بھی نہیں لکھا کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے جس اہتمام وعظمت سے فاتح خیبر کو لواسے خیبر دیکر جہاد کیلئے روانہ کیا تھا ان کی اس بے نظیر اور عدیم المثال خدمات جہاد کی بجا آوری پر ان کی واپسی کے وقت زبان رسالت سے اظہار قبولیت وخوشنودی کے متعلق زبان سالت سے کیا الفاظ نکلے۔شبلی صاحب کی خاموشی بجا ہے اور یہی خاص موقع ہے کیونکہ فضیلت علیؑ کا ذکر آجائیگا۔لیکن حقیقت حال بتلارہی ہے کہ شبلی صاحب کی خاموشی کے خلاف زبان رسالت ،قبولیت کے اعلان اور حسن خدمات کے اظہار و بیان سے آپ کی طرح ساکت نہیں رہی ،اور کیونکر رہ سکتی تھی ،اخلاق نبوت کے سراسر خلاف تھا چنانچہ واپسی پر حضرت علیؑ مرتضیٰ سے جو الفاظ ارشاد فرمائے گئے وہ محدث شیرازی کی زبانی یہ ہیں۔

خبر بحضرت رسالت پناہ صلعم رسایندند کہ فلا علیہ السلام خیبر بدست علی مرتضی کرم اللّٰہ برکیفیت مذکورہ مفتوح گشت آن سرورؐ بسے شادی نمود چون امیر علیہ السلام متوجہ

ملازمت بنی صلعم شد آنحضرت صلعم باستقبال دے از خیمه بیرون آمددیراور برگرفت ودرمیان ہردوچشمپش بوسید وفرموروقد بلغنی نباوک المشکور جنیعمک المذکور وروایتے آنکه حضرت فرمودہن ازتوراضی ام علیؑ ارقت آمدوبگرسیت حضرت فرمودائے علی این گریه فرح است یاگریه اندو جاب داد که یارسول ﷺ گریه فرح است وچونه شادمان نه گردم که توازسن راضی باشی سید عالم ﷺ فرمودنه تنہا من اتوراضی ام بلکه خداوند تعالیٰ وملائکه وجبریل و میکائیل تیزارتوراضی اندص ۳۸۸۔ روضه الاحباب۔

جب جناب رسالت پناہ ﷺ کوخیبر کے فتح ہونے کی مندرجہ بالا کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نہایت سرور الحال ہوئے اور جب جناب امیرآ پکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خیمہ سے نکل کرانکا استقبال کیا اور جب قریب آئے تو ان سے بغلگیر ہوئے اور حضرت علیؑ مرتضیؑ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا کہ تمہارا سعی مشکوراور کارہائے نمایاں کی خبر مجھ کوپہنچ چکی ہے اورایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اے علیؑ میں تم سے رضا مند ہوا۔ یہ نہ سن کرحضرت علی کورقت آئی اوررونے لگے یہ دیکھ کرآنحضرتؐ نے پوچھا کہ اے علیؑ یہ گریہ مسرت ہے یا گریۂ اندوہ وحسرت ہے حضرت علیؑ نے عرض کی گریہ مسرت ہے اور میں کیونکرمسرور نہ ہوں جب آپ مجھ سے راضی ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تنہا میں تم سے راضی نہیں ہوا بلکہ خدااس کے ملائکہ جبرائیل اور میکائیل سب کے سب تم سے راضی وخوشنود ہیں۔

شہدائے خیبراوراُن کی جنگی خدمتیں۔

شبلی صاحب کوخیبر سے بھاگ پڑی ہے قلم سرعت رقم سے تحریرفرماتے ہیں۔غرض یہ قلعہ(اقموص)20دن کے محاصرے کے بعد فتح ہوگیا۔ان معرکوں میں 93 یہود مارے گئے جنہیں حارث مرحب۔ اسیرکوئی نام نہیں شاید عنتر ہو یا یاسر ہو یاسر، شاید عنتر آیا۔ عامر۔زیادہ مشور ہیں صحابہ میں سے ۱۵ بزرگوں نے شہادت حاصل کی جنکے نام ابن سعد نے بتفصیل لکھے ہیں۔358 سیرۃ النبیؐ جلداول۔ افسوس شبلی صاحب نے مقتولین یہود کے ساتھ تو اتنی ہمدردی دکھلائی کہ تین چار مقتولین یہود کے نام بھی لکھ دیئے لیکن آپ کی ناتوجہی اور بے ااتفاقی مستشہد ین خیبر میں سے ایک کا نام لینا بھی گوارانہ کرسکی۔ابن سعد کے صرف حوالے سے تو عام اطلاع دواقفیت کافرض تالیفی پوراہونہیں سکتا۔جب ہرشخص ابن سعد کی کتاب کو پڑھ سکتااور سمجھ سکتا تو پھراُردو میں سیرۃ النبیؐ کے تیارکرنے کی کیا ضرورت

تھی۔غزوہ خیبر پر موقوف نہیں ہم قریب قریب تمام غزوات میں آپکی فرگوگذاشت کی اس شان خاص کو دکھلاتے آئے ہیں۔گویا آپ انہیں حضرات کے تذکرے تک اپنی تفصیلات کو محدود کرنا چاہتے ہیں۔جنکے حالات سے آپ کو دلچسپی ہے یا جنکو آپ عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں یہ آپ کے معیار تعمیم اور اشعار مساوات کے بالکل خلاف ہے بہرحال ابن سعد کے علاوہ تاریخ ابن ہشام میں شہدائے خیبر کے حسب ذیل نام بتلائے گئے ہیں۔

قبیلہ بنواُمیہ (۱) ربیعہ بن اکتم (۲) ثقیف بن عمر (۳) رفاعہ بن مسروح

قبیلہ بنی اسد (۴) بشر بن البرائ (۵) عبداللہ بن الحصیب (۶) فضیل بن النعمان

دیگر قبائل مختلفہ (۷) مسعود بن قیس (۸) محمود بن مسلمہ (۹) ابوضیاح (۱۰) حرث بن حاطب (۱۱) عروہ بن مرد۔

(۱۲) اوس بن القاید (۱۳) انیف بن حنیف (۱۴) ثابت بن واثلہ (۱۵) طلحہ بن عقبہ (۱۶) عامر بن الاکوع یہ تمام شہدا قبائل انصار کی مختلف شاخوں سے تھے۔

امام زہری کی بلاغات سے دوشہدا کے اور نام بتلائے گئے ہیں۔مسعود بن ربیعہ (بنی زہرہ) اور اوس بن قتادہ بنی عوف قبیلہ انصار کی ایک شاخ خاص سے۔ابن ہشام جلد دوم (۹) مطبوعہ مصر۔

محمود بن مسلمہ کی شہادت:

محمود بن مسلمہ تو وہی بزرگ ہیں۔جن کو کنانہ بن ابی الحقیق نے قلعہ ناعم کے محاصرے میں دغابازی سے مارڈالا تھا۔تفصیل یہ ہے۔قلعہ ناعم پر محمود بن مسلمہ فوج لے گئے اور بڑی شجاعت کے ساتھ ایک عرصہ تک مبارزت کرتے رہے۔اس دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔بغور آفتاب بھی اپنی پوری حرارت دکھلا رہا تھا۔محمود لڑتے لڑتے تھک گئے تو دم لینے کے لیے دیوار قلعہ سے لگ کر بیٹھ گئے کنانہ بن الربیع نے انہیں تنہا بیٹھا پا کر قلعہ کی فصیل سے ایک چکی کا پاٹ انکے سر پر دے مارا۔اور یہ اسلامی مجاہد اس کے نیچے کچل کر رہ گیا۔انا اللہ انا والیہ راجعون۔

عامر بن الاکوع کی شہادت:

عامر بن الاکوع بھی انہیں شہدا میں ہیں۔یہ بزرگ قلعہ قموص کے محاصرے میں ایک دن مرحب سے اُلجھے۔مرحب کی تلوار انکے جسم کے بائیں حصہ پر پڑی۔اور انکی تلوار مرحب کے بلائی حصہ جسم پر اسی کشمکش میں اپنی تلوار سے اُنکی رگ اکحل کھل پڑی اور اس قدر خون بہا کہ غریب جانبر نہ ہوسکے مجروح ہونے کے بعد یاروں نے مزاحاً کہنا شروع کیا کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تو درجہ شہادت نہ پاؤ گے۔اس لیے کہ تم تو اپنے زخم سے ختم ہوگئے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمہارے سب اعمال حبط کر لیے۔یہ سننا تھا کہ یہ خالص مسلمان اور جان نثار بیقرار ہوگیا۔چھوٹا بھائی سلمہ دوڑتا ہوا خدمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا سلمہ بیان کرتا ہیں۔

قلت یارسول اللہ فداك ابی وامی زعموا ان عامر احبط عملہ فقال النبی کذب من

قالہ وان الہ اجرین وجمع بین اصبعیہ انہ الجاھد ومجاھد زرقانی 35 مصر

میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں لوگ کہتے ہیں کہ عامر کے اعمال حبط ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں اس کو تو دو ثواب ملے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی دو انگلیاں ملالیں اور فرمایا کہ جاہد بھی ہے اور مجاہد بھی علامہ ابن التین کہتے ہیں کہ جاہد وہ ہے جو خدا کی راہ میں تکلف اختیار کرے اور مجاہد وہ ہے جو حکم خدا کے موافق دشمنان خدا سے مقابلہ ومقاتلہ کرے۔

زرقانی ص ایضاً

تمام مقتولین درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوں گے

مسند امام حنبل میں ہے

عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لما کان یوم خیبرا القبل نفر من اصحاب رسول اللہ فقالو افلاں شھیدحتیٰ مروعلی رجل فقالو فلان شھید فقال رسول اللہ انی رایتہ فی النار ثم قال رسول صلعم یابن الخطاب اذھب فنادافی الناس انہ لایدخل الجنۃ الا المومنین قال فخرجت فنادیت انہ لایدخل الجنۃ الاالمؤمنون

۔درقانی جلد دوم ص 360 تاریخ احمدی ص 61۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ بروز جنگ خیبر چند اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کیا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا اسی طرح پھر دوسرے شخص کی نسبت کہا کہ فلاں شخص شہید ہو گیا۔ یہ سن کر جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کہو کیونکہ میں نے اس شخص کو جہنم میں دیکھا ہے بعد ازاں حضرت عمر سے فرمایا کہ جا کر لوگوں میں منادی کر دو کہ سوا مومنین کے کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو گا۔ حضرت عمر کہتا ہے کہ میں نے جا کر آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق اس امر کا اعلان کر دیا کہ مومنین کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو گا۔

اراضیاتِ مفتوحہ خیبر کا بندوبست

خیبر اور اس کے توابع کو چونکہ اسلام نے فتح سے حاصل کیا تھا۔ اس لیے خیبر اور اُسکے متعلقہ اراضیات پر اسلام کا قبضہ ہو گیا لیکن چونکہ یہود مقتول و مفتوح ہونے کے بعد بھی اپنی اراضیات سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ اور معاملات میں اسلام کی طرف سے انہوں نے کوئی خلاف ورزی بھی نہیں دیکھی تھی اس بنا پر ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہو کر درخوست کی کہ یہ قطعات زمین انہیں کے ساتھ بندوبست میں قائم رکھے جائیں جناب رسول خداصلعم کے محاسن اخلاق کا بھی یہی تقاضہ تھا کہ جب تک دشمن سے کسی بدمعاملگی کا اظہار نہ ہولے اس کے معروضات مسترد نہ فرمائے جائیں اس لئے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی گئی اور وہ تمام اراضیات اس یہود کے قبضہ اور بندوبست میں اس شرط اقرار کے ساتھ کہ اُنکی نصف پیداوار دربار رسالت میں ہمیشہ پہنچایا کریں اور نصف اپنے تصرف میں لائیں۔ قائم رکھی گئیں۔

یہود کے یقین کے موافق اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے بھی اُنکے ساتھ معاملات میں ایسی عدالت اور صفائی دکھلائی کہ آخر کار بقول شبلی صاحب۔ یہود کو اقرار کرنا پڑا کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں بحوالہ فتوح بلدان بلاذری و تاریخ طبری ص 1589۔

عہد رسالت میں عبداللہ بن رواحہ صحابی یہودان خیبر سے نصف پیدوار اصول کرنے کے لیے جاتے تھے علامہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ فصل تیار ہو جانے پر عبداللہ جاتے تھے۔ اراضیات خیبر کے تمام غلوں کو اکٹھا کروا کے دو مساوی حصوں جمع کرتے تھے پھر یہود سے کہتے تھے ان میں سے جو حصہ تمہارا جی چاہے لے لو اور دوسرا میرے لئے چھوڑ دو۔ وہ اپنا حصہ اٹھا لیتے تھے اور عبداللہ اپنا حصہ لے کر مدینہ واپس آتے تھے۔

حضرت صفیہ کا قصہ:

حضرت صفیہ کے قصہ کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت صفیہ کی نسبت بعض کتب حدیث و سیر میں واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان کو وحیہ کلبی کو دیا تھا۔ پھر کسی نے اُنکے حسن و جمال کی تعریف کی تو ان سے مانگ لیا اور اسکے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں بھی دیں مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے اور جب اصلی روایت میں اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہ کا یہ واقعہ حضرت انس سے منقول ہے لیکن خود حضرت انس سے متعدد روایتیں ہیں اور وہ باہم مختلف ہیں بخاری کی جو روایت خیبر کے ذکر میں ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعہ خیبر فتح ہوا تو لوگوں نے آپ کے سامنے حضرت صفیہ کے حسن کا ذکر کیا آپ نے ان کو اپنے لیے لے لیا۔ اصلی الفاظ یہ ہیں۔

فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیہ بنت حیّ بن اخطب وقد قتل زوجھا

وكانت عروسا فاصطفاها النبى عليه واله وسلم لنفسه۔

جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگوں نے آپ سے حی بن اخطب کی لڑکی صفیہ کے حُسن و جمال کی تعریف کی۔اسکا شوہر جنگ میں مارا گیا تھا آنحضرتؐ نے اسے اپنے لیے پسند کرلیا۔

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ رباب مایذکر مافی الفخذ)و(صحیح مسلم (باب فضل عتق الامۃ) میں خودانس کی پھر روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت وحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک لونڈی مجھے عنایت ہو آپ نے انکو اختیار دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔اُنہوں نے حضرت صفیہ کا انتخاب کیا۔لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا۔ایک شخص نے آ کر آنحضرت صلعم سے کہا

يانبى الله اعطيت وحية صفيه بنت حى ابن اخطب سّيدة قريظه والنضير لاتصلح الالك۔

اے پیغمبر خدا آپؐ نے صفیہ بنت حی کو وحیہ کے حوالے کر دیا۔وہ قریظہ اور بنی نضیر کی رئیسہ ہیں اور آپ کے سوا اور کوئی اُن کے لائق نہیں۔

اس کے بعد آپ نے صفیہ کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کرلیا۔ابوداؤد میں یہ دونوں روایتیں ہیں۔اور دونوں حضرت انس سے مروی ہیں۔ابوداؤد کی شرح میں مادری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفیہ کو وحیہ سے اس لیے واپس لے کر اُن سے عقد کرلیا کہ مافيه من انتهاكها مع مرتبتها و كونهابنت سيدهم۔چونکہ وہ عالی مرتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں اس لیے اور کسی کے پاس جانا اُنکی توہین تھی۔حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اسی کے قریب قریب لکھا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہ خاندان کے تباہ ہوجانے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں۔وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں۔اُن کا شوہر بھی قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا۔باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جاچکے تھے اس حالت میں اُن کے پاس خاطر حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے اس کے سوا کوئی اور تدبیر نہیں تھی آنحضرت ﷺ نے اُنکی خاندانی عزت کے لحاظ سے انکو آزاد کردیا اور پھر نکاح پڑھایا حسن خلق۔رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ۔سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کاروائی نہایت موزوں اور بجا تھی۔اور اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثہ کے ساتھ بھی اس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔سیرۃ النبیؐ جلد اول 580-360 ص۔

غزوہ بنی المصطلق میں حضرت جویریہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا۔اور اس سلوک کا جو اثر ہوا تھا۔وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

شبلی صاحب نے جس صفائی سے اصل حقیقت کی چہرہ کشائی کی ہے وہ قابل تعریف ضرور ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے جو لکھ کر بتلائی گئی ہے۔لیکن اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ ان تمام مفاسد کے اصلی باعث سوائے اصحاب صحاح اور اُنکے رواۃ ہیں آپ کے

نزدیک کیا کوئی اور لوگ بھی ثابت ہوتے ہیں؟ اور کیا شبلی صاحب اب بھی اسکے ماننے پر تیار نہ ہوں گے کہ دفاتر صحاح بھی ابھی تک مخالف ومعارض مرویات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور مسانید وسنن کی طرح اچھا بڑا ہر قسم کا مواد ان میں بھی موجود ہے؟ امام المحدثین بخاری ہی کی مثال پہلے لے لیجئے آپ خود اُنہیں کی صحیح اس واقعہ میں دو معارض روایتوں کو لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ یہ مفید بحث ہے اور وہ غیر مفید اور پھر بھی آپ کے نزدیک عموماً صحاح اور خصوصاً صحیح بخاری سے بڑھ کر کوئی کتاب قابل اعتبار واسناد نہیں ہے۔ جس میں بقول آپ کے کوئی غلط کیا ضعیف روایت تک نہیں ہے یہ پھر آپ ہی بتلائیں کہ آپ کے ان منقدانہ اعترافات کے سامنے تصدیق وتوثیق بخاری کا دعویٰ کیسا بے دلیل سے ثابت ہوجاتا ہے۔

جیسے جیسے تحقیق کی جاتی ہے ویسے ویسے یہ امر ثابت ہوتا جاتا ہے کہ مخالفین اسلام کی تمام تعریضات کے اصلی باعث یہی صحاح کی مرویات ہیں۔ بقول شبلی صاحب کے جب اصلی روایت میں اتنا موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتا ہے۔ حقیقت آپ خود لکھ چکے تو ہم کو اب اور لکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی مگر تعجب ہے تو بخاری صاحب پر اور خاص کر اُن کی نظر فی الحدیث پر کہ باوجود اس اعلمیت اور تبحیر کے بھی وہ اپنی مرویات کتاب میں حسن وقبح مفید غیر مفید اور مستند ومعترضین اور مستند کی خود تمیز نہ کر سکے۔ اور ہر قسم کے مواد فاسد سے کتاب کی کتاب بھر دی جو معترضین اور مخالفین کی تعریضات کے لیے سرمایہ ناز بن گئی۔ تاوقت کہ یہ تمام مفسدہ انگیز مرویات کتب صحاح سے نکال کر صحاح کی کتابیں صاف وپاک نہ کر دی جائیگی مخالفین کے اعتراضوں کے دروازے بند نہ ہونگے۔ افھم فتدبر۔

زینب یہودیہ کا آنحضرت صلعم کو زہر دینا آپ کا عفو جرم فرمانا

جناب رسالت مآب ﷺ خیبر کے انتظامات میں کچھ دن تک قیام فرمایا چونکہ معاملات صلح و آشتی کے طریقہ سے طے ہونے والے تھے اس لیے آپ کو یہودیوں کی طرف پورا اطمینان تھا۔

کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اور رسول اللہ صلعم کے اسوہ حسنہ کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ لیکن یہود کی غدار اور مکار قوم اپنی فطرتی مفسدہ انگزیوں سے کب چوکنے والی تھی دو تین ہی روز کے بعد یہود نے اپنی طرف سے بدی کے اظہار شروع کر دیئے اسکی پہلی مثال زینب یہودیہ کی مکاری اور خونخواری سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ وحدیث میں اس کا طول وطویل قصہ تمام اختلافات اقوال و آرا کے ساتھ لکھا ہوا اور زرقانی نے اپنی شرح مطبوعہ مصر میں صفحہ 277 سے لے کر صفحہ 279 تک بڑی شرح وبسط سے لکھا ہے لیکن شبلی صاحب نے جس قدر خلاصہ کر کے لکھا ہے ہم اسی کی نقل کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھ کر ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

اگر چہ یہود کو کامل امن وامان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر قسم کی مراعات کی گئی تاہم انکا طرز عمل ہمیشہ مفسدانہ باغیانہ رہا۔ پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت ﷺ کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی آپ نے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گیا۔ آنحضرت صلعم نے زینب کو بلا کر پوچھا۔ اس نے جرم کا اقبال کیا۔ یہودیہ نے کہا ہم نے اس لیے اس میں زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی۔ آنحضرت ﷺ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ اس بنا پر آپ نے زینب سے کچھ تعرض نہ فرمایا۔ لیکن جب دو تین دن کے بعد بشر بن براء زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی سیرۃ النبی جلد اول ۳۶۱۔

زینب کا قتل

زرقائی نے صورت قتل یوں لکھی ہے۔

انہ صلعم وقعتہا الی ولاۃ بشر فتتلوا ہ ص ۲۷۹

آپ نے زینب کو وارثان بشر کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے قصاس میں قتل کر دیا دوسری مثال یہود کی غداری کی یہ ہے۔

عبداللہ بن سہیل کا بے رحمانہ قتل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو

اسلام نے یہود کے ساتھ جن رعایات وخوش اسلوبی سے معاملات طے کیے تھے وہ بتلا رہے ہیں کہ فتح کے بعد بھی اُنکی املاک اُن کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی گویا مفتوح ہوجانے کے بعد بھی یہ اپنی املاک پر ویسے ہی مالک ومتصرف رہے جیسے سابق میں تھے۔ مگر افسوس اُنکی کج فطرتی نے اسلام کی اس محسنانہ مراعات کی کوئی قدر نہیں کی چند دنوں کے بعد مدینہ میں قحط پڑا اور غلہ کی گرانی ہوئی تو عبداللہ بن سہیل صحابی عیال کے آزوقہ کے لیے خیبر سے غلہ خرید لانے کی غرض سے گئے یہود نے صرف اس مخاصمت پر کہ یہ مسلمان ہیں۔ ان کا خون ان کی جان حلال ہے۔ ان کو دھوکے سے نہر میں ڈبو دیا۔ محیصہ ان کے ہمراہی کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ تنہا ہونے کی وجہ سے یہود سے کوئی باز پرس نہ کرسکے۔ مدینہ لوٹ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روئداد عرض کی اور یہود ان خیبر سے عبداللہ کی دیت دلوادی جانے کی استدعا کی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بیان کی صداقت پر حلف شرعی لے سکتے ہو محیصہ نے عرض کی میں تو ضرور حلفاً بیان کردوں گا لیکن یہود تو ایک کیا پچاس مسلمانوں کو بھی قتل کرڈالیں تاہم جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ آئینگے۔ رحمت عالم نے اب کی بار بھی یہود کی اس خونخوارانہ حرکت سے چشم پوشی اختیار فرمائی اور معاملہ کو زیادہ طول نہ دینا چاہا بیت المال سے عبداللہ کی دیت دلوادی اور قصہ رفت وگذشت ہوگیا۔

خزانہ بتلانے کے جرم کو کنانہ کے قتل کا باعث ٹھہرانا بالکل غلط ہے

خیبر کے متعلق حضرت صفیہ کے ایسے غلط واقعہ کی ایک اور غلط خبر حدیث وسیر کی کتابوں میں منقول ہوکر مشہور ہوگئی ہے اور معترضین اسلام کی مغویانہ قلمکاریوں کا ذریعہ بن گئی شبلی صاحب نے اس کی کافی تنقید تفصیل سے کردی ہے مگر افسوس اپنی قدیم عادت کے موافق اہل سیرت ہی کو صرف اس کا خاص مجرم قرار دیا ہے اور اہل حدیث کا نام بھی نہیں لیا چنانچہ آپ کا عنوان عبارت یہ ہے۔

خیبر کے واقعات میں ارباب سیرت نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابوں میں منقول ہوکر متداول ہوگئی ہے۔ سیرۃ النبی ص 361۔

تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ امام قسطلانی۔ امام بیہقی۔ علامہ بلاذری اور علامہ زرقانی بھی اس غلط بیانی میں اہل سیرت کے ہمزبان ہیں۔ ملاحظہ ہو زرقانی جلد دوم مطبوعہ مصر ص 64-263 انکے علاوہ آپ خود بھی اہل صحاح میں سے ابوداؤد واہل حدیث میں سے حافظ ابن القیم کو بھی اسی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب آپ ہی کی عبارت تنقیدی سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر حق ناحق اہل سیرت کو تنہا اس غلطی کا قصوروار ٹھہرانا تدین مولفانہ کے سراسر خلاف ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے سیرۃ وحدیث کی اس غلط روایت کی تنقید میں مفصلہ ذیل اکتشافات فرمائے ہیں اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ حقیقت حال اتنی ہی تھی جتنی ذی علم مولف نے اپنے اکتشافات ذیل میں دکھلائی ہے۔

غلطی یہ ہے کہ اول آپ ؐ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے لیکن جب کنانہ بن ابی الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپ ؐ نے زبیر کو حکم دیا کہ سختی کرکے اس سے خزانہ کا پتا لگائیں۔ حضرت زبیر چقماق جلا کر اس کے سینہ کو داغتے تھے یہاں تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی (یہ تفصیل تاریخ طبری میں مذکور ہے اور ابن ہشام میں بھی اسی کے قریب قریب ہے)۔

بالآخر آپ نے کنانہ کو قتل کر دیا اور تمام یہودی غلام بنا لیے گئے۔ فتوح البلاد بلاذری۔

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کرا دیا گیا لیکن اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ خزانہ کے بتانے سے انکار کرتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ طبری میں تصریح ہے **ثم دفعه رسول الله صلعم الى محمد بن مسلمه فضرب عنقه باخيه محمود بن مسلمه**۔ پھر آنحضرت ؐ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کر دیا اُنہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص میں اُسے قتل کر دیا۔ ص 1582 مطبوعہ یورپ۔

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام کی ہے اور دونوں نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے لیکن ابن اسحٰق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہیں بتایا ہے محدثین نے رجال کی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ ابن اسحٰق یہودیوں سے مغازی نبویؐ کے واقعات روایت کرتے تھے۔ اس روایت کو بھی اُنہیں روایتوں میں سمجھنا چاہیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحٰق ان راویوں کا نام نہیں لیتے کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لیے اس قدر سختی کرنا کہ اُس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے۔

رحمۃ اللعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔ وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہیں کرتا کیا چند سکوں کے لیے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے۔؟ اصلی واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الربیع کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہیں کرے گا۔ اس نے یہ منظور بھی کر لیا تھا کہ اگر وہ اس کے خلاف کچھ کرے گا تو قتل کا مستحق ہوگا (ابوداؤد باب حکم ارض خیبر وطبقات ابن سعد غزوہ خیبر ص 81 سطر 24) کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اس کو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا۔ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ اب اس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھو اہل روایت میں کیا کیا واقعات اضافہ ہوگئے۔ قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا محمود بن مسلمہ کو اسی نے قتل کیا تھا اس لیے وہی قتل کیا جا سکتا تھا۔ اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد نے بکر بن عبدالرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے اس میں کنانہ کے ساتھ اُس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے یعنی دونوں بھائیوں کے ساتھ تمام یہودی بھی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لیے گئے۔ **فلما وجد المال الذى غيبوه فى مشك الجمل سبى نساؤهم**۔ جب وہ خزانہ مل گیا۔ جس کو انہوں نے اونٹ کی کھال میں چھپا رکھا تھا تو اُن کی عورتیں گرفتار کیں اور رنڈیاں بنا لیں (بحوالہ ابن سعد ص 88، 81)

لیکن جب یہ روایتیں محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہیں تو چھلکے اتر جاتے ہیں اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے۔ تمام یہود کا قتل اور زن ربچہ کا گرفتار ہونا ایک طرف خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہیں کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک

زندہ تھا صحیح بخاری میں ہے۔

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاہ احدبنی ابی الحقیق قال یاامیر المومنین اتخرجنا وقد اقرنا محمد وعاملنا علی الاموال۔

پھر جب حضرت عمر نے یہ (استخراج یہود) ارادہ کرلیا تو ابوالحقیق کا ایک بیٹا انکے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنے دیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔

حافظ ابن القسیم نے عام روایتوں کی وسعت کو گھٹا کر۔زادالمعاد میں اس حد تک پہنچایا ہے۔

ولم یقتل رسول اللہ ﷺ بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صلح کے بعد ابی الحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا اور کسی کو قتل نہیں کیا۔

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورہ پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ مقدار اور بھی گھٹ جاتی۔

ابوداؤد میں جہاں ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے وہاں صرف ابن ابی الحقیق کے مارے جانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ابوداؤد میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے سعیہ (حی ابن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوگیا۔اس نے کہا لڑائیوں میں صرف ہوگیا باوجود اس کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا۔یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص میں ہوا تھا۔ورنہ اگر خزانے کے چھپانے کا جرم قتل کا باعث ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے مورخین نے پہلے غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم میں اور لوگ بھی اس میں شریک تھے۔اس لیے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کردیا گیا۔سیرۃ النبی ج،ص 63-364

حضرت جعفر کا مہاجرین حبشہ کے ساتھ خیبر میں حاضر ہونا۔

شبلی صاحب نے حقیر کے متعلق اتنے ہی واقعات لکھے ہیں تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے متعلق ابھی اور قابل الذکر واقعات ہیں جن کو آپ نے نہیں لکھا ہے۔ان میں حضرت جعفر کا مہاجرین حبشہ کی جماعت لے کر ملک حبشہ سے مدت کے بعد واپس آنا۔یمن کے قبیلہ اشعریین کے وفد کا حاضر خدمت ہونا جنمیں ابوموسیٰ الاشعری بھی داخل تھے اور سب کا اسلام لانا۔خیبر کے خاص مقامی واقعات ثابت ہوتے ہیں۔

جناب جعفر ابن ابیطالب کی سعادت کی مفصل کیفیت زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

روی البیہقی عن جابر ان جعفر الماقدم علیہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تلقاہ

فقبل جھتہ ثم قال ما ادری بایما افرح بفتح خیبر ام بقدوم جعفر۔

بیہقی نے جابر سے روایت کی ہے۔ جب حضرت جعفر خیبر میں آ کر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ نے فرط محبت سے اُنکی پیشانی کا بوسہ لیا اور ارشاد فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میں اپنی ان دو خوشیوں میں سے کس پر اظہار مسرت کرو۔ (۱) فتح خیبر پر یا (۲) آمد جعفر پر اسکے بعد غنائم خیبر کی تقسیم کے ذیل میں زرقانی ابوموسیٰ الاشعری کی زبانی لکھتے ہیں۔

حتی قدمنا معہ (جعفر) جمیعا فوافقنا النبی صلعم حین افتح خیبر فایتھم الناولم یسھم لاحد غاب من فتح خیبر منھا شیئا الا لمن شھدھا معہ الا اصحاب سفیتنا مع جعفر واصحابہ فانہ قسم لھم معنا۔

(ابوموسیٰ کہتے ہیں) آ ینکہ ہم لوگ بھمراہی حضرت جعفر روانہ ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آنحضرت صلعم نے ہم لوگوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا اور کسی شخص واحد کو جو فتح خیبر میں شریک یا حاضر نہیں تھا حصہ نہیں دیا۔ سوائے ان کے جو حضرتؐ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے یا ہم لوگ اہل سفینہ (مہاجرین حبشہ) کے جو ہمراہی حضرت جعفر آئے تھے انہیں البتہ غنیمت میں حصہ دیا۔ جلد دوم ص 283 مصر

انہیں واقعات کے ذیل میں حضرت عمر کی بحث فضیلت کا جملہ معترضہ بھی داخل ہے جس کی کیفیت ذیل زرقانی کی عبارت میں نقل کی جاتی ہے۔

ان عمر قال لاسماء بنت عمیس سبقنا کم بالھجرۃ فنحن احق برسول اللہ منکم فغضبت وذکرتہ لہ صل اللہ علیہ والہ وسلم فلیس باحق لی منکم لہ ولا صحابہ ھجرتہ واحدۃ ولکم انسنم اھل السفینۃ۔ ھجرتان ص283۔

حضرت عمر نے حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت جعفر سے کہا کہ ہم لوگ تم لوگوں سے مرتبہ ہجرت میں بڑھے ہوئے ہیں اور ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں یہ سن کر اسماء بنت عمیس کو سخت طیش آیا۔ اور آنحضرت صلعم سے جا کر اسکا ذکر کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں۔ ان کے (عمر کے) اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہوئی ہے اور تم لوگ

اہل سفینہ کی دو ہجرتیں ہوئی ہیں۔

وفد اشعرین خیبر میں

اشعرین 7 ہجری میں یمن کا ایک نہایت معزز قافلہ شعری تھا۔ ابوموسیٰ الاشعری اسی قبیلہ سے ہیں ان لوگوں نے جب آنحضرتؐ کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن (53) شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصہ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت موسیٰ الاشعری بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو جنبش میں پہنچا دیا وہاں حضرت جعفر طیار بھی موجود تھے۔ وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اسی زمانہ میں خیبر فتح ہوا تھا اور آنحضرت صلعم یہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں ان لوگوں نے شرف باریابی حاصل کی۔ سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم

معاودت حضرت جعفر کے حالات لکھنے کی تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اسکے ذکر سے ایک بنی ہاشم کی فضیلت اور حضرت عمر کی بیجا معارضت کا اظہار ہوتا ہے لیکن وفد اشعرین کے اس مقام خاص سے مرفوع القلم فرما دیئے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ حالانکہ آپ کی عبارت مندرجہ بالا بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ اشعرین کا وفد خاص خیبر کے دوران قیام میں مشرف بہ زیارت ہوا ہے۔

تقسیم خمس خیبر میں بنی ہاشم کی ترجیح وواقعہ سنہ ہجری:

شبلی صاحب نے ایک اور واقعہ چھوڑ دیا ہے وہ خمس خیبر کی تقسیم کے متعلق ہے چونکہ اس واقعہ میں بنی اُمیہ پر بنی ہاشم کی فضیلت ظاہر ہوتی تھی اور ان کی مساوات فی الاصل والنسل کے دلائل تعمیمی حاصل ہوتے تھے اس لیے شبلی صاحب کو کف لسان ضرور تھا۔ لیکن استخراج خمس کا عنوان تو آپ خود یہ لکھ کر قائم کر چکے ہیں کہ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی اس میں آنحضرتؐ کا خمس بھی تھا۔ ص 357۔

اب اس رقم خاص کی تقسیم میں کیا واقعات پیش آئے وہ محدث شیرازی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

ونصیب کامل از خمس به بنی ہاشم وبنی المطلب ارزانی داشت چنانچه از جبیر بن مطعم رضی اللّٰه عنه مرویست که چون پیغمبر ﷺ سہم ذوی القربی رااز غنائم خیبر به بنی ہاشم وبنی مطلب دادمن وعثمان بزرد حضرت رفتیم وگفتم انکار فضل برادران خویش از بنی ہاشم نمی کنیم زیراکه وجود شریف تو از ایشان است فامامراتب ماوبنو مطلب به نسبت تو یکے است چون است که ایشان راسہم ذوی القرابی دادی وما رامحروم گذاشتی درجواب فرمودکه بنو ہاشم وبنومطلب نیستند مگر شے واحد ہمچنین واما بع مبارک راتشبیک فرمودودروایتے آنکه فرمود ما بنو

مطلب ازہم جدانہ گشتند۔ نہ درجاہلیت ونہ دراسلام ص 290 روضۃ الاحباب۔
آپ نے خمس کی کل رقم بنی ہاشم و بنومطلب کو عنایت کردی چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ نے خمس کی رقم ذوالقربےٰ میں بنی ہاشم و بنی مطلب کو دیدی تو ہم اور عثمان بن عفان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم لوگوں کو اپنے برادران بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں ہے کیونکہ حضور کا وجود اقدس انہیں سے ہے لیکن حضور کے ساتھ قرابت رکھنے کے اعتبار سے ہم اور بنو مطلب ایک ہیں پھر یہ کیسے ہوا کہ ان لوگوں کو ذوی القربیٰ کے حصہ دیدیے گئے۔ اور ہم لوگ اس سے بالکل محروم رکھے گئے جواب میں ارشا ہوا کہ بنی ہاشم و بنی مطلب جدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز جیسی کہ یہ انگلیاں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنی انگلیاں جدا کرکے پھر ملالیں اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ہم اور بنومطلب کبھی جدا نہ ہوئے نہ جہالت کے ایام میں اور نہ اسلام میں۔

تقسیم غنیمت خیبر

تقسیم غنائم کی نسبت تو شبلی صاحب نے گویا کچھ بھی نہیں لکھا اور نہ اُن خاص احکام نبویؐ کا ذکر کیا ہے جو حصول غنائم کے متعلق نافذ فرمائے گئے تھے۔ اور نہ ارض خیبر کی نسبت کوئی تفصیلی حالت معلوم ہوتی ہے بلکہ انہیں سے اکثر واقعات کو مبہم چھوڑ دیا ہے جن کا انکشاف حقیقت عام واقفیت کی ضرورت سے ہمارا فرض ہے۔ اس بنا پر ہم اس کو پوری تفصیل کے ساتھ محدث شیرازی کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

فروہ بن عمر بیاضی راا فرمود تاغنائم خیبر راحصار نظاۃ جمع کند مزوہ حسب رمودہ بدان مہم قیام نمودہ واقمشہ وامتعہ واسلحہ واطعمہ لبسیار ونعم بیشمار جمع کردہ ودران میان محائف متعددہ از توریت بود یہود بطلب آنہا آمدند حضرت امرفرمود کہ صحائف باز گردنید ومنادی رسول ایام جمع غنائم ندامیکرد ادوالخیطوالمخیط فان الغلول عاروشنارونا یوم القیمہ مقدار ریسمانے وسوز نے ازغنیمت بامیر غنیمت برسانیند وپوشیدہ پنہان مداریدبدرستیکہ خیانت درغنیمت موجب عارنارودوزخ است درروز قیامت وبہ صحت رسیدہ کہ غلامے سیاہے بودہ کہ رحل ومتاع سفر پیغمبر بعہداوبودوروایتے آنکہ عنان دابہ حضرت نگاہ می داشت

دروقت مقابله اوراکرکره می گفتند۔ دران ایام بمروحضرت فرمود که وے درآتش دوزخ است اصحاب یتفحص بار او مشغول شدند ودوان میان گلیمے پشمینے یافتند که از غنائم پیش از قسمت گرفته بود ومروی است که دروازے خیبر مردے از صحابه وفات یافت حضرت از اعلام کردند فرمودند برصاحب خودنماز گزارید رنگ ورے مردم متغیر شداز یں سخن فرمود که این یار شما خیانت کرده درغنیمت۔ روای گوید که متاع اورا اتفتیش کردیم مهره چندانه مهرهائے یهود یافتم که بدودرهم نمی ارزید۔

ودر روز جمع غنائم واخذ سبابا حضرت فرمود که هرکه ایمان بخدا وروز جزا دارد باید که آب حوزار بزراعت دیگرے ندهد باید که از زنان سبابه هیچ زن رواسطی نه کند تا حدۃ او منقضی نه شود باید که هیچ چیزاز غنیمت قبل از قسمت نه فروشد چون تمام غنائم جمع شد۔ زید بن ثابت راامر فرمود۔ مردے رایک سهم واپسے رادوسهم وزنان رکه یجهت خدمت اهل لشکر وتداوی مرضے وجرهے همراه شده بود ندچیزے عطا فرمود۔ لیکن سهم بالیشان ندادودر بعض کتب سیراست که ایشان رانیز داخل سهام گرداند389

فروہ بن بیاضی کو حکم ہوا کہ خیبر کے تمام غنیمت کو قلعہ نطاۃ میں جمع کرو فروہ نے حسب الحکم تمام اموال غنیمت جمع کر دیا ہر قسم کے لباس مال واسباب جنگی اسلحات اور کھانے پینے کی کثرت سے چیزیں اکٹھی ہوگئیں۔ انہیں اشیاء میں توریت کے متعدد نسخے بھی تھے۔ یہود نے انکو واپس مانگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیا کہ انکی کتابیں اُن کو واپس دیدو پھر آپ نے جمع غنائم کی نسبت یہ عام منادی کرادی کہ اگر کسی کے پاس بقدر ایک سوئی ایک ایک رسی کے ٹکڑے کے بھی کوئی چیز غنیمت کے مال میں سے ہو وہ اپنے امیر کے پاس جمع کردے کیونکہ غنیمت میں خیانت ذلت اور معصیت اور آتش دوزخ کا قیامت میں باعث ہے اور روایت صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک حبشی آپ کا غلام تھا کہ آپ کی سواری اور اسباب سفر اسی کے متعلق رہا کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مقابلہ کے وقت آپکی سواری کی لگام پکڑے رہتا تھا اس کا نام کرکرہ تھا وہ اتفاقاً اسدن مرگیا آپ نے فرمایا کہ جہنم میں ہے لوگ متعجب ہوکر اسکی تفتیش حال کرنے لگے تو اس کے

پاس ایک ادنی کمبل پایا گیا جس کو اس نے تقسیم غنیمت سے قبل اپنے پاس چھپا رکھا تھا اور یہ بھی منقول ہے کہ اسی دن ایک صحابی انتقال فرمایا آنحضرتؐ کو خبر کی گئی آپ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اپنے رفیق کی نماز پڑھ لو۔ یہ ارشاد سن کر سب کے چہرے متغیر ہو گئے یہ رنگ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ تمہارے رفیق نے غنیمت میں خیانت کی ہے لوگ تلاش کرنے لگے تو اس کے اسباب میں یہود کی چند انگوٹھیاں پائی گئیں۔

جمع غنائم اور گرفتاری اسرا کے متعلق آپ نے اپنی زبان مبارک سے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنا پانی دوسروں کی زراعت پر نہ نقصان کرے اس کو چاہیے کہ اسیر عورتوں میں سے کسی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جب تک کہ ایام عدت اُس کے پورے نہ ہو لیں اور غنیمت کی کوئی چیز قبل از تقسیم نہ فروخت کرے جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ اہل لشکر کی تعداد کو شمار کرو شمار کیا گیا تو چودہ سو آدمی نکلے۔ پس آپ نے تمام وکمال اموال غنیمت جملہ اہل لشکر پر اس طرح تقسیم فرما دیئے پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصہ عنایت کیے عورتوں کو جو اہل لشکر کی خدمت اور علاج مرض وجراحت کی ضرورت سے ہمراہ آئیں تھیں کچھ معاوضہ کے طور پر عنایت ہوا لیکن انکو حصہ نہیں دیا گیا اور بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ انکو بھی سہم غنیمت میں داخل کیا۔

تمام روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے ایک ہی حصہ لیا معمولی پیدل سپاہی کے برابر یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادلانہ مساوات تھی شبلی صاحب بلاذری کی سند سے لکھتے ہیں۔

والرسول اللہ ﷺ سہم احدھم

سنن ابوداؤد کے حکم ارض خیبر کے ذکر میں بھی مرقوم ہے۔

النبی صلعم معھم لہ سھم کسھم احدھم

آنحضرت صلعم کا حصہ بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ تھا۔

خیبر میں بعض احکام فقیہ کا نزول

شبلی صاحب نے موقع خیبر کو بعضے احکام فقیہ کے نزول کا خاص موقع بھی بتلایا ہے آپ کی عبارت یہ ہے۔

(۱) ارباب سیر نے غزوہ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے اور آنحضرت صلعم نے ان کی تبلیغ کی ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پنجہ دار جانور حرام ہو گئے

(۲) درندہ جانور حرام ہو گئے

(۳) گدھا اور خچر حرام ہو گیا

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز تھا۔ اب استبرا کی قید ہو گئی یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ تین مہینوں تک تمتع جائز نہیں۔

(۵) سونے چاندی کا بتفاضل خریدنا حرام ہوا۔

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔ ہم آپ کو شبلی صاحب کی اس فہرست میں کسی کی حرمت کی نسبت تصریح و تشریح کی ضرورت نہیں صرف آخر نمبر ۶ حرمت متعہ کی حقیقت کا انکشاف کرنا ہے۔ شبلی صاحب کو اپنی عادت کے مطابق اس مختلف فیہ مسئلہ کی حرمت لکھ کر اپنی کتاب میں گویا قائم کر گئے۔ حالانکہ بعض روایتوں میں صاف صاف بتلا رہا ہے۔ کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اسکی حرمت ویسی قطعی ثابت نہیں جس طرح اور محرمات کی لیکن آپ کو تاکید عقائد اور تقلید اسلاف منظور ہے اس لیے باوجود اعتراف اختلاف کے آپ نے مثل اور محرمات کے اسکو بھی داخل کتاب کر ہی دیا اب دیکھیے خیبر میں متعۃ النساء کی حرمت کا نازل ہونا آپ ہی کے علما کی اسناد سے کہاں تک ثابت ہے جس کو آپ اس دلیری سے بغیر کسی حوالے کے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ذیل کی عبارت۔

فی صحیح البخاری ان رسول اللہ نھی عن متعۃ النسآء یوم خیبر عن اکل الحمار الانسیۃ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں متعۃ النساء اور خر کا گوشت کھانے سے ممانعت فرمائی۔

علامہ عینی شارع صحیح بخاری بخاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن عبدالبر وذکر النھی عن المتعۃ یوم خیبرا لا یعرفہ احد من اھل السیرۃ وروٰۃ الاثم وقد روی الشافعی عن مالك باسنادہ عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ نھی یوم خیبر عن اکل لحرم الاالحمر الاھلیۃ لم یزد علی ذلك وسکت عن

قصة المتعة وفی زادا المعاد لابن القیم قال قاسم ابن اسبغ قال سفیان بن عینیة یعنی انه نهی عن الحوم الحمر الاهلیة زمن خیبر لاعن نکاح المتعة ذکره ابو عمر فی التمهید تاریخ احمدی 63۔

حافظ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ بروز خیبر متعۃ النساء سے ممانعت ہونے کا قول غلط ہے علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ اہل سیرۃ تاریخ اور رواۃ اثر میں سے کوئی بھی اس بات کو نہیں جانتا کہ بروز خیبر متعۃ النسا سے ممانعت کی گئی ہو اور امام شافعی نے اپنے استاد کے ساتھ مالک سے حضرت علیؑ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے خیبر کے دن صرف گوشت خر کے استعمال سے ممانعت فرمائی اور اس حدیث میں متعۃ النساء کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور زادالمعاد ابن قیم میں ہے کہ سفیان بن عینیۃ نے کہا ہے کہ رسول نے جنگ خیبر کے زمانہ میں گوشت خر کے استعمال سے ممانت فرمائی نکاح متعۃ النساء سے ممانت نہیں کی جیسا کہ ابو عمر (ابن عبدالبر نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔

جنگ خیبر بالکل دفاعی تھی

شبلی صاحب نے خیبر کے عنوان ہی میں غزوۂ خیبر پہ سیاسی جنگ کا ہلکا سا رنگ چڑھا دیا ہے مگر پھر جیسے جیسے واقعات لکھتے گئے ہیں اور سمجھتے گئے ہیں۔ ان پر اسکی دفاعی اور حفاظت خود اختیاری کی حقیقت روشن ہوتی گئی ہے ہم نے تمہید ہی میں آپ کے اس خیال وقیاس کی تنقید کر دی ہے۔ لیکن آپ کو خود اپنی اس غلط فہمی کا خیال لگا تھا۔

چنانچہ حالات خیبر کے خاتمے پر جب آپ نے اس کو ایام محرمات میں واقع ہونے پر بحث کی ہے تو آپ کو اس کی دفاعی ہونے کی حقیقت کا اقرار کرنا پڑا ہے۔ ملاحظہ ہو اپنی حسب ذیل عبارت۔

ایک اور نکتہ اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا یعنی آنحضرت ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخیں تھیں۔ محرم میں لڑائی شرعاً ممنوع ہے۔ اس لیے محدثین اور فقہا میں اسکی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل میں البتہ ان مہینوں میں لڑائی ممنوع تھی۔ لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ابن القیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کے رُو سے تھا۔

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (سورہ بقرہ آیت۔ ۲۱۷)

کہہ دو کہ اس مہینہ میں لڑائی گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا ہے۔

پھر سورہ مائدہ میں یہ آیت اُتری

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ۔(المائدہ آیت۔۲)

مسلمانو! خدا کی حد بندیوں اور حرام مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی۔ اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا۔ اب وہ کون سی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ ولیس فی کتاب اللہ ولاسنۃ رسولہ ناسخ لحکمھا اور خدا کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں ہے۔

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم۔ طائف کا محاصرہ بیعت الرضوان سب ماہ حرام میں ہوئے تھے۔ اس لیے اگر ماہ حرام میں لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ انکو کیونکر کر جائز رکھتے۔ حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہ حرام میں ابتدا جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن کا دافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے۔ وہ سب واقعات دفاعی تھے آنحضرت ﷺ نے پیشدستی نہیں کی تھی بلکہ دفاع کیا تھا بیعت رضوان اسی لیے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمان کو جو سفیر ہوکر گئے تھے قتل کر دیا تھا۔ طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی۔ بلکہ غزوہ حنین کا بقیہ تھا جس میں خود کفار ہر طرف سے جمع ہوکر حملہ آور ہوئے تھے فتح حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست صلح کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا کفار نے کی تھی۔

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا۔ لیکن خاص خیبر کے معاملہ میں اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نامفصل رہ گئی۔ حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا انہوں نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں لکھا ہے کہ آنحضرت ؐ نے جس قدر لڑائیاں کیں سب دفاعی تھیں صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنٰی ہیں لیکن اگر علامہ موصوف زیادہ استقصا رکرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنٰی نہیں۔ بدر کا بیان اور پر گذر چکا ہے۔ خیبر سے پہلے واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آجائیگا۔ کہ یہود اور عطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

تمت بالخیر

❁❁❁❁❁❁
❁❁❁❁❁
❁❁❁